تفسیر نعیمی

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: نعیمی کتب خانہ گجرات
مفتی احمد یار خان روڈ، گجرات - پاکستان -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پنجتن پاک

فضائل پنجتن پاک

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

• حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ • حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ • حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ • حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ

آسمانی پنجتن پاک

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

• حضرت جبرائیل علیہ السلام • حضرت میکائیل علیہ السلام • حضرت اسرافیل علیہ السلام • حضرت عزرائیل علیہ السلام

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

• حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ • حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا • حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ • حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تفسیر نعیمی

جلد ۵

مفسر

شیخ التفسیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان قادری بدایونی رحمتہ اللہ علیہ

نعیمی کتب خانہ
مفتی احمد یار خان روڈ، چوک پاکستان، گجرات
پاکستان

کتاب	:	تفسیر نعیمی پنجم (وَالمحصنٰت، سورۃ النساء)
مصنف	:	شیخ التفسیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
ناشر	:	نعیمی کتب خانہ، مفتی احمد یار خان روڈ، چوک پاکستان، گجرات، پاکستان
کمپوزنگ	:	دانیال کمپوزنگ سینٹر، گارڈن ٹاؤن، لاہور
تعداد	:	گیارہ سو
سال اشاعت	:	۲۰۰۵ء
قیمت	:	

تقسیم کار:

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور

فہرست مظامین تفسیر نعیمی پارہ پنجم (٥) وَالْمُحْصَنٰتُ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَّ الۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ۚ
اور شوہر والی عورتیں سوا ان کے کہ مالک ہوئے جن کے تمہارے ہاتھ
اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں مگر کافروں کی عورتیں جو تمہاری ملک میں آجاویں۔ یہ اللہ
کِتٰبَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ ۚ وَ اُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ اَنۡ
تحریر اللہ کی اوپر تمہارے اور حلال کی گئیں تمہارے لئے وہ جو علاوہ ہیں ان کے یہ کہ
کا نوشتہ ہے تم پر اور ان کے سوا جو رہیں تم پر حلال ہیں کہ اپنے
تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِکُمۡ مُّحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ ؕ فَمَا
تلاش کرو بدلے مالوں اپنے کے پاک دامنی کرتے ہوئے نہ بدکاری کرتے۔ پس
مالوں کے عوض تلاش کرو قید لاتے نہ پانی گراتے۔ تو جن عورتوں
اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِہٖ مِنۡہُنَّ فَاٰتُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ فَرِیۡضَۃً ؕ
وہ عورتیں کہ نفع حاصل کرو تم ان میں سے پس دو ان کو ان کے مہر
کو نکاح میں لانا چاہو ان کے بندھے ہوئے مہر انہیں دو
وَ لَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡمَا تَرٰضَیۡتُمۡ بِہٖ مِنۡۢ بَعۡدِ
اور نہیں ہے گناہ اوپر تمہارے اس میں کہ آپس میں راضی ہو جاؤ بعد
اور قرارداد کے بعد اگر تمہارے آپس میں رضامندی ہو جاوے تو اس
الۡفَرِیۡضَۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۲۴﴾
مقرر شدہ کے تحقیق اللہ ہے جاننے والا حکمت والا
میں گناہ نہیں بیشک اللہ علم و حکمت والا ہے۔

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** : گذشتہ آیات میں قریباً تیرہ (۱۳) حرام عورتوں کا ذکر کیا گیا تھا، اب چودھویں حرام عورت کا ذکر ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق : پچھلی آیات میں دائمی حرام عورتوں کا ذکر تھا (سوا سالی کے) جن میں سے بعض نسباً حرام تھیں اور بعض سسرالی رشتے سے بعض دودھ کے رشتے سے۔ اب عارضی حرام عورتوں کا ذکر ہے جن کی حرمت کسی وجہ سے ہو جس کے اٹھ جانے سے حرمت بھی اٹھ جائے یعنی دوسرے کی منکوحہ بیوی کہ اس کے طلاق دینے کے بعد حلال ہو جاتی ہے۔ **تیسرا تعلق** : گذشتہ آیات میں حرام عورتوں کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے، اس آیت میں حلال عورتوں کا بھی اجمالی ذکر ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق** : پچھلی آیات میں حرام عورتوں کی حرمت کا ذکر تھا۔ اس آیت میں حلال عورتوں کے ساتھ اچھے برتاوے کا حکم دیا جا رہا ہے اور ان پر زیادتی سے منع فرمایا جا رہا ہے۔

شانِ نزول

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ اوطاس میں جو کہ فتح مکہ کے دن یا اس سے بالکل متصل ہوئی ہے، اسلامی لشکر اوطاس کی طرف بھیجا وہاں کے کفار مرد ڈر کے مارے پہاڑوں اور گھاٹیوں میں چھپ گئے۔ ان کی بہت عورتیں گرفتار ہو کر مسلمانوں کے پاس آئیں۔ ان غازیوں نے خیال کیا کہ چونکہ ان کے خاوند زندہ ہیں اور انہوں نے طلاق بھی نہیں دی ہے اس لئے شائد ان سے صحبت حرام ہو۔ یہ مسئلہ بارگاہِ رسالت میں پیش ہوا، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کو ایسی لونڈیوں سے جماع کی اجازت دی گئی (تفسیر خازن، روح المعانی، خزائن العرفان، تفسیر بیضاوی)۔

۲۔ سیدنا عبد اللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ فروخت شدہ لونڈی کے متعلق نازل ہوئی ان کے ہاں منکوحہ لونڈی کا نکاح بیع سے ٹوٹ جاتا ہے اور خریدار کو بعد استبراء صحبت جائز ہوتی ہے۔

۳۔ حضرت عطا فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اپنی مملوکہ لونڈی کے متعلق نازل ہوئی جس کا نکاح اور سے کر دیا گیا ہو، ان کے نزدیک مالک کو حق حاصل ہے کہ اپنی لونڈی کو اس کے خاوند سے علیحدہ کر دے یعنی اس کا نکاح توڑ دے (تفسیر خازن) مگر یہ دونوں قول عامۃ المسلمین کے مذہب کے خلاف ہیں۔ حق پہلا ہی قول ہے۔ (روح المعانی)

تفسیر

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ۔ واوٗ عاطفہ ہے اور **اَلْمُحْصَنٰتُ** گذشتہ آیت کے **اُمَّهٰتُكُمْ** پر معطوف ہے اور **حُرِّمَتْ** کا نائب فاعل ہے۔ ہماری عام قرأتوں میں **مُحْصَنٰتُ** ص کے فتح سے ہے۔ امام کسائی کی قرأت میں ص کے زیر سے ہے۔ یہاں ہی نہیں بلکہ سارے قرآن مجید میں (تفسیر بیضاوی) **مُحْصَنٰتُ** احصان سے بنا۔ جس کا مادہ **حِصْنٌ** ہے بمعنی قلعہ اور حفاظت۔ رب فرماتا ہے: **مَانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِنَ اللّٰهِ** (الحشر:۲)، اہل عرب کہتے ہیں۔ **تحصن زیدٌ** یعنی زید نے قلعہ میں رہنا سہنا اختیار کر لیا۔ پھر یہ لفظ ہر قسم کی حفاظت پر بولا جانے لگا چنانچہ زرہ کو حصینہ کہتے ہیں یعنی بدن کی حفاظت کرنے والا

لباس اچھے گھوڑے کو فرسُ حصان جو اپنے سوار کی حفاظت کرتا ہے گرنے سے بچاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ (یوسف:۴۸) یعنی گندم محفوظ رکھو نیز کہا جاتا ہے۔ امراتٌ حصان یعنی پاک دامن عورت جو اپنی عصمت کی حفاظت کرے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ چار معنے میں استعمال ہوا، (۱) پاک دامنی رب فرماتا ہے: اَلَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (الانبیاء:۹۱) (۲) آزاد عورت۔ رب فرماتا ہے: وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ (النور:۴) (۳) مسلمان عورت، رب فرماتا ہے، احصن (النساء:۲۵) یعنی جب وہ عورتیں اسلام لے آئیں۔ (۴) خاوند والی عورت (تفسیر کبیر) ان چاروں معنی میں حفاظت کے معنی ملحوظ ہیں کیونکہ آزادی کی وجہ سے غلامیت کی ذلت سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ اسلام انسان کو محرمات سے محفوظ کر دیتا ہے خاوند عورت کو بہت سی مصیبتوں سے بچالیتا ہے فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ جس نے نکاح کرلیا اس نے اپنے دو تہائی دین کی حفاظت کرلی۔ یہاں مُحْصَنٰتُ کے یہ چاروں معنی کئے گئے ہیں: یعنی حرام ہیں تم پر چار سے زیادہ آزاد عورتیں یا حرام ہیں تم پر مسلمان عورتیں یا حرام ہیں تم پر خاوند والی عورتیں یا حرام ہیں تم پر پاک دامن عورتیں۔ مگر قوی تفسیر یہی ہے کہ یہاں مُحْصَنٰتُ سے مراد خاوند والی عورتیں ہیں اور معنی یہ ہیں کہ حرام ہیں تم پر وہ عورتیں جو کسی کے نکاح میں ہوں۔ اس صورت میں آیت میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں چونکہ دنیا میں انسان مرد کا نکاح نہ جن عورت سے ہوسکتا ہے نہ حوروں سے۔ اس لئے محصنات کے ساتھ نِسَاء کا ذکر فرمایا گیا۔ نساء کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے لہٰذا مِنْ بیانیہ ہے اور ہوسکتا ہے کہ مِن تبعیضیہ ہو۔ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ۔ اِلَّا استثناء کا ہے اور مَا سے مراد عورتیں ہیں چونکہ لونڈی عورت بعض احکام میں مثل جانور کے مانی گئی ہے، اس لئے مَا فرمایا گیا جو غیر عاقلوں کے لئے آتا ہے نیز جب کسی چیز کو اس کی صفت سے بیان کیا جائے تو عاقل کے لئے بھی ما بول دیتے ہیں۔ رب فرماتا ہے: لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ (النساء:۲۲)۔ دیکھو یہاں عورتوں کو ما سے تعبیر کیا گیا، اور فرماتا ہے: فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا (بقرہ:۸۹)۔ دیکھو یہاں نبی ﷺ کو ما سے تعبیر کیا گیا۔ حق یہ ہے کہ یہاں ملک یمین سے مراد ان عورتوں کی ذاتوں کا مالک ہونا ہے جسے فقہا ملک رقبہ بھی کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے یہاں ملک نکاح بھی مراد لی ہے۔ مگر یہ ضعیف ہے یعنی جن کافرہ عورتوں کے تم مالک بن جاؤ، اس طرح کہ وہ جہاد میں تمہاری ملکیت میں آجاویں۔ وہ اگرچہ خاوند والی ہوں تمہارے لئے حلال ہیں کہ استبراء کے بعد یعنی (حاملہ ہو تو حمل جننے کے بعد اور غیر حاملہ ہو تو ایک حیض کا انتظار کرنے کے بعد) ان سے صحبت کرسکتے ہو۔ خیال رہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ تب ہوگا جب صرف عورت ہی قید ہو کر آئے خاوند نہ آئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گرفتار شدہ کافرہ بہر حال حلال ہے خواہ خاوند کے ساتھ گرفتار ہو یا اکیلی۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عورت کا قید ہونا نکاح توڑتا ہے اور ہمارے ہاں ملک کا علیحدہ ہونا اس کی پوری بحث کتب فقہ میں دیکھو كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

کتاب کے معنی اور اس کی تحقیق پہلے سپارے میں کی جا چکی ہے۔ یہاں تاکید کے لئے اس طرح فرمایا گیا۔ اصل عبارت یوں تھی کَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ كِتَابًا: اللہ نے یہ حکم تم پر نوشتہ یا رجسٹری کر دیا۔ بعض نے فرمایا کی اصل عبارت یوں تھی۔ اَلْزِمُوْا كِتَابَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ یعنی اللہ کے اس تحریری حکم کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ خیال رہے کہ کلمہ تاکید حکم یا دوام حکم بتانے کیلئے آتا ہے چونکہ حرام عورتوں سے نکاح نسل کو خراب کرتا ہے اس لئے فرمایا کہ یہ حکم رجسٹری شدہ ہے یا یہ مقصد ہے کہ اب اس میں کبھی تبدیلی نہ ہوگی، مذکورہ عورتوں کی حرمت تم پر دائم رہے گی لہٰذا یہ محکم فیصلہ ہے: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِكُمْ، اُحِلَّ کا مادہ حِلٌّ ہے بمعنی کھلنا چونکہ جائز چیز سے پابندیاں دور کر دی جاتی ہیں اس لئے اسے حلال کہتے ہیں اس سے مراد عورتیں ہیں۔ وَرَآءَ بمعنی علاوہ ذٰلِكُمْ سے اشارہ ان مذکورہ عورتوں کی طرف ہے جو یہاں بیان ہوئیں۔

خیال رہے کہ ان عورتوں کے علاوہ کچھ اور عورتیں بھی حرام ہیں جیسے چار بیویوں کی موجودگی میں پانچویں سے نکاح رب فرماتا ہے مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ (النساء:۳)، (۲) مشرکہ عورتوں سے نکاح۔ رب فرماتا ہے وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ (بقرہ:۲۲۱) جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں اس سے نکاح قبل حلالہ۔ فرماتا ہے فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (بقرہ:۲۳۰)۔ لعان والی عورت سے نکاح کہ لعان توڑنے سے پہلے حرام ہے۔ اسی طرح پھپھی بھتیجی۔ خالہ بھانجی کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اسی طرح جس کے نکاح میں آزاد عورت ہو اسے لونڈی سے نکاح کرنا حرام ہے یونہی طلاق وفات کی عدت میں نکاح کرنا حرام ہے۔ غرضیکہ بہت عورتیں وہ بھی ہیں جو یہاں مذکور نہیں مگر حرام ہیں۔ اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ یہ جز منسوخ ہے جس کی ناسخ مذکورہ آیتیں ہیں اور احادیث متواتر المعنیٰ یعنی اس وقت یہی عورتیں حرام تھیں بعد میں دوسری حرام کی گئیں، کتاب اللہ سے یا سنت رسول اللہ سے یہاں تفسیر کبیر نے بہت کوشش کہ کی ان مذکورہ عورتوں کو بھی اسی آیت میں داخل کیا جائے مگر آخر میں انہوں نے بھی یہی کہا کہ حق یہی ہے کہ یہ حکم اس وقت ہی تھا۔ فقیر بھی اسی کو ترجیح دیتا ہے: اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ یہ عبارت یا تو اُحِلَّ لَكُمْ کا بیان ہے یعنی ان عورتوں کا حلال ہونا نکاح سے ہے بغیر نکاح نہیں یا مفعول لهٗ ہے۔ ل پوشیدہ ہے یعنی اس لئے حلال کی گئیں کہ ان سے نکاح کرو۔ تَبْتَغُوْا کا مصدر ہے اِبْتِغَاءٌ جو بَغْیٌ سے بنا بمعنے چاہنا لہٰذا اِبْتِغَاءٌ کے معنے ہیں تلاش کرنا، ڈھونڈنا چونکہ عموماً مرد ہی عورت کو نکاح کے لئے تلاش کرتے ہیں، عورتیں کم کرتی ہیں نیز سنت بھی یہی ہے کہ مرد خاطب (یعنی پیغام دینے والا) ہو، عورت مخطوبہ۔ اس لئے یہاں مردوں سے خطاب کیا گیا۔ قرآن مجید سے شیخ کی تلاش، رزق کی تلاش، محبوب کی تلاش، بیوی کی تلاش ثابت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام تلاش شیخ میں، برادران یوسف پہلے تلاشِ رزق میں، پھر تلاش محبوب میں نکلے۔ یہاں بیوی کی تلاش کا ذکر ہے۔ اَنْ تَبْتَغُوْا میں لڑکی کے چال چلن اخلاق، صورت کی دیکھ بھال بھی ہے۔ بِاَمْوَال میں ب اِلْصَاق یعنی ملانے کی ہے۔ اموال

یعنی مالوں سے مراد وہ مہر ہے جو نکاح کے وقت یا اس کے بعد عورت کو دیا جائے یا وہ قیمت ہے جس سے لونڈی خریدی جائے یعنی انہیں نکاح کیلئے تلاش کرو۔ اپنے مالوں کے ساتھ جو انہیں مہر میں دو۔ خیال رہے کہ اموال کو جمع فرمایا گیا کیونکہ خاوند کے ذمہ بیوی کے مہر خرچہ بعد موت کفن سب کچھ لازم ہے۔ کُمْ فرما کر یہ بتایا کہ بیویوں پر اپنا مال خرچ کرو، قرض لے کر بھیک مانگ کر عاریت لے کر خرچ نہ کرو۔ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ ۔ یہ دونوں کلمے تَبْتَغُوْا کے فاعل سے حال ہیں۔ مُحْصِنِیْنَ احصانٌ سے بنا جس کے چار معنے ابھی عرض کیے گئے۔ یہاں بمعنے پرہیز وعفت ہے یعنی نفس کو ان چیزوں سے محفوظ رکھنا جو ملامت یا عذاب لازم کریں۔ مُسَافِحِیْنَ سفحٌ سے بنا۔ رب فرماتا: اَوْ دَماً مَّسْفُوْحاً (انعام:۱۴۶)۔ عرب کہتے ہیں: فُلَانٌ سَفَّاحُ الدِّمَاءِ ۔ یعنی وہ آدمی بڑا خونریز ہے۔ اصطلاح میں سفاح کے معنے ہیں زنا کیونکہ زانی بھی زنا میں صرف منی ہی بہاتا ہے نسل یا اولاد کا ارادہ نہیں کرتا اس لئے زنا کو سفاح کہتے ہیں اور زانی کو مسافح یعنی عورتوں کو بذریعہ مال تلاش کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم انہیں کرایہ پر رکھ لو بلکہ یہ مطلب ہے کہ مہر دے کے نکاح کرو۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان کلمات نے گزشتہ مضمون سے شبہ دور کر دیا۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً ؕ یہاں ف تفصیل کی ہے اور مَا سے مراد بیویاں ہیں یا ف تعقیبیہ ہے اور ما سے مراد نکاح۔ بہ میں ب سببیہ ہ کا مرجع نکاح ہے اسْتَمْتَعْتُمْ مَتْعٌ سے بنا بمعنی نفع اِسْتَمْتَعْ نفع حاصل کرنا بِہٖ میں ہ کا مرجع نکاح ہے۔ مِنْهُنَّ میں من تبعیضیہ ہے اور ھُنَّ کا مرجع ما ہے۔ یہ جملہ مبتداء ہے چونکہ اس میں شرط کے معنے ہیں اس لئے اس کی خبر میں آئندہ ف آرہی ہے۔ اٰتُوْا اِیْتَاءٌ سے بنا بمعنی دے دینا اور قبضہ کرا دینا۔ اُجُوْر اجر کی جمع ہے، بمعنی مزدوری، یہاں مراد مہر ہے۔ مہر کو اجرت اس لیے کہا گیا کہ یہ نفع حاصل کرنے کا عوض ہے۔ نہ عورت کی قیمت ہے نہ اس کے کسی عضو کی قیمت بلکہ اسے مُہر اس لئے کہتے ہیں کہ یہ محبت سے دیا جاتا بوجھ ہو کر نہیں یعنی اس نکاح کے بعد تم جس بیوی سے نفع حاصل کر لو کہ ان سے صحبت کر لو تو ان کے مہر پورے پورے دو۔ اگر مہر مقرر تھا تو مقرر شدہ دو، اگر مقرر نہ تھا تو مہر مثل دو یعنی جو عورت کے خاندان میں مقرر ہوتا ہے غرضیکہ صحبت کے بعد مہر واجب ہے۔ اگر صحبت کے بغیر طلاق دے دی جائے تو مہر مقرر کا آدھا دیا جائے گا اور غیر مقرر صورت میں کپڑے کا جوڑا اس لئے فرمایا گیا فَرِیْضَةً یعنی بعد صحبت تم پر مہر دینا بہر حال فرض ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں استمتاع سے مراد ہے عورت سے متعہ کرنا، یعنی کچھ مدت کیلئے نکاح اور اجور سے مراد ہے ان عورتوں کی طے شدہ خرچی اور وہ معنی یہ کرتے ہیں کہ تم جن عورتوں سے متعہ کرو تو ان کی طے شدہ اجرت دو۔ یہ مفسرین اس آیت کو منسوخ مانتے ہیں یا تو اس آیت سے اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَامَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ (مومنون:٦) کیونکہ متاعی عورت نہ بیوی ہوتی ہے نہ لونڈی یا اس حدیث سے کہ حضور نے فرمایا کہ عورتوں کا متعہ اور گدھے کا گوشت قیامت تک کیلئے حرام کر دیا گیا۔

خیال رہے کہ متعہ کی حلت و حرمت دو بار ہوئی۔ جنگ خیبر سے پہلے حلال تھا۔ خیبر کے دن حرام کیا گیا پھر فتح مکہ یعنی جنگ اوطاس میں حلال ہوا۔ پھر قیامت تک کیلئے حرام کر دیا گیا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اسلام میں متعہ ہی وہ حکم ہے جو دو بار حلال و حرام ہوا۔ خیال رہے کہ متعہ کے حرام ہونے پر ساری اُمت کا اجماع ہے۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس پہلے اس کی حلت کے قائل تھے پھر سیدنا علی مرتضےٰ کے فرمان پر انہوں نے اس سے رجوع کیا مگر مجبوری کی حالت میں جائز مانتے رہے۔ جس پر بہت شور مچا اور لوگوں نے ان کی تردید میں قصیدے لکھے۔ جن میں سے دو شعر یہ ہیں:

قد قلت للشیخ لمّا طال مجلسہٗ — یا صالح ھل لک فی فتوی ابن عباس

ھل لک فی رخصتہ الاطراف اٰنسۃ — تکون مثواک حتی مصدر الناس

پھر آپ نے سیدنا عبداللہ ابن زبیر کی خلافت میں اس سے بھی رجوع کر لیا۔ بہر حال متعہ کی حرمت پر سب کا اجماع ہو چکا۔ مگر فقیر کے نزدیک یہ تفسیر نہایت ہی ضعیف ہے، دو وجہ سے: ایک یہ کہ **فَمَا** کی ف تعقیبیہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس مذکورہ نکاح کے بعد والی کوئی چیز ہے اگر اس سے مراد متعہ ہوتا تو یہاں واؤ آتا، ف نہ آتی کہ متعہ اس نکاح مذکورہ کے علاوہ کوئی اور چیز اس دائمی نکاح کے بعد کی چیز نہیں دوسرے اس لئے کہ اس آیت میں موجود ہے۔ **مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ** ظاہر ہے، متاعی خاوند بھی صرف شہوت رانی اور منی بہانا ہی چاہتا ہے۔ نسل یا اولاد کی ہرگز خواہش نہیں کرتا لہٰذا وہ بھی **مُسَافِحِيْنَ** میں داخل ہے نیز جب ایک معنی سے آیت محکم بن سکتی ہے تو بلا وجہ دوسرے غیر ظاہر معنی کر کے اس منسوخ ماننا جائز نہیں نیز اس پوری آیت میں نکاح دائمی کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس ٹکڑے میں متعہ مراد لینا آیت کی روانی کے خلاف ہے اور اس کے بہت سے وجوہ ہیں چنانچہ سب مانتے ہیں کہ متعہ سے **احصان** حاصل نہیں ہوتا چنانچہ اگر متاعی شخص زنا کرے تو اسے سو کوڑے لگیں گے۔ رجم نہ کیا جائے گا لہٰذا حق یہی ہے کہ اس سے مراد متعہ ہرگز نہیں۔ **وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ**۔ یہ مہر کے متعلق تیسرا حکم ہے۔ **تَرَاضَيْتُمْ** میں خاوند بیوی سے خطاب ہے۔ **بِهٖ** میں **ہ** کا مرجع **مَا** ہے **فَرِيْضَةِ** سے مراد مقرر شدہ مہر ہے یعنی مہر مقرر کرنے کے لئے اگر زوجین کسی فرق کرنے پر متفق ہو جائیں مثلاً عورت مہر کم لے یا معاف کر دے یا خاوند مہر زیادہ کر دے تو کوئی گناہ نہیں۔ جن لوگوں نے یہاں متعہ مراد لیا تھا وہ اس کے معنے یہ کرتے ہیں کہ اگر متاعی زوجین مدت متاع یا اجرت متاع میں کچھ فرق کر دیں تو جائز ہے مثلاً عورت جس سے ایک ہفتے کیلئے نکاح ہوا تھا وہ دس دن رہنے پر راضی ہو جائے یا مرد ہفتے سے پہلے چھوڑنے پر راضی ہو جائے یا متاعی عورت اجرت متعہ کم کرنے پر راضی ہو جائے یا مرد کچھ زیادہ اجرت دے دے تو گناہ نہیں۔ ان کے نزدیک یہ حکم بھی منسوخ ہے۔ مگر ابھی فقیر عرض کر چکا کہ یہ تفسیر منشاء آیت کے خلاف ہے لہٰذا اس کی تفسیر وہی ہے جو ہم نے عرض کی۔ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا** بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مخلوق کا فائدہ کن احکام میں ہے اور اس کے سارے احکام حکمت پر مبنی ہیں۔ اس نے نکاح اس لئے حلال قرار دیا کہ اس سے مال عزت

نسب وغیرہ سب محفوظ رہتے ہیں اور ان مذکورہ عورتوں سے نکاح اس لئے حرام کیا کہ اس میں صدہا فساد ہیں۔

خلاصہ تفسیر

پہلے جملہ کی چار تفسیریں ہیں کیونکہ **محصنٰت** کے چار معنی ہیں۔ جیسا کہ ہم نے تفسیر میں عرض کیا ہم ان میں سے ایک تفسیر عرض کرتے ہیں جو نہایت قوی ہے۔ اے مسلمانو! تم پر وہ عورتیں حرام ہیں جو کسی اور کے نکاح میں ہوں یا نکاح کی عدت میں، کیونکہ ایک مرد چار عورتیں رکھ سکتا ہے مگر ایک عورت بیک وقت چند خاوند نہیں رکھ سکتی کہ اس میں نسل مخلوط ہوتی ہے۔ ہاں جو کافرہ عورتیں، گرفتار ہو کر تمہارے ہاتھ لگیں اور تم ان کے مالک ہو جاؤ وہ اگرچہ خاوند والیاں ہوں۔ جن کے خاوند اپنے گھروں میں رہ گئے ہوں، وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔ یہ مذکورہ عورتوں کی حرمت اللہ تعالیٰ کا نوشتہ ہے، جس پر عمل کرنا تم پر لازم ہے۔ اس میں تبدیلی کبھی نہ ہوگی۔ ان عورتوں کے علاوہ باقی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں کہ ان سے مہر کے عوض نکاح کرو، اس میں یہ خیال رکھنا کہ پاک دامن رہو۔ صرف شہوت رانی کے لئے نہ ہو، پھر اس نکاح کے بعد جس بیوی سے تم صحبت بھی کرلو تو اسے اس کا طے شدہ مہر اور اگر مہر مقرر نہ ہو تو مہر مثل پورا پورا دو۔ یہ بڑا ضروری فریضہ ہے کیونکہ مہر عورت کا قرض ہے۔ جو توبہ سے معاف نہیں ہوسکتا لیکن اگر خاوند بیوی اس مہر مقرر کے بعد آپس میں کسی شی پر راضی ہو جائیں کہ یا تو عورت مہر معاف کردے یا کم کردے یا خاوند مہر مقرر سے کچھ زائد دے دے تو ان پر کوئی گناہ نہیں، یہ ان کا آپس کا معاملہ ہے جیسے راضی ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی علم و حکمت والا ہے۔ اس نے جو حکم نافذ فرمایا ہے اس میں صدہا حکمتیں ہیں لہٰذا اس کے احکام پر بلا چون و چرا عمل کرو!

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: گم شدہ خاوند کی بیوی اس وقت تک دوسروں پر حرام ہے جب تک کہ خاوند کی موت کا ظن غالب جو قریب یقین ہو، نہ ہو جائے۔ ایسے ہی جن عورتوں کے نکاح ناجائز طور پر حکام توڑ دیتے ہیں وہ سب دوسروں پر حرام ہیں کیونکہ عورتیں محصنات یعنی خاوند والیاں ہیں۔ **دوسرا فائدہ**: کافروں کا نکاح اختلاف دارین کی وجہ سے ٹوٹ سکتا ہے کہ مرد تو دارالحراب میں رہے اور عورت گرفتار ہو کر دارالاسلام میں آجاوے تو نکاح ٹوٹ جاوے گا۔ اس عورت کا مولیٰ حمل جننے یا ایک حیض آجانے کے بعد اس سے صحبت کرسکتا ہے جیسا کہ **مَا مَلَكَتْ** الخ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: ان آیات میں مذکورہ عورتوں کی حرمت قطعی یقینی ہے ان کا منکر کافر ہے جیسا کہ **كِتَابَ اللهِ** سے معلوم ہوا لہٰذا جو شخص ان عورتوں میں سے کسی کو حلال جانے وہ کافر ہوگا۔ **چوتھا فائدہ**: تمام چیزوں میں اصلی حالت حلال ہونا ہے۔ حرمت کسی وجہ سے آتی ہے جس کے لئے دلیل درکار ہے۔ دیکھو! یہاں رب تعالیٰ نے حرام عورتوں کا ذکر تو فرمایا حلال کا ذکر نہ کیا بلکہ ان کیلئے فرما دیا کہ ان کے سوا باقی تمام عورتیں حلال ہیں۔ اگر حلال ہونے کیلئے بھی دلیل خاص کی ضرورت ہوا کرتی تو قرآن کریم حلال کا ذکر بھی فرماتا۔ رب فرماتا ہے: **قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْمَا اُوْحِيَ اِلَيَّ**

مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ الخ (انعام:۱۴۵) وہاں بھی کھانے کی چیزوں کی حلال ہونے کی دلیل کسے بنایا، حرام نہ ہونے کو۔ اس سے زمانہ موجودہ کے دیوبندی وہابی حضرات عبرت پکڑیں جو ہر چیز کی حلت کیلئے دلیل مانگتے ہیں اور حرام بلا دلیل کہہ دیتے ہیں! **پانچواں فائدہ**: مناسب یہ ہے کہ پیغام نکاح مرد کی طرف سے ہو یعنی مرد خاطب ہو عورت مخطوبہ جیسا کہ اِنْ تَبْتَغُوْا مذکر فرمانے سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: نکاح میں مہر ضروری ہے جیسا کہ بِاَمْوَالِکُمْ سے معلوم ہوا حتیٰ کہ اگر مہر کا ذکر نہ ہو یا مہر کا انکار کر دیا گیا ہو پھر بیوی یا خاوند کا انتقال ہو جائے یا بعد صحبت وخلوت طلاق ہو جاوے تو مہر مثل یعنی جو عورت کے کنبہ میں مہر بندھتا ہو وہ دینا واجب ہے جیسا کہ بِاَمْوَالِکُمْ سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: نکاح میں مہر مال ہی ہو سکتا ہے اور چیز نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی بِاَمْوَالِکُمْ سے معلوم ہوا۔ **مسئلہ**۔ امام شافعی کے ہاں مہر غیر مال بھی ہو سکتا ہے۔ یہ آیت احناف کی دلیل ہے اور ان کے ہاں مہر میں نہ کمی کی حد مقرر ہے نہ زیادتی کی۔ ایک پیسہ دھیلا بھی مہر ہو سکتا ہے۔ مگر امام اعظم کے ہاں اَدنی مہر دس درہم ہے زیادہ کی حد نہیں۔ امام صاحب کی دلیل وہ آیت ہے: قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْ اَزْوَاجِهِمْ (الاحزاب:۵۰) اور بہت سی احادیث ہیں نیز چوری میں ہاتھ بھی اسی قدر مال پر کٹتا ہے چوری اور مہر کا نصاب یکساں ہے نیز اس سے کم کو مال نہیں کہا جاتا اور یہاں فرمایا گیا بِاَمْوَالِکُمْ۔ **آٹھواں فائدہ**: وقتی نکاح یعنی متعہ اسلام میں حرام ہے جیسا کہ مُحْصِنِیْنَ اور غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ سے معلوم ہوا کیونکہ متائی مرد صرف شہوت رانی اور نطفہ ضائع کرنے کیلئے متعہ کرتا ہے نہ اولاد اور انتظام خانہ داری کیلئے لہٰذا وہ مسافح ہے جیسا کہ ہم نے تفسیر میں عرض کیا۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے: اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ (مومنون:۶) اور فرماتا ہے: فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْعٰدُوْنَ (مومنون:۷) یعنی جو کوئی بیوی اور لونڈی کے سوا کوئی اور عورت تلاش کرے وہ اسلامی حد سے نکلتا ہے اور ظاہر ہے کہ متائی بیوی نہ بیوی ہے نہ لونڈی۔ لونڈی نہ ہونا تو ظاہر ہے۔ بیوی اس لئے نہیں کہ شیعہ حضرات بھی اس پر بیوی کے احکام جاری نہیں کرتے چنانچہ نہ تو اس پر علیحدگی کے بعد عدت واجب کرتے ہیں صرف ایک حیض کا استبراء ضروری مانتے ہیں نہ اُسے خاوند کی میراث دلواتے ہیں اگرچہ مدت متعہ میں خاوند کا انتقال ہو جاوے۔ نہ اس عورت پر طلاق لازم کرتے ہیں نہ طلاق کے بعد عدت کا خرچہ حتیٰ کہ ابونصیر مجتہد شیعہ نے اپنی صحیح میں حضرت امام جعفر صادق سے روایت نقل کی۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ متوعہ عورت چار بیویوں میں شمار ہے کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تو ستر میں بھی شمار نہیں یعنی بیک وقت سو عورتوں سے متعہ ہو سکتا ہے۔ اگر یہ بیوی ہوتی تو چار میں یقیناً داخل ہوتی (از روح المعانی) رب فرماتا ہے: مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ (النساء:۳)۔ **نواں فائدہ**: صحبت یا خلوت کے بعد پورا مہر دینا واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ الخ سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ**: مہر بیوی کی قیمت نہیں بلکہ اس سے نفع حاصل کرنے کا معاوضہ ہے جیسا کہ اُجُوْرَهُنَّ سے معلوم ہوا۔ **گیارھواں**

فائدہ: مالک نکاح خاوند ہے۔ عورت یا دونوں نہیں۔ ورنہ خاوند پر مہر دینا واجب نہ ہوتا یہ فائدہ بھی اُجُوْرَهُنَّ سے حاصل ہوا۔ اسی لئے خاوند طلاق دے سکتا ہے عورت نہیں دے سکتی۔ رب فرماتا ہے الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (بقرہ:۲۳۷)۔ **بارھواں فائدہ**: بیوی کا مہر ادا کرنا ایسا ضروری ہے جیسے دوسرے قرض ادا کرنا جیسا کہ فَرِیْضَةً سے معلوم ہوا لہٰذا اتنا مہر ہونا چاہئے جو آدا کیا جا سکے۔ **تیرھواں فائدہ**: بیوی اپنا مہر معاف بھی کر سکتی ہے اور کم بھی یونہی خاوند مہر میں زیادتی بھی کر سکتا ہے جیسا کہ تَرَاضَیْتُمْ سے معلوم ہوا۔ **چودھواں فائدہ**: خاوند جو زیادتی کردے وہ مہر میں داخل ہوگی۔ حتیٰ کہ اگر خاوند فوت ہو جائے یا بعد خلوت طلاق دے تو مہر کی طرح یہ زیادتی بھی ادا کرنی پڑے گی۔ یہ بھی مِنْ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ سے معلوم ہوا۔ ہاں اگر خلوت سے پہلے طلاق ہو جائے تو اس زیادتی کا آدھا واجب نہ ہوگا بلکہ اصل مہر کا آدھا واجب ہوگا۔ امام شافعی کے ہاں یہ زیادتی ہبہ کے حکم میں ہے۔ خیال رہے کہ اصطلاح میں حرام عورت وہ کہلاتی ہے جس سے نکاح ہمیشہ کیلئے حرام ہو اور اس کی صرف تین ہی صورتیں ہیں: (۱) نسب، (۲) سسرالیت و (۳) شیر خوارگی۔ ان تینوں میں نسب کی حرمت بہت قوی ہے اسی لئے ماں، بہن، بیٹی وغیرہ کے ساتھ سفر بھی جائز ہے اور خلوت بھی مگر رضاعی بہنیں اور جوان ساس کے ساتھ یہ باتیں مکروہ۔ میراث ہبہ میں رجوع نہ کر سکنا۔ اس کے مال کی چوری پر ہاتھ نہ کٹنا۔ اس کے حق میں گواہی قبول نہ ہونا۔ اس کی موطوءہ بیوی حرام ہونا وغیرہ احکام اسی حرمت نسب پر مرتب ہوتے ہیں۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خاوند والی عورت دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی تو چاہئے کہ بیوی والا مرد بھی دوسری عورت سے نکاح نہ کر سکے (آریہ و عام بے دین) **جواب**۔ مرد کو چند بیویاں رکھنا جائز ہیں بشرطیکہ انصاف کرے اس لئے کہ قدرتی طور پر عورتوں کی پیدائش زیادہ ہے اور مردوں کی کم اور عموماً جنگوں وغیرہ میں مرد زیادہ مارے جاتے ہیں عورتیں کم، کیونکہ لڑنے والی فوجیں مردوں ہی کی ہوتی ہیں نہ کہ عورتوں کی۔ اگر مردوں پر ایک بیوی کی پابندی ہو تو زیادہ عورتیں کہاں کھپیں۔ آریوں کے ہاں مرد ایک ہی عورت سے نکاح کر سکتا ہے مگر ساتھ میں نیوگ وغیرہ کے ذریعہ بہت سی عورتوں کو استعمال کر سکتا ہے۔ عیسائیوں کے ہاں بھی چند نکاح ممنوع ہیں، مگر ان کے ہاں زنا پر کوئی پابندی نہیں، جیسا کہ آج دیکھا جا رہا ہے بلکہ وہ تو زنا کاری انبیاء کے سر تھوپتے ہیں۔ دیکھو پرانا عہد نامہ اور ہم نے بھی اپنی کتاب ''عیسائیت اور توہین انبیاء'' میں اس کا ثبوت دیا ہے۔ اسلام نے چار بیویوں کی اجازت دے کر عورتوں کی زیادتی کو ٹھکانے لگایا اور بدکاری سے انسان کو روک دیا۔

دوسرا اعتراض: تو پھر چاہیئے کہ عورت بھی چار خاوند کر سکے اس پر پابندی کیوں ہے؟ **جواب**۔ اس کا جواب چوتھے پارہ میں دیا جا چکا ہے کہ یہ عمل علاوہ بے حیائی کے دنیا کے انتظام میں خلل ڈال دے گا کیونکہ بچے کی

تعلیم، پرورش کا خرچہ، بیاہ شادی باپ کا ذمہ ہے۔ جب باپ ہی مقرر نہ ہوگا تو کون اس کا ذمہ دار ہوگا۔

تیسرا اعتراض: لونڈیوں سے بھی نکاح ہی کرنا جائز ہے بغیر نکاح مولیٰ ان سے صحبت نہیں کر سکتا دیکھو یہاں مَامَلَکَتْ کو وَالْمُحْصَنٰتِ پر معطوف کیا گیا تو جیسے محصنات منکوحہ چاہئے ایسے ہی لونڈی بھی منکوحہ ہی چاہئے (لاہوری مرزائی) از تفسیر بیان القرآن لاہوری۔ **جواب**۔ یہ غلط ہے کیونکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ: جس سے معلوم ہوا کہ بیویوں اور لونڈیوں دونوں سے صحبت جائز ہے اگر اپنی لونڈی سے نکاح شرط ہوتا تو وہ بیوی میں داخل ہوتی ان پر معطوف کیوں ہوتی۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سوا ان ۱۴ عورتوں کے جو ان آیات میں مذکور ہوئیں سب حلال ہیں کہ فرمایا گیا وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ تو چاہئے کہ دادیوں نانیوں ایسے ہی رضاعی بھتیجیوں بھانجیوں و غیر ہم سے نکاح جائز ہو۔ یونہی تم بہت سی ایسی عورتیں حرام مانتے ہو جو یہاں مذکور نہیں۔ **جواب**۔ اسکے دو جواب ہیں ایک یہ کہ دادیاں نانیاں ماں میں داخل ہیں۔ ان کے علاوہ نہیں، یونہی بھتیجیاں بھانجیاں، بہنوں میں داخل ہیں۔ اسی لئے یہاں وَرَآءَ فرمایا گیا۔ دوسرے وہ جو ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہ آیت عموم میں منسوخ ہے جس کی ناسخ بہت سی آیات و احادیث مشہورہ ہیں غرضیکہ کچھ عورتیں اس آیت کی دلالت سے حرام ہیں کچھ اشارہ سے کچھ اقتضاء سے، کچھ دوسری آیات سے، کچھ احادیث سے ہمارا ایمان سارے قرآن پر اور ساری احادیث صحیحہ پر ہے۔

پانچواں اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ مہر صرف مال ہو سکتا ہے مگر قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کے علاوہ اور چیزیں بھی مہر بن سکتی ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ شعیب علیہ سلام نے جب اپنی بیٹی صفورہ کا نکاح موسیٰ علیہ السلام سے کیا تو ان کا مہر یہ تھا کہ اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ (قصص: ۲۷)۔ آٹھ سال بکریاں چرانا۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک عورت کا نکاح ایک مرد سے قرآن کے عوض کیا، فرمایا زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ تو تمہاری تفسیر کیوں کر صحیح ہوئی؟ **جواب**۔ اولاً تو دین شعیب علیہ السلام اور تھا دین سلام اور ہے۔ ان کے احکام ہم پر لازم نہیں دوسرے حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی بکریاں چرانے کی شرط پر نکاح کیا تھا نہ کہ اس کے معاوضہ میں اسلئے وہاں عَلٰۤى فرمایا ب نہیں فرمائی گئی نیز فرمایا تَاْجُرَنِیْ یہ نہ فرمایا تَاْجُرَهَا۔ اگر یہ مہر ہوتا تو آپ اپنی طرف نسبت کیوں کرتے۔ مہر بیوی کا ہوتا ہے نہ کہ سسر کا۔ سرکار کے فرمان عالی میں ب سببیہ ہے نہ کہ عوض کی یعنی چونکہ تجھے قرآن یاد ہے لہٰذا میں نکاح کرتا ہوں اس آیت کریمہ میں بِاَمْوَالِكُمْ فرما کر صاف بتا دیا گیا کہ نکاح بعوض مال ہی چاہئے۔

چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں نکاح کی طرح متعہ بھی جائز ہے کیونکہ یہاں اَنْ تَبْتَغُوْا علیحدہ ذکر ہوا اور فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ علیحدہ۔ بیویوں کا مہر دینا فرض ہوا اور متاعی کی عورت کی خرچی دینا واجب

نیز تمہاری کتابیں کہتی ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس آخر دم تک متعہ کو جائز مانتے رہے نیز روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں متعہ سے منع کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور کے زمانہ میں عہد صدیقی میں متعہ مروج تھا نیز متعہ بھی نکاح کی ہی ایک قسم ہے اور نکاح بھی مطلقاً حلال لہٰذا اس کی تمام اقسام حلال نیز تمام سنی کتب میں موجود ہے کہ حضور کے زمانہ میں صحابہ نے متعہ کیا ہے (شیعہ)۔ **نوٹ**: یہ شیعوں کے متعہ کے جواز میں انتہائی دلائل ہیں۔ **جواب**: اس اعتراض کے جوابات ابھی تفسیر میں معلوم ہو چکے (۱) یہ آیت ہی اعلان کر رہی ہے کہ یہاں **اسْتَمْتَعْتُمْ** سے مراد متعہ نہیں بلکہ منکوحہ بیوی سے صحبت کرنا مراد ہے فرمایا یہ جارہا ہے کہ جس بیوی سے تم صحبت بھی کر لو اس کا پورا مہر دو۔ یہاں بھی اور دوسری آیات میں بھی بتایا گیا ہے کہ صرف دو ہی عورتیں حلال ہیں: اپنی بیویاں یا لونڈیاں۔ متاعی عورت نہ بیوی ہے نہ لونڈی، دیکھو یہاں فرمایا گیا **مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ** نکاح پاک دامنی کے لئے ہو نہ کہ محض شہوت رانی کے لئے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا: **اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ** (مومنون:٦) اور فرمایا گیا: **فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ** (مومنون:٧)، متاعی عورت بیوی اور لونڈی کے سواء ہے اسی لئے اس پر نکاح کے احکام وارثت طلاق عدّت خرچہ عدت۔ احصان وغیرہ جاری نہیں حتے کہ متعہ میں گواہ بھی ضروری نہیں بیشک اسلام میں دو دفعہ متعہ حلال ہوا۔ پھر ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا۔ اس زمانہ میں بعض صحابہ نے متعہ کیا ہے۔ شراب وزنا عرب سے مٹانا آسان نہ تھا کہ وہاں کے لوگ ان کے بہت عادی تھے۔ اسلام نے ان دونوں چیزوں کو نہایت آہستگی سے حرام کیا، جیسے اب شراب حرام ہے ایسے ہی متعہ بھی، یہ محض غلط ہے کہ حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں متعہ حرام کیا ورنہ تمام صحابہ خصوصاً علی مرتضی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کبھی خاموش نہ رہتے، ان کی مخالفت کرتے۔ تعجب ہے کہ آج علماء کرام دین کا ایک مسئلہ بھی نہیں بدلنے دیتے اور حضرات اہلبیت اتنا بڑا حکم بدلتے دیکھیں اور خاموش رہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس اوّلاً اس کی حلت کے قائل تھے مگر خود سیدنا علی مرتضیٰ کے فرمان پر آپ نے اس سے رجوع کیا اور فرمایا کہ متعہ ضرورت کے وقت ایسے ہی حلال ہے، جیسے جان جانے کے خطرہ پر سؤر اور مردار حلال ہو جاتا ہے۔ پھر عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں آپ نے اس سے بھی رجوع کر لیا دیکھو مسلم شریف، تفسیر کبیر، روح المعانی وغیرہ۔

لطیفہ: شیعہ حضرات کے ہاں متاعی بچہ کا نسب باپ سے ثابت نہیں ہوتا نہ اسے میراث ملے (تفسیر کبیر) نہ متاعی عورت پر عدت واجب نہ ان میں توراث جاری حالانکہ بیوی اور اولاد کے یہ احکام قرآن سے ثابت ہیں۔ متعہ کی باقی بحث یہاں تفسیر روح المعانی اور کبیر میں دیکھو لہٰذا متعہ کی عورت منکوحہ بیوی نہیں۔ خیال رہے کہ قدرت ہم کو کھانے پینے دیکھنے سننے کی طاقت تو پیدائش سے مرتے وقت تک دیتی ہے مگر شہوانی طاقت جوان ہونے پر دیتی ہے اور بڑھاپا آتے ہی چھین لیتی ہے جس میں اشارۃً بتایا گیا کہ یہ طاقت صرف پانی بہانے کیلئے نہیں بلکہ اولاد حاصل کرنے گھر بسانے کیلئے

ہے لہٰذا جب تم کمانے بسانے اولاد پالنے کے لائق ہو جاؤ تو یہ طاقت تم کو ملے گی اور جب یہ مقصد پورا کر چکو تو چھین لی جاوے گی۔ اگر متعہ جائز ہوتا اور صرف پانی بہانا مقصد ہوتا تو یہ طاقت پیدائش سے مرتے وقت تک رہنی چاہئے تھی۔

تفسیر صوفیانہ

دنیا گویا خاوند والی عورت ہے جس کے ہزار خاوند ہیں اور ایسی بے وفا ہے کہ اس نے کسی سے نہ نبھائی۔ تمام خاوندوں کو ہلاک کر دیا، کسی کے ساتھ نہ گئی۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

دنیا کو تو کیا جانے یہ بس کی گانٹھ ہے حرافہ — صورت دیکھو ظالم کی تو کیسی بھولی بھالی ہے
شہد دکھائے زہر پلائے قاتل ڈائن شوہر کش — اس مردار پر کیا للچایا دنیا دیکھی بھالی ہے

جنت انسانوں سے لاکھوں سال پہلے بنی مگر وہاں کی یہ نعمت مکان حور وغیرہ اپنے مستحقین کے نام سے وقف ہو چکی ہیں ان سے پہلے ان چیزوں کو کوئی مالک بن کر استعمال نہیں کر سکتا۔ رب فرماتا ہے: لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ (الرحمٰن: ۵۶) دنیا پل ہے دنیا سرائے جنت اصل قرار کی جگہ۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلما تو اس خاوندوں والی دنیا کے ساتھ اپنے دل کا نکاح مت کرنا اور اس سے دل نہ لگانا۔ ہاں اگر یہ دنیا تمہاری لونڈی بن کر رہے تو تمہارے لئے حلال ہے کہ ایسی دنیا دین میں مددگار ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے۔ تمہارے واسطے یہ حلال ہے دنیا کے ساتھ محصن بن کر رہو بدکار بن کر نہ رہو اے مسلمانو جب تم دنیا اور نفس امارہ سے فائدہ حاصل کرو۔ تو اسے اس کی اجرت بھی دے دو۔ اس اجرت کی تفصیل حدیث شریف میں ہے کہ سرکار فرماتے ہیں: تم پر تمہاری آنکھ کا حق ہے۔ تمہاری بیوی، اولاد کا حق ہے۔ یہ حقوق ادا کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضامندی کا ذریعہ ہے۔ ہاں اگر تم اپنی رضا سے کچھ حقوق کے ادا میں زیادتی کر دو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ علم والا بھی ہے حکمت والا بھی۔ اس دنیا کو پیدا فرمانے اور اسے تمہاری لونڈی بنانے میں ہزار ہا حکمتیں ہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ کافر کی دنیا اس کافر پر حکومت کرتی ہے اور مومن کی دنیا پر مومن حکومت کرتا ہے۔ ابو جہل کے پاس بھی دنیا تھی اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس بھی۔ مگر ابو جہل کی دنیا ابو جہل پر حکومت کرتی تھی۔ مگر جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دنیا پر عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا راج تھا اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر آقا دو جہاں کی حکومت تھی جیسے ضلع پر افسر کی حکومت ہے اور افسر پر سلطان کا راج کہ ضلع بھر میں سلطان کے احکام بذریعہ حکام جاری ہوتے ہیں۔ اسی طرح عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دنیا پر بھی حضور ﷺ کا راج تھا۔ اس لئے فرما دیا کہ عثمان! تم جو چاہو کرو تم جنتی ہو چکے۔ میٹھے تخم کو خواہ کڑوا ہی پانی دو مگر میٹھا ہی پھل دے گا۔ کڑوے تخم کو خواہ دودھ اور میٹھا پانی دو، پھل کڑوا ہی دے گا۔ آم کے درخت کو کیسا ہی پانی دو آم ہی دے گا۔ حنظل (تُمّہ) کے درخت کو کیسا ہی پانی دو، کڑوا ہی پھل دے گا۔ مومن کو مصیبت راحت دولت فقیری کسی قسم کا پانی دیا جائے اس میں تقویٰ اور معرفت کے ہی پھل لگیں گے۔ کافر و منافق کو قرآن و حدیث کا پانی دو وہ کفر کا ہی پھل دے گا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ایمان کو

یزید نے ہزار ہا مصیبتوں کا پانی دیا مگر وہاں شہادت اور صبر کے ہی پھل لگے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ
اور جو کوئی نہ رکھے تم میں سے طاقت یہ کہ نکاح کرے آزاد ایمان والی
اور تم میں بے مقدوری کے باعث جن کے نکاح میں آزاد عورتیں ایمان والیاں
الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ
عورتوں سے پس ان سے جو مالک ہیں تمہارے ہاتھ تمہاری مومنہ لونڈیوں
نہ ہوں تو ان سے نکاح کرے جو تمہارے ہاتھ کی ملکیت ہیں۔ ایمان
الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ
میں سے اور اللہ بہت ہی جانتا ہے تمہارے ایمان کو بعض تمہارے بعض سے
والی کنیزیں اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ تم میں ایک دوسرے سے ہے
بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ
ہیں۔ پس نکاح کرو ان سے ساتھ اجازت ان کے گھر والوں کے اور دو ان کو
تو ان سے نکاح کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور حسب دستور ان کے
اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ
ان کے مہر ساتھ بھلائی کے کہ پاک دامن ہوں نہ کہ زانیہ اور
مہر انہیں دو قید میں آتیاں۔ نہ مستی نکالتی
وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ
نہ بنانے والی خفیہ یار۔ پس جب کہ محصنہ ہوں وہ پس اگر لائے وہ بے حیائی کو
نہ یار بناتی جب وہ قید میں آجائیں۔ پھر برا کام کریں

فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ط

تو اوپر ان کے آدھا ہے اس کا جو آزاد عورتوں پر ہے سزا سے

تو ان پر اسکی سزا کی آدھی ہے جو آزاد عورتوں پر ہے

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ط وَاَنْ تَصْبِرُوْا

یہ واسطے اس کے ہے جو ڈرے زنا سے تم میں سے اور یہ کہ صبر کرو تم

یہ اس کے لئے جسے تم میں سے زنا کا اندیشہ ہے اور صبر کرنا تمہارے لئے

خَيْرٌ لَّكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

بہتر ہے تمہارے لئے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

بہتر ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں ان عورتوں کی تفصیل تھی جن سے نکاح حرام ہے۔ اب ان عورتوں کا بیان ہے۔ جن سے نکاح بہتر نہیں مگر جائز ہے۔ یعنی لونڈیوں سے نکاح۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں حرام وحلال عورتوں کا ذکر تھا۔ اب اس کا ذکر ہے کہ کب حلال ہیں اور کس صورت سے حلال ہیں (تفسیر کبیر)۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں آزاد عورتوں سے نکاح کا ذکر تھا جو اپنے نفس کی مختار ہوتی ہیں اور اپنے مہر پر خود قبضہ کرتی ہیں۔ اب لونڈیوں سے نکاح کا ذکر ہے جن کے نکاح کی ڈوران کے مالکوں کے ہاتھ ہوتی ہے اور جو ان کے مہروں کے مالک ہوتے ہیں۔

تفسیر

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا۔ مَنْ موصولہ ہے۔ يَسْتَطِعْ استطاعۃٌ سے بنا بمعنی طاقت رکھنا۔ مگر یہاں تجرید کے طریقے پر اس کے معنی ہیں رکھنا کیونکہ طاقت کیلئے لفظ علیحدہ آرہا ہے۔ مَنْ لَّمْ میں خطاب سارے ہی مسلمانوں سے ہے۔ نہ صرف صحابہ کرام سے کیونکہ یہ حکم سب مسلمانوں پر جاری ہے اور نہ سارے انسانوں سے خطاب ہے کیونکہ نکاح وغیرہ کے اسلامی احکام صرف مسلمانوں پر جاری ہیں طَوْلًا۔ طولٌ سے بنا بمعنی درازی ولمبائی۔ اس کا مقابل ہے قصر بمعنی چھوٹا ہونا۔ اسلیئے دراز قد آدمی کو طویل کہتے ہیں اور پستہ قد کو قصیر۔ اب اصلاح میں اس کے معنی ہوتے ہیں: قدرت، غنا، زیادتی کیونکہ قدرت وغنا کی وجہ سے انسان وہ کام کرسکتا ہے جو غریب نہیں کرسکتا جیسے لمبا آدمی وہ چیز چھو سکتا ہے جو پستہ قد نہیں چھو سکتا۔ اس معنی سے رب کی

صفت ہے ذِی الطَّوْلِ یعنی حقیقی فضل اور قدرت والا۔ رب نے مال داروں کو فرمایا: اُولُوا الطَّوْلِ (توبہ: ۸۶) یعنی قوت اور مال والے۔ یہاں یا قدرت کے معنی میں ہے یا زیادتی کے معنی میں۔ اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ۔ یہ عبارت طَوْلاً کی مفعول بہ ہے اور طولاً یَسْتَطِعْ کا مفعول بہ یا مفعول مطلق تھا۔ نکاح کے لغوی معنی ہیں: ملنا۔ صحبت کو بھی نکاح کہتے ہیں اور عقد نکاح کو بھی یہاں بمعنی صحبت ہے۔ اعلیٰ حضرتؒ کا ترجمہ اس معنی میں ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد عقد نکاح ہو۔ پہلی صورت میں یہ آیت امام اعظمؒ کی دلیل ہوگی اور دوسری صورت میں امام شافعیؒ کی۔ مگر ان کی دلیل ضعیف سی ہی بنے گی۔ جیسا کہ ابھی ذکر کیا جائے گا۔ مُحْصَنٰت سے مراد یہاں آزاد عورتیں ہیں جیسا کہ پچھلی آیت میں عرض کیا گیا کہ اس کے چار معنی آتے ہیں۔ یہاں چونکہ مقابلے میں لونڈیوں کا ذکر آرہا ہے اس لئے آزادی کا معنی مقرر ہے۔ مومنات مشرکہ عورتوں کے مقابلے میں فرمایا گیا کیونکہ کتابیہ عورتوں سے مسلمان مردوں کا نکاح جائز ہے۔ یعنی اے مسلمانو! تم میں سے جس میں یہ طاقت نہ ہو کہ آزاد مومنہ بیوی سے صحبت کرسکے کیونکہ اس کے نکاح میں وہ ہے ہی نہیں۔ یا اے مسلمانو! تم میں سے جس میں یہ طاقت نہ ہو کہ وہ آزاد مومنہ عورت کو نکاح میں لا سکے کیونکہ آزاد عورتوں کا مہر اور خرچ زیادہ ہوتا ہے نیز اکثر اوقات لونڈی بیوی کا خرچہ اس کے خاوند کے ذمہ نہیں ہوتا۔ مولیٰ کی وہ خدمت کرتی ہے وہ اسے خرچ دیتا ہے فَمِنْ مَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ یہ عبارت مِنْ کی خبر ہے چونکہ مِنْ میں شرط کے معنی تھے اس لئے خبر میں ف آئی ما سے مراد عورتیں ہیں اور اَیْمَانُکُمْ میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے، نہ کہ نکاح کرنے والے سے کیونکہ خود اپنی لونڈی سے مولا نکاح نہ کرے بلکہ دوسرے کی لونڈی سے نکاح کرسکتے ہیں۔ یہاں یَنْکِحُ فعل پوشیدہ ہے۔ مِنْ فَتَیٰتِکُمُ الْمُؤْمِنٰتِ۔ یہ عبارت مَا۔ کا بیان ہے۔ فَتَیٰتِ۔ فَتِیَۃٌ کی جمع ہے جو فَتیٰ کا مؤنث ہے بمعنی جوان چونکہ غلام بڈھا ہو کر بھی عزت نہیں پاتا۔ اس لئے اُسے فتیٰ کہتے ہیں یعنی لڑکا جوان (روح البیان) مومنات کی قید ہمارے مذہب میں استحبابی ہے یا اس سے لغوی مومنہ مراد ہیں جو مشرکہ کی مقابل۔ جس میں کتابی لونڈیاں بھی شامل ہیں لہٰذا یہ آیت امام اعظمؒ کے خلاف نہیں یعنی ایسا مجبور شخص تم مسلمانوں میں سے کسی کی غیر مشرکہ لونڈی سے نکاح کرے کیونکہ لونڈیوں کا مہر بہت کم اور ان سے نکاح میں بہت تھوڑا خرچ ہوتا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِکُمْ۔ یہ جملہ معترضہ ہے چونکہ اہلِ عرب لونڈیوں سے نکاح کرنے کو بہت عار جانتے تھے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ نسب آزادی پر فخر نہیں فخر ایمان پر ہے اور وہ لونڈیاں مومنات ہیں لہٰذا ان سے نفرت نہ کرو یا یہ مطلب ہے کہ ان کے ظاہری ایمان پر بھروسہ کرو، دل کی تحقیقات نہ کرو۔ اس کا پتہ رب تعالیٰ ہی کو ہے۔ بَعْضُکُمْ مِنْ بَعْضٍ۔ یہ جملہ یا تو پہلے جملے کا بیان ہے یا دوسرا جملہ معترضہ ہے۔ مِنْ پوشیدہ لفظ کا متعلق ہے یعنی تم اور لونڈی غلام چونکہ سب مسلمان ہو اس لئے تمہارے بعض بعض سے قریب ہیں کیونکہ رشتہ ایمانی ہر کالے گورے عربی عجمی آزاد غلام کو ایک کردیتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ تم اور لونڈی غلام آدم علیہ

السلام کی اولاد میں ہو لہٰذا ایک سب جنس ہو فَانْكِحُوْا بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ ۔ یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے۔ اس لئے اس پر ف جزائیہ آئی۔ انكِحُوا۔ امر ہے یا وجوب کے لئے یا اباحت کے لئے۔ اِذْنِ سے مراد ہے اجازت ب الصاق کے لئے ہے۔ اہل کے معنی ہیں والا یہاں مراد ہے لونڈی والے۔ اس کے مالک یا مالکہ یعنی اگر تم لونڈیوں سے نکاح کرو تو ان کے مالک یا ان کی مالکہ کی اجازت سے نکاح کرنا کیونکہ لونڈی اگرچہ بالغہ ہو، اپنے نفس کی مختار نہیں اور نہ بغیر مالک کی اجازت کے اس کا نکاح درست ہے۔ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ یہ جملہ پہلے جملے پر معطوف ہے۔ اُجُوْر جمع اجر کی ہے۔ یہاں اس سے مراد یا تو اس لونڈی بیوی کا خرچہ ہے۔ کھانا، کپڑا یا ان کا مہر۔ پہلی صورت میں آیت بالکل واضح ہے کیونکہ خرچہ لونڈی ہی کو دیا جائے گا۔ دوسری صورت میں یا یہ مطلب ہے کہ لونڈی کا مہر اس کو دو وہ اپنے مولا کو دے دے یا یہ مطلب ہے کہ مولا کی اجازت سے اس کو دو یا یہ مطلب ہے کہ براہ راست مولا کو دینا خود لونڈی کو ہی دینا ہے۔ اس لئے آگے بِالْمَعْرُوْفِ ارشاد ہوا یعنی جو طریقہ لونڈیوں کو مہر دینے کا مشہور ہے۔ اس طریقہ سے دو کہ مولا کے پاس پہنچ جائے یا معروف کا مطلب یہ ہے کہ بغیر ٹال مٹول کئے ہوئے ان کا مہر دے دو یعنی ان لونڈیوں بیویوں کا خرچہ بھلائی سے دو انہیں تنگ نہ کرو یا ان کا مہر انہیں اس طرح ادا کرو جو شرعاً معتبر ہو۔ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۔ یہ عبارت اٰتُوْهُنَّ کی ضمیر سے حال ہے۔ مُحْصَنٰت کے معنی یہاں پاک دامن ہیں جیسا کہ اگلے الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ ، مُحْصَنٰتٍ کا ہی بیان ہے۔ مُسٰفِحٰت سفاح سے بنا۔ اس کے معنی پہلی آیت میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ یہاں مراد ہے علانیہ زنا۔ اَخْدَان، خدن کی جمع ہے جیسے اَتْرَابٌ ترب کی جمع ہے۔ خدن ساتھی مصاحب کو کہا جاتا ہے اکثر اس ساتھی کو کہا جاتا ہے جو شہوت کی بنا پر خفیہ ساتھی ہو یعنی تم لونڈیوں کو نکاح کر کے مہر دو۔ انہیں کرایہ وغیرہ پر نہ لو اور یہ دیکھ لو کہ نہ تو وہ علانیہ زانیہ ہوں۔ نہ کسی خاص کو اپنا آشنا بنا کر زنا کی مرتکب ہوں کیونکہ ایسی عورتیں شریفوں کے گھر کے لائق نہیں۔ یہ قیدیں بالاتفاق استحبابی ہیں کیونکہ بدکار لونڈیوں سے بھی نکاح جائز ہے۔ جیسے بدکار آزاد عورتوں سے نکاح حلال کہ یہ انہیں بدکاری سے روکنے کا ذریعہ ہے۔ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ ۔ یہ جملہ علیحدہ ہے جس میں لونڈیوں کے دوسرے حکم کا بیان ہے۔ یہاں احصان سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک اسلام ہے اور سیدنا عبداللہ ابن عباس ؓ و دیگر مفسرین کے نزدیک مراد نکاح ہے۔ اگر اسلام مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر تم کتابیہ کافرہ لونڈی سے نکاح کرو اور پھر وہ مسلمان ہو جائے۔ پھر زنا کرے تو اس صورت میں یہ شرط احترازی ہے کیونکہ کافرہ زانیہ کو شرعی سزا نہیں دی جاتی اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ لونڈیاں جب خاوند والی ہو جائیں اور پھر زنا کریں۔ اس صورت میں یہ شرط مبالغہ کے لئے ہے کیونکہ کنواری زانیہ کو بھی زنا کی سزا دی جاتی ہے اور مقصد یہ ہوگا کہ لونڈی اگر شادی شدہ بھی ہو تو بھی اسے آدھی سزا دی جائے گی تو کنواری کو تو بدرجہ اولیٰ سزا آدھی ہی ہونی چاہئے۔ غالباً یہ

دوسرے معنی قوی ہیں کیونکہ ایمان کا ذکر تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔ فاحشہ سے یہاں مراد زنا ہے یعنی اگر وہ لونڈیاں مسلمان ہو جائیں یا خاوند والی ہو کر پھر زنا کریں۔ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ۔ یہ جملہ فَاِنْ کی جزا ہے اور شرط و جزاء مل کر اِنْ کی جزا یہاں محصنٰت سے مراد آزاد عورتیں ہیں، نہ کہ شادی شدہ، آزاد سے مراد آزاد کنواری زانیہ کی سزا ہے۔ عذاب عَذْبٌ سے بنا بمعنی روکنا چونکہ سزا لوگوں کو جرموں سے روکتی ہے اس لئے اسے عذاب کہا جاتا ہے۔ میٹھے پانی کو اس لئے عذب کہتے ہیں کہ وہ پیاس کو روکتا ہے یعنی ان زانیہ خاوند والی لونڈیوں کو اس سزا سے آدھی سزا دی جائے گی جو کنواری آزاد زانیہ کو دی جاتی ہے کہ اُن کی سزا سو (۱۰۰) کوڑے ہے۔ اس لونڈی کی سزا پچاس (۵۰) کوڑے۔ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ۔ ذٰلِكَ سے لونڈیوں کے نکاح کی طرف اشارہ ہے۔ مَنْ سے مراد آزاد مسلمان ہیں عَنَتَ کے لغوی معنی ہیں: ہڈی ٹوٹ جانا اصطلاح میں ہر مشقت میں ڈالنے والی چیز کو عَنَت کہتے ہیں۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے: عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ (توبہ: ۱۲۸) یہاں اس سے مراد زنا ہے کیونکہ زنا انسان کو دینی و دنیوی مصیبتوں و مشقتوں میں ڈال دیتا ہے۔ قوی یہ ہے کہ لِمَنْ سے پہلے مناسبٌ پوشیدہ ہے یعنی لونڈی سے نکاح اس شخص کیلئے مناسب ہے جسے زنا میں پھنس جانے کا خطرہ ہو اس طرح کہ جوان آدمی ہو اور شہوت کا غلبہ ہو۔ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ۔ یہ عبارت مستقل جملہ ہے۔ تَصْبِرُوْا صبرٌ سے بنا بمعنی روکنا یا رکنا۔ یہاں لونڈیوں سے نکاح کرنے سے مراد روکنا ہے اور اس میں آزاد مردوں سے خطاب ہے۔ یعنی اے جوانو! اگر صبر کئے رہو اور شہوت کا کتنا ہی غلبہ ہو مگر لونڈیوں سے نکاح نہ کرو تو تمہارے لئے کتنا ہی بہتر ہے کیونکہ لونڈی سے نکاح کرنے میں بڑی خرابی یہ ہے کہ اس سے تمہاری جو اولاد پیدا ہوگی۔ وہ لونڈی کے مولا کی غلام ہوگی اور اپنی اولاد کو دوسرے کا غلام بنانا کوئی شخص پسند نہیں کرتا نیز لونڈی اپنے مولا کی خدمت میں مشغول رہنے کی وجہ سے خاوند کی خدمت کا موقعہ کم پاتی ہے۔ جس سے خاوند کو پورا آرام نہیں ملتا اور نکاح کا منشا پورا پورا حاصل نہیں ہوتا۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ یہ جملہ بھی مستقل ہے جس کا تعلق پوری آیت سے عموماً ہے اور اِنْ تَصْبِرُوْا سے خصوصاً۔ غَفُوْرٌ غفر کا مبالغہ ہے رَّحِيْمٌ۔ رحمٌ کا مبالغہ ہے یا صفت مشبہ۔ ان لفظوں کی تحقیق بارہا کی جا چکی ہے یعنی لونڈیوں سے نکاح جائز کر دینا اور ان کے متعلق تمہیں احکام بتا دینا اس لئے ہے کہ ہم تمہارے گناہ بخشنے والے اور مہربان ہیں۔ یا اے جوانو! اگر تم سے صبر نہ ہو سکے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ شوق سے لونڈیوں سے نکاح کرو ہم تمہیں اس پر پکڑیں گے نہیں۔ ہم تو گنہگاروں کو بخش دیا کرتے ہیں اور سیہ کاروں پر مہربانی کر دیا کرتے ہیں، تم تو اس نکاح میں گنہگار بھی نہیں ہو۔

خلاصہ تفسیر

اے مسلمانو! تم میں سے جس شخص میں مومنہ آزاد بیوی سے صحبت کرنے کی طاقت نہ ہو اس طرح کہ اس کے نکاح میں آزاد عورت ہو ہی نہیں تاکہ اس صحبت کر سکے۔ یا اے مسلمانو جس میں آزاد عورت مومنہ سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو تو ان ہی لونڈیوں سے نکاح کر لو جو اور کسی کی مملوکہ ہوں۔ بہتر یہ

ہے کہ مومنہ لونڈی سے نکاح کرو۔ کافرہ کے نکاح سے بچو اور مومنہ لونڈیوں سے نکاح کرنے میں نفرت نہ کرو۔ یہ تو رب ہی کو خبر ہے کہ کون قوی الایمان ہے اور کون دنیا سے ایمان پر جائے گا۔ خیال رکھو کہ سارے مسلمان آزاد ہوں یا غلام۔ کنیز ہوں یا لونڈی ایک ہی جنس ہیں۔ ایک ہی آدمؑ کی اولاد ہیں اور ایک ہی نبی کی اُمت ہیں۔ ہمارے ہاں بزرگی اعمال سے ہے نہ کہ حسب نسب سے چنانچہ تم ان لونڈیوں سے نکاح کرو۔ ان کے مالکوں کی اجازت سے اور ساتھ ہی ان کا مقرر کردہ مہر بلا حیل وحجت ان کے حوالے کردو تاکہ وہ اپنے مالکوں کو دے دیں یا ان کا روٹی کپڑا اور سارا خرچہ ان کو دو۔ مناسب یہ ہے کہ پاک دامن لونڈیوں سے نکاح کرو۔ علانیہ زانیہ اور خفیہ یارانہ رکھنے والی لونڈیوں سے نکاح نہ کرو کیونکہ ان کا آنا تمہارے گھر کی بربادی کا باعث ہوگا۔ لیکن اگر کوئی لونڈی پہلے ٹھیک تھی، نکاح میں آنے کے بعد زنا کر بیٹھی تو اسے آزاد کنواری عورت کی سزا سے آدھی سزا دی جائے گی کہ آزاد کو سو (۱۰۰) کوڑے لگتے ہیں اسے پچاس (۵۰) لگائے جائیں گے۔ پھر بھی خیال رکھو کہ لونڈیوں سے نکاح کرنا اسی کے لئے مناسب ہے جسے غلبہ شہوت کی وجہ سے زنا میں پھنس جانے کا اندیشہ ہو۔ اس کے باوجود بہتر یہی ہے کہ صبر ہی کر جاؤ اور لونڈیوں سے نکاح حتے الامکان نہ کرو لیکن اگر صبر نہ کرسکو تو ان سے نکاح کرلو، کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ یہ ہمارا مشورہ ہے حکم نہیں۔ ہم بڑے ہی بخشنے والے مہربان ہیں گناہگاروں کو بخش دیتے ہیں۔ یہ عمل تو گناہ بھی نہیں ہے۔

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: بہتر یہی ہے کہ مسلمان حتے الامکان لونڈی سے نکاح نہ کرے، آزاد عورت سے نکاح کرے کیونکہ لونڈی کا بچہ اس کے آقا کا غلام ہوگا۔ نیز لونڈی اپنی مولا کی خدمت میں مشغول رہنے کہ وجہ سے خاوند کی خدمت زیادہ نہیں کرسکتی جب مولا اجازت دے گا تو خاوند کے پاس آئے گی نیز لونڈیاں عام طور پر باہر نکلتی ہیں۔ مردوں سے خلط ملط رہتا ہے جس کی وجہ سے ان کی آزاد عورتوں کی سی شرم وحیا نہیں ہوسکتی نیز مولا لونڈی کو فروخت کرسکتا ہے بعض اماموں کے ہاں فروخت سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ مالک کا بدلنا ان کے طلاق کا سبب ہے۔ **دوسرا فائدہ**: جہاں تک ہوسکے۔ مومنہ صالحہ لونڈی سے نکاح کرے۔ کافرہ اور بدکار لونڈی سے نکاح نہ کرے۔ جیسے کہ محصنٰت اور مومنات کی قیدوں سے معلوم ہوا۔ اگرچہ کتابیہ لونڈی سے بھی نکاح جائز ہے۔ **تیسرا فائدہ**: اپنی لونڈی سے نکاح جائز نہیں بلکہ دوسرے کی لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے، اپنی لونڈی تو بغیر نکاح ہی حلال ہے۔ جیسا کہ بِاِذْنِ اَھْلِھِنَّ سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: لونڈی سے نکاح اس کے مالک کے اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتا اگر لونڈی اپنا نکاح خود کر بھی لے تو مالک کی اجازت پر موقوف ہوجائے گا۔ یہ فائدہ بھی بِاِذْنِ اَھْلِھِنَّ سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: اسلام میں متعہ کوئی چیز نہیں محض زنا ہے کیونکہ اگر متعہ بھی کچھ ہوتا تو ایسے مجبور آدمی کو لونڈیوں یا آزاد عورتوں سے متعہ کی اجازت دی جاتی۔ لونڈیوں سے نکاح کرنے کا حکم نہ ہوتا کیونکہ متعہ اس نکاح سے سستا بھی تھا اور آسان بھی۔

چھٹا فائدہ: لونڈیوں کا بھی مہر خاوندوں کے ذمہ واجب ہے جیسا کہ اُجُوْرَھُنَّ کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: لونڈی بیوی کا خرچہ بھی خاوند کے ذمہ ہے جیسا کہ اُجُوْرَھُنَّ کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ مگر یہ جب ہے جب مولا اسے خاوند کی خدمت کی عام اجازت دے دے۔ اپنی خدمت میں نہ رکھے۔ **آٹھواں فائدہ**: زانیہ لونڈی کی سزا آزاد عورت زانیہ سے آدھی ہے یعنی پچاس (۵۰) کوڑے جیسا کہ نِصْفُ مَا الخ سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ**: زانیہ لونڈی اگر چہ خاوند والی ہو رجم یعنی سنگسار نہیں کی جائے گی کیونکہ لونڈی کی سزا آدھی ہے اور رجم آدھا نہیں ہو سکتا۔ **دسواں فائدہ**: خوف زنا کی صورت میں نکاح فرض ہے اگر قدرت ہو اور عام حالات میں نکاح سنت ہے اور نامرد پر نکاح حرام کہ وہ بیوی کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ یہ مسئلہ لِمَنْ خَشِیَ سے حاصل ہوا۔

مسئلہ

امام اعظمؒ کے نزدیک اگر کسی شخص میں آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت ہو مگر اس نے نکاح نہ کیا ہو تو وہ لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے نیز اگر زنا کا خوف نہ ہو جب بھی لونڈی سے نکاح جائز ہے نیز مومنہ لونڈی سے بھی نکاح جائز ہے اور کافرہ کتابیہ سے بھی۔ امام شافعیؒ کے ہاں لونڈی سے نکاح کرنے کی تین شرطیں ہیں۔ دو مرد میں ایک عورت لونڈی میں مرد میں شرطیں یہ ہیں کہ اس میں آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو، دوسرے یہ کہ اسے زنا کا سخت اندیشہ ہو۔ لونڈی میں شرط یہ ہے کہ مومنہ ہو۔ **مسئلہ**: جس شخص کے نکاح میں آزاد عورت ہو وہ بالا جماع لونڈی سے نکاح نہیں کر سکتا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس شخص میں آزاد عورت سے نکاح کی طاقت ہو وہ لونڈی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ پھر امام اعظمؒ نے اس کے خلاف فتویٰ کیوں دیا ہے (شافعی) **جواب**: یہ آیت امام اعظمؒ کے خلاف نہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک نکاح کے معنی صحبت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص آزاد بیوی سے صحبت نہ کر سکے اس طرح کہ اس کے نکاح میں آزاد عورت ہو ہی نہیں۔ وہ لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اور اگر یہاں نکاح اصطلاحی معنی میں ہو تو تب بھی ان کے خلاف نہیں کیونکہ امام اعظمؒ کے ہاں مفہوم مخالف سے مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی کہے کہ اگر تم میرے پاس آئے تو میں تم کو روپیہ دوں گا .... اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اگر تم نہ آئے تو نہیں دوں گا بلکہ اس سے خاموشی رہتی ہے لہٰذا اس کے معنی یہ نہیں کہ طاقت نہ ہو تو لونڈی سے نکاح جائز نہیں۔ مثلاً رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم پر سفر کی حالت میں نماز قصر کرنے میں گناہ نہیں۔ اگر تمہیں کفار سے ڈر ہو۔ یا فرماتا ہے: لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا (النور:۳۳) یعنی اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو۔ اگر وہ بچنا چاہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر وہ زنا سے بچنا نہ چاہیں تو مجبور کرو۔ ایسے ہی یہاں بھی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ (النساء:۲۴)۔ جس سے معلوم ہوا کہ

حرام عورتوں کے سوا تمام عورتیں حلال ہیں آزاد ہوں یا لونڈیاں لہٰذا یہ آیت امام صاحب کے بالکل موافق ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف مومنہ لونڈی سے نکاح جائز ہے کیونکہ فرمایا گیا مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ پھر امام اعظمؒ نے اس کے خلاف فتویٰ کیوں دیا اور کتابیہ لونڈی سے نکاح جائز کیوں فرمایا (شافعی)۔ **جواب**: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہاں پاک دامن کی بھی قید ہے کہ فرمایا گیا ہے۔ محصنٰت پھر آپ نے فاسقہ لونڈی سے نکاح جائز کیوں مانا۔ جواب تحقیقی وہ ہی ہے جو ابھی گذرا کہ ایک چیز کا ذکر دوسرے کی نفی نہیں کر دیتا۔ رب تعالیٰ فرماتا: وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (الاسراء:۳۱)۔ فقیری کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو اور فرماتا ہے: لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً (آل عمران:۱۳۰)۔ سود، دوگنا تگنا نہ کھاؤ۔ ان آیتوں سے یہ لازم نہیں آتا کہ فقیری کے خوف کے سوا اولاد کا قتل جائز ہو یا سوایا ڈیوڑھا سود کھانا جائز ہو۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ لونڈیوں کا مہر انہی کو دیا جائے۔ نہ کہ ان کے مولاؤں کو پھر تم لوگ یہ کیوں کہتے ہو کہ لونڈی کا مہر اس کا مولا لے گا (امام مالکؒ)۔ **جواب**: یہاں اُجور سے مراد خرچہ اور وہ لونڈی بیوی کو ہی ملتا ہے اور اگر بمعنی مہر بھی ہو۔ تب بھی مولا کو دینا مراد ہے کیونکہ مولا کو دینا گویا لونڈی کو ہی دینا ہے کیونکہ لونڈی غلام کسی چیز کی مالک نہیں ہو سکتے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ (نحل:۷۵) اور نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ غلام اور اس کے قبضے کی چیز اس کے مولا کی ہوتی ہے۔ (تفسیر کبیر)

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ شادی شدہ لونڈی اگر زنا کرے تو اسے پچاس (۵۰) کوڑے لگیں گے تو چاہئے کہ اگر کنواری لونڈی زنا کرے تو اسے بالکل سزا نہ دی جائے کیونکہ رب نے فرمایا فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ (النساء:۲۵)۔ **جواب**: آیت کا مقصد یہ ہے کہ لونڈی نکاح کے بعد بھی اگر زنا کرے۔ جب بھی اس کی سزا پچاس کوڑے ہیں، رجم نہیں یا یہ مقصد ہے کہ جب لونڈی نکاح کے بعد زنا کرے۔ پچاس کوڑے کھائے گی۔ تو اگر کنواری ہو کر زنا کرے تب سو (۱۰۰) کوڑے کیسے کھا سکتی ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

پانچواں اعتراض: اس آیت سے لازم آتا ہے کہ زنا کی سزا سنگسار کرنا نہیں ہے۔ ورنہ چاہئے کہ منکوحہ لونڈی زانیہ کو آدھا سنگسار کیا جائے حالانکہ سنگساری کا آدھا ہو سکتا نہیں (خوارج)۔ **نوٹ**: خارجی رجم کے قائل نہیں۔ ان کے ہاں ہر زانی کو کوڑے لگائے جائیں گے۔ کنواری ہو یا شادی شدہ۔ اس زمانے کے منکرین حدیث اور آزاد خیال نیچری بھی یہی کہتے ہیں۔ **جواب**: شادی شدہ زانیہ کو سنگسار کرنے کی بہت احادیث ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رجم کا اتنا یقین ہے کہ اگر کتاب اللہ میں زیادتی جائز ہوتی تو میں قرآن شریف میں رجم کا حکم لکھ دیتا۔ اس آیت کا منشا یہ ہے کہ زانیہ لونڈی کی سزائے زنا نکاح سے سخت نہیں ہو جاتی بلکہ جو پہلے تھی وہی رہتی ہے یعنی

پچاس کوڑے۔ آزاد عورت کی سزا نکاح سے سخت ہو جاتی ہے۔ ہمارا ایمان قرآن پر بھی ہے اور حدیث پر بھی۔ حدیث کا منکر نہ پانچ نمازیں قرآن سے دکھا سکتا ہے نہ زکوٰۃ کی مقدار۔

چھٹا اعتراض: جب کتابیہ اور فاسقہ لونڈی سے بھی نکاح جائز ہے تو اس آیت میں مومنہ اور صالحہ کی قید کیوں لگائی گئی۔ **جواب**: بیان استحباب کیلئے کہ بہتر یہی ہے کہ اگر لونڈی سے نکاح کرنا پڑ بھی جائے تو مومنہ صالحہ سے کرے۔

تفسیر صوفیانہ

اللہ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ مومن کا دل عبادت کے لئے فارغ ہو۔ فراغت کا بڑا ذریعہ نکاح ہے۔ اگر انسان بے نکاح رہے تو اس کا بہت سا وقت کھانا پکانے، برتن دھونے گھر صاف کرنے میں خرچ ہو جائے گا اور انسان علم و عمل کے لئے موقع نہ پائے گا۔ نیک عورت اللہ کی بڑی نعمت ہے کہ وہ مرد کی دنیا بھی ٹھیک کر دیتی ہے اور دین بھی۔ ابو سلیمان درانی فرماتے ہیں کہ نیک بیوی دنیا نہیں ہے وہ تو تم کو آخرت کے لئے فارغ کر دیتی ہے۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے مجبور لوگوں کو لونڈیوں سے نکاح کی بھی اجازت دے دی اور اسی حکمت سے لونڈیوں میں مومنہ اور صالحہ ہونے کی قید لگائی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے لونڈی سے نکاح نہ کرو کیونکہ لونڈی کے پیٹ کی اولاد غلام ہوتی ہے، یونہی اپنے دل کا نکاح نفس امارہ سے نہ کرو۔ ورنہ تمہارے نیک اعمال دنیا کے غلام ہوں گے کیونکہ نفس امارہ دنیا کی لونڈی ہے بلکہ بعض تو فرماتے ہیں کہ دل کا نکاح دلیل سے نہ کرو اور عشق کا نکاح عقل سے نہ کرو کہ عقل اور دلیل دونوں لونڈیاں ہیں، راہِ محبت میں دل کو عقل سے آزاد رکھو۔ ہاں ضرورت کے وقت پر جائز بھی ہے۔ شعر

بہتر ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

افسوس ہے ان لوگوں پر جو دنیا اور دنیا داروں کی غلام و لونڈیاں بنے ہوئے ہیں اور اگر تم کو لونڈی نفسِ امارہ سے نکاح کرنا پڑ جائے تو اس کے حقوق زوجیت ادا کرتے رہو۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ
ارادہ کرتا ہے اللہ کہ بیان کرے واسطے تمہارے اور ہدایت دے تم کو طریقوں کے
اللہ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تمہارے لئے بیان کر دے اور تمہیں اگلوں کی روشیں
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
ان لوگوں کے اور توبہ ڈالے تم پر اور اللہ جاننے والا حکمت
بتا دے اور تم پر اپنی رحمت سے رجوع فرماوے اور اللہ علم

حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللّٰهُ يُرِيدُ اَنْ يَّتُوبَ عَلَيْكُمْ تف وَيُرِيدُ

والا ہے اور اللہ ارادہ کرتا ہے یہ کہ توبہ ڈالے تم پر اور ارادہ کرتے

وحکمت والا ہے اور اللہ تم پر اپنی رحمت سے رجوع فرمانا چاہتا ہے اور جو

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيلُوا مَيْلاً عَظِيماً ﴿٢٧﴾

ہیں وہ لوگ جو اتباع کرتے ہیں خواہشات کی یہ کہ ٹیڑھے ہو جاؤ تم بڑا ٹیڑھا ہونا

اپنے مزوں کے پیچھے پڑے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھی راہ سے الگ ہو جاؤ

يُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ج وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾

ہونا۔ ارادہ کرتا ہے اللہ یہ کہ ہلکا کرے تم پہ سے اور پیدا کیا گیا انسان کمزور

اللہ چاہتا ہے کہ تم پر تخفیف کرے اور آدمی کمزور بنایا گیا

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں حرام و حلال عورتوں کا تفصیلی بیان تھا۔ اب اس کی حکمتوں کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں نکاح کے کچھ احکام بتائے گئے تھے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ نکاح کی پابندیاں صرف تم پر ہی نہیں ہیں پچھلی اُمتوں پر بھی تھیں لہٰذا ان پابندیوں کو تم بخوشی قبول کرو۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں نکاح کے شرعی احکام بیان ہوئے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ انسان چونکہ کمزور ہے کہ ہدایت کی خفیہ راہوں پر خود اطلاع نہیں پا سکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ذریعے اسے یہ ہدایتیں بخشیں۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیتوں میں حرام و حلال عورتوں کا ذکر تھا۔ اب اس پر سے کفار کے اعتراضات کو دفع فرمایا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو بتا جا رہا ہے کہ کفار تمہیں بہکانا چاہتے ہیں۔ تم ان کی باتوں میں نہ آنا۔

شانِ نزول

یہود اپنی علاتی بہنوں اور بھتیجیوں اور بھانجوں سے نکاح جائز سمجھتے تھے۔ جب اسلام نے ان عورتوں کو حرام کیا تو بولے کہ اسلام میں خالہ پھوپھی حرام ہے مگر ان کی بیٹیاں حلال ہیں۔ ایسے ہی بھائی بہن [illegible] ہیں۔ چاہیئے کہ ان کی بیٹیاں حلال ہوں۔ تم عجیب لوگ ہو کہ پھوپھی خالہ کے احکام بھائی بہن پر جاری نہیں کرتے۔ ان کی تردید میں یہ آیتیں اتریں۔ (تفسیر مدارک، تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی، روح البیان وغیرہ)۔

تفسیر

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ ۔ یہ جملہ علیحدہ ہے بعض نے فرمایا کہ يُرِيدُ کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی اظہار الاحکام اور لِتُبَيِّنَ کا لام تعلیلیہ ہے جو بیان کرنے کی حکمت بتا رہا ہے اور بعض

فرماتے ہیں کہ امر اور ارادہ کے بعد جو لام آتا ہے وہ ان کے قائم مقام ہوتا ہے جیسے قرآن کریم میں ہے یُرِیْدُوْنَ لیطفؤا (التوبہ:۳۲) اور رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ (انعام:۷۱)۔روح المعانی نے فرمایا کہ اس لام کا نام لام تکملہ ہے۔اس صورت میں لِیُبَیِّنَ یُرِیْدُ کا مفعول ہے یُبَیِّنَ کے معنی ہیں: خوب بیان کرنا لَکُمْ میں لام نفع کا ہے اور خطاب سارے ہی مسلمانوں سے ہے یعنی اے مسلمانو! یہ احکام تفصیل وار اس لئے بیان کئے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔احکام کا ظاہر کرنا تا کہ خوب بیان کرے یا اللہ تعالیٰ بیان کرنا چاہتا ہے یہ سب تمہارے نفع کے لئے ہے۔وَیَھْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ ۔یہ جملہ لِیُبَیِّنَ پر معطوف ہے اور یُرِیْدُ کا مفعول ہے یا اس کی علت۔سُنَن سنتوں کی جمع ہے۔بمعنی طریقہ وراستہ اَلَّذِیْنَ سے مراد پچھلے انبیاء کرام اور ان کی امتیں ہیں چونکہ وہ سب پہلے گذر چکے ہیں۔اس لئے فرمایا گیا،مِنْ قَبْلِکُمْ یعنی رب تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم کو گزشتہ انبیاء کرام کے طریقوں کی ہدایت دے تاکہ تم ان کے راستے پر چلو اور قیامت میں ان کے ٹولے میں رہو۔ وَیَتُوْبَ عَلَیْکُمْ ۔یہ جملہ یَھْدِیَکُمْ پر معطوف ہے۔یَتُوْبَ تَوْبٌ سے بنا بمعنی رجوع کرنا۔اگر اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو معنی ہوتے ہیں عذاب سے ثواب کی طرف رجوع کرنا اور اگر اس کا فاعل بندے ہوں تو معنی ہوتے ہیں گناہ سے نیکی کی طرف رجوع کرنا۔یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی رب چاہتا ہے کہ تمہیں توبہ کی توفیق دے یا تم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع کرے۔وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۔یہ جملہ گذشتہ رحمتوں کی حکمت ہے یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ خبردار بھی ہے حکمت والا بھی ہے اس لئے اس کے سارے احکام میں حکمتیں ہوتی ہیں وَاللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ ۔بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ مضمون گزشتہ کی تکرار ہے۔مبالغہ اور تاکید کے لئے۔بعض نے فرمایا کہ یہ علیحدہ مضمون ہے وہاں توبہ سے مراد تھا رجوع ورحمت اور یہاں توبہ سے مراد ہے ایسے اعمال جو رحمت کا باعث ہوں لہٰذا آیت میں تکرار نہیں۔یُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّھَوٰتِ ۔یہاں اَلَّذِیْنَ سے مراد بھی یہود ہیں جو اسلامی احکام پر اعتراض کرتے تھے چونکہ بہنوں بھتیجیوں سے نکاح کرنا، توریت شریف کا حکم نہ تھا۔محض ان کی نفسانی خواہشات تھیں۔اس لئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ خواہشات کی اتباع کرتے ہیں۔اَنْ تَمِیْلُوا مَیْلاً عَظِیْمًا ۔یہ عبارت یُرِیْدُ کا مفعول ہے۔میلان کے معنی ہیں جھکنا، ہٹنا، سیدھے راستے سے علیحدہ ہو کر ٹیڑھے راستہ پر پڑ جانا چونکہ نکاح میں غلط روی نسل خراب کر دیتی ہے اس لئے اسے میل عظیم فرمایا یعنی یہود جو ہمیشہ نفسانی خواہشات کے پیچھے پھرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح غلط نکاح کر کے حرام کاری میں مبتلا رہو اور اپنی نسل کو خراب کرلو۔یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ ۔یہ اس تفصیلی بیان کی تیسری حکمت ہے۔تخفیف کے معنی ہیں ہلکا کرنا۔تشدید کا مقابل۔اس سے مراد یا تو لونڈیوں کے ساتھ نکاح کی اجازت دینا ہے یا سارے اسلامی احکام کیونکہ یہ دوسرے دینوں کے مقابلے میں آسان ہیں کہ اسلامی توبہ نماز روزہ حج زکوٰۃ سب آسان فرما دیئے یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اے مسلمانو! تم میں سے پچھلی اُمتوں کی سختیاں دور کرے اور

تمہارے احکام آسان کرے۔ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا : انسان سے مراد نوع انسان ہے ضعیف، ضُعْفٌ سے بنا بمعنی قوت وطاقت، یہاں ضعف سے مراد یا تو عورتوں کے بغیر صبر نہ کر سکنا ہے یا کمزوری ارادہ یا پیدائشی کمزوری مراد ہے کیونکہ اس کی پیدائش کمزور پانی سے ہے یعنی انسان اکثر مخلوق، جن، فرشتے، پہاڑ وغیرہ کے مقابل کمزور پیدا کیا گیا۔ اس لئے اس کے واسطے احکام آسان ہی چاہئیں۔

خلاصہ تفسیر

اے مسلمانو! حرام عورتوں کی تفصیل بیان فرمانے میں ہماری بہت سی حکمتیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ نکاح ہی انسان اور جانوروں کے فرق کا ذریعہ ہے۔ اسی سے نسل کا بقا اور عالم کا نظام قائم ہے۔ اس لئے رب چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے یہ چیز خوب اچھی طرح بیان فرمائے...... دوسری حکمت یہ ہے کہ تم سے پچھلی اُمتوں پر بھی نکاح کے احکام جاری تھے۔ ان کے لئے بعض عورتیں حلال تھیں بعض حرام۔ رب تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہیں بھی انہی کے طریقے پر چلائے تیسری حکمت یہ ہے کہ صحیح نکاح سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے رب چاہتا ہے کہ تمہیں تقویٰ وطہارت نصیب فرمائے اور تم پر اپنی رحمت متوجہ کرے خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کرنا چاہتا ہے۔ مگر شہوت پرست لوگ تمہیں اپنی طرح شہوتوں میں پھنسانا چاہتے ہیں اور تمہیں سیدھے راستے سے ہٹا کر ٹیڑھے راستے پر چلانا چاہتے ہیں لہٰذا ان کی پیروی نہ کرو ہمارے احکام مانو، اللہ جانتا ہے کہ انسان کمزور ہے کہ مرد عورت کے بغیر اور عورت مرد بغیر گذارہ نہیں کر سکتی۔ اس لئے تم پر لونڈیاں بھی حلال کر دیں اور تمہارے لئے احکام ہلکے کر دیئے نیز رب تعالیٰ جانتا ہے کہ تم کمزور ہو اور تمہارا علم محدود ہے۔ شریعت کے احکام خود نہیں نکال سکتے، اس لئے رب نے تم پر آسانی کی اور تمہیں احکام شرعیہ بتا دیئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ عورتوں میں بھلائی نہیں مگر ان کے بغیر صبر بھی نہیں۔ لئیم مردان پر غالب رہتا ہے اور کریم مرد پر یہ غالب آجاتی ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تم کریم مرد بنو۔ بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ سورۂ نساء میں آٹھ آیتیں وہ ہیں جو مسلمانوں کیلئے دنیا بھر سے بہتر ہیں۔ تین آیتیں تو یہ ہیں اور چوتھی اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ (النساء:۳۱)۔ پانچویں اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (النساء:۴۸)۔ چھٹی آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (النساء:۴۰)۔ ساتویں وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ (النساء:۱۱۰)۔ آٹھویں مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ (النساء:۱۴۷) (تفسیر کبیر وروح المعانی)

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: قرآن مجید میں حرام عورتیں، میراث کے احکام کچھ تفصیل سے بیان فرمائے گئے ہیں۔ نماز وزکوٰۃ کے احکام میں بہت ہی اجمال رکھا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح ومیراث بہت اہم احکام ہیں۔ ان دونوں میں مسلمانوں کو بہت احتیاط چاہئے، جس عورت کے حلال ہونے میں شک ہو اس سے بھی نکاح نہ کریں مثلاً جس لڑکی کے متعلق ایک عورت بھی کہہ دے کہ یہ تمہاری رضاعی بہن ہے۔ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ بہتر ہے کہ اس سے نکاح نہ کریں۔

دوسرا فائدہ: ساری شریعتوں میں نکاح پر پابندیاں رہیں۔ کسی دین میں اس پر کھلی اجازت نہ دی گئی۔ آدم علیہ السلام کے دین میں صرف بہن سے نکاح کی اجازت تھی۔ اس پر بھی کئی پابندیاں تھیں۔ جس دین میں نکاح پر پابندی ہی کوئی نہ ہو۔ ہر عورت سے نکاح کرنے کی اجازت ہو۔ اس دین میں انسان اور جانور میں کوئی فرق نہ ہوا۔ جیسا کہ یَهْدِیَكُمْ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** گذشتہ شریعتوں کے احکام جو قرآن یا حدیث میں مذکور ہو جائیں وہ ہمارے لئے بھی لازم العمل ہیں۔ یہ بھی یَهْدِیَكُمْ الخ سے معلوم ہوا۔ بجز ان احکام کے جو پچھلی اُمتوں پر بطور عذاب نازل ہوئے تھے۔ **چوتھا فائدہ:** نکاح میں صرف شہوت رانی مقصود نہ ہو بلکہ اپنی عصمت کی حفاظت اور نیک اولاد حاصل کرنا مقصود ہو جیسا کہ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوَاتِ سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالٰی کے احکام میں صدہا حکمتیں ہیں اگرچہ ہماری عقل میں نہ آئیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ عورتوں کی حرمت، زکوٰۃ کی مقداریں، نماز کی رکعتیں، میراث کے حصے، عقل سے معلوم نہیں ہو سکتے۔ اس میں نقل کی ضرورت ہے۔

چھٹا فائدہ: شریعت کے احکام ہمیشہ قابل عمل تھے۔ اللہ تعالٰی نے کبھی طاقت سے زیادہ بوجھ بندوں پر نہیں ڈالا۔ خصوصاً اسلام میں تو احکام بہت ہی آسان رکھے گئے۔ جیسا کہ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ سے معلوم ہوا۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ شریعت کا بوجھ انسان نہیں اٹھا سکتا۔ شریعت ایک لعنت ہے جس سے ہمیں مسیح نے چھڑایا دیکھو کتاب گلیتون باب تین آیت تیرہ۔ مگر یہ محض غلط ہے۔ اگر شریعت لعنت تھی تو اللہ نے اس کے جاری کرنے کے لئے نبی کیوں بھیجے اور اگر شریعت بری چیز ہے تو عیسائیوں کو چاہئے کہ زنا، چوری، قتل، ڈکیتی سب کچھ کیا کریں کیونکہ اس سے ممانعت شریعت کے ہی احکام ہیں۔ اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب انجیل اور قرآن وغیرہ کا مطالعہ کرو۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: ان آیات میں دو جگہ یَتُوْبَ عَلَیْكُمْ کیوں آیا۔ اس تکرار سے کیا فائدہ؟ **جواب:** تکرار تاکید کیلئے ہوتی ہے۔ یہاں تو تکرار ہے بھی نہیں کیونکہ پہلے یَتُوْبَ میں گناہوں سے بچنے کی توفیق مراد ہے اور دوسرے یَتُوْبَ سے نیک اعمال کی توفیق دینا مراد ہے لہٰذا آیت میں تکرار نہیں۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہمیں پچھلی شریعتوں کے احکام پر بھی عمل کرنا چاہئے حالانکہ اسلام ان دینوں کا ناسخ ہے۔ تمام پچھلی شریعتیں منسوخ ہیں، منسوخ پر عمل کیسا؟ **جواب:** پچھلی شریعتوں کے جو احکام قرآن یا حدیث میں بغیر تردید منقول ہو گئے۔ وہ ہماری شریعت کے مسئلے بن گئے۔ اب ہم ان پر اس لئے عمل کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دین کے مسئلے ہیں۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ چاہتا ہے کہ ہم نیک بنیں تا کہ ہم پر رحمتیں آئیں۔ مگر پھر بھی بہت سے انسان نیک نہیں بنتے کیونکہ شیطان ان کو بہکا دیتا ہے۔ تو کیا شیطان خدا پر غالب ہے کہ رب کا چاہا تو نہیں

ہوتا شیطان کا چاہا ہوتا ہے۔ **جواب**: اس کے چند جواب ہیں: ایک یہ کہ یہاں خطاب حضرات صحابہ کرام سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ و ہدایت کا ارادہ کیا۔ وہ حضرات ہدایت پر بھی رہے اور توبہ بھی کرتے رہے (روح البیان) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں ارادے سے مراد پسند فرمانا ہے نہ کہ مشیت اور چاہنا یعنی اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ تم توبہ کرو۔ ورنہ یہ بات ناممکن ہے کہ رب تعالیٰ کچھ کرنا چاہے اور وہ نہ ہو۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا حالانکہ بعض انسان فرشتوں سے بھی زیادہ طاقتور تھے۔ ہمارے حضور معراج میں وہاں پہنچے جہاں جبریل بھی نہ پہنچ سکے۔ موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ملک الموت کے تھپڑ مارا تو وہ اس کی تاب نہ لا سکے نیز سارے انسان مچھر، چیونٹی وغیرہ سے زیادہ طاقتور ہیں۔ پھر یہ آیت کیوں درست ہوئی۔ **جواب**: یہاں نوع انسانی کی کمزوری کا ذکر ہے نہ کہ تمام افراد کی کمزوری کا۔ انبیاء کی طاقت روحانی ہوتی ہے۔ آیت کا منشا یہ ہے کہ انسان فطری طور پر ضعیف و کمزور ہے کہ بغیر عورت صبر نہیں کر سکتا اور احکام کا مکلف ہے اور انہیں عقل سے معلوم نہیں کر سکتا۔ خیال رہے کہ انسان بعض صفات میں چیونٹی اور مچھر سے بھی کمزور ہے۔ چیونٹی مٹھائی کی خوشبو وہاں سے پا لیتی ہے اور ایسی جگہ پہنچ جاتی ہے جہاں انسان مجبور ہوتا ہے۔ یہ تو رب تعالیٰ کی قدرت ہے کہ کمزور سے بڑے بھاری کام کرا لیتا ہے۔

پانچواں اعتراض: سارے نبی ولی انسان ہیں اور انسان کمزور ہے۔ یہ دونوں باتیں قرآن مجید سے ثابت ہیں لہٰذا کرامات اولیاء معجزات انبیاء من گھڑت کہانیاں ہیں۔ معراج شق القمر وغیرہ سب غلط ہیں، اس آیت کے خلاف ہیں۔ **جواب**: انسان میں تین چیزیں ہیں۔ جسمانیت، نورانیت یعنی عقل روحانیت یعنی قرب الٰہی۔ انسان جسمانیت میں کمزور ہے۔ مگر نورانیت میں اس کا یہ حال ہے کہ بذریعہ لاؤڈ سپیکر و ریڈیو اپنی جسمانی کمزور آواز کو دنیا میں پہنچا دیتا ہے۔ دوربین، ٹیلیفون راکٹ کے ذریعہ بہت طاقت کے کام کر لیتا ہے، اگر اس کی جسمانیت کے ساتھ روحانیت مکس ہو جاوے تو معراج و شق القمر کر سکتا ہے۔ یہاں جسمانیت کی کمزوری کا ذکر ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدیہ پر چار خصوصی احسانوں کا یہاں ذکر فرمایا۔ رب تک پہنچانے والا راستہ بتا دینا بلکہ دکھا دینا جس کا ذکر فرمایا لِيُبَيِّنَ لَكُمْ میں، دوسرے ہدایت دینا یعنی اس راستہ کو بیان کے بعد عیاں کر دینا اور اس پر چلنے کی توفیق دینا جس کا ذکر ہوا وَيَهْدِيَكُمْ، تیسرے توبہ یعنی اپنے تک رجوع کرنے کی ہمت دینا۔ چوتھے تخفیف یعنی اپنے تک پہنچنا آسان فرما دینا۔ یہ چاروں نعمتیں اس لئے ہیں کہ امت اگرچہ گنہگار ہے مگر احمد مختار اس کی کشتی کے کھیون ہار ہیں۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام رب کی طرف گئے کہ فرمایا۔ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ (الصافات:۹۹)۔ موسیٰ علیہ السلام بھی رب تک گئے فرماتا ہے وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا (اعراف:۱۴۳) مگر محبوب خود نہ گئے بلکہ بلائے گئے کہ فرمایا سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ (الاسراء:۱)۔ یہ تھی مدد

اور تخفیف اسی کی تجلی ان کی اُمت پر پڑی۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی استعداد کے مطابق ہر وقت منزلیں طے کریں۔ جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ راہِ خدا کتاب و سنت سے گھری ہوئی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ خالق تک پہنچنے کے لئے صرف ایک راستہ ہے اور وہ نبی کی اتباع ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ انسان کا ضعف اس کے کمال اور نیک بختی کا بھی ذریعہ ہے اور اس کے نقصان اور بدبختی کا بھی سبب ہے کیونکہ انسان اپنے ضعف کی وجہ سے ایک حال پر ٹھہرتا نہیں کبھی اس پر حیوانیت غالب آتی ہے تو کھاتا پیتا ہے اور غافل ہو جاتا ہے اور کبھی اس پر فرشتے کی صفت غالب آتی ہے تو رب کی تسبیح اور حمد کرتا ہے۔ یہ کمزوری ہی اسے کمال تک پہنچاتی ہے حدیث قدسی ہے۔ رب فرماتا ہے۔ میں بادشاہ ہوں زندہ ہوں کبھی نہ مروں گا۔ اے میرے بندے! میری اطاعت کر۔ میں تجھے ایسا فرشتہ بنا دوں گا کہ پھر تجھے کبھی موت نہ آئے گی (روح البیان) صوفیاء کے نزدیک خواہش تین قسم کی ہے: خواہش نفسانی، خواہش ایمانی، خواہش رحمانی، خواہش نفسانی دنیاوی عزت دولت شہرت میں محدود ہے۔ اس نفسانی خواہش کو شہوت کہا جاتا ہے چونکہ یہ مذکورہ چیزوں میں ہی ہوتی ہے اس لئے شہوات جمع ارشاد ہوا نیز جیسے آنکھ میں بصارت، کان میں قوت سامعہ ہے۔ ایسے ہی دل میں رب نے میلان کی قوت رکھی ہے۔ میلان چار قسم کا ہے۔ میل الی الدنیا۔ میل الی الآخرت۔ میل الی اللہ اور میل الی الرسول۔ اچھے میلان والوں کے پاس رہو تا کہ تم کو میل الی اللہ نصیب ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے نہ کھاؤ اپنے مال اپنے درمیان غلط طریقے سے مگر
اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر
اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ
یہ کہ ہو تجارت رضامندی سے تمہاری آپس کی اور نہ قتل کرو جانوں اپنی کو
یہ کہ ہو کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو اور اپنی جانیں
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا
یقیناً اللہ ہے تم پر مہربان اور جو کرے گا یہ زیادتی
قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے اور جو ظلم زیادتی سے
وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾
اور ظلم سے تو عنقریب پہنچائیں گے ہم اسے آگ میں اور ہے یہ اللہ پر آسان
ایسا کرے گا ہم اسے آگ میں داخل کریں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے

تعلقات اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے ذریعے عورتوں میں تصرف کرنے کا ذکر فرمایا تھا۔ اب مالوں میں تصرف کی کیفیت کا ذکر ہے چونکہ جان مال سے اعلیٰ ہے اس لئے نکاح کا ذکر پہلے ہوا اور مال کا ذکر بعد میں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں حکم دیا گیا تھا کہ مالوں کے عوض نکاح کرو یعنی عورتوں کے مہر اور خرچے ادا کرو۔ اب ارشاد ہو رہا ہے ان کاموں کیلئے مال حلال حاصل کرو۔ نکاح مہر اور دیگر خرچوں کے لئے حرام کمائیاں کرنے کی کوشش نہ کرو۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ رب تعالیٰ تمہیں ہدایت دینا چاہتا ہے اور شہوت پرست کفار تمہیں بہکانا چاہتے ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ کفار مال کمانے میں حلال حرام کا فرق نہیں کرتے۔ جس ذریعے سے آجائے حاصل کرتے ہیں۔ مسلمانو! تم ایسا نہ کرو۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ انسان کمزور بنایا گیا ہے کہ ہر چیز کا اثر جلد لے لیتا ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ حرام کمائیوں سے بچو ورنہ تمہارے دل سیاہ ہو جائیں گے کیونکہ تم کمزور ہو حلال روزی کھاؤ تاکہ تمہارے دلوں میں نور پیدا ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ ہر قسم کا مال کھانے والا آدمی کتے سے بدتر ہے کہ کتا سونگھ کر منہ ڈالتا ہے اور یہ شخص بغیر تحقیق ہر چیز کھالیتا ہے۔

تفسیر **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا**۔ چونکہ مالی معاملات میں حرام و حلال سے بچنا بہت مشکل ہے اور اللہ تعالیٰ مشکل احکام سناتے وقت پہلے مسلمانوں کو خطاب اور پھر حکم سناتا ہے نیز اعمال سے ایمان مقدم ہے نیز حرام کمائیوں سے بچنے کا حکم صرف مسلمانوں کو ہے۔ کفار ان احکام کے مخاطب نہیں ہوتے۔ ان وجوہ سے پہلے مسلمانوں کو پیارے خطاب سے پکارا تاکہ اس خطاب کی لذت سے مسلمانوں پر یہ بھاری احکام آسان ہو جائیں۔ **لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ**۔ اگرچہ حرام مال کا استعمال مطلقاً حرام ہے۔ مگر چونکہ کھانا مال کا اصل مقصود ہوتا ہے، اس لئے یہاں کھانے کی ممانعت فرمائی۔ **اَموال** جمع فرما کر اس طرف اشارہ کیا کہ ہر قسم کے حرام مال سے بچو۔ روٹی، کپڑا، مکان، جائیداد، جانور وغیرہ جو بھی حرام ذریعے سے حاصل ہوں، ان سے بچو، **کُمْ** سے مراد یا تو اپنی قوم کے مال ہیں یا خود اپنے مملوکہ مال **بَیْنَكُمْ** سے مراد ہے مسلمانوں کے اپنے معاملات۔ یہ قید اس لئے لگائی کہ بعض صورتوں میں کفار کے مال لینا حلال ہوتے ہیں مسلمانوں کے مال حرام۔ اگر ہم آپس میں لڑیں اور ایک دوسرے کا مال لوٹ لیں تو یہ لڑائی بھی حرام ہے اور مال بھی، مال، مالکوں کو واپس کئے جائیں لیکن اگر کفار پر اسلامی جہاد ہو اور مال غنیمت حاصل ہو تو یہ جہاد بھی عبادت ہے اور مال بھی حلال اس لئے یہاں **بَیْنَكُمْ** فرمایا۔ یونہی بعض فاسد عقد کفار حربی سے جائز ہیں، مسلمان سے حرام جیسے حربی کفار سے سود لینا کہ وہ درحقیقت سود ہی نہیں بلکہ حربی کافر اپنی خوشی سے مال دے رہا ہے۔ بہر حال **بَیْنَكُمْ** میں بڑی حکمت ہے۔ **بِالْبَاطِلِ** میں "ب" یا استعانت کی ہے یا الصاق کی، باطل بطلان سے بنا بمعنی مٹنا و زائل ہونا۔ سرکار فرماتے ہیں اللہ کے سوا ہر چیز باطل یعنی فانی ہے اس کا

مقابل حق ہے بمعنی ثابت اور غیر زائل یہاں ناجائز وحرام ذریعے مراد ہیں کیونکہ حرام کمائی میں برکت نہیں ہوتی یعنی جلد فنا ہو جاتی ہے۔اس لئے وہ باطل ہے کبھی باطل بمعنی بیکار و عبث آتا ہے۔رب فرماتا ہے: رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً (آلعمران:۱۹۱)۔یہاں باطل کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔کمائی کا ہر ناجائز ذریعہ باطل ہے اور اس ذریعہ سے حاصل کیا ہوا مال حرام ہے جیسے جوا، سود، چوری، ڈکیتی، کم تول، ظلم، مالی جرمانے وغیرہ۔حرام پیشوں کی اجرتیں جیسے گا کر، ناچ کر۔جھوٹی گواہی دے کر، جھوٹی وکالت کر کے کمانا وغیرہ کہ یہ سب کمائیاں حرام ہیں۔اس آیت کی یہ تفصیل بہت قوی ہے اور یہی امام باقرؓ سے مروی ہے امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ بلاعوض مال حاصل کرنا باطل ہے۔ ان کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے۔اس کی ناسخ سورۂ نور کی وہ آیتیں ہیں: وَلَاعَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ الخ (النور ۶۱) سیدنا ابن مسعود فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے قیامت تک منسوخ نہیں ہو سکتی یعنی اپنی مسلم قوم کے مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ، بعض علماء اس آیت کے معنی یہ کرتے ہیں کہ اپنے مال ناجائز چیزوں میں استعمال نہ کرو۔جیسے ناچ گانا، سینما وغیرہ (تفسیر کبیر) بہر حال اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں: ایک تفسیر میں منسوخ ہے اور دو میں محکم ہے۔اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۔یہ اِلَّا بمعنی لٰكِنَّ ہے اور یہ عبارت مستثنا منقطع ہے۔ہماری قرأۃ میں تِجَارَةً منسوب ہے کیونکہ تَكُوْنَ ناقصہ ہے اور اس کا اسم پوشیدہ تراضٍ ایک دوسرے کی رضامندی کو کہتے ہیں یعنی اگر مال حاصل کرنے کا ذریعہ آپس کی تجارت ہو جو فریقین کی رضامندی سے واقع ہو تو وہ مال حلال ہے۔خیال رہے کہ اگرچہ ہبہ ملازمت میراث ہدیہ وغیرہ سے جو مال حاصل ہو وہ بھی حلال ہے مگر چونکہ عموماً تجارت ہی سے مال حاصل کیا جاتا ہے و راس میں بڑی برکتیں ہیں اس لئے خصوصیت سے تجارت ہی کا ذکر ہوا اور چونکہ جبری بیع شرعاً ناجائز ہے۔اسلئے اس تجارت میں رضامندی کی قید لگائی گئی۔وَلَاتَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ......اس جملے کے بہت سے معنیٰ ہیں۔ایک یہ کہ اے مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔مومن ایک جان کی طرح ہیں۔دوسرے کہ خودکشی کر کے اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔تیسرے یہ کہ حرام مال لے کر گناہ کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ چوتھے یہ کہ مال کی ہوس میں تجارت کے لئے دشمن کے ملک میں نہ جاؤ کہ وہاں جان کا خطرہ ہے، پانچواں یہ کہ اپنے کو ہلاکت میں مت ڈالو یعنی ایسے غیر ضروری کام نہ کرو جس میں ہلاکت غالب ہو۔ چھٹے یہ کہ ایسا کام نہ کرو جس سے قتل کئے جاؤ جیسے زنا۔ڈکیتی اور کسی کو مار ڈالنا۔ساتویں یہ کہ تجارت میں دھوکہ بازی کر کے اپنے کو ہلاک نہ کرو کہ اس سے تمہارا اعتبار اٹھ جاوے گا اور تمہاری تجارت تباہ ہو جاوے گی۔تجارت کی تباہی قوم کی ہلاکت ہے۔حضرت علیؓ کی قرأت میں لَاتُقَتِّلُوْا ، ت کی شدت سے ہے۔سبحان اللہ! حفاظت مال و حفاظت جان کیسے اچھے احکام ارشاد فرمائے۔اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۔یہ عبارت گذشتہ احکام کی علت ہے یعنی یہ احکام اس لئے دیئے کہ اللہ تم پر بہت مہربان ہے بنی اسرائیل کی طرح تمہیں قتل کرا کر توبہ قبول نہیں فرماتا بلکہ تمہارے لئے توبہ کے

احکام آسان رکھے ہیں۔ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ عُدۡوَانًا وَّ ظُلۡمًا۔ یہ جملہ مستقل ہے۔ مَنۡ سے مراد مسلمان ہیں کیونکہ پہلے سے انہی کا ذکر ہو رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ مَنۡ سے مراد سارے انسان ہوں مومن یا کافر کیونکہ آخرت میں کفار کو بھی گناہوں کا عذاب ہوگا۔ مَنۡ کے عموم سے پتہ لگ رہا ہے کہ ہر متقی پرہیزگار پر بھی صفائی و درستی معاملات لازم ہے معاملات و عبادات تقویٰ کے دو باز و یا اسلام کی گاڑی کے دو پہیے ہیں یَفۡعَلۡ کے اطلاق میں بتایا گیا ہے کہ یہ جرم ایک بار کرنا بھی سزا کا باعث ہے۔ ذٰلِکَ سے اشارہ یا قتل نفس کی طرف ہے یا حرام کمائیوں سے مال حاصل کرنے کی طرف یا اب تک جو ممانعتیں فرمائی گئیں ان کی طرف عدوان اور ظلم کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں۔ بعض نے فرمایا یہ دونوں فاعل کے معنی میں ہیں اور یَفۡعَلۡ کے فاعل سے حال ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ دونوں تمیز ہیں یعنی جو کوئی یہ مذکورہ کام حد سے بڑھ کر یا ظلم سے کرے گا۔ فَسَوۡفَ نُصۡلِیۡهِ نَارًا ؕ یہ جملہ مَنۡ کی خبر ہے چونکہ اس میں شرط کے معنی تھے لہٰذا یہاں ف آئی اور چونکہ اس قسم کے لوگ مرتے ہی آگ کا عذاب پاتے ہیں۔ اس لئے سوف ارشاد فرمایا گیا بمعنی قریب نُصۡلِیۡ کا مادہ صَلۡوٌ ہے۔ وصَلۡ کا مقلوب یا بمعنی گرم کرنا و تپانا یعنی ہم اسے عنقریب آگ میں داخل کریں گے، یا آگ میں جلائیں گے۔ خیال رہے کہ بعض صورتوں میں مومن کا قتل بھی جائز ہوتا ہے جیسے قاتل کو پھانسی دینا یا زانی کو سنگسار کرنا یونہی کبھی مسلمان کا مال جبراً لیا جاتا ہے جیسے قتل خطا کی دیت اس لئے یہاں ظلم اور عدوان کی قید لگائی۔ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡرًا ؕ کان دوام کے لئے ہے۔ ذٰلِکَ سے اشارہ مذکورہ عذاب کی طرف ہے یَسِیۡر، یُسۡرٌ سے بنا بمعنی آسانی۔ اس کا مقابل عسرٌ بمعنی تنگی اشکال۔ یعنی یہ عذاب دینا رب تعالیٰ کو بہت آسان ہے۔ اس کو کوئی طاقت اس سے روک نہیں سکتی۔

خلاصۂ تفسیر

اے مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ، جیسے جوا، چوری، قتل، ناچ، گانا وغیرہ ان کے ذریعہ حاصل کیا ہوا مال تم ہرگز نہ کھاؤ لیکن اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کرو، اس کے ذریعہ جو مال حاصل ہو وہ تمہارے لئے حلال ہے اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرو یا تم خودکشی نہ کرو یا ایسے جرم نہ کرو جس سے قتل کردیئے جاؤ جیسے زنا، ڈکیتی، ناحق خون یا مال کی ہوس میں ایسے ملک میں تجارت کرنے نہ جاؤ۔ جہاں تمہاری جان کا خطرہ ہو یا گناہ و معصیت کر کے حرام مال کھا کر اپنے کو قتل و ہلاک و مستحق عذاب نہ کرو یا اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو، بیشک اللہ تعالیٰ تم پر بڑا مہربان ہے۔ اس لئے تم کو موت سے بچنے کا حکم دے رہا ہے۔ پچھلی اُمتوں کو بعض گناہوں سے توبہ کرانے کے لئے قتل کرادیا جاتا تھا دیکھو بنی اسرائیل کو گائے پرستی سے توبہ کرنے کے لئے قتل ہونا پڑا جو کوئی ایسی حرکتیں ظلماً اور حد سے بڑھتے ہوئے کرے گا۔ رب تعالیٰ اُسے دوزخ کی آگ میں داخل فرمائے گا۔ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ پر مجرم کو سزا دینا نہایت آسان ہے کوئی اس کی سزا سے نہ بچ سکتا ہے نہ دوسرے کو بچا سکتا ہے اس کی سزا سے بچنے کی صرف ایک ہی تدبیر ہے وہ کیا اس کا حکم ماننا۔

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** : حرام کام کی اجرت حرام ہے جیسے تصویر سازی، جھوٹی گواہی ناجائز وکالت، داڑھی مونڈنے کی اجرت کہ یہ سب حرام ہیں تو ان کی اجرتیں بھی حرام کہ یہ مال باطل طریقے سے حاصل کئے ہوئے ہیں۔ اس سے بہت سے مسئلے معلوم ہوئے۔

دوسرا فائدہ : حرام مال کسی قسم کا ہو، روپیہ، پیسہ، غلہ، کپڑا، مکان، جانور اس کا استعمال حرام ہے۔ جیسا کہ اَمْوَالَـكُمْ کو جمع فرمانے سے معلوم ہوا لہٰذا حرام پیسہ سے خریدی ہوئی بھینس کا دودھ، دہی، گھی، لسی وغیرہ سب ہی حرام ہوگی۔ **تیسرا فائدہ** :حرام ذریعہ سے حاصل کیا ہوا مال بذات خود حرام نہیں ہوتا بلکہ اس کا استعمال جرم ہوتا ہے لہٰذا سُورکتے کی حرمت اور گانے بجانے کے پیسہ کی حرمت میں فرق ہے۔ یہ فائدہ، اَمْوَالَكُمْ کی اضافت سے معلوم ہوا یا بِالْبَاطِلِ کی ب سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** :بہت سی آمدنیاں وہ ہیں جو مسلمان سے کی جاویں تو حرام ہیں۔ اگر کافر حربی سے کی جاویں تو حلال جیسے مال غنیمت یا کافر حربی جو سود کہہ کر مسلمان کو منافع دے یہ کافر سے حلال ہے مسلمان سے حرام جیسا کہ بَيْنَكُمْ سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ** :تجارت بہت ہی اعلیٰ پیشہ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے تمام حلال کمائیوں میں سے تجارت کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے، فرماتے ہیں نبی ﷺ کہ رزق کے نو حصے تجارت میں ہیں۔ باقی ایک حصہ دوسری کمائیوں میں (روح المعانی) سچا دیانت دار تاجر قیامت میں نبیوں صدیقوں صالحین کے ساتھ ہوگا۔ سچا تاجر تاجور ہے اور بے ایمان تاجر فاجر ہے۔ **چھٹا فائدہ**: جبری بیع درست نہیں لہٰذا حکومتیں جن کا مال ظلماً نیلام کرتی ہیں ان کا خریدنا حرام ہے جیسا کہ عَنْ تَرَاضٍ سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ**:مالی جرمانے حرام ہیں کہ یہ بھی باطل ذریعہ سے مسلمان کا مال لینا ہے نیز جرمانہ سے مالدار لوگ جرم پر دلیر ہوں گے اور حکومت جرموں کو پسند کرے گی کہ یہ اس کی آمدنی کا ذریعہ ہوگا۔ یہ مسئلہ بھی بِالْبَاطِلِ ہے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**:خودکشی کرنا بھوک ہڑتال سے مرنا حرام ہے جیسا کہ لَاتَقْتُلُوْا کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ** :مسلمان کو بلاوجہ قتل کرنے والا دوزخی ہے اور یہ عمل سخت جرم ہے جیسا کہ لَاتَقْتُلُوْا کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ**: دشمن کے ملک میں تجارت کے لئے جانا ممنوع ہے جب کہ وہاں جان کا خطرہ ہو جیسا کہ لَاتَقْتُلُوْا کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **گیارھواں فائدہ** :اپنا مال حرام جگہ خرچ یا فضول اڑانا حرام ہے جیسا کہ لَاتَاكُلُوْا کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا لہٰذا سینما، آتش بازی، گانے بجانے والوں کو انعام کے طور پر مال دینا حرام ہے۔ **باھواں فائدہ**: غیر ضروری خطرناک کام کرنا ممنوع ہے۔ ابوداؤد احمد نے حضرت عمرو بن عاص سے روایت کی کہ مجھے نبی ﷺ نے ذات السلاسل کے سال ایک کام کے لئے بھیجا۔ رات سخت سرد تھی مجھے احتلام ہوگیا۔ مجھے خطرہ ہوا کہ اگر غسل کیا تو ہلاک ہو جاؤں گا چنانچہ میں نے تیمم کرلیا اور اپنے ساتھیوں کو فجر کی نماز پڑھادی۔ جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو واقعہ پیش

ہوا فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا۔ میں نے یہ ہی آیت پڑھی اور عرض کیا کہ اس رات غسل کرنا اپنے کو قتل کرنا تھا اس پر حضور علیہ السلام ہنس پڑے (روح المعانی)۔ **تیرھواں فائدہ:** جائز صورت میں مسلمانوں کا قتل بھی جائز ہے اس کا مال لینا بھی جیسے حکومت کے فرمان پر قاتل کو پھانسی دینا۔ دیوالیہ مقروض کا مال نیلام کرنا یہ فائدہ **عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا** سے حاصل ہوا۔ **چودھواں فائدہ:** گنہگار مسلمان دوزخ میں جا سکتا ہے اگرچہ آخر کار اس کی نجات ہو جاوے گی جیسا کہ **نُصْلِیْهِ نَارًا** سے معلوم ہوا۔ دوزخ میں ہمیشگی صرف کفار کو ہے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حرام کمائی کا مال کھانا حرام ہے تو کیا پہننا یا اور کاموں میں خرچ کرنا حلال ہے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ مال کا اصل مقصد ہے کھانا، باقی اور استعمال کھانے کے تابع ہیں۔ جب کھانا ہی حرام ہو گیا تو دوسرے استعمال بھی حرام ہوئے۔ ہماری زبان میں بھی سود لینے والے کو سود خوار کہا جاتا ہے حالانکہ وہ سود کے مال سے پہنتا بھی ہے، ایسے ہی حرام کمائی والے کو حرام خوار کہتے ہیں۔ وظیفہ لینے والے کو وظیفہ خوار کہا جاتا ہے۔ ہم نے فلاں کا نمک کھایا ہے اس کے نمک خوار ہیں۔ غرضیکہ کھانا بمعنی لینا یا استعمال کرنا بہت مستعمل ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت میں خصوصیت سے مسلمانوں کو کیوں مخاطب کیا گیا۔ کیا کفار دوسروں کا مال باطل ذریعہ سے کھا سکتے ہیں۔ کیا انہیں مسلمانوں سے سود لینا یا انہیں لوٹنا جائز ہے؟ **جواب:** اس لئے کہ بہت سی ناجائز آمدنیاں مسلمانوں کو حرام ہیں۔ کفار ان کے مکلف نہیں وہ آپس میں ایک دوسرے سے سود کا لین دین کر سکتے ہیں۔ یوں ہی آپس میں شراب و سود کی تجارت کر کے مال کما سکتے ہیں۔ حکومت اسلامیہ اس سے انہیں منع نہیں کریگی۔ ہاں مسلمانوں سے وہ نہ سود لے سکتے ہیں نہ شراب و سود کی تجارت کر سکتے ہیں۔ رہا چوری ڈکیتی قتل وغیرہ اس کا تعلق ملکی انتظامات سے بھی ہے کہ ان سے ملک خراب ہوتا ہے لہٰذا یہ حرکتیں وہ بھی نہیں کر سکتے لہٰذا کافر چور کا ہاتھ کٹے گا اور قاتل کافر کو قتل کیا جاوے گا۔ باطل عقود اور ہیں۔ بغاوت و فساد کچھ اور انہیں آپس میں باطل عقود کی اجازت ہوگی نہ کہ قتل و چوری و فساد کی۔

تیسرا اعتراض: یہاں **بَیْنَكُمْ** فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ باطل و ناجائز طریقہ سے صرف مسلمانوں کا مال نہ کھانا چاہیئے تو کیا کافر کا مال ناجائز طور سے مسلمان کھا سکتے ہیں۔ کیا ہم ان کی چوری ڈکیتی کر سکتے ہیں۔ **جواب:** چوری ڈکیتی باطل عقد نہیں بلکہ ملکی فساد ہے ان کی کسی کو کسی طرح اجازت نہیں۔ رہے باطل عقود ان میں تفصیل ہے کافر ذمی جو اسلامی ملک میں رعایا بن کر رہتے ہیں یا کافر مقامی جو ہمارے ملک میں کچھ روز کیلئے آئے ہوں ان کے ساتھ کسی قسم کا ناجائز عقد درست نہیں۔ رہے حربی کفار جن سے اسلامی جنگ ہو ان کے ساتھ بعض باطل عقود درست ہیں جیسے مسلمان کافر حربی سے اگر سود لے تو وہ سود نہ بنے گا۔ حلال ہوگا جیسا کہ کتب فقہ میں مسطور ہے۔ بحالت جنگ ان کا مال بطور غنیمت لینا درست ہے۔ اگر کسی مسلمان نے حربی کافر سے کسی مال کی شرط لگائی اور جیت گیا تو شرط لگانا

حرام تھا مگر یہ جیتا ہوا مال اسے حلال ہوگا جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روم کی فتح مندی کی شرط پر ایک کافر سے سو اونٹ کی بازی لگائی تھی۔ جو آپ جیت گئے اور سو اونٹ لئے جیسا کہ الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ (الروم:۱) کی تفسیر میں مذکور ہے چونکہ اس وقت حضرت صدیق اکبر کا سچا ہو جانا وحی الٰہی سے معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے وہ شرط لگانا درست تھا۔ ہمارے لئے شرط لگانا حرام ہے اس میں ہار جانے کا اندیشہ ہے ان وجوہ سے بَیْنَکُمْ فرمایا گیا۔ بہر حال یہ فرمان الٰہی بالکل درست ہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا صرف تجارت کے ذریعہ مال کمانا حلال ہے تو کیا باقی کمائیاں حرام ہیں۔ جیسے نوکری، کرایہ، ہبہ، میراث اِلَّا حصر کیلئے آتا ہے۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گذر گیا کہ بعض مفسرین نے اس آیت کو منسوخ مانا ہے۔ اس کی ناسخ وہ آیت ہے۔ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ (النور:۶۱)۔ مگر حق یہ ہے کہ آیت محکم ہے اور صرف تجارت کا ذکر اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ یہ اعلیٰ درجہ کی کمائی۔ ہے ورنہ اور حلال کمائیوں سے حاصل کیا ہوا مال حلال ہے اور یہاں اِلَّا حرف استثناء نہیں ہے بلکہ بمعنی لٰكِنَّ ہے لہٰذا حصر کا سوال نہیں پیدا ہوتا لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے۔

پانچواں اعتراض: یہاں اپنی جان قتل کرنے سے کیوں منع فرمایا اپنے کو تو کوئی بھی قتل نہیں کرتا (آریہ)۔
جواب: پنڈت جی تم کو دن رات خودکشی کرتے ہوئے لوگ نظر نہیں آتے لوگ معمولی پریشانیوں پر خودکشی کر لیتے ہیں اور تمہارے بڑے بڑے مہاتما مرن بھرت رکھنے کے عادی ہیں کہ حکومت فلاں کام کرے ورنہ ہم فاقہ سے اپنی جان دے دیں گے۔ یہاں ان چیزوں سے منع فرمایا گیا نیز اس جملہ کی اور بھی پانچ، چھ تفسیریں ہیں جو تفسیر میں عرض کی گئیں۔

چھٹا اعتراض: تجارت میں مِنْكُمْ کی قید کیوں لگائی گئی۔ کیا کفار سے تجارت کرنا حرام ہے۔ **جواب**: اولاً تو احناف کے ہاں مفہوم مخالف معتبر نہیں کہ ایک چیز کے ذکر سے اس کا مخالف حرام نہیں ہو جاتا۔ دوسرے یہاں مِنْكُمْ سے مراد خریدار و فروشندہ ہیں یعنی تجارت ایسی ہو جس سے دونوں فریق راضی ہوں۔ یہ قید جبری تجارت اور جرمانہ کر کے جبراً مال فروخت کر دینے کی حرمت کیلئے ہے لہٰذا یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کفار سے جائز تجارت درست ہے۔

ساتواں اعتراض: اس آیت میں ظلم و زیادتی کی قید کیوں لگائی گئی۔ کیا قتل و مال چھیننا بھی جائز ہوتے ہیں۔
جواب: ہاں جائز بھی ہوتے ہیں۔ زانی، قاتل، ڈاکو، باغی کو حکومت کا قتل کرنا برحق ہے جس میں کوئی گناہ نہیں بلکہ اکثر ثواب ہے۔ اسی طرح قاتل سے دیت یعنی خون بہا لینا درست ہے۔ بہر حال قتل اور مال جبراً وصول کرنا کبھی درست بھی ہوتا ہے۔ اس لئے یہ قید احترازی ہے۔ محض اتفاقی نہیں۔ اس قید سے بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں۔

آٹھواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تجارت فروشندہ و خریدار کی رضامندی سے چاہئے کہ فرمایا گیا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ تو حاکم وقت دیوالیہ کا مال بغیر اس کی رضا کے نیلام کر کے اس کے قرض خواہوں کو کیوں دے

دیتا ہے۔ **جواب**: اس لئے کہ دیوالیہ مقروض کا مال درحقیقت اس کے قرض خواہوں کا مال ہے اس لئے اس مال کی زکوٰۃ مقروض پر نہیں لہٰذا حاکم اس مال کو بلا اجازت فروخت کر سکتا ہے۔

نواں اعتراض: جب بغیر مالک کی اجازت اس کا مال فروخت نہیں کر سکتے تو نبی ﷺ نے ایک سائل صحابی کا کمبل پیالہ ان کی بغیر اجازت کیوں نیلام فرما دیا تھا۔ **جواب**: اس لئے کہ حضور ہر مسلمان کے مولیٰ و مالک ہیں۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ (احزاب:٦)۔ جب غلام کا مولیٰ اور چھوٹے بچے کا مال اس کا والد فروخت کر سکتا ہے تو امتی کا مال نبی بھی فروخت کر سکتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

اے مسلمانو! ہم نے تم کو جو مال بخشے ہیں وہ باطل نیت اور بُرے ارادے سے نہ کھاؤ بلکہ اچھی نیت سے کھاؤ۔ گناہ و غفلت اور محض تن پروری نفسانی خواہش پوری کرنے کیلئے کھانا باطل ہے۔ اس سے بچو۔ اس کھانے سے تجارت کرو کہ روزانہ نیک اعمال کا اضافہ کرو۔ ایسے تاجروں کو رب کی روزی کھانا مبارک ہے۔ رب کی روزی کھا کر رب کی اطاعت گویا تجارت ہے۔ گناہ کر کے اپنے کو قتل نہ کرو۔ کافر و مجرم اپنے نفس کا قاتل ہے۔ وہ ایک قسم کی خودکشی کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔ اس لئے اس نے ایسے احکام نافذ فرمائے جو تمہارے لئے دنیا و آخرت میں کارآمد ہیں۔ جو شخص اپنے پر زیادتی و ظلم کرے گا وہ دوزخ اور فراق یار کی نار میں داخل کیا جاوے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر انسان تاجر ہے کسی کا گاہک شیطان ہے کسی کی دوکان کا خریدار رب رحمان جیسے سودے، ویسے خریدار۔ اللہ تعالیٰ ہماری دوکانِ زندگی کے سودے اچھے کرے۔ آمین۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ
اگر پرہیز کرو تم ان بڑے گناہوں سے کہ منع کیے جاتے ہو تم ان سے تو مٹا دینگے ہم تمہارے
اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ
سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾
چھوٹے گناہ اور داخل کریں گے ہم تم کو اچھی جگہ میں
ہم بخش دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں مسلمانوں کا مال ناجائز طور پر کھانے اور خودکشی یا مسلمان کو قتل کرنے سے روکا گیا تھا۔ اب ان بڑے گناہوں سے بچنے کے فوائد کا ذکر ہے کہ گناہ کبیرہ سے بچنے سے چھوٹے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ **دوسرا**

تعلق : پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ اتم مسلمانوں پر بہت مہربان ہے۔ اب اس مہربانی کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو تو تمہارے چھوٹے گناہ معاف فرمائیں گے یہ ہمارا خاص رحم وکرم ہے۔ **تیسرا تعلق** : پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ مجرم کو عذاب دینا رب تعالیٰ پر آسان ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے۔ مجرم کو بخش دینا بھی ہم پر آسان ہے یعنی قدرت الٰہی کا ایک رُخ پچھلی آیات میں دکھایا گیا تھا۔ اب اس کا دوسرا رخ دکھایا جارہا ہے۔

تفسیر اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ ۔ اِنْ حرف شرط ہے جو شک کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ شک سے پاک ہے۔ یہ شک ہماری طرف سے ہمارے لئے ہوتا ہے۔ تَجْتَنِبُوْا کا مادہ جنبٌ ہے بمعنی کنارہ و پہلو۔ اجتناب کے معنی ہیں پہلو یا کنارہ اختیار کرنا یعنی علیحدہ ہو جانا اس لیے ناپاک آدمی کو جنبی کہتے ہیں کہ وہ مسجد سے علیحدہ رہتا ہے۔ بے تعلق آدمی کو اجنبی کہا جاتا ہے کہ وہ علیحدہ رہتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (قصص:١١) یعنی موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم نے دور سے دیکھا۔ اب اصطلاح میں بچنے اور پرہیز کرنے کو اجتناب کہا جاتا ہے **کبائر** کبیرہ کی جمع ہے بمعنی بڑا گناہ۔ اسی کا مقابل ہے صغیرہ۔ اس میں گفتگو ہے کہ گناہ کبیرہ کسے کہتے ہیں اور وہ کتنے ہیں۔ اس میں چند قول ہیں ١ ہر گناہ کبیرہ ہے کہ اس میں رب تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہے مگر یہ قول قرآن کریم کی آیات اور احادیث کے خلاف ہے۔ کتاب وسنت گناہ کی دو قسمیں کر رہی ہیں ٢ جس گناہ پر دنیاوی سزا یا اُخروی عذاب مقرر و مذکور ہو وہ گناہ کبیرہ ورنہ صغیرہ سزا خواہ قرآن کریم میں مقرر کی گئی ہو یا حدیث پاک میں جیسے شرک و کفر کہ اس پر اخروی عذاب کی وعید ہے اور زنا کہ اس پر دنیاوی سزا بھی مقرر ہے ٣ جس گناہ پر شرعاً حد مقرر ہو وہ کبیرہ ورنہ صغیرہ ٤ جو گناہ مرتکب کی دینی لاپرواہی پر دلالت کرے وہ کبیرہ ہے اس کے علاوہ صغیرہ ٥ ہر حرام بعینہٖ جرم و گناہ کبیرہ ہے۔ حرام لغیرہ گناہ صغیرہ ٦ جس گناہ کو کتاب اللہ نے لفظ حرام کہہ کر ممنوع قرار دیا ہو۔ وہ گناہ کبیرہ ہے۔ اس کے علاوہ صغیرہ ٧ جو گناہ ہمیشہ کیا جاوے وہ کبیرہ ہے جس سے توبہ کر لی جاوے وہ صغیرہ ٨ گناہ کبیرہ پروردگار نے مخفی رکھے ہیں جیسے (شب قدر اور نماز وسطیٰ اور جمعہ میں قبولیت کی ساعت) تاکہ مسلمان ہر گناہ کو کبیرہ سمجھ کے اس سے بچے۔ ٩ گناہ کبیرہ تین یا سات یا ساٹھ یا اسی ہیں۔ جیسا کہ مختلف احادیث میں وارد ہے چنانچہ مسلم و بخاری میں ہے کہ سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ شرک، جادو کرنا، حرام نفس کا قتل، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، جہاد میں بزدلی سے بھاگ جانا۔ پاک دامن مومنہ عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔ بعض روایات میں ہے کہ ماں باپ کی نافرمانی کرنا، جھوٹی قسم کھانا، سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ گناہ کبیرہ ستر ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن جبیر فرماتے ہیں کہ گناہ کبیرہ سات سو تک ہیں ٩ **لا كبيرة مع الاستغفار و لا صغيرة مع الاصرار** یعنی توبہ کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ کبیرہ نہیں اور ہمیشگی ہو جائے تو کوئی گناہ صغیرہ نہیں ١٠ صغیرہ اور کبیرہ اضافی چیزیں ہیں ١١ مطلقاً گناہ کبیرہ شرک ہے اور مطلق گناہ صغیرہ برے خیالات ان

کے درمیان ہر گناہ اپنے نیچے کے لحاظ سے کبیرہ ہے اوپر کے لحاظ سے صغیرہ ۱ا گناہ کا صغیرہ کبیرہ ہونا کرنے والے کے لحاظ سے ہے۔ ایک ہی گناہ ہم جیسے گناہ گاروں کے لئے صغیرہ ہے اور متقی پرہیزگاروں کیلئے کبیرہ جس پر انہیں عتاب الٰہی بھی ہوجاتا ہے حسنات الابرار سیئات مقربین بلکہ حضرت انبیاء کرام وخاص اولیاء عظام کی خطاؤں پر بھی پکڑ ہوجاتی ہے۔ حالانکہ ہمارے لئے خطا گناہ ہی نہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

لا یحقر الرجل الرفیع دقیقةً　　فی السهو فیها للوضیع معاذر

فکبائر الرجل الصغیر صغائر　　و صغائر الرجل الکبیر کبائر

یعنی کوئی بلند مرتبہ آدمی اپنے کو حقیر نہ کرے۔ بڑے آدمیوں کے گناہ صغیرہ بھی بڑے ہوتے ہیں اور چھوٹے آدمیوں کے گناہ کبیرہ بھی چھوٹے۔ سید ابن فارض فرماتے ہیں۔

ولو خطرت لی فی سواک لساعة　　علی خاطری سهوًا حکمتُ بردتی

یعنی اگر کبھی میرے دل میں بھول کر بھی دوسرے کا خیال آجائے تو میں اپنے مرتد ہونے کا حکم دے دوں (روح المعانی وکبیر) مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ۔ مَا سے مراد گناہ ہیں تُنْهَوْنَ نَهْیٌ سے بنا بمعنے ممانعت۔ منع کرنا اس میں خطاب مسلمانوں سے ہے۔ عنه کی ضمیر مَا کی طرف لوٹ رہی ہے۔ مَا مع اپنے جملے کے کبائر کا مضاف الیہ ہے یعنی اے مسلمانو! اگر تم ان گناہوں میں سے بڑے گناہوں سے بچے رہے۔ جن سے تمہیں منع کیا جارہا ہے تو نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ۔ یہ جملہ اِنْ کی جزا ہے۔ نُكَفِّرْ تکفیر سے بنا جس کا مادہ کفر ہے بمعنیٰ چھپانا یا مٹانا۔ اسی سے کفارہ یہاں یا بخشا مراد ہے یا گناہ کی عادت چھڑا دینا مراد۔ پہلے معنیٰ زیادہ قوی ہیں۔ سَيِّئَات سَيِّئَةٌ کی جمع ہے جس کا مادہ ہے سوءٌ۔ سَيِّئَةٌ ہر ناپسند چیز ہے یہاں مراد گناہ صغیرہ ہیں کیونکہ اس سے پہلے کبائر کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہ اس کے مقابلہ میں ہے۔ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيْمًا۔ یہ جملہ نُكَفِّرْ پر معطوف ہے اور اِنْ کی دوسری جزا۔ مُدْخَلًا یا اسم مفعول بمعنے ظرف ہے یا مصدر میمی ہے عربی میں کرم اگر خدا تعالیٰ کی صفت میں آئے تو اس کے معنے ہوتے ہیں احسان وانعام اور اگر انسان کے صفت میں آئے تو معنے ہوتے ہیں۔ اچھے اخلاق واعمال۔ کبھی ہر ممتاز چیز کو کریم کہہ دیتے ہیں (غیاث) رب فرماتا ہے: مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ (لقمان:۱۰) اور فرماتا ہے: وَزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ (الدخان:۲۶) اور فرماتا ہے اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ (واقعہ:۷۷) اور فرماتا ہے: وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (الاسراء:۲۳) لہٰذا یہاں کریم سے مراد اعلیٰ اور عزت والی ہے یعنی تو ہم تمہارے گناہ صغیرہ مٹا دیں گے اور معاف کردیں گے اور تمہیں عزت والی اعلیٰ جگہ یعنی جنت میں داخل کرینگے۔

خلاصہ تفسیر اے مسلمانو! جس کام سے تم کو منع کیا جاوے وہ گناہ ہے خواہ ہم منع فرمادیں یا ہمارے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم پھر گناہ دو قسم کے ہیں۔ صغیرہ و کبیرہ یعنی چھوٹے اور بڑے۔ ہم تم سے وعدہ

فرماتے ہیں کہ اگر تم کبیرہ گناہ سے بچتے رہو یا اس طرح کہ کرو ہی نہیں یا اس طرح کہ اگر تم سے وہ صادر ہو جاویں تو ان پر قائم نہ رہو بلکہ توبہ کر لو یا اس طرح کہ ان کا کفارہ ادا کر دو تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ معاف فرمادینگے یا اس طرح کہ جو چھوٹے گناہ تم کر چکے ہو انہیں بخش دیں گے یا اس طرح کہ تم کو ان سے بچنے کی توفیق دیں گے۔صرف گناہ بخشنے پر ہی بس نہیں بلکہ تم کو اعلےٰ مقام یعنی جنت میں داخل فرمائیں گے یا تو مرتے ہی یا بعد قیامت اور جنت کے ایسے مقام میں جگہ دیں گے جو تمہارے وہم و خیال سے وراء ہے۔خیال رہے کہ جسم کو ناپاک کرنے والی صدہا چیزیں ہیں نیز ناپاک جسم کی پاکی کے بہت ذریعہ ہیں۔ایسے ہی دل کو ناپاک کرنے والی صدہا چیزیں ہیں۔کفر و شرک بغض و عناد وحسد غصہ وغیرہ پھر ناپاک دل کو پاک کرنے والی بہت سی چیزیں ہیں۔توبہ، نیک اعمال مقبول کی نگاہ کرم۔کبیرہ گناہوں سے پرہیز۔ان تمام پاکیوں کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔یہاں آخری طہارت یعنی گناہ کبیرہ سے بچنے کا ذکر ہے۔مرنے کے بعد شفاعت اور رحمتِ رب تعالیٰ پاک کرے گی۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔**پہلا فائدہ**: شریعت میں گناہ وہ ہے جس کو اللہ تعالےٰ یا رسول اللہ ﷺ منع فرمائیں۔حرمت کیلئے نہی ضروری ہے جیسا کہ **مَا تُنۡهَوۡنَ** سے معلوم ہوا جس سے کتاب و سنت میں ممانعت نہ آئی ہو حلال و جائز ہے مگر فی زمانہ دیو بندی واہل حدیث کہتے ہیں کہ جو کام اگلے تین زمانوں میں نہ ہوا ہو حرام ہے۔یہ لوگ اباحت اور استحباب کے لیے قطعی دلیل مانگتے ہیں اور ہر چیز کو بلا دلیل حرام کہہ دیتے ہیں۔یہ قرآن شریف کے بھی خلاف ہے اور احادیث شریفہ کے بھی رب فرماتا ہے **قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِیۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا** الخ (انعام:۱۴۵) یعنی فرمادو اے محبوب کہ میں اپنی وحی میں ان مذکورہ جانوروں کے سوا اور جانوروں کو حرام نہیں پاتا ہوں۔معلوم ہوا کہ کسی چیز کی حرمت کی دلیل نہ ملنا اس کے حلال ہونے کی دلیل ہے۔فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا جس سے خاموش رہی اس کی معافی ہے۔مشکوٰۃ شریف کتاب الاطعمہ۔

دوسرا فائدہ: چیزوں میں اصلی حالت حلال ہونا ہے۔حرمت ایک عارضی چیز ہے جو ممانعت سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ یہاں فرمایا گیا ہے کہ جن سے منع کیا جاتا ہے ان سے بچو۔اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول ملاحظہ فرمایئے۔**تیسرا فائدہ**: گناہ دو قسم کے ہیں۔صغیرہ اور کبیرہ جیسا کہ **کبائر** کو **مَا** کی طرف مضاف کرنے سے معلوم ہوا۔جو ہر گناہ کو کبیرہ مانے وہ اس آیت کا انکاری ہے۔**چوتھا فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے گناہوں کی معافی کے بہت ذرائع مقرر فرمادیئے ہیں۔توبہ، نیک اعمال کرنا۔رب فرماتا ہے۔**اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡهِبۡنَ السَّیِّاٰتِ** (ھود:۱۱۴)۔کبیرہ گناہوں سے بچنا جیسا کہ **اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا** سے معلوم ہوا۔

پانچواں فائدہ: گناہ صغیرہ کی معافی کے لئے توبہ شرط نہیں جیسا کہ **نُکَفِّرۡ** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔

چھٹا فائدہ: بڑے گناہوں سے بچنے کی برکت سے اللہ تعالےٰ چھوٹے گناہوں سے بچنے کی توفیق بھی عطا فرماتا ہے کہ ایسے انسان کی طبیعت خود بخود گناہوں سے متنفر ہو جاتی ہے جیسا کہ نُکَفِّرْ کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔**ساتواں فائدہ:** اپنے گناہوں کا کفارہ اپنی ہی نیکیاں ہو سکتی ہیں: جیسا کہ اِنْ تَجْتَنِبُوْا کی شرط سے معلوم ہوا۔ یہ بات بالکل قرین قیاس ہے۔ عیسائیوں کا مذہب یہ ہے کہ سارے عیسائیوں کے گناہ کے کفارے میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی یعنی جناب مسیحؑ کی سولی عیسائیوں کے گناہ کا کفارہ بن گئی۔ بعضے بیوقوف مسلمان بھی عیسائیوں کی دیکھا دیکھی کہنے لگے کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت سارے محبان حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے گناہوں کا کفارہ ہوگئی ہے۔ یہ قول اسلام کے خلاف تو ہے ہی، عقلِ سلیم کے بھی خلاف ہے کہ کسی بے قصور کو بلا وجہ قتل کرا دینا اور قصور والوں کو سزا نہ دینا عدل و انصاف خداوندی کے خلاف ہے نیز اگر رب تعالےٰ کو یونہی کفارہ کرانا تھا تو اپنے بیٹے کو سولی کیلئے کیوں منتخب کیا۔ کوئی اور انسان منتخب کر لینا چاہیے تھا نیز اگر خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں سے ایسی ہی محبت تھی کہ ان کے گناہوں کے کفارہ کے لئے اپنے بیٹے کو سولی چڑھا دیا تو چاہیے تھا کہ عیسےٰ علیہ السلام کو سب سے پہلا انسان بنایا ہوتا تا کہ سارے انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا۔ ہزاروں سال پہلے کے گناہگاروں کا کفارہ کیسے ادا ہوا۔ اگر نہیں ہوا تو کیوں۔ ان سے خدا نے محبت کیوں نہ کی نیز اس کی عقیدے سے انسان میں گناہ پر دلیری پیدا ہوگی کہ جب گناہ معاف ہو چکے تو اب گناہ سے بچنے کی کیا ضرورت۔ اسی لئے عیسائی کہتے ہیں کہ شریعت ایک لعنت ہے جس سے ہم کو عیسیٰ علیہ السلام نجات دے گئے۔ **آٹھواں فائدہ:** گناہوں کی معافی کیلئے جنت کا داخلہ لازم نہیں۔ دیکھو یہاں نُکَفِّرْ کے بعد نُدْخِلْکُمْ کو علیحدہ بیان کیا۔ دیکھو متقی جنات کے صغیرہ گناہوں کی معافی ہوگی مگر انہیں جنت میں داخلہ نہ ملے گا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ والے کی معافی کبھی نہ ہو کیونکہ جب اس سے بچنا صغیرہ گناہوں کی معافی کیلئے شرط ہے تو ان کی معافی کی کوئی صورت ہی نہ رہی۔ مگر حدیث شریف میں آتا ہے کہ میری شفاعت گناہ کبیرہ والوں کیلئے بھی ہوگی نیز قرآن شریف میں آتا ہے اللہ تعالےٰ شرک نہ بخشے گا۔ باقی جسے چاہے گا بخش دے گا۔ آیات میں بھی تعارض ہے اور آیت و حدیث میں بھی۔ **جواب:** اوّلاً تو مخالف مفہوم سے مسائل ثابت نہیں ہوتے جیسا کہ پچھلی آیت میں عرض کیا جا چکا ہے لہٰذا اس آیت میں یہ تو بتایا گیا کہ گناہ کبیرہ سے بچنے والوں کے گناہ صغیرہ معاف ہوں گے لیکن اس کے مخالف کا ذکر نہیں، اس سے خاموشی ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ کے رحم و کرم پر موقوف ہے اور اگر مان بھی لیا جائے تب اس کا وعدہ ہے اس کا وعدہ نہیں چاہے گا تو ایسے فاسق کو سزا دے کر جنت میں بھیجے گا یا معاف فرما کر۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ سے بچنے والے گناہ صغیرہ سے بھی پاک و صاف ہو جاتے

ہیں۔ پھر انہیں شفاعت کی کیا ضرورت رہی لہٰذا حضور کی شفاعت کے سب محتاج نہ ہوئے۔ **جواب**: حضور کی شفاعت بہت سی قسم کی ہے گناہ گاروں کے لئے گناہوں کی معافی کی شفاعت ہوگی۔ نیکو کاروں کے لئے نیکیاں قبول ہونے کی شفاعت ہوگی۔ مقبولوں کے لئے بلندی درجات کی شفاعت ہوگی۔ غرض کہ از حضرات انبیاء کرام تا ہم جیسے گناہگار، سب کو حضور ﷺ کی شفاعت کی ضرورت ہے۔ اس لئے آپ کا نام رحمۃ للعٰلمین ہے۔ شعر:

ما و شما تو کیا خلیل و جلیل کو ... کل دیکھنا کہ ان سے توقع نظر کی ہے

وہ جہنم میں گیا جو اُن سے مستغنی ہوا ... ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

عالم اجسام ہوا، پانی، دھوپ کی ہر جان دار کی ضرورت ہے۔ عالم ارواح میں ان کی شفاعت کی ہر ایک کو حاجت ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ صغیرہ کی معافی کا ذریعہ گناہ کبیرہ سے بچنا ہے ہم جیسے گناہگار جس سے ہزاروں گناہ سرزد ہو چکے ہیں ان کی معافی کا کیا ذریعہ۔ **جواب**: ہمارے لئے ذریعہ توبہ ہے ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ کبیرہ گناہ سے بچنے کے دو معنے ہیں: نہ کرنا یا کئے ہوؤں سے توبہ کر لینا۔ حدیث شریف میں ہے گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ گناہ کبیرہ بہت ہیں مگر ان کے اسباب تین ہیں: ایک اتباع ہوئی کہ اس سے شبہات، شہوات، لذات، تنعمات، ترک طاعات، قذف محصنات وغیرہ گناہ پیدا ہوتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** (ص:۲۶)۔ شعر

غبار ہوای چشم عقلت بدوخت ... سموم ہوس کشت عمرت بسوخت

دوسرے حُبِّ دنیا کہ یہ قتل، ظلم، غصب، لوٹ مار، چوری، سود خواری، یتیموں کا مال کھانا، زکوٰۃ نہ دینا۔ جھوٹی قسم کھانا۔ حرام کو حلال کر لینا سب کا سرچشمہ ہے۔ رب فرماتا ہے: **وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ** (شوریٰ:۲۰)۔ تیسرے غیر اللہ پر نظر کہ اس سے شرک نفاق ریاکاری وغیرہ جیسے گناہ پیدا ہوتے ہیں۔ شعر:

گرچہ زندان ست بر صاحبدلاں ... ہر کجا بوئے ز وصل یار نیست

ہیچ زنداں عاشق محتاج را ... تنگ تر از صحبت اغیار نیست

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ ہمارا سب سے بڑا گناہ ہمارا اپنا ہونا ہے جو اپنے ہونے سے آزاد ہو گیا اس کے سارے گناہ بخش دیئے گئے (روح البیان) مولانا فرماتے ہیں:

محو باید نہ نحو ایں جا بداں! ... گر تو محوی بے خطر در آب راں

آب دریا مردہ را بر سر نہد ... چوں رود زندہ ز دریا کے رہد

یعنی دریاءِ معرفت میں علم نحو لے کر نہ آؤ بلکہ فنا و محو لے کر آؤ۔ زندہ دریا میں غوطے کھاتا ہے۔ مردہ کو دریا کا پانی سر پر اٹھاتا ہے۔ اب پڑھو یہ آیت کریمہ کہ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے تو صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ
اور نہ تمنا کرو اس کی کہ بزرگی دی اللہ نے اس سے تمہارے بعض کو بعض پر واسطے مردوں کے حصہ ہے اس سے
اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی مردوں کیلئے ان کی
مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ
جو وہ کمائیں اور واسطے عورتوں کے حصہ ہے اس سے جو وہ کمائیں اور مانگو اللہ سے
کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ اور اللہ سے
مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾
اس کے فضل سے بیشک اللہ ہے ہر چیز کا جاننے والا
اس کا فضل مانگو بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ ایک دوسرے کا مال باطل طریق سے نہ کھاؤ۔ اب ترقی فرماتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے کہ کسی کے مال وغیرہ کے متعلق باطل و غلط خیال بھی نہ کرو۔ باطل طریق پر کھانا ظاہری عیب تھا جس کو حکومت بھی روک سکتی ہے مگر باطل خیالات ایک اندرونی عیب ہے جسے خوف خدا اور عشق رسول ہی روک سکتے ہیں نیز ظاہر کا علاج آسان ہے مگر دل کا علاج مشکل، اس لئے آسان کا ذکر پہلے فرمایا مشکل کا ذکر بعد میں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ناجائز طریقہ سے کسی کا مال یا جان لینے سے منع فرمایا گیا تھا اب اس چیز سے روکا جا رہا ہے جس سے یہ بیماریاں یعنی مال مارنا اور قتل پھیلتے ہیں یعنی حسد گویا ان جرموں کے سرچشمہ کو اب بند فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں قتل و غارت وغیرہ سے منع فرمایا گیا تھا اب وہ چیز بتائی جا رہی ہے جس سے ان احکام پر عمل آسان ہو جاوے یعنی حسد و رشک کا چھوڑنا ننانوے فیصدی قتل و غارت و حسد و رشک سے ہوتے ہیں گویا پہلے تقویٰ کا حکم دیا گیا اب تقویٰ کے منبع و چشمہ کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ظاہری تقویٰ کا حکم تھا جس سے بدن پاک ہوتا ہے یعنی قتل و غارت گری سے بچنا اب اس آیت میں باطنی تقویٰ کا ذکر ہے جس سے نفس و دل پاک ہوتے ہیں یعنی حسد کینہ رشک سے بچنا

شریعت کے بعد طریقت کی تعلیم ہے۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے تو ہم تمہارے صغیرہ گناہ معاف فرمادیں گے، اب بطور مثال فرمایا جارہا ہے کہ اگر تم حسد و کینہ و بغض جیسے نفسیاتی کبیرہ گناہوں سے بچو گے تو ہم تم کو دوسرے چھوٹے نفسیاتی عیوب سے بچالیں گے۔

شان نزول

اس آیۃ کریمہ کے نزول کے متعلق چار روایات ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: یارسول اللہ! مرد جہاد کرکے بڑے درجات حاصل کرلیتے ہیں۔ میراث میں بھی ان کا حصہ عورتوں سے دوگنا ہے، کاش ہم عورت نہ ہوتے مرد ہوتے، تب یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔ یہ مجاہد کی روایت ہے۔

دوسرے یہ کہ جب میراث کی آیتیں نازل ہوئیں تو مرد بولے کہ جیسے دنیا میں ہمارے حصے عورتوں سے دوگنے ہیں۔ ایسے ہی آخرت میں ہمارے ثواب عورتوں سے دوگنے ہوں گے۔ اس پر عورتوں بولیں جیسے دنیا میں ہمارے حصے مردوں سے آدھے تھے، ایسے ہی آخرت میں ہمارے گناہوں کی سزا مردوں سے آدھی ہوگی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ قول امام سدی کا ہے۔

تیسرے یہ کہ جب میراث کی آیتیں نازل ہوئیں جن میں مردوں کے حصے عورتوں سے دوگنے مقرر فرمائے گئے تو عورتوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! عورتوں کے حصے مردوں سے دوگنے ہونے چاہئے تھے کیونکہ عورتیں کمزور ہیں، عموماً کمائی نہیں کرسکتیں۔ مرد قوی ہیں کماسکتے ہیں، کمزوروں کا حصہ زیادہ چاہئے۔ تب یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔

چوتھے یہ کہ ایک بی بی صاحبہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر عرض گذار ہوئیں کہ عورتوں مردوں کا رب ایک رسول ایک دادا حضرت آدم ایک ماں بی بی حوا ایک۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن کریم میں مردوں کا ذکر تو جگہ جگہ آیا ہے مگر عورتوں کا ذکر کہیں نہیں آیا۔ نیز اس کی کیا وجہ ہے کہ مردوں کو جہاد میں شرکت کی کھلی اجازت ہے عورتوں کو نہیں جس سے وہ غازی و شہید بنتے ہیں عورتیں نہیں بن سکتیں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ حاملہ عورت کو دن بھر روزہ رات بھر نمازیں پڑھنے کا ثواب نو ماہ تک ملتا رہتا ہے اور جننے کی تکالیف میں اسے بے حساب ثواب ملتا ہے اور جب بچہ کو دودھ پلاتی ہے تو اسے ہر چسکی پر ایک جان بچانے کا ثواب ملتا ہے۔ تب یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی جس میں حضور ﷺ کی تصدیق فرمائی گئی (تفسیر کبیر، روح المعانی، خازن، بیضاوی، تفسیر روح البیان، تفسیر صاوی علے الجلالین وغیرہ)۔

تفسیر

وَلَا تَتَمَنَّوْا ۔ اس کا مصدر تمنی ہے مادہ منی بمعنی اندازہ لگانا۔ اصطلاح میں آرزو کرنے کو تمنا کہتے ہیں کیونکہ آرزو کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اپنی حیثیت کا اندازہ خود لگا کر سوچتا ہے کہ فلاں کا مال و دولت میری مال و دولت سے زیادہ ہے۔ میری حیثیت میری دولت سے زیادہ، اس سوچ بچار سے آپس میں عداوت رب تعالیٰ کی ناشکری کبھی اس پر اعتراض ہوتے ہیں۔ اس تمنا کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک حسد یعنی

دوسرے کی نعمت کا زوال اور اپنے لئے حصول چاہنا۔ دوسرے رشک یعنی صرف اپنے لئے حصول چاہنا دوسرے کا زوال نہ چاہنا۔ حسد تو بہرحال حرام ہے خواہ دنیاوی نعمتوں پر ہے یا اُخروی پر رشک وغبط دنیاوی نعمتوں پر ممنوع ہے دینی نعمتوں پر درست۔ اگرچہ یہ آیت کریمہ چند عورتوں کی عرض ومعروض پر نازل ہوئی مگر چونکہ مرد افضل ہے عورت ماتحت اس لئے یہاں بھی اور دوسرے خطابات میں بھی مردوں سے ہی خطاب فرمایا گیا کہ مردوں کے سنبھل جانے سے انشاءاللہ عورتیں بھی سنبھل جائیں گی۔ مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ یہ عبارت لَا تَتَمَنَّوْا کا مفعول بہ ہے۔ حق یہ ہے کہ مَا سے مراد تمام ربانی نعمتیں ہیں نفسانی ہوں یا جسمانی داخلی ہوں یا خارجی دنیاوی یا اُخروی علمی ہوں یا عملی۔ جیسے زکاوت اور عقل وتدبر یا پاک دامنی معرفت الٰہی وغیرہ یا تندرستی حسن لمبی عمر یا دولت، عزت، شہرت، اولاد، سلطنت وغیرہ یا مرد وعورت ہونا غرضیکہ ایک لفظ مَا میں تمام نعمتیں داخل ہیں۔ فَضَّلَ تفضیل سے بنا جس کا مادہ فضل بمعنی زیادتی ہے کہ بِهٖ کا مرجع مَا ہے۔ بَعْضَكُمْ میں خطاب مسلمانوں سے ہے یعنی اس نعمت کی آرزو یا حسد نہ کرو، جس میں رب تعالیٰ نے بعض مومنوں کو بعض پر زیادتی وفوقیت دی ہے۔ اس نے کسی کو اپنے کرم سے محروم نہیں فرمایا کیونکہ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ لِلرِّجَالِ میں لام نفع کا ہے۔ مالکیت کا الرجال سے مراد مومن مرد ہیں کیونکہ کفار کے اعمال ثواب نہیں لِلرِّجَالِ کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ نَصِيْبٌ سے مراد ثواب آخرت یا ثواب دنیا یا دونوں ثوابوں کا حصہ ہے۔ مِمَّا میں مِنْ ابتدائیہ ہے یا سببیہ۔ اکتساب کے معنی ہیں، خوب کمائی کرنا اس کا مادہ کسبٌ بمعنی کمائی ہے یعنی مردوں کو اپنے اعمال کے ثواب سے حصہ ملے گا ان کے اعمال کا حصہ عورتیں نہیں لے سکتیں۔ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ اس جملہ کی بھی وہی تفسیر ہے جو ابھی عرض کی گئی یعنی عورتوں کو اپنے کمائے اعمال کے ثواب کا حصہ ملے گا، اس میں مرد شریک نہیں ہو سکتے۔ خیال رہے کہ بعض نیکیاں صرف مرد کر سکتے ہیں جیسے جہاد میں عموماً جنگ کرنا، نماز کی امامت، قاضی یا بادشاہ ہونا، بعض نیکیاں صرف عورتیں کر سکتی ہیں۔ جیسے خاوند کی اطاعت نیک صالح بچے جننا بچوں کی پرورش غازیوں کے پیچھے گھروں کے انتظام وغیرہ مرد اپنی کمائی کا نفع پائیں گے عورتیں اپنی کمائی کا فائدہ اٹھاویں گی۔ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ یہ جملہ گذشتہ ممانعت وَلَا تَتَمَنَّوْا پر معطوف ہے۔ اَسْئَلُوْا اگرچہ مذکر مخاطب ہے مگر خطاب عورتوں مردوں دونوں ہی سے ہے۔ جیسے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وغیرہ۔ دوسرے احکام کی آیات میں ہے یہاں فضل سے مراد زیادتی ہی ہے مگر زیادتی وہ جو رب تعالیٰ اپنی مہربانی سے اعمال کی جزا کے علاوہ عطا فرماوے۔ مِنْ تبعیضیہ ہے کیونکہ رب تعالیٰ جسے جو بھی دے اس کی مہربانی کا حصہ ہی ہے اور ہو سکتا ہے کہ فَضْلِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مراد حضور ﷺ ہوں۔ حضور نور اللہ بھی ہیں، ذکر اللہ بھی، فضل اللہ بھی جو ہماری بغیر کوشش ومحنت اللہ نے ہم کو بخشا یعنی اے مسلمان مرد وعورت بجائے ایک دوسرے پر حسد کرنے کے اللہ تعالیٰ سے اس کی مہربانی مانگا کرو۔ خیال رہے کہ

دیگر عبادات کی طرح دعا فضل بھی ایک عبادت ہے مگر دوسری عبادتوں میں وقت نوعیت وغیرہ کی قید ہے۔ دعا وہ عبادت ہے جس میں کوئی پابندی نہیں۔ ہر وقت مانگے، ہر شخص مانگے ہر طرح مانگے، زبان سے اعضاء سے آنکھ سے آنسوؤں سے۔ ننھا بچہ کچھ نہیں جانتا مگر رو کر دعا مانگنا ماں کو بلانا ضرور جانتا ہے۔ رو کر مانگنا بڑا پرانا سبق ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ یہاں كَانَ دوام واستمرار کے لئے ہے۔ اس جملہ کے دو مقصد ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ بعض بندوں کو بعض بندوں پر فضیلت دینا ہزار ہا حکمتوں پر مبنی ہے رب نے جسے جو دیا ہے علم وحکمت سے دیا ہے۔ اس پر اعتراض نہ کرو یا تم دعائیں مانگا کرو۔ اگر تمہاری کوئی دعا قبول نہ ہو تو دل تنگ نہ ہو۔ رب تعالیٰ علیم حکیم ہے وہ اپنے بندوں کی مصلحتیں خوب جانتا ہے اگر تمہاری کوئی دعا قبول نہ فرمائے تو اس میں اس کی کوئی حکمت ضرور ہے۔

خلاصہ تفسیر

اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے جو بعض بندوں کو بعض پر دینی۔ دنیاوی، جسمانی روحانی داخلی خارجی بزرگیاں دی ہیں۔ ان میں ایک دوسرے پر حسد یا ناجائز آرزو نہ کرو نہ رب تعالیٰ پر اعتراض کرو کسی کو امیر یا کسی کو غریب، کسی کو مرد بنایا کسی کو عورت، کسی کو نیک بخت کیا کسی کو بد بخت، کسی کو عالم یا ولی بنایا کسی کو ان کا تبع یہ اس کی مہربانی ہے۔ زمین، زمان، مکین تارے چاند سورج وغیرہ سب میں فرق مراتب ہے تو انسانوں میں بھی ہونا چاہئے۔ مردوں کے لئے ان کے سے اعمال و درجات ہیں عورتوں کے لئے ان کے لائق اعمال و درجات ہیں۔۔ مرد غازی، سلطان، قاضی بننے کیلئے ہیں تو عورتیں غازی، سلطان قاضی جننے کیلئے۔ مرد شمع محفل ہیں تو عورتیں چراغ خانہ۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنے اعمال کا عوض پورا پورا ملے گا۔ اللہ کے بندو حسد، کینہ، بغض اور رب پر اعتراض نہ کرو بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اس کی مہربانی مانگو۔ اگر وہ مہربانی فرما دے تو تھوڑے عمل پر زیادہ ثواب دے دے۔ یہ عقیدہ رکھو کہ اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے اس نے جو جسے دیا حکمت سے دیا۔ سب بندوں کو یکساں نہ کیا۔ حکمت سے ہی کیا، لہٰذا اس کی عطا پر راضی رہو اونٹ کو لمبی گردن عطا کی تو ہاتھی کو سونڈ بخشی، غرضیکہ اس کی عطا میں لاکھوں حکمتیں ہیں ان حکمتوں میں غور کر کے اس کی حمد کرو نہ کہ اس پر اعتراض۔

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق خصوصاً انسانوں میں یکسانیت نہ رکھی۔ دیکھو زمین جو بظاہر یکساں معلوم ہوتی ہے۔ اس میں کہیں تیل ہے کہیں سونے چاندی کی کانیں، کہیں پہاڑ کہیں غار، کوئی زمین بنجر کوئی قابل کاشت کوئی لالہ زار تو انسان سب یکساں کیسے ہو سکتے ہیں۔ آسمان کے تارے رنگ برنگے چھوٹے بڑے ہیں تو انسان بھی رنگ برنگا چھوٹا بڑا ہونا چاہئے جمعہ ہفتہ کے دنوں سے بڑا۔ رمضان دوسرے مہینوں سے افضل تو حضرات انبیاء و اولیاء دوسرے انسانوں بلکہ ملائکہ سے افضل جو نبی غیر نبی کو یکساں کہے اور اولیاء اللہ سے دعویٰ ہمسری کرے۔ وہ اس آیت کا انکاری ہے۔ یہ فائدہ فَضَّلَ اللّٰهُ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: کسی مسلمان پر حسد کرنا سخت جرم ہے۔ شیطان حسد میں ہی

مارا گیا۔ حسد آگ ہے جو انسان کی نیکیاں جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ دیکھو شیطان کی عبادتیں حسد سے برباد ہوئیں۔ یہ فائدہ لَا تَتَمَنَّوْا الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: مسلمان پر حسد کینہ بغض کرنا حرام ہے۔ کفار پر حسد ان سے بغض تو عبادت ہے۔ ان پر جہاد کرنا بھی عبادت ہے۔ یہ فائدہ بَعْضَكُمْ سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ مسلمان پر حسد حرام حضرات اولیاء اللہ پر حسد سخت حرام اور پیغمبر پر حسد کفر ہے۔ جس سے تمام نیکیاں برباد ہوتی ہیں۔ شیطان نے پیغمبر پر حسد کیا تھا۔ **چوتھا فائدہ**: رب نے جسے جو دیا اپنے فضل وکرم سے دیا کسی کا اس پر حق یا دعوے نہیں جیسا کہ فضل کے ایک معنی سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: مرد و عورت یکساں نہیں رب تعالیٰ نے انہیں مختلف مقاصد کیلئے پیدا فرمایا۔ یہ دونوں زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں جو ان دونوں کو برابر کرنا چاہتا ہے۔ وہ قدرت کا مقابلہ کرتا ہے۔ اگر دونوں پہیے گاڑی کے ایک طرف لگا دیے جائیں تو گاڑی چل نہیں سکتی، یہ فائدہ دو جگہ نَصِيْبٌ نکرہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: نیک خاوند کی بیوی اور نیک بیوی کا خاوند نیک اعمال سے مستغنی نہیں۔ ہر ایک کو عمل کی ضرورت ہے جیسا کہ لِلرِّجَالِ اور لِلنِّسَاءِ سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: ہر شخص رب تعالیٰ کا فضل ضرور مانگے۔ جیسا کہ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ سے معلوم ہوا بلکہ علماء تو فرماتے ہیں کہ دوسری دعاؤں سے فضل کی دعا زیادہ بہتر ہے کیونکہ رب تعالیٰ ہم پر خود ہم سے زیادہ مہربان ہے۔ ہم اپنے لئے بری چیز مانگ لیتے ہیں کیونکہ بے سمجھ ہیں۔ مگر رب تعالیٰ جو اپنے فضل سے ہم کو دے گا وہ ہمارے لئے بہتر ہی ہوگی۔ **آٹھواں فائدہ**: کبھی دعا قبول نہ ہونے پر ملول نہ ہو بلکہ سمجھے کہ اس قبول نہ ہونے میں رب کی کوئی حکمت ہے۔ بیوقوف بیمار میٹھی دوائیں مانگنے لگ جاتا ہے۔ مگر مہربان طبیب کڑوی دوا پلاتا ہے کیونکہ اس ہی میں اس کی شفا ہے۔ یہ فائدہ عَلِيْمًا سے معلوم ہوا۔ **مسئلہ**: کسی کی نعمت پر حسد کرنا حرام ہے خواہ دینی نعمت ہو یا دنیاوی، مگر غبط یعنی رشک یہ دینی نعمت پر جائز ہے۔ دنیاوی نعمت پر حرام جیسے کوئی کہے خدایا مجھے فلاں کی طرح علم وعمل کی توفیق دے یا مال دے تاکہ تیری راہ میں خرچ کروں۔ **نواں فائدہ**: کسی پر حسد یا تو رب کی ناشکری ہے یا اس کی تقسیم پر اعتراض، اس لئے اس سے سخت منع فرمایا گیا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: تمہارے بیان کئے ہوئے شانِ نزول سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر جہاد نہیں اس پر تو حضرت ام سلمہ نے رشک کیا تھا مگر احادیث وتواریخ کہتی ہے کہ زمانہ نبوی میں عورتیں جہادوں میں شرکت کرتی تھیں۔ پھر یہ شان نزول کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: عورتوں کو جہاد میں شریک کرنا سخت مجبوری کی حالت میں ہوتا تھا جبکہ غازی مردوں کی کمی تھی، پھر بھی عورتیں جنگ نہ کرتی تھیں بلکہ زخمیوں کی مرہم پٹی، غازیوں کی خدمت، کھانا پکانا وغیرہ، کرتی تھیں۔ اس بنا پر عورتوں کو رشک ہوا۔ اس لئے حدیث پاک میں ہے کہ عورتوں کا جہاد حج ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت نے مسلمانوں کو ترقی سے روک دیا کیونکہ اس میں فرمایا گیا کہ تم دوسروں کی نعمت کی تمنا بھی نہ کرو، حالانکہ کہ انسان کو چاہئے کہ دوسروں کے برابر بلکہ ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔ اگر اس آیت پر عمل ہو تو ترقی ہی ختم (آریہ و بعض بے دین)۔ **جواب:** آیۃ کریمہ نے دوسروں پر حسد کرنے سے روکا ہے نہ کہ ترقی کرنے سے قرآن فرماتا ہے: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (بقرہ:۱۴۸) اور فرماتا ہے: سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (حدید ۲۱)۔ مغفرت کی طرف ایک دوسرے پر سبقت کرو۔ حسد بری ہے۔ ترقی کی کوشش اچھی۔ حضرات صحابہ کرام آپس میں ایک دوسرے پر نیکیوں میں آگے نکل جانا چاہتے تھے۔ خصوصاً حضرت عمرؓ جناب صدیقؓ پر بڑھ جانے کی ہمیشہ کوشش فرماتے تھے مگر بڑھ نہ سکتے تھے۔ حضور فرماتے ہیں کہ جو کسی کو نیکیاں کرتے دیکھے اور تمنا کرے کہ میں بھی ایسی نیکی کرتا تو حشر میں دونوں ساتھ اٹھیں گے، یا یہاں ان صفات کی تمنا کرنا مراد ہے جو رب تعالیٰ نے دوسرے کے ساتھ خاص کر دی ہوں جیسے نبوت، ولایت، قطبیت یا میراث میں دوگنا حصہ غیر اہل کو اس کی تمنا کرنا حرام یہ ناممکن کی تمنا ہے۔

تیسرا اعتراض: لِلرِّجَالِ اور لِلنِّسَاءِ کے لام معلوم ہوا کہ کسی کو دوسرے کے اعمال سے فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اپنی کرنی اپنی بھرنی ہے۔ مردوں کو اپنی کمائی کام آوے گی۔ عورتوں کو اپنی لہٰذا ایصال ثواب ختم وغیرہ محض بیکار ہے۔ **جواب:** اس کا جواب تیسرے پارے کی تفسیر لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (بقرہ:۲۸۶) کی تفسیر میں ہی تفصیل سے گذر گیا کہ ان جیسی آیات میں لام ملکیت کا ہے اور کسب سے مراد بدنی فرائض ہیں یعنی کوئی کسی کی طرف سے فرض نماز یا فرض روزہ ادا نہیں کر سکتا اور بھی اسی کے بہت جواب ہیں۔ اگر کسی کے اعمال کسی کو کام نہیں آسکتے تو مسلمانوں کے چھوٹے بچے یا دیوانے پاگل مسلمان کیوں کر بخشے جائیں گے ان کے پاس نیکیاں کہاں ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (طور:۲۱)۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سواء رب تعالیٰ کے فضل کے اور کوئی چیز رب سے نہ مانگنا چاہئے حالانکہ احادیث میں بہت دعائیں منقول ہیں۔ **جواب:** آیت کریمہ میں دوسری دعاؤں سے ممانعت نہیں فرمائی گئی نہ کوئی کلمہ حصر کا ہے بلکہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ دعائیں اپنی طرف سے مقرر نہ کرو کہ ہم کو وہ ہی چیز دے کہ اگر وہ چیز نہ ملے تو رب پر ناراض ہو جانا یا مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص بجائے دوسروں پر حسد کرنے کے رب سے اپنے اور دوسروں کے لئے رب کا فضل مانگے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کی دینی یا دنیاوی نعمت کی تمنا کرنا بھی منع ہے مگر حدیث شریف میں ہے کہ نیکی کی تمنا اچھی چیز ہے کہ اس تمنا پر نیکی کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ عالم یا سخی مالدار کو دیکھ کر تمنا کرنا کہ اگر میرے پاس بھی علم کی دولت ہوتی تو میں بھی یہ ہی کرتا۔ اس پر اس کو عالم یا سخی کا ثواب ملتا ہے لہٰذا حدیث وقرآن

میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی گزر گیا کی حسد یا رب کی شکایت یا ناشکری کی تمنا بری ہے۔ وہ ہی یہاں مراد ہے اس سے منع فرمایا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

عالم کا نظام عالم کی چیزوں میں فرق مراتب سے ہے۔ اگر سب برابر کر دیئے جائیں تو دنیا تباہ ہو جائے۔ اگر آسمان پر سارے تارے سورج بنا دیئے جاویں تو دنیا کی ہلاکت یقینی ہے اگر۔ تمام روئے زمین پیداوار اور خزانوں وغیرہ میں یکساں ہو جاوے تو نظام دنیا ختم ہو جائے اسی طرح عالم روحانیت میں فرق مراتب ہے۔ عالم جزاء کی فنا ہے۔ رب تعالیٰ نے انسانوں کی استعدادیں مختلف بنائی ہیں۔ ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق نعمت عطا ہوئی ہے۔ کوئی کم استعداد والا بڑی عطا کی تمنا نہ کرے کہ یہ ناممکن کی تمنا ہے۔ اسی لئے یہاں تمنا فرمایا گیا جو ناممکن کی بھی ہو جاتی ہے امید نہ فرمایا کیونکہ امید صرف ممکن چیز کی ہی ہوتی ہے لہٰذا مردوں یعنی کاملین واصلین کو ان کا حصہ ہے اور عورتوں یعنی ناقصین کیلئے ان کا حصہ ہے۔ صوفیاء کے ہاں مرد وہ ہے جو یار تک پہنچ جاوے عورت وہ جو وہاں تک نہ پہنچ سکے اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل یعنی بقدر استعداد صفائی تزکیہ مانگو، اللہ تعالیٰ تمہاری استعداد و قابلیت کو خوب جانتا ہے، مانگو ملے گا۔ مولانا فرماتے ہیں:

چون طلب کردی بجد آید نظر	جد خطا نہ کند جنس آمد خبر
چوں در معنی زنی بازت کنند	پرِ فکرت زن کہ شہبازت کنند
چوں ز چاہے می کنی ہر روز خاک	عاقبت اندر رسی در آب پاک
گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے	عاقبت زاں در بروں آید سرے
در طلب زن دائما تو ہر دو دست	کہ طلب در راہ نیکو رہبر است

دروازہ بجاؤ کھلے گا۔ کنوئیں کی مٹی نکالے جاؤ کبھی پانی بھی مل جاوے گا۔ سچی طلب کے ساتھ یہ راستے طے کرو کہ طلب اچھا رہبر ہے۔ کسی کی کوشش اللہ تعالیٰ رائیگاں نہیں کرتا (از روح البیان) ہر شخص ہر وقت ہر طرح اللہ سے اس کا فضل و مہربانی مانگے۔ اس کا عدل نہ مانگے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ؕ
اور واسطے ہر ایک کے بنائے ہم نے ولی اس میں سے جو چھوڑیں ماں باپ اور زیادہ قریبی رشتہ دار
اور ہم نے سب کے لئے مال کے مستحق بنائے ہیں جو کچھ چھوڑ جائیں ماں باپ اور قرابت والے

وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ ط
اور وہ لوگ کہ بند چکیں جن سے قسمیں تمہاری پس دو ان کو حصہ ان کا
اور جن سے تمہارا حلف بندھ چکا انہیں ان کا حصہ دو۔
اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدًا (۳۳) ع
بے شک اللہ ہے اوپر ہر چیز کے گواہ
بے شک ہر چیز اللہ کے سامنے ہے۔

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ تمام مردوں عورتوں کو اپنی کمائی کا ہی حصہ ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ بعض صورتوں میں دوسرے کی کمائی سے بھی حصہ مل جاتا ہے یعنی میراث یا عقد موالات کے ذریعہ غرضیکہ حصہ ملنے کی ایک صورت کا ذکر پہلے ہوا تھا اپنی کمائی اور دوسری صورت کا ذکر اب ہے۔ دوسرے کی وراثت یا موالات۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ رب تعالیٰ نے بعض بندوں کو بعض پر فضیلت دی ہے، اب اس فضیلت کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ میراث کے حصوں کے مستحق لوگ بعض، بعض سے زیادہ پاتے ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیۃ میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے لہٰذا جو جس کو دیا جان کر دیا۔ اب اس ہی کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم نے بعض مسلمانوں کو بعض کا وارث بنایا۔ پھر وارثوں کے حصوں میں فرق کیا۔ یہ سب کچھ اپنے علم کے مطابق کیا اس پر اعتراض نہ کرو۔

شانِ نزول

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو دعوت اسلام دی۔ انہوں نے قبولِ اسلام سے انکار کر دیا۔ حضرت صدیق نے قسم کھالی کہ میں اپنے مال کا ایک حبّہ بھی عبدالرحمٰن کو نہ دوں گا نہ جیتے جی نہ بعد وفات بطور میراث پھر اللہ کے فضل و کرم سے عبدالرحمٰن مسلمان ہو گئے تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں جناب صدیقِ اکبر کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو اپنی کمائی سے ان کا حصہ میراث دیں۔ (تفسیر خازن)

تفسیر

وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۔ لِکُلٍّ متعلق مقدم ہے۔ جَعَلْنَا کا کُلٍّ کا مضاف الیہ پوشیدہ ہے۔ مسلمٍ یا مالٍ یا قوم انسان یا ترکہ (معانی) جَعَلْنَا جعلٌ سے مشتق ہے بمعنی بنانا یا پیدا کرنا۔ پہلے معنی پر دو مفعول چاہتا ہے۔ دوسرے معنی پر ایک

مفعول یہاں پہلے معنی میں ہے اور پہلا مفعول پوشیدہ اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے معنی یعنی پیدا کرنے کے معنی میں ہو۔ مَوَالِیَ مَولیٰ کی جمع ہے مَولیٰ یا ولی بمعنی قرب سے بنا یا ولایت بمعنی تصرف سے بنا مولیٰ یعنی قریب عزیز یا والی وارث تصرف کرنے والا خیال رہے کہ مولیٰ کے چھ معنی ہیں: غلام آزاد کرنے والا مالک، آزاد کردہ غلام، حلیف، چچازاد بھائی، مددگار بِاَنَّ اللّٰهَ مَولَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَهُمْ (محمد:۱۱)، عصبہ وارث (تفسیر کبیر) یہاں آخری چھٹے معنی میں ہے یعنی ہم نے ہر مسلمان یا ہر مال یا ہر قوم یا ہر ترکہ کے لئے وارث مقرر فرمائے جو اس کے مال کے وارث ہوتے ہیں۔ مِمَّا تَرَكَ الْوٰلِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ۔ مِمَّا سے پہلے ایک مختصری عبارت پوشیدہ ہے یرث یا یا خذ یا یملک مِمَّا کامِنْ تبعیضیہ ہے کیونکہ ہر وارث کو میت کا بعض مال ملتا ہے۔ یا سارا مال میراث میں نہیں بٹتا۔ پہلے کفن دفن پھر ادائے قرض۔ پھر اداء وصیت پھر تقسیم ہوتی ہے۔ اسلئے مِنْ تبعیضیہ ارشاد ہوا۔ مَا سے مراد وہ مال ہے جو میت کا مملوکہ ہو۔ جو میت کے پاس امانت یا غصب وغیرہ کا مال ہے وہ مراد نہیں کیونکہ وہ میت کی ملک نہیں نہ اس میں میراث جاری ہو۔ وہ سارا مال اصل مالک کو واپس کر دیا جاوے۔ اگر مالک نہ ملے تو اس کے نام پر خیرات کر دیا جاوے۔ ترک سے مراد بعد وفات چھوڑ جانا ہے۔ الْوٰلِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ یا تو مَوَالِیَ کا بیان ہے یا ترک کا فاعل، پہلی صورت میں وَالِدٰنِ اور اَقْرَبُوْنَ وارث ہوں گے۔ دوسری صورت میں موروث وَالِدٰنِ سے سگی ماں سگا باپ مراد ہے۔ سوتیلے ماں باپ کو میراث نہیں ملتی نیز دادا نانا بھی اس سے خارج ہیں کہ وہ مجازاً والدین ہو سکتے ہیں حقیقتاً نہیں یہ لوگ وَالْاَقْرَبُوْنَ میں داخل ہیں یعنی لیں گے یہ وارث اس مال سے جو ان کے ماں باپ یا دوسرے قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا یا ہم نے ہر قوم کیلئے وارث یعنی ماں باپ اور نزدیک ترین قرابت دار مقرر فرمائے جو میت کے چھوڑے مال سے میراث لیتے ہیں (خازن کبیر، روح البیان ومعانی وغیرہ) وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ حق یہ ہے کہ یہ جملہ علیحدہ مستقل ہے اور اَلَّذِیْنَ اسم موصول ہے۔ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر مبتداء ہے اور فَاٰتُوْهُمْ الخ۔ اس کی خبر اس جملے کی بہت تفسیریں ہیں۔ بعض تفسیروں سے یہ حکم منسوخ ہے اور بعض سے یہ محکم اَلَّذِیْنَ سے مراد یا تو مولیٰ موالات ہے کہ لاوارث شخص کسی اجنبی کو اپنا ولی دوست بنائے اور اس سے کہہ دے کہ میرے بعد میرا سارا مال تیرا ہے۔ یہ مولیٰ اس کا وارث ہوگا کیونکہ اسکا اور کوئی وارث نہیں اسے شریعت میں مولیٰ موالات کہتے ہیں۔ عَقَدَتْ عقد سے بنا ہے بمعنی اکٹھا کرنا۔ سیٹنا۔ اصطلاح میں منعقد کرنے کو عقد کہتے ہیں۔ اس کا استعمال بہت وسیع ہے۔ عقد بیع، عقد اجارہ، عقد ہبہ، عقد عہد یعنی معاہدہ کر لینا۔ یہاں آخری معنی میں ہے۔ ایمان یمین کی جمع ہے بمعنی پختگی ومضبوطی داہنے ہاتھ کو اسی لئے یمین کہتے ہیں کہ بمقابلہ بائیں ہاتھ کے مضبوط ہوتا ہے۔ قسم کو یمین اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے کلام پختہ کیا جاتا ہے یہاں یا تو داہنے ہاتھ کے معنی میں ہے کیونکہ معاہدہ کرتے وقت داہنا ہاتھ ملایا جاتا ہے یا قسم کے معنی میں ہے یعنی وہ لوگ جن سے تمہارا

حلف کا عقد بندھ چکا یعنی تم ان سے معاہدہ کر چکے ہو، اپنا مولیٰ موالات مقرر کر چکے۔ فَاٰتُوۡهُمۡ نَصِيۡبَهُمۡ ۔ یہ اَلَّذِیۡنَ کی خبر ہے چونکہ اَلَّذِیۡنَ مبتدا میں شرط کے معنی ملحوظ تھے اس لئے خبر پر ف جزائیہ آئی۔ اٰتُوۡا میں خطاب ان ہی معاہدہ کرنے والوں سے ہے هُمۡ کا مرجع وہ ہی لوگ ہیں جن سے معاہدہ ہوا یعنی مولیٰ موالات نَصِيۡبَهُمۡ سے مراد یہ ہی مال ہے جسے یہ معاہدہ کرنے والا چھوڑ جائے۔ اگرچہ اسے مال دینا بعد کے لوگوں کا کام ہے۔ مگر چونکہ وہ دینا اس معاہدے کی بقا پر موقوف ہے لہٰذا دینے کا فاعل اس معاہدہ کرنے والے کو بتایا گیا یا یہ مطلب ہے کہ اس معاہدہ کے بعد تم اس معاہد کو محروم کرنے کی کوشش نہ کرو۔ انہیں لے لینے دو یعنی جن لوگوں سے تم نے عقد موالات کیا ہے انہیں ان کا حصہ ضرور دو۔ اس تفسیر سے یہ آیت کریمہ محکم ہے منسوخ نہیں۔ جن مفسرین نے اسے منسوخ مانا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس سے عقد مواخات مراد ہے جو شروع اسلام میں مہاجرین و انصار کے درمیان کیا جاتا تھا جس کی بنا پر مہاجرین و انصار ہی وارث ہوتے تھے، ان کے رشتہ دار وارث نہ ہوتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ اس آیت سے منسوخ ہے۔ وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ (انفال:۷۵)، بعض نے فرمایا کہ اس سے زمانہ جاہلیت کا حلف مراد ہے کہ ایک شخص کسی سے کہتا تھا کہ میرا خون تیرا خون میری جان تیری جان میرا مال تیرا مال تو میری دیت دے دے میں تیری۔ تو میرا وارث میں تیرا پھر بعد موت اس حلیف کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملتا تھا۔ یہ حکم اس حدیث سے منسوخ ہے۔ لَا حِلۡفَ فِی الۡاِسۡلَامِ یا آیات میراث سے منسوخ غرضیکہ اس جملہ کی چھ تفسیریں ہیں جن میں سے تین تفسیریں ہم نے عرض کردیں۔ پہلی تفسیر قوی ہے اور آیۃ غیر منسوخ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدًا ۔ میراث و موالات کے حکم کو اس عبارت پر ختم فرمایا تاکہ لوگ اسکے جاری کرنے میں کوتاہی نہ کریں یہاں كُلِّ شَىۡءٍ سے مراد ہر موجود چیز ہے۔ شهید یا شهود بمعنی حاضری سے بنایا۔ شہادت بمعنی گواہی سے یا مشاہدہ سے یعنی اللہ ہر چیز پر حاضر ہے ہر چیز پر گواہ ہے یا ہر چیز دیکھ رہا ہے۔ اگر تم نے تقسیم میراث وغیرہ میں ناجائز حرکت کی تو ہم دیکھ رہے ہیں تم کو سخت سزا دیں گے چونکہ تقسیم میراث سے اہل حقوق کے حقوق وابستہ ہیں اس لئے اس طریقہ سے دھمکایا گیا۔

خلاصہ تفسیر

اس آیت کریمہ کی چھ تفسیریں ہو سکتی ہیں جیسا کہ اشارۃً تفسیر میں عرض کیا گیا ہم صرف ایک تفسیر عرض کرتے ہیں: اے مسلمانو ہم نے ہر شخص یا ہر قوم یا ہر مال کے لئے وارث مقرر کئے ہیں جو اپنے ماں باپ اور دیگر قریبی رشتہ داروں کے چھوڑے ہوئے مال سے میراث لیں گے اور اے مسلمانو تم میں سے جو غیر معلوم النسب لاوارث کسی سے حلفیہ و عقد موالات باندھ کے اور اس سے کہہ دے کہ میرے بعد میرے مال کا تو وارث ہے تو لازم ہے کہ حسب وعدہ اس کا حصہ اسے ضرور دے دے یا اس طرح کہ اس کے بعد مسلمان اسے اس میت کا متروکہ مال دے دیں یا اس طرح کہ یہ خود کسی صورت سے اسے محروم کرنے کی کوشش نہ کرے اپنے عہد پر قائم رہے۔ خیال رکھو کہ تقسیم میراث کا مسئلہ نہایت ہی نازک و اہم جس سے بہت سے حقوق العباد وابستہ ہیں۔ اس

میں کسی قسم کا گڑ بڑ نہ کرنا۔ یاد رکھو کہ ہم ہر چیز کا مشاہدہ فرمار ہے ہیں۔ تمہارے تمام حالات خصوصاً تقسیم میراث ہماری نظر میں ہے۔ اگر تم نے اس میں کمی بیشی کی یا کسی کو ناحق محروم کیا تو تم کو سخت سزا دیں گے۔ خیال رہے کہ اسلامی میراث جاری ہونے میں تین شرطیں وارث میں ہونی چاہئیں اور دو شرطیں مال میں اور ایک شرط مورث میں، وارث اپنے مورث کا قاتل نہ ہو۔ غلام نہ ہو، کافر نہ ہو، مال میراث میت کا مملوکہ بھی ہو اور متروکہ بھی۔ مورث اپنے وارث کا رشتہ دار ہو۔ رشتہ سسرال میں صرف زوجین وارث ہیں اور دودھ کے رشتہ میں کوئی وارث نہیں۔ رشتہ نسب میں بہت تفصیل ہے والدین سب کے مقدم پھر دوسرے رشتہ دار اس آیہ کریمہ میں ان سب کی طرف اشارہ موجود ہے۔

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: میراث کے احکام تمام دینوں میں رہے صرف اسلام کی خصوصیت نہیں۔ اگر چہ طریقہ تقسیم میں کچھ فرق ہو جیسا وَلِکُلٍّ کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: مسائل میراث قیاس سے ثابت نہیں ہو سکتے اس کے لئے قرآن یا حدیث کا جزئیہ ملنا ضروری ہے جیسا کہ جَعَلْنَا سے معلوم ہوا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان عالی رب ہی کا فرمان ہے۔ **تیسرا فائدہ**: میت کا سارا متروکہ مال میراث میں تقسیم نہ ہوگا بلکہ اس مال سے پہلے کفن دفن پھر ادائے قرض۔ پھر اجرائے وصیت ہوگا پھر تقسیم میراث جیسا کہ مِمَّا کے مِنْ تبعیضیہ سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: کسی ذی فرض وارث کا حصہ کل مال نہیں ہو سکتا ہے بلکہ بعض مال میں ہوگا۔ یہ بھی مِمَّا کے مِنْ سے معلوم ہوا۔ بعض صورتوں میں ضرور تاردہو کر کل مال ایک وارث کو دے دیا جاتا ہے۔ یہ اس کا حصہ نہیں بلکہ ضرورت پوری کرنے کے لئے ہے۔ **پانچواں فائدہ**: میراث میں صرف وہ مال تقسیم ہو سکے گا جو میت پس مرگ چھوڑ جائے۔ ہر شخص زندگی میں اپنے مال کا پورا پورا مالک ہے۔ جس طرح چاہے تصرف کرے جیسا کہ تَرَکَ سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: میت کے صرف اپنے مملوکہ مقبوضہ متروکہ مال میں میراث جاری ہوگی۔ امانت، قرض، غصب وغیرہ غیر مملوکہ مال میں میراث جاری نہ ہوگی، بلکہ یہ سارا مال اس کے مالک یا اس کے وارثوں کو واپس کیا جاوے گا۔ اگر پتہ نہ لگے تو اس کے نام پر صدقہ کر دیا جائے گا۔ یہ فائدہ بھی تَرَکَ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: ماں باپ اور اولاد یعنی بیٹا بیٹی بھی مجوب و محروم نہیں ہو سکتے، انہیں ضرور میراث ملے گی جیسا کہ اَلْوَالِدَانِ فرمانے سے معلوم ہوا کہ ان کا ذکر مستقل طور پر علیحدہ فرمایا گیا اگر چہ اَقْرَبُوْنَ میں یہ بھی داخل تھے۔ **آٹھواں فائدہ**: سوتیلے ماں باپ کو میراث نہیں مل سکتی کیونکہ اس بچہ کے جننے والے نہیں جیسا کہ اَلْوَالِدَانِ سے معلوم ہوا اس لئے یہاں اَبَوَانِ نہ فرمایا کہ سوتیلے ماں باپ کو بھی اب و ام کہہ دیا جاتا ہے۔ **نواں فائدہ**: چچا کے ہوتے یتیم پوتا پوتی خالہ کے ہوتے یتیم نواسا نواسی میراث نہیں پا سکتے جیسا کہ اَلْاَقْرَبُوْنَ تفضیل کا صیغہ فرمانے سے معلوم ہوا کیونکہ دادا اپنے بیٹے کا قریب تر عزیز ہے مگر پوتے کا بعید عزیز اور اس آیت کی رو سے اقرب یعنی قریب تر کی میراث ملتی ہے نہ کہ بعید عزیز کی۔ اس لئے اَلْوَالِدَانِ کو خصوصیت سے علیحدہ

بیان فرمایا اور وَالِدٰنِ فرمایا، امہات یا آباء نہ فرمایا کہ آباء و امہات میں دادیاں دادا نانیاں نانا سب داخل ہوتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ (النساء:۲۳)۔ دیکھو امہات میں مائیں دادیاں نانیاں سب داخل ہیں ان سب سے نکاح حرام ہے۔ **دسواں فائدہ**: مولیٰ موالات جس کے معنی ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے وہ بھی میراث پاسکتا ہے بشرطیکہ دوسرے عزیز قرابت دار موجود نہ ہوں جیسا کہ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ کے سے معلوم ہوا۔ **مسئلہ**: جس نومسلم کا کوئی وارث نہ ہو۔ مولیٰ موالات بھی نہ ہو، اس کا مال احناف کے ہاں اس کو ملے گا جس کے ہاتھ پر یہ مسلمان ہوا ہو مگر شوافع کے ہاں اس کی بستی والوں میں تقسیم کیا جاوے گا (احکام القرآن، تفسیر کبیر)۔

گیارھواں فائدہ: میراث کی تقسیم بہت اہم ہے اس میں بہت احتیاط چاہئے۔ جیسا کہ شَهِيْدًا کی تفسیر سے معلوم ہوا نہ غیر مستحق کو دیا جاوے نہ مستحق کو چھوڑا جاوے۔ **بارھواں فائدہ**: قرآن مجید کے عام احکام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا داخل ہونا ضروری نہیں دیکھو لِكُلٍّ جَعَلْنَا میں میراث کا حکم عام ہے مگر حضور ﷺ اس حکم سے علیحدہ ہیں، آپ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ آپ کا مولیٰ یعنی وارث کوئی نہیں۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ میراث کے احکام صرف قرآن سے ثابت ہونے چاہئیں اس کیلئے حدیث معتبر نہیں۔ دیکھو رب نے فرمایا وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ وارث ہم نے خود مقرر فرمائے پھر تم احادیث سے میراث کے حصے کیوں ثابت کرتے ہو (چکڑالوی) **جواب**: فرمان حدیث فرمان قرآن ہے، احکام رسول احکام الٰہی ہیں جَعَلْنَا ان دونوں کو شامل ہے رب فرماتا ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:۸۰) اس کی تفصیل ہماری کتاب ایک اسلام میں دیکھو۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ چچا کے ہوتے ہوئے یتیم پوتا پوتی بھی وارث ہوں گے کیونکہ اَلْوَالِدٰنِ میں ماں باپ دادا دادی سب داخل ہیں یعنی جو ماں باپ یا دادا دادی چھوڑیں ان کے وارث بیٹے پوتے سب ہیں دیکھو حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ (النساء:۲۳) میں مائیں دادیاں سب داخل ہیں۔ سب ہی سے نکاح حرام ہے (چکڑالوی) **جواب**: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر نانا نانی بھی والدین میں داخل ہونے چاہئیں اور بیٹے بیٹی کے ہوتے ہوئے یتیم نواسے نواسی کو بھی میراث ملنی چاہئے مگر آپ اس کے قائل نہیں۔ آپ صرف یتیم پوتے پر مہربان ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ قرآن کریم میں والدین صرف سگے ماں باپ کو کہا جاتا ہے جس میں نہ سوتیلے ماں باپ داخل ہوتے ہیں نہ دادا دادی نہ نانا نانی رب فرماتا ہے۔ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (بقرہ:۲۳۳)۔ مائیں اپنی اولاد کو کامل دو سال دودھ پلائیں۔ یہ دودھ پلانا نہ سوتیلے ماں باپ کے ذمہ ہے نہ دادی نانی کے ذمہ مگر لفظ اب و اُم میں یہ تمام داخل ہوتے ہیں بلکہ ان لفظوں میں دودھ کی ماں، نبی پاک کی ازواج تک داخل ہو جاتی ہیں فرماتا ہے اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ

(النساء:۲۳)۔ دیکھو یہاں دودھ والی کو بھی ماں فرمایا گیا اور فرماتا ہے وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (احزاب:۶) یہاں حضور کی ازواج کو مسلمانوں کی مائیں فرمایا گیا، فرماتا ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ (النساء:۲۳)۔ یہاں ماں دادی نانی سب کو امہات فرمایا یہ اب اور والد میں فرق ہے۔ یہاں چونکہ وَالِدٰنِ فرمایا گیا لہٰذا اس میں صرف سگے ماں باپ داخل ہیں۔ دادا نانا اَقْرَبُوْنَ میں داخل کئے گئے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کی میراث بھی تقسیم ہونی چاہئے پھر فاطمہ زہرا کو حضور کی میراث کیوں نہ ملی دیکھو ارشاد ہوا: وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ۔ ہم نے ہر ایک کیلئے وارث مقرر کئے ہر ایک میں نبی بھی شامل ہیں (شیعہ)۔ **جواب**: اس کے بھی دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ اعتراض پر ہم پر نہیں بلکہ جناب علی مرتضٰی پر ہے کہ ان سرکار نے نہ تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر اس مسئلہ میں اعتراض کیا نہ اپنے زمانہ خلافت میں حضور کی میراث تقسیم کی کیا ان کے سامنے یہ آیت نہ تھی کیا آپ قرآن مجید کو ان سے زیادہ سمجھتے ہیں نیز باغ فدک وغیرہ پر تو پیچھے سوال ہوگا۔ پہلا سوال یہ ہوگا کہ پھر روضہ رسول اللہ ﷺ ہی ناجائز ہوگیا کیونکہ پھر تو حضور کے متروکہ مکان آپ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ زہرا ازواج پاک و حضرت عباس وغیرہ کے مملوک تھے۔ ان مملوکہ مکانوں میں حضور کو دفن کر کے انہیں موقوفہ کیوں کر دیا گیا اور جناب علی یہ سب کچھ دیکھتے رہے کفن دفن میں شریک رہے مگر کوئی اعتراض نہ فرمایا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ قرآن مجید کے احکام میں خصوصیات ضرور ہوتی ہیں۔ دیکھو نماز کے حکم سے بچے دیوانہ ناپاک عورت خارج ہیں۔ زکوٰۃ کے حکم سے غرباء مساکین خارج ہیں جمعہ کے حکم سے بیمار اور دیہاتی لوگ خارج ہیں۔ ایسے ہی میراث کے حکم سے حضرات انبیاء کرام بحکم قرآن وحدیث خارج ہیں۔ رب فرماتا ہے ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا۔ مگر حضرت آدم و عیسیٰ علیہما السلام اس قاعدے سے علیحدہ ہیں۔ حضرات انبیاء کرام کا مال میراث میں نہیں تقسیم ہوتا ان کے اعمال و کمال تقسیم ہوتے ہیں۔ رب فرماتا ہے: وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ قَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (نمل:۱۶)۔ دیکھو حضرت سلیمان کو جناب داؤد علیہ السلام کی میراث، علم ملا ورنہ آپ کے گیارہ بیٹے اور بھی تھے ان کا ذکر کیوں نہ ہوا۔ اگر میراث مال تقسیم ہوتی تو بارہ بیٹوں کو برابر ملتی۔

تفسیر صوفیانہ

عوام کا مال میراث میں تقسیم ہوتا ہے۔ خواص کے اعمال مقربین کے کمال تقسیم ہوتے ہیں محبوبین کے احوال۔ مال کی میراث جسمانی رشتہ سے ملتی ہے مگر اعمال و کمال و احوال کی میراث روحانی و جنانی رشتہ سے ملتی ہے۔ ماں باپ تو جسمانی والدین ہیں اور حضرات اولیاء و انبیاء روحانی والدین۔ فرمایا جارہا ہے کہ ہم نے ہر مال و اعمال و کمال و احوال والوں کے لئے ان کے وارثین پیدا فرمادیئے ہیں جو اپنے جسمانی، روحانی، جنانی آباء و اجداد و اقارب کے چھوڑے ہوئے مال و کمال و احوال وغیرہ سے حصہ لیتے ہیں۔

اے حضرات اولیاء تم اپنے کمالات صرف روحانی اولاد اپنے مریدوں ہی کو نہ دو، بلکہ جن غیر مریدوں سے تم نے عقد موالات جوڑا ہے انہیں بھی اپنے کمال سے کچھ حصہ دے دو کہ تم اللہ کی رحمتوں کے خزانہ ہو۔ تمہارے ہاں اللہ کی نعمتوں کے ڈپو کھلے ہوئے ہیں تم سے کوئی محروم نہ جاوے۔ غنی کے مال میں بھکاریوں فقیروں کا حصہ ہوتا ہے۔ تمہارے کمال و احوال میں بھی قریبی بعیدی لوگوں کا حصہ چاہئے۔ اسی لئے بزرگان دین اپنے قبر کے زائرین کو محروم نہیں لوٹاتے انہیں بھی کچھ نہ کچھ دے ہی دیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا۔ شعر

ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہوں گے — اب تو غنی کے در پر بستر جما دیئے ہیں

حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

عارفاں کہ جام حق نوشیدہ اند — رازہا دانستہ و پوشیدہ اند
ہر کرا اسرار کار آموختند — مہر کردند و دہانش دوختند
بر لبش قفل است در دل رازہا — لب خموش و دل پر از آوازہا
گوش آں کش نوشد اسرار جلال — کو چو سوسن صد زباں افتاد لال
تا نگوئی سر سلطان را زکس — تا نریزی قند را پیش مگس
در خور دریا نہ شد جز مرغ آب — فہم کن واللہ اعلم بالصواب

غرضیکہ مورثین بھی مختلف ہیں وارثین بھی مختلف اگر وارثین کمال بننا ہے تو محبوبین سے رشتہ غلامی جوڑو۔ یہ لوگ کہتے نہیں دیتے ہیں، وارثۂ مال قرابت سے ملتا ہے اور وراثۂ کمال قرب سے قرابت جسمانی رشتہ کا نام ہے اور قرب رشتہ روحانی ہے قرابت تو موت سے ختم ہو جاتی ہے مگر قرب موت سے ختم نہیں ہوتا۔ قرب کا فائدہ جانوروں پتھروں لکڑیوں کو بھی پہنچ جاتا ہے۔ اصحاب کہف کا کتا قرب اولیاء سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اچھوں سے قرب پیدا کرو:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ
مرد حاکم ہیں اوپر عورتوں کے اس لئے کہ بزرگی دی اللہ نے ان کے بعض کو
مرد افسر ہیں عورتوں پر اس لئے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر
عَلٰی بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ
اوپر بعض کے اور اس لئے کہ خرچ کیا مردوں نے اپنے مالوں سے تو نیک بیبیاں
فضیلت دی اور اس لئے کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کئے تو نیک بخت

قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِیْ
اطاعت والی حفاظت کرنے والی ہیں غیب میں اس لئے کہ حفاظت کی اللہ نے اور وہ بیویاں
ادب والیاں ہیں خاوند کے پیچھے حفاظت رکھتی ہیں جس طرح اللہ نے حفاظت کا حکم دیا
تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ
کہ خوف کرتے ہو تم ان کی نافرمانی کا تو نصیحت کرو انہیں اور چھوڑ دو انہیں خوابگاہوں میں
جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور ان سے الگ سوؤ
وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ
اور مار سکتے ہو تم ان کو پس اگر اطاعت کر لیں وہ تمہاری تو نہ تلاش کرو ان پر راستہ
اور انہیں مارو پھر اگر وہ تمہارے حکم میں آجائیں تو ان پر زیادتی نہ کرو
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا (۳۴)
بیشک اللہ ہے بڑائی بلندی والا
بے شک اللہ بڑا بلند ہے۔

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ نے بعض بندوں کو بعض پر بزرگی دی ہے، اب اس بزرگی کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ مردوں کو عورتوں پر بزرگی دی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اے بندو! تم دوسروں کی بزرگی دیکھ کر حسد نہ کرو، اب اس آیت میں اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے جس کو رب نے بزرگی دی اس میں کوئی حکمت ہے لہٰذا نہ حسد کرو نہ رب تعالیٰ پر اعتراض کرو دیکھو ہم نے مردوں کو عورتوں سے افضل کیا تو اس کی وجہ یہ ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے ہر قوم ہر شخص کے وارث مقرر فرمائے، اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ وارث یکساں نہیں بعض بعض سے افضل اور زیادہ میراث کے مستحق ہیں دیکھو عموماً مرد عورت سے زیادہ میراث پاتا ہے۔

شان نزول

سعد ابن ربیع جو انصار کے نقیب تھے۔ ایک بار ان کی بیوی حبیبہ بنت زید ابن زہیر نے کچھ ان کی نافرمانی کی انہوں نے ناراض ہو کر ایک طمانچہ مار دیا۔ حبیبہ کے والد زید ابن زہیر اپنی ان بیٹی کو لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ میں نے اپنی محبوبہ بچی سعد کے نکاح میں دی انہوں

نے اس کے طمانچہ مارا ہے قصاص دلوایا جاوے۔ حضور نے قصاص لینے کی اجازت دے دی کہ حبیبہ بھی اپنے خاوند کو تھپڑ کے بدلہ تھپڑ مارلیں۔ یہ اس ارادے سے چلیں کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضور نے انہیں واپس بلا کر یہ آیت سنائی اور فرمایا کہ بیوی خاوند سے تھپڑ کا قصاص نہیں لے سکتی۔ یہ بھی فرمایا کہ ہم نے کچھ چاہا تھا رب تعالیٰ نے کچھ اور چاہا۔ اللہ تعالیٰ کا چاہا ہمارے چاہے سے افضل ہے (تفسیر خازن، بیضاوی، روح البیان، معانی تفسیر کبیر وغیرہ) بعض روایات میں ہے کہ سعد کی بیوی محمد ابن مسلمہ کی بیٹی تھیں۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت کریمہ جمیلہ بنت عبداللہ ابن ابی کے متعلق نازل ہوئی جو ثابت ابن قیس کی بیٹی تھیں۔ مگر ان روایات میں کچھ تعارض نہیں یہ واقعات بہ یک وقت ہوے ہوں گے، ان پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی لہٰذا تمام روایات درست ہیں۔

تفسیر اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ۔ خیال رہے کہ اَلرِّجَالُ اور اَلنِّسَآءِ میں الف لام جنسی ہے نہ کہ استغراقی رجال رجل کی جمع ہے بمعنی مرد اگر چہ قرآن مجید میں جنات مردوں کو بھی رجال فرمایا گیا ہے۔ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ (جن:۶)۔ مگر مطلق رجال انسان مردوں کو کہا جاتا ہے جنات مردوں کے لئے ساتھ میں۔ مِنَ الْجِنِّ فرمایا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ (نحل:۴۳) حالانکہ نبی ہمیشہ مرد انسان ہوئے کوئی جن میں نہیں ہوا لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ یہاں انسان مرد مراد ہیں، خیال رہے کہ ذکر و انثیٰ یعنی نر مادہ ہر چیز میں ہیں حتیٰ کہ جانوروں درختوں اور پتھروں میں بھی رب فرماتا ہے۔ وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ (ذاریات:۴۹) مگر رجل وامرات یعنی مرد و عورت صرف جن وانس میں ہیں۔ رجل یعنی مرد امراۃ یعنی عورت سے افضل ہے مگر ہر ذکر یعنی نر اپنی مادہ سے افضل نہیں، بعض جانوروں میں مادہ نر سے افضل ہے جیسے اونٹنی اور بھینس اونٹ اور بھینسے سے افضل ہے اس لئے یہاں اَلرِّجَالُ ارشاد ہوا۔ قَوّٰمُوْنَ قوام کی جمع ہے اور قوام قیام کا مبالغہ ہے قیام بمعنی انتظام یا روزی مہیا کرنا اس لئے منتظم اور سردار کو قَیِّم کہا جاتا ہے، یعنی قوم کے کاموں کا منتظم اَلنِّسَآءِ یا تو امراۃ کی جمع ہے۔ خلاف قیاس اور یا اس کا کوئی واحد ہے ہی نہیں، یعنی مرد عورتوں کے منتظم امور، محافظ، افسر یا حاکم ہیں۔ ضروری ہے کہ اَلرِّجَالُ سے مراد خاوند ہوں اور اَلنِّسَآءِ سے مراد بیویاں کیونکہ خاوند ہی اپنی بیویوں کے حاکم ہوتے ہیں نہ کہ بیٹے ماؤں کے نہ بھائی اپنی بہنوں کے نہ اجنبی لوگ اجنبی عورتوں کے اگلے مضمون سے یہ ہی معلوم ہو رہا ہے۔ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ رب نے خاوندوں کی سرداری کی دو وجہ بیان فرمائیں۔ ایک وہبی و عطائی، دوسری کسبی۔ عطائی وجہ کا ذکر اس عبارت میں ہے، کسبی وجہ کا ذکر اگلی عبارت میں لہٰذا ب سببیہ ہے اور جار مجرور قَوّٰمُوْنَ کے متعلق چونکہ وہبی و عطائی فضیلت کسبی فضیلت سے اعلیٰ ہے، نیز وہبی فضیلت تمام خاوندوں کو حاصل ہے۔ مگر کسبی فضیلت بعض خاوندوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ جیسے لونڈی بیوی کا خرچہ و مہر غلام خاوند کے مولیٰ کے ذمہ ہوتا ہے، بعض سسر گھر داماد رکھ کر سارا خرچہ زوجین کا خود اٹھاتے ہیں جیسے حضرت شعیب علیہ السلام ان وجوہ سے وہبی

فضیلت کا ذکر پہلے فرمایا، مایا تو موصولہ ہے یا مصدر یہ فضل تفضیل سے بنا بمعنی زیادتی دینا بزرگی دینا یہاں زیادتی سے مراد زیادتی درجات ہیں، بَعْضَهُمْ کی ضمیر کا مرجع مرد عورتیں دونوں ہیں۔ جن کا ذکر ابھی ہو چکا، چونکہ مرد اشرف ہیں اس لئے تغلیباً مذکر ضمیر لائی گئی، بَعْضَهُمْ سے مراد مرد ہیں اور عَلٰی بَعْضٍ سے مراد عورتیں یعنی مردوں کی سرداری کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے قدرتی طور پر مردوں کو عورتوں پر بزرگی بخشی کہ خاوند کو بیوی کا حاکم سردار بنایا چنانچہ امامت صغریٰ نماز کی امامت امامتہ الکبریٰ خلافت اذان خطبہ جمعہ تکبیرات تشریق نبوت، قضا، جہاد، کمال عقل کمال دین مردوں کو بخشے، مرد کو طلاق کا حق دیا۔ مرد کی میراث عموماً عورتوں سے دوگنا رکھی، مرد کو چار بیویوں کی اجازت دی، بشرطیکہ عدل رکھیں، بچہ کا نسب مرد سے جاری فرمایا وغیرہ وغیرہ، داڑھی، عمامہ، اچکن وغیرہ مردوں کیلئے زینت قرار دیا یہ وہ بزرگیاں ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا، فَضَّلَ ماضی فرمانے سے معلوم ہوا کہ مردوں کو عورتوں پر بزرگی ازل میں دی جا چکی ہے، یہ تفضیل کا قانون آسمان زمین کی پیدائش سے پہلے بن چکا ہے اور فضل باب تفعیل نے بتایا کی مردوں کو عورتوں پر بہت قسم کی صدہا بزرگیاں عطا ہوئی ہیں۔ وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ یہ مردوں کی افضلیت کی دوسری وجہ ہے جو کسبی ہے اور یہ عبارت بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ پر معطوف ہے، اَنْفَقُوْا انفاق سے بنا ہے جس کا مادہ نفقہ بمعنی خرچہ ہے، اس خرچہ سے مراد یا مہر ہے جو مرد کے ذمہ ہوتا ہے یا بیوی کا روٹی کپڑا اور دیگر ضروریات جو مرد کے ذمہ ہیں اس لئے اموال جمع فرمایا گیا کیونکہ مرد عورت کو ہر قسم کا مال دیتا ہے کھانا کپڑا مکان بلکہ بیماری میں دوا پرہیز بعد موت کفن دفن مرد ہی کرتا ہے یعنی مرد بیوی سے اس لئے بھی افضل کہ یہ اپنے مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔ اَنْفَقُوْا ماضی دوام واستمرار کے لئے ہے کیونکہ مرد ہمیشہ خرچ کرتا ہی رہتا ہے۔ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ مردوں کی دو وجہ افضلیت بیان فرما کر ارشاد ہوا کہ بیویاں دو قسم کی ہیں صالحات اور ناشزات چونکہ صالح بیوی ناشزہ نافرمان بیوی سے افضل ہے اس لئے پہلے اس کا ذکر فرمایا اس میں ف تفصیل کی ہے صالحات سے مراد یا نیک کار بیویاں ہیں یا نیک بخت بیویاں نیک کار و نیک بخت عورتیں بہت سی قسم و مختلف درجہ والی ہیں اس کی طرف اشارہ فرمانے کیلئے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا قَانِتَاتٌ قنوتٌ سے بنا بمعنی اطاعت رب فرماتا ہے وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (بقرہ: ۲۳۸) اور فرماتا ہے يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ (آل عمران: ۴۳) یہاں ظاہر یہ ہے کہ قنوت سے مراد اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے، بعض نے فرمایا کہ صالحات میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ذکر ہے اور قانتات میں خاوند کی اطاعت کا تذکرہ ہے خاوند کی موجودگی میں اور حافظات سے خاوند کی غیر موجودگی میں اطاعت کا ذکر ہے مگر پہلی توجیہ قوی ہے (از تفسیر کبیر) اور ممکن ہے کہ صالحات صلاحیت سے بنا ہو بمعنیٰ لیاقت وقابلیت یعنی مسلمان صالحین کے گھروں میں رہنے ان کے نکاح میں آنے کے لائق وہ بیویاں ہیں جو خاوند کی مطیع وغیرہ ہوں۔ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ میں حافظات کا مفعول پوشیدہ ہے اپنی عصمت یا خاوند کا مال اس کی عزت اس کی اولاد وغیرہ لِلْغَيْبِ میں

لام یا تعدیہ کا ہے بمعنی فی یا یہ ہی حافظات کا مفعول ہے یعنی نیک بخت بیویاں وہ ہیں جو خاوند کی اطاعت کریں اور اسکے پس پشت اپنی پاک دامنی یا خاوند کے مال اولاد وعہد وغیرہ کی حفاظت کریں یا خاوند کے چھپے اسرار کی حفاظت کریں (تفسیر کبیر ومعانی وخازن) بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ، ظاہر ہے یہ کہ یہ عبارت حافظات کے متعلق ہے ما یا موصولہ ہے یا مصدر یہ حَفِظَ کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی اس کے شکریہ میں وہ عورتیں یہ نیکیاں کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یا ان کے حقوق کی بہت حفاظت فرمائی کہ ان پر پردہ فرض فرما کر انہیں ناجائز نگاہوں سے بچالیا ان کا مہر، خرچہ، خاوند کے ذمہ مقرر فرما کر انہیں کمانے کی مشقت سے بچالیا ان کے بہت سے حقوق خاوندوں کے ذمہ کر دیئے یا انہیں عصمت کی توفیق دے کر ان کی حفاظت فرمادی یا اس طرح خاوند کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں، جیسے رب تعالیٰ نے انہیں حکم دیا، آخری توجیہ کی طرف حضرت مترجم قدس سرہ کا ترجمہ مشیر ہے۔ یہاں تک تو فرمانبردار نیک بخت بیویوں کا ذکر ہوا اب نافرمان بیوی کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ وَالّٰتِی تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ۔ تَخَافُوْنَ میں خطاب خاوندوں سے ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے، نشوز کے معنی ہیں اٹھنا۔ رب فرماتا ہے وَ اِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا (مجادلہ:۱۱) زوجہ کی نافرمانی کو نشوز اس لئے کہتے ہیں کہ وہ مرد کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی ہے یا نشز کے معنی ہیں بلند جگہ زوجہ کی نافرمانی کو نشوز اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے کو خاوند کے برابر اونچا سمجھنے لگتی ہے، اس لئے اس کی اطاعت نہیں کرتی، مقابلہ کرتی ہے، یعنی اے خاوندو جب تمہیں علامات سے پتہ لگے کہ بیوی نافرمان ہوئی جا رہی ہے تو۔ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ۔ ف جزائیہ ہے عظو وَعْظٌ سے بنا بمعنی نصیحت کرنا اُهْجُرُوْا هِجْرٌ سے بنا بمعنی چھوڑ دینا مَضَاجِع جمع ہے۔ مَضْجِعٌ کی بمعنی خوابگاہ بستر چارپائی وغیرہ ضرب یعنی مار میں قید یہ ہے کہ سخت تکلیف دہ مار نہ مارے بعض نے فرمایا رومال کو کوڑا بنا کر مارے بعض نے کہا مسواک سے مارے بعض نے فرمایا کہ تھپی سے مارے مگر تین سے زیادہ نہ مارے منہ پر چھڑی نہ مارے اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ مارنے میں جلدی نہ کرے پہلے نصیحت کرے۔ جب اس سے کام نہ چلے تو اسے گھر سے نہ نکالے بلکہ گھر ہی میں رکھ کر اس کا بائیکاٹ کر دے، بول چال بند کر دے۔ اگر اس پر بھی درست نہ ہو تو آخری حربہ مار ہے، بعض نے فرمایا کہ تھوڑے قصور پر نصیحت کرو، بڑے قصور پر ترک کلام اور بالکل نافرمانی پر سزا، مگر یہ سزا اصلاح کے لئے ہو نہ کہ عداوت کی بنا پر خیال رہے کہ قرآن کریم نے جہاں ایذا کی مار کا حکم دیا ہے وہاں مارنے کا آلہ اور مارنے کی حد بتا دی ہے کہ کنوارے زانی کو سو کوڑے مار و یا عفیفہ عورت کو زنا کی تہمت لگانے پر اسی کوڑے مارو اور اصلاح کی مار کی اجازت دی ہے وہاں یہ دونوں چیزیں نہ بتائیں کہ کس چیز سے مارو اور کتنا مارو یہاں ان بیویوں کو مارنے کا حکم نہیں بلکہ اجازت ہے اور مار بھی ایذا کی نہیں اصلاح کی ہے، اس لئے کوڑے وغیرہ کا ذکر نہیں، تعداد مقرر نہیں۔ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا۔ ف تعقیبیہ ہے لَا تَبْغُوْا بَغْیٌ سے بنا بمعنی ڈھونڈنا تلاش

کرنا چاہنا، سبیل سے مراد ہے مار پیٹ کا بہانہ یعنی اگر ان مذکورہ تین علاجوں میں سے کسی ذریعہ وہ نافرمانی چھوڑ دیں اطاعت کرلیں تو خواہ مخواہ ان پر ظلم کرنے کے بہانے نہ ڈھونڈو بلکہ انکے حقوق ادا کرو۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیْرًا۔ یہ جملہ خاوندوں کو سمجھانے کیلئے ہے۔ عَلِیٌّ عَلُوٌّ سے بنا بمعنی بلندی مراتب کبیر کِبْرٌ سے بنا بمعنی بڑائی درجات یا کَبِیْرًا عَلِیًّا کی صفت ہے یعنی تم اللہ تعالیٰ کے ہزار ہا گناہ کرتے ہو رب تعالیٰ تم پر قادر بھی ہے تمہارے عیوب سے خبردار بھی مگر پھر بھی وہ تم پر کرم نوازی فرماتا ہے۔ تمہارے عیب چھپاتا ہے تو تم بھی اپنی خطا کار بیویوں کو معافی دے دیا کرو۔

خلاصہء تفسیر

مرد یا خاوند عورتوں یا بیویوں کے افسر حاکم مقرر کیے گئے ہیں بیویاں ان کی ماتحت اس کی دو وجہ ہیں ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر بزرگی دی ہے کہ نبوت خلافت، قضاء حدود میں گواہی، جہاد وغیرہ مردوں کو ہی بخشے انہیں کامل عقل کامل دین بنایا عورتوں کی عقل بھی ناقص رکھی دین بھی کہ مالی معاملات میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر قرار دی، عورتیں بحالت حیض و نفاس نماز، تلاوت قرآن روزے وغیرہ سے محروم، مرد یہ کام ہمیشہ کرتے ہیں دوسرے یہ کہ مردوں نے عورتوں پر مال خرچ کیے ہیں کہ عورت کا مہر، خرچہ کفن دفن خاوند کے ذمہ ہے۔ مرد کا مہر خرچہ وغیرہ عورت کے ذمہ نہیں، اور قاعدہ ہے کہ خرچ دینے والا خرچ لینے والے کا حاکم ہوتا ہے، پس نیک کار نیک بخت بیویاں اپنے رب کی مطیع ہوتی ہیں خاوند کی پس پشت حفاظت کرتی ہیں کہ اپنی عصمت خاوند کا مال اولاد وغیرہ ضائع نہیں کرتیں، کیونکہ وہ سمجھتی ہیں کہ رب تعالیٰ نے ہر طرح ان کی حفاظت فرمائی ان پر پردہ فرض فرما کر ان کی عزت و عصمت محفوظ کردی خاوند کے ذمہ ان کا خرچہ وغیرہ مقرر فرما کر انہیں در بدر پھرنے سے بچالیا کہ کمائیں مرد کھائیں اور خرچ کریں عورتیں۔ ان کے متعلق خاوندوں کو بہت ہدائتیں فرمادیں اس شکریہ میں ہماری اطاعت خاوندوں کی فرمانبرداری کرتی ہیں۔ جن بیویوں کی نافرمانی کا تم کو خطرہ ہو تو فوراً طلاق کا ارادہ نہ کرلو بلکہ اولاً انہیں سمجھاؤ اس پر بھی باز نہ آویں تو انہیں گھر میں رکھتے ہوئے ان سے کلام سلام، محبت و پیار وغیرہ چھوڑ دو، اس پر بھی باز نہ آویں تو انہیں اصلاح کی غرض سے معمولی مار مارو مگر اطاعت کر لینے پر ان پر سختی کے لئے بہانے نہ تلاش کرو بلکہ محبت و پیار سے برتاؤ کرو یہ جان لو کہ تم عورتوں کے حاکم ہو، اللہ تعالیٰ تمہارا حاکم تم پر قابو رکھنے والا ہے، جب وہ تمہاری خطائیں بخشتا ہے تو تم بھی اپنی ماتحتوں کے جرم بخشو، خیال رہے کسبی نعمت سے عطائی نعمت بہت افضل ہے، کنوئیں، نہر، دریا کے پانی سے بارش کا پانی بہت مفید، چراغ و بجلی سے سورج اعلیٰ ہے، فرشتے ساجد بنے اور حضرت آدم مسجود، حالانکہ فرشتے اس وقت لاکھوں سال کے عابد تھے اور حضرت آدم نے ابھی ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا، ہم ہزار سال عبادت کرکے اس صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے جو ایک نظر حضور ﷺ کو دیکھ کر فوت ہو گئے، شیطان عطائی و کسبی فضیلت کا فرق نہ کرنے کی وجہ سے مردود ہوا۔ وہ یہی کہتا رہا کہ میں ان سے افضل ہوں کہ لاکھوں سال کا

عابد ہوں۔ اس لئے بِمَا فَضَّلَ اللہُ پہلے ارشاد ہوا، جو عطائی بزرگی ہے اور بِمَا اَنْفَقُوْا بعد میں فرمایا گیا، جو کسبی فضیلت ہے آج جو لوگ اپنے اعمال ظاہری پر نازاں ہو کر حضرات انبیاء سے ہم سری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کی مت ماری گئی ہے، اس حماقت سے شیطان لعنتی ہوا تھا۔

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: خاوند حاکم ہے، بیوی اس کی ماتحت خاوند گھر کا بادشاہ ہے بیوی گھر کی وزیر جیسا کہ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ سے معلوم ہوا لہٰذا جو عورت و مرد کو برابر کہے یا عورت کو مرد سے افضل مانے وہ قدرت کا مقابلہ کرتا ہے آج یورپین اقوام نے عورت و مرد میں برابری کی ہے مگر انہیں جو مصیبتیں بھگتنا پڑ رہی ہیں، اسے خود ہی جانتے ہیں کہ سال میں لاکھوں طلاقیں ہوتی ہیں، بات بات پر طلاق گھر صحیح معنی میں آباد نہیں۔ ملک میں دو برابر کے حاکم نہ چاہئیں، آسمان پر سورج ایک درخت کی جڑ ایک انسان کا دل ایک تو چاہئے کہ گھر کا حاکم اعلیٰ بھی ایک ہی ہو۔ **دوسرا فائدہ**: خاوند بیوی کی مار کا قصاص نہیں بیوی بدلہ میں اسے سزا نہیں دے سکتی۔ جیسا کہ آیت کریمہ کے شان نزول سے معلوم ہوا۔ اگر بڑا غلطی سے بھی چھوٹے کو سزا دیدے تب بھی چھوٹا بدلہ نہیں لے سکتا، دیکھو موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون سے درجہ میں بڑے تھے آپ نے غلطی سے حضرت ہارون کی ڈاڑھی پکڑ کر اپنی طرف کھینچا بعد میں اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ مگر بدلہ نہ دلوایا گیا۔ دیکھو قرآن مجید۔ **تیسرا فائدہ**: بیوی پر خاوند کا حق بہت ہی زیادہ ہے، دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ خاوند کے حق کا ذکر فرمایا کہ فرمایا قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ، لہٰذا نیک بی بی وہ ہے جو اللہ کی عبادت بھی کرے خاوند کی اطاعت بھی۔ **چوتھا فائدہ**: بیوی کا خرچہ خاوند کا ذمہ ہے جیسا کہ بِمَا اَنْفَقُوْا سے معلوم ہوا۔ اب عورتوں سے نوکری کرا کر خود کھانا یا بیویوں کے ان کے خرچہ کا خود انہیں ذمہ دار بنانا فطرت کے بھی خلاف ہے۔ قانون اسلامی کے بھی مخالف آج کل یہ وبا بہت پھیلی ہوئی ہے اس لئے عورتوں کو بی اے وغیرہ بنایا جاتا ہے کہ کل بعد شادی خود نوکری کریں اور کھائیں۔ مشہور ہے کہ عورت کی کمائی میں برکت نہیں مرد کے خرچ کرنے میں رحمت نہیں مرد کمانے کے لئے ہے عورت خرچ کرنے کے لئے۔ **پانچواں فائدہ**: خرچ دینے والا خرچ لینے والے سے افضل ہوتا ہے۔ یہ بھی بِمَا اَنْفَقُوْا سے معلوم ہوا نوکر سے آقا افضل ہے کیونکہ وہ اس سے تنخواہ لیتا ہے، آج جو لوگ عورت و مرد کی برابری کے قائل ہیں انہیں چاہئے کہ وہ بیویوں سے بھی خاوندوں کو مہر دلوایا کریں۔

لطیفہ: حضرت امام شافعی وغیرہم فرماتے ہیں کہ خاوند کی طرف سے خرچ نہ مل سکنے پر حاکم فسخ نکاح کر سکتا ہے۔ وہ بِمَا اَنْفَقُوْا سے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں کیونکہ جب خاوند نے خرچ نہ دیا تو وہ عورت پر قوام نہ رہا اس لئے طلاق کا مالک بھی نہ رہا (تفسیر روح المعانی) مگر یہ استدلال بہت ہی کمزور ہے کیونکہ مہر نہ دینے پر ان کے ہاں بھی نکاح فسخ نہیں ہو سکتا حالانکہ مہر و نفقہ دونوں ہی خاوند پر لازم ہیں، امام اعظم کے ہاں خرچ نہ ملنے پر فسخ نکاح نہیں ہو سکتا، خیال رہے کہ

بیوی کو خرچہ نہ ملنے کی دو صورتوں ہیں ایک یہ کہ خاوند خرچہ دے نہ سکے، غریبی یا غائب ہونے کی وجہ سے، دوسرے یہ کہ دے سکتا ہو مگر نہ دے ظلمًا اسے فقہ میں **تعنت فی النفقه** کہتے ہیں، امام مالک کے ہاں **متعنت** کی زوجہ بھی حاکم سے فسخ نکاح کرا سکتی ہے آج کل ہمارے علماء احناف بھی ضرورت کے وقت **متعنت فی النفقه** کی عورت کو فسخ نکاح کا حق دے دیتے ہیں، دیکھو کتاب الحیلۃ الناجزہ مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی و کتاب مجموعہ فتاوی مصنفہ مولانا عبدالحفیظ صاحب مفتی آگرہ۔ **مسئلہ**: بعض ائمہ کے نزدیک خاوند بیوی کو مجور التصرف کر سکتا ہے، اس طرح کہ عورت بغیر خاوند کی اجازت کوئی مال معاملہ بیع شراء وغیرہ اپنے مال میں بھی نہ کر سکے وہ یہ مسئلہ بھی **بِمَا اَنْفَقُوْا** سے ثابت کرتے ہیں (روح المعانی)۔ **چھٹا فائدہ**: عورتوں پر اجنبی مردوں سے پردہ کرنا ضروری ہے جیسا کہ **بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: عورت کا بلا مجبوری گھر سے نکلنا ممنوع ہے جیسا کہ **بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا، رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ** (احزاب: ۳۳) اے بیویو اپنے گھروں میں رہا کرو۔ **آٹھواں فائدہ**: عورتوں کے حقوق کا ادا کرنا اسلام کا اہم ترین فریضہ ہے، جس کی پرسش رب تعالیٰ ضرور فرمائے گا، جیسا کہ **بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ** کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ**: نافرمان عورت کو طلاق دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ حتی الامکان اس کی سختی مزاج پر صبر کرے کہ اس پر بڑا اجر ہے، فرمایا نبی ﷺ نے کہ عورت کی پیدائش پسلی کے ٹیڑھے حصہ سے ہے یہ ٹیڑھی ہی رہے گی سیدھی نہ ہو سکے گی، دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں ان کی اصلاح کی تین صورتیں بیان فرمائیں، نصیحت کرنا، بائیکاٹ کرنا مارنا مگر طلاق کا حکم نہ دیا۔ حتی الامکان بیوی سے نباہ کرنا چاہئے۔ **دسواں فائدہ**: بائیکاٹ یعنی کلام سلام بند کرنا بہترین اصلاح ہے، حضور ﷺ نے حضرت کعب ابن مالک وغیرہم کے مکمل بائیکاٹ کا حکم دیا تھا، جو پچاس دن رہا، مار پیٹ شور غل اچھی چیز نہیں خاموشی سے وہ کام نکلتے ہیں جو شور سے نہیں نکلتے یہ فائدہ **وَاهْجُرُوْهُنَّ** سے حاصل ہوا۔ **گیارھواں فائدہ**: نافرمان عورت کو گھر سے نہ نکالو اس سے وہ آوارہ ہو جائے گی بلکہ گھر میں رکھ کر اس کی اصلاح کرو پھر جیسا کہ **فِی الْمَضَاجِعِ** سے معلوم ہوا۔ **بارھواں فائدہ**: نافرمانی پر بیوی کو خاوند مار سکتا ہے مگر اصلاح کی مار مارے نہ کی ایذاء کی مار جیسے شاگرد کو استاد یا اولاد کو ماں باپ مارتے ہیں، اصلاح کیلئے یہ فائدہ **وَاضْرِبُوْهُنَّ** سے حاصل ہوا۔ روح المعانی نے فرمایا کہ چار قصوروں پر خاوند بیوی کو مار سکتا ہے۔ خاوند عورت کی زینت چاہے وہ نہ کرے، خاوند اسے اپنے پاس بلائے وہ بلا وجہ نہ آئے۔ عورت نماز وغیرہ بلا وجہ ترک کرے خلاف شرع عمل کرے، عورت بغیر خاوند کی اجازت گھر سے باہر پھرے۔ **تیرھواں فائدہ**: بلا قصور بیوی کو مارنا سخت ممنوع ہے جسکی پکڑ رب کے ہاں ضرور ہوگی، جیسا کہ **لَا تَبْغُوْا** الخ سے معلوم ہوا، **چودھواں فائدہ**: مسلمان کو چاہئے کہ اخلاق اللہ اختیار کرے، مجرموں کو معافی دینا قصور والوں سے درگزر کرنا توبہ کرنے پر گزشتہ خطاؤں کو یاد نہ کرنا، جیسا کہ **اِنَّ اللّٰهَ**

كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ غرض کہ یہ آیت کریمہ تدبیر منزل کی جامع آیت ہے اس پر عمل کرنے سے ہمارے گھر جنت کا نمونہ بن سکتے ہیں افسوس کہ قرآن کی تعلیم ہوتے ہوئے مسلمان خوار ہیں شعر

وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہوکر — اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر

اعتراضات

پہلا اعتراض: مردوں کو حاکم عورتوں کو محکوم قرار دینا ظلم ہے۔ مرد عورت دونوں اللہ کے بندے ہیں۔ برابر ہونے چاہئیں (موجودہ آزاد خیال) **جواب:** جسم کے اعضاء برابر نہیں، آسمان کے تارے یکساں نہیں، درخت میں جڑ وشاخیں برابر نہیں۔ ملک میں بادشاہ اور رعایا برابر نہیں، امیر وغریب برابر نہیں، پھر عورت ومرد برابر کیسے ہوسکتے ہیں، فرق مراتب پر دنیا قائم ہے، عورت کو مرد کا وزیر بنایا گیا ہے، اس میں اُس کی عزت ہے اسے ذلیل نہیں کیا گیا، قرآن مجید میں سورہ النساء تو ہے مگر الرجال نہیں اسلام نے عورت کو بہت ہی عزت دی جو اس کے لائق تھی۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اسلام میں مرد عورتوں سے افضل ہیں، تو کیا ہم جیسے گنہگار مرد حضرت عائشہ صدیقہ وحضرت فاطمہؓ جیسی عورتوں افضل ہیں۔ **جواب:** یہاں مردوں سے مراد خاوند ہیں عورتوں سے مراد بیویاں ہیں، حضرت عائشہ صدیقہؓ وفاطمہ زہرہؓ جیسی ہستیوں کا تقابل اپنی ذات سے نہ کرو بلکہ کہو حضرت فاطمہ زہرہؓ سے حضرت علی مرتضی افضل ہیں کہ ان کے خاوند ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ سے حضور ﷺ افضل اور اگر یہاں رجال بمعنی مرد ہی ہوں تب بھی الرجال میں الف لام استغراقی نہیں بلکہ جنسی ہے لہٰذا آیۃ کے معنی یہ نہیں کی سارے مرد ساری عورتوں سے افضل ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ماہیت مرد رجولیت ماہیت عورتیت یعنی نسوانیت سے اعلیٰ وافضل ہے، ماہیت وحقیقت کی افضلیت اور ہے افراد کی افضلیت کچھ اور مگر پہلا جواب قوی ہے، کیونکہ آیۃ کریمہ کے اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں خاوند اور بیوی کا ذکر ہے۔ مہر وغیرہ خاوند ہی دیتا ہے، لہٰذا آیت کریمہ بالکل واضح ہے۔

تیسرا اعتراض: حضرت آسیہ مومنہ بیوی تھیں اور فرعون کافر ان کا خاوند تو کہا جاسکتا ہے کہ فرعون کافر بی بی آسیہ سے افضل تھا اب بھی بعض بیویاں صالحہ ہوتی ہیں اور خاوند فاسق وبدکار۔ **جواب:** خاوند اگرچہ فاسق بلکہ کافر ہو، بیوی اگرچہ مومنہ صالحہ ہو مگر دنیاوی احکام میں خاوند حاکم ہے، بیوی محکومہ بیوی پر خاوند کے ہر جائز احکام ماننا لازم ہیں، ہماری شریعت میں تو کافر مرد کی عورت مومنہ ہوسکتی ہی نہیں اگر مرد کافر ہوجاوے تو اس کی مومنہ بیوی اس کے نکاح سے خارج ہوجاوے گی، جن شریعتوں میں کافر مومن کے نکاح درست تھے، ان میں بھی خاوند حاکم تھا بیوی محکومہ تھی رہی اُخروی فضیلت یہ مومنہ بیوی کو حاصل ہے نہ کہ کافر خاوند کو یہاں قرآن کریم میں دنیاوی برتری کا ذکر فرمایا ہے اسی لئے قَوّٰمُوْنَ فرمایا۔

چوتھا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے خاوند کو بیوی پر بزرگی کیوں دی، اس کے برعکس بیوی کو خاوند پر عظمت دی ہوتی

اور خاوند کا خرچہ بیوی کے ذمہ رکھا ہوتا۔ **جواب**: اسلئے کہ مرد اصل ہے عورت شاخ، آدم علیہ السلام کی پسلی سے بیوی حواء پیدا ہوئیں اور اصل اپنی فرع سے افضل ہونی چاہئے، نیز عورتوں پر ماہوار اور سالانہ ایسے عوارض وارد ہوتے ہیں کہ اس وقت وہ کسی محنت و کاروبار کے لائق نہیں ہوتی ماہواری ناپاکی، بچہ کی پیدائش پر نفاس پھر بچہ کی پرورش اسے دودھ دینا وغیرہ عورت کو دوسرے کاموں کے لائق نہیں رہنے دیتے اگر مرد کا خرچ بیوی کے ذمہ ہوتا تو بہت ہی دشواریاں ہو جاتیں، نیز بچہ کی جانی پرورش تو ماں کے ذمہ ہوتی ہے اگر مالی پرورش بھی اس کے ذمہ ہوتی باپ بالکل آزاد رہتا تو عورت پر ظلم ہوتا، اس لئے رب نے جانی پرورش ماں پر مالی پرورش باپ پر رکھی۔

پانچواں اعتراض: یہاں عورتوں کی اصلاح کیلئے تین طریقہ کیوں مقرر فرمائے۔ نصیحت، بائیکاٹ دو چیزیں کیوں چھوڑ دیں جن کا آج مسلمانوں میں عام رواج ہے، یعنی گالیاں دینا اور اسے گھر سے نکال کر خرچہ بند کر لینا انہیں اجاڑ کر رکھ دینا۔ **جواب**: اس لئے کہ قرآن کریم تمام جہان کی دائمی ہدایت کے لئے آیا، عورتیں تین ہی قسم کی ہیں، نہایت شریف جو صرف نصیحت سے مان جاتی ہیں، درمیانی طبقہ کی جن پر صرف زبانی نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔ ہاں ترک تعلق و بائیکاٹ سے اثر لیتی ہیں، ادنےٰ طبقہ کی جن پر یہ دونوں طریقہ اثر نہیں کرتے، پہلی قسم کی عورتوں کیلئے صرف زبانی نصیحت ہے دوسرے طبقہ کیلئے بائیکاٹ اور تیسرے طبقہ کیلئے کچھ مار پیٹ حضور ﷺ کی نو بیویاں رہیں آپس میں سوکنوں میں کچھ رنجش بھی کبھی کبھی ہو جاتی تھی مگر آپ نے کبھی کسی بیوی صاحبہ کو نہ مارا ان پر بہت ہی مہربانی فرمائی بلکہ فرمایا جو لوگ اپنی عورتوں کا مارتے پیٹتے رہتے ہیں وہ اچھے نہیں۔ مگر انہیں گالیاں دینا۔ اس میں اپنی زبان گندی ہوتی ہے، شور مچتا ہے تو محلہ میں اپنے گھر کی بدنامی ہوتی ہے اور بیوی بھی گالیاں سن کر زبان دراز ہوتی ہے اور انہیں گھر سے نکال کر اجاڑ دینے میں ان کی حق تلفی ہے، روزی جانور کی بھی بند نہ کرنی چاہئے، یہ مذکورہ تین طریقہ اصلاح کے لئے بہت مفید ہیں۔

چھٹا اعتراض: بیویوں کو مارنا ان پر ظلم ہے پھر اس کی اجازت کیوں دی گئی (عیسائی)۔ **جواب**: ظلم نہیں بلکہ ان کی اصلاح ہے، جیسے کبھی اپنے بچوں کو شاگردوں کو مارنا اصلاح ہے، اس لئے یہاں فرمایا گیا کہ اگر وہ اطاعت کرنے لگ جاویں تو ان پر مار پیٹ کی راہ نہ ڈھونڈو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا فَاضْرِبُوْا هُنَّ غَيْرَ مبوح، ضرورةً بیویوں کو مارو مگر سخت اور زیادہ تکلیف دہ مار نہ لگاؤ۔ نافرمان عورت کو ایک دم طلاق دے دینے سے بہتر یہ ہے کہ آہستگی سے اس کی اصلاح کر دی جاوے گھر نہ بگڑنے دیا جاوے آج یورپ میں جو بات بات پر طلاقیں ہو رہی ہیں، اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے ملک میں خاوندوں کو عورتوں کی اصلاح کی اجازت نہیں۔

تفسیر صوفیانہ انسان چند قسم کے ہیں رحمان والے، نفسانی خواہشات والے، شیطان والے، یعنی ابرار فجار کفار یا یوں کہو کہ دیندار اور دنیادار پہلی قسم کے لوگ مرد یعنی بہادر ہیں، دوسری قسم کے

لوگ عورتیں یعنی بزدل ہیں فرمایا جارہا ہے کہ مرد و بہادر لوگ ان بزدلوں کے افسر ہیں، یہ ان کے ماتحت اوّلاً تو اس لئے کہ اللہ نے انہیں بزرگی دی ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ لوگ ہمیشہ روحانی فیوض و برکات ان پر خرچ کرتے رہتے ہیں، دینا داروں میں نیک وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کریں اور اپنے پیشوا روحانی کی اطاعت بھی کہ ان کی اطاعت دونوں جہان کی سعادت کا ذریعہ ہے اے ہمارے مقبول بندو اگر تم کو اپنے دنیادار ماتحتوں سے نافرمانی کا اندیشہ ہو تو تم ان کی اصلاح کے تین یہ طریقہ اختیار کرو، پہلے زبانی نصیحت، اگر اس سے کام نہ چلے تو ان سے ظاہری طور پر ترک تعلق اگر اس پر بھی ان کی اصلاح نہ ہو تو ان کی مار توڑ کرو، مریدین باصفا کو چاہئے کہ شیخ کی گرمی پر تحمل کریں اور سمجھیں کہ اس میں کوئی مصلحت ہے زبان طعن دراز نہ کریں، مولانا فرماتے ہیں۔

چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

گروہ مشائخ اگر تمہارے خدام مرید باز آجاویں تو انہیں معافی دیدو رب تعالیٰ تم کو بھی معافی دیتا ہی رہتا ہے، فرماتے ہیں نبی ﷺ اَلتَّـائِبُ مِنَ الذَّنبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ، گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے، جیسے اس سے گناہ ہوا ہی نہیں۔ خیال رہے کہ مشائخ کا اپنے مریدین سے عارضی بائیکاٹ کرنا حدیث کعب سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے پچاس دن ان سے کلام نہ فرمایا یہ بائیکاٹ ان کی اصلاح کا بہترین ذریعہ بنا جس کا ذکر سورہ توبہ میں ہے اور مشائخ کا اپنے مریدوں کو مارنا پیٹنا اسلامی سزاؤں سے ماخوذ ہے زانی پر کوڑے، چور کے ہاتھ کاٹنا اصلاح کا تیسرا درجہ ہے۔

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ
اور اگر ڈرو تم جھگڑے سے ان زوجین کے درمیان تو بھیجو ایک پنچ خاوند کے گھر والوں سے اور
اور اگر تم کو میاں بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک پنچ مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور
حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ
ایک پنچ بیوی کے گھر والوں سے اگر ارادہ کریں وہ دونوں اتفاق کا تو موافقت کردیگا اللہ
ایک پنچ عورت والوں کی طرف سے یہ دونوں اگر صلح کرنا چاہئیں گے تو اللہ ان میں میل
بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾
درمیان ان کے۔ بے شک اللہ ہے جاننے والا خبردار
کردے گا۔ بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں زوجین کے معمولی جھگڑوں کو آپس میں طے کر لینے کے طریقے ارشاد ہوئے کہ خاوند نصیحت، بائیکاٹ، معمولی مار پیٹ سے عورت کو درست کرے۔ اب دوسروں کے ذریعے زوجین کے بڑے اختلاف کو دور کرنے کا طریقہ ارشاد ہو رہا ہے چونکہ معمولی اختلافات دن رات ہوتے رہتے ہیں۔ بڑے اختلاف کبھی کبھی لہٰذا پہلے معمولی جھگڑوں کا ذکر فرمایا گیا۔ اب بعد میں بڑے جھگڑوں کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کا مقصد یہ تھا کہ بیوی کی نافرمانی پر طلاق کا ارادہ نہ کرو بلکہ اصلاح کی کوشش کرو اب فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم اس کوشش میں ناکام بھی رہ جاؤ۔ تمہاری نصیحت، بائیکاٹ مار پیٹ بھی کارگر نہ ہو تب بھی طلاق کی طرف نہ دوڑو بلکہ عزیز رشتہ داروں کو بیچ میں ڈال کر حالات درست کر لو۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ رب تعالےٰ بڑا بلند ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ باوجودیکہ تم بہت پست اور چھوٹے ہو اور رب بڑی شان والا ہے مگر اس کے باوجود وہ تم کو چھوڑتا نہیں یا براہ راست یا اپنے مقبول بندوں کی معرفت تمہارے گناہ بخشتا رہتا ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ تم بھی حتی الامکان اپنی قصوروار بیوی کو چھوڑو مت براہ راست درست نہ ہو تو کسی کی معرفت درست کر لو اور دیرینہ تعلق کو جلدی ختم نہ کر دو۔ خیال رہے کہ معمولی گناہوں پر توبہ کا حکم ہے اور بڑے گناہوں پر توبہ کے ساتھ کفارہ یا مقبول بندوں کے توسل کی ضرورت ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل کے ایک خاص گناہ کی توبہ قبول نہ فرمائی۔ اچھوں کے وسیلہ کا حکم دیا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ (بقرہ:۵۸)۔ آدم علیہ السلام نے گندم کھا کر تین سو سال توبہ کی قبول نہ ہوئی۔ حضور کے توسل سے قبول ہوئی۔ فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (بقرہ:۳۷)۔

تفسیر

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا ۔ یا تو خِفْتُمْ میں خطاب عام مسلمانوں سے ہے یا حکام سے یا خود زوجین کے عزیز رشتہ داروں سے آخری چوتھا احتمال زیادہ قوی ہے۔ خوف سے مراد یا تو ڈر ہے یا ڈر کی بات محسوس کرنا سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ خِفْتُمْ بمعنی عَلِمْتُمْ ہے۔ اس صورت میں آیت بالکل واضح ہے۔ شِقَاقٌ شِقٌّ سے بنا، شق کے معنی جانب و کنارہ بھی ہیں۔ مشقت آیا نا گواری بھی بانس کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا بھی مخالفت و اختلاف کو شق یا شقاق اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے ہر فریق دوسرے سے کنارہ پر ہو جاتا ہے یا ایسی باتیں کرتا ہے جو دوسرے پر گراں گذرے اُسے مشقت میں ڈالے یا پھٹ کر اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ اصل میں شِقَاقًا بَيْنِهِمَا تھا اس طرح کہ شِقَاقَ خِفْتُمْ کا مفعول بہ تھا اور بَيْنِهِمَا شِقَاقَ کا ظرف مگر شِقَاقَ کو بَيْنِهِمَا کی طرف مضاف کر دیا گیا جیسے مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ (سباء:۳۳) میں یا صوم الیوم میں۔ **وَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا** ۔ جتنے احتمالات خِفْتُمْ کے مخاطب میں تھے۔ اتنے ہی احتمال اِبْعَثُوْا کے مخاطب میں ہوں گے کہ یا سارے مسلمان مراد ہیں یا حکام یا خود زوجین یا عزیز رشتہ دار۔ بھیجنے

سے مراد بلانا، جمع کرنا یا زوجین کے پاس بھیجنا یا کسی تیسری جگہ بھیجنا جہاں میاں بیوی جمع ہو سکیں گے۔ حَکَمًا حکم سے بنا بمعنی فیصلہ کرنا۔ حاکم عام فیصلہ کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔ حَکَمٌ خاص فیصلہ کرنے والے کو جسے اردو میں پنچ کہتے ہیں۔ یہاں حکم فرما کر اشارۃً فرمایا کہ حتے الامکان زوجین کے جھگڑے حکام کے پاس کچہری میں نہ لے جاؤ کہ وہاں کھلی عدالت میں ان کے حالات پیش ہوں گے تو اس میں ان زوجین کی بدنامی بھی ہوگی اور راز افشائی بھی۔ بلکہ حکم کے پاس بھی زوجین نہ جائیں زوجین کے پاس حکم جائیں۔ اہل سے مراد خاص قریبی رشتہ دار ہیں جو عموماً وجہ اختلاف جانتے ہیں نیز زوجین کو ان سے اپنے جھگڑے پیش کرنے میں جھجک نہیں ہوتی اور دونوں کے عزیز و قرابت دار پر حکم بھیجنے میں طرفداری کا الزام بھی نہیں لگ سکتا یعنی اے مسلمانوں کے حکام یا اے زوجین یا اے زوجین کے عزیزو! اگر تم زوجین کا ایسا جھگڑا محسوس کرو جسے وہ آپس میں طے نہیں کر سکتے تو بھی نہ تو زوج جلدی طلاق دے نہ بیوی جلدی خلع کرے۔ نہ فوراً کچہری بھاگیں نہ عام مجلسوں میں اپنے جھگڑے پیش کریں بلکہ ایک پنچ خاوند کے عزیزوں میں سے اور دوسرا پنچ بیوی کے قرابت داروں میں سے یا زوجین کے گھر یا کسی اور تیسری جگہ بھیج دو۔ پنچ مرد ہو عادل ہو، ثقہ ہو، سیاست دان ہو۔ مصلحت سے واقف اور زوجین کا خیر خواہ ہو (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا۔ یُرِیْدَا اور بَیْنَهُمَا کی ضمیریں یا تو دونوں کی طرف لوٹتی ہیں یا میاں بیوی کی طرف یا پہلی حکمین کی طرف دوسری زوجین کی طرف یا اس کے برعکس پہلی زوجین کی طرف۔ دوسری حکمین کی طرف لہٰذا اس جملہ کی چار تفسیریں ہو سکتی ہیں (صاوی) اصلاح سے مراد فساد کا مقابل ہے یعنی درستی یا اتفاق زوجین توفیق کے معنی ہوتے ہیں، اسباب خیر جمع فرما دینا مگر یہاں مراد ہے دونوں میاں بیوی کو متفق کر دینا۔ یعنی دونوں پنچ اخلاص کے ساتھ اصلاح کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں پنچوں کو متفق کر دے گا جس سے وہ متفقہ طور پر فریقین کے لئے قابل قبول فیصلہ کر سکیں گے یا اگر دونوں پنچ بہ نیت خیر اصلاح کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ زوجین میں اتفاق پیدا فرما دے گا۔ ان کی نیت خیر کا اثر زوجین پر پڑے گا یا اگر زوجین کی نیت میں فساد نہ ہو امائل بہ اصلاح ہوئے تو اللہ تعالیٰ پنچوں کے ذریعہ ان زوجین میں اتفاق دے دے گا یا اگر زوجین بہ نیت خیر اصلاح کی خواہش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان پنچوں کو کسی اچھے فیصلہ پر متفق فرما دے گا (تفسیر صاوی) اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا۔ اس جملہ میں پنچوں اور میاں بیوی کو اخلاص و ارادہ اصلاح کی ترغیب ہے۔ علم سے مراد ہے ظاہری چیزوں کا علم۔ خبیر سے مراد ہے باطنی حالات پر اطلاع یا اس کے برعکس یا علم سے مراد ہے کلیات کا علم اور خبیر سے مراد ہے جزئیات پر اطلاع یا علم سے مراد ہے دونوں پنچوں کی کوشش کا علم خبر سے مراد ہے دونوں میاں بیوی کی نیت کا جاننا یعنی اے پنچو یا اے میاں بیویو اپنی محبت و کوشش خیر کرو اللہ تعالیٰ تمہارے قول کو جانتا ہے احوال سے خبردار ہے ظاہر و باطن کی درستی کرو۔

خلاصہ تفسیر تفسیر میں پتہ چل گیا کہ اس آیت کی چند تفسیریں ہوسکتی ہیں مگر ہم صرف ایک تفسیر عرض کرتے ہیں اے میاں بیوی کے عزیز رشتہ دارو اگر تم زوجین میں بہت زیادہ اختلاف محسوس کرو جو اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ خاوند کی کوشش سے دور نہیں ہوسکتا تو دو پنچوں کو اصلاح کے لئے بیچ میں ڈالو جن میں سے ایک خاوند کا خاص عزیز ہو دوسرا بیوی کا قریبی رشتہ دار انہیں زوجین کے پاس بھیجو۔ اگر یہ پنچ ان کی اصلاح کا تہہ دل سے ارادہ کرلیں اور طے کرلیں کہ ہم نے دو جدا سروں کو جوڑنا ہی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان زوجین کے دل جوڑ دے گا انہیں صلح کر لینے کی توفیق بخشے گا۔ اے پنچو اور اے زوجین اپنی نیت خیر کرو اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر و باطن اقوال واحوال کو بخوبی جانتا ہے اس سے ڈرتے رہو۔ خیال رہے کہ جھگڑے یا جنگ وجدائی کی تین قسمیں ہیں۔ اختلاف رائے کا جھگڑا و جنگ اسے اختلاف کہتے ہیں جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام سے جھگڑا یا حضرت سارہ و ہاجرہ کا اختلاف۔ ذاتی عداوت کا جھگڑا جیسے عام جھگڑے وفسادا سے خلاف کہتے ہیں۔ مذہبی جھگڑے و جنگ جیسے مسلمانوں کا کفار سے لڑنا اسے جہاد کہتے ہیں۔ پہلی قسم یعنی اختلاف نہ کفر ہے نہ فسق بلکہ غلطی ہے اس کا حکم ہے پنچوں کا بیچ میں پڑ کر صلح کر دینا وہ ہی یہاں مراد ہے۔ دیکھو یہاں رب نے خاوند و بیوی کو فاسق نہ فرمایا بلکہ صلح کا حکم دیا۔ دوسری جگہ فرماتا ہے: وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا الخ (حجرات:۹)۔ دوسری قسم کا جھگڑا فسق ہے۔ حضور فرماتے ہیں قاتل مقتول دونوں دوزخی رب فرماتا ہے: وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ (النساء:۹۳)، اور تیسرے قسم کے جھگڑے وجنگ کا نام جہاد ہے جو عبادت ہے۔ حضرات صحابہ کرام کی آپس کی جنگیں پہلی قسم کی ہیں یعنی اختلاف۔ اسی لئے امیر معاویہ و حضرت علی کی اور امام حسن و امیر معاویہ کی آخر میں صلح ہوگئی لہٰذا وہ سب متقی ہیں کوئی ان میں فاسق نہیں۔ وہاں اختلاف رائے یہ تھا کہ امیر معاویہ و حضرت عائشہ کی رائے تھی کہ خون عثمان کا قصاص مقدم ہے۔ حضرت علی کی رائے تھی کہ استحکام خلافت مقدم ہے۔ جب برادرانِ یوسف علیہ السلام ہدایت کے تارے ہیں باوجود اس اختلاف کے تو حضور کے صحابہ بھی تارے ہیں۔ اگرچہ آپس میں اختلاف کریں۔

ضروری نوٹ: ضروری جنگ صفین وغیرہ کے بعد حضرت علی نے جناب ابوموسیٰ اشعری کو اور حضرت امیر معاویہ نے عمرو ابن عاص کو اپنا پنچ مقرر کردیا جو ان دونوں حضرات میں صلح کرادیں۔ ان دونوں پنچوں نے بیچ میں پڑ کر صلح کی کوشش کی جو کامیاب نہ ہوسکی اور حال یہ ہوگیا کہ خلافت کی تقسیم کردی۔ عراق وغیرہ حضرت علی کو اور شام وغیرہ امیر معاویہ کو دے دیا۔ حضرت علی کا دار الخلافہ کوفہ مقرر ہوگیا اور امیر معاویہ کا دار الخلافہ دمشق۔ اس پنچ مقرر کرنے پر جناب علی کی فوج میں سے پچیس ہزار سپاہی وغیرہ آپ سے علیحدہ ہوگئے اور کہنے لگے کہ علیؓ و معاویہؓ دونوں مشرک ہوگئے کہ انہوں نے خدا کے سوا لوگوں کو حاکم یا حکم مان لیا حالانکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف:۴۰) حکم تو اللہ

تعالٰی ہی کا ہے۔ جناب علی رضی اللہ عنہ نے خیرامت سیدنا عبداللہ ابن عباس کو ان کی فہمائش کے لئے بھیجا چنانچہ آپ ان خوارج کے پاس تشریف لے گئے ان لوگوں نے یہ ہی اعتراض پیش کیا۔ حضرت ابن عباس نے جواب میں یہ ہی آیت کریمہ پیش فرما کر فرمایا کہ جب میاں بیوی کا جھگڑا چکانے کیلئے دو حکم پنچ بنانا شرک نہیں تو اتنے بڑے معاملہ کو سلجھانے کیلئے بھی پنچ مقرر کرنا شرک نہیں ہو سکتا، حضرت علی و معاویہ کا یہ عمل بالکل درست اور اس آیت کے ماتحت ہے اس اعلٰی جواب پر بیس ہزار نے توبہ کر لی پانچ ہزار اپنی ضد پر قائم رہے انہی سے حضرت علی کی جنگ ہوئی۔ جس میں یہ سارے تیغ حیدری سے مارے گئے پانچ بچے (از روح المعانی) وغیرہ ان ہی کو خوارج کہا جاتا ہے ان ہی کی ذرّیت نے آج مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی آگ لگا دی ہے، یہی لوگ بات بات پر مسلمانوں کو مشرک و بدعتی کہتے ہیں۔

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: لڑے ہوئے میاں بیوی میں صلح کرا دینا بہترین عبادت ہے اس کارِ خیر میں جو لوگ کوشش کریں گے سب کو ثواب ملے گا، جیسا کہ وَاِنْ خِفْتُمْ کی تفسیروں سے معلوم ہوا، اسی طرح مسلمانوں میں صلح کرانا بہترین عمل ہے، حضور ﷺ نے ایسے صلح کرانے والے کو ہرا بھرا رہنے کی دعائیں دی ہیں۔ **دوسرا فائدہ**: صلح کرانے کے لئے پنچ مقرر کر دینا اعلٰی چیز ہے۔ **تیسرا فائدہ**: غیر خدا کو حاکم یا حکم یا پنچ بنانا شرک و کفر نہیں بلکہ رب تعالٰی کا حکم ہے، حضرات صحابہ نے اس پر عمل فرمایا، حضور ﷺ نے بنی قریظہ کے کہنے پر سعد ابن معاذ کو پنچ مقرر فرمایا تھا، جنہوں نے بنی قریظہ کے قتل کا فیصلہ فرمایا۔ **چوتھا فائدہ**: بہتر یہ ہے کہ پنچ صرف ایک نہ ہو بلکہ دونوں فریقین کی طرف سے ایک ایک تاکہ پنچ پر طرفداری کا الزام نہ ہو جیسا کہ دو جگہ حَکَمًا فرمانے سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: بہتر یہ ہے کہ میاں بیوی کے پنچ ان کے خاص عزیز ہوں جو ان کے واقعات سے خبردار ہوں اور جن سے میاں بیوی اپنے خیالات کھل کر کہہ سکیں اجنبی پنچوں سے یہ فائدہ نہ ہوگا۔ امام مالک کے ہاں یہ واجب ہے کہ دونوں پنچ عزیز و اقارب ہوں (روح المعانی)۔ **چھٹا فائدہ**: بہتر یہ ہے کہ میاں بیوی کے جھگڑے عدالت میں پیش نہ ہوں کہ عدالتیں کھلی ہوتی ہیں اور انکے درمیان کبھی راز ہوتے ہیں۔ جن کا اظہار مناسب نہیں، دیکھو رب نے یہاں پنچ مقرر کرنے کا حکم دیا۔ حکام کے پاس جانے کا حکم نہ دیا۔ **ساتواں فائدہ**: بہتر یہ ہے کہ پنچ میاں بیوی کو اپنے گھر نہ بلائیں بلکہ خود ان کے گھر جائیں یا کسی تیسری جگہ یہ تمام جمع ہوں جیسا کہ فَابْعَثُوْا کی تفسیروں سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**: ان پنچوں کو صلح کرانے کا تو حق ہوگا مگر صلح نہ ہو سکنے کی صورت میں طلاق واقع کر دینے کا حق نہ ہوگا۔ جیسا کہ اِنْ يُّرِيْدَآ الخ سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ**: غیر خدا کو حاکم یا حکم بنانا شرک یا گناہ نہیں بلکہ حکم قرآنی ہے اور سنتِ رسول و سنتِ صحابہ ہے یوں ہی غیر خدا سے فریاد کرنا داد چاہنا انہیں مشکل کشا حاجت روا سمجھنا ان سے مدد لینا سنتِ انبیاء ہے، یوسف علیہ السلام کی قمیص یعقوب علیہ السلام کے لئے مشکل کشا ہوئی۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے

پاؤں کا دھوون ان کے لئے شفا ہوا۔ آب زمزم جو جناب اسماعیل علیہ السلام کے پاؤں کا پانی ہے تا قیامت دافع امراض ہے اس کی مکمل بحث ہماری کتاب علم القرآن میں ملاحظہ فرماؤ۔ **دسواں فائدہ**: اگر بندوں کی نیت خیر ہو تو امداد الٰہی ضرور دستگیری کرتی ہے تجربہ ہے جیسا کہ یُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا سے معلوم ہوا۔ **گیارھواں فائدہ**: عربی میں اھل قرابت داروں کو بھی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ یہاں اهله اور اهلها میں مراد ہے۔

مسئلہ: امام مالک کے ہاں خاوند کا حکم طلاق دے سکتا ہے اور بیوی کا حکم خلع کر سکتا ہے اگرچہ ان زوجین نے انہیں اس کا اختیار نہ دیا ہو، مگر دیگر ائمہ کے ہاں ان پنچوں کو اس کا حق نہیں (خازن، روح المعانی وغیرہ)۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ پنچ دو چاہئیں تو حضور ﷺ نے ایک ہی پنچ، حضرت سعد ابن معاذ کو کیوں قبول فرما لیا۔ اس آیت و حدیث میں توافق کیسے ہو۔ **جواب**: دو پنچ مقرر کرنا اس صورت میں ہے کہ فریقین ایک پنچ پر راضی نہ ہوں اگر ایک پر ہی متفق ہو جاویں۔ تو کوئی حرج نہیں۔ وہاں بنی قریظہ نے ہی حضرت سعد کا نام پیش کیا، حضور ﷺ آپ کی پنچائیت پر پہلے ہی راضی تھے، اگر ایک ہی شخص دونوں میاں بیوی کے اہل یعنی عزیزوں میں سے ہو تو وہ اکیلا ہی حکم بن سکتا ہے۔

دوسرا اعتراض: یہاں پنچ کے لئے یہ قید کیوں لگائی کہ وہ بیوی خاوند کے عزیزوں میں سے ہو کیا غیر شخص پنچ نہیں بن سکتا، روایات سے ثابت ہے کہ زمانہ مرتضوی میں میاں بیوی حضرت علی کو حکم بناتے تھے انہوں نے اس آیت پر عمل کیوں نہ کیا۔ **جواب**: یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں چونکہ قرابت دار ہمدرد و خیر خواہ بھی ہوتے ہیں زوجین کے اندرونی حالات سے خبردار بھی اور زوجین کو ان کے سامنے اپنے شکایات پیش کرنے میں کوئی حجاب بھی نہ ہوگا۔ اس لئے ان کے ذریعے اصلاح کا کام بخوبی انجام پائے گا، ان وجوہ سے بہتر یہی ہے کہ دونوں پنچ فریقین کے قریبی ہوں ورنہ اجنبی شخص بھی حکم بن سکتا ہے۔

تیسرا اعتراض: رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف:۴۰) حکم نہیں ہے مگر اللہ کا پھر یہاں میاں بیوی کو حکم بنانے کا حکم کیوں دیا گیا، خدا کے سواء کسی کا حکم نہیں ہونا چاہئے (وہابی خوارج)۔

ضروری نوٹ: یہ ہی وہ شبہ ہے جس کی وجہ سے لوگ خارجی بن گئے اور حضرت علیؓ کو مشرک کہنے لگے۔

جواب: آیہ کریمہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف:۴۰) میں حکم سے مراد تکوینی حکم ہے یعنی جلانا مارنا بیمار کرنا شفاً دینا وغیرہ اور یہاں اس آیت میں حکم سے مراد فیصلہ کرنا صلح کرانا وغیرہ ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں مگر یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو تکوینی احکام میں بھی اختیار بخشا ہے، عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں باذن پروردگار مردے زندہ کر سکتا ہوں کوڑھے اندھوں کو شفا دے سکتا ہوں حضرت مریم کے ہاتھ لگانے سے کھجور کا خشک درخت پل بھر میں ہرا اور پھل دار ہو گیا۔ (قرآن کریم) لہٰذا اس سوال کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ ان جیسی حصر کی

آیتوں میں ذاتی صفات مراد ہیں کہ مستقل طور پر بالذات حکم رب تعالیٰ کا ہے، رب کی عطا سے اور بھی حاکم ہیں، دیکھو رب فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سمیع و بصیر ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو سمیع و بصیر بنایا فرماتا ہے میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ لَا تَتَّخِذُوا مِنْ دُوْنِیْ وَكِيْلًا (الاسراء:۲) یا فرماتا ہے کہ میرے سوا تمہارا مددگار کوئی نہیں وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ (بقرہ:۱۰۷)۔ مگر دوسرے مقام پر قرآن کریم فرماتا ہے کہ تمہارے مددگار اللہ رسول اور متقی مومن ہیں مطلب یہ ہی ہے کہ ذاتی طور پر بالاستقلال مددگار نہیں عطائی طور پر ہمارے بنانے سے مددگار ہمارے بندے ہیں، خیال رہے کہ بندے اور رب میں فرق بے نیازی کا ہے، بندہ نیاز مند ہے، رب بے نیاز ہے، اللہ الصمد بندہ رب کا محتاج رہتے ہوئے رب کے سے کام کرنے لگتا ہے، مگر رب کی عطا سے۔ وہ عطا نہ فرمائے بندہ کچھ نہیں پاور سے کنکشن ہو جانے پر بلب، پنکھے، مشین بہت کام دیتے ہیں۔ یہ کنکشن ٹوٹ جائے تو کوئی کچھ بھی نہیں، شیشہ کا رخ سورج کی طرف کر دیا تو شیشہ سورج کے سے کام کرنے لگ گیا روشنی، شعاعیں، گرمی سب کچھ شیشہ میں پیدا ہوگئی، مگر نہ سورج شیشہ میں آ گیا نہ شیشہ سورج میں پہنچ گیا۔ نہ شیشہ سورج بن گیا۔ ہوا یہ کہ سورج نے شیشے میں تجلی ڈال دی، اگر یہ جواب خیال میں رکھا گیا تو انشاء اللہ وہابیوں کے اس قسم کے تمام سوالات کا جواب معلوم ہو جائے گا، اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب رسالہ نور اور جاء الحق حصہ اول کا مطالعہ فرمائیں۔

تفسیر صوفیانہ

ان آیات سے پتہ لگا کہ اختلاف پیدا ہو جانے پر اولاً تو میاں بیوی خود ہی جھگڑے مٹا لیں اگر جھگڑا خود نہ مٹ سکے تو ایسے حکم کو بیچ میں ڈالیں، جو دونوں میاں بیوی سے تعلق رکھتے ہوں۔ جن کی بات فریقین مانتے ہیں، بلا تشبیہ بطور تمثیل بندہ رب تعالیٰ کو ہمیشہ راضی رکھنے کی کوشش کرے اگر کبھی قصور ہو جاوے تو توبہ کفارہ وغیرہ دے کر خود ہی اس کو راضی کرے، لیکن اگر قصور اتنا سنگین ہے کہ توبہ سے بھی معافی ملنے کی امید نہیں اور توبہ قابل قبول نہیں تو کسی ایسے مقبول بندے کا دروازہ کھٹکھٹاؤ جس کی رب مانتا ہو انشاء اللہ ان کے بیچ میں پڑ جانے سے رب تعالیٰ معافی دے دے گا وہاں وسیلہ بہت ہی کام آتا ہے، خود فرماتا ہے وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (مائدہ:۳۵) یہاں وسیلہ سے مراد نبی ولی کا وسیلہ ہے نہ کہ اپنے اعمال کا وسیلہ کیونکہ نیک اعمال کا ذکر تو پہلے ہو چکا یہ ہی قیامت میں ہوگا کہ وہاں سب سے پہلے شفیع کی تلاش ہوگی اس کے بعد کچھ اور اس آیت کریمہ نے وسیلہ کے مسئلہ کو حل کر دیا، مگر وسیلہ چاہئے وہ جو مِنْ اَهْلِهٖ بھی ہو یعنی اہل اللہ کا وسیلہ ڈھونڈو دشمن کو وسیلہ نہ بناؤ اور مِنْ اَهْلِهَا بھی یعنی خلقت سے بھی تعلق رکھتا ہو لہٰذا فرشتے ہمارا وسیلہ نہیں بن سکتے کہ وہ اہل اللہ تو ہیں مگر اہل الدنیا نہیں مِنْ اَهْلِهٖ ہیں، مِنْ اَهْلِهَا نہیں اور کفار و فساق بت وغیرہ وسیلہ نہیں کہ وہ اہل الدنیا تو ہیں اہل اللہ نہیں یعنی اَهْلِهَا ہیں مگر اَهْلِهٖ نہیں، کفار بتوں اور اللہ کے دشمنوں کو وسیلہ بناتے ہیں تم اللہ کے مقبولوں کا توسل اختیار کرو، شعر:

بھیکا وہ ترکوڑ ہیں جو جانیں گرکو اور   رب روٹھے گر میل دے گر روٹھے نہیں ٹھور

صوفیائے فرماتے ہیں کہ خدا رسی کے لئے رسول کا وسیلہ درکار ہے اور رسول رسی کے لئے ولی و پیر کا وسیلہ ضروری ہے، پیر شیخ خدا تک نہیں پہنچاسکتے، تانگہ والا گجرات سے کراچی تک نہیں پہنچاسکتا وہ تو ریل تک پہنچادے گا۔ پھر ریل کراچی پہنچادے گی۔ **لطیفہ**: ایک عورت ہمیشہ اپنے خاوند سے مار کھاتی تھی اس کی سہیلیوں نے اس کی مار کی وجہ پوچھی وہ بولی کہ جب میں ہانڈی میں دال یا گوشت پکانے لگتی ہوں تو مرچ مصالحہ گھی وغیرہ سب کچھ ڈال دیتی ہوں، دال یا گوشت ڈالنا بھول جاتی ہوں، جب خاوند کے آگے وہ مصالحہ پہنچتا ہے تو وہ پیالہ پھینک دیتا ہے اور مجھے مارتا ہے، سہیلیوں نے کہا اگر تیری یہ حرکت ہے تو ہمیشہ مار ہی کھائے گی، مرچ مصالحہ کم بھی ہوتا مگر دال یا گوشت ہوتا۔ تو وہ سالن کہلاتا لیکن اگر دال ہی نہیں تو مصالحہ سارا بیکار ہے، شیطان کے سجدوں، عبادتوں کا مصالحہ بہت کافی تھا مگر ادب پیغمبر اور توسل رسول کا وسیلہ نہ تھا دیکھو کیسی مار پڑ رہی ہے فرعونی جادوگروں کے پاس عبادات کا مرچ مصالحہ کم تھا مگر توسل کلیم اللہ کی دال تھی تو بیڑا پار لگ گیا آج بھی بے ادبوں کے پاس علم عبادات کا مصالحہ تو کافی ہے مگر حضور کے ادب کی دال گوشت نہیں جس کا انجام مار کھانا ہی ہے۔

وَ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ لَا تُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡئًا وَّ بِالۡوَالِدَیۡنِ
اور عبادت کرو اللہ کی اور نہ شریک بناؤ اس کا کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ
اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو
اِحۡسَانًا وَّ بِذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ الۡجَارِ ذِی
سلوک کرو اور قرابت داروں اور یتیموں اور غریبوں اور پڑوسی
اور رشتہ داروں اور یتیموں اور غریبوں او رمحتاجوں اور پاس کے
الۡقُرۡبٰی وَ الۡجَارِ الۡجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالۡجَنۡۢبِ وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ
قریب والے اور پڑوسی دور والے اور ساتھی کروٹ اور مسافروں
ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی اور راہ گیر
وَ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ﴿۳۶﴾
اور ان کے ساتھ کہ مالک ہیں ہاتھ تمہارے۔ بیشک اللہ نہیں پسند فرماتا اُسے جو ہو اترانے والا شیخی خورا
اور اپنے باندی غلام سے۔ بیشک اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانے والا بڑائی مارنے والا

الَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ وَیَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ وَیَکۡتُمُوۡنَ

جو کنجوسی کریں آپ اور مشورہ دیں لوگوں کو کنجوسی کا اور چھپائیں

جو آپ بخل کریں اور اوروں سے بخل کے لئے کہیں اور اللہ نے جو انہیں اپنے

مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّهِیۡنًا ﴿۳۷﴾

وہ جو دیا انہیں اللہ نے اپنے فضل سے اور تیار کیا ہم نے کافروں کے واسطے عذاب اہانت والا

فضل سے دیا ہے اسے چھپائیں اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے میاں بیوی کو اپنے خانگی معاملات درست رکھنے کا حکم دیا۔ اب اس آیت میں ہر ایک کو اپنے اخلاق سنبھالنے کا حکم دیا جا رہا ہے، گویا تدبیر منزل کے بعد سیاست مدنی کا حکم ہے (تفسیر کبیر)۔ **دوسرا تعلق**: انسانی رشتہ دو قسم کے ہیں۔ اختیاری جسے انسان ختم کر سکتا ہے، جیسے زوجیت غیر اختیاری جنہیں انسان ختم نہیں کر سکتا، جیسے ماں باپ وغیرہ سے رشتہ، اختیاری رشتہ کے متعلق ہدایات پچھلی آیات میں دی گئیں اب غیر اختیاری رشتہ کے برتاؤ کے متعلق اس آیت میں ہدایات جاری فرمائی جا رہی ہیں۔ **تیسرا تعلق**: انسان کے رشتہ تین قسم کے ہیں، بعض رشتوں میں مرد سردار ہوتا ہے، جیسے خاوند یا والد وغیرہ بعض میں ماتحت جیسے بیٹا، پوتا، بعض میں برابر جیسے بھائی یا پڑوسی وغیرہ، سرداری والے رشتہ کے حقوق کا ذکر پچھلی آیات میں فرمایا گیا۔ آخری دو قسم کے رشتوں کے حقوق کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق**: حقوق دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض وہ جن کا مطالبہ قاضی کے ہاں ہو سکتا ہے، جیسے زوجہ کا خرچہ وغیرہ بعض وہ جن کا مطالبہ حاکم کے ہاں نہیں ہو سکتا، جیسے والدین کا خرچہ وغیرہ پہلے قسم کے حقوق کا اجمالی ذکر پچھلی آیت میں تھا، دوسرے قسم کے حقوق کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔

شان نزول

کردم ابن زید، اسامہ ابن حبیب، نافع ابن ابی نافع، بحری ابن عمرو، حیی ابن اخطب، رفاع زید ابن تابوت، یہ لوگ انصار کے پرانے دوستوں میں سے تھے، جب انصار نے اسلام قبول کر لیا تو یہ لوگ پچھلی دوستی کی بنا پر کبھی کبھی ان سے ملنے آتے ادھر ادھر کی باتیں کر کے کہتے کہ حتی الامکان اپنے مال خرچ نہ کرو، سنبھال کر رکھو نہ معلوم کل کیا واقعات درپیش ہوں اور تم بغیر مال کے مصیبت میں پڑ جاؤ ان کا مقصد تھا انصار کو مہاجرین کی خدمت سے روکنا اور اسلامی زکوٰۃ و صدقات اور خرچ جہاد سے باز رکھنا ان بہکانے والوں کی تردید میں دوسری آیت اَلَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ الخ نازل ہوئی (ابن اسحاق، ابن جریر، ابن منذر عن ابن عباس، تفسیر روح المعانی، وروح البیان) بعض نے فرمایا کہ علماء یہود حضور ﷺ کی نعت والی توریت کی آیات بیان کرنے میں بخل کرتے تھے

نہ تو لوگوں کو خود سناتے نہ اپنے ماتحت پادریوں کو سنانے دیتے ان کی تردید میں یہ ہی آیت اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الخ نازل ہوئی، پہلی صورت میں بخل سے مراد مالی بخل ہوگا۔ دوسری صورت میں علمی بخل ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہو (روح المعانی)۔

تفسیر

وَاعْبُدُوا اللّٰہَ چونکہ عبادات معاملات سے افضل ہیں کہ عبادت کا تعلق رب تعالیٰ سے ہے، معاملات کا تعلق مخلوق سے ہے نیز معاملات مرتے ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر بعض عبادات قبر و حشر میں بھی ہوں گی، جیسے تلاوت قرآن حمد الٰہی نعت رسول اللہ ﷺ نیز عبادات تقریباً ہر مسلمان پر ہیں۔ معاملات بعض پر نہیں جیسے تارک الدنیا آدمی ان وجوہ سے عبادات کا ذکر پہلے فرمایا گیا اور معاملات کا بعد میں اعْبُدُوْا عبادات سے بنا عبادت کی تحقیق اس کی تقسیم اِیَّاکَ نَعْبُدُ اور سورۃ بقر کی تفسیر میں بار ہا ہو چکی یہاں اتنا سمجھ لو کہ انتہائی عجز و نیاز کا نام عبادت ہے کہ عابد اپنے کو معبود کا بندہ سمجھ کر اور معبود کو اپنا خالق یا خالق کی مثل سمجھ کر اس کے سامنے بندگی کرے یہ عبادت ہے لہٰذا قلبی، بدنی، مالی اور بدنی مالی کا مجموعہ تمام عبادات اس میں داخل ہیں اور کسی کو اپنے سے بڑا سمجھ کر اس کی فرمانبرداری کرنا اطاعت ہے، کسی کے نقش قدم پر چلنا اتباع لہٰذا عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہوسکتی ہے، غیر خدا کی عبادت شرک ہے اطاعت اللہ رسول عالم سلطان سب کی ہوسکتی ہے، اتباع اللہ تعالیٰ کی ناممکن ہے شرعی اتباع صرف رسول یا قرآن کی ہوسکتی ہے، اسی لئے قرآن مجید میں عبادت کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے اور اطاعت کے ساتھ اللہ رسول اور علماء وغیرہ کا بھی رب تعالیٰ فرماتا ہے، اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (النساء:۵۹) اور اتباع کے ساتھ صرف رسول اللہ ﷺ کا یا قرآن کا فَاتَّبِعُوْنِیْ (آل عمران:۳۱) یا وَاتَّبِعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗ (اعراف:۵۷)۔ خلاصہ یہ ہے کہ عبادت میں اپنی عبدیت اور معبود کی الوہیت کا اعتقاد ضروری ہے، رب کو سجدہ عبادت ہے مگر فرشتوں کا حضرت آدم کو سجدہ عبادت نہ تھا، اسی طرح حضرت یعقوب کا جناب یوسف علیہ السلام کو سجدہ عبادت نہ تھا، تعظیمی تھی کام ایک ہے۔ مگر اختلاف بہت سے احکام میں فرق ہمارے اسلام میں کسی بندے کو سجدہ عبادت کرنا شرک ہے، سجدہ تعظیمی کرنا حرام ہے شرک نہیں، یہاں عبادت سے مراد اگر دلی عبادت یعنی ایمان لانا ہے تو غیر مسلموں سے خطاب ہے اور اگر ایمان پر قائم رہنا مراد ہے تو مخاطب مسلمان ہیں اور اگر جسمانی مالی عبادات مراد ہوں، جیسے نماز، زکوٰۃ وغیرہ تو بھی مخاطب صرف مسلمان ہوں گے، کیونکہ کفار پر یہ عبادات فرض نہیں، وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا، کفر عام ہے، شرک خاص کہ کسی اسلامی عقیدے کا انکار کفر ہے، مگر کسی چیز کو خدا کے مثل سمجھنا شرک ہے، کفر کا مقابل ایمان ہے شرک کا مقابل توحید مدار نجات صرف توحید نہیں بلکہ ایمان ہے یہاں شرک سے ممانعت فرمائی گئی ہے، تُشْرِکُوْا اِشْرَاکٌ سے بنا، جس کا مادہ شرک ہے، بمعنی حصہ اَمْ لَھُمْ شِرْکٌ فِی السَّمٰوٰتِ (فاطر:۴۰)، اصطلاح شریعت میں کسی کو الوہیت میں اللہ تعالیٰ کا حصہ دار یا مثل سمجھنا شرک ہے خواہ اس

طرح کہ کسی کو خدا تعالیٰ کی طرح مستقل خالق مانے جیسے مجوسی دو مستقل خالق مانتے ہیں خالق خیر جسے یزدان کہتے ہیں اور خالق شر جسے اھرمن کہتے ہیں یا کسی کو اللہ کا بندہ سمجھ کر اس کو الوہیت میں دخیل مانے خدا کا مثل مانے جیسے عیسائی جناب عیسیٰ اور یہودی حضرت عزیر کو یا مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کا بندہ مانتے ہوئے خدا کا بیٹا یا بیٹیاں مانتے تھے یا جیسے عام مشرکین اپنے جھوٹے معبودوں کو خدا کا بندہ مانتے ہوئے، خدا تعالیٰ کو ان کا محتاج دست نگر سمجھتے ہیں کہتے ہیں کہ اکیلا خدا اتنے بڑے عالم کے سارے کام نہیں کر سکتا یا خدا تعالیٰ عالم کو پیدا کر کے تھک گیا، اب اس میں دوسرے کاموں کی طاقت نہ رہی دوسرے کام ہمارے یہ معبود چلا رہے ہیں یہ شرک ہے ان ہی کی تردید میں رب فرماتا ہے وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ (الاسراء:۱۱۱) اور فرماتا ہے۔ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (قٓ:۳۸) ہم کو تھکن نہ پہنچی غرض کہ شرک میں عقیدہ مساوات ضروری ہے، خواہ پوری پوری برابر ہی مانی جاوے یا کسی وصف الٰہی میں رب فرماتا ہے کہ کفار اپنے سے قیامت میں کہیں گے، اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ (شعراء:۹۸) ہم بڑی غلطی میں تھے کہ تم کو رب کے برابر جانتے تھے، مومن فرشتوں، نبیوں، ولیوں کو عالم کا منتظم مانتا ہے وہ مومن ہے کہ انہیں بحکم پروردگار مانتا ہے، محض خالص بندہ سمجھ کر رب کو غنی بے نیاز اور ان بندوں کو رب کا نیاز مند جان کر مشرک اپنے بتوں کو عالم میں دخیل مانتے ہیں مگر رب کو ان کا حاجت مند جان کر انہیں الوہیت میں دخیل مان کر لہٰذا مومن مومن ہے مشرک مشرک۔ بِهٖ کا مرجع رب تعالیٰ ہے اور شَيْئًا سے مراد ساری چیزیں ہیں، بے جان ہوں، جیسے چاند، سورج، بت وغیرہ یا جاندار جیسے فرشتے، نبی یا پوپ وغیرہ یہاں بھی یا خطاب مسلمانوں سے ہے یا کفار و مشرکین سے جیسے کہ اُعْبُدُوا اللّٰهَ میں عرض کیا گیا، یعنی اے مسلمانوں یا اے کفار یا اے تمام لوگو اللہ کی عبادت کرو، کسی چیز کو اس کا ساجھی شریک نہ ٹھہراؤ، عبادت کے حکم کے ساتھ شرک کی ممانعت اس لئے کی گئی کہ صحیح عبادت توحید کے عقیدے کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے، کیونکہ اگر چند معبود مانے جاویں تو کسی کیلئے بھی انتہائی عجز نہ ہو سکے گا، وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا چونکہ اللہ ہمارا خالق ہے اور ماں باپ خلق کا ذریعہ نیز تمام مخلوق و قرابت داروں میں ماں باپ کا حق سب سے زیادہ ہے، کہ تمام نسبتی رشتے ماں باپ کے ذریعے سے ہیں، نیز ماں باپ ہماری بے کسی کے وقت کے محسن ہیں، اس لئے اپنی عبادت کے ساتھ ماں باپ سے سلوک کا حکم دیا بِالْوَالِدَيْنِ سے پہلے اَحْسِنُوْا فعل پوشیدہ ہے والدین سے مراد سگے ماں باپ ہیں سوتیلے ماں باپ یونہی دادا دادی، نانا نانی، چچا وغیرہ ان سے خارج ہیں کیونکہ قرآن مجید کی اصطلاح میں عموماً والدین سگے ماں باپ کو فرمایا جاتا ہے اور لفظ آباء امہات مطلقاً ارشاد ہوتا ہے جس میں سگے سوتیلے ماں باپ یوں ہی دادا دادی، نانا نانی وغیرہ شامل ہوتے ہیں، فرماتا ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ (النساء:۲۳) اس میں یہ سارے مذکورین داخل ہیں اور فرماتا وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ (بقرہ:۲۳۳) اس میں صرف سگی مائیں مراد ہیں، احسان سے مراد ہے بھلائی یا اچھا سلوک خواہ بدنی بھلائی ہو یا مالی علماء فرماتے ہیں کہ ماں باپ کے

ساتھ سلوک یہ ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں سے ان کی خدمت کرے، ان کے سامنے چلا کر نہ بولے ان سے سختی سے گفتگو نہ کرے ان کا ہر جائز حکم مانے، بقدر طاقت ان پر مال خرچ کرے، کبھی انہیں مارنے پیٹنے کا ارادہ بھی نہ کرے ماں باپ کی وفات کے بعد ان کے قرض ادا کرے، ان کے وعدے پورے کرے، ان کی جاری کردہ جائز رسوم جاری رکھے، ان کے دوستوں، عزیزوں کو ان کی جگہ سمجھے، انہیں ہمیشہ صدقہ وخیرات ختم وغیرہ کا ثواب پہنچاتا رہے، حضور ﷺ تو بی بی خدیجہؓ کے انتقال کے بعد ان کی طرف سے قربانی کر کے ان کی سہیلیوں میں تقسیم فرماتے تھے، حدیث شریف میں ہے کہ حضرت حنظلہ ابنِ عامر راہب مسلمان ہو چکے تھے ان کا باپ عامر مشرک تھا، حضرت حنظلہ نے اسے قتل کرنا چاہا تو حضور ﷺ نے منع فرمادیا (تفسیر کبیر) **وَبِذِی الْقُرْبٰی**، یہ عبارت **والدین** پر معطوف ہے **قربیٰ** مصدر ہے، بمعنی قرابت یہاں قرابت سے مراد ماں باپ کے سواء دوسرے رشتہ دار ہیں جیسے دادا دادی، نانا نانی، چچا، ماموں، خالہ اور ان کی اولاد ماں باپ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اسلئے وہ اس میں داخل نہیں تمام رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا بہت اہم دینی کام ہے، **وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ**، **یَتٰمٰی** یتیم کی جمع ہے، بمعنی اکیلا انسانوں میں وہ نابالغ بچہ یتیم ہے، جس کا باپ فوت ہو چکا ہو، حرامی بچہ یتیم نہیں کہ اس کا جائز باپ کوئی ہے ہی نہیں، جانوروں میں بے ماں کا بچہ یتیم ہے، موتی یتیم وہ جو سیپ میں اکیلا ہو، مساکین سے مراد مطلق غریب وفقیر ہے نہ وہ جو فقیر کا مقابل ہو۔ یہاں ہر یتیم و فقیر مراد ہے خواہ رشتہ دار ہو یا اجنبی، **وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی**، جار جوار سے بنا، بمعنی امان پڑوس میں رہنے والا یعنی جار پڑوسی ہے، **قربیٰ** سے مراد مکانی قرب ہے نہ کہ رشتہ کا قرب کہ اس کا ذکر تو پہلے ہو چکا یا دین وایمانی قرب مراد ہے بمعنی قریب کا پڑوسی جس کا گھر تم سے ملا ہوا ہو یا مسلمان پڑوسی، **وَالْجَارِ الْجُنُبِ**، **جُنُبِ** جنابت سے بنا، بمعنی دوری قرابت کا مقابل اس لئے اجنبی شخص کو رجل جنیب کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے عرض کیا تھا، **وَاجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ** (ابراہیم:۳۵) خدایا مجھے اور میرے بچوں کی بت پرستی سے دور رکھ ایک خاص ناپاکی کو جنابت کہتے ہیں اور ناپاک کو جنبی کیونکہ وہ مسجد وغیرہ سے دور رہتا ہے کنارہ کو جانب کہتے ہیں کہ وہ وسط سے دور ہوتا ہے۔ یہاں دور والے پڑوسی سے مراد یا مکانی دور والا ہے، جس کا گھر ہم سے کچھ فاصلہ پر ہو یا دینی دور یعنی کافر پڑوسی ان کے ساتھ بھی سلوک کرنا ضروری ہے۔ خیال رہے کہ ہر طرف سے چالیس گھر تک پڑوس ہے یعنی آگے پیچھے دائیں بائیں کے چالیس چالیس گھر پڑوسی ہیں (کبیر و معانی) **وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ** یہاں **جَنْبِ** کے معنی ہیں پہلو صاحبِ جنب سے مراد ہے کروٹ یا پہلو کا ساتھی اس سے مراد یا سفر کا ساتھی ہے یا پیشہ کا ساتھی یا تعلیم یا مدرسہ مسجد کا ساتھی یا ہم نشین یا بیوی ہے کہ بیوی اپنے بستر کی ساتھی ہے، غرض کہ اس میں بہت سی قسم کے ساتھی مراد ہو سکتے ہیں، حتیٰ کہ بچپن کا ساتھی بھی اس میں داخل ہے، **وَابْنِ السَّبِیْلِ** اس لفظ کی تحقیق بارہا کی جا چکی ہے کہ ابن سبیل وہ مسافر ہے جو راہ طے کر رہا ہو، مسافر ہر پردیسی آدمی ہے خواہ راہ گذر میں ہو یا کہیں ٹھہرا ہوا۔ پندرہ

دن سے کم یا زیادہ لہٰذا ابن السبیل مسافر سے خاص تر ہے یہاں وہ شخص مراد ہے جو سفر کر رہا ہو اور بے توشہ رہ جائے، اس کے ساتھ احسان یا یہ ہے کہ اسے منزل مقصود تک پہنچا دیا جاوے کہ اپنی سواری میں سوار کرے ریل وغیرہ میں بٹھال دے یا اسے زادراہ توشہ پیسہ دیدے یا راہ بتادے، وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ حق یہ ہے کہ اس سے مراد لونڈی، غلام، مملوکہ جانور ہیں ان میں سے ہر ایک سے وہ سلوک کرے جو اس کے لائق ہے (تفسیر کبیر) چنانچہ مملوکہ، لونڈی، غلام کو کھانا کپڑا بقدر حاجت دے انہیں ظلماً نہ مارے ان سے طاقت سے زیادہ کام نہ لے اگر کوئی بھاری کام ان سے کرالے تو خود بھی کام میں مدد دے انہیں گالیاں طعن وغیرہ نہ دے جانوروں سے سلوک یہ ہے کہ ان کے چارہ پانی کا خیال رکھے خوب شکم سیر کھلاوے، بلا وجہ نہ مارے، بقدر طاقت کام لے جب منزل پر پہنچے تو پہلے اس پر سے بوجھ اتار دے پھر اور کوئی کام کرے، حضور ﷺ سے تو اونٹوں نے فریادیں کی ہیں اور ان کی فریاد رسی حضور نے کی ہے، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا مختال خَیل یا خیال سے بنا اس سے ہے خیلاء مختال وہ شخص ہے جو اپنے خیال میں دوسروں سے بڑا ہو یعنی اپنے کو بڑا سمجھنے والا یعنی اپنے کو دوسروں سے ذاتی طور پر بڑا جاننے والا فخور فخر سے بنا یعنی بیرونی چیزوں میں اپنے کو دوسروں سے بڑا سمجھنے اپنے کو بڑا عالم، بڑا بہادر، بڑا عالی خاندان سمجھنے والا مختال ہے اور اپنے کو بڑا مالدار جتھہ دار سمجھنے والا فخور یا عملی طور پر اپنی بڑائی ظاہر کرنے والا مختال ہے اور زبان سے اپنے کو بڑا کہنے والا فخور یہ بہر حال اپنے کو بڑا دوسروں کو چھوٹا یا ذلیل جاننا اختیال وفخر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ایسے متکبروں کو ناپسند فرماتا ہے جو اپنے گھمنڈ وغرور کی وجہ سے اپنے پڑوسیوں، غلاموں، نوکروں وغیرھم کے حقوق ادا نہ کریں چونکہ فخر وتکبر انسان کو مذکورہ بالا نیکیوں سے روکتے ہیں اس لئے آخر میں ان کی برائی کا ذکر فرمایا، خیال رہے کہ جہاد میں کفار کے مقابل شیخی وفخر کرنا عبادت ہے کہ یہ بھی جہاد ہے مسلمان بھائی کے مقابل فخر وشیخی حرام ہے اور نبی کے مقابل تکبر وغیرہ کفر ہے، اسی فخر سے شیطان مردود ہوا یہاں آخری دو قسم کا فخر مراد ہے، ان ہی اقسام کی برائی بیان ہو رہی ہے لہٰذا یہ آیت اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں جہاد کے فخر کو اچھا فرمایا گیا۔ اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ یہ جملہ یا تو مستقل ہے اَلَّذِيْنَ مع صلہ کے مبتداء اور اس کی خبر پوشیدہ ہے یا مَنْ كَانَ کا بدل یا اس کی صفت چونکہ مَن معنی میں جمع تھا اسلئے اس کا بدل یا صفت جمع لائی گئی یا اَلَّذِيْنَ مبتداء پوشیدہ کی خبر ہے، بخل مال کا بھی ہوتا ہے۔ علم کا بھی ضرورت کے وقت مال خرچ نہ کرنا مالی بخل ہے اور حاجت مند سے علم چھپانا علمی بخل ہے، یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں، اگر یہ آیت علماء یہود کے متعلق ہے تو بخل سے مراد علمی بخل ہے اور اگر ان لوگوں کے متعلق ہے جو مسلمانوں کو صدقہ وخیرات سے روکتے تھے تو مالی بخل مراد ہے، بخل امساک ایسے ہی سخاوت وجود میں فرق پہلے بیان ہو چکا اس سے مراد یا پادریوں کے ماتحت لوگ ہیں یا جماعت انصار یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو متکبر شیخی خورے ہوں اور خود بھی مالی یا علمی یا دینی کنجوس ہوں اور اپنے ماتحت علماء کو یا جماعت انصار کو یا دوسروں کو بخل وکنجوسی

کا حکم یا مشورے دیں، وَیَکْتُمُوْنَ مَا اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ، یہ جملہ یَاْمُرُوْنَ پر معطوف ہے۔ کتم، اخفا اور سر۔ تینوں کے معنی چھپانا ہے، مگر کتم میں مبالغہ ہے، یعنی بالکل چھپانا کہ کسی کو ہوا نہ لگے اکثر یہ لفظ ناحق چھپانے پر بولا جاتا ہے، چور سے مال نااھل سے علم کے اسرار چھپانا کتم نہیں مَا سے مراد یا مال ہے یا علم یا دین یا ان سب کو عام فضل بمعنی مہربانی یعنی بغیر استحقاق کسی کو کچھ دینا یعنی انہیں اللہ نے جو مال یا علم محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا اسے لوگوں سے ناحق چھپاتے ہیں کہ لوگوں کو توریت وانجیل نہیں سکھاتے اور توریت کی وہ آیات جن میں حضور ﷺ کی نعت ہے ان کا کسی سے تذکرہ نہیں کرتے وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا ، اَعْتَدْنَا کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں چونکہ کفار مال کے بخیل بھی تھے، علم دین کے بخیل بھی اس لئے ان دونوں بخیلوں کو لفظ کفار سے تعبیر فرمایا عذاب عَذْبٌ سے بنا بمعنی روکنا اسی لئے میٹھے پانی کو عذب کہتے ہیں کہ وہ پیاس روک دیتا ہے، سزا کو اس لئے عذاب کہا جاتا ہے کہ اس سے جرم رُکتے ہیں مُھِیْنًا اھانۃٌ سے بنا بمعنی ذلت وخواری رسوائی دینا یعنی ہم نے اس قسم کے یا تمام کافروں کے لئے خواری والا عذاب تیار کر رکھا ہے لہٰذا اس قسم کی حرکتوں سے بچو تا کہ عذاب سے امان میں رہو۔

خلاصہ تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دس باتوں کا حکم دیا اور پانچ باتوں کی برائی بیان فرما کر ان سے روکا، چنانچہ اللہ کی عبادت[1]، ماں باپ[2] سے سلوک، قرابت داروں[3]، یتیموں[4]، مسکینوں[5]، قریب کے پڑوسیوں[6]، دور کے پڑوسیوں[7]، ہر قسم کے ساتھیوں[8]، مسافروں[9]، لونڈی غلاموں[10] بلکہ جانوروں سے اچھے برتاؤں کا حکم دیا اور تکبر، شیخی، کنجوسی کرنا، کنجوسی کا مشورہ دینا، اللہ کی نعمتیں چھپانا ان سے منع فرمایا، چنانچہ فرمایا اے مسلمانو یا اے سارے بندو اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی عبادت کرو، جنانی، جسمانی مالی اس کا شریک کسی کو نہ بناؤ اور اپنے ماں باپ سے ہر قسم کی بھلائی کرو، بدنی، مالی، احترام والی اور ہر قسم کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، قریبی پڑوسیوں، دور کے پڑوسیوں مدرسہ یا پیشہ یا سفر یا تعلیم یا بچپن کے ساتھیوں یا اپنی بیویوں، مسافروں، راہ گزاروں اپنی لونڈیوں، غلاموں، نوکروں، مملوکہ جانوروں سے اچھا سلوک کرو یہ صفات رب تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔ یقین کرو کہ اللہ ایسے لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو متکبر شیخی خورے ہوں خود بھی بخل کرتے ہیں لوگوں کو بھی کنجوسی کے مشورے دیں، اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو چھپائیں، اس قسم کے لوگ پکے کافر ہیں اور ہم نے کفار کے لئے سخت ذلت ورسوائی کا عذاب مقرر کر دیا ہے، اگر ان عذابوں سے بچنا ہے تو اس کی فرمانبرداری کرو۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: ہر شخص پر اللہ کی عبادت ضروری ہے کوئی شخص اس کی عبادت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا خواہ کسی درجہ کا انسان ہو جیسا کہ اُعْبُدُوْا کے عموم سے معلوم ہوا حتیٰ کہ کافر پر فرض ہے کہ ایمان لائے اور اللہ کی عبادت کرے۔

زندگی ہست از برائے بندگی زندگی بے بندگی شرمندگی

دوسرا فائدہ : ہرشخص پراس کی حیثیت کے لائق عبادت لازم ہے فقیر صرف بدنی عبادات کرے امیر مالی بھی کرے، جیسا کہ اُعْبُدُوْا کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: ماں باپ کی خدمت بڑا ہی اہم ضروری کام ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد اس کا حکم دیا اور تمام اہل قرابت کے حق سے پہلے ان کے حقوق بیان فرمائے خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت جگہ ماں باپ سے سلوک کا حکم دیا ایک یہاں اور دوسرے **وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا** (الاسراء:۲۳) تیسری **اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ** (لقمان:۱۴) ان تینوں جگہ میں اپنی عبادت وشکر کے ساتھ ماں باپ سے سلوک کا ذکر فرمایا۔ **چوتھا فائدہ** : حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے، دیکھو رب تعالیٰ کا حکم ہے، ماں باپ دونوں کے ساتھ سلوک کرو۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ** (مریم:۳۲) اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا ہوں، اگر آپ کا باپ بھی ہوتا تو **بِوَالِدَیَّ** فرماتے اگر باپ فوت بھی ہو جاوے تب بھی اس سے بھلائی کی جاوے، جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: ماں باپ اگرچہ کافر ہوں، مگر ان سے سلوک کرنا ان کی ہر جائز بات ماننا چاہئے، جیسا کہ والدین کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: والدین میں دادا دادی، نانا نانی، چچا وغیرہ داخل نہیں ہوتے ہیں بلکہ یہ لوگ **اَقْرَبُوْنَ** یا **ذِی الْقُرْبٰی** میں داخل ہوتے ہیں، دیکھو یہاں ان لوگوں کو **ذی القربٰی** میں داخل کیا گیا، لہٰذا **مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ** (النساء:۳۳) میں والدین سے مراد صرف سگے ماں باپ ہیں اور **اقربون** میں دادا وغیرہ داخل ہیں لہٰذا بیٹے کے ہوتے پوتا پوتی محروم ہوگا، جیسا کہ چوتھے پارہ میں عرض کیا گیا۔ **ساتواں فائدہ** : پڑوسی اگرچہ کافر ومشرک ہو مگر اس سے بھی اچھا سلوک کرنا چاہئے، جیسا کہ **وَالْجَارِ** کے اطلاق سے معلوم ہوا چنانچہ ابونعیم اور بزاز نے بروایت حضرت جابر مرفوعاً روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے پڑوسی تین قسم کے ہیں، ایک وہ جن کے تین حق ہیں، پڑوسیت، قرابت، اسلام، دوسرے وہ جن کے دو حق ہیں، پڑوسیت اسلام، تیسرے وہ جن کا ایک حق ہے، صرف پڑوسیت کا جیسے مشرک یا اہل کتاب پڑوسی، بخاری نے کتاب الادب میں حضرت ابن عمر سے روایت فرمایا کہ ان کے ہاں بکری ذبح کی گئی تو آپ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ ہمارے یہودی پڑوسی کو بھی گوشت دے آؤ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ مجھے جبرئیل نے پڑوسی کے متعلق اس قدر تاکید کی کہ میں نے تو گمان کیا کہ اسے وارث بنا دیا جائے گا۔ **آٹھواں فائدہ**: قریب کے پڑوسی کا بمقابلہ دور کے پڑوسی کے زیادہ حق ہے، دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے **جارذی القربٰی** کا ذکر جار جنب سے پہلے فرمایا۔ **نواں فائدہ** : ساتھی کا بھی حق ہے، خواہ سبق کا ساتھی ہو یا سفر کا یا پیشہ کا یا بچپن کا یا گھر کا، حضرت صدیق اکبر تو حضور کے گھر، سفر، قبر، بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے ساتھی ہیں اور دینے والے حضور ﷺ ہیں سمجھ لو کہ حضور پر ان کے کتنے حقوق ہیں اور حضور نے جو تمام جہاں کے داتا ہیں انہیں کیا کچھ دیا ہوگا، علماء فرماتے ہیں ایک مسجد میں نماز پڑھنے والے مسلمان بھی اس میں داخل ہیں، ان کے بھی حقوق ہیں کہ وہ نماز

کے ساتھی ہیں۔ **دسواں فائدہ**: مہمان کا بھی ہم پر حق ہے کہ وہ بھی ابن سبیل یعنی مسافر میں داخل ہے۔ مہمان وہ ہے جو ہم سے ملنے آوے جو اپنے کام کے لئے ہمارے پاس آیا وہ ہمارا مہمان نہیں، جیسے حاکم کے پاس مقدمہ والے یا مفتی کے پاس مسئلہ پوچھنے والے۔ **گیارھواں فائدہ**: لونڈی، غلام، نوکر چاکر، مملوکہ جانوروں کا بھی ہم پر حق ہے ان کا حق مارنے پر بھی قیامت میں پکڑ ہوگی، حدیث شریف میں ہے ایک عورت اس لئے دوزخ میں گئی کہ اس نے بلی پالی ہوئی تھی، اسے باندھ دیا نہ کھانے کو دیا نہ چھوڑا حتیٰ کہ بھوکی مرگئی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ایک رنڈی اس لئے بخش دی گئی اس نے پیاس سے مرتے ہوئے کتے کو پانی پلا کر اس کی جان بچائی، افسوس ہے کہ اب مسلمان مسلمان بھائی کا حق ادا نہیں کرتے، اسلام نے جانوروں کے حقوق مقرر فرمائے ہیں۔ **بارھواں فائدہ**: اللہ کی نعمت کا چرچہ کرنا شکر ہے، اس کی نعمت چھپانا کفران اور ناشکری ہے، ناشکری سے رب تعالیٰ بہت ناراض ہے، جیسا کہ **وَيَكْتُمُونَ** سے معلوم ہوا، لہٰذا مسلمان کو چاہئے کہ اپنی صورت سیرت سے اپنا اسلام ظاہر کرے کہ اسلام بھی اللہ کی نعمت ہے اسے ظاہر کرو۔ **تیرھواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ گنہگار، مسلمان کو اگر سزا بھی دے گا تو اسے رسوا وذلیل نہ کرے گا، جیسا کہ **لِلْكٰفِرِيْنَ** کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا۔ **چودھواں فائدہ**: حضور ﷺ کی نعت کی آیات چھپانا بھی حضور کے فضائل بیان نہ کرنا یا بیان کرنے میں کوتاہی کرنا، انتہائی درجہ کا بخل ہے جیسا کہ **يَبْخَلُوْنَ** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا، اس سے وہ وہابی عبرت پکڑیں، جو کبھی نعت شریف بیان کرنا جانتے ہی نہیں، یہ علماء یہود کے وارث ہمیشہ **اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** ہی بیان کرتے ہیں۔ شعر:

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

فضائل کی روایات کو ہر طرح ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جہاں نقص کا بہانہ ملے وہ آنکھ بند کر کے مان لیتے ہیں۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: آج کل مسلمان ولیوں نبیوں کو پوجتے ہیں، ان کی قبروں پر چڑھاوے، قبریں چومنا قبروں پر چادریں چڑھانا، ان کا احترام کرنا، یہ ان کی عبادت ہے، کفار مشرکین بتوں کو پوجتے تھے یہ قبروں کو۔ رب نے حکم دیا ہے کہ صرف اللہ کو پوجو (وہابی دیوبندی) **جواب**: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی تو یہ ہے کہ اگر چڑھانا، چومنا، ادب کرنا عبادت ہے، تو کعبہ معظمہ پر غلاف چڑھانا کعبہ کی عبادت ہوئی، مقام ابراہیم پتھر پر غلاف چڑھانا اس پتھر کی عبادت ہوئی۔ سنگ اسود، علماء دیوبند کے ہاتھ چومنا یہ سب عبادتیں ہوئیں، سب غیر اللہ کے پجاری ہوئے، جواب تحقیقی یہ ہے کہ عبادت ہر وہ تعظیم ہے جو کسی کو الٰہ یا الٰہ کی مثل مان کر کی جاوے جب تک کہ یہ عقیدہ نہ ہو تب تک کوئی تعظیم عبادت نہیں ہوتی، اس کی تحقیق ابھی تفسیر میں کر دی گئی اور اس تفسیر کے پہلے پارے اور جاء الحق جلد اول میں کی جا چکی ہے عبادت میں اپنی

عبدیت اور دوسرے کی معبودیت کا عقیدہ ضروری ہے۔

دوسرا اعتراض: خدا وہ ہے جسے علم غیب ہو، جو مدبر عالم ہو جو فریادرسی کرے، جو مشکل کشائی کرے، جو بیٹا دے جو شفا دے، جو دور سے سنے دیکھے اسے دور سے پکارا جاوے، آج کل مسلمان ولیوں، نبیوں کو علم غیب وغیرہ مانتے ہیں، ان سے فریادیں کرتے ہیں یہ سب مشرک ہیں، ان سے پناہ مانگنا، شفاء مانگنا شرک ہے۔ (دیوبندی، وہابی) **جواب**: اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی، جواب الزامی تو یہ ہے کہ اس صورت میں لازم ہوگا کہ آدم علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، یوسف علیہ السلام اور حضرت جبرئیل علیہ السلام وغیرہ تمام حضرات خدا ہو جاویں کہ رب نے حضرت آدم و عیسیٰ کو علم غیب بخشا حضرت سلیمان نے تین میل دور سے چیونٹی کی آواز سن لی، سمجھ لی، حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص نے شفا دی، عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ باذن الٰہی میں مردے زندہ کرتا ہوں کوڑھے، اندھوں کو شفا دیتا ہوں یہ صفات ہرگز مدار الوہیت نہیں کہ رب تعالیٰ نے بندوں کو بخشے ہیں، جواب تحقیقی یہ ہے کہ مدار الوہیت غنا اور بے نیازی ہے الٰہ وہ ہے جو بے نیاز ہو غنی ہو خود فرماتا ہے اَللّٰهُ الصَّمَدُ (اخلاص:۲) اور فرماتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (آل عمران:۹۷) بندہ وہ ہے جو نیازمند اور رب کا حاجت مند ہو فرماتا ہے اَللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (محمد:۳۸) علم غیب، شفاء امراض فریادرسی وغیرہ رب تعالیٰ کی ذاتی صفات ہیں کسی کی دی ہوئی نہیں، بعض بندوں کو یہ صفتیں ملی مگر وہ عطائی ہیں یعنی رب تعالیٰ کی دی ہوئی، اس کے قبضہ میں لہٰذا ان صفات میں رب تعالیٰ غنی ہے وہ اللہ ہے بندہ نیازمند ہے وہ الٰہ نہیں بے نیازی و نیازمندی ہی بندہ اور الٰہ میں فرق کا باعث ہے، خالقیت، مالکیت، ازلی ابدی ہونا سب بے نیازی میں آگیا۔

تیسرا اعتراض: پھر تو مشرکین عرب بھی مشرک نہ رہے کیونکہ وہ اپنے بتوں اور جھوٹے معبودوں کو رب کا بندہ ہی مانتے تھے، رب سے بے نیاز نہ مانتے تھے اپنے تلبیہ میں کہتے تھے لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا وَّاحِدًا ھُوَ عَبْدُکَ خدایا تیرا کوئی شریک نہیں سوا ایک شریک کے جو وہ بھی تیرا بندہ ہی ہے، خود قرآن مجید فرماتا ہے کہ اگر تم ان مشرکوں سے پوچھو کہ آسمان زمین کس نے پیدا کیے تو کہیں گے اللہ نے اگر تم پوچھو کہ بارش کون برساتا ہے روزی کون دیتا ہے تو کہیں گے اللہ۔ جب وہ لوگ آسمان زمین کا خالق مالک مدبر امر روزی رساں صرف خدا کو مانتے تھے تو پھر مشرک کیوں ہوئے صرف اس وجہ سے کہ وہ اپنے بتوں کو غیب دان فریادرس وغیرہ مانتے تھے۔ بعطاءِ الٰہی یہی تم انبیاء اولیاء کیلئے عقیدہ رکھتے ہو، لہٰذا تم بھی ان ہی کی طرح مشرک ہو۔ **نوٹ**: موجودہ وہابی دیوبندیوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے، اس پر مولوی مودودی وغیرہ نے بہت زور دیا ہے۔ **جواب**: مشرکین عرب اپنے بتوں کو خدا کی مثل مانتے تھے اس لئے مشرک تھے، چنانچہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، اولاد باپ کی مثل ہوتی ہے، بعض بتوں کو مستقل خالق بے نیاز مانتے تھے جیسے مجوسی بعض مشرکین اپنے بتوں کو خدا کا بندہ مملوک مقبوض مان کر پھر انہیں خدا کی مثل مانتے تھے

کہ پیدا ہونے میں یہ بت خدا کے محتاج ہیں اور دنیاوی انتظام میں خدا ان کا محتاج حاجت مندی میں یہ بت اور خدا برابر ہیں، خدا سے برابری کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بندے کو اونچا کر کے خدا تک پہنچا دیا جاوے دوسرے یہ کہ خدا کو نیچا کر کے بندوں کی صف میں داخل کر دیا جاوے۔ یہ مشرک خدا کو بتوں کا محتاج مان کر اسے بندوں کے برابر کر دیتے تھے لہٰذا مشرک تھے بہرحال بے نیازی خدا کی صفت ہے نیاز مندی بندے کی صفت فرق الوہیت و بندگی اسی سے ہے۔

چوتھا اعتراض :ذِی الْقُرْبٰی میں ماں باپ بھی داخل تھے پھر ماں باپ کا ذکر علیحدہ کیوں کیا۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گذر گیا کہ ماں باپ تمام قرابت داروں سے افضل اکمل ہیں کہ تمام کے رشتہ ماں باپ کے ذریعہ سے ہیں کہ ان کی اولاد ہماری بھائی بہن، ان کے باپ دادے ہمارے اصول ہیں ان کے بھائی ہمارے چچا، ماموں وغیرہ نیز ان کے حقوق تمام رشتہ داروں سے زیادہ ہیں، اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے علیحدہ کیا گیا۔

پانچواں اعتراض :مساکین میں تو یتیم بھی شامل تھے پھر ان کا ذکر علیحدہ کیوں فرمایا۔ **جواب**:اس لئے کہ یتیم مسکین بھی ہے اور بے کس بھی بے زور بھی اس لئے یہ ہی زیادہ امداد کا مستحق ہے، یہ علیٰحدہ ذکر فرمانا بھی خصوصیت کے اظہار کے لئے ہے۔

چھٹا اعتراض :اس آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ ہم نے کفار کیلئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے، تو کیا مذکورہ حقوق ادا نہ کرنیوالا کافر ہے اگر کافر نہیں ہے تو یہاں کافروں کا ذکر بیکار رہا۔ **جواب**:اس جملہ سے متصل لوگوں کو بخل کا حکم دینا مذکور ہوا اور واقعی جو زکوٰۃ وغیرہ کو برا جانے لوگوں کو اس سے روکے وہ کافر ہے نیز اللہ کا فضل چھپانے کا ذکر ہوا اور جو شخص حضور کی نعت چھپائے انکار کرے وہ کافر ہے، بہرحال عبارت گذشتہ مضمون کے بالکل مناسب ہے۔

ساتواں اعتراض :اس آیت میں تکبر شیخی کی برائی بیان ہوئی تو کیا اچھا لباس اچھا مکان بنانا حرام ہے کہ اس میں بھی شیخی عملی ہے۔ **جواب**: ہرگز نہیں بلکہ اگر یہ رب تعالیٰ کی نعمت ظاہر کرنے کیلئے ہو تو عبارت اور باعثِ ثواب ہے، بلکہ دوسرے مسلمان بھائی کو ذلیل جاننا حق کا انکار کرنا۔ یہ ہے شیخی وہ ہی یہاں مراد ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

تفسیر صوفیانہ نفس امارّہ کی پیروی نفس کی عبادت ہے، جو خدا سے غافل کر دے اسے ماننا شرک ہے حتی کہ اگر تیری ذات تجھے رب سے غافل کر دے تو اس کا ماننا بھی شرک۔ انا کی فنا توحید ہے۔

نقد ہستی محو کن در لا الٰہ	تا بہ بینی دار ملک بادشاہ
غیر حق ہر ذرہ کاں مقصود تست	تیغ لا بر کش کہ آں معبود تست
لا کہ عرش و فرش را پرے درد	از فنا سوء بقاء رہ می بُرد

لا ترا از تو رہائی مے دہد با خدایت آشنائی مے دہد

چوں تو خودرا از میاں برداشتی قصر ایماں را درے افراشتی

عابد معبود سے واصل اسی وقت ہوسکتا ہے، جب اپنی ہستی کا پردہ بھی چاک کردے لا کی تلوار سے ہر غیر اللہ کو ذبح کر دے حتی کہ جنت حاصل کرنے دوزخ سے بچنے کیلئے بھی رب کی عبادت کرنا شرک خفی ہے کہ تو پھر جنت دوزخ کا پجاری ہے عبدیت سے آگے بڑھو عبودیت تک پہنچو جہاں خوف دنیا و عقبیٰ ختم ہو، تسلیم و رضا تیرا شغل ہو، جب عابد اپنے معبود سے واصل ہوگا تو صفاتِ الٰہی سے موصوف ہو جاوے اور اللہ کی صفت احسان بھی ہے اب یہ شخص ماں باپ رشتہ داروں، پڑوسیوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں سے اس طرح احسان کرے گا کہ خود صفتِ احسان کا مظہر اتم ہوگا اس لئے رب نے پہلے عبادت یا عبودیت کا حکم دیا شرک سے منع فرمایا پھر احسان کی تاکید کی، بخل، تکبر، شیخی وغیرہ نفس کے عیوب ہیں، رب تعالیٰ نہ تو نفس کو پسند فرماتا ہے نہ نفس کے عیوب سے راضی ہے جب بندہ انا کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے تو اس سے نفسانی عیوب خود ہی دور ہو جاتے ہیں، ماں باپ وغیرہ سے احسان بھی اس لئے کرو کہ یہ رب کا فرمان ہے جب بندہ بندے سے محبت کرتا ہے، اللہ کے لئے تو یہ محبت و خدمت اللہ کی عبادت ہوتی ہے، اللہ کے لئے ملنا، اللہ کے لئے الگ ہونا بڑا کمال ہے، مولانا جلال الدین اتحاد اولیاء کے متعلق مختلف مقامات پر فرماتے ہیں۔

چوں از ایشان مجتمع بینی دو یار ہم یکے باشند وہم شش صد ہزار

بر مثال موجہا اعداد شان در عدد آوردہ باشد یادشاں

تفرقہ در روح حیوانی بود نفس واحد روح انسانی بود

مومناں معدود لیک ایماں یکے جسم شاں معدود لیکن جاں یکے

مومن موج دریا کی طرح ہیں کہ تعداد میں لاکھوں مگر ایمان و روح میں ایک اللہ تعالیٰ بھی اس قال کو حال بنادے آمین یہ آیت اخلاق ظاہری باطنی کی بہت جامع ہے (از روح البیان)

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں مال اپنے دکھانے کے لئے لوگوں کو اور نہیں ایمان رکھتے اللہ پر

اور جو اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کو خرچ کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے اللہ

وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ

اور نہ آخری دن پر اور وہ جو ہو شیطان اس کا ساتھی پس وہ برا ہے

اور نہ قیامت پر اور جس کا مصاحب شیطان ہوا تو کتنا برا

قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
ساتھی　اور کیا ہے جو اُن پر ہوتا اگر ایمان لے آتے اللہ اور آخری دن پر
مصاحب ہے　اور ان کا کیا نقصان تھا اگر ایمان لے آتے اللہ اور قیامت پر
وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾
اور خرچ کرتے اس سے جو دیا انہیں اللہ نے　اور ہے اللہ ان کو جاننے والا
اور اللہ کے دیئے میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے　اور اللہ ان کو جانتا ہے

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں مال نہ خرچ کرنے والوں یعنی کنجوسوں کی برائیاں فرمائی گئی تھیں، اب بیجا خرچ کرنیوالوں یعنی ریا کاروں کی برائیاں بیان ہو رہی ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیۃ میں ارشاد تھا کہ کنجوس لوگ اچھی جگہ خرچ نہیں کرتے اب فرمایا جا رہا ہے کہ کنجوسی کی وجہ سے بچا ہوا مال ناجائز جگہ خرچ کرتے ہیں، وہ مال ان کے کام نہیں آتا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں منافقین و کفار کے بخل کا ذکر تھا اب اس کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ شیطان ان کا ساتھی ہو چکا، جن کا ساتھی شیطان ہو جاوے وہ اچھا کام کیسے کریں۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں حکم تھا کہ ماں باپ اہل قرابت وغیرہ پر خرچ کرو اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ خرچ دکھاوے کے لئے نہ ہو، اللہ کو راضی کرنے کے لئے ہو یعنی پہلے ایک نیکی کا حکم تھا اب اخلاص کا تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے۔

شان نزول

منافقین مدینہ مسلمانوں کو زکوٰۃ و صدقات سے ڈراتے تھے کہ تم فقیر ہو جاؤ گے اپنا مال آڑے وقت کے لئے بچا کے رکھو مگر خود حضور ﷺ کی بارگاہ عالی میں کبھی کبھی مال پیش کرتے رہتے تھے تاکہ ہم پر نفاق کا الزام نہ آجاوے لوگ ہم کو مسلمان ہی جانیں ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی امام واحدی کا یہی قول ہے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ اور منافقین مدینہ حضور ﷺ کی مخالفت اسلام سے لوگوں کو پھیرتے اور نام و نمود کے موقعوں پر بے دریغ مال خرچ کرتے تھے مگر اسلامی کاموں پر خرچ کرنے سے گھبراتے تھے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر)۔

تفسیر

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ ۔ اَلَّذِيْنَ یا تو اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ پر معطوف ہے اور لَا يُحِبُّ کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصبی میں ہے یا لِلْكٰفِرِيْنَ پر معطوف ہے اور جری حالت میں ہے یعنی کفار و ریا کاروں کے لئے سخت عذاب ہم نے تیار کیا ہے یا اَلَّذِيْنَ متبدا ہے جس کی خبر پوشیدہ ہے، تب یہ حالت رفعی میں ہوگا لہٰذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں اَلَّذِيْنَ سے مراد ریا کار منافقین و کفار ہیں،

جیسے کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے، يُنفِقُونَ مضارع فرما کر بتایا گیا کہ یہ لوگ ناجائز نیت سے ناجائز مقامات پر خرچ کرتے ہی رہتے ہیں اموال جمع فرما کر اشارہ کیا کہ یہ بدنصیب ریاء کے لئے ہر قسم کے مال خرچ کرتے ہیں روٹی، کپڑا پیسہ وغیرہ رِئَآءَ رأیٌ سے بنا بمعنی دیکھنا باب مفاعلت کا مصدر ہے متعدی ہے یعنی دکھانا یہاں يُنفِقُونَ کا مفعول لہ ہے اَلنَّاسِ سے مراد عام لوگ ہیں مسلمان ہوں یا کفار اس میں حضور علیہ السلام داخل نہیں کیونکہ حضور کا دکھانا انہیں راضی کرنے کیلئے نیکیاں کرنا ریا نہیں عین عبادت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (التوبہ:۶۲) لوگوں کو دکھانے کیلئے نیکی کرنا ریاء ہے، حضور کو دکھانے کے لئے کرنا اعلیٰ درجہ کا اخلاص وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، یہ عبارت يُنفِقُونَ الخ پر معطوف ہے اور اَلَّذِيْنَ کا صلہ ارکان ایمان بہت ہیں مگر وہ تمام اللہ اور قیامت کے درمیان ہیں گویا کناروں کا ذکر فرمایا اور تمام ایمانیات مراد لئے خیال رہے کہ منافقین مذہبًا یہود تھے، جو اللہ تعالیٰ کو بھی مانتے تھے اور قیامت کو بھی مگر چونکہ حضور علیہ السلام کے منکر تھے اس لئے ان کا اللہ اور قیامت کو ماننا مثل نہ ماننے کے قرار دیا گیا، یعنی یہ لوگ صحیح طور پر اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے کیونکہ اے محبوب تمہارے منکر ہیں، وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا، یہ عبارت اَلَّذِيْنَ مذکورہ کی خبر نہیں ورنہ اس پر واؤ نہ آتا ف آتی اس کی خبر پوشیدہ ہے، فَقَرِيْنُهُ الشَّيْطَانُ اس کا ساتھی شیطان ہے، یہ جملہ علیحدہ ہے ظاہر یہ ہے کہ یہاں شیطان سے مراد ابلیس ہے جو تمام شیاطین کا مورث اعلیٰ ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد وہ ہی شیطان ہو جو ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے، جسے قرین کہا جاتا ہے، مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے رب فرماتا ہے، وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (زخرف:۳۶) ممکن ہے کہ اس شیطان سے مراد برے ساتھی ہوں، جو اگرچہ انسان ہیں، مگر درحقیقت شیطان ہیں کہ اسے بہکاتے رہتے ہیں (تفسیر روح المعانی) قَرِيْن قَرْنٌ سے بنا ہے بمعنی جمع ہونا یا کسی جگہ میں جمع ہونا یا کسی کام میں یا کسی وصف میں اصطلاح میں ساتھی اور دوست کو قرین کہتے ہیں یہاں یہ ہی مراد ہے ابلیس ایسے لوگوں کا دنیا میں ساتھی و دوست ہے یا ہر کافر کا قرین شیطان اس کے ساتھ زنجیر میں باندھ کر دوزخ میں پھینکا جاوے گا۔ اس طرح اس آیت میں اشارہ ہے یعنی ایسے ریاء کاروں کا دنیا آخرت میں شیطان ساتھی ہے اور جس کا ساتھی شیطان ہو جاوے وہ یقینًا برا ساتھی ہے، وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ان منافقین کی ریاکاری کا ذکر فرما کر ان کی حماقت و بیوقوفی کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ اگر وہ لوگ یہ ہی مال ایمان لا کر اللہ کیلئے خرچ کرتے تو ان کا بگڑتا کچھ نہیں نفع ہی نفع پاتے ما استفہامیہ ہے، جس کا مقصد پوچھنا نہیں بلکہ ان کی حماقت کا اظہار ہے ذَا بمعنی اَلَّذِیْ ہے اسم موصول اس سے مراد نقصان و وبال یا تکلیف ہے۔ اس لئے بعد میں علیٰ ارشاد ہوا کہ علیٰ نقصان کیلئے آتا ہے لَوْ آمَنُوْا کی وہ ہی تحقیق ہے جو ابھی عرض کی گئی کہ اس سے مراد اللہ اور یوم آخر کو بواسطہ رسول اللہ علیہ السلام ماننا ہے۔ خیال رہے کہ پچھلی آیت میں ایمان کا ذکر آخر میں تھا کیونکہ وہاں

منافقین کے خرچ قبول نہ ہونے کی علت بیان کرنے کے لئے آیا تھا یہاں اس کا ذکر پہلے فرمایا کیونکہ یہ ترغیب کے لئے ہے لہٰذا یہاں پہلے ہی ذکر مناسب تھا یعنی اگر یہ منافقین و کفار صحیح طور پر ایمان لے آتے تو ان کا حرج کیا تھا، نفع ہی نفع تھا۔ وَاَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ، یہ عبارت اٰمَنُوۡا الخ پر معطوف ہے چونکہ اعمال ایمان کے بعد ہیں اس لئے اس کا ذکر ایمان کے بعد ہوا، انفاق کے معنی اور مِمَّا رَزَق کی تحقیق پارہ آلٓم میں ہو چکی کہ انفاق سے مراد اللہ کی رضا کیلئے اچھی جگہ خرچ کرنا ہے اور مِنۡ سے معلوم ہوا کہ بعض مال خیرات کرنا چاہئے رَزَق میں اس طرف اشارہ ہے کہ طیب و حلال مال سے خیرات کرے یعنی یہ لوگ ایمان لا کر اللہ کے دیئے میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمۡ عَلِيۡمًا یہ جملہ خبریہ ہے جس میں ڈرانا بھی ہے، خوشخبری بھی بِهِمۡ کا مرجع وہ منافقین و کفار ہیں، جن کا ذکر ابھی ہوا اور اس سے مراد ان کی ذات صفات، حالات، افعال، اخلاص، ریا وغیرہ سب ہی ہیں كَانَ دوام و استمرار کیلئے ہے، عَلِيۡم علم کا مبالغہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ تھا اور ہے اور رہے گا ان کے تمام حالات کا پورا پورا جاننے والا لہٰذا اگر ریاء کریں گے تو ہمارے علم میں ہے، اخلاص سے خیرات کریں گے، تو ہم جانتے ہیں، پہلی صورت میں ان کو عذاب دیں گے دوسری صورت میں ثواب جو شخص یقین کر لے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہر حال سے خبردار ہے وہ بفضلہٖ تعالیٰ گناہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

خلاصہ تفسیر

اے محبوب ﷺ جو منافقین و کفار اپنے ہر قسم کے مال، روپیہ، پیسہ، غلہ، کپڑا وغیرہ صرف لوگوں کے دکھاوے اور اپنی ناموری کے لئے خرچ کرتے ہیں، خواہ اچھی جگہ جیسے صدقہ و خیرات وغیرہ یا بری جگہ جیسے اسلام سے روکنے اور آپ کے مقابلے کے لئے ان کا حال یہ ہے کہ نہ وہ اللہ کو مانتے ہیں، نہ قیامت کو کیونکہ آپ کے انکاری ہیں آپ کا انکاری اللہ تعالیٰ اور قیامت بلکہ سارے ایمانیات کا منکر ہے ایسے لوگوں کا ساتھی شیطان ہے جو ہر وقت ان کے ساتھ رہتا ہے، ان سے برے کام کراتا ہے اچھے کاموں سے روکتا ہے، یقین فرماؤ کہ جس کا ساتھی شیطان ہو جاوے وہ بہت ہی نقصان میں ہے، کیونکہ برا ساتھی رب کا عذاب ہے، ان بدنصیبوں کا کیا حرج تھا، اگر یہ صحیح معنی سے اللہ تعالیٰ یوم قیامت اور تمام ایمانیات پر ایمان لے آتے اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے ہماری راہ میں اچھی جگہ خیرات کرتے اس میں ان کا نفع ہی نفع تھا اللہ تعالیٰ ان کے ہر حال کو جانتا ہے ان کی موجودہ ریاء کاری سے بھی خبردار ہے اور اگر اخلاص اختیار کر لیں تو اس کو بھی جانتا ہے، اب ان کی مرضی ہے چاہے ریاء کر کے دنیا و آخرت میں اپنا نقصان کر لیں یا اخلاص و ایمان اختیار کر کے اپنا سب کچھ بنا لیں نقصان یا نفع ان ہی کا ہے۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل کئے ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ریاء کار کے نیک اعمال کا ثواب بالکل نہیں، ثواب کے لئے اخلاص شرط ہے، گھنا ہوا دانہ نہیں اگتا، اس کی کاشت بیکار ہے، ریاء کاری کے اعمال کی کاشت سے ثواب کی پیداوار نہیں ہوتی۔ **دوسرا فائدہ:** ریا کاری

منافقوں کا کام ہے ریاء کار عملی منافق ہے، **مسئلہ**: ریاء دو قسم کی ہے، اصل عمل میں ریا، حسن عمل میں ریاء اصل عمل میں ریا یہ ہے کہ بغیر دکھلاوے کے عمل ہی نہ کرے کوئی دیکھے تو نماز پڑھ لے ورنہ نہیں، حسن عمل میں ریاء یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اچھی طرح عمل کرے اکیلے میں معمولی طرح پہلی ریا زیادہ بری ہے۔ **تیسرا فائدہ**: لوگوں کو دکھانے اور اپنی ناموری کے لئے نیکیاں کرنا برا ہے، حضور ﷺ کو دکھانے انہیں خوش کرنے کے لئے نیکیاں کرنا اچھا ہے، زیادہ قابل قبول ہے، جیسا کہ لِلنَّاسِ کی تفسیر سے معلوم ہوا، اسی طرح اللہ والوں کو راضی کرنے یا لوگوں کو رغبت دینے کیلئے صدقہ وخیرات کرنا بہت اچھا ہے، علانیہ طور پر حج کو جانا لوگوں کے سامنے چندہ دینا اچھا ہے کہ یہ تبلیغ ہے نہ کہ ریاء اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو آج اکثر مسلمان حکام کو راضی کرنے بیاہ شادی کی حرام رسوم نام ونمود کیلئے ہزار ہا روپیہ خرچ کر دیتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں خیرات کرنے سے گھبراتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ**: حضور ﷺ کا انکار کر کے خدا تعالیٰ اور قیامت کو ماننا ایمان نہیں، دیکھو رب نے ان منافقوں کو بے ایمان فرمایا جو خدا تعالیٰ کو بھی مانتے تھے قیامت کو بھی جمال کبریا، آئینہ مصطفوی میں دیکھو شیطان تمام ایمانیات کا اقراری تھا صرف نبی کا انکاری تھا بے ایمان رہا اس سے آج کل کے توحید یئے عبرت پکڑیں۔ **پانچواں فائدہ**: جو شیطان کو خوش کرے شیطان اسکے ساتھ رہتا ہے، حتی کہ اسکے ساتھ کھاتا پیتا عورت سے صحبت کرتا ہے اسلئے ہر کام کے اوّل بسم اللہ پڑھنا چاہئے، تاکہ شیطان دور رہے یہ فائدہ قرین کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: شیطان ہر جگہ حاضر وناظر ہے کہ اکیلا ہے مگر تمام ریا کاروں کے ساتھ رہتا ہے، جیسا کہ شیطان کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے **اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ** (اعراف: ۲۷)، جب بیماری ایسی طاقتور ہے تو دوا اس سے زیادہ طاقتور چاہئے۔ **ساتواں فائدہ**: جس پر اللہ تعالیٰ خاص کرم کرتا ہے اسے اچھے یار نصیب کرتا ہے، جس پر غضب وقہر ہوتا ہے اسے برے ساتھی میسر ہوتے ہے اچھے ساتھی اللہ کی رحمت کی علامت ہیں برے ساتھی اس کے غضب کی نشانی۔ **آٹھواں فائدہ**: حضور کے سارے صحابہ اچھے ہیں کیونکہ یہ حضور کی صحبت کیلئے منتخب ہوئے اگر یہ لوگ برے ہوتے تو رب تعالیٰ انہیں حضور کے ساتھ نہ رکھتا کہ حضور اللہ کے محبوب ہیں اور یہ حضرات محبوب کی ہمراہی کیلئے چنے ہوئے۔ **نواں فائدہ**: مسلمان کو ہر مال میں سے اللہ کی راہ میں خیرات کرنا چاہئے، جیسا کہ اَمْوَالَهُمْ جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ**: چاہئے یہ کہ حلال وطیب مال سے خیرات کرے جیسا کہ مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **گیارھواں فائدہ**: چاہئے یہ کہ سارا مال خیرات نہ کرے بلکہ بعض مال خیرات کرے بعض اپنے لئے رکھے جیسا کہ مِمَّا کے مِنْ تبعیضیہ سے معلوم ہوا۔ **بارھواں فائدہ**: اس آیت کریمہ میں مذہب جبریہ کا نہایت نفیس رد ہے وہ لوگ انسان کو مجبور محض مانتے ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے رب کے ارادہ سے ہو رہا ہے، انسان کا کچھ اختیار نہیں، یہاں اس آیت میں ارشاد ہوا کہ اگر منافقین و کفار

ایمان لے آتے تو ان کا کیا حرج تھا یہ گفتگو با اختیار سے کی جاتی ہے، مجبور محض سے نہیں کی جاتی، مثلاً کسی کالے آدمی سے نہیں کہا جاتا کہ اگر تو گورا ہو جاتا تو تیرا کیا حرج تھا ہاں فاسق و بدکار سے کہا جاتا ہے کہ اگر تو نیک ہو جاتا تو تیرا کیا حرج تھا اس سے معلوم ہوا کہ انسان کافر و مومن بننے میں مختار ہے پتھروں کی طرح مجبور نہیں اس اختیار پر سزا جزا ہے، محض مجبور کو نہ سزا دی جاتی ہے نہ جزاء۔

اعتراضات

پہلا اعتراض : اگر اعمال کا دکھانا منافقوں کا عیب ہے تو اسلام میں بعض نیکیوں کا اظہار ضروری کیوں ہے دیکھو نماز جمعہ، نماز عید، حج وغیرہ، علانیہ کرنا ضروری ہے اخلاص کے لئے خفیہ ہونا ضروری ہے کسی شاعر نے کہا ہے۔ شعر:

گر عبادت مے کنی بہر خدا　　　خفیہ کن گر فاش کردی شد ریا

جواب : ہر اظہار کو ریا نہیں کہتے بلکہ اپنی ناموری و عزت افزائی کیلئے دکھلاوا کرنے کو ریا کہا جاتا ہے، وہ ہی یہاں مراد ہے، اسی کی ممانعت ہے، دوسروں کو رغبت دینے اپنے کو الزام سے بچانے کیلئے نیکیوں کا اظہار اچھا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنْ تُبْدُو االصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّاهِیَ ط (بقرہ:۲۷۱)۔

دوسرا اعتراض : یہ آیت منافقوں اور یہود وغیرہ کفار کے متعلق نازل ہوئی یہ دونوں فریق اللہ اور قیامت دونوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اگر کفار مکہ کے متعلق بھی ہو تو وہ بھی اللہ کو مانتے تھے قیامت کے انکاری نہ تھے اس لئے تو وہ حجاج کی خدمت بیت اللہ کی حفاظت کرتے تھے تا کہ قیامت میں اس کا بدلہ ملے قیامت کا منکر نیک اعمال کیوں کرے گا۔ مگر قرآن کریم نے ان کی متعلق فرمایا کہ یہ لوگ اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب** : اسکے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ دونوں گروہ اللہ تعالیٰ کو صحیح طریقہ سے نہیں مانتے تھے، مثلاً یہود تو اس کے لئے اولاد ثابت کرتے تھے کہ عزیر علیہ السلام کو رب کا بیٹا کہتے تھے اور مشرکین عرب رب کے لئے بیٹیاں اور شریک مانتے تھے، قیامت کے متعلق بھی ان کے عقیدے بہت غلط تھے اس لئے ان کا اس طرح ماننا نہ ماننے کی طرح تھا، دوسرے یہ کہ حضور ﷺ کا انکار کر کے خدا تعالیٰ کو ماننا ایمان نہیں جیسے شیطان کو آپ مومن نہیں کہہ سکتے۔ لہٰذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔

تیسرا اعتراض : حدیث شریف میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے جسے قرین کہا جاتا ہے، مگر اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار و منافقین کے ساتھ ہی شیطان رہتا ہے، تو حدیث و قرآن میں موافقت کیسے ہوگی۔

جواب : حدیث شریف میں جو قرین کی خبر دی گئی ہے وہاں قرین بمعنی صاحب ساتھی ہے، یہاں قرین سے مراد مصاحب و دوست ہے مسلمان اپنے شیطان کو دشمن سمجھ کر اس سے بچنے کی تدبیریں کرتا رہتا ہے کفار اسے دوست سمجھ کر اس کی ہر بات مانتے ہیں لہٰذا حدیث و قرآن میں کوئی تعارض نہیں کہ حدیث میں جسم کا ساتھی مراد ہے اور یہاں

آیت میں دل کا ساتھی اور اگر یہاں شیطان سے مراد ابلیس ہو تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں کہ ابلیس مومن سے بیزار بلکہ بعض سے مایوس ہو جاتا ہے، کفار کا دوست بن کر ان کے ساتھ رہتا ہے ان سے حرام کام کراتا رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

مخلص، مومن، بہادر اور آخر بین ہے، ریاء کار منافق بزدل اور ظاہر بین منافق دنیا پر قناعت کر بیٹھتا ہے اور آخرت کی بڑی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے، اس لئے وہ خیرات بھی کرتا ہے، تو دنیا کے لئے یہاں ان ہی بزدلوں کی بزدلی کا ذکر ہے، صوفیاء فرماتے ہیں کہ ریا کار کی عبادات ایسی ہیں جیسے کوئی شخص ٹھیکریاں تھیلے میں بھر کر بازار جاوے، لوگ اس کا بھرا تھیلہ دیکھ کر اسے مالدار سمجھیں مگر کسی دوکان سے سودا نہ مل سکے اسے سواء لوگوں کی تعریف کے کچھ میسر نہ ہو بازار قیامت میں ریاء کے اعمال سے مغفرت کا سودا نہ ملے گا، حضرت حامد لفاف فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اسے تین چیزو سے محروم رکھتا ہے علم دیتا ہے عمل کی توفیق سے محروم رکھتا ہے صالحین کی صحبت دیتا ہے ان کے ادب سے محروم رکھتا ہے، عبادات دیتا ہے، مگر اخلاص سے محروم رکھتا ہے یہ سب محرومیاں فساد نیت کی وجہ سے ہیں، ریاء زیادہ مہلک بیماری ہے جس کا علاج بہت مشکل ہے بلکہ بعض صورتوں میں ناممکن ہوتا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کی بڑی نعمت اچھے ساتھی کا میسر ہونا ہے اور رب تعالیٰ کا سخت عذاب دنیا میں برے یار کی صحبت ہے دیکھو ریا کاروں کے متعلق ارشاد ہوا کہ ان کا مصاحب شیطان ہے اور قیامت میں ہوگا، جب صحبت کا یہ اثر ہے تو مومن کو چاہئے کہ اچھی صحبت اختیار کرے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ ۚ وَ اِنۡ تَکُ حَسَنَۃً
بے شک اللہ نہیں ظلم کرتا ذرہ برابر　　اور اگر ہو نیکی تو
اللہ ایک ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا　　اور اگر کوئی نیکی ہو
یُّضٰعِفۡہَا وَ یُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡہُ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۴۰﴾
دوگنی کرتا ہے اس کو اور دیتا ہے پاس سے اپنے ثواب بڑا
تو اسے دونی کرتا ہے اور اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتا ہے

تعلّقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ ریا کار و کفار کی نیکیاں برباد ہیں، اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس بربادی میں رب تعالیٰ کا ظلم نہیں بلکہ خود ان کا اپنا قصور ہے نہ وہ ریا و کفر کرتے نہ اعمال برباد ہوتے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اگر یہ ریا کار و کفار ایمان لے آتے تو اس میں ان کا حرج نہ تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ حرج تو کیا ہوتا بالکل نفع ہی نفع تھا انہیں بہت اجر ملتا یعنی پہلے ایمان کے مضر نہ ہونے کا ذکر تھا، اب ایمان کے مفید ہونے کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے، اب فرمایا جارہا ہے کہ وہ رحیم و کریم ہے معمولی نیکی پر بڑا اجر و ثواب دیتا ہے۔ رب کے علم و کرم ایسے اوصاف ہیں جس سے گنہگاروں کے بیڑے پار لگتے ہیں۔

تفسیر

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ چونکہ بعض بے دین اس مضمون کے پہلے بھی منکر تھے اور اب بھی منکر ہیں رب تعالیٰ کو ظلم پر قادر مانتے ہیں، اسی لئے یہ آیت کریمہ اِنَّ سے شروع فرمائی گئی اِنَّ دفع شک کے لئے آتا ہے، ظلم کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ ظلم کے معنی ہیں دوسرے کی ملکیت میں بغیر اس کی اجازت تصرف کرنا یا کسی چیز کو غیر محل میں استعمال کرنا مگر یہاں اس سے مراد صورۃ ظلم ہے یعنی مجرم کو قانون سے زیادہ سزا دے دینا اور نیک کار کو بلا وجہ جزا نہ دینا یا بغیر قصور کسی کو دوزخ میں ڈال دینا ان تینوں چیزوں سے رب تعالیٰ پاک ہے اگرچہ یہ چیزیں رب کیلئے ظلم نہیں کہ ہر شخص اس کی ملک ہے جسے جو چاہے دے جو چاہے نہ دے مگر یہ صورۃ ظلم ہے۔ رب اس سے بھی پاک ہے (تفسیر کبیر روح المعانی وروح البیان وغیرہ) **لَا یَظْلِمُ** کا مفعول پوشیدہ ہے، جس سے عموم کا فائدہ حاصل ہوا یعنی رب تعالیٰ اپنی کسی مخلوق جن، انس، جانور، فرشتہ وغیرہ پر ظلم نہیں فرماتا ممکن ہے کہ اس سے مراد صرف جن وانس ہوں یا فقط انسان یعنی کسی انسان پر ظلم نہیں کرتا کیونکہ اگلا مضمون اس کی تائید کر رہا ہے، نیکیوں کا اجر ملنا انسان کیلئے ہی ہے، **مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ مثقال** ثقل سے بنا بمعنی وزن یا بوجھ **مثقال** اسم آلہ ہے یعنی وزن کرنے کا آلہ، باٹ یا بٹہ جس سے چیز تولی جاوے مگر اصطلاح میں ایک خاص وزن کو بھی **مثقال** کہتے ہیں جو چوبیس قیراط کے برابر ہے یعنی ساڑھے چار ماشہ اور **مطلقًا** مقدار کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں اس آخری معنیٰ میں ہے (روح) ذرہ ذرٌّ سے بنا جس کے معنی ہیں چھڑکنا، بکھیرنا اصطلاح میں اس کے کئی معنیٰ ہیں، چیونٹی کے چھوٹے بچے جن میں سے سو کا وزن ایک جو کے دانے کی برابر ہوتا ہے، سرخ چھوٹی چیونٹیاں وہ چیزیں جو کسی مکان میں سورج کی کرن پڑے تو اڑتی نظر آویں جسے عربی میں **ھباءً** کہا جاتا ہے، چیونٹی کا سر، رائی کے دانے کا ٹکڑا کسی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے ذرہ کے معنیٰ پوچھے تو آپ نے اپنا ہاتھ مٹی پر لگایا پھر اس میں پھونک ماری اور فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک چیز ذرہ ہے (تفسیر کبیر روح) غرضیکہ اس سے نہایت حقیر و کم چیز مراد ہے اور مقصود ہے بالکل کی نفی یعنی اللہ تعالیٰ ذرہ کی مقدار برابر بھی کسی پر ظلم نہیں فرماتا یعنی بالکل ظلم نہیں کرتا **وَاِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْھَا** یہ نیا جملہ ہے بعض قراٰتوں میں **حسنۃٌ** ت کے پیش سے اس صورت میں **تَکُ** تامہ ہوگا۔ ہماری قراءۃ میں **حسنۃً ت** کے زبر سے ہے **تَکُ ناقصہ** ہے اس کا اسم **ھِیَ** ضمیر ہے جو مثقال کی طرف لوٹتی ہے اگرچہ مثقال خود مذکر ہے لیکن چونکہ اس کا مضاف الیہ مونث ہے اور خبر بھی مونث اس لئے اس کی طرف ضمیر مونث لوٹ گئی، خیال رہے کہ **تَکُ** اصل میں **تَکُوْنَ** تھا اِنْ شرطیہ کی وجہ سے نون ساکن ہوا۔ تو واؤ گر گیا۔ پھر تخفیف کے لئے نون بھی گرا دیا گیا، قرآن مجید میں **اِنْ تَکُ** بھی آیا اور **اِنْ تَکُنْ** بھی رب فرماتا ہے **اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا** (النساء: ۱۳۵) **یُضٰعِفُ ضعفٌ** سے بنا بمعنی چند در چند

حسنہ سے ہے مراد یا تو مطلقًا نیکی ہے یا معمولی نیکی خواہ بدنی ہو یا مالی، زیادتی سے یہاں زیادتی کیفیت مراد ہے یعنی اگر کسی کے پاس ذرہ برابر بھی نیکی ہوگی رب تعالیٰ اُسے صد ہا گنا زیادہ فرمادے گا، یہ اس کی کریمی ہے وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا یہ جملہ يُضَاعِفُ پر معطوف ہے اور اِن کی دوسری جزاء لَدُنْ اور عند دونوں کے معنی ہیں پاس و نزدیک مگر عند عام ہے اور لَدُنْ خاص چنانچہ اگر آپ کا روپیہ کسی دوسری جگہ میں ہو تو آپ کہہ سکتے ہیں عندی کذا مگر لَدُنْ وہاں ہی کہاں جاوے گا، جب روپیہ اپنے پاس اور قبضہ میں ہو (تفسیر کبیر) یؤت کا مفعول پوشیدہ ہے ضمیر جو نیک کار کی طرف راجع ہے یعنی رب تعالےٰ نیک کار کو جزاء کے علاوہ اپنی طرف سے بہت بڑا ثواب بھی دے گا جو اس کے کسی عمل کی عوض نہ ہوگا، دیدار الٰہی جنت میں محبت الٰہی، معرفت الٰہی وغیرہ اسے اجر فرمانا مجاز اً ہے (روح المعانی و کبیر وغیرہ)

خلاصہ تفسیر اے لوگو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں فرماتا کہ کسی کو بغیر قصور یا قصور سے زیادہ سزا دے یا نیک کار کو جزاء نہ دے یا اس کی نیکیوں سے کم دے یہ ہو ہی نہیں سکتا وہ تو ایسا کریم ہے کہ اگر کسی انسان کے پاس ذرہ برابر بھی نیکی ہوگی اسے رب تعالیٰ ان گنت زیادہ فرمادے گا، اس زیادتی کی کیفیت بندوں کے گمان سے وراء ہے اس پر بس نہیں وہ تو اپنے کرم سے اس کے علاوہ اور بہت بڑا ثواب بخشے گا کہ اپنا دیدار اپنا ذوق و شوق و محبت بھی عطا کرے گا، ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے روایت کی کہ فرمایا رسول ﷺ نے میری امت میں ایک شخص کے سامنے ننانوے دفتر اس کے گناہوں کے پھیلائے جائیں گے، ہر دفتر تاحد نظر ہوگا رب تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ کیا تو ان گناہوں میں سے کسی کا انکار کرتا ہے، کیا تجھ پر کاتبین اعمال فرشتوں نے ظلم کیا ہے کہ تیرے بغیر کئے گناہ لکھ دیئے بندہ عرض کرے گا نہیں یارب، پھر فرمائے گا کیا تجھے ان گناہوں کے متعلق کوئی عذر یا معذرت ہے عرض کریگا کچھ نہیں فرمائے گا تیری ایک نیکی بھی ہمارے پاس ہے تجھ پر ظلم نہ ہوگا چنانچہ ایک پرچہ لایا جاوے گا، جس میں کلمہ طیبہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ لکھا ہوگا، حکم ہوگا جا ان دفتروں کا اس پرچہ سے وزن کرالے بندہ عرض کرے گا، مولیٰ اس پرچہ کی ان دفتروں کے مقابلہ میں کیا حقیقت ہے فرمایا جاوے گا، تجھ پر ظلم نہ ہوگا، وزن کرا چنانچہ نیکیوں کے پلہ میں یہ پرچہ گناہوں کے پلہ میں وہ دفتر رکھے جائیں گے، پرچہ بھاری ہوگا وہ دفتر ہلکے اور بندہ بخش دیا جاوے گا، کیوں نہ ہو کہ یہ تھے اس کے کام اور وہ تھا اللہ رسول کا نام، شعر:

دل عبث خوف سے پتہ سا اُڑا جاتا ہے　　　پلہ ہلکا سہی بھاری بھروسہ تیرا

یہاں تفسیر خازن نے بخشش، شفاعت کی اور بہت سی احادیث نقل فرمائیں بہر حال اللہ تعالیٰ کا کرم عنایت کا اور اس آیۃ کا ظہور انشاء اللہ قیامت میں آنکھوں دیکھا جاوے گا۔

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کسی شخص کی معمولی نیکی بھی رب تعالیٰ ضائع نہیں فرماتا کہ اسے رب نے ظلم قرار دیا ہے اور ظلم سے اللہ تعالیٰ پاک ہے، جیسا کہ **لَایَظْلِمُ** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: اللہ تعالیٰ کسی بندے کو بغیر جرم دوزخ میں نہیں بھیجے گا لہٰذا کفار کے نا سمجھ فوت شدہ بچے اور وہ جن کی عمر جنون میں گزری دوزخ میں نہیں ڈالے جائیں گے کیونکہ اسے رب نے ظلم قرار دیا اور وہ کریم ظلم سے پاک ہے۔ **تیسرا فائدہ**: کسی مجرم کو جرم سے زیادہ سزا نہ دی جاوے گی کہ اسے بھی ظلم قرار دیا گیا ہے۔ **چوتھا فائدہ**: کسی کی نیکیاں بلاوجہ ضبط نہ فرمائی جائیں گی کہ اسے بھی رب نے ظلم قرار دیا اور وعدہ فرمالیا کہ اللہ تعالیٰ کسی قسم کا ظلم نہ کرے گا۔ **پانچواں فائدہ**: انسان، جانور، فرشتے، جنات غرض کسی بندے پر ظلم نہ ہوگا جیسا کہ **لَایَظْلِمُ** کے اطلاق اور مظلوم کے پوشیدہ رکھنے سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: مومن دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہ سکتا ضرور جنت میں جاوے گا کیونکہ کلمہ پر مرنا بھی نیکی ہے اور کوئی نیکی رب ضائع نہ فرمائے گا جیسا کہ **یُضٰعِفْهَا** سے معلوم ہوا (کبیر)۔ **ساتواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ کسی نیک کار کو بقدر نیکی ہی ثواب نہ دے گا بلکہ بہت زیادہ عطا فرمائے گا جیسا کہ **یُضٰعِفْهَا** کے وعدے سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**: رب تعالیٰ نیک کاروں کو صرف ان کے اعمال کی جزا ہی نہ دے گا بلکہ اپنے فضل سے اور بہت کچھ دے گا جو کسی عمل کی جزا نہ ہوگی جیسا کہ **وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ** الخ سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ**: وہ عطیہ خاص تمام ثوابوں سے بڑھ چڑھ کر ہوگا کیونکہ یہاں اسے عظیم فرمایا گیا چنانچہ مسلم شریف میں وارد ہے کہ جنتیوں سے فرمایا جائے گا کہ ہم تم کو ان تمام نعمتوں سے بڑھ چڑھ کر نعمت دیں گے عرض کریں گے مولیٰ ان نعمتوں سے بڑھ کر کونسی نعمت ہوگی فرمائے گا کہ تم سے راضی رہوں گا کبھی ناراض نہ ہوں گا (تفسیر خازن) **دسواں فائدہ**: گناہوں کی طرح نیکیاں بھی صغیرہ و کبیرہ ہوتی ہیں جیسا کہ **وَاِنْ تَکُ حَسَنَةً** سے معلوم ہوا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظلم کر سکتا تو ہے مگر کرے گا نہیں کیونکہ اس نے ظلم کرنے سے اپنی تعریف فرمائی اور تعریف جب ہی ہو سکتی ہے کہ برائی کر سکے مگر کرے نہیں دیکھو ہم نامرد کی تعریف نہیں کرتے کہ وہ زنا نہیں کرتا یا دیوار کی تعریف کرتے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی لہٰذا رب تعالیٰ ظلم پر قادر ہے (معتزلہ)۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی، دوسرا تحقیقی، جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی صفت یہ بھی ہے کہ **لَاتَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ** (بقرہ:۲۵۵) اسے اونگھ و نیند نہیں آتی یا اسے موت نہیں آتی تو چاہیے کہ وہ سونے مرنے پر بھی قادر ہو، جواب تحقیقی یہ ہے کہ کسی عیب کا اس تک نہ پہنچ سکنا اس کے اعلیٰ درجہ کا کمال ہے (تفسیر کبیر) **نوٹ ضروری**: یہ اعتراض و جواب تفسیر کبیر نے ذکر کیا اس سے موجودہ اسماعیلی دیوبندی فرقہ کو سبق لینا چاہیے کہ ان کے امام اسماعیل دہلوی نے رب تعالیٰ کے لئے

جھوٹ ممکن مانا اور اس کی یہ ہی دلیل دی جو معتزلہ نے امکان ظلم کے لئے دی ہے معلوم ہوا کہ دیوبندی اس مسئلہ میں فرقہ ضالہ معتزلہ کے شاگرد ہیں دیکھو رسالہ یکروزی مصنفہ اسماعیل دہلوی۔

دوسرا اعتراض: جب رب تعالیٰ ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا تو کفار کی نیکیاں برباد کیوں کر دیتا ہے انہیں ان کا ثواب کیوں نہ دے گا (آریہ)۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ کفار کی نیکیاں دراصل نیکیاں ہی نہیں کیونکہ نیکی کے لئے ایمان شرط ہے بغیر ایمان کوئی عمل نیک نہیں ہوتا پھر انہیں ثواب کس چیز کا دیا جاوے بغیر وضو نماز نہیں ہوتی بغیر ایمان نیکی نہیں ہوتی گھنا ہوا دانہ پودا نہیں اگاتا، زہریلا کھانا نفع نہیں پہنچاتا نشاستہ نکلا ہوا گندم کا دانہ روٹی پکانے کے لائق نہیں۔ دوسرے یہ کہ کفار کی نیکیوں کا بدلہ دنیا کی نعمتیں ہیں وہ یہاں اللہ کی نعمتیں کھا پی لیتے ہیں۔ دنیا میں عیش و آرام کر لیتے ہیں یہ بدلہ مل گیا۔

تیسرا اعتراض: دنیا میں جن قوموں پر عذاب آیا اس عذاب میں چھوٹے بچے جانور بھی ہلاک کر دیئے گئے۔ انہوں نے کیا قصور کیا تھا ان کو بغیر جرم ہلاک کرنا ظلم ہے حالانکہ یہاں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ **جواب**: دنیاوی عذاب مجرم کفار کیلئے عذاب ہوتے ہیں بے قصور انسانوں کے لئے رحمت الٰہی کا ذریعہ کہ اس عوض انہیں آخرت میں اچھے بدلے دے دیئے جاتے ہیں۔ رہے جانور تو ان کا وجود انسان کیلئے تھا۔ جب انسان ہی نہ رہے تو ان سامانوں کی کیا ضرورت تھی اس لئے وہ بھی ختم کر دیئے جاتے ہیں لہٰذا یہ ہلاکت ان کیلئے بھی عذاب نہیں۔

چوتھا اعتراض: دنیا میں چھوٹے ناسمجھ بچوں اور دیوانوں پر بیماریاں تکالیف کیوں آتی ہیں۔ انہوں نے کون سا قصور کیا ہے بغیر قصور انہیں تکالیف دینا ظلم ہے (آریہ)۔ **جواب**: دنیا کی تکالیف عذاب نہیں یہ ملکی انتظام ہے نظام عالم اس سے قائم ہے کہ بعض امیر ہوں بعض غریب بعض آرام سے ہوں بعض تکالیف میں پنڈت جی تم جو اپنے بچوں کو اسکول بھیجتے ہو ان پر سختی پابندی شب بیداری کی قید لگاتے ہو انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے یہ پابندیاں سختیاں عذاب نہیں آئندہ ترقی کا ذریعہ ہیں دنیا کی ہر تکلیف کو عذاب سمجھنا بڑی غلطی ہے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت میں جو فرمایا گیا کہ نیک کار کو رب تعالیٰ اپنے پاس سے بڑا اجر دے گا۔ اس سے کیا مراد ہے نیکیوں کا اجر تو **یُضٰعِفْهَا** میں آچکا اگر یہ عطیہ بغیر عمل ہے تو اسے اجر کیوں کہا گیا۔ **نوٹ**: اس اعتراض کو تفسیر کبیر نے بڑی اہمیت دی۔ **جواب**: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ **حسنۃً** سے مراد تھے جسمانی یا مالی، نیک اعمال۔ اس کے بارے میں فرمایا گیا **یُضٰعِفْهَا** اور اس جملہ سے مراد ہے بندے کے ایمان اخلاص عشق رسول، خوف خدا کا اجر یہ نہائت ہی عظیم الشان ہوگا۔ دوسرے یہ کہ **یُضٰعِفْهَا** سے مراد ہے نیکی کی جنس کا ثواب اور اس جملہ سے مراد ہے اس کے علاوہ غیر جنسی ثواب۔ تیسرے یہ کہ **یُضٰعِفْهَا** سے مراد تھی ثواب اعمال اور اس جملہ میں مراد ہے خاص عطیہ ربانی جو کسی عمل کی جزا نہیں اسے اجر فرمانا مجازاً ہے کہ وہ لوگ اس عطیہ کے مستحق اپنے نیک

اعمال وایمان کی وجہ سے ہوئے اگر کافر ہتے تو جنت میں نہ آتے جب جنت میں پہنچے ہی نہیں تو دیدار الٰہی کیسے کرتے اس کے اور بھی جوابات ہیں مگر اسی میں کفایت ہے۔

چھٹا اعتراض: جب خدا تعالیٰ چھوٹی سی نیکی کو برباد نہیں کرے گا تو ہزار ہا بندوں کے اعمال ضبط کیوں فرمائے گا۔ رب فرماتا ہے اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ (آل عمران: ۲۲) یہ ضبطی بھی تو ظلم ہے۔ **جواب**: ضبطی اعمال بندوں کے اپنے قصور سے ہوگی نہ کہ رب تعالیٰ کے ظلم سے دنیا میں ایسے گناہ نہ کرو جن سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں غرضیکہ وہ تو کریم ہے خطا کار ہیں تو ہم۔

ساتواں اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام نیک و بد مخلوق کو دوزخ میں ڈال دے تب بھی وہ ظالم نہیں اب اس آیت کا مطلب کیا ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا۔ **جواب**: حدیث شریف میں ظلم سے مراد ہے غیر کی ملک میں بغیر اس کی اجازت تصرف کرنا چونکہ سب کا خدا تعالیٰ ہی مالک حقیقی ہے کوئی دوسرا مالک ہے ہی نہیں لہٰذا اس کی کوئی سزا اس معنیٰ سے ظلم نہیں ہوسکتی اور یہاں آیت میں ظلم سے مراد ہے کسی کو بلا قصور سزا دے دینا یا نیک کار کو بلا وجہ ثواب سے محروم کر دینا لہٰذا آیت وحدیث دونوں درست ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

جیسے دنیاوی کھانوں میں مختلف لذتیں ہیں اور یہاں کی چیزوں میں مختلف خوشبوئیں ایسے ہی اعمال صالحہ عشق ومعرفت میں عجیب لذتیں ہیں خاص لوگ تو ان لذتوں کو دنیا ہی میں محسوس کر لیتے ہیں عام مسلمان آخرت میں محسوس کریں گے۔ حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ اگر آٹھوں دروازہ جنت میرے لے کھول دیئے جاویں اور وہاں کی تمام نعمتیں مجھے دے دی جاویں تو ان میں وہ مزہ نہ ہوگا جو بوقت سحر رونے آنسو بہانے۔ عشق الٰہی میں سرد آہیں بھرنے میں ہے مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ لوگ دنیا سے چلے جاتے ہیں اور سب سے زیادہ مزے دار چیز کو نہیں چکھتے لوگوں نے پوچھا وہ کیا چیز ہے فرمایا معرفت الٰہی یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم نیک کاروں کو ان کے اعمال کی جزا بھی دیں گے اور اپنی طرف سے خاص عطا بھی یعنی ان کے اعمال کی لذت بھی یہ لذت تمام نعمتوں سے اعلیٰ ہوگی۔ مولانا فرماتے ہیں:

اے خنک آنرا کہ ذات خود شناخت	اندر امن سرمدی قصرے بساخت!
دفع کن از مغز از بنی زکام	تا کہ ریحہ اللہ در آید از مشام!
ہیچ مگذار از تب و صفرا اثر	تا بیابی در جہاں طعم شکر!

مبارک ہے وہ بندہ جو اپنے کو پہچان لے اور دنیا میں رہ کر دائمی سرائے میں محل بنالے اپنی مغز و ناک سے زکام دور کرو تا کہ اللہ کی خوشبو پالو بخار صفرا دور کرو تا کہ اس شکر کی لذت پاؤ:

پس چو آہن گرچہ تیرہ ہیکلے	صیقلے کن صیقلے کن صیقلے!

تاریک دل پر اللہ کے ذکر سے پالش کرو پالش کرو تاکہ دل صاف ہو اور اس میں یار کے جلوے نظر آئیں۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى
کیا کریں گے یہ لوگ جب لائیں گے ہم ہر جماعت سے ایک گواہ اور لائیں گے ہم آپ کو ان پر
تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ و
هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا
گواہ اس روز آرزو کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی
نگہبان لائیں اس دن تمنا کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا کاش انہیں
الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾
کی رسول کی کاش برابر کردی جاتی ان کے ساتھ زمین اور نہ چھپائیں گے اللہ سے کوئی بات
مٹی میں دبا کر زمین برابر کردی جاوے اور کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ رب تعالیٰ آخرت میں کسی پر ظلم نہ کرے گا نیک کاروں کو بدلہ اچھا اور اپنا اعلیٰ فضل دے گا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ سب کچھ حضرات انبیاء کی گواہی سے ہوگا تاکہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے غرضیکہ پچھلی آیت میں ظلم کی نفی تھی اب اسی کے سمجھا دینے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ ریاکار کفار عذاب دیئے جائیں گے مخلص دیندار ثواب اب فرمایا جارہا ہے کہ ان میں چھانٹ حضرات انبیاء کرام کی گواہی سے ہوگی گویا پہلے مختلف جزاؤں کا ذکر ہوا۔ اب ان کے مستحقین کی چھانٹ کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کے ہر حال کو جانتا ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس نے اپنے بعض مقبولوں کو اپنے اس علم کا مظہر بنایا ہے کہ وہ بھی بہ عطاء الٰہی ہر بندے کے حالات سے خبردار ہیں گویا حمد الٰہی پہلے ہوئی نعت مصطفوی اب ہو رہی ہے چونکہ حمد و نعت سے ہی ایمان میسر ہوتا ہے اس لئے حمد کے بعد نعت کا ذکر ہوا۔

حدیث

بخاری، ترمذی، نسائی، احمد، ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت کی کہ ایک بار حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ہم کو قرآن سناؤ میں نے عرض کیا کہ حضور پر تو قرآن نازل ہوا ہے میں یہ جرأت کیسے کروں۔ فرمایا ہم چاہتے ہیں کہ دوسرے سے قرآن سنیں۔ چنانچہ میں نے سورۂ نساء شروع کی جب میں اس آیت فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا پر پہنچا تو فرمایا بس کرو میں نے دیکھا کہ حضور کی مبارک آنکھوں

سے اشک رواں ہیں اللہ اکبر جب وہ شاہد اعظم ﷺ اس دن کے ہول سے رو رہے ہیں تو مشہود علیہم کا کیا حال ہونا چاہئے (روح المعانی وغیرہ) غرضیکہ یہ آیت کریمہ حضور کی نعت عظیم ہے اور ہم لوگوں کے لئے ہیبت عظیم۔

تفسیر فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ۔ فَكَيْفَ میں ف توضیحیہ ہے اور کیف یا مبتداء پوشیدہ کی خبر ہے یا خبر پوشیدہ کا مبتداء تب تو پیش کے محل میں ہے یا يَصْنَعُوْنَ فعل پوشیدہ کا مفعول بہ اس صورت میں نصب کی جگہ میں ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ پہلی دو صورتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے یعنی ان کفار و منافقین کا کیسا حال ہوگا یا اس وقت یہ کیا کریں گے اِذَا جِئْنَا پوشیدہ يَكُوْنُ یا يَصْنَعُوْنَ کا ظرف ہے جِئْنَا سے مراد عدالت الہیہ میں پیش کرنا ہے۔ كُلِّ اُمَّةٍ سے مراد از آدم علیہ السلام تا عیسیٰ علیہ السلام سارے نبیوں کی ساری امتیں ہیں خواہ امت دعوت ہوں یا امت اجابت لہٰذا اس کلمہ میں سارے انسان شامل ہو گئے کیونکہ سب انسانوں کی طرف انبیاء بھیجے گئے کوئی جماعت نبوت سے خالی نہ رہی رب فرماتا ہے وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ شَهِيْدٌ (فاطر: ۲۴) اور شاہد کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے کہ شاہد عام ہے ہر قسم کے گواہ کو شاہد کہا جاتا ہے۔ شہید خاص ہے کہ ہر حال کی ہر طرح گواہی دینے والے کو شہید کہتے ہیں یہاں شہید سے مراد امت کے نبی ہیں خواہ ایک امت کے ایک ہی نبی ہوں یا چند جیسے بنی اسرائیل پر زمانہ موسوی میں موسیٰ علیہ السلام بھی نبی تھے اور ہارون علیہ السلام بھی اس جگہ شہید سے مراد کاتب اعمال فرشتے یا اعمال نامے یا ان کے ہاتھ پاؤں یا زمین و زمان مراد نہیں صرف نبی مراد ہیں جیسا کہ مِنْ اُمَّةٍ سے معلوم ہو رہا ہے کیونکہ یہ چیزیں اس امت میں سے نہیں یعنی کیسی حالت ہوگی یا کیسی بنے گی یا یہ لوگ کیسا کریں گے۔ جب ہم قیامت میں ہر امت میں سے اس کے نبی کو اس امت کے موافق و مخالف گواہی دینے کیلئے اپنی عدالت میں حاضر کریں گے وَ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ جِئْنَا بِكَ کے وہ معنی ہیں جو ابھی جِئْنَا میں عرض کئے گئے۔ عدالت الہیہ میں پیش فرمانا حاضر کرنا بِكَ میں خطاب حضور ﷺ سے ہے هٰؤُلَآءِ کے متعلق بعض نے فرمایا اس سے حضور ﷺ کے زمانے کے کفار و منافقین مراد ہیں بعض نے فرمایا حضور ﷺ کے صحابہ مراد ہیں بعض نے فرمایا حضور کی ساری امت مراد ہے بعض نے فرمایا کہ گزشتہ سارے انبیاء کرام مراد ہیں جن کا ذکر بِشَهِيْدٍ میں ہوا چونکہ وہاں شہید سے مراد ساری امتوں کے سارے نبی تھے لہٰذا اسکی طرف هٰؤُلَآءِ سے اشارہ درست ہوا۔ مگر پہلی توجیہ بہت ضعیف ہے کہ اس صورت میں یہ عبارت مکرر ہو جاوے گی دوسری توجیہ بھی قوی نہیں۔ تیسری و چوتھی توجیہ قوی ہے کیونکہ قرآن کریم کی دوسری آیت اس کی تائید کر رہی ہے رب فرماتا ہے لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (بقرہ: ۱۴۳)۔ تیسری توجیہ میں شہادت بلا واسطہ مراد ہے چوتھی توجیہ میں گواہی بالواسطہ یعنی اے محبوب ہم آپ کو ان انبیاء کرام یا آپ کو اپنی امت پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ یہ نیا جملہ ہے جو پچھلے جملہ کی تفصیل کر رہا ہے کہ پہلے میں

بطور اجمال فرمایا گیا تھا کہ اس دن کیسی آفت ہوگی اب فرمایا جارہا ہے کہ ایسی آفت ہوگی کہ کفار یہ آرزو کریں گے۔ **یَوَدُّ** ۔ **وُدٌّ** سے بنا بمعنی محبت کرنا چاہنا تمنا یا آرزو کرنا اس سے ہے **وَدُوْدٌ** اور **مَوْدُوْدٌ**۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں تمنا کرنا تمنا بھی وہ جو پوری نہ ہوسکے۔ **اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا** سے یا تو حضور ﷺ کے منکر مراد ہیں یا گذشتہ امتوں کے منکر مراد ہیں یا سارے ہی کفار مراد ہیں کفر سے ہر قسم کا کفر مراد ہے خواہ الوہیت الٰہیہ کا انکار ہو یا توحید کا انکار یا رسالت کا انکار غرضیکہ ہر بدعقیدگی اس میں شامل ہے **عَصَوُا** سے ہر بدعمل مراد ہے یا بدعقیدگی مراد دوسری صورت میں یہ کفر کا بیان ہے پہلی صورت میں علیحدہ چیز کا تذکرہ یعنی اس دن سارے کفار خواہ کسی قسم کے ہوں۔ جنہوں نے بدعقیدگی اور بدعقیدگی کے ساتھ بدعملی اختیار کی اپنے نبی کی نافرمانی کی وہ تمنا و آرزو کریں گے۔ خیال رہے کہ یہاں اللہ کی نافرمانی کا ذکر نہیں ہوا۔ صرف رسول کی نافرمانی کا ذکر ہوا کیونکہ دنیاوی یا اُخروی عذاب صرف رسول کی نافرمانی سے ہوتا ہے رب فرماتا ہے **وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا** (الاسراء:١٥)۔ نیز اللہ کی نافرمانی رسول کی نافرمانی کی ضمن میں ہوتی ہے۔ جیسے رب کی اطاعت رسول کی اطاعت کے ضمن میں ہے۔ **مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ** (النساء:٨٠) کیونکہ حضور کی معرفت ہی رب کے احکام بندوں تک پہنچتے ہیں اور بغیر احکام پہنچے احکام کی اطاعت یا نافرمانی ممکن نہیں نیز جو کوئی بغیر نبی کے رب کی اطاعت کرے۔ صدقہ خیرات کرے وہ نافرمانی ہی ہے فرمانبرداری رب رسول کی معرفت ہوسکتی ہے ان وجوہ سے یہاں صرف رسول فرمایا گیا **لَوْ تُسَوّٰی بِهِمُ الْاَرْضُ** ۔ یہ عبارت **یَوَدُّ** کا مفعول ہے۔ **لَوْ** یا تو مصدر یہ ہے اور **تُسَوّٰی** بمعنی کاش کے زمین برابر کرنے سے مراد یا تو انہیں مٹی بنا کر زمین سے ملا دیا جانا ہے یا انہیں دوبارہ موت دے کر زمین میں دفن کر دیا جانا ہے یا ان کو قیامت میں زندہ نہ ہونا ہمیشہ مردہ رہنا یا ان کا پیدا ہی نہ ہونا مٹی ہی رہنا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ دوسرے احتمال کی طرف مشیر ہے یعنی تمنا کریں گے کہ کاش کہ جانوروں کی طرح ہم بھی مٹی کر کے پیوند زمین کر دیئے جاتے یا مٹی ہو جانے اور زمین سے ہموار ہو جانے کی آرزو کریں گے **وَلَا یَکْتُمُوْنَ اللّٰہَ حَدِیْثًا**۔ یہ عبارت **یَوَدُّ** پر معطوف ہے۔ **یَکْتُمُوْنَ** **کَتْمٌ** سے بنا بمعنی چھپانا لفظ اللہ سے پہلے **مِنْ** پوشیدہ ہے اس **مِنْ** پوشیدہ کی وجہ سے اللہ منصوب ہے۔ **حَدِیْثًا** **یَکْتُمُوْنَ** کا مفعول ہے۔ حدیث سے مراد تمام اقوال، اعمال، احوال ہیں یعنی کفار و بدکار اللہ تعالیٰ سے اپنا کوئی قول فعل عمل حال نہ چھپا سکیں گے یا نہ چھپائیں گے بلکہ ہر چیز کا صاف صاف اقرار کرلیں گے۔

خلاصۂ تفسیر

اے محبوب ﷺ آج تو کفار و منافقین ہر قسم کی چالاکی و مکاری کر رہے ہیں کل قیامت میں یہ کیا کریں گے جبکہ کیفیت یہ ہوگی کہ تمام انبیاء کرام اپنی اپنی امت کے موافق و مخالف ہر بات کی گواہی دیں گے ان امتوں کے کفار حضرات انبیاء کرام کی تبلیغ اور اپنی بدکاریوں کا انکار کریں گے تو تمہاری امت ان نبیوں کے حق میں گواہی دے گی کہ خدایا یہ سارے نبی سچے ہیں یہ کفار جھوٹے ان حضرات نے اپنی امتوں کو

تبلیغ علیٰ وجہ الکمال کی تھی ان مردودوں نے قبول نہ کی تب کفار اعتراض کریں گے کہ یہ امت تو ہمارے زمانوں میں موجود تھی ہی نہیں بغیر دیکھے بھالے گواہی کیسے دے رہی ہے۔ تب آپ کی امت عرض کرے گی کہ خدایا ہم اپنے نبی مصطفےٰ ﷺ سے یہ سب واقعات سن کر گواہی دے رہے ہیں ہم سے ان سرکار نے فرمایا تھا کہ تمام انبیاء نے تبلیغیں کیں امتوں نے سرکشی کی تب تمہاری امت کی گواہی اور صفائی کے لئے تم کو عدالت الٰہیہ میں بلایا جاوے گا تم اپنی امت کی گواہی کی تصدیق کرو گے بالواسطہ ان نبیوں کے حق میں گواہی دو گے اور اپنی امت کی توثیق کرو گے کہ یہ امت مقبول الشہادۃ ہے نیک ہے صالح ہے تمہاری گواہی سے ان انبیاء کرام کی ڈگری ہوگی اور ان کی قوموں کی شکست۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام اپنی گواہی کے لئے اپنی امت کے صالحین کو پیش نہ فرمائیں گے بلکہ اس امت کو پیش کریں گے یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اس امت پر اور اس کا یہ انتخاب ہے اس گواہی سے حالت یہ ہوگی کہ تمام وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں کفر کیا اپنے رسول کی نافرمانی کی یہ تمنا کریں گی کہ جیسے جانوروں کو ایک دوسرے سے ظلم کا بدلہ دلوا کر مٹی کر دیا گیا۔ وہ دوزخ سے بچ گئے ایسے ہم کو مٹی کر کے پیوند زمین کر دیا جاتا کہ ہم عذاب سے بچ جاتے وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اپنا کفر و بدکاریاں چھپانے کی کوشش تو بہت کریں گے مگر چھپا نہ سکیں گے اس گواہی سے سب کچھ عیاں ہو جاوے گا۔ خیال رہے کہ ان آیتوں کی چھ سات تفسیریں ہو سکتی ہیں جیسا کہ تفسیر میں اشارۃً عرض کیا گیا ہم نے صرف ایک تفسیر کا خلاصہ بیان کیا جو بہت قوی ہے اور دوسری آیات سے اس کی تائید ہے۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** تمام انبیائے کرام اپنی امت کے ظاہری و باطنی اعمال پر مطلع خبردار ہوتے ہیں بغیر علم کے گواہی کیسی یہ فائدہ بِشَهِيدٍ سے حاصل ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ** (آل عمران: ۴۹)۔ میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے بچاتے ہو۔ **دوسرا فائدہ:** حضور ﷺ کی امت تمام انبیاء کرام کی گواہ ہے جیسا کہ یہاں تفسیر سے اور دوسری جگہ آیت قرآنی سے ثابت ہے لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (بقرہ: ۱۴۳) اور مدعی کو گواہ پیارا ہوتا ہے کہ اس کے مقدمہ کا فیصلہ گواہ پر ہوتا ہے لہٰذا یہ امت محبوب الانبیاء ہے ہم کو چاہئے کہ اعمال اچھے اختیار کریں تاکہ کل حضرات انبیاء کی گواہی دے سکیں فاسق قابل گواہی نہیں ہوتے رب فرماتا ہے **وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا** (نور: ۴)۔ **تیسرا فائدہ:** اس امت کی گواہی ان انبیاء کرام کے حق میں سن کر ہوگی نہ کہ دیکھ کر جیسا کہ ان امتوں کے اعتراض سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** حضور ﷺ کی نگاہ نے تمام انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے حالات تفصیل وار اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمائے ہیں اور آپ کی گواہی اپنی امت کی طرح سمعی نہ ہوگی بلکہ عینی ہوگی اگر آپ کی گواہی بھی محض سنی سنائی ہوتی تو جو اعتراض اس امت کی گواہی پر ہوا تھا آپ کی گواہی پر بھی ہوتا نیز آپ کی گواہی کی پھر ضرورت کیا ہوتی جیسے ہمارا خواب و خیال

گزشتہ وآئندہ چیزوں کو دیکھ لیتا ہے ایسے ہی حضور کی نگاہ اگلی پچھلی باتوں کو ملاحظہ کرتی ہے۔

اے فروغت صبح آثار و دھور چشم تو بینندۂ مافی الصدور

رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ (فیل:۱) اور فرماتا ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ (فجر:۶) حالانکہ قوم عاد اور اصحاب فیل کے واقعات حضور سے پہلے کے ہیں۔ **پانچواں فائدہ**: حضور ﷺ اپنی ساری امت کے ہر ایک حال کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما رہے ہیں اسلئے حضور ﷺ قیامت میں اپنی امت کی تائید کے ساتھ اس کی توثیق بھی فرمائیں گے۔ جیسا کہ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ سے معلوم ہوا۔ لوگوں کے ایمان کی نبض پر حضور کا ہاتھ ہے اس کی تحقیق وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (بقرہ:۱۴۳) میں کی جا چکی ہے۔ **چھٹا فائدہ**: قیامت میں کفار بھی حضور کے علم غیب وحاضر ناظر کے قائل ہوں گے اس لئے وہ حضور کی گواہی پر یہ جرح نہ کر سکیں گے کہ حضور بغیر مشاہدہ گواہی کیسے دے رہے ہیں اب جو حضور کے ان اوصاف کا منکر ہو وہ ان کفار سے بدتر ہے۔ **ساتواں فائدہ**: کفار شرعی احکام پر عمل نہ کرنے پر بھی سزا پائیں گے ان پر فرض ہے کہ ایمان لا کر احکام شرعیہ پر عمل کریں۔ جیسا کہ عَصَوُا الرَّسُوْلَ کی تفسیر سے معلوم ہوا کیونکہ بدعقیدگی تو كَفَرُوْا میں مذکور ہو چکی اب عَصَوُا الرَّسُوْلَ میں ان کی بدعملی ہی مراد ہے (تفسیر کبیر وروح المعانی)۔ **آٹھواں فائدہ**: قیامت میں کفار اپنے گناہ چھپانا چاہیں گے مگر چھپا نہ سکیں گے حضور کی گواہی سب کے خفیہ راز ظاہر کر دے گی جیسا کہ وَلَا يَكْتُمُوْنَ کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ**: جانوروں کے لئے دوزخ وجنت کی سزا و جزاء نہیں بلکہ انہیں مٹی کر دیا جاوے گا جیسا کہ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ تُرٰبًا (النباء:۴۰)۔ **دسواں فائدہ**: دوزخ کی سزا کی اصل وجہ نافرمانی رسول ہے اس کے بغیر سزا نہیں جیسا کہ عَصَوُا الرَّسُوْلَ سے معلوم ہوا اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ جس شخص تک کسی نبی کی نبوت نہ پہنچی ہو اس کی نجات کے لئے صرف عقیدہ توحید کافی ہے وہ کسی جرم پر سزایاب نہ ہو سکے گا اگر موحد ہو لہٰذا حضور کے والدین کریمین ہرگز ہرگز دوزخی نہیں کیونکہ ان تک احکام شرعیہ نہیں پہنچے وہ حضرات موحد تھے لہٰذا ان کی نجات ہے بلکہ وہ امت مسلمہ میں داخل ہیں بہ گواہی قرآن مجید۔ دیکھو اس کی تحقیق ہماری اس تفسیر کے پہلے پارے میں جوان بزرگوں کو دوزخی مانے وہ اس آیت کا بھی منکر ہے۔ **گیارھواں فائدہ**: حضور ولادت سے پہلے اور وفات کے بعد یوں ہی معراج میں عرش سے وراء پہنچ کر اس جہان سے بے تعلق نہیں رہے نور نظر آسمان پر پہنچ کر بھی آنکھوں سے نکل نہیں جاتا روح سیلانی خواب میں عالم کی سیر کرتی ہے مگر جسم سے نکل نہیں جاتی حضور نے نماز کسوف میں ہاتھ اٹھایا وہ ہاتھ جنت میں پہنچ گیا۔ مگر مدینہ پاک سے نکل نہ گیا مدینہ میں بھی رہا جنت میں بھی پہنچ گیا یہ فائدہ بھی شَهِيْدًا سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: یہاں بِشَهِيْدٍ سے مراد حضرات انبیاء کرام مراد نہیں بلکہ فرشتے کاتب اعمال اور زمین وزمان مراد ہیں کہ یہ چیزیں کفار کے کفر و بدکاریوں کی گواہی دیں گی (مرزائی)۔ **جواب**: بے شک یہ مذکورہ چیزیں کفار کے خلاف گواہی دیں گی مگر یہاں وہ مراد نہیں کیونکہ یہاں ارشاد ہوا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ہر امت میں سے وہ چیزیں امت کی جنس سے نہیں لہٰذا یہاں انبیاء کرام ہی مراد ہیں۔

دوسرا اعتراض: یہاں بِشَهِيْدٍ سے مراد ان کفار کے ہاتھ پاؤں ہیں نہ کہ انبیاء کرام، رب فرماتا ہے وَ تُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (یٰس: ۶۵) (مرزائی)۔ **جواب**: بیشک کفار کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے مگر یہاں وہ گواہی مراد نہیں کیونکہ یہاں قومی گواہی مراد ہے نہ کہ شخصی اور کفار کے اعضاء کی گواہی شخصی ہوگی اس شخص کے اعمال کے متعلق یہاں مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ارشاد ہوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قوم کے خلاف گواہی مراد ہے اس آیہ کریمہ کی تفسیر وہ آیت ہے وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (فرقان: ۳۰)۔

تیسرا اعتراض: جب ہر امت کا نبی اس پر گواہ ہوگا تو یہاں بِشَهِيْدٍ واحد کیوں ارشاد ہوا۔ حضرات انبیاء تو ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ **جواب**: یہاں شہید جنس ہے جس میں واحد اور جماعت سب داخل ہوتے ہیں چونکہ ان تمام حضرات کی گواہی یکساں ہوگی اس لئے شہید واحد لایا گیا۔

چوتھا اعتراض: حضور ﷺ کی گواہی اپنی امت اور دیگر انبیاء کرام کے موافق ہوگی پھر یہاں عَلٰى هٰؤُلَآءِ کیوں فرمایا گیا عَلٰى تو مخالف گواہی پر لایا جاتا ہے۔ **جواب**: اس کا تفصیلی جواب دوسرے پارے کی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں شہادت میں رقیب و محافظ کے معنیٰ ملحوظ ہیں کہ حضور ﷺ اپنی امت کی صفائی بھی بیان فرمائیں گے کہ یہ لوگ عادل ثقہ گواہی کے لائق ہیں اس لئے علیٰ ارشاد ہوا۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ بھی یہ ہی بتا رہا ہے۔ گواہ نگہبان اور گواہ صفائی وہ ہی ہو سکتا ہے جو سارے حالات سے خبردار ہو۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار اپنے کفر و بدکاری نہ چھپائیں گے مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرما رہا ہے کہ وہ عرض کریں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (انعام: ۲۳)۔ اللہ کی قسم ہم مشرک نہ تھے دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس کا جواب اعلیٰ حضرت کے ترجمہ سے معلوم ہو گیا کہ وہ چھپانے کی کوشش تو کریں گے مگر چھپا نہ سکیں گے۔ نہ چھپانا اور ہے اور چھپا نہ سکنا کچھ اور۔ اور اگر یہاں نہ چھپانا ہی مراد ہو تو چھپانا اور وقت میں ہوگا اور اقرار جرم دوسرے وقت ان دونوں آیتوں میں دو وقتوں کا ذکر ہے۔

چھٹا اعتراض: جب حضور کی گواہی سے تبلیغ انبیاء اور کفار کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جاوے گا تو پھر ہاتھ پاؤں فرشتوں زمین و زمان کی گواہی کی کیا ضرورت ہوگی اور ان کی گواہی کیوں لی جاوے گی ان چیزوں کی گواہی قرآن کریم

سے ثابت ہے۔ **جواب**: حضور علیہ السلام کی گواہی تو صرف اس چیز پر ہو گی کہ حضرات انبیاء کرام نے انہیں تبلیغ فرما دی تھی مگر یہ لوگ کافر ہے ان کے فرمان نہ مانے گویا عقائد کے متعلق ہو گی۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ کی گواہی ان بدنصیبوں کے اعمال کے متعلق ہو گی اس لئے وہاں ارشاد ہوا۔ **وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ** (یٰس:۶۵)۔ کسب اعمال کو کہتے ہیں صرف عقائد کو نہیں کہتے۔

ساتواں اعتراض: یہاں کفر کے بعد **عَصَوُا الرَّسُوْلَ** کا ذکر کیوں ہوا کفر بھی تو نبی کی نافرمانی میں داخل تھا۔ **جواب**: کفر سے مراد خرابی عقائد ہے اور نافرمانی سے مراد ان کفار کی بدعملی لہٰذا دونوں میں فرق ہے۔

آٹھواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف وہ ہی کفار مٹی ہو جانے کی آرزو کریں گے جو کافر بھی رہے اور بدعمل بھی تو چاہئے کہ نیک اعمال کرنے والے کفار پر نہ عذاب ہو نہ وہ یہ تمنا کریں۔ **جواب**: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ ہاں واقعی بدکار کافر نیک کار کافر سے زیادہ سخت سزا کے مستحق ہوں گے ابوجہل اور ابوطالب یکساں نہ ہوں گے یوں ہی فرعون اور دوسرے ہلکے کفار کو سزا یکساں نہ ہو گی اور یہ تمنا صرف بدکار کافر ہی کریں گے اپنی سخت سزا دیکھ کر دوسرے یہ کہ کفار کی نیکیاں نیکیاں نہیں کیونکہ نبی کے فرمان کے ماتحت نہیں لہٰذا ہر کافر یہ تمنا کرے گا۔

نواں اعتراض: یہاں **هٰٓؤُلَآءِ** سے اشارہ ان نبیوں کی طرف نہیں بلکہ حضور کے زمانہ کے کفار و مشرکین کی طرف ہے اور معنی یہ ہیں کہ آپ ان موجودہ کفار و مشرکین و منافقین کے خلاف گواہی دیں گے (مرزائی)۔ **جواب**: یہ بات بہت ضعیف سی ہے کیونکہ اگر حضور کی یہ گواہی مراد ہوتی تو اس کے علیحدہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ تو پہلے مضمون میں آ گئی تھی نیز اس آیت میں ان مشرکوں کافروں کا ذکر نہیں پھر اس طرف اشارہ کیسے ہوا نیز کوئی مشرک و کافر حضور کی تبلیغ کا انکار نہ کرے گا پھر اس گواہی کی ضرورت کیا ہو گی۔

دسواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام اپنی سرکش امتوں کی شکایت کریں گے مگر دوسری آیت میں ہے کہ وہ عرض کریں گے **لَا عِلْمَ لَنَا** (بقرہ:۳۲) ہمیں ان کے متعلق کچھ علم نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ میں جب تک ان میں رہا ان پر شہید رہا میری وفات کے بعد تو رقیب تھا آیتوں میں تعارض ہے (مرزائی)۔ **جواب**: انبیاء کرام کی وہ عرض معروض اور وقت ہے شکایت و گواہی دوسرے وقت قیامت کے حالات مختلف ہیں۔

گیارھواں اعتراض: رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا **جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا** یعنی ہم آپ کو قیامت میں گواہ لائیں گے مگر دوسری جگہ فرمایا **اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا** (فتح:۸) ہم نے آپ کو دنیا میں گواہ بھیجا دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ حضور گواہ کب ہیں اور کہاں ہیں۔ **جواب**: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ حضور دنیا میں مخلوق کے گواہ بننے آئے ہیں اور قیامت میں رب کے سامنے گواہی دینے حاضر ہوں گے۔ گواہ بننے کی جگہ اور

وقت دوسرا ہوتا ہے اور گواہی دینے کی جگہ اور وقت دوسرا یہاں گواہی دینے کا ذکر ہے اور اس آیت میں گواہ بننے کا ذکر تھا۔ دوسرے یہ کہ حضور دنیا میں مخلوق کے سامنے خالق کی گواہی دینے آئے اور قیامت میں مخلوق کی گواہی خالق کی بارگاہ میں دیں گے یہاں دوسری گواہی کا ذکر ہے اس آیت میں پہلی گواہی کا ذکر تھا۔

بارھواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء بھی گواہ ہیں اور حضور بھی گواہ تو گواہ ہونا حضور کی خصوصیت نہ رہا پھر اسے اتنے اہتمام سے کیوں بیان فرمایا۔ **جواب:** حضور کی گواہی حضرات انبیاء کرام کی گواہی سے بہت ممتاز ہے دنیا میں تو اس طرح کہ سارے انبیاء اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات وغیرہ کے سنے ہوئے گواہ تھے کسی نے رب کو اور سارے نورخانہ کو دیکھا نہ تھا مگر حضور عینی گواہ ہیں کہ حضور نے اللہ کی ذات وصفات اور سارے نورخانہ کو دیکھ کر گواہی دی اسلئے حضور خاتم النبیین ہوئے اور اسلام کامل دین اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (مائدہ:۳) کہ عینی گواہ پر سلسلہ گواہی ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں اس طرح کہ باقی ہر نبی صرف اپنی اپنی امت کے خلاف گواہ ہوں گے اور حضور ﷺ ان تمام امتوں کے خلاف اور سارے نبیوں اور اپنی امت کے حق میں گواہ ہوں گے بادشاہ کی شان اور ہے مگر بادشاہوں کے بادشاہ کی شان کچھ اور اس وجہ سے حضور کا نام شاہد وشہید ہوا۔

تیرھواں اعتراض: اللہ تعالیٰ نے حضور کو بھی شہید فرمایا اور اپنے کو بھی شہید فرمایا وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا۔ (النساء:۷۹) اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** ہر مومن دو دعوے کرتا ہے ایک دعویٰ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور دوسرا دعویٰ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ پہلے دعویٰ یعنی توحید کے گواہ تو ہیں محمد ﷺ اور دوسرے دعویٰ یعنی رسالت کا گواہ ہے خود رب تعالیٰ لہٰذا رب کا نام شریف بھی شہید ہے اور حضور کا نام شریف بھی شاہد اور شہید ہے۔

چودھواں اعتراض: اللہ تعالیٰ نے یہاں تو حضور کو شہید فرمایا مگر دوسری جگہ شاہد فرمایا اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا (فتح:۸) اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** حضور دنیا میں رب کی ذات وصفات وغیرہ کے اجمالی گواہ ہیں ان تمام کی تفصیل قیامت میں معلوم ہوگی مگر آخرت میں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مخلوق کے تفصیلی گواہ ہوں گے کہ ہر ایک کے ہر حال کے گواہ ہوں گے لہٰذا آپ دنیا میں شاہد ہیں آخرت میں شہید ہوں گے اسلئے شاہد کے ساتھ اَرْسَلْنَا فرمایا اور شہید کے ساتھ جِئْنَا ارشاد ہوا۔

پندرھواں اعتراض: شہادت وگواہی تو معمولی سی چیز ہے پھر رب تعالیٰ نے حضور کی اس صفت کو اتنی اہمیت کیوں دی کہ اس کا ذکر قرآن مجید میں بار بار فرمایا۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ نے حضور کو بے شمار صفات بخشیں ان میں صفت شہادت بڑی عظیم الشان صفت ہے۔ چند وجوہ سے ایک یہ کہ حضور کی بعض صفات کا ظہور دنیا میں ہے جیسے ہادی ہونا بعض کا ظہور آخرت میں ہوگا جیسے شفیع المذنبین ہونا مگر صفت شہادت وہ ہے جس کا ظہور دنیا میں بھی ہے کہ حضور کی گواہی سے ہم نے رب تعالیٰ کی ذات وصفات کو پہچانا اور تمام امتوں نے حضرات انبیاء کرام کو گندی تہمتیں لگائیں۔

حضور نے ان تہمتوں کو دور فرمایا اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب انجیل اور توہین انبیاء کا مطالعہ کرو اور آخرت میں بھی حضور ہی کی گواہی پر تمام انبیاء کرام کی ڈگری ہوگی دوسرے یہ کہ گواہ مدعی کا محسن ہوتا ہے اور حاکم کا خدمت گذار حضور تمام مسلمانوں اور تمام نبیوں کے محسن ہیں رب تعالیٰ کے دین کی اعلیٰ خدمت فرمانے والے۔ تیسرے یہ کہ شہادت پر حضور کا علم غیب حاظر و ناظر ہونا وغیرہ بہت سی صفات مبنی ہیں کہ عینی گواہ واردات پر حاضر بھی ہوتا ہے اس سے مطلع بھی اس لئے اس صفت کو رب نے اہمیت دی۔

تفسیر صوفیانہ

حضور علیہ السلام پر اپنی امت کے تمام اعمال روزانہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں اور رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بندوں کے اعمال سوموار اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں۔ دوسرے نبیوں پر اور انسان کے ماں باپ کو جمعہ کے دن امت اور اولاد کے اعمال دکھائے جاتے ہیں (روح البیان)۔ حضور علیہ السلام اپنے گنہگاروں کے لئے رب کی صفت ستاری کے مظہر ہیں حضور اپنی امت کی نیکیوں کی تو گواہی دیں گے۔ عرض کریں گے کہ مولیٰ یہ عادل ہیں ثقہ ہیں ان کی گواہی قابلِ قبول ہے مگر ان کے گنہگاروں کی پردہ پوشی کریں گے جو لوگ دنیا میں تکبر کی وجہ سے آگ بن کر رہے وہ کل قیامت میں خاک ہونے کی تمنا کریں گے مگر آگ میں ہی جائیں گے آگ کا انجام آگ ہے اور جو لوگ یہاں خاک رہے خاک نشین رہے وہ کل باغ میں ہوں گے۔ خاک کا انجام باغ ہے ہمیشہ خاک میں باغ لگتے ہیں نہ کہ آگ میں کیونکہ خاک میں عجز ہے آگ میں تکبر جب انسان خاکی ہے اور خاک ہی میں جانے والا ہے تو بہتر ہے کہ خاک بن کر جیئے۔

اے برادر چو عاقبت خاک است — خاک شو پیش ازانکہ خاک شوی!
سالہا بودی تو سنگ و دلخراش — آزموں را یک زمانہ خاک باش!

مثنوی شریف میں ہے کہ۔

در بہاراں کے شود سر سبز سنگ — خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

کافر مردے تمنا کریں گے کہ ہم کو دو رکعت نماز یا ایک بار کلمہ پڑھ لینے کی اجازت دی جاوے مگر نہ ملے گی کہ وقت عبادت گذر گیا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى
اے وہ لوگو جو ایمان لائے نہ پاس جاؤ نماز کے حالانکہ تم نشہ والے ہو
اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ جب تک اتنا ہوش

حَتّٰی تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیۡ سَبِیۡلٍ

حتیٰ کہ جان لو وہ جو کہتے ہو تم اور نہ جنابت کی حالت میں مگر راستہ عبور کرتے

نہ ہو کہ جو کہو اسے سمجھو اور نہ ناپاکی کی حالت میں بے نہائے مگر

حَتّٰی تَغۡتَسِلُوۡا ؕ وَاِنۡ کُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤی اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ

حتیٰ کہ نہالو اور اگر ہو تم بیمار یا سفر پر یا آئے کوئی تم

مسافری میں اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا تم میں سے

اَحَدٌ مِّنۡکُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا

میں سے پاخانہ سے یا چھوؤ تم عورتوں کو پھر نہ پاؤ تم

کوئی قضاء حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں کو چھوا اور پانی نہ پایا تو

مَآءً فَتَیَمَّمُوۡا صَعِیۡدًا طَیِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِکُمۡ

پانی تو تیمم کرو تم پاک مٹی سے تو مسح کرو اپنے چہروں کا

پاک مٹی سے تیمم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا

وَاَیۡدِیۡکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَفُوًّا غَفُوۡرًا ﴿۴۳﴾

اور اپنے ہاتھوں کا بیشک ہے اللہ معاف فرمانے والا بخشنے والا

مسح کرو بے شک اللہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اشارۃً فرمایا گیا تھا کہ اے مسلمانو تم پچھلے انبیاء کرام کے گواہ ہو اب فرمایا جا رہا ہے کہ اپنے اعمال خصوصاً نماز طہارت درست کرو تاکہ کل قیامت میں ان مقبولوں کے گواہ بن کر عدالت عالیہ الٰہیہ میں پیش ہو سکو کیونکہ فساق کی گواہی قبول نہیں چونکہ نماز تمام اعمال سے اہم ہے جس نے نماز درست کر لی اس نے سارے اعمال ٹھیک کر لئے اسلئے نماز کی درستی کا خصوصیت سے حکم دیا گیا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں اشارۃً فرمایا گیا تھا کہ قیامت میں ہمارے رسول اللہ ﷺ تمہارے گواہ صفائی بھی ہوں گے لہٰذا اب فرمایا جا رہا ہے کہ مسلمانو دنیا میں پاک و صاف رہو بدن اور روح پاک رکھو تاکہ اس گواہی صفائی کے لائق ہو۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں

ارشاد ہوا تھا کہ قیامت میں کوئی شخص رب تعالیٰ سے اپنا کوئی حال چھپا نہ سکے گا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ لہٰذا مسلمانو نماز خراب کر کے نہ پڑھو گندے نہ رہو تا کہ کل ہماری بارگاہ میں تم کو شرمندگی نہ ہو۔

شانِ نزول

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں اسلام میں شراب حلال تھی اس زمانہ میں حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاں صحابۂ کرام کے کھانے کی دعوت ہوئی جس میں میں بھی تھا حسب دستور کھانے کے بعد شراب کا دور چلا اور تمام مہمان نشہ میں چور ہو گئے وقت مغرب آ گیا اور لوگوں نے مجھے امام بنا دیا میں بھی چونکہ نشہ میں تھا میں نے سورۂ قُلْ یَا اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ پڑھی اور چاروں جگہ لَا چھوڑ گیا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ پڑھ گیا تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں بحالت نشہ نماز پڑھنے سے روک دیا گیا اور مسلمانوں میں اس پابندی کی وجہ سے بہت حد تک شراب کا رواج کم ہو گیا۔ پھر سورۂ مائدہ کی آیات تحریم شراب کی نازل ہوئیں جن سے اسلام میں شراب مطلقاً حرام کر دی گئی (تفسیر صاوی روح المعانی، خازن، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، حاکم) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے (روح المعانی)

۲۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ شراب حرام ہونے سے پہلے بعض صحابہ شراب پی کر نشہ کی حالت میں نماز کے لئے مسجد نبوی شریف میں آ جاتے تھے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تفسیر کبیر وغیرہ۔

۳۔ غزوہ مریسیع میں ام المومنین عائشہ صدیقہ کا ہار گم ہو گیا اس کی تلاش میں دیر لگی نماز ظہر کا وقت آ گیا پانی فوج میں تھا نہیں حضرت عائشہ کو جناب ابوبکر صدیق نے مارا کہ تم نے سب کو پریشان کر دیا ہار کیوں گما دیا تب آیۃ کریمہ کا دوسرا حصہ اِنْ کُنْتُمْ مَرْضٰی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ نازل ہوا جس میں تیمم کے احکام ہیں حضرت اسید ابن حضیر بولے اے آل ابوبکر جب تم پر تکلیف آتی ہے تو مسلمانوں کو راحت ملتی ہے (روح المعانی)

تفسیر

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا چونکہ عرب سے شراب مٹانا بہت بڑا کام تھا کیونکہ صدیوں سے وہاں شراب کا عام رواج تھا اسلئے بہت آہستگی سے اس کو حرام کیا گیا اور یہاں مسلمانوں کو پہلے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے پیارے خطاب سے پکارا گیا تا کہ اس خطاب کی لذت سے انہیں یہ مشکل کام آسان ہو جاوے اپریشن وغیرہ بیہوش کر کے یا ٹیکہ لگا کے کئے جاتے ہیں یہ خطاب اہل ایمان کے لئے عشق و محبت کا ٹیکہ ہے۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہاں صلوٰۃ سے مراد نمازیں ہیں اور لَا تَقْرَبُوْا فرما کر نہایت تاکید سے روکا گیا ہے یعنی نشہ میں نماز پڑھنے کے کیا معنیٰ نماز کے قریب بھی نہ جاؤ مقصد یہ ہے کہ نماز تو تم نے پڑھنی ہی ہے لہٰذا ایسے وقت نشہ استعمال نہ کرو جب نشہ کی حالت میں تم کو نماز پڑھنی پڑے مگر امام شافعی کے ہاں صلوٰۃ سے مراد مسجد ہے یعنی مضاف پوشیدہ ہے اور معنیٰ یہ ہیں کہ نشہ میں مسجدوں کے قریب نہ آؤ قرآن کریم میں نماز کی جگہ کو صلوٰۃ فرمایا گیا۔ رب فرماتا ہے لَھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ (حج:۴۰)

مگر امام اعظم کا قول نہایت ہی قوی ہے چند وجہ سے اولاً یہ کہ اکثر مفسرین صحابہ کا یہ ہی قول ہے دیکھو تفسیر کبیر دوسرے یہ کہ آیت کریمہ کا نزول نماز کے متعلق ہے نہ کہ مسجد کے داخلہ کے متعلق تیسرے یہ کہ اس تفسیر سے کوئی مضاف وغیرہ پوشیدہ ماننا نہیں پڑتا امام شافعی رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر مواضع یا مسجد پوشیدہ ماننا پڑتا ہے چوتھے یہ کہ اس تفسیر سے نشہ کی حالت میں نماز پڑھنا مطلقاً ممنوع ہوگی مگر امام شافعی کی تفسیر پر لازم آوے گا کہ نشہ میں گھر یا دوکان پر نماز پڑھ سکتے ہوں نیز لازم آوے گا کہ نشہ کی حالت میں بغیر نماز کے ارادہ کے بھی مسجد میں جانا حرام ہو حالانکہ اس وقت نشہ میں نماز حرام تھی نہ کہ مسجد میں جانا بہرحال تفسیر حنفی بہت قوی ہے۔ وَ اَنۡتُمۡ سُکٰرٰی ۔ یہ عبارت لَاتَقۡرَبُوۡا کی ضمیر سے حال ہے سکارٰی سکران کی جمع ہے جیسے ندمان کی جمع نَدَامٰی سکران کا مادہ۔ سکرٌ ہے سکر عقل پر پردہ پڑ جانے کو کہتے ہیں اگرچہ اس لفظ کا زیادہ استعمال نشہ کی مستی پر ہوتا ہے مگر کبھی عشق، غصہ، نیند، غشی اور غم کی مدہوشی پر بھی بولا جاتا ہے اسلئے قرآن کریم میں شدت نزع کو سَکۡرَةُ الۡمَوۡتِ (قٓ:۱۹) کہا گیا۔ ہماری زبان میں بھی اسے سکرات کہتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں ساری مدہوشیاں مراد ہوں خواہ نشہ سے ہو یا دوسری وجہ سے یعنی بحالت مدہوشی نماز کے قریب بھی نہ جاؤ حَتّٰی تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ ۔ یہ لَاتَقۡرَبُوۡا کی انتہا کا بیان ہے علم سے مراد سمجھنا ہے مَا سے مراد ہر منہ کی نکلی بات ہے خواہ تلاوت قرآن مجید ہو یا کوئی عام بات اس لئے تَقۡرَءُوۡنَ یا تَتۡلُوۡنَ ارشاد نہ ہوا بلکہ تَقُوۡلُوۡنَ فرمایا گیا جو کلام (تلاوت وغیرہ) سب کو شامل ہے وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیۡ سَبِیۡلٍ ،واؤ عاطفہ ہے لا تاکید نفی کے لئے دوبارہ لایا گیا اور جُنُبًا وَ اَنۡتُمۡ سُکٰرٰی پر معطوف ہو کر دوسرا حال ہے چونکہ وَ اَنۡتُمۡ سُکٰرٰی مفرد کے حکم میں ہو کر حال تھا اس لئے اس پر جُنُبًا مفرد کا عطف جائز ہوا جُنُبًا کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں کہ یہ جُنُبٌ سے بنا بمعنی پہلو یک طرفی۔ شریعت میں جنب وہ مرد یا عورت ہے جس پر صحبت یا منی نکلنے کی وجہ سے غسل واجب ہو چونکہ ایسا شخص نماز تلاوت مسجد سے علیحدہ رہتا ہے لہٰذا اسے جنب کہتے ہیں یہ مذکر مؤنث واحد جمع سب پر بولا جاتا ہے مثل مصدر کے (روح وغیاث وغیرہ) اِلَّا صرف جُنُبًا سے استثنٰی کیلئے آیا ہے۔ عابری عابر کی جمع ہے جو عبور بمعنی مرو (گزرنا) سے بنا سبیل سے مراد سفر کا راستہ یعنی جنگل ہے یعنی بحالت جنابت نماز کے قریب نہ جاؤ غسل کر کے نماز پڑھو لیکن اگر جنگل میں سفر کر رہے ہو اور پانی میسر نہیں تو بغیر غسل تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہو یہ احناف کی تفسیر ہے حضرات شوافع فرماتے ہیں کہ بحالت جنابت مسجد میں آنا حرام ہے لیکن اگر جنبی مسجد سے گذر جائے تو جائز اس طرح کہ کسی کے گھر کا دروازہ مسجد میں ہو وہ بحالت جنابت مسجد عبور کر سکتا ہے کیونکہ ان کے ہاں الصلوٰۃ سے مراد نماز کی جگہ یعنی مسجد ہے مگر ہم پہلے عرض کر چکے کہ حنفی تفسیر بہت ہی قوی ہے حَتّٰی تَغۡتَسِلُوۡا یہ عبارت لَا جُنُبًا کی انتہا ہے یعنی جنابت کی حالت میں نماز کے قریب نہ ہو یہاں تک کہ غسل کر لو آئندہ دو ناپاکیوں کا ذکر ہے اور دو مجبوریوں کا جن کی وجہ سے تیمم کی اجازت ہے مجبوریوں کا ذکر پہلے ہے ناپاکیوں کا ذکر پیچھے چنانچہ ارشاد ہوا وَاِنۡ

کُنۡتُمۡ مَّرۡضٰی ۔ کُنتُم میں انہی سے خطاب ہے جن سے لَا تَقۡرَبُوۡا میں خطاب تھا یعنی سارے مسلمان مکلف جن پر نماز فرض ہے مَـرۡضٰی مریض کی جمع ہے بیمار تین قسم کے ہیں ایک وہ جو غسل یا وضو سے ہلاک ہو جائیں جیسے چیچک والے یا سخت گہرے زخم والے دوسرے وہ جو غسل یا وضو سے ہلاک تو نہ ہوں مگر سخت تکلیف پائیں یا ان کا مرض بڑھ جاوے یا دراز ہو جائے جیسے بعض بخار والے۔ تیسرے وہ جو غسل یا وضو سے مذکورہ تکالیف نہ پائیں بلکہ انہیں پانی کا استعمال گراں ہو یا اس سے جسم میں کوئی عیب رہ جاوے پہلی دو صورتوں میں تیمم جائز ہے تیسری صورت میں نہیں یہاں مَـرۡضٰی سے وہ دو بیمار ہی مراد ہیں (تفسیر کبیر، معانی وروح وغیرہ) اَوۡ عَـلٰـی سَفَرٍ ۔ یہ عبارت مَـرۡضٰی پر معطوف ہے علٰی سفرٍ فرمایا فی سفر یا مسافرین نہ فرمایا تا کہ معلوم ہو کہ تیمم کی اجازت راستہ طے کرنے والے مسافر کو ہے کہ ایسی ہی حالت میں پانی نہیں ملتا۔ کہیں ٹھہرا ہوا مسافر تیمم نہیں کر سکتا کہ اسے پانی عموماً مل جاتا ہے لہٰذا یہ جملہ عَـابِرِیۡ سَبِیۡلٍ کی تفسیر ہے سفر سے مراد شرعی سفر ہی نہیں جس میں قصر ہوتا ہے بلکہ ہر چھوٹا بڑا سفر مراد ہے یعنی جنگل میں ہونا اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّـنۡکُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ یہ اَوۡ بمعنی واؤ ہے غائط بنا ہے غوط سے بمعنی زمین کھودنا اب ہر پست زمین کو غائط کہتے ہیں۔ جہاں بیٹھنے سے انسان لوگوں کی نگاہ سے چھپ جائے چونکہ اہل عرب عموماً پاخانہ پیشاب کے لئے پست جگہ میں بیٹھتے تھے تا لوگوں سے پردہ رہے اس لئے پیشاب پاخانہ کرنے کو غائط سے آنا بولتے تھے جیسے ہندوستان میں دیہاتی لوگ جنگل پھرنا کہتے ہیں اور پنجاب میں باہر جانا کہتے ہیں اس محاورہ کو یہاں استعمال کیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی پیشاب پاخانہ کرے جس سے اس کا وضو جاتا رہے یہاں اگرچہ پیشاب پاخانہ کرنے کا ذکر ہوا مگر اس میں ہوا نکلنا خون، قے خارج ہونا سب شامل ہیں یعنی حدث اصغر چھوٹی ناپاکی جس سے وضو ٹوٹے اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ یہ جملہ جَآءَ اَحَدٌ پر معطوف ہے اور عاطفہ ہے لٰمَسۡتُمۡ لَمۡسٌ سے بنا بمعنی ہونا مگر قرآن مجید میں عورت سے صحبت کرنے کو لمس اور مس فرمایا گیا۔ رب فرماتا ہے وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ (بقرہ:۲۳۷)۔ اگر تم بیویوں کو طلاق دے دو صحبت سے پہلے اور فرماتا ہے فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّتَمَآسَّا (مجادلہ:۳)۔ غلام آزاد کرو صحبت کرنے سے پہلے لہٰذا یہاں بھی اس سے صحبت کرنا مراد ہے جس سے غسل واجب ہوتا ہے حدث اصغر یعنی وضوء توڑنے والی چیز کا ذکر پہلے ہوا اور حدث اکبر یعنی غسل توڑنے والی چیز کا ذکر اب ہوا یہ احناف کی تفسیر ہے حضرات شوافع کے ہاں یہاں لمس سے مراد ہاتھ لگانا یا ہاتھ سے چھونا ہے ان کے ہاں عورت کو چھونا وضوء توڑ دیتا ہے وہ اس آیت کی بنا پر یہ فرماتے ہیں مگر امام اعظم کی تفسیر بہت ہی قوی ہے چند وجوہ سے ایک یہ کہ اس صورت میں یہ عبارت زائد ہوگی کیونکہ وضو توڑنے والی چیزوں کا ذکر تو پہلے اَوۡ جَـآءَ اَحَدٌ مِّـنۡکُمۡ میں ہو چکا اگر یہاں بھی وضو توڑنے والی چیز مراد ہوتی تو اَوۡ فرما کر علیحدہ طریقہ سے بیان نہ فرمائی جاتی ہمارے ہاں پہلی عبارت میں چھوٹی ناپاکی مراد ہے اور اس عبارت میں بڑی ناپاکی جو غسل واجب کر دے

مراد ہے دوسرے یہ کہ دوسری آیات میں عورتوں کو چھونے سے مراد صحبت ہے جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا وہ آیات اس آیت کی تفسیر ہیں تیسرے یہ کہ شوافع کے ہاں بھی ماں بہن بیٹی کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو ان حضرات کو اس جملہ میں تخصیص کرنا پڑے گی احناف کی ہاں کسی تخصیص کی ضرورت نہیں۔ چوتھے یہ کہ اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ نماز تہجد کے وقت حضور ﷺ حجرے شریف میں نوافل پڑھتے اور میں آپ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی جب سجدے میں جاتے تو مجھے ہاتھ لگا دیتے میں پاؤں سمیٹ لیتی جگہ خالی ہو جاتی آپ سجدہ کر لیتے جب سجدوں سے فارغ ہوتے تو پھر میں پاؤں پھیلا لیتی اگر عورت کو چھونا وضو توڑتا تو اس وقت حضور کا وضو ٹوٹ جانا چاہئے تھا بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ روزہ میں بعض ازواج پاک کا بوسہ لیتے پھر نماز پڑھ لیتے اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو چھو لینے سے نہ روزہ ٹوٹتا ہے نہ وضو۔ پانچواں یہ کہ اگر عورت ایسی گندی چیز ہے کہ اس کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو چاہئے کہ عورت کا وضو کبھی نہ ہو سکے جو دوسروں کا وضو توڑ دے وہ خود باوضو کیسے ہو سکتی ہے۔ چھٹے یہ کہ چھوٹی بچی کو چھونے سے شوافع کے ہاں بھی وضو نہیں ٹوٹتا حالانکہ قرآن کریم میں نساء چھوٹی بچیوں کو بھی کہا جاتا ہے دیکھو میراث کی آیات تو شوافع کو یہاں بلا دلیل چھوٹی بچیاں نکالنا پڑیں گی امام اعظم کے ہاں اس میں کوئی قید لگانی نہیں پڑتی لہٰذا یہی قوی ہے کہ یہاں مراد عورتوں سے صحبت ہے جس سے غسل واجب ہو جاوے۔

لطیفہ امام شافعی کے ہاں عورت کو چھونے سے صرف مرد کا وضو جاتا ہے عورت کا نہیں جاتا حالانکہ جب چھونا وضو توڑتا ہے تو چاہئے کہ فریقین کا وضو توڑے جیسے صحبت غسل توڑتی ہے تو عورت و مرد دونوں کا توڑتی ہے حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں ایک شب حضور انور میرے گھر رونق افروز تھے رات میں میری آنکھ کھلی تو بستر پر حضور نہ دیکھا میں نے اندھیرے میں بستر ٹٹولا تو میرا ہاتھ حضور کے قدم شریف پر لگا کہ بحالت سجدہ پاؤں کھڑے ہوئے تھے اور آپ رو رو کر دعائیں مانگ رہے تھے حضور نے نہ سجدہ توڑا نہ نماز چھوڑی نہ دوبارہ وضو کیا بلکہ نماز جاری رکھی اس کی تحقیق فقیر کی کتاب جاء الحق حصہ دوم میں مطالعہ فرماؤ۔

لطیفہ امام شافعی کے ہاں عورت کا بال، ناخن، دانت چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا حالانکہ یہ بھی عورت کے جسم کا حصہ ہیں پھر انہیں اور بھی قید لگانی پڑی احناف ان قیود سے آزاد ہیں۔

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً ف تعقیبیہ ہے یعنی تم پر وضو یا غسل واجب ہو جاوے پھر پانی نہ پاؤ پانی سے مراد بقدر ضرورت پانی ہے یعنی وضو کیلئے وضو کے لائق پانی اور غسل کے لئے غسل کے لائق پانی اور پانی نہ پانے کی چند صورتیں ہیں پانی ہے ہی نہیں۔ پانی ساتھی کے پاس ہے مگر وہ دیتا نہیں۔ وہ پانی کی قیمت مانگتا ہے اس کے پاس قیمت نہیں۔ پانی سامنے ہے مگر پانی پر دشمن یا سانپ وغیرہ موذی جانور ہے جس کی وجہ سے یہ وہاں پہنچ نہیں سکتا یا پانی اپنے پاس ہے لیکن اگر اس سے غسل یا وضو کر لے تو آگے جا کر پیاسا مرے ان سب صورتوں میں تیمم جائز ہے اس لئے قرآن کریم نے یہ نہ

فرمایا کہ پانی ہو نہیں بلکہ فرمایا تم پاؤ نہیں یہ ہے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت **فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا** یہ جملہ پچھلی عبارت کی جزا ہے اور ف جزائیہ **تیمم** کا مادہ **یمم** ہے یا **امم** بمعنی قصد و ارادہ اس لئے پیشوا کو امام کہتے ہیں کہ اس کی پیروی کا قصد کیا جاتا ہے اور خاص گروہ متبعین کا امت کہا جاتا ہے کہ وہ متفقہ طور پر ایک شخص کی پیروی کا قصد کرتا ہے لہٰذا **تَيَمَّمُوْا** کے معنی ہوئے قصد و ارادہ کرو **تَيَمَّمُوْا** الخ فرما کر بتایا گیا کہ اس میں نیت شرط ہے اور ہاتھ و منہ کا مسح رکن بخلاف وضو کے کہ وہاں نیت شرط نہیں کہ اس کے متعلق ارشاد ہوا **فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ** الخ (مائدہ:۶) **صَعِيْد** صعد سے بنا بمعنی چڑھنا **كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ** (انعام:۱۲۵) اسی سے ہے صعود یعنی چڑھنا زمین کے بیرونی حصہ کو جو ہم کو نظر آتا ہے صعید کہتے ہیں جو مٹی ریت و گرد و غبار، سرما، مرمار سنگ ہر پتھر، فیروزہ مرجان وغیرہ سب کو شامل ہے پھر مٹی خواہ پیلی ہو یا کالی سب داخل ہیں چونکہ تیمم ظاہر زمین سے ہی ہو سکتا ہے نہ کہ اندرون زمین سے اسلئے صعید فرمایا نیز صعید فرما کر اشارۃً ارشاد ہوا کہ ظاہر زمین کو بلا وجہ ناپاک نہ سمجھو اور کھود کر نیچے سے مٹی تیمم کے لئے نہ نکالو خشک زمین پاک ہی ہے نیز زمین کہیں ریتلی کہیں پتھریلی ہوتی ہے سب سے تیمم جائز ہے طیب سے مراد ہے پاک کبھی طیب و طاہر و حلال ہم معنی ہوتے ہیں کبھی ظاہری پاکی کو طہارت کہتے ہیں باطنی پاکی کو طیب اور جس کا کھانا جائز ہو وہ حلال لہٰذا حلال گوشت ظاہر بھی ہے طیب بھی حلال بھی پاک کپڑے کو طاہر کہا جاوے گا طیب یا حلال نہیں یعنی ایسی مجبوری میں پاک زمین کا قصد کرو کہ اس پر تیمم کرلو **فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ**۔ یہ جملہ **فَتَيَمَّمُوْا** کی تفصیل یا تفسیر ہے اور ف تفصیلیہ ب صلہ کی ہے **وُجُوْه** اور **اَيْدِي** سے مراد وہ ہی حصہ ہے جو وضو میں دھویا جاتا ہے مسح کے معنی ہیں پھیرنا ملنا جمہور علماء کا یہ ہی مذہب ہے بعض علماء کا قول ہے کہ تیمم میں بغل تک مسح کرے یہ قول نہایت ہی شاذ ہے یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرو خواہ وضو کا تیمم ہو یا غسل کا **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا**۔ یہ گذشتہ آسان حکم کی علت ہے **كَان** دوام و استمرار کیلئے ہے۔ خطاؤں کو بخشنا عفو ہے۔ گناہ بخشنا غفران یعنی یہ تیمم کی آسانیاں دینا اس لئے ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خطائیں بھی بخشتا ہے گناہ بھی معاف فرماتا ہے۔ جب وہ گنہگاروں پر ایسا رحیم و کریم ہے تو جو اس کے دروزے پر آنا چاہیں۔ ان پر کیسا کرم کرے گا اسلئے اس نے اپنی مہربانی سے مجبوروں کو تیمم کر کے نماز پڑھ لینے کی اجازت دے دی۔

خلاصہ تفسیر تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں ایک احناف کی دوسری شوافع حضرات کی چونکہ حنفیوں کی تفسیر ہمارے نزدیک نہایت ہی قوی ہے نیز ہم لوگ حنفی ہیں۔ اس لئے وہ ہی تفسیر عرض کرتے ہیں اے مومنو نشہ کی حالت میں نماز پڑھنا تو کیا نماز کے قریب بھی نہ ہونا وقتیکہ نشہ اتر جاوے اور تم ہوش میں آجاؤ کہ اپنی منہ سے نکلی بات تلاوت وغیرہ سمجھ لو کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور کیا پڑھ رہے ہیں اور اگر تم ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس میں پانی کا استعمال مضر ہو یا تمہارے تجربہ سے یا طبیب حاذق کے کہنے سے یا بستی

سے باہر راستہ طے کر رہے ہو اور اس حالت میں تم میں سے کوئی پیشاب پاخانہ وغیرہ وضو توڑنے والا کام کرے یا اس حالت میں اپنی بیوی سے صحبت کرے جس سے غسل واجب ہو جائے اور تمہیں وضو یا غسل کے لئے پانی نہ ملے یا اس طرح کہ پانی موجود ہی نہ ہو یا کسی رفیق سفر کے پاس پانی تو ہو مگر وہ دیتا نہ ہو یا دیتا ہو قیمتاً اور اس کے پاس قیمت نہ ہو یا پانی پر دشمن یا موذی جانور ہو کہ پانی نہ لینے دے غرضیکہ کسی وجہ سے پانی نہ ملے یا پانی اپنے پاس ہی موجود ہو مگر آگے پینے کیلئے درکار ہو یا پانی ملنے کی امید نہ ہو ان سب صورتوں میں تم ظاہری زمین کے پاک حصہ سے تیمم کر لو اس طرح کہ ایک بار اس زمین کے حصہ پر دونوں ہاتھ ملا کر اپنے منہ کا مسح کر لو اور دوسرا ضربہ مار کر اپنے ہاتھوں کا مسح کر لو غرضیکہ ایسی مجبوری میں بھی نماز نہ چھوڑ و اللہ تعالیٰ بڑا معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے جب وہ گنہگاروں کو معمولی بہانہ پر بخش دیتا ہے تو ایسے مجبور نمازیوں کی نماز جو تیمم سے پڑھی جاوے کیوں قبول نہ فرماوے گا بے شک ضرور قبول کرے گا، خیال رہے کہ قرآن کریم نے تیمم کے لئے دو شرطیں بیان فرمائیں ۔ بیماری اور پانی نہ پانا مگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ نماز عید جاتے رہنے کے اندیشہ پر تیمم جائز ہے اگرچہ پانی موجود ہو یوں ہی سونے کے لئے بھی تیمم کرنے میں با وضو سونے کا ثواب ہے۔

فائدے

یہ آیت کریمہ مسائل وفوائد کا گنجینہ وخزانہ ہے اس سے حنفیوں وشافعیوں نے اپنی اپنی تفسیر کے مطابق بہت مسائل نکالے ہیں ہم کچھ عرض کرتے ہیں۔ **پہلا فائدہ** : قرآن کریم کا نزول دوسری کتب کی طرح یک دم نہیں ہوا بلکہ اس کی آیات مختلف اوقات میں صحابہ کرام کے واقعات پیش آنے پر نازل ہوئیں تا کہ تمام دنیا پر صحابہ کا احسان رہے کہ ان کی بدولت ہم کو یہ آیات اور یہ نرم احکام ملے حضرت علی کے طفیل شراب کے ممانعت کی نعمت ملی حضرت عمر کے طفیل رمضان کی راتوں میں عورتیں حلال ہوئیں حضرت عائشہ صدیقہ کی طفیل تیمم کا حکم ملا اب جو ان صحابہ کرام کو برا کہے وہ بڑا ہی احسان فراموش ہے اسلئے حضرات صحابہ کو جامع قرآن بنایا گیا۔ یہ فائدہ اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** : اگر کسی مسلمان کے منہ سے نشہ یا بیہوشی یا جنون یا نیند وغیرہ حالات میں کفر کی بات نکل جاوے تو اس سے وہ کافر نہ ہوگا۔ دیکھو **قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ** میں چاروں جگہ **لَا** کے بغیر آیات پڑھنا چار کفر ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کو **اٰمَنُوْا** کہہ کر پکارا معلوم ہوا کہ وہ حضرات مومن رہے کہ بے خودی میں ایسا ہوا۔ **مسئلہ** : اگر مرنے والے مسلمان کے منہ سے بوقت نزع کفریہ بات نکلے اور سنی جاوے تو وہ مومن ہی رہے گا۔ اس کا کفن دفن نماز جنازہ سب کچھ ہوگا کیونکہ نزع کی بے خودی میں یہ سب کچھ نکلا ہے دیکھو شامی وغیرہ۔ **تیسرا فائدہ** : اسلام نے نہایت حکیمانہ طریقہ سے عرب کی اصلاح فرمائی کہ وہ لوگ یکدم شراب نہیں چھوڑ سکتے تھے تو پہلے ان پر یہ مذکورہ پابندی لگائی جس سے وہ سواء بعد فجر و بعد عشاء اور کسی وقت شراب نہ پی سکے کیونکہ ظہر سے عشاء تک نمازیں مسلسل ہیں جب اس پابندی کو انہوں نے برداشت کر لیا تو انہیں شراب

سے گھن دلائی اور فرمایا **فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ** (مائدہ:۹۱) پھر اس کی قطعی حرمت کی آیت نازل فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں سے شراب یک دم نکل گئی اور آج تک بحمدہٖ تعالیٰ عرب حجاز میں شراب نہ پہنچ سکی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شراب کی لعنت سے محفوظ رکھے۔ **چوتھا فائدہ**: اب اگر کوئی شرابی نشہ اترنے کے بعد بھی نماز پڑھے تو درست نہیں جب تک کہ باقاعدہ کلی بلکہ وضو نہ کرے کیونکہ شراب نجس ہے جس سے منہ ناپاک ہو جاتا ہے اور نشہ ناقض وضو ہے جیسے نیند یہ فائدہ **لَاتَقْرَبُوْا** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: نیند بیہوشی کی حالت میں نماز نہ پڑھے کہ اس حالت میں خبر نہیں کہ کیا کہنا چاہئے اور منہ سے کیا نکلے یہ بھی **اَنْتُمْ سُكٰرٰى** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: جنابت حیض نفاس وغیرہ ناپاکی کی حالت میں نماز درست نہیں جیسا کہ **وَلَاجُنُبًا** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: جب پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تیمم جائز ہے خواہ اس طرح کہ پانی ہے مگر یہ بیمار ہے پانی نقصان کرتا ہے یا پانی ہے مگر دشمن لینے نہیں دیتا یا پانی ہے ہی نہیں ان تمام صورتوں میں تیمم جائز ہے اس آیت کی جیتی جاگتی نہ مٹنے والی تفسیر دیکھنا ہو تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کربلا والی نمازیں دیکھو جو آپ نے فرات کے کنارہ تیمم سے ادا کیں ساتویں محرم سے دسویں تک حضرت حسین کا یہ عمل **فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً** کی جیتی جاگتی تفسیر ہے رضی اللہ عنہ **آٹھواں فائدہ**: جنس زمین سے تیمم جائز ہے۔ جنس زمین وہ ہے جو زمین سے پیدا ہو اور آگ میں نہ گلے نہ راکھ بنے جیسے مٹی، پتھر، کان کا کوئلہ، پہاڑی نمک وغیرہ ان سب سے تیمم جائز ہے جیسا کہ **صَعِيْدًا** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ اگر صرف مٹی سے تیمم درست ہوتا تو بجائے **صَعِيْدًا** کے **تُرَابًا** فرمایا جاتا۔ **نواں فائدہ**: ناپاک مٹی سے تیمم جائز نہیں جو چیز خود پاک نہیں وہ پاکی کیسے بخش سکتی ہے جیسا کہ **طَيِّبًا** کی تفسیر سے معلوم ہوا اور تیمم میں نیت شرط ہے جیسا کہ **تَيَمَّمُوْا** سے معلوم ہوا تیمم کے معنی ہی ہیں ارادہ کرنا قصد و نیت کرنا اگر نیت شرط نہ ہوتی تو جیسے وضو میں **فَاغْسِلُوْا** (مائدہ:۶) فرمایا گیا تھا ایسے ہی یہاں **اَمْسِحُوْا** فرمایا جاتا **تَيَمَّمُوْا** ارشاد نہ ہوتا۔ **دسواں فائدہ**: وضو اور غسل کا تیمم ایک ہی طرح ہوگا ان تیمموں میں فرق نہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے پاخانہ پھرنے اور صحبت کرنے کے بعد تیمم کا طریقہ ایک ہی بیان فرمایا کہ منہ و ہاتھ پر مسح کرو حضرت عمر و عبداللہ ابن عمر و ابن مسعود رضی اللہ عنہم جنابت سے تیمم کے قائل نہ تھے ان بزرگوں کو وہ احادیث نہ پہنچیں جو اس بارے میں صراحتاً وارد ہیں اور اس آیت کی تفسیر کی طرف انہوں نے توجہ نہ کی باقی تمام صحابہ کرام اس کے قائل ہیں (روح المعانی) **گیارھواں فائدہ**: تیمم میں بھی ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا جاوے کیونکہ یہ وضو کا قائم مقام ہے تو جہاں تک وضو میں ہاتھ دھوئیں گے وہاں تک ہی تیمم میں مسح ہوگا جیسا کہ **اَيْدِيْكُمْ** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **بارھواں فائدہ**: اس آیت میں عورتوں کو چھونے سے مراد ان سے صحبت کرنا ہے جیسا کہ **اَوْ** سے معلوم ہوا کیونکہ معطوف الیہ و معطوف میں مفارقت چاہئے اگر چھونے سے مراد ہاتھ لگانا ہوتا اور اس سے وضو ٹوٹتا تو یہ صورت **مِنَ الْغَآئِطِ** میں آچکی تھی بہرحال اس سے صحبت ہی مراد ہے۔ **تیرھواں فائدہ**: بحالت سفر اپنی

بیوی سے صحبت جائز ہے اگر چہ پانی غسل کے لئے نہ ہو پھر بعد میں تیمم کر لے جیسا کہ **اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ** سے معلوم ہوا کہ پانی کی مجبوری میں صحبت ناجائز نہیں ہو جاتی۔ **چودھواں فائدہ**: بزرگوں کی خطا سے چھوٹوں کو عطائیں مل جاتی ہیں ان کی تکالیف ہمارے لئے راحت کا ذریعہ بن جاتی ہیں دیکھو اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ کا ہار کھو جانا تا قیامت مسلمانوں کے لئے رحمت ہو گیا کہ اس وجہ سے تیمم کے احکام آئے اس لئے حضور ﷺ یا رب تعالیٰ نے ہار کا پتہ نہ بتایا کہ وہ اونٹ کے نیچے ہے تا کہ تلاش میں دیر لگے نماز کا وقت آ جاوے وضو کی ضرورت پڑے پانی موجود نہ ہو اور تیمم کی آیات اتریں اور ام المومنین کا یہ فیض تا ابد جاری رہے اور مسلمان تا قیامت انہیں دعائیں دیتے رہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ **پندرھواں فائدہ**: قرآن مجید کے ساتھ حدیث شریف کی بھی اسلام میں سخت ضرورت ہے دیکھو اس آیت میں وضو غسل توڑنے والی صرف ایک ایک چیز بیان ہوئی۔ پاخانہ کرنا صحبت کرنا مگر حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو توڑنے والی چیزیں آٹھ ہیں اور غسل توڑنے والی چیزیں پانچ ہیں بلکہ چھ پیشاب، پاخانہ، ریح، بہتا خون، پیپ، منہ بھر قے، مباشرت فاحشہ، نیند، غشی، نشہ نماز میں قہقہہ وضو واجب کرتی ہیں اور صحبت، منی نکلنا، احتلام، حیض، نفاس، موت غسل واجب کرتی ہیں منکرین حدیث یہ چیزیں کہاں سے ثابت کریں گے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نشہ اترتے ہی نماز پڑھ لینا جائز ہے کلی کرنے یا وضو کرنے کی حاجت نہیں کیونکہ فرمایا گیا **حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ** اور حتی انتہا کیلئے آتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اتنا ہوش آتے ہی ممانعت نماز کی انتہا ہو چکی پھر تم نے تجدید وضو اور منہ پاک کرنے کی قیدیں کہاں سے لگائیں۔ **جواب**: یہ آیت منسوخ ہے شراب کی حرمت کی آیت اسکی ناسخ ہے رب نے فرمایا **اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ** (مائدہ:۹۰)، جب شراب حلال تھی تو نجس بھی نہ تھی کہ نجس چیز حلال نہیں ہوتی مگر جب حرام کر دی گئی تو نجس بھی ہو گئی نیز اس زمانہ میں تجدید وضو کا حکم نہ ہو گا اب حکم ہے کیونکہ نشہ بیہوشی نیند کی طرح بے خبری پیدا کر دیتے ہیں بے خبری میں پیٹ سے ہوا خارج ہو جاتی ہے خبر نہیں ہوتی غرضیکہ منسوخ آیت سے اب احکام ثابت نہیں کئے جاتے۔

دوسرا اعتراض: جن صحابہ کو یہ واقعہ در پیش آیا کہ سورۂ کافرون میں امام نے لَا چھوڑ دیا انہیں اس نماز کے لوٹانے کا حکم دیا گیا یا نہیں اگر نہیں تو کیوں غلط قرآن پڑھنے سے نماز فاسد واجب الاعادہ ہو جاتی ہے۔ **جواب**: کہیں ثابت نہیں کہ انہیں نماز لوٹانے کا حکم دیا گیا ہو بلکہ آئندہ اس طرح نماز پڑھنے سے روک دیا گیا کیونکہ قانون بننے سے پہلے اس پر عمل نہیں ہوتا جب شراب حلال تھی تو اس قسم کی غلطیاں معاف تھیں اب شراب کی حرمت کے ساتھ یہ احکام بھی آ گئے کہ قرآن میں غلطی اگر حد کفر تک پہنچ جائے تو نماز نہ ہو گی۔

تیسرا اعتراض: **عَابِرِیْ سَبِیْلٍ** کے معنی مسافر نہیں بلکہ اس کے معنی مسجد سے عبور کرنا یہ جنبی کو جائز ہے کیونکہ

مسافر کا ذکر تو آگے آرہا ہے اگر اس سے مسافر مراد لیا جاوے تو ایک حکم مکرر ہوگا نیز اگر کسی کو مسجد میں احتلام ہو جائے تو احناف کے ہاں بھی وہ وہاں سے نکل سکتا ہے اگر ڈول رسی مسجد میں رکھی ہو تو جنبی وہاں سے لاسکتا ہے اگر عَابِرِیْ سَبِیْلٍ سے مسافر مراد ہو تو یہ احکام کہاں سے ثابت ہوں گے (شافعی حضرات)۔ **جواب**: آیت کی یہ تفسیر بہت ضعیف ہے اس لئے کہ اس صورت میں صلوٰۃ سے مراد مسجد لینی پڑے گی اور مسجد مراد لینے میں وہ خرابیاں ہیں جو ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ اس سے آیت کا مقصد ہی بدل جاوے گا۔ مقصود تھا نشہ میں نماز سے روکنا گھر میں ہو یا مسجد میں اب مسجد سے روکنا لازم آوے گا اور مقصد یہ ہو جاوے گا کہ نشہ والا مسجد میں نہ آئے گھر میں چاہے نماز پڑھے لے۔ یہاں سفر کا اجمالی حکم ہے۔ آئندہ اس کی تفصیل آرہی ہے تفصیل میں تکرار نہیں ہوتی۔ مسجد میں احتلام ہو جانے کی صورت میں تیمم کر کے وہاں سے نکلے ایسے ہی ڈول رسی اگر مسجد میں ہو تو دوسرے سے منگالے اور دوسرا آدمی نہ ہو تو تیمم کر کے داخل ہو ایسی مجبوریوں ہی کے لئے تیمم رکھا گیا لہٰذا آیہ بالکل واضح ہے۔

چوتھا اعتراض: لَا مَسْتُمُ النِّسَآءَ سے مراد ہے عورت کو ہاتھ لگانا چھونا نہ کہ صحبت کرنا تم لوگ صحبت کرنا مراد لیتے ہو غلط ہے لمس کے حقیقی معنی چھونا ہے بلا وجہ حقیقی معنیٰ چھوڑ کر مجازی معنیٰ مراد لینا درست نہیں لہٰذا آیت کریمہ کے معنیٰ یہ ہی ہیں کہ تم عورتوں کو چھوؤ اور عورت کو چھونا وضو توڑ دیتا ہے (شافعی)۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا۔ لغت میں لمس کے معنی چھونا ہیں مگر اصطلاح شریعت میں ایسے موقع پر اس کے معنی صحبت کرنا ہوتے ہیں جیسے صلوٰۃ کے لغوی معنی ہیں دعا مگر اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ میں صلوٰۃ کے معنی ہیں نماز اگر مجاز مان بھی لیا جاوے تو اس کی وجوہ دو ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں چھونا مراد لینے سے بہت خرابیاں لازم آویں گی یہ معنیٰ حدیث پاک کے بھی خلاف ہیں اور قیاس کے بھی دوسری آیات کے بھی اس معنیٰ میں بہت سی قیدیں لگانی پڑتی ہیں لہٰذا حق یہ ہی ہے کہ یہاں اس سے مراد صحبت کرنا ہے اور اگر مان لیا جاوے کہ چھونا ہی مراد ہے تو چھونے سے مقصود صحبت کے وقت چھونا ہوگا یا ننگا ہو کر لپٹنا جسے عربی میں مباشرت فاحشہ کہتے ہیں کہ اس سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسے کہ یہاں فرمایا گیا یا تم پاخانہ سے آؤ اس کا مطلب یہ نہیں کہ پاخانہ جھانک کر آجاؤ بلکہ پاخانہ کر کے آؤ جیسے آنے میں یہ قید ہے ایسے ہی چھونے میں وہ قید۔

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہم مسلمانوں کو توحید یا اسلام کی صفت سے نہ پکارا بلکہ ایمان کی صفت سے پکارا کیونکہ اسلام عام ماننے کو کہتے ہیں خواہ دل سے مانا جاوے یا دلیل سے مگر ایمان نام ہے اللہ رسول کو دل سے ماننا اسی پر نجات کا مدار ہے یعنی اے وہ لوگو جو ہم کو اور ہمارے رسول کو دل سے مان چکے ہمارے کسی حکم میں چون و چرا نہ کرو کیوں کیسے وغیرہ سوالات، دلیل کے لئے ہیں دل کے لئے کوئی حرج قدح نہیں اپنے کالے بچہ کو انسان دل سے مانتا ہے دوسرے کے گورے بچہ کو دلیل سے حاکم کا حکم دلیل سے مانتا ہے حکیم کا تجویز کردہ نسخہ دل سے دیکھ لو ان میں کتنا فرق ہے یہاں انا کو فنا کر کے آؤ نخوت نہ لاؤ محو ہو کر آؤ۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر بنیاد رکھ ایمان کی

نماز کے جواز کی شرط ہے شراب کے نشہ سے خالی ہونا اور ظاہری نجاسات حقیقیہ وحکمیہ سے پاک ہونا مگر نماز کی قبولیت کیلئے شرط ہے دل کا حب دنیا غفلت کے نشہ سے خالی ہونا اور دنیاوی آلائشوں حسد کینہ وغیرہ سے دل کا پاک ہونا سب سے بڑا نشہ خود اپنی خودی کا نشہ ہے مولانا فرماتے ہیں۔

اے اسیر ننگ و نام خویشتن بستہ ای خودرا بدام خویشتن!
ورنہ گنجی باخود اندر کوئے او کم شواز خودتا بیابی کوئے او!
تا تو نزدیک خودی زیں حرف دور غائبی یابی اگر خواہی حضور!
تا تو از غفلت چو بادہ مست شد لاجرم از طور وصلت پست شد!

یعنی اگر تو اپنے نام ننگ میں گرفتار ہے تو تو اپنے جال میں خود پھنسا ہے اس جال کو توڑ تا کہ یار کی گلی تک پہنچے اپنے سے غائب ہو تا کہ یار کی بارگاہ میں حاضری میسر ہو جاوے فرمایا جارہا ہے کہ نماز قرب سے اس وقت تک تم محروم ہو جب تک کہ اس خودی کے نشہ میں ہو یہ قرب اس وقت تک میسر نہ ہوگا جب تک تم یہ نہ جانو کہ خدا سے کیا کہہ رہے ہو کیوں کہہ رہے ہو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اسے شرکت پسند نہیں نماز قرب میں دوسرے کہ شرکت کیسی۔ وجود چھوڑ کر سجود کرو ایسے ہی جو جنابت قلبی یعنی رب سے دور کرنے والے اوصاف میں گرفتار ہو نماز قرب کے لائق نہیں دنیا میں عَابِرِیْ سَبِیْلٍ مسافر کی طرح رہو کہ یہاں دل نہ لگاؤ اس جنابت سے پاکی یہ ہے کہ قربت، انابت، صدق، خلوص کے پانی سے غسل کرو اگر تم دل کی کجی کی بیماری میں بیمار ہو یا طلب دنیا وطلب عقبیٰ وطلب مولیٰ کے سفر میں ہو یا تم ہوائے نفسانی کے پاخانہ سے فارغ ہوؤ یا تم اشغال دنیاوی کی عورتوں کے پاس جاؤ اور تمہیں صدق رجوع رجوع الی الحق کا پانی میسر نہ ہو تو تم مقبول بندوں کے قدموں کی خاک کی طرف رجوع کرو اور وہ مٹی اپنے منہ ہاتھوں سے ملو اپنے ہاتھوں سے ان کا دامن مظبوط پکڑو جان لو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے وہ اپنے کرم سے پانی نہ پانے والے مجبوروں کو مقبول بندوں کے قدم کی مٹی کے ذریعہ سے پاک وصاف کر دیتا ہے۔ ان کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا۔ ان کے قدم کی مٹی مردوں میں جان دیتی ہے کیا تمہیں خبر نہیں کہ جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کی خاک جب سامری کے بچھڑے میں پہنچی تو اسے زندہ کر دیا اگر گندا ناپاک پانی پاک پانی سے مل کر بہہ جاوے تو پاک ہو جاتا ہے ہم گندے کسی مقبول بندے کے ساتھ مل کہ بہہ جاویں تو پاک ہو جاویں گے۔

کلید گنج سعادت قبول اہل دل است مبادکس کہ دریں نکتہ شک و ریب کند
شبان وادی ایمن گہے رسد بمراد! کہ چند سال بجاں خدمت شعیب کند

یعنی نیک بختی کے خزانے کی چابی دل والوں کا قبول فرمالینا ہے اس میں ہرگز شک نہ کرو۔ موسیٰ علیہ السلام وادی ایمن

میں پہنچ کر چرواہے سے کلیم جب بنے جبکہ برس ہا برس شعیب علیہ السلام کی خدمت کی (تفسیر روح البیان)۔ خلاصہ یہ ہے کہ جیسے نماز کے لئے جسم کی پاکی ضروری ہے ایسے ہی دل کی پاکی بھی لازمی ہے جسم ان کنوؤں کے پانی سے پاک ہوتا ہے۔ مگر دل فیضان کے چشمے سے پاک ہوتا ہے۔ ناپاک جسم ان مسجدوں میں نہیں آسکتے ناپاک دل مسجد قرب میں نہیں جاسکتے۔ ناپاک ہاتھ قرآن کے نقوش نہیں چھو سکتے، ناپاک زبان قرآن کے الفاظ نہیں چھوسکتی تو ناپاک دماغ قرآن کے مظامین نہیں چھوسکتے اور ناپاک دل میں قرآن کے اسرار نہیں آسکتے۔ اگر تمہارے پاس اپنا پانی ہے تو اس سے دل کا وضو کرلو ورنہ کسی کے آستانے کی خاک پر تیمم کرو پھر یار کی طرف رخ کرو۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یَشۡتَرُوۡنَ
کیا نہ دیکھا تم نے طرف ان لوگوں کے جو دیئے گئے ایک حصہ کتاب سے خریدتے ہیں وہ
کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کو کتاب سے ایک حصہ ملا گمراہی مول
الضَّلٰلَۃَ وَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا السَّبِیۡلَ ﴿۴۴﴾ وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ
گمراہی کو اور ارادہ کرتے ہیں یہ کہ بہک جاؤ تم راستہ سے اور اللہ خوب جانتا ہے
لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ بہک جاؤ اور اللہ خوب جانتا ہے
بِاَعۡدَآئِکُمۡ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیًّا ٭۫ وَّ کَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیۡرًا ﴿۴۵﴾
دشمنوں کو تمہارے اور کافی ہے اللہ حمائتی اور کافی ہے اللہ مددگار
تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے والی اور اللہ کافی ہے مددگار

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: سورہ نساء کے شروع سے یہاں تک شرعی احکام کا ذکر تھا۔ اب عقائد اسلامیہ کا ذکر فرمایا جارہا ہے تاکہ مضامین بدلنے سے مطالعہ کرنے والے کی رغبت قائم رہے اس کا دل اکتا نہ جائے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں حکم تھا کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔ اب اشارتاً فرمایا جارہا ہے کہ بدعقیدگی لے کر نماز نہ پڑھو یعنی دماغ کو شراب کے نشے سے بچانے کے بعد دل کو بدعقیدگی کے نشے سے بچانے کا حکم کیا جارہا ہے۔ نماز وہی قبول ہے جس میں سر کعبہ کی طرف جھکے اور دل مدینے والے سرکار کی طرف بازار قیامت میں اس نماز کی قیمت پڑے گی جس میں نمازی کا رخ کعبے کی طرف رہا ہو اور دل کا رخ مدینے کی طرف

اگر دل میں حُبِّ محمد نہیں ہے تو کعبے کو جانے کی کوشش نہ کرنا (صائم چشتی)

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں جسمانی پاکیوں کا ذکر تھا۔ اس آیت میں روحانی پاکی کا تذکرہ ہے۔ کامل مومن وہی ہے جو قالب، قلب اور جسم روح سب کو پاک کرے اور پاک رکھے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ معافی اور بخشش انہیں دے گا جن میں یہ عیوب نہ ہوں یعنی معافی دینے کا ذکر پہلے ہوگیا اور معافی لینے کی شرطوں کا ذکر اب ہورہا ہے۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کو نیک اعمال کا حکم دیا گیا۔ اب انہیں یہود کی حالت کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے تاکہ پتہ لگے کہ بدعملی کا انجام یہ ہوتا ہے۔ جسم بگڑنے سے دل بگڑ جاتا ہے۔

شان نزول

۱۔ مدینے منورہ کے کچھ یہودی پادری عبداللہ ابن ابی اور دوسرے منافقوں سے اکثر ملتے رہتے تھے اور ان سے اسلام کی برائیاں بیان کرتے تھے تاکہ وہ اسلام سے متنفر رہیں ان کے متعلق یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی (تفسیر روح البیان وکبیر وروح المعانی)۔

۲۔ رفاعہ ابن زید اور مالک ابن دخشم دو یہودی تھے نہایت بدتمیز اور بدتہذیب یہ دونوں کبھی حضور سید عالم ﷺ کی بارگاہ شریف میں حاضر ہوتے تھے تو گستاخی سے بیہودہ کلام کیا کرتے تھے وہ اخلاص مجسم رحمت عالم ﷺ ان کی بدتمیزی پر صبر فرماتے تھے۔ ان کے متعلق یہ آیت کریمہ اتری ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں (تفسیر خازن و روح المعانی)۔

تفسیر

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ۔ ہمزہ استفہام کے لئے ہے اور یہ استفہام تعجب کرنے کے لئے نہیں بلکہ تعجب دلانے کیلئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تعجب کرنے سے پاک ہے۔ تَرَ میں خطاب یا حضور ﷺ سے ہے یا ہر صحابی سے یا قرآن پڑھنے والے مسلمان سے تَرَ کا مادہ رَاٰیٌ ہے رویۃ بمعنی دیکھنا غور کرنا ظاہر ظہور جاننا ہے یعنی آنکھ سے دیکھنا یا دل سے دیکھنا اگر آنکھ سے دیکھنے کے معنی میں ہو تو اسکے بعد اِلٰی آتا ہے اور اگر دل سے دیکھنے کے معنی میں ہو تو اِلٰی وغیرہ کسی حرف کو نہیں چاہتا یہاں اگر آنکھ سے دیکھنا مراد ہے۔ تب تو اِلٰی کا آنا بالکل ظاہر ہے اور اگر بمعنی غور کرنا یا جاننا ہے تو اِلٰی اس لئے آیا کہ اس میں انتہا کے معنی شامل ہیں (تفسیر کبیر وغیرہ) **اَلَّذِیْنَ** سے مراد علمائے یہود ہیں کیونکہ انہی کے متعلق یہ آیت کریمہ اتری۔ **اُوْتُوْا**، اِیْتَاءٌ سے بنا بمعنی دینا یہ مجہول ہے جس کا نائب فاعل تو یہی علمائے یہود ہیں اور فاعل یا اللہ تعالیٰ ہے یا ان علماء کے استاذ یا باپ دادے ہیں جن سے انہیں توریت ملی تھی۔ نصیب بمعنی حصہ ہے کتاب سے مراد توریت شریف ہے مِنْ تبعیضیہ ہے حصہ کتاب سے مراد یا تو علم کتاب ہے کہ انہیں کتاب کا علم تو ملا عمل نہ ملا یا مفہوم کتاب ہے کہ انہیں کتاب کے معنی ملے اور اسرار نہ ملے یا الفاظ کتاب ہیں کہ انہیں بعضی توریت ملی اور بعضی نہ ملی یا اس طرح کہ پہلے ہی تحریف ہو چکی تھی یا اس طرح کہ ان لوگوں نے خود ہی حضور کی تعریف کی آیتیں مٹا دی تھیں یعنی اے محبوب ﷺ یا اے میرے

محبوب کے صحابہ یا اے قرآن کے پڑھنے والے کیا تو نے ان کو نہ دیکھا یا کیا تیرا علم ان تک نہ پہنچا جنہیں توریت شریف پوری نہ ملی بلکہ اس کا کچھ حصہ ہی ملا۔ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ۔ اِشْتَرَاءٌ کے معنی خریدنا ہیں مگر یہاں تبادلہ کرنا مراد ہیں جس کا مفعول ضلالت ہے اور بالھدٰی پوشیدہ ہے۔ ضلالت سے مراد یا تو ان کا کافر بے دین ہونا ہے یا توریت کی آیتیں چھپانا ہدایت سے مراد یا وہ ہدایت ہے جس پر انسان پیدا ہوتا ہے یعنی فطرت یا وہ ہدایت جس کے حاصل کرنے پر یہ قادر تھے یا وہ ہدایت مراد ہے جو انہیں حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے حاصل تھی کہ وہ لوگوں کو آپ کی بشارتیں دیتے تھے اور آپ کے نام کے وسیلے سے دعائیں مانگتے تھے یعنی یہ لوگ ہدایت کے عوض گمراہی خریدتے ہیں یا لوگوں سے پیسے لے کر توریت کی آیتوں کو بدلتے ہیں اور حضور کی نعت کی آیتیں چھپاتے ہیں اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ یہ ان علمائے یہود کا دوسرا عیب ہے ارادے سے مراد فقط چاہنا نہیں بلکہ کوشش کرنا ہے، کوشش خواہ جانی ہو یا مالی یا علمی یا اخلاقی یا اور کسی قسم کی آج بھی عیسائی مسلمانوں کو بہکانے کیلئے صدہا قسم کی کوشش کر رہے ہیں اور تَضِلُّوْا میں خطاب صحابہ کرام سے ہے السَّبِيْلَ سے مراد اسلام ہے کیونکہ یہ اللہ سے ملنے کا راستہ ہے یعنی وہ اس کوشش میں ہیں کہ اے صحابہ کرام تمہیں اسلام سے پھسلا دیں اور تمہیں مرتد کر دیں یا کم از کم تمہارے دلوں میں اسلام کی طرف سے شبہات پیدا کر دیں یا کم از کم تمہارے اعمال اخلاق صورت لباس عیسائیوں کے سے کریں آج عیسائیوں کا یہ داؤں مسلمانوں پر چل گیا ہمارے اخلاق، صورت، سیرت، زبان سب کچھ انگریزی ہو گئی۔ یہ اس آیت کریمہ کا ظہور ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ یہ نیا جملہ ہے جس میں حضرات صحابہ کرام پر یا سارے مسلمانوں پر کرم کا اظہار کیا گیا اَعْدَاءٌ عَدُوٌّ سے بنا بروزن فعولٌ مبالغہ۔ اس کا مادہ عَدْوٌ ہے جس کے معنی ہیں حد سے بڑھ جانا مصدر عَدَاوَةٌ چونکہ دشمن دوستی ومحبت کی حد سے نکل جاتا ہے۔ اسلئے اسے عدو کہتے ہیں یہاں دشمن سے مراد جانی یا مالی دشمن نہیں بلکہ ایمانی دشمن مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے چونکہ مسلمانوں کے دشمن بہت طرح کے ہیں لہٰذا اَعْدَاءٌ جمع ارشاد ہوا وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا۔ كَفٰى بِاللّٰهِ کی تفسیر بارہا ہو چکی ہے۔ كَفٰى فعل ہے اور باللہ اس کا فاعل ب زائدہ ہے یا الصاق کی ہے چونکہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اپنے بندوں کے ساتھ رہتا ہے اسلئے ب زائدہ لائی گئی۔ ولی اور نصیر دونوں قریب المعنٰی ہیں مگر ولی وہ کہلاتا ہے جو نفع پہنچائے اور نصیر وہ جو نقصان دہ چیزوں اور دشمنوں سے بچائے یعنی اللہ تمہارے لئے کافی والی ہے اور کافی مددگار کہ وہ تمہیں نافع چیزیں بخشتا ہے اور مضر چیزوں سے بچاتا ہے لہٰذا اس کی امان میں رہو۔ محفوظ رہو گے۔

خلاصۂ تفسیر

اے محبوب ﷺ یا اے مسلمانو! کیا تم نے ان بدنصیب علمائے یہود کو نہ دیکھا یا نہ جانا جنہیں توریت شریف کا کچھ حصہ رب تعالیٰ کی طرف سے یا ان کے باپ داداؤں کی طرف سے دیا گیا۔ انہوں نے اس کتاب سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا بلکہ وہ ہدایت کے عوض گمراہی ایمان کے عوض کفر خوش نصیبی

کے عوض بدنصیبی محبت کے عوض عداوت نور کے عوض نار اختیار کرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ تم سے فائدہ اٹھائیں وہ اس کوشش میں ہیں کہ تم اسلام چھوڑ دو ایسے لوگوں کی ہدایت کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ اپنے دشمنوں کو تم نہیں پہچان سکتے اللہ تعالیٰ ہی انہیں خوب جانتا ہے لہٰذا جسے رب تمہارا دشمن فرمائے اسے دشمن جانو اگر چہ وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو اور جسے تمہارا دوست قرار دے اسے دوست جانو اگر چہ اجنبی ہو دشمنوں کی زیادتی سے نہ گھبراؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارا والی وارث ہے اور وہی تمہارا مددگار ہے وہ تمہیں دشمنوں سے بچائے گا اور رحمتیں عطا فرمائے گا جس کا اللہ والی اور ناصر ہو۔ اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا وہ کافی ہے والی وارث اور مددگار ہے۔

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: گمراہ انسان شیطان سے زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ شیطان تو خاص اولیاء اللہ کو گمراہ کرنے سے مایوس ہو چکا ہے۔ مگر یہ لوگ مایوس نہ ہوئے نیز شیطان لاحول شریف اذان وتکبیر کی آواز سے بھاگ جاتا ہے ماہ رمضان میں قید کر دیا جاتا ہے مگر ہمارا نفس اور برے یار نہ اذان وغیرہ سے بھاگیں نہ رمضان وغیرہ میں قید ہوں ان سے محفوظ رہنے کی صرف ایک ہی تدبیر ہے وہ یہ کہ ان مخالفت کی جاوے اور ان سے نہایت سختی سے مقابلہ کیا جاوے یہ لوگ جب صحابہ کرام کو بہکانے کی کوشش کرتے رہے تو ہم تم کس شمار میں ہیں۔ یہ فائدہ یُرِیْدُوْنَ الخ سے معلوم ہوا لہٰذا ہر شخص گمراہ انسان سے دور رہے۔ **دوسرا فائدہ**: ہدایت علم یا کتاب سے نہیں ملتی یہ تو خاص رب کا عطیہ ہے۔ دیکھو علمائے یہود کے پاس توریت کا علم تھا مگر رہے گمراہ شعر:

علم وحکمت از کتب دیں از نظر　　　دین مجو اندر کتب اے بے خبر

تیسرا فائدہ: عالم کی گمراہی جاہل کی گمراہی سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ گمراہ عالم گمراہ بھی ہے اور گمراہ گر بھی۔ **چوتھا فائدہ**: اپنے دوست دشمن سے ہم خبردار نہیں۔ رب تعالےٰ خبردار ہے لہٰذا جسے رب دشمن فرمائے وہ ہمارا دشمن ہے اور جسے ہمارا دوست کہے وہ ہمارا دوست اگر چہ ہماری عقل میں نہ آئے۔ **پانچواں فائدہ**: دشمن تین قسم کے ہیں دشمن جان، دشمن مال اور دشمن ایمان۔ مگر دشمن ایمان سب سے بدتر ہے دیکھو رب تعالیٰ نے دشمن ایمان سے ہم کو آگاہ فرمایا اور ہمیں ان سے احتیاط کرنے کا حکم دیا۔ مولانا فرماتے ہیں شعر:

تا توانی دور شو از یار بد　　　یار بد بدتر بود از مار بد

مار بد تنہا ہمی بر جاں زند　　　یار بد بر دین و بر ایمان زند

چھٹا فائدہ: بے دین آدمی اگر چہ ہمارا رشتے دار ہو مگر ہمارا دشمن ہے بندہ مومن اگر چہ ہم سے اجنبی ہو۔ مگر ہمارا دوست ہے رب فرماتا ہے اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَ اَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ (التغابن:۱۴)۔ مسلمان کو چاہئے کہ بے دین قرابت دار سے دور رہے اور دین دار اجنبی سے قریب کافر مومن کا کبھی دوست نہیں ہو سکتا۔ **ساتواں فائدہ**:

حضور کے صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے گمراہی سے محفوظ رہے۔ تمام بے دینوں کی کوششیں ان کے متعلق بے کار ہوئیں دیکھو رب نے بیان فرمایا کہ تمہیں بہکانا چاہتے ہیں اور بعد میں فرمایا کہ اللہ والی وارث اور مددگار ہے صحابہ کرام کی تو بڑی شان ہے جن پر کسی صحابی کی نظر عنایت ہو جائے وہ بھی گمراہی سے بچا رہتا ہے اس کے متعلق ہماری کتاب امیر معاویہؓ پر ایک نظر کا مطالعہ کرو۔ **آٹھواں فائدہ**: مومن کو چاہئے کہ ہمیشہ کفار کے داؤ پیچ اور ان کی تدبیروں سے خبردار رہے اپنی حفاظت کی کوشش کرتا رہے یہ فائدہ اَلَم تَرَ الخ سے حاصل ہوا چور ہمیشہ اس گھر میں جاتا ہے جہاں دولت اور مالک کی غفلت ہو مومن کے دل میں دولت ایمان ہے اس کیلئے غفلت زہر قاتل ہے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ علمائے یہود کو کتاب اللہ کا ایک حصہ دیا گیا یعنی انہیں۔ ساری کتاب نہ ملی۔ مگر دوسری جگہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ الخ (آل عمران:۱۸۶) جس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کو ساری کتاب یعنی توریت وغیرہ ملی۔ آیتوں میں تعارض ہے **جواب**: کتاب اسم جنس ہے ساری کتاب کو بھی کتاب کہتے ہیں اور اسکے حصے کو بھی جیسے ایک قطرہ بھی پانی ہے اور سارا سمندر بھی پانی وہاں بھی کتاب کا بعض حصہ ہی مراد ہے جسے کتاب فرمایا گیا میں ایک آیت شریف پڑھ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے قرآن پڑھا کہا کرتے ہیں کہ قرآن شریف نے نماز کو فرض کیا حالانکہ فرضیت نماز کی چند آیات ہیں نہ کہ سارا قرآن لہٰذا دونوں آیتیں برحق ہیں۔

دوسرا اعتراض: اگر علمائے یہود کو کتاب کا ایک حصہ ملا تو باقی کسے ملے۔ ساری کتاب تو انہی کے پاس تھی۔ **جواب**: وہ سب ضائع ہو گئے یا چھپا لئے گئے یا بدل دیئے گئے۔ ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا ہے کہ یہاں حصہ کتاب میں بہت احتمال ہیں انہیں کتاب کا علم ملا عمل نہ ملا فرمان ملا فیضان نہ ملا الفاظ ملے اسرار نہ ملے کچھ حصہ ملا کچھ حصہ نہ ملا۔

تیسرا اعتراض: علمائے یہود کے پاس ہدایت پہلے سے تھی ہی نہیں پھر انہوں نے اس کے عوض گمراہی کیسے خریدی۔ **جواب**: اس کے نہایت نفیس جوابات پہلے پارے میں اِشۡتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالۡهُدٰى (بقرہ:۱۶) کی تفسیر میں عرض کئے جا چکے ہیں اور ابھی تفسیر میں بھی کچھ عرض کئے گئے کہ ہر بچہ ہدایت پر پیدا ہوتا ہے پھر اپنے اختیار سے گمراہ بنتا ہے اس ہدایت کا چھوڑنا اور گمراہی اختیار کرنا خریداری ہے یا وہ سب حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے حضور کو مانتے تھے اس معنیٰ سے ہدایت پر تھے تشریف آوری کے بعد آپ کے منکر ہوئے یہ ان کی خرید و فروخت ہوئی وغیرہ وغیرہ۔

چوتھا اعتراض: ولایت اور نصرت میں کیا فرق ہے دونوں کے معنی مدد ہی ہیں پھر یہاں ولی اور نصیرا الگ الگ کیوں فرمایا گیا۔ **جواب**: ولی کے بہت معنی ہیں۔ مالک، متصرف، والی، وارث، مددگار یہاں ولی سے مراد

والی وارث متصرف ہے اور نصیر سے مراد مددگار اور اگر ولی بمعنی مددگار ہی ہو تب بھی مدد بہت سی قسم کی ہے۔ کسی کو مفید چیز دینا بھی مدد ہے نقصان دہ چیز سے بچانا بھی مدد ہے اسے قوت دینا بھی مدد ہے اور اس کے مقابل کو کمزور کر دینا بھی مدد ہے لہٰذا ولی اور نصیر میں تکرار نہیں (از تفسیر کبیر)

پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ کافی ولی اور کافی نصیر ہے پھر تم مسلمان ولیوں نبیوں کے دروازوں پر کیوں جاتے ہو کیا تم کو خدا کافی نہیں (وہابی)۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافی رازق کافی شافی الامراض ہے پھر تم رزق اور شفا لینے کے لئے امیروں حکیموں کے دروازوں پر کیوں جاتے ہو کیا خدا رازق شافی نہیں ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ان مقبولوں کے آستانے اللہ تعالےٰ کی ولایت ونصرت کے دروازے ہیں مدد رب تعالیٰ ہی کرتا ہے مگر ان دروازوں سے اگرچہ دولت امیر کے گھر میں ہے مگر بھکاری کو ملتی ہے دروازہ سے اور خزانچی یا نوکر و ملازم کے ہاتھ سے ہم ان دروازوں پر اللہ کی نصرت وولایت لینے جاتے ہیں۔ خود رب تعالیٰ ہم کو وہاں بھیج رہا ہے دیکھو ہماری کتاب جاء الحق۔

چھٹا اعتراض: اس آیت کریمہ میں دو جگہ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ کیوں ارشاد ہوا۔ ایک ہی جگہ کافی تھا۔ **جواب**: اس جیسے موقعہ پر تکرار سے مبالغہ اور سننے والے کے دل میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ جیسے کسی مصیبت زدہ سے کہا جائے کہ مت گھبرا میں تیرا دوست ہوں میں تیرا یار ہوں میں تیرا مددگار ہوں یہاں بار بار میں تیرا کہنے سے اس مصیبت زدہ کو بہت تسلی ہوگی۔

ساتواں اعتراض: كَفٰى فعل ہے۔ لفظ اللہ اس کا فاعل پھر لفظ اللہ پر ب کیوں آئی۔ فاعل پر حرف جر نہیں آیا کرتا۔ **جواب**: تفسیر کبیر میں اس سوال کے کئی جواب دیئے ہیں۔ بہترین جواب یہ ہے کہ ب آتی ہے ملانے کیلئے اور قرب بتانے کیلئے یہاں ب فرما کر اشارۃً فرمایا گیا کہ اللہ تعالےٰ اور اس کی رحمت تم سے دور نہیں ہے قریب ہے جب مددگار قوی بھی ہو اور قریب بھی پھر اس کی مدد پہنچنے میں دیر نہیں لگتی رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (اعراف:۱۶) اور فرماتا ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (قٓ:۱۶) قربان جاؤ قرآن کریم کے کہ اس کے ہر حرف میں صدہا حکمتیں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اَلَمْ تَرَ میں خطاب حضور علیہ السلام سے ہے اور تَرَ سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے اَلَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ سے تا قیامت یہودی و عیسائی مراد ہیں جو ہمیشہ مسلمانوں کو بہکانے کی تدبیریں کرتے رہیں گے۔ آج بھی مشن اسکول، مشن کالج، مشن اسپتال مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی تدبیریں ہیں یہ سب لوگ حضور کی نگاہ میں ہیں۔ مگر یہ لوگ نگاہ غضب میں ہیں اور تا قیامت مسلمان نگاہ عنایت میں اس نگاہ کا صدقہ ہے کہ مسلمان اس گئے گزرے زمانہ میں بھی ان کے شر سے محفوظ ہیں۔ حضور سب کو

دیکھتے پہچانتے ہیں۔ جب جنت کی حور دنیا کے ہر گھر کے ہر حال سے خبردار رہتی ہے تو حضور تو اللہ کے نور ہیں آپ کی نظر سب پر کیوں نہ ہو ہماری بخشش حضور کی شفاعت پر موقوف ہے اور حضور کی شفاعت حضور کے علم پر مبنی ورنہ اگر قیامت میں حضور گنہگاروں سے فرمادیں کہ میں تم کو پہچانتا ہی نہیں تم کون ہو اپنے مومن ہونے کا ثبوت دو تو آفت آجائے جو حضور کے علم کا انکاری ہے وہ حضور سے شفاعت کیسے کرائے گا اور جنت میں کیوں کر جائے گا۔ حضور سے یہ خطاب فرما کر مسلمانوں سے فرمایا گیا اشارۃً کہ اے مسلمانو یہ مت سمجھو کہ یہ آیت کریمہ جن علماء کے متعلق تھی وہ ختم ہو چکے اب اسلامی علماء میں بھی دو قسم کے عالم ہیں ایک وہ جنہیں پورا قرآن ملا اور ایک وہ جنہیں قرآن کا کچھ حصہ ہی ملا پہلی قسم کے علماء علمائے ربانی ہیں اور دوسرے قسم کے علماء علمائے سوء یا علمائے نفسانی یا شیطانی ہیں۔ علمائے شیطانی ہمیشہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں زبانی دوست ہیں اور دلی دشمن علمائے ربانی وہ ہیں کہ جن کی زبان پر قرآن کا فرمان ہو اور دل میں قرآن کا فیضان ہو اور علمائے نفسانی وشیطانی وہ ہیں جن کی زبان پر ہو قَالَ اور دل کالا کالا۔ حضور ﷺ کے فیضان کی ضرورت ہر شخص بلکہ ہر چیز کو ہے دیکھو حضور کے فیض سے کعبے کے اندر سے بت نکلے حضور کے فیض سے قرآن کی آیتیں مکی مدنی بنی ورنہ نہ اللہ تعالیٰ مکی مدنی ہے نہ جبریل نہ لوح محفوظ صوفیا فرماتے ہیں کہ علمائے سوء نے ہدایت کو دیکھا ہی نہیں ورنہ کبھی گمراہی کے عوض اسے نہ فروخت کرتے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جمال یوسفی دیکھا ہی نہیں ورنہ انہیں کبھی کھوٹے داموں کے عوض فروخت نہ کرتے حسن یوسف یا یعقوب علیہ السلام نے دیکھا تھا یا مصر میں پہلے زلیخا نے دیکھا۔

حکایت

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر سورہ یوسف میں جس کا نام احسن القصص ہے لکھا ہے کہ ایک بار حضرت جنید مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک برقع پوش عورت فریاد لائی کہ میرا خاوند میرے ہوتے ہوئے دوسری عورت پر فریفتہ ہے اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے آپ نے فرمایا کہ ازروئے شریعت وہ یہ کرسکتا ہے وہ بولی کہ میرا حسن برقع میں ہے اگر آپ میرا جمال دیکھ لیتے تو یہ فتویٰ نہ دیتے اور اگر میرا خاوند میرے جمال کو دیکھ لیتا تو کبھی ایسا ارادہ نہ کرتا اس کے اس جواب پر جنید بغدادی نے نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ چلنا پھرنا مشکل تھا لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو کیا ہوا فرمایا کہ اس عورت کے جواب نے میرے مقامات طے کرادیئے جو عالم ہدایت میں گمراہی دین کے مقابلے میں دنیا نور کے مقابلے میں نار اختیار کرتا ہے اس نے ہدایت وغیرہ کا حسن دیکھا ہی نہیں خیال رہے کبھی پردہ محبوب کے چہرے پر ہوتا ہے اور کبھی دیکھنے والے کی آنکھ پر حسن مصطفےٰ عیاں تھا مگر پردہ ابوجہل کی آنکھ پر تھا۔ شعر:

انداز حسینوں کو سکھائے نہیں جاتے | امی لقبی ہوں وہ پڑھائے نہیں جاتے
ہر ایک کا حصہ نہیں دیدار کسی کا | بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

غرض کہ یہ آیت کریمہ علما کے لئے بہت عبرت کا باعث ہے اللہ تعالےٰ پورا قرآن عطا فرمائے۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا

ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے بدلتے ہیں کلموں کو ان کی جگہ سے اور کہتے ہیں سن لیا ہم نے

کچھ یہودی کلاموں کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور

وَ عَصَيْنَا وَ اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ ط

اور نافرمانی کریں گے اور سنئے نہ سنائے ہوئے اور رعایت کیجئے ہماری موڑتے ہوئے اپنی زبانوں کو اور طعنہ کرتے ہوئے دین میں

سنئے آپ سنائے نہ جائیں اور راعنا کہتے ہیں زبانیں پھیر کر اور دین میں طعنہ کے لئے اور اگر وہ

وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ

اور اگر وہ کہتے کہ سن لیا ہم نے اور اطاعت کریں گے ہم اور سنئے اور نظر کیجئے ہم پر تو البتہ ہوتا اچھا ان کیلئے اور

کہتے کہ ہم نے سنا اور حضور ہماری باتیں سنیں اور حضور ہم پر نظر فرمائیں تو ان کیلئے بھلائی اور راستی میں

اَقْوَمَ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

زیادہ درست لیکن لعنت کی ان پر اللہ نے بوجہ کفر ان کے پس نہیں ایمان لاتے مگر تھوڑے۔

زیادہ ہوتا لیکن ان پر تو اللہ نے لعنت کی ان کے کفر کے سبب تو یقین نہیں رکھتے مگر تھوڑا

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اہل کتاب ہدایت کے عوض گمراہی خریدتے ہیں اب اس اجمال کی کچھ تفصیل یا اس دعویٰ کی دلیل یا اس کلام کی شرح فرمائی جارہی ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اہل کتاب کو کتاب پوری نہ ملی بلکہ اس کا ایک حصہ ملا اب اسے سمجھانے کے لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ اس میں ہم نے ان پر ظلم نہ کیا بلکہ خود وہ قصور وار ہیں کہ توریت کی آیتوں میں تحریف کرتے ہیں جس سے توریت کا بہت حصہ ضائع ہوگیا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اے مسلمانوں تمہارے دشمنوں کو ہم خوب جانتے ہیں تم دھوکا کھا سکتے ہو کہ انہیں ظاہری باتوں سے دوست سمجھ لو اب اس کے ثبوت میں یہود کی کچھ حرکتیں پیش کی جارہی ہیں کہ ان کی زبانیں شہد کی طرح میٹھی ہیں اور دل میں تمہاری طرف سے زہر بھرا ہے یعنی وہ دعویٰ تھا اور یہ اس کی دلیل۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ مسلمانوں کا والی اور ناصر ہے۔ اب اس حمایت اور نصرت کا نتیجہ بیان کیا جارہا ہے

کہ ہمارے محبوب ﷺ اور ان صحابہ کرام کا رعب یہود کے دلوں میں اتنا ہے کہ انہیں بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر تقیہ ہی کرنا پڑتا ہے۔ان کی ہیبت کی وجہ سے یہود زبان سے خوشامد ہی کرتے ہیں دل کی عداوت ظاہر نہیں کر سکتے۔

پانچواں تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ یہود تمہارے دشمن ہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ وہ تو خود اپنی کتاب اپنے نبی کے بھی دشمن جو اپنی قوم اپنے دین کا ہی دوست نہ ہو وہ تمہارا دوست کیسے ہو سکتا۔

تفسیر

مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا ۔ اس عبارت کی بہت نحوی ترکیبیں ہیں اور بہت سے معانی ایک یہ کہ یہ عبارت الَّذِیْنَ اُوْتُوْا الخ کا بیان ہے اور من بیانیہ ہے دوسرے یہ کہ یہ نَصِیْرًا کے متعلق ہے اور من صلہ کا تیسرے یہ کہ بِاَعْدَائِكُمْ کا بیان ہے چوتھے یہ کہ یہ علیحدہ جملہ ہے اور یہ عبارت خبر مقدم ہے جس کا مبتدا یُحَرِّفُوْنَ پوشیدہ ہے یُحَرِّفُوْنَ الخ قَوْمٌ کی صفت ہم اسی ترکیب کی بنا پر اس آیت کی تفسیر کرتے ہیں۔اس صورت میں من تبعیضیہ ہوگا چونکہ سارے یہودی توریت شریف کی تحریف نہ کرتے تھے بلکہ صرف علما کرتے تھے عوام یہودی تو ان کی تحریف کردہ عبارتوں پر ایمان لے آتے تھے۔اس لئے من تبعیضیہ ارشاد ہوا نیز جو حرکتیں یہاں ذکر ہو رہی ہیں وہ زیادہ تر علمائے یہود ہی کیا کرتے تھے۔عیسائی ان کے مقابلے میں ہلکے تھے اس لئے هَادُوْا فرمایا گیا نیز هَادُوْا میں لطیف اشارہ اس جانب ہے کہ یہ لوگ پہلے یہودی تھے۔اب تو توریت بگاڑنے اور حضور ﷺ کا انکار کرنے کی وجہ سے کچھ بھی نہ رہے۔اس لئے مِنَ الْیَهُوْد نہ فرمایا اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی۔یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ اس عبارت کی اتنی ہی ترکیبیں ہوں گی جتنی مِنَ الَّذِیْنَ میں عرض کی گئیں اور ان ترکیبوں کے مطابق اتنے ہی معانی۔یُحَرِّفُوْنَ۔تحریف سے بنا جن کا مادہ حرفٌ ہے بمعنی کنارہ اور علیحدگی تحریف کنارے کر دینا علیحدہ کر دینا بدل دینا تحریف دو قسم کی ہوتی ہے۔لفظی اور معنوی الفاظ کتاب بدلنا تحریف لفظی ہے اور کلام اللہ میں غلط تاویلیں کرنا تحریف معنوی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔مگر زیادہ ظاہر یہ ہے کہ تحریف لفظی مراد ہے کیونکہ اسکے بعد كَلِمَ کا ذکر ہے۔یُحَرِّفُوْنَ۔مضارع فرما کر یہ بتایا کہ ان کی یہ تحریف ایک بار نہ ہوئی بلکہ برابر کرتے رہے كَلِمَ۔كلمةٌ کی جمع ہے۔یہاں کا كلمةٌ مراد عام ہے مفرد ہو یا مرکب یا پورا جملہ جیسے رب فرماتا ہے لَاتَبْدِیْلَ لِكَلِمَاتِ اللهِ (یونس:٦٤)۔اس سے مراد توریت شریف کی عبارتیں ہیں۔علمائے یہود نے توریت شریف کی پوری آیتیں بھی بدلی تھیں اور بعض آیتوں کے کچھ کلمات بھی۔جیسے توریت شریف میں نبی آخر الزمان کی صفات میں لکھا تھا کہ وہ اَسْمَرُ یعنی گندمی رنگ ہوں گے۔رِبْعَةٌ یعنی درمیانہ قد ہوں گے انہوں نے اَسْمَرُ کی جگہ آدم اور ربعة کی جگہ طوال لکھ دیا۔مَوَاضِعُ، مَوْضِعٌ کی جمع ہے۔بمعنی جگہ کا مرجع كلمةٌ ہے اگرچہ وہ جمع ہے اور جمع کیلئے ضمیر مؤنث آنی چاہئے مگر چونکہ اس جمع کے حروف واحد کے حروف سے کم ہیں کہ واحد كلمةٌ ہے۔ایسی جمع کی طرف ضمیر مذکر بھی لوٹ جاتی ہے۔اسلئے [illegible] ضمیر مذکر لائی گئی (تفسیر کبیر بعض نے فرمایا کہ) كَلِمَ اسم جنس ہے۔نہ کہ جمع لہٰذا

ضمیر مذکر آئی یعنی یہودیوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو توریت شریف کے الفاظ کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں مٹا کر یا بدل کر ان کی دشمنی اپنے مذہب کے ساتھ تو یہ تھی اور تمہارے مذہب کے ساتھ یہ ہے کہ وہ تمہارے نبی کے دشمن تمہارے دین کے دشمن پھر وہ تمہارے دوست کیسے ہو سکتے ہیں تمہارے بزرگوں کا دشمن تمہارا دشمن یقینی ہے چنانچہ وہ تمہارے رسول کے ساتھ یہ عمل کرتے ہیں کہ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا۔ یہ جملہ يُحَرِّفُونَ پر معطوف ہے اور قوم پوشیدہ کی دوسری صفت اس میں ان یہودیوں کا دوسرا عیب بیان کیا گیا کہ یہ بدنصیب اپنے نبی اور اپنی کتابوں پر تو یہ زیادتیاں کرتے ہیں اور نبی آخر الزمان ﷺ کے ساتھ ان کا معاملہ یہ ہے یہاں قول سے مراد زبانی دلی ظاہر اور خفیہ ہر قول ہے کیونکہ وہ زبان سے تو سَمِعْنَا کہتے تھے اور دل میں عَصَيْنَا اور ہو سکتا ہے کہ قول سے مراد زبانی کہنا ہی ہو اس طرح کہ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں تو سَمِعْنَا کہتے ہوں اور گھر جا کر عَصَيْنَا کہتے ہوں یا یہ دونوں کلمے اپنی قوم کے سامنے کہتے ہوں یعنی زبان سے کہتے ہیں ہم نے آپ کے فرمان سن لئے اور دل میں کہتے ہیں کہ مانیں گے نہیں یا اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ ہم ان کی باتیں سن تو لیتے ہیں مگر مانتے نہیں۔ وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ یہ عبارت سَمِعْنَا پر معطوف ہے اور يَقُولُونَ کا مفعول اس عبارت کے اچھے معنی بھی ہو سکتے ہیں برے بھی لوگوں پر اچھے معنی ظاہر کرتے تھے دل میں برے معنی کی نیت کرتے تھے ایک شاعر کہتا ہے۔

خاط لی عمر و قباء لیت عینیه سواء

یعنی اے محبوب ہماری عرض سنئے ہماری طرف سے آپ کو ناپسندیدہ بات نہ سنائی جائے گی ہم وہ کہیں گے جو آپ کو پسند ہو۔ یا خدا کرے آپ کبھی بری بات نہ سنائے جاویں یہ دونوں معنی خیر ہیں یا خدا کرے آپ سننے کے قابل نہ رہیں اس طرح کہ آپ کی وفات واقع ہو جاوے یا بہرے ہو جاویں ظاہر کرتے تھے وہ دو معنی۔ مراد لیتے تھے یہ آخری معنی (صاوی و کبیر وغیرہ) وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ۔ رَاعِنَا وَاسْمَعْ پر معطوف ہے یہ بھی يَقُولُونَ کا مفعول ہے یہ بھی دو معنی والا لفظ ہے ایک خیر دوسرے شر اگر راع۔ رعایۃ کا امر ہو اور نا اس کا مفعول تو معنی یہ ہیں کہ یا رسول اللہ ہماری رعایت فرمائیے۔ یہ فرمان عالی ہم نے سنا نہیں دوبارہ فرما دیجئے یہ معنی نہایت ہی درست ہیں اور اگر رعونت بمعنی حماقت کا اسم فاعل ہو تو اس کے معنی ہیں احمق بے وقوف یا متکبر اور اگر راعینا ی کے ساتھ ہو تو معنی ہونگے ہمارے چرواہے تب یہ نہائت ہی شر کا لفظ ہے وہ ظاہر تو کرتے تھے پہلے معنی اور نیت کرتے تھے دوسرے معانی کی اسلئے رب نے فرمایا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ ۔ لَيًّا لَوِيٌ سے بنا بمعنی موڑنا پھیرنا یہ يَقُولُونَ کا حال یا مفعول لہٗ ہے اس کا تعلق یا تو لَيًّا سے ہے یا ان تمام کلمات سے یعنی وہ اپنی زبانیں موڑ موڑ کر راعنا کہتے ہیں جس سے راعنا راعینا بن جاتا ہے یا یہ تمام گفتگو زبانیں موڑ موڑ کر کرتے ہیں طعن کے معنی ہیں نیزہ مارنا مگر کسی کی آبرو پر زبان یا ہاتھ ڈالنے کو بھی کہا جاتا ہے طعن کے معنی ... لَيًّا پر معطوف ہے اور اس کی طرح یا تو يَقُولُونَ

سے حال ہے یا مفعول لہٗ دین سے مراد ہے دین اسلام یعنی ان کی یہ حرکتیں اسلام پر طعنہ دینے کیلئے ہوتی ہیں کہ پھر جا کر اپنے دوستوں سے کہتے ہیں کہ اگر آپ سچے نبی ہوتے تو ہماری ان باتوں کو سمجھ جاتے اور ہمارے دلوں کے ارادوں پر مطلع ہو جاتے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سچے نبی نہیں اور جب آپ ہی سچے نہیں تو اسلام سچا کیسے ہو سکتا ہے لہٰذا اسلامی توحید، قرآن مجید، روزہ نماز کے احکام شریعت وطریقت کے مسائل سب ہی غلط ہیں کہ یہ سب چیزیں ان نبی کی زبان سے ہی مانی گئی ہیں۔ جب یہ زبان ہی سچی نہیں تو یہ سب چیزیں جھوٹی ہیں۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ یہ کلام رب تعالےٰ کا اپنا ہے انہیں یا مخلص مسلمانوں کو تعلیم کے لئے یعنی مگر یہ مردودین بجائے عَصَيْنَا کے اَطَعْنَا کہتے زبان سے بھی اور دل سے بھی یعنی عرض کرتے کہ ہم نے سن لیا اور آپ کے ہر فرمان کی اطاعت کریں گے۔ ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے قواعد شرعیہ کے موافق ہو یا بظاہر ہم کو مخالف معلوم ہو۔ خیال رہے کہ یہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا رب تعالیٰ کے لئے بھی قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا (بقرہ:۲۸۵) معلوم ہوا کہ اطاعت رسول اطاعت الٰہی کی طرح مطلقاً واجب ہے۔ وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا۔ یہ عبارت سَمِعْنَا پر معطوف ہے اور قَالُوْا کا مفعول بہ یعنی صرف اِسْمَعْ کہتے ساتھ میں غَيْرَ مُسْمَعٍ نہ کہتے اور بجائے رَاعِنَا کے اُنْظُرْنَا کہتے ہیں جس میں غلط معنی کا احتمال نہ ہوتا۔ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ یہ عبارت لَوْ کی جزا ہے۔ خیر سے مراد نافع چیز ہے اَقْوَمَ قام کی تفضیل ہے بمعنی اعدل زیادہ انصاف کی بات یعنی اگر بجائے ان منحوس لفظوں کے یہ پیارا کلام کرتے تو ان کے لئے نافع بھی ہوتا زیادہ درست بھی کہ وہ اس سے دنیا و آخرت کی کامیابیاں حاصل کرتے۔ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ۔ یہ عبارت پچھلے جملوں پر معطوف ہے اور لکن کے بعد ایک فعل پوشیدہ ہے اور لَعَنَ اس پوشیدہ عبارت کی علت ہے یعنی لیکن ان مردودوں نے وہ درست باتیں نہ کہیں یا وہ ہمیشہ اس جرم کے مرتکب رہے کیوں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گذشتہ کفروں کی وجہ سے انہیں رحمتوں سے دور فرما دیا اب انہیں رحمت والے کاموں کی توفیق ہی نہیں ملتی جب کرتے ہیں الٹے کام اور جب چلتے ہیں تو غلط راہ لعنت کے معانی اور اس کی اقسام پہلے پارہ میں بیان ہو چکے کہ جب اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اس کے معنیٰ ہوتے ہیں رحمت سے دور کرنا اور جب اس کا فاعل بندے ہوں تو اس کے معنیٰ ہوتے ہیں دوری رحمت کی دعا کرنا یہاں پہلے معنی مراد ہیں کیونکہ اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ یہ جملہ لعنت کے انجام کا بیان ہے لہٰذا ف تعقیبیہ ہے اِلَّا حرف استثناء ہے یا بمعنی لٰكِنْ اور قَلِيْلًا لَعَنَهُمُ اللّٰهُ سے استثناء ہے یا يُؤْمِنُوْنَ کے فاعل ھم سے اور قلیل سے مراد یا تھوڑے لوگ ہیں یا تھوڑے ایمان یعنی ان سب پر اللہ نے لعنت کی سواء تھوڑے لوگوں کے لہٰذا وہ ملعون لوگ ایمان نہ لائیں گے یہ تھوڑے لوگ ایمان لے آئیں گے یا یہ لوگ بہت تھوڑی باتوں پر ایمان لائیں گے زیادہ پر نہ لائیں گے کہ خدا کو مان لیں گے مگر نبی کا انکار کریں گے اور ظاہر ہے کہ صرف عقیدہ توحید نجات کیلئے کافی نہیں توحید کو

تو شیطان بھی مانتا ہے یا وہ صرف اپنے رسولوں کو مانیں گے۔ نبی آخر الزمان کو نہ مانیں گے یہ بھی ایمان کیلئے کافی نہیں بغیر حضور پر ایمان لائے تمام نبیوں کا مان لینا محض بیکار ہے۔

خلاصہ تفسیر

یہود میں سے بعض وہ ظالم بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب توریت شریف پر تو یہ زیادتی کی کہ اس کی عبارتیں۔ الفاظ معانی اپنی اپنی جگہ سے مٹا دیں یا مٹا کر یا بدل کر یا چھپا کر اور اے محبوب ﷺ آپ کے ساتھ ان کا برتاؤ یہ ہے کہ جب کبھی آپ کی مجلس پاک میں حاضر ہوتے ہیں تو مسلمانوں کو خوش کرنے کیلئے منہ سے تو کہہ دیتے ہیں سَمِعْنَا ہم آپ کے فرمان سن رہے ہیں، بہت غور سے کان لگا کر سن رہے ہیں مگر دل سے کہتے ہیں کہ آپ کی مانیں گے نہیں اور کہتے ہیں یا رسول اللہ آپ ہماری عرض و معروض سنئے مگر دل میں آپ کو کوستے ہیں کہتے ہیں خدا کرے آپ سننے کے لائق نہ رہیں یا اس طرح کہ وفات پا جائیں یا اس طرح کہ آپ کے کان بیکار ہو جائیں اور کہتے ہیں رَاعِنَا ظاہر کرتے کہ ہماری رعایت فرمایئے دل میں نیت کرتے ہیں فاسد معنیٰ کہ یہ باتیں زبان موڑ موڑ کر کہتے ہیں ان کا مقصد ہے دین اسلام پر طعنہ زنی کرنا لوگوں سے کہنا کہ دیکھو نبی ﷺ کو کچھ علم و خبر نہیں آپ کو تو ہمارے برے ارادوں بری نیتوں پر اطلاع نہیں پھر آپ نبی کیسے، نبی کے معنی ہیں خبردار جو بے خبر ہو وہ نبی کیسا اور جب آپ سچے نبی نہیں تو اسلام بھی سچا نہیں اگر یہ بدنصیب اخلاص کے ساتھ یوں کہا کرتے کہ یا رسول اللہ ہم نے آپکے فرمان عالی سن لئے ہم اطاعت کریں گے اور عرض کرتے کہ یا رسول اللہ ہماری دردکی یہ باتیں سنئے حضور ہم پر نظر کرم فرمائیں تو یہ ان کیلئے دین و دنیا میں بہتر بھی ہوتا اور درست بھی کہ اس گفتگو سے مقبول بارگاہ ہو جاتے مومن صحابی بن جاتے لیکن وہ یہ کہیں کیسے ان پر تو اللہ نے لعنت و پھٹکار کردی کیونکہ یہ پرانے کافر و پاپی ہیں اب ان کو ایمان نصیب ہی نہ ہوگا ہاں ایمانیت میں سے تھوڑی باتوں کو مانیں گے اکثر کے انکاری رہیں گے جس سے یہ پکے کافر ہی رہیں گے۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو وہ اخلاق بخشے کہ حضور نے اپنے ذاتی دشمن سے بھی کبھی بدلہ نہ لیا دیکھو اس آیت میں یہ تو بتایا گیا کہ منافق یہود بارگاہ رسالت میں ایسی گستاخیاں کرتے تھے مگر یہ نہیں ارشاد ہوا کہ ہمارے محبوب ان سے اس کا بدلہ لیتے تھے ذاتی دشمن کو چھوڑ دینا قومی دینی ملکی دشمن کو نہ چھوڑنا اخلاق محمدی ہے۔ **دوسرا فائدہ**: اپنے محبوب کے دشمنوں سے اللہ تعالیٰ خود بدلہ لیتا ہے۔ دیکھو اس آیت میں رب تعالیٰ نے ان یہود کی گستاخیاں بیان فرما کر خود فرمایا لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ جو شخص اپنے دشمن سے بدلہ نہ لے خدا تعالیٰ اس سے بدلہ لیتا ہے۔ **تیسرا فائدہ**: مومن کی پہچان یہ ہے کہ اس کا دل و زبان ایک ہو، زبان و دل کی علیحدگی منافق کی علامت ہے دیکھو یہ منافقین زبان سے کچھ کہتے تھے دل میں کچھ رکھتے تھے اللہ تعالیٰ اخلاص نصیب کرے۔ **چوتھا فائدہ**: حضور ﷺ کی بارگاہ میں ایسا لفظ بولنا جس میں گستاخی کا شائبہ بھی ہو حرام ہے دیکھو رَاعِنَا کے چند معنی تھے بعض اچھے بعض

برے اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کا بولنا منافقوں کی علامت قرار دیا دوسری جگہ مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے صراحۃً منع فرما دیا کہ فرمایا **یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا** (بقرہ: ۱۰۴) اس سے وہ بے ادب عبرت پکڑیں جو حضور ﷺ کی بارگاہ میں ہلکے اور بے ادبی کے الفاظ بے دھڑک بول جاتے ہیں۔ پھر تاویلیں کرتے ہیں توبہ نہیں کرتے۔ **پانچواں فائدہ**: حضور ﷺ کے علم غیب کا انکار یہودیوں منافقوں کا پرانا طریقہ ہے اگر حضور کو علم غیب ہوتا تو آپ فلانی بات کیوں نہ جان لیتے یہ ہی وہ الفاظ ہیں جو منافقین کے منہ سے نکلتے تھے جیسا کہ **وَطَعْنًا فِی الدِّیْنِ** کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ منافقین اور یہود کہتے تھے کہ اگر حضور سچے نبی ہوتے تو ہمارے دلی کفر ونفاق کو پہچان لیتے۔ **چھٹا فائدہ**: حضور کے علم پر طعن کرنا در حقیقت اسلام پر طعن ہے اور یہود کا طریقہ۔ دیکھو رب نے ان یہود کے انکار علم نبی کو **طعن فی الدین** قرار دیا اس سے آج کل کے گستاخوں کو عبرت پکڑنی چاہئے۔ **ساتواں فائدہ**: حضور ﷺ ایسے شاندار سرکار ہیں کہ آپ کے آستانے کا ادب اور آپ سے عرض معروض کے الفاظ قرآن کریم سکھاتا ہے جیسا کہ **وَلَوْ اَنَّهُمْ** الخ سے معلوم ہوا قرآن شریف میں حضور کے ہاں دعوت کھانے آپ کے سامنے کلام کرنے آپ کے ساتھ راستہ چلنے آپ کو گھر سے بلانے کے آداب بھی سکھائے ہیں اس کی تفصیل کے لئے ہماری کتاب سلطنتِ مصطفٰے کا مطالعہ کرو۔ **آٹھواں فائدہ**: حضور ﷺ کے ادب میں ہمارا ہی فائدہ ہے اور بے ادبی میں ہمارا ہی نقصان۔ اس سے ان سرکار کا کچھ نہیں بگڑتا۔ سورج کی تعریف کر دیا برائی وہ نور ہی ہے جیسا کہ **لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ** الخ سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ**: حضور ﷺ کی بے ادبی خدا تعالیٰ کی لعنت کی پہچان ہے جس پر رب لعنت کرتا ہے وہ حضور کی بے ادبی کرتا ہے اور جس پر رب رحمت فرماتا ہے اس کو سرکار کے ادب کی توفیق دیتا ہے جیسا کہ **وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمْ** سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ**: حضور کا انکار کر کے رب تعالیٰ کی ذات و صفات، قیامت، فرشتوں، جنت، دوزخ وغیرہ کو مان لینا ایمان نہیں۔ دیکھو ان سب عقیدوں کو رب العٰلمین نے قلیل فرمایا۔ شیطان ان سب چیزوں کو مانتا ہے نبی کا انکاری ہے۔ کافر ہے، تمام عقائد گویا نوٹ کا کاغذ ہیں اور عقیدہ نبوت اس کی سرکاری مہر بغیر مہر نوٹ کا کاغذ بیکار ہے ایمان ہی کیا ساری عبادات کا یہی حال ہے۔

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو ہو نجدیو　　　واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے

اگر حضور ﷺ سچے ہیں تو قرآن بھی سچا اسلام بھی سچا نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ سچے کہ ہم نے ان سب چیزوں کو حضور ﷺ ہی کی زبان سے توسنا اور جانا و مانا ہے اور اگر نعوذ باللہ حضور کے سچے ہونے کا انکار کر دیا جاوے تو پھر ان میں سے کسی چیز کو سچا نہیں مانا جا سکتا اس لئے قرآن کریم نے ان منافقوں کی اسی مذکورہ بکواس کو **طعن فی الدین** قرار دیا۔ **گیارھواں فائدہ**: امت کا حضور سے عرض کرنا کہ **یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُنْظُرْ حَالَنَا** اور یوں کہنا کہ **یَا حَبِیْبَ اللّٰهِ اِسْمَعْ قَالَنَا** بالکل برحق ہے اس کا ماخذ یہ آیت کریمہ ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے تا قیامت مسلمانوں کو

عرض معروض کا طریقہ سکھانے کے لئے یہ آیت قرآن مجید میں رکھی ہے حضور سب کی سنتے سب کو دیکھتے ہیں ورنہ یہ عرض کرنا غلط ہوتا قرآن کریم غلط چیز کی تعلیم نہیں دیتا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: کتاب اللہ کی تحریف یہودی عیسائی سب ہی کرتے تھے یہاں صرف یہود کا کیوں ذکر ہوا۔ **جواب**: یا اس لئے کہ یہ آیت کریمہ یہودیوں کے متعلق آئی ہے اور یہاں جن عیبوں کا ذکر ہے وہ یہود ہی کے اندر تھے یا اس لئے کہ مدینہ منورہ میں زیادہ تر یہودی آباد تھے، مسلمانوں کو ان ہی سے پالا پڑا تھا۔

دوسرا اعتراض: مِنَ الَّذِينَ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض یہودی تحریف کرتے تھے حالانکہ سارے ہی یہودی اس جرم کے مرتکب تھے۔ **جواب**: نہیں صرف علماء یہود ہی تحریف کرتے تھے۔ ان میں بھی حضرت عبداللہ ابن سلام اور کعب احبار جیسے علماً اس جرم سے دور تھے ان جیسے بزرگوں کو آخر کار ایمان نصیب ہو گیا۔

تیسرا اعتراض: كَلِمَ جمع ہے اور جمع کی طرف ضمیر مؤنث لوٹتی ہے تو یہاں مَوَاضِعِهٖ مذکر ضمیر کیوں لائی گئی۔ **جواب**: اسکا جواب تفسیر میں گذر گیا کہ جب واحد اور جمع کے لفظ برابر ہوں یا جمع کے لفظ واحد کے لفظ سے کم ہوں تو جمع کی طرف ضمیر مذکر لوٹ سکتی ہے یہاں واحد کے لفظ چار ہیں اور جمع کے لفظ تین لہٰذا ضمیر مذکر استعمال ہوئی۔

چوتھا اعتراض: علمائے یہود توریت کی آیتیں یا تو مٹاتے تھے یا بدل لتے تھے اپنی جگہ سے ہٹاتے نہ تھے پھر یہاں عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کیوں فرمایا۔ **جواب**: اس کا جواب بھی تفسیر میں گذر گیا کہ اگر تحریف سے مراد لفظی تحریف ہے تو جگہ سے ہٹانے سے مراد بدلنا یا مٹانا ہی ہے یہ بھی ہٹانے کی ایک صورت ہے اور اگر تحریف معنوی مراد ہے تو آیتوں کو ان کے صحیح معنوں پر محمول نہ کرنا ان سے غلط فائدے حاصل کرنا ان کی جگہ سے ہٹانا ہے۔

پانچواں اعتراض: ایمان ایک بسیط چیز ہے جس میں زیادتی کمی نہیں ہوسکتی پھر یہاں اسے قلیل کیوں فرمایا گیا۔ **جواب**: یہاں قلیل سے مراد یا تو تھوڑے آدمی ہیں۔ تب تو سوال ہی نہیں یا تھوڑا ایمان مراد ہے تو کمی سے مراد ایمانیات کی کمی ہے نہ کہ نفس ایمان کی جو یقین کا ایک درجہ ہے۔ بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ یہاں قلیل سے مراد بالکل معدوم ہونا ہے یعنی وہ ایمان لاتے ہی نہیں اگر لاتے ہیں تو ایسا جو ایمان نہیں کہا جا سکتا۔ شاعر کہتا ہے۔

قلیل التشکی للمهم یُصیبهٗ　　　　کثیر الهوی شتی النوی وَالمسالک

کیونکہ ایک جز نہ ہونے سے کل معدوم ہو جاتا ہے ایمانیات میں سے ایک کا انکار ایمان کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

خوش نصیب لوگ حضور سے دور رہ کر بھی نور ہو گئے جیسے اویس قرنی اور تا قیامت مسلمان مگر بدنصیب لوگ حضوری ہو کر بھی بے نور رہے حضور کو بصارت سے نہیں دیکھا جاتا بصیرت سے دیکھا جاتا ہے تب ایمان و صحابیت نصیب ہوتی منافقوں نے صرف بصارت سے حضور کو دیکھا تو ان کا یہ

حال ہوا مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

حج زیارت کردن خانہ بود حج رب البیت مردانہ بود!

گفت طوبیٰ من رانی مصطفیٰ وَ الَّذِیْ یُبْصِرُ لِمَنْ وَجْهِیْ یَرٰی!

پھر خیال رکھو کہ یہ آیت کریمہ اگر چہ علمائے یہود کے متعلق نازل ہوئی مگر اس سے علمائے اسلام کو بھی عبرت پکڑنی چاہئے اس امت میں بعض علماءِ دین ہیں اور بعض علمائے سوء علمائے سوء قول سے نہیں عمل سے احکام قرآنی بدلتے ہیں وہ زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے سارے احکام سن لئے ترک دنیا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی سے ممانعت آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا خلق سے بے تعلق ہو کر خالق کی طلب کرنا۔ یہ ساری چیزیں حق ہیں ہمارا ان پر ایمان ہے مگر عملی طور پر وہ کہہ رہے ہیں عَصَیْنَا کیونکہ وہ ان احکام کے قریب بھی نہیں جاتے بلکہ اللہ والوں کا مذاق اڑاتے ہیں تھوڑے ہی لوگ ہیں جو سلیم دل سے ایمان لاتے ہوں زبان تیز ہے عمل ست اگر یہ لوگ قول اور عمل دونوں سے ایمان لاتے اور دنیا کو آخرت کی قیمت بناتے تو ان کے واسطے بہت ہی اچھا ہوتا مولانا عطار فرماتے ہیں۔

مشو مغرور ایں نطق مزوّر بناداني مکن خودرا تو مسرور

اگر علم ہمہ عالم بخوانی! جو بے عشقی از و حرفے ندانی!

یعنی فقط عالموں کے الفاظ سیکھ کر اپنے کو عالم نہ سمجھو اگر تم سارے علوم حاصل کر لو لیکن عشق رسول اور خوفِ خدا سے محروم رہو تو نرے جاہل ہو امام شاذلی فرماتے ہیں کہ علم نافع وہ ہے جو اللہ کی اطاعت پر مدد دے۔ دل میں خوف خدا پیدا کرے امام ابوالحسن فرماتے ہیں کہ علم مثل درہم دینار کے ہے نافع اور نقصان دہ اگر اس کے ساتھ خوفِ خدا ہے تو مفید ہے ورنہ نقصان دہ

شاخ درخت علم ندانم بجز عمل تا علم باعمل نہ کنی شاخ بر بری

ترک ہواست کشتیِ دریائے معرفت عارف بذات شو نہ بدین قلندری (روح البیان)

اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنادے اور علم باعمل نصیب فرمائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور سے بھیک لینے کی کچھ جنانی شرطیں ہیں کچھ جسمانی ولسانی، جنانی شرطیں چار ہیں، یہ ماننا کہ حضور کے پاس سب کچھ ہے یہ ماننا کہ حضور سب کچھ دینے پر قادر ہیں۔ یہ ماننا کہ میرے پاس کچھ نہیں یہ ماننا کہ میں حضور سے ضرور لوں گا۔ کوئیں سے ڈول کو پانی جب ملتا ہے جبکہ کنواں پانی سے بھرا ہوا اور ڈول خالی ہو نیز ڈول پانی تک پہنچے اور لسانی شرط ہے کہ حضور کا ادب اور حضور سے مانگنا یہ چھ شرطیں قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمائی ہیں حضور کی بارگاہ میں حضرت صدیق و فاروق بھی حاضر ہوتے تھے۔ عبداللہ ابن اُبی منافق بھی صحابہ کو ایمان قرآن بلکہ رحمان سب کچھ ملا۔ منافق کچھ نہ لے سکے کہ منافقین کے پاس یہ شرطیں موجود نہ تھیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا
اے وہ لوگو جو دیئے گئے کتاب ایمان لاؤ اس پر جو اتاری ہم نے سچا کرتی ہوئی ان کتابوں کو
اے کتاب والو ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے اوتارا تمہارے ساتھ والی کتاب کی
مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ
جو تمہارے ساتھ ہیں اس سے پہلے کی ہم بگاڑ دیں چہروں کو پس پھیر دیں ہم ان کو ان کے پیچھے پر
تصدیق فرماتا قبل اس کے کہ ہم بگاڑ دیں کچھ مونہوں کو تو انہیں پھیر دیں ان کی پیٹھ کی طرف
اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾
یا لعنت کریں ہم ان پر جیسے لعنت کی تھی ہم نے سنیچر والوں پر اور ہے اللہ کا حکم کیا ہوا
یا انہیں لعنت کریں جیسی لعنت کی ہفتہ والوں پر اور خدا کا حکم ہو کر رہے۔

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں اہل کتاب کے چند جرموں کا ذکر کیا گیا اب انہیں ایمان لانے اور توبہ کرنے کا حکم دیا جارہا ہے فرمایا جارہا ہے کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے ایمان لے آؤ سب کچھ معاف کردیں گے گویا بیماری کا ذکر پہلے تھا اس کے علاج کا ذکر اب ہے گویا بیماری کی تشخیص پہلے تھی دوا و پرہیز کی تجویز اب ہے تشخیص و تجویز کا نام ہی صحیح علاج ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں یہود کے افسوسناک جرموں کا ذکر تھا اب ان جرموں کی سزا کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ خطرہ ہے کہ ان کی صورتیں مسخ کردی جائیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں یہود کی ان بے ادبیوں کا ذکر تھا جو وہ بارگاہ رسالت میں کرتے تھے۔ اب ان کی وجہ کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان تمام عیوب کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس ایمان نہیں اگر ایمان لے آتے تو ایسی حرکتیں نہ کرتے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں یہود کے متعلق خبر دی گئی تھی کہ وہ ایمان نہ لائیں گے ایسا نہیں یہود کو ایمان لانے کا حکم دیا جارہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اسلام میں تبلیغ دائمی اور عمومی ہے جن کے ایمان سے ناامیدی ہے انہیں بھی تبلیغ برابر کی جائے کہ وہ اگرچہ ایمان نہ لائیں گے مگر تبلیغ کرنے والوں کو اس کا ثواب مل جائے گا۔ قابل طبیب لاعلاج بیماروں کو بھی دوا دیتا ہے اگرچہ بیمار نہ بچے مگر اس کو فیس اور دوا کی قیمت ضرور مل جاتی۔ بہر حال مسلمانوں خصوصاً علماء کو چاہیے کہ تبلیغ ہر ایک کو کریں۔

شانِ نزول

ایک بار حضور نبی کریم ﷺ نے زید ابن تابوت، مالک ابن صیف، عبداللہ ابن صوریا۔ کعب ابن اشرف وغیرہ علمائے یہود کو بلایا اور فرمایا کہ اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو اسلام قبول کرلو اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ میں بھی سچا ہوں اور جو کچھ میں لایا ہوں وہ بھی برحق ہے اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا تو رب

کو کیا جواب دو گے ابن صوریا یا کعب بن اشرف یا سارے حاضرین بولے کہ اللہ کی قسم ہم آپ کو برحق نہیں جانتے اگر جانتے ہوتے تو ضرور ایمان لے آتے اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر خازن، روح المعانی) نیز یہ واقعہ بیہقی نے دلائل النبوت میں بروایت سیدنا عبداللہ ابن عباس نقل فرمایا۔

تفسیر یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یہ خطاب یا عتاب کیلئے ہے یا اظہار کرم کے لئے یا غافلوں کو ہوشیار کرنے کے لئے دنیاوی دولت علم، عزت غافل کرنے والی چیزیں ہیں ان میں پھنسے ہوئے لوگ غافل چونکہ اہل کتاب کے ایمان لانے سے دوسرے کفار کے ایمان لانے کی بھی امید تھی کیونکہ یہ عرب میں عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے اس لئے خصوصیت سے انہیں ندا فرما کر ایمان کا حکم دیا گیا کتاب سے مراد توریت شریف ہے اور ہوسکتا ہے کہ ساری آسمانی کتابیں مراد ہوں اور یہ حکم یہودیوں، عیسائیوں، داؤدیوں سب ہی اہل کتاب سے ہو، کتاب دیئے جانے میں چند احتمال ہیں کتاب کا علم، کتاب پر ایمان، کتاب پر عمل کی توفیق، کتاب کا نور، کتاب کے اسرار دیا جانا کتاب سے مراد اصل کتاب ہے جو آسمان سے اتری کہ انہیں رب کی طرف وہی دی گئی تھی اس میں تبدیلی و تحریف یہود کا اپنا فعل تھا یعنی اے وہ لوگو! جنہیں اللہ کی طرف سے آسمانی کتاب پر ایمان یا اس کا علم یا اس پر عمل کی توفیق وغیرہ دی گئی پہلے معنی زیادہ قوی ہیں چونکہ تم پر اللہ کا یہ خصوصی احسان ہے لہٰذا اس کے شکریے میں اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا ۔ مَا سے مراد قرآن شریف ہے چونکہ اس کا نزول تیئس سال کے عرصے میں بہت آہستگی سے ہوا اس لئے نَزَّلْنَا فرمایا گیا اور ہوسکتا ہے کہ مَا سے مراد قرآن اور حضور کے سارے فرمان و اعمال ہوں یعنی حدیث کیونکہ وہ سب رب کی طرف سے اتارے ہوئے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ قرآن شریف کے الفاظ بھی رب کی طرف سے ہیں اور حدیث شریف کے الفاظ حضور کے اپنے ہیں اور مضامین رب کی طرف سے اس لئے بجائے قرآن فرمانے کے مَا نَزَّلْنَا فرمایا۔ حضور کی تبلیغ بھی قرآن مجید کی طرح آہستگی سے ہوئی کہ سرکار خود تو ہمیشہ سے اسلامی احکام پر عمل کرتے رہے کہ کبھی شراب وغیرہ کے نزدیک نہ گئے ہمیشہ نماز وغیرہ ادا کرتے رہے مگر مسلمانوں پر یہ احکام جب جاری کئے جب رب کا حکم آیا یعنی نہایت آہستگی سے یعنی ان تمام چیزوں پر ایمان لے آؤ جو ہم نے اپنے حبیب ﷺ پر اتاریں۔ قرآن مجید اور حضور کے تمام کلام خواہ عبادت ہوں جیسے وعظ یا دعائیں وغیرہ یا عادتاً ہوں جیسے عام گفتگو شریف اور حضور کے تمام کام خواہ عبادتاً ہوں جیسے سنت ہدیٰ یا عادت ہوں جیسے سنت زوائد یا اجتہاداً ہوں یا خطاءِ اجتہادی کے طور پر یہ سب منزل من اللہ ہیں سب کی حقانیت پر ایمان لاؤ حتیٰ کہ حضور کے خواب بھی منزل من اللہ ہیں ان کی حقانیت پر بھی ایمان ضروری ہے ہماری خطائیں نفسانی یا شیطانی ہوتی ہیں جن سے ہزار ہا خرابیاں پیدا ہوتی ہیں حضور کی خطائیں بھی رحمان کی طرف سے جن سے ہمیشہ فائدے ہی ہوتے ہیں آدم علیہ السلام کی خطا سے دنیا کا وجود ہوا۔ بدر کے قیدیوں کے متعلق حضور کی اجتہادی خطا سے اور سب لوگوں کو ایمان ملا کہ وہ اور ان کی اولاد بعد میں مسلمان ہوئے مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ یہ عبارت مَا کا حال ہے

مصدقاً تصدیق سے بنا بمعنی سچا کرنا، سچا کہنا، سچا کہلوانا یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں مَا سے مراد اصلی کتب آسمانی بھی ہیں اور گزشتہ انبیائے کرام کی خصوصی تعلیمات وغیرہ بھی جو اب تک اہل کتاب کے پاس موجود تھیں اسلئے یہاں لِکِتٰبِکُمْ نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی یعنی قرآن شریف یا حضور کے فرمان عالیہ کا یہ حال ہے کہ وہ تمہاری کتابوں تمہارے انبیائے کرام کی تعلیم ان کی خبروں ان کے معجزات وغیرہ جو تمہارے پاس اب تک ہیں ان سب کو سچا کرتا ہے سچا فرماتا ہے اور ان کی سچائی کا اعلان کر کے تمام دنیا سے انہیں سچا کہلواتا ہے اور کہلوائے گا چونکہ قرآن کریم کے بعد کوئی آسمانی کتاب آنے والی نہیں اور حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں اسلئے یہاں صرف تصدیق کا ذکر ہوا کسی کتاب یا کسی نبی کی بشارت کا ذکر نہ ہوا مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا ۔ یہ عبارت اٰمِنُوْا کے متعلق ہے نَطْمِسَ، طَمْسٌ سے بنا بمعنی مٹانا بگاڑنا محو کر کے اس کے نشان دور کر دینا۔ رب فرماتا ہے فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ (مرسلات: ۸) اور فرماتا ہے رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ (یونس: ۸۸) اور فرماتا ہے وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ (یٰس: ۶۶)۔ وُجُوْهًا۔ وَجْهٌ کی جمع ہے جس کے حقیقی معنی چہرہ مجازاً توجہ کرنے کو بھی وجہ کہتے ہیں اور قوم کے سردار کو بھی کہا جاتا ہے۔ فلانٌ وجه القوم ظاہر یہ ہے کہ یہاں طَمْسٌ سے مراد حقیقی معنی ہیں یعنی مٹانا و بگاڑنا اور وجوہ سے مراد بھی چہرے ہی ہیں یعنی اس سے پہلے ایمان لے آؤ کہ ہم کفار پر یہ عذاب نازل کریں کہ چہروں کے نقش و نگار اور منہ کے خطوط کو مٹا دیں کہ آنکھ ناک منہ سب ختم کر کے چہرہ اونٹ کے پاؤں اور گھوڑے کی ٹاپ کی طرح یکساں کر دیا جائے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں وجوہ مجازی معنیٰ میں ہے یعنی ہم سرداروں کی سرداری بگاڑ دیں یا تمہاری توجہ خراب کر دیں کہ تم بالکل ہی کفر کی طرف پھر جاؤ مگر یہ بہت ضعیف سا قول ہے کیونکہ یہ کوئی سخت عذاب نہیں نیز یہود اب بھی ہدایت پر کہاں تھے تاکہ انہیں ہدایت سے پھیرا جاتا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَا یہ عبارت نَطْمِسَ پر معطوف ہے ف عاطفہ ہے چونکہ اَنْ کے تحت ہے اسلئے نَرُدَّ کو فتح ہوا نَرُدَّ۔ رَدٌّ سے بنا ہے بمعنی پھیرنا یہاں پہلی حالت کی طرف پھرنا مراد نہیں کیونکہ چہرہ پہلے یکساں نہ تھا۔ بلکہ اول ہی سے اس میں آنکھ ناک منہ وغیرہ موجود تھے بلکہ پچھلے حصے کی طرف پھیر دینا مراد ہے اَدْبَارِ۔ دُبُر کی جمع ہے بمعنی پیچھے یہاں چہرے کا پچھلا حصہ یعنی سر کا آخری مراد ہے جو یکساں ہے اور جس پر بال وغیرہ ہیں یہ عبارت بھی بتا رہی ہے کہ وجوہ سے مراد چہرے ہی تھے بلاوجہ حقیقی معنیٰ چھوڑ کر مجازی معنیٰ لینے جائز نہیں یعنی ہم چہروں کے نشانات مٹا کر انہیں سر کے پچھلے حصے کی طرح سپاٹ اور یکساں کر دیں کہ نہ اس میں آنکھیں رہیں نہ ناک و منہ۔ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ یہ جملہ نَطْمِسَ پر معطوف ہے اور دوسرے عذاب کا ذکر نَلْعَنَ لَعْنٌ سے بنا بمعنیٰ رحمت سے دوری یا خاص عذاب نازل فرمانا یہاں دوسرے معنوں میں ہے اس سے مراد صورتیں مسخ کر کے بندر وغیرہ بنا دینا ہے اَصْحٰبَ السَّبْتِ سے مراد وہ یہودی ہیں جنہوں نے داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہفتے کے دن حیلہ بہانہ کر کے مچھلی کا شکار کر لیا تھا حالانکہ ان کے دین میں ہفتہ

یعنی سنیچر کا دن بڑا عظمت والا تھا۔ اس میں شکار حرام تھا چنانچہ وہ لوگ اس جرم پر بندر بنا دیئے گئے اور تین دن کے بعد ہلاک کر دیئے گئے رب فرماتا ہے فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خٰسِئِينَ (بقرہ:۶۵) یعنی یا ہم اہل کتاب پر پھر وہی عذاب بھیجیں جو داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں پر بھیجا گیا تھا کہ وہ سب بندر بنا دیئے گئے تھے۔ اس سے مراد یا تو قیامت کا دن ہے یا قریب قیامت یا موجودہ زمانہ یعنی قیامت سے پہلے یا ان علامات کے ظہور سے پہلے ایمان لے آؤ جب ہم چہرے بگاڑ دیں گے وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا یہ نیا جملہ ہے امر سے مراد اللہ کا ارادہ ہے نہ کہ حکم كَانَ دوام اور استمرار کیلئے ہے جس میں ماضی، حال، مستقبل تینوں زمانے شامل ہیں مفعول کے معنی ہیں، نافذ اور واقع یعنی اللہ کا چاہا ہوا ہو کر رہتا ہے اس کے حکم کو کوئی روک نہیں سکتا اگر ہم نے تمہیں عذاب دینا چاہا تو کوئی طاقت تمہیں اس سے بچا نہ سکے گی۔

خلاصہ تفسیر

اے وہ لوگو جنہیں رب کی طرف سے آسمانی کتاب ملی اور اس پر ایمان لانے، عمل کرنے کی توفیق نصیب ہوئی چونکہ تم پر ہمارا یہ کرم خاص ہے اس لئے تم فوراً اس کتاب یا ان تمام چیزوں پر ایمان لے آؤ جو ہم نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ پر اتاریں یہ کتاب تمہاری کتابوں تمہارے نبیوں کو سچا کرتی ہے کیونکہ انہوں نے اس کی آمد کی خبر دی تھی یہ آ گئی وہ سب سچے ہو گئے یا یہ کتاب تمہارے نبیوں تمہاری کتابوں وغیرہ کی گواہ ہے ان کی حقانیت کا اعلان کرتی ہے مدعی کو چاہئے کہ اپنے گواہ کی تائید کرے نہ کہ اس کی مخالفت یا یہ کتاب تمام دنیا سے تمہارے نبیوں اور کتابوں کو سچا کہلوائے گی کہ اس کی برکت سے تمام جہان میں ان کے ڈنکے بج جائیں گے تم کیسے بے وقوف ہو کہ ایسی کتاب کا انکار کر کے اپنے کو کمزور کیے لیتے ہو۔ خیال رہے کہ نبی معجزات سے پہچانا جاتا ہے یا دوسرے نبی کے فرمان سے موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا کے ذریعہ نبی مانا گیا اور حضرت ہارون کو موسیٰ علیہ السلام کے بتانے سے نبی مانا آج گذشتہ نبیوں کو حضور کے بتانے سے نبی مانا جاتا ہے اور حضور کی نبوت بذریعہ قرآن کے مانی جاتی ہے قرآن ذکر خیر محبوبیت عامہ حضور کے زندہ جاوید معجزے ہیں لہٰذا اس سے پہلے ایمان لے آؤ کہ ہم کفار کے چہرے یکساں سپاٹ کر کے سر کے پچھلے حصے کی طرح بنا دیں کہ ان میں آنکھ ناک منہ وغیرہ کچھ نہ رہے پھر نہ دیکھ سکیں نہ سانس لے سکیں نہ بول سکیں نہ کھا پی سکیں اس طرح نہایت رسوائی و تکلیف سے ہلاک ہو جائیں یا ان پر ایسا عذاب بھیجیں جیسا داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہفتے کے دن مچھلی کا شکار کر لینے والے بنی اسرائیل پر عذاب بھیجا گیا تھا کہ پہلے وہ بندر بنائے گئے پھر وہ ہلاک کر دیئے گئے یہ سمجھ رکھو کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اسکے چاہے کو نہ کوئی لوٹ سکتا ہے نہ روک سکتا ہے اس لئے اسکے عذاب سے بچنے کی صورت صرف توبہ اور اسکی فرمانبرداری ہے۔

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضور ﷺ کا انکاری اگرچہ تمام ایمانیات کو مانے مگر مومن نہیں دیکھو اہل کتاب رب تعالیٰ کی ذات و صفات، حضرات

انبیاء وآسمانی کتب، حشر ونشر، دوزخ، جنت، فرشتے وغیرہ سب کو مانتے تھے مگر انہیں آمنوا کے خطاب سے رب نے نہ پکارا وہ مومن نہ تھے مدار ایمان حضور کا ماننا ہے۔ **دوسرا فائدہ**: بزرگوں سے نسبت مفید ہے دیکھو اہل کتاب کافر ومشرک تھے۔ خود قرآن کریم نے ان کے کفر کا فتویٰ دیا کہ فرمایا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (مائدہ:۱۷) مگر پھر بھی انہیں کافر یا مشرک کہہ کر نہ پکارا یہ فرق انکی نسبت انبیاء کی وجہ سے ہے اللہ تعالیٰ نسبت قوی کرے۔ **تیسرا فائدہ**: تمام کفار ایمان کے مکلف ہیں یعنی ان پر لازم ہے کہ حضور ﷺ پر ایمان لائیں ایمان کے سوا دیگر عبادات کے وہ بحالت کفر مکلف نہیں جیسا کہ آمِنُوْا سے معلوم ہوا اسلئے کسی کافر سے اس کے ایمان لانے کے بعد کفر کے زمانے کی نمازیں وغیرہ قضا نہیں کرائی جاتیں۔ **چوتھا فائدہ**: مسلمانوں کو چاہئے کہ عمومی تبلیغ کے ساتھ خصوصی تبلیغ بھی کریں یعنی خاص کفار کو خاص طور پر دعوت اسلام دیں۔ دیکھو رب نے خصوصیت سے اہل کتاب کو ایمان کا حکم دیا ہے حضور ﷺ نے شاہ روم، شاہ فارس وغیرہم کو تبلیغی فرمان نامے بھیجے کیونکہ ان میں سے ایک کے ایمان لانے سے ہزارہا ایمان لے آئیں گے۔ **پانچواں فائدہ**: ہمارا ایمان صرف قرآن شریف پر نہیں ہے بلکہ قرآن کے ساتھ حضور کے سارے فرمانوں پر بھی ہے جیسا کہ مَا نَزَّلْنَا کی تفسیر سے معلوم ہوا رب فرماتا ہے فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (اعراف:۱۵۸) اور فرماتا ہے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (مائدہ:۹۲) اور فرماتا ہے يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (بقرہ:۱۲۹)۔ **چھٹا فائدہ**: جو عیسائی یا یہودی قرآن اور پیغمبر اسلام کا انکار کرے وہ بہت ہی غلطی کرتا ہے کیونکہ قرآن اور صاحب قرآن تو ان کے نبیوں اور کتابوں کے گواہ ہیں اگر مدعی کے گواہ ہی جھوٹے ہو جائیں تو مدعی کیسے سچا ہوسکتا ہے تمام مسلمانوں نے ان انبیاء کو صرف قرآن کی وجہ سے برحق مانا ہے اگر انہیں قرآن سے پھیر دیا جائے تو انکے پاس ان نبیوں کے برحق ماننے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں یہ فائدہ مصدقاً سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: خصوصی عذاب الٰہی اب بھی آسکتے ہیں۔ صورتیں بگڑنا زمین دھنسنا وغیرہ اب بھی واقع ہوسکتا ہے جیسا کہ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا الخ سے معلوم ہوا۔ چنانچہ زمانہ نبوی اور زمانہ صحابہ کرام میں نیک بخت لوگوں نے ان عذابوں سے خوف کیا سیدنا عبداللہ ابن سلام جو یہود کے بڑے عالم تھے جب انہوں نے یہ آیت سنی تو فوراً حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لے آئے عرض کیا یارسول اللہ مجھے خوف تھا کہ میں آپ تک نہ پہنچ سکوں پہلے ہی میرا چہرہ میرے آخری سر کی طرح ہو جائے عہد فاروقی میں جب کعب احبار نے یہ آیت سنی تو فوراً اسلام لے آئے اور بولے کہ مجھے خوف تھا کہ اس آیت کی وعید مجھ تک نہ پہنچ جائے (تفسیر خازن، مدارک، کبیر و روح المعانی وغیرہ)۔ **آٹھواں فائدہ**: آیات قرآنیہ کو حتی الامکان انکے ظاہری معنیٰ پر رکھنا ضروری ہے بلاوجہ ظاہری معنیٰ سے پھیرنا اور تاویلیں کرنا جائز نہیں جیسا کہ مذکورہ صحابہ کرام کے عمل سے معلوم ہوا بعض لوگوں خصوصاً مرزائیوں نے اس آیت میں عجیب غوطے کھائے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم سرداروں کی سرداری چھین لیں کہ ان کو پرانی

ذلت کی طرف واپس کر دیں گے اور لعنت سے مراد لیتے ہیں کہ دل سخت کر دیں گے۔ دیکھو مرزائیوں کی تفسیر بیان القرآن اس کے مصنف مولوی محمد علی لاہوری نے لکھا ہے کہ زمانہ داؤد علیہ السلام میں بنی اسرائیل پر مسخ کا عذاب نہ آیا تھا بلکہ ان کے دل بندروں کی طرح سخت کر دیئے گئے تھے۔ غور کرو کہ یہ تفسیر ہے یا تحریف رب تعالیٰ فرماتا ہے **فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ** (بقرہ:۶۵)۔ ہم نے ان سے فرمایا کہ تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ۔ اگر اس قسم کی تاویلیں قرآن کریم میں شروع کر دی گئیں تو دین ہی ختم ہو جائے گا۔ صلوٰۃ کا معنیٰ کر لو ناچنا، گھومنا، زکوٰۃ کا معنیٰ کر لو کھیت کی پیداوار، صوم کا معنیٰ کر لو خاموش رہنا جہاد کا معنیٰ کر لو محنت کرنا۔ حج البیت کا معنیٰ کر لو ارادہ کر کے اپنے گھر آنا سارے ارکان اسلام ختم ہو گئے۔ **نواں فائدہ**: گذشتہ قوموں کے عذاب اور رحمت کے واقعے سنا کر مسلمانوں کے دلوں میں خوف اور امید پیدا کرنا سنت الٰہیہ ہے یہ فائدہ **اَوْ نَلْعَنَهُمْ** الخ سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ**: قیاس شرعی برحق ہے یعنی علّت مشترکہ کی وجہ سے اصل کا حکم فرع میں جاری کرنا یہ فائدہ **كَمَا لَعَنَّا** الخ سے حاصل ہوا کیونکہ آیت کا منشاء یہ ہے کہ اے لوگو! اگر تم نے ان یہود کی سی نافرمانی کی تو تم پر ان کا سا عذاب آجائے گا۔ **گیارھواں فائدہ**: ارادۂ الٰہی کبھی مراد سے جدا نہیں ہو سکتا رب جو ارادہ فرمالے وہ ہو کر رہتا ہے کسی کی قوت و طاقت سے ٹل نہیں سکتا یہ فائدہ **وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُولًا** سے حاصل ہوا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ لوگ احکام الٰہی پر عمل نہ کریں حکم اور ارادے میں بڑا فرق ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کا حکم تھا ارادہ نہ تھا ابو جہل وغیرہ کو ایمان لانے کا حکم ہے مگر ان کے ایمان ارادہ الٰہی نہیں۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف قرآن شریف پر ایمان لانا چاہئے۔ حدیث کی کوئی ضرورت نہیں دیکھو فرمایا گیا **نَزَّلْنَا** حدیث تو حضور کے اپنے قول و فعل ہیں نہ کہ آسمان سے اتارے ہوئے۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ حضور کے تمام قول و فعل خواہ عادات ہوں یا عبادات یا اجتہادات سب رب کی طرف سے اتارے ہوئے ہیں اگر صرف قرآن کا ماننا لازم ہوتا تو یہاں **اٰمِنُوا بِالْقُرْاٰنِ** فرمایا جاتا۔

دوسرا اعتراض: اچھا یہ تو مان لیا کہ حضور کے احکام اور تبلیغی فرمان رب کی طرف سے ہیں مگر عادات اور اجتہادات تو **نَزَّلْنَا** میں داخل نہیں اس پر ایمان لازم نہیں خصوصاً خطائیں۔ **جواب**: حق یہ ہی ہے کہ حضور کے ہر کام و کلام حتیٰ کہ خطائیں بھی رب کی طرف سے ہیں ان کی حقانیت پر ایمان لانا چاہئے دیکھو حضور نے حضرت زینب سے نکاح کیا مگر رب نے فرمایا **زَوَّجْنٰكَهَا** (احزاب:۳۷) اور حضور نے کفار بدر پر کنکر پھینکے رب نے فرمایا **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى** (انفال:۱۷) اور حضور نے حدیبیہ میں صحابہ کرام سے بیعت لی مگر رب نے فرمایا **اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ** (فتح:۱۰) حضور نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑا جس پر بظاہر عتاب ہوا مگر وہ فدیہ کا مال حلال رہا حضور کی

خواب سے بہت سے شرعی احکام ثابت ہوئے حضرت آدم کے گندم کھانے سے تمام دنیا آباد ہوئی غرضیکہ ان کا کھانا پینا تک رب کی طرف سے ہے وہاں نفس وشیطان کو دخل نہیں لہٰذا یہ سب چیزیں بِمَا نَزَّلْنَا میں داخل ہیں اس لئے حضور کی کسی چیز کی توہین کفر ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں یہود کے متعلق ارشاد فرمایا گیا کہ اے وہ لوگو جنہیں کتاب دی گئی اس کتاب سے اصلی آسمانی مراد ہے یا تحریف شدہ۔ اگر اصلی کتاب مراد ہے تو وہ یہود کے پاس تھی ہی نہیں اور اگر تحریف شدہ مراد ہے وہ خدا نے انہیں دی ہی نہیں پھر یہ بات ان پر کیسے صادق ہے۔ **جواب**: اس سے اصلی کتاب مراد ہے وہی انہیں دی گئی تھی اس کتاب کا بگاڑ دینا ان کی اپنی حرکت تھی اس لئے یہاں کتاب کے دینے کا ذکر فرمایا نہ کہ ان کے پاس باقی رہنے کا اور واقعی آسمانی کتاب کا دیا جانا اللہ کی بڑی نعمت ہے دینا اور باقی رہنا دو الگ چیزیں ہیں نیز اس زمانے میں ساری کتاب نہ مٹ گئی تھی ان کے پاس کی کتاب میں کچھ اصلی آیتیں بھی تھیں اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب کی پیش کردہ آیتوں کو نہ سچا کہو نہ جھوٹا۔

چوتھا اعتراض: تم نے اُوْتُوا الْكِتٰبَ کی تفسیر میں کہا کہ انہیں کتاب پر ایمان عمل کی توفیق دی گئی اور نورِ کتاب واسرار کتاب ان کو عطا ہوا یہ چیزیں ان کے پاس کہاں رہی تھیں تو یہ تفسیر درست کیسے ہوئی۔ **جواب**: بعض علمائے یہود کو یہ سب چیزیں میسر تھیں جیسے سیدنا عبداللہ ابن سلام اور دوسرے وہ علمائے یہود جو انہی کتابوں کی رہبری سے حضور پر ایمان لائے تحریف کرنے والوں کا بھی یہ عقیدہ تو تھا کہ فلاں فلاں پیغمبر پر فلاں فلاں کتابیں اتریں اور وہ پیغمبر بھی سچے تھے اور کتابیں بھی برحق اس عقیدے ہی کی بنا پر ان کے احکام دوسرے کفار سے ہلکے ہو گئے کہ ان کا ذبیحہ حلال ہوا اور ان کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح جائز ہوا کبھی معمولی نسبت بھی بہار دکھا دیتی ہے۔ حضور ﷺ نے جب خانہ کعبہ سے بت نکلوائے تو تمام بتوں کو کٹوا کر سڑک پر ڈلوا دیا مگر جو بت سیدنا ابراہیم واسماعیل کے نام کے تھے انہیں دفن کرایا دیکھو غلط نسبت نے بھی رنگ دکھا دیا۔

پانچواں اعتراض: اگر حضور کے تمام کام وکلام رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور مَا نَزَّلْنَا میں داخل ہیں تو ہم کو چاہیے کہ نو بیویاں نکاح میں رکھیں اونٹ پر سوار ہو کر طواف کریں نواسی کندھے پر لے کر نماز پڑھیں کہ یہ سب کام حضور نے کئے ہیں۔ **جواب**: ان سب کی حقانیت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ رہا عمل وہ خصوصی اعمال پر نہ ہوگا ایمان اور چیز ہے عمل کچھ اور دیکھو گذشتہ سارے نبیوں پر ہمارا ایمان ہے مگر ان کی شریعت پر عمل نہیں۔

چھٹا اعتراض: یہاں آمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا کیوں فرمایا گیا بِالْقُرْاٰنِ کیوں نہ فرمایا گیا وہ لفظ چھوٹا بھی تھا اور ظاہر بھی۔ **جواب**: اس کے جواب تفسیر میں عرض کئے جا چکے کہ اس لفظ میں حضور کے معجزات اور فرمان سب شامل ہیں سب پر ایمان لانے کی دعوت ہے کیونکہ ان سب کا ماننا ہی ایمان ہے۔

ساتواں اعتراض: قرآن کریم نے تو گذشتہ کتابوں کو منسوخ کر دیا مگر یہاں فرمایا گیا کہ ان کی تصدیق کی یہ کلام کیونکر صحیح ہوا۔ **جواب**: تصدیق نسخ کے خلاف نہیں ہر مسلمان تمام آسمانی کتابوں کو سچا جانتا ہے یہ ہے تصدیق مگر ان کے احکام پر عمل نہیں کرتا کیونکہ وہ احکام ناقابل عمل ہیں یہ ہیں نسخ کے معنی۔

آٹھواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے ساتھ ہیں یہ کیوں نہیں فرمایا کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتا ہے وہ مختصر بھی تھا اور واضح بھی۔ **جواب**: اس لئے کہ قرآن کریم نے گذشتہ کتابوں انبیاء کرام ان کے معجزات وغیرہ تمام چیزوں کی تصدیق کی ہے اگر کتاب کہہ دیا جاتا تو یہ سب چیزیں شامل نہ ہوتیں۔

نواں اعتراض: رب نے فرمایا کہ قرآن تمہاری ساتھ والی چیزوں کی تصدیق کرتا ہے ان کے پاس تحریف شدہ کتاب تھی قرآن نے اسکی تصدیق نہیں کی اور جس کتاب کی تصدیق کی ہے وہ ان کے پاس تھی ہی نہیں۔ **جواب**: اس موجودہ توریت میں بھی بہت سی اصلی آیتیں موجود تھیں جن کی قرآن پاک تصدیق کرتا ہے اس واسطے یہاں لِجَمِيعِ مَامَعَكُمْ نہ فرمایا گیا بعض آیتوں کی تصدیق سے بھی کتاب کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

دسواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا میں اب بھی عذاب الٰہی آسکتے ہیں مگر قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا گیا مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ (انفال:۳۳) اللہ تعالیٰ تمہارے ہوتے ہوئے انہیں عذاب نہ دے گا ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب**: یہاں مذکورہ عذاب دینے سے مراد یا قیامت میں عذاب دینا ہے یا قیامت کے قریب اور اگر فی الحال عذاب دینا مراد ہو تو بھی یہ خصوصی عذاب ہیں جو خاص خاص مجرم انسانوں پر آسکتے ہیں۔ حضور کی تشریف آوری سے دنیاوی عام عذابوں کا آنا بند ہو گیا جیسے پچھلی اُمتوں پر عذاب آتے تھے جن سے امتیں برباد کر دی جاتی تھیں اس آیت میں عام عذاب کی نفی ہے اور یہاں خاص عذاب کا ثبوت، فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ آخر زمانے میں میری امت کے قدریوں پر فسخ اور مسخ کے عذاب آئیں گے یعنی ان کی صورتیں بگڑیں گی اور وہ دھنسائے جائیں گے۔

گیارھواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ منکرین بنی اسرائیل پر یہ مذکورہ عذاب ضرور آئیں گے یہ اللہ کا ارادہ ہے یہ ٹل نہیں سکتا مگر عذاب نہ آیا تو یہ آیت کیوں کر صحیح ہوئی۔ **جواب**: تفسیر خازن اور روح المعانی و کبیر وغیرہ میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ عذاب آنے کی خبر اس شرط پر تھی کہ ان میں سے کوئی ایمان نہ لاتا چونکہ بہت علمائے یہود ایمان لے آئے لہٰذا عذاب بھی نہ آیا اور اگر اس سے قیامت یا قریب قیامت کا عذاب مراد ہو تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

نبوت نبی قطعی چیز ہے جس پر ایمان ضروری ہے اور ولایت ولی ظنی چیز ہے جو رکن ایمان نہیں عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کفر ہے مگر حضور غوث پاک کی ولایت کا انکار کفر نہیں لہٰذا ثبوت ولایت کے لئے ایمان، تقویٰ، مخلوق کا اسے ولی کہنا کافی ہے رب نے فرمایا لَهُمُ الْبُشْرٰى الخ

(یونس: ۶۴) مگر ثبوت نبوت کیلئے یا معجزہ ضروری ہے یا تصدیق دوسرے نبی کی دیکھو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ان کے معجزات سے ثابت ہوئی اور حضرت ہارون کی نبوت موسیٰ علیہ السلام کے فرمان سے آج حضور کی نبوت کا ثبوت صدہا معجزات سے ہے ذکر کثیر۔ محبوبیت عامہ۔ قرآن مجید۔ کرامات اولیاء اسلام حضور کی غیبی خبروں کا ظہور حضور کے معجزات ہیں مگر دوسرے نبیوں کا کوئی معجزہ موجود نہیں اب ان کی نبوت کا ثبوت صرف حضور کی تصدیق اور قرآن مجید کی تائید سے ہے اگر آج قرآن کی حقانیت اور حضور ﷺ کی صداقت کا انکار کردیا جاوے تو ان نبیوں کے ماننے کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہتا کیونکہ ان دینوں سے ولایت ختم کردی گئی ہے وہ تمام دین سوکھا درخت ہیں جس میں ولایت کے پھل نہیں لگتے لہٰذا حضور ﷺ اور آسمانی کتابیں اللہ کی رحمت ہیں۔ خصوصاً قرآن مجید تو اللہ کی بڑی رحمت ہے مگر لوگ اس سے فائدہ اٹھانے والے تھوڑے ہی ہیں جو اس کی تصدیق کریں اور اس کی مانیں وہ دنیا و آخرت میں اللہ کی رحمتوں میں ہیں مگر جو اس کا انکار کریں مذاق اڑائیں ان کے لئے یہی کتابیں باعث عذاب ہیں مگر اس میں ان منکرین کا اپنا قصور ہے نہ کہ کتاب الٰہی کا بارش اور سورج اللہ کی رحمتیں ہیں مگر بعض درختوں کے لئے بارش اور چمگادڑ کے لئے سورج مصیبت ہیں اس میں بارش اور سورج کا قصور نہیں بلکہ ان کی اپنی فطرت کا قصور ہے یہ مت سمجھو کہ اس آیت میں صرف اہل کتاب سے خطاب ہے ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں یا عذاب الٰہی پہلے آتے تھے اب ہم کچھ بھی کریں ہم سے کچھ نہ کہا جائے گا غلط ہے اب بھی عذاب الٰہی آسکتے ہیں چنانچہ تفسیر روح البیان نے حضرت ابو علقمہؓ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ہم ایک قافلے میں تھے امیر قافلہ اٹھتے بیٹھتے حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کو گالیاں دیتا تھا۔ ایک دن ہم نے دیکھا کہ اس کے پاؤں سؤر کے سے ہوگئے۔ اس نے تین چیخیں ماریں۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے وہ مجسم سور ہوگیا۔ اسی روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ ایک محدث نے یہ حدیث دیکھی کہ جو مقتدی اپنے امام سے پہلے سر اٹھالے یا سجدے میں رکھ لے وہ کیوں نہیں ڈرتا کہ اس کا سر گدھے کا سا کردے اس محدث نے اس حدیث کا انکار کردیا اور آزمائش کے لئے نماز میں امام سے پہلے اٹھنے بیٹھنے لگا کچھ روز کے بعد دیکھا گیا کہ اس کی صورت گدھے کی سی ہوگئی صوفیاء فرماتے ہیں کہ مسخ صورت سے مسخ سیرت زیادہ سخت ہے آنکھ کے اندھے دل کا اندھا بدتر ہے۔ کتاب اللہ میں تردّد کرنے سے مسخ سیرت کا اکثر ہوجاتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

خفتگاں راچہ خبر زمزمہ مرغ سحر
زانکہ حیواں راخبر از عالم انسانی نیست (تفسیر روح البیان)

اِنَّ اللّٰہَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ
بے شک اللہ نہیں بخشے گا یہ کہ شرک کیا جائے ساتھ اس کے اور بخش دے گا کم اس سے
بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جاوے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے

لِمَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدِ افۡتَرٰۤى اِثۡمًا عَظِيۡمًا ﴿۴۸﴾
جس کے لئے چاہئے اور جو شرک کرتا ہے ساتھ اللہ کے پس بے شک گھڑ لیا اس نے گناہ بڑا
جسے چاہے معاف کر دیتا ہے اور جس نے خدا کا شریک ٹھیرایا اس نے بڑے گناہ کا طوفان اٹھایا

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں کفر پر دنیاوی عذاب کا ذکر تھا صورتیں بگڑ جانا وغیرہ اب کفر پر اخروی عذاب کا ذکر ہے یعنی بخشش نہ ہونا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں یہود کی ان گستاخیوں کا ذکر تھا جو وہ بارگاہ رسالت میں کیا کرتے تھے رَاعِنَا وغیرہ کہنا اب اس آیت میں مذکورہ گستاخیوں پر فرد جرم عائد کی جارہی ہے کہ انکی یہ حرکتیں معمولی گناہ نہیں بلکہ کفر وشرک ہیں اور کفر وشرک نا قابل بخشش جرم ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں اہل کتاب کو حضور ﷺ پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا اب فرمایا جارہا ہے کہ ان پر ایمان لائے بغیر تم سب مشرک و کافر ہی ہوا گر چہ ساری کتابوں اور نبیوں پر ایمان رکھو اب مدار ایمان قرآن و صاحب قرآن کو ماننا ہے۔

شان نزول

(۱) ابن منذر نے حضرت ابی مجلذ سے روایت کی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی قُلۡ يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ الخ (الزمر:۵۳)۔ حضور ﷺ نے منبر پر قیام فرما کر اس آیت کا اعلان کیا ایک شخص کھڑے ہو کر بولا کہ یا رسول اللہ کیا شرک بھی قابلِ بخشش ہے اور کیا مشرک بھی بخشا جائے گا حضور ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر روح المعانی) سبحان اللہ کیسا پاکیزہ سوال ہے اس آیۂ کریمہ کا مطلب یہ تھا کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخش دے گا سائل سمجھا کہ مشرک اور کافر بھی اپنی جان پر زیادتی کرتے ہیں وہ بھی قابل بخشش ہونے چاہئیں اس آیت کریمہ نے نازل ہو کر بتا دیا کہ وہاں عبادی سے مراد رسول اللہ ﷺ کے بندے و غلام ہیں یعنی مومنین۔ اللہ کے بندے تو سب ہی ہیں مگر بخشش کے قابل وہ ہے جو جناب مصطفٰے کا بندہ و غلام ہو۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

خدا کے بندے تو ہیں کروڑوں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

۲۔ جنگ احد میں وحشی نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا مکہ معظمہ پہنچ کر انہیں اور ان کے ساتھیوں کے سخت ندامت اور شرمندگی ہوئی ان سب لوگوں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں ایک خط لکھا جس میں عرض کیا کہ ہم اسلام تو لے آئیں گے مگر ہم لوگ آپ کے منہ سے قیام مکہ مکرمہ کے زمانے میں یہ آیت سنا کرتے تھے وَالَّذِيۡنَ لَا يَدۡعُوۡنَ

مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ الخ (فرقان:۶۸) ہم لوگوں نے تو غیر خدا کی پوجا بھی کی ہے۔ بے گناہ مسلمانوں کو قتل بھی کیا زنا بھی کیا پھر ہماری بخشش کیسے ہوگی اور اگر بخشش نہ ہو تو ہمارے ایمان لانے سے کیا فائدہ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا الخ (مریم:۶۰) نبی کریم ﷺ نے یہ آیت ان کے پاس لکھ بھیجی جس کے جواب میں ان لوگوں نے پھر عریضہ لکھا کہ اس آیت میں بخشش کیلئے نیک اعمال کی قید لگائی گئی ہے ممکن ہے کہ ہم سے یہ نہ ہو سکے تب یہ آیت کریمہ اتری جس میں فرمایا گیا وَ یَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء:۴۸) کہ اللہ شرک و کفر نہ بخشے گا اس کے سوا جسے چاہے بخش دے گا۔ حضور ﷺ نے ان لوگوں کو یہ آیت لکھ بھیجی انہوں نے پھر جواب میں عریضہ لکھا کہ اس آیت میں بھی ہماری بخشش یقینی نہیں نہ معلوم اللہ تعالیٰ ہماری مغفرت چاہے یا نہ چاہے تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا الخ (الزمر:۵۳) (تفسیر کبیر وخازن وروح البیان وغیرہ) تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وحشی ایمان نہ لائے مگر فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے کچھ لوگوں کے متعلق اعلان فرمایا کہ وہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں جن میں حضرت وحشی بھی تھے یہ موقع پا کر حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے مسلمان ہو گئے خون معاف ہو گیا مگر حضور نے فرمایا کہ تم ہمارے سامنے نہ آنا تمہیں دیکھ کر ہمیں مظلوم چچا حمزہؓ یاد آجاتے ہیں چنانچہ یہ ملک شام چلے گئے اور آخر تک وہاں ہی رہے اللہ نے انہیں توفیق دی کہ زمانہ صدیقی میں جنگ یمامہ کے موقعہ پر مسیلمہ کذاب مردود کو انہوں نے ہی قتل کیا اور خوش ہو کر کہتے تھے کہ ان شاء اللہ میں نے قتل حمزہؓ کا کفارہ ادا کر دیا کل قیامت میں اگر خون حمزہ میرے گناہوں کے پلڑے میں ہوا تو ان شاء اللہ خون مسیلمہ میری نیکیوں کے پلے میں ہوگا۔ سبحان اللہ رب کی بے نیازی ہے جس سے جو چاہے خدمت لے لے اب ہم ان کے متعلق کہتے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ بی بی ہندہ زوجہ ابوسفیانؓ نے جنگ احد میں حضرت امیر حمزہؓ کا کلیجہ اور آنکھیں نکال کر دانتوں سے چبائیں تو ان ہی ہندہ نے زمانہ فاروقی میں جنگ قادسیہ و یرموک کے موقعہ پر اس کا ایسا شاندار کفارا ادا کیا کہ سبحان اللہ اس موقعہ پر یہ روتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں کہ میں اس جہاد میں اپنے دامن سے جناب حمزہؓ کے خون کے دھبے دھو رہی ہیں۔

تفسیر اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ چونکہ مشرکین اور اہل کتاب اپنے شرک و کفر کو بخشش کا ذریعہ سمجھتے تھے اور مسلمانوں کو بھی دھوکا ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ غفار ہے شاید دوسرے گناہوں کی طرح شرک کفر بھی بخش دے اس لئے اس مضمون کو اِنَّ سے شروع فرمایا گیا غفر کے معنی چھپانا ہیں مگر یہاں مٹانا مراد ہے مٹ کر بھی چیز چھپ جاتی ہے اور اس کا تعلق آخرت سے ہے یعنی جو کافر بغیر ایمان لائے مر گیا تو اس کا کفر و شرک نہ بخشا جائے گا اگر وہ دنیا میں مسلمان ہو جائے تو کافر رہا ہی نہیں مومن ہو گیا اسکے نہ بخشنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ۔ لَا یَغْفِرُ کا مفعول بہ ہے اَنْ مصدریہ کی وجہ سے یُّشْرَکَ شِرْکٌ مصدر کے معنی میں ہو گیا بِہٖ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے شرک

کے لغوی معنی ہیں حصہ و ساجھا شریک بمعنی حصے دار و ساجھی رب فرماتا ہے اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ (فاطر:۴۰) شریعت میں کسی کو اللہ کی برابر اور اس کی مثل سمجھنا شرک ہے خواہ کسی کو خدا کی طرح مستقل خالق و مالک مانے جیسے مجوسی دو مستقل خدا مانتے ہیں۔ اہرمن اور یزدان یا کسی کو خدا کی اولاد مانے جیسے مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے اور یہودی عزیر علیہ السلام کو عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں کہ اولاد باپ کی مثل ہوتی ہے خواہ کسی کو خدا کا بندہ ہی مانے مگر خدا تعالیٰ کو اس بندے کا حاجت مند سمجھے جیسے مشرکین عرب اپنے بتوں کو خدا کا بندہ سمجھتے ہوئے کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آسمان زمین بنا کر تھک گیا اب وہ دنیا کا انتظام اکیلا نہیں کر سکتا یہ کام ہمارے بت کر رہے ہیں ان لوگوں کی تردید کیلئے یہ آیات اتریں وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَد (اخلاص:۴)۔ اللہ کا کوئی مثل اور برابر نہیں وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلِيًّا مِنَ الذُّلِ (الاسراء:۱۱۱)۔ اللہ نے کسی کو کمزوری کی وجہ سے ولی نہ بنایا ہے وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (ق:۳۸)۔ ہم آسمان زمین بنا کر تھک نہ گئے خواہ اس طرح کہ کسی کو خدا کے مقابل لائق اطاعت سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کی نہ مانے اس کی مانے رب فرماتا ہے اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ:۳۱) اہل کتاب نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے مقابل رب بنالیا اور فرماتا ہے اِتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ (جاثیہ:۲۳) ان چار پانچ چیزوں کے سوا اور کوئی چیز شرک نہیں آج کل شرک گاجر مولی سے بھی زیادہ سستا کر دیا گیا کہ بات بات پر مسلمانوں کو بے دھڑک مشرک کہہ دیا جاتا ہے۔ خدائے پاک سچی سمجھ دے۔ خیال رہے کہ اسلام میں شرک و کفر سخت سے سخت جرم ہے جو ناقابل معافی ہے اور سخت جرم کا ثبوت بہت قوی دلائل سے ہوتا ہے معمولی شبہ پر ملزم کو شبہ کا فائدہ دیدیا جاتا ہے تانگہ والوں کا چالان دس منٹ میں معمولی گواہی سے کر دیا جاتا ہے مگر قتل کا مقدمہ کئی سال چلتا ہے بڑی تحقیق کے بعد اسے پھانسی دی جاتی ہے اسلام میں ہر جرم دو گواہوں سے ثابت ہو جاتا ہے مگر زنا چار گواہوں سے ثابت ہوتا ہے تعجب ہے کہ شرک جرم تو سخت مگر آج وہ گاجر مولی کی طرح سستا کہ یارسول اللہ کہو مشرک درود تاج پڑھو مشرک، علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے کلام میں ننانوے وجہ کفر کی ہوں ایک احتمال اسلام کا ہو تو اسے شک کا فائدہ دیتے ہوئے کافر نہ کہو لیکن کبھی شرک بمعنی کفر بھی آتا ہے یعنی کسی اسلامی عقیدے کا انکار یہاں مشرک اس معنی میں ہے دیکھو روح المعانی اور روح البیان وغیرہ، لہٰذا حضور کا گستاخ نماز و روزے کا منکر مشرک بمعنی کافر ہے اور کسی کفر کی قیامت میں بخشش نہیں۔ رب فرماتا ہے وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا (بقرہ:۲۲۱)۔ مشرکوں یعنی کافروں سے مومنہ عورتوں کا نکاح نہ کرو یہ بات بہت خیال میں رکھو وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ یہ جملہ لَا يَغْفِرُ پر معطوف ہے اور اِنَّ کی خبر يَغْفِرُ سے مراد بغیر توبہ کئے ہوئے بخش دینا ہے مَا سے مراد گناہ ہے دُوْنَ کے معنی سوا مقابل، علیحدہ دور اور نیچے ہیں یہاں آخری معنی میں ہے یعنی کفر و شرک سے کم ذٰلِكَ سے شرک کی طرف اشارہ ہے مَنْ سے مراد سارے گناہگار جن و انس ہیں يَشَآءُ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے یہاں مشیت سے مراد مہربانی و کرم

نوازی کی مشیت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کفر کے نیچے تمام گناہوں کو بخش دے گا جس کیلئے چاہے **وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ** ہے۔ یہ نیا جملہ ہے مَنْ سے مراد تمام جن وانس کفار ہیں کیونکہ ان دو جماعتوں کے سوا کوئی مخلوق شرک و کفر نہیں کرتی یہاں بھی شرک سے مراد کفر ہی ہے جیسا کہ گذشتہ سے معلوم ہوا اور شرک میں ہر قسم کے کفر داخل ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہاں شرک سے مراد ظاہری معنیٰ یعنی شرک ہی ہو۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ دوسرے معنیٰ کی طرف اشارہ کر رہا ہے یعنی جو کوئی بھی اللہ کا انکار کرے یا کسی کو اس کا شریک و مثل مانے **فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا**۔ یہ جملہ **مَنْ یُّشْرِکْ** کی خبر بمعنی جزا ہے **اِفْتَرٰی فَرْیٌ** سے بنا جس کے لغوی معنیٰ ہیں کاٹنا چونکہ عمدہ چیز کٹ کر بگڑ جاتی ہے اس لئے اب یہ بمعنیٰ فساد استعمال ہونے لگا قرآن کریم میں یہ لفظ جھوٹ گھڑنا، شرک، ظلم، گناہ کا ارتکاب سب ہی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں جھوٹ گھڑنے کے معنیٰ میں ہے یا بڑے گناہ کے ارتکاب کے معنی میں آیا ہے اثم عظیم سے مراد ہے دل کا گناہ چونکہ دل جسم سے اعلیٰ اور بڑا ہے لہٰذا بدعقیدگی بدعملی سے بدترین گناہ ہے یعنی اس نے بڑا ہی گناہ گھڑ لیا۔

لطیفہ: اس جگہ تفسیر روح المعانی نے بحوالہ مجمع البیان ارشاد فرمایا کہ عرب میں اصلاح کیلئے کاٹنے کو **فَرْیٌ** کہتے ہیں اور بگاڑنے کے لئے کاٹنے کو **اِفْرَاءٌ** یا **اِفْتِرَاءٌ** کہتے ہیں کہا جاتا ہے **فریت الادیم** میں نے بنانے کیلئے چمڑا کاٹا اور **فریت الادیم** میں نے بگاڑنے کیلئے چمڑہ کاٹ ڈالا عجیب فرق ہے۔

خلاصۂ تفسیر

اے یہودیو تمہارا ہمارے محبوب کی بارگاہ میں گستاخی و بے ادبی کرنا ایک ناقابل معافی گناہ ہے کیونکہ یہ کفر شرک میں داخل ہے اور اللہ کا یہ قانون ہے کہ وہ کفر کو نہیں بخشتا لہٰذا جو شخص بغیر ایمان لائے کفر پر مرجائے وہ ابدالآباد تک دوزخ میں رہے گا وہاں سے اسکے نکلنے کی کوئی سبیل نہ ہوگی اور کفر سے نیچے جو گناہ ہیں خواہ کتنے ہی بڑے ہوں اللہ جسے چاہے گا بخش دے گا دوسرے مقام پر رب فرماتا ہے **اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ** الخ (النساء:۱۶۸) لہٰذا اگر اپنی بخشش چاہتے ہو تو ہر قسم کے کفر سے بچو جو بھی کفر کرتا ہے وہ بڑے بھاری گناہ کا طوفان باندھتا ہے لہٰذا اس کی سزا بھی بڑی بھاری ہی ہوگی یعنی دائمی عذاب اور ہمیشہ کی پھٹکار ابھی موقعہ ہے تمام کفریات سے توبہ کر کے مسلمان ہو جاؤ تاکہ اللہ کی رحمت کے حق دار ہو۔

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضور کا بے ادب مشرک ہے خواہ رب کو ایک ہی مانے اور توحید کا دعویٰ کرے دیکھو یہاں بے ادب و گستاخ یہود کو مشرک کہا گیا اور ان کے عمل کو شرک قرار دیا گیا یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اگر یہاں شرک سے مراد کفر نہ ہو تو لازم آئے گا کہ سارے کافر قابلِ بخشش ہوں صرف مشرک ہی نہ بخشا جائے حالانکہ یہ غلط ہے نیز پھر اس آیت کا تعلق گذشتہ سے نہ رہے گا (تفسیر کبیر) اس آیت سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو شیطانی توحید کے نشے میں حضور کی توہین کرتے ہیں۔ ان بدنصیبوں کے ہاں توہین رسول توحید کا رکن اعلیٰ ہے خدا سمجھے۔ **دوسرا فائدہ**: جو کفر پر مرجائے اس کی

بخشش ناممکن ہے اسی لئے کسی کافر کو مرحوم یا علیہ الرحمۃ کہنا حرام ہے۔ **تیسرا فائدہ**: جس کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے اگرچہ کتنا بڑا گنہگار ہو آخر کار بخشا جائے گا۔ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا خواہ سزا کے بعد بخشا جائے یا بغیر سزا پائے جیسا کہ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: کفر کے سوا ہر گناہ قابل بخشش ہے چھوٹا ہو یا بڑا حق العبد ہو یا حق اللہ مگر بخشش کی نوعیتوں میں فرق ہے حقوق العبد بندے سے معاف کرا دیئے جائیں گے باقی کچھ شفاعت سے کچھ دوزخ میں عارضی طور پر داخل کر کے۔ **پانچواں فائدہ**: شرک و کفر اکبر الکبائر ہے یعنی تمام گناہوں سے بڑا گناہ جیسا کہ اِثْمًا عَظِيْمًا سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: حضرت وحشی، ابوسفیان، بی بی ہندہ وغیرہم نے اگرچہ زمانہ کفر میں مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچائے لیکن انہیں برائی سے یاد نہ کیا جائے کیونکہ یہ سب حضرات بعد میں ایمان لے آئے رب تعالیٰ نے ان کے سب گناہ معاف فرما دیئے وہ لوگ مغفور ہیں دیکھو اس آیت میں حضرت وحشی سے کیسا شاندار مغفرت کا وعدہ فرمایا دوستو اُن کی فکر نہ کرو اپنی فکر کرو۔ **ساتواں فائدہ**: گناہ کبیرہ بغیر توبہ بھی معاف ہو سکتا ہے جیسا کہ وَيَغْفِرُ الخ سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**: کافر سب سے بڑا جھوٹا ہے کیونکہ قولی عملی اعتقادی جھوٹوں میں اعتقادی جھوٹ سب سے بدتر ہے جیسا کہ اِثْمًا عَظِيْمًا سے معلوم ہوا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ گنہگار مومن کی بخشش اللہ کے چاہنے پر موقوف ہے کہ چاہے بخشے چاہے نہ بخشے مگر حضرت ابوذرؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کوئی ایمان پر مرے اس کا رب تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے بخش دے اگرچہ وہ زانی یا چور ہو اس آیت اور اس حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب**: مغفرت کے دو معنی ہیں: معافی اور رہائی۔ آیت کریمہ میں معافی کو ارادہ الٰہی پر موقوف کیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں رہائی کا ذکر ہے یعنی گنہگار مومن کی دوزخ سے رہائی ضروری ہے وہاں اس کی ہیشگی نہیں مگر بالکل معاف فرما دینا یہ یقینی نہیں چاہے گا تو معاف فرما دیگا۔

دوسرا اعتراض: جب کفر و شرک قابلِ بخشش ہی نہیں تو مسلمان کافروں کو دعوت اسلام کیوں دیتے ہیں معلوم ہوا کہ اسلام نجات دینے والا دین نہیں (عیسائی)۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو کفر پر مر جائے اس کی بخشش نہیں اسلام سے پہلے عرب میں قریباً سارے ہی لوگ مشرک یا کافر تھے وہی حضرات مسلمان ہو کر کیسے شاندار بنے دوسری آیت میں ارشاد ہوا۔ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ (فرقان: ۷۰)۔ جو ایمان لے آئے توبہ کر لے اور نیک اعمال کرے اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو بھلائیاں بنا دے گا۔

تیسرا اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب مشرک ہیں مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ (البینۃ: ۶)۔ وہاں مشرکین کو اہل کتاب پر معطوف کیا گیا

معلوم ہوا کہ اہل کتاب مشرک نہیں تمہاری تفسیر اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب**: ہم نے یہ نہیں کہا تھا کہ قرآن کریم میں مشرک بمعنی کفر ہی ہوتا ہے اور نہ یہ کہا کہ ہمیشہ مشرکین میں اہل کتاب داخل ہوتے ہیں بلکہ یہ کہا تھا کہ شرک بمعنی کفر بھی آتا ہے اس صورت میں اہل کتاب مشرکین میں داخل ہوں گے یہ اور اصطلاح ہے وہ دوسری اصطلاح جیسے صلوٰۃ قرآن شریف میں بمعنی نماز بھی ہے اور بمعنی دعا بھی۔

چوتھا اعتراض: اللہ کی صفتیں کسی بندے میں ماننا یہ شرک ہے علم غیب حاضر ناظر ہونا دور سے سن لینا، دیکھ لینا، دور سے کسی کی فریاد رسی کرنا یہ سب خدا کی صفتیں ہیں جو کوئی کسی نبی یا پیر میں یہ صفتیں مانے وہ مشرک ہے اگرچہ کلمہ پڑھتا ہو مشرکین مکہ اپنے بتوں کو خدا یا خدا کے برابر نہ سمجھتے تھے بلکہ انہیں غیب دان، حاظر ناظر، حاجت روا مشکل کشا جانتے تھے اسلئے مشرک تھے لہٰذا اس زمانے کے پیر پرست، قبر پرست مشرک ہیں (مرزائی، دیوبندی، مودودی)۔ **جواب**: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی: جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو کسی کو زندہ یا سمیع و بصیر یا موجود ماننا بھی شرک ہونا چاہئے کہ حیات و سمع بصر وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ جناب یہ تمام مذکورہ صفتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بعضے بندوں کو بخشی ہیں جو قرآن شریف سے ثابت ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھا کر آتے ہو میں تمہیں بتا سکتا ہوں یہ ہے جناب مسیح کا علم غیب اور فرماتے ہیں کہ میں باذن الٰہی مردوں کو زندہ، کوڑھوں، اندھوں کا اچھا کر سکتا ہوں، یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا کہ میری قمیض لے جاؤ والد صاحب کے چہرے پر ڈال دو ان کی گئی ہوئی آنکھیں روشن ہو جائیں گی یہ ہے حضرات انبیاء کرام کی مشکل کشائی و حاجت روائی قرآن کریم شیطان کے بارے میں فرماتا ہے اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (اعراف:۲۷)۔ شیطان اور اسکا قبیلہ تم سب کو وہاں سے دیکھ رہا ہے جہاں سے تم اسے نہیں دیکھتے یہ ہے شیطان کا حاظر ناظر ہونا ہر مسلمان نماز کی التحیات میں حضور کو دور سے پکارتا ہے اور سلام کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے ذبح فرما کر انہیں پکارا اور کعبہ بنا کر تا قیامت پیدا ہونے والے انسانوں کو پکارا کہ آؤ بیت اللہ کا حج کرو آج غریب امیروں کو بیمار حکیموں کو مظلوم حاکموں کی دینی مدرسے والے چندہ دینے والوں کو حاجت روا بھی سمجھتے ہیں مشکل کشا بھی اگر شرک کے یہ معنی ہوں تو کوئی مسلمان شرک سے نہ بچے گا، جواب تحقیقی یہ ہے کہ الوہیت کا مدار غنٰی اور بے نیازی پر ہے بندہ وہ جو نیاز مند ہو رب وہ جو غنی ہے فرماتا ہے اَللّٰهُ الصَّمَدُ (اخلاص:۲) اور فرماتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران:۹۷)۔ یہ تمام صفتیں علم غیب، حاظر ناظر مشکل کشائی وغیرہ ذاتی طور پر خدا کی صفتیں ہیں کہ وہ ان صفات میں کسی کا حاجت مند نہیں اور عطائی طور پر بندوں کی صفتیں ہیں کہ بندے ان صفات میں رب کے حاجت مند ہیں تمام دیگر صفات سمع، بصر، حیات وغیرہ کا یہی حال ہے۔ مشرکین عرب کا شرک یہ تھا کہ وہ اپنے معبودوں کو رب کی طرح خالق و مالک مانتے تھے بعض اپنے معبودوں کو رب تعالیٰ کا بیٹا بیٹی مانتے تھے بعض اپنے معبودوں کا رب کو حاجت مند سمجھتے تھے غرضیکہ برابری کا اعتقاد رکھتے تھے قرآن کریم فرماتا ہے

اِذْنُسوِّیْکُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (شعراء:۹۸)۔

پانچواں اعتراض: اس وقت مسلمانوں میں پیر پرستی، علماء پرستی کا شرک بہت پھیل رہا ہے عام مرید اپنے پیروں اور سجادہ نشینوں کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ وہ حق ہے کتاب اللہ کو نہیں دیکھتے اپنے پیروں کی دعاؤں پر اعتماد بھی شرک کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔ ہر گروہ اپنے پیر کے متعلق اعتقاد رکھتا ہے کہ اس کی دعا سے ہماری مصیبت ٹل جاتی ہے اس شرک میں اور بت کی عبادت میں بہت کم فرق ہے (تفسیر بیان القرآن مصنفہ محمد علی لاہوری مرزائی)۔

نوٹ ضروری: معلوم ہوتا ہے کہ محمد علی مرزائی صاحب دیو بند کے اسٹیج سے بول رہے ہیں اس شرک و بدعت کی بیماری میں دیو بندی اور مرزائی برابر کے شریک ہیں۔ **جواب:** معاذ اللہ کوئی مرید اپنے پیر کی باتوں کو شریعت کے مقابلے میں حق نہیں سمجھتا عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ خلاف شرع پیروں کی بیعت توڑ دیتے ہیں یہ مسلمانوں پر بہتان ہے اور جو بھنگی چرسی شرابی داڑھی منڈھے جعلی پیروں کے ان بداعمال کو حق سمجھیں اور احکام اسلامیہ کو غلط سمجھیں وہ یقیناً اسلام سے خارج ہیں یہ شرف تو معترضین کو حاصل ہے کہ مرزا جی کی بد سے بدتر بات کو قرآن حدیث کے مقابلے میں برحق جانتے ہیں مرزا جی کی تعلیم دیکھو اور قرآن کی تعلیم سے اس کا مقابلہ کرو پتہ لگے گا کہ پورا تناقض ہے مگر مرزا صاحب پر ان بزرگوں کا پورا اعتقاد ہے یہی حال دوسروں کا ہے۔ بیشک مقبول بندوں کی دعاؤں سے مصیبتیں ٹل جاتی ہیں قسمتیں بدل جاتی ہیں آدم علیہ السلام کی دعا سے داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ سال کے سو برس ہوگئی (حدیث) موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے سامری کا جسم وبا بن گیا۔ زکریا علیہ السلام کی دعا سے ان کی بوڑھی بانجھ بیوی کو اولاد ملی وغیرہ وغیرہ آج کل لوگوں نے مسلمانوں کو مشرک بنانے کے شوق میں شرک نہایت ہی معمولی چیز بنا دیا ہے۔ اسلام میں شرک کی صرف تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ عالم کے مستقل خالق و مالک دو مانے جائیں جیسے مجوسی خالق خیر اور خالق شر دو مستقل خالق مانتے ہیں اسے شرک فی الذات سمجھ لو دوسرے یہ کہ بعض بندوں کا خدا سے وہ رشتہ مانا جاوے جو ہم جنسیت چاہتا ہے جیسے بیٹا ہونا، زوجہ ہونا، بھائی بھتیجا بھانجا ہونا وغیرہ اس شرک میں یہودی، عیسائی اور عام مشرکین عرب مبتلا تھے کہ یہود و نصاریٰ حضرت عزیر و عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اور مشرکین عرب فرشتوں ستاروں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اسے شرک فی الصفات سمجھ لو۔ تیسرے یہ کہ اللہ کے بعض بندوں کو رب تعالیٰ کا معاون و مددگار مانا جاوے کہ رب تعالیٰ ان کے بغیر کام چلا سکتا ہی نہیں جیسے بعض مشرکین عرب اپنے بتوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے اسے شرک فی الافعال سمجھ لو ان تین قسموں کے سوا اور کوئی چیز شرک کی نہیں۔ بندے کو رب کی مخلوق، مملوک، محبوب، مرزوق ماننا حق ہے کہ یہ رشتے ہم جنسیت نہیں چاہتے مگر کسی کو رب کا بیٹا، بیوی، بھائی، بھتیجا ماننا شرک ہے ہم جانوروں کے مالک، مربی، محب ہو سکتے ہیں مگر ان کے بھائی، بیٹے، چچا نہیں ہو سکتے کسی بندے کو ابن اللہ مان کر مختار عالم غیب ماننا شرک ہے اور کسی کو حبیب اللہ مان کر مختار مالک عالم غیب ماننا شرک نہیں۔

چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفر کے علاوہ سارے گناہ بغیر توبہ بھی معاف ہو سکتے ہیں مگر حدیث

سے معلوم ہوتا ہے حقوق العباد قرض وغیرہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے حدیث وقرآن میں تعارض ہے۔
جواب: گناہ اور ہے حق کچھ اور واقعی بندے کا حق بغیر ادا کئے معاف نہیں ہوتا کسی کا قرض مارلو سوچ کر لو ہزار بار توبہ کرلو قرض معاف نہ ہوگا وہ تو ادا کرنا ہی پڑے گا یہاں گناہوں کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ جب رحم فرمائے گا تو قیامت میں اہل حقوق سے معافی دلوادے گا لہٰذا آیت بالکل ظاہر ہے۔

تفسیر صوفیانہ

شرک کے تین مرتبے ہیں اس کے مقابل مغفرت کے بھی تین درجے شرک جلی یعنی بت پرستی یہ عوام کا شرک ہے اس کی مغفرت صرف توحید اور اظہار عبودیت سے ہوسکتی ہے۔
شرک خفی جیسے ریا کاری کیلئے عبادات کرنا اس کی مغفرت صرف اخلاص سے ہوسکتی ہے۔ اللہ واحد ہے اس واحد کو واحد ہی کیلئے واحد کے ذریعے پوجو شرک اَخْفٰی یہ خاص الخاص کا شرک ہے یعنی اپنی انانیت اور اغیار پر نظر یہ شرک صرف فنا سے معاف ہوسکتا ہے انا کو فنا کردو تا کہ بقا پاؤ اللہ تعالیٰ ان شرکوں کو ان چیزوں کو بغیر معاف نہیں فرماتا جس نے ان میں سے کسی قسم کا شرک کیا اس نے بڑا بھاری جھوٹ گھڑا اپنے اور رب کے درمیان اپنی ہستی کا حجاب قائم کرلیا صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمارا سب سے بڑا گناہ ہماری ہستی ہے۔

نیستی جولانگہ اہل دل است	شاہ راہ عاشقان کامل است
چوں وجودت محو کردی از میاں	نور وحدت چشم دل راشد عیاں
شرک ریزن باشدا ے دل درطریق	ذکر توحید خدا را کن رفیق

دل والے نیستی کے میدان میں دوڑ لگاتے ہیں اگر اپنی ہستی فنا کردو تو توحید کا نور آنکھوں سے دیکھ لو (روح البیان)۔ کسی شخص نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ صوفی کہ باشد۔ صوفی کون ہوتا ہے۔ جواب دیا کہ صوفی آں باشد کہ نہ باشد وآنکہ باشد صوفی نباشد یعنی صوفی وہ ہے جو نہ ہو اور جو ہو وہ صوفی نہیں۔ عام لوگ کہتے ہیں لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللہ خواص کہتے ہیں لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللہ، عشاق کہتے ہیں لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے اچھوں کے طفیل ہم بروں کو بھی اس توحید کا مزہ چکھائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ آفتاب کے تین کام ہیں: چاند تاروں کا چھپانا، چراغوں، بجلیوں، گیسوں کو بجھانا، ذروں کو چمکانا چونکہ تاروں چراغوں میں بظاہر اپنا نور تھا وہ سورج سے یا چھپ گئے یا بجھ گئے، ذرے بے نور خاک نشین سورج سے خوشہ چین تھے وہ چمک گئے حضور کی تشریف آوری سے نبوت کا سلسلہ بند ہوگیا کہ حضرات انبیاء چاند تارے تھے جو آپ کے دامن میں چھپ گئے اَنَا والے فنا ہوگئے وہ چراغ تھے جو بجھ گئے مگر دروازہ ولایت بند نہ ہوا کہ یہ ذرہ تھے چمک گئے پھر ذروں کی چمک سورج کی نسبت سے ہے اگر سورج سے آڑ ہو جاوے سب ذرے بے نور رہ جاویں دل کی چمک حضور کی نسبت سے ہے پھر سورج ذروں کے پاس نہیں آتا ذرے سورج کے پاس نہیں جاتے سورج آسمان پر ذرہ زمین پر شعاعوں کے طفیل چمکتے ہیں اولیاء اپنے مقام پر ہیں حضور اپنے

مقام پر صحابہ کرام و اہل بیت عظام جو اس سورج کی نورانی کرنیں ہیں ان کے ذریعے اولیاء چمک رہے ہیں اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا:

ذرہ بر روئے خاک اوفتادہ بود آفتابے آمد و روشن نمود

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ
کیا نہ دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جو پاکی بیان کرتے ہیں اپنی جانوں کی بلکہ اللہ پاکی بخشتا ہے اسے جسے چاہے
کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جو خود اپنی ستھرائی بیان کرتے ہیں بلکہ اللہ جسے چاہے ستھرا کرے
وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ
اور نہ ظلم کئے جائیں گے دھاگہ برابر دیکھو تو کیسا بہتان باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ کا
اور ان پر ظلم نہ ہوگا دانہ خرما کے ڈورے کے برابر دیکھو کیسا اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں
وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ ع
اور کافی ہے یہ گناہ کھلا ہوا
اور یہ کافی ہے صریح گناہ

ع ۴

تعلقات اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں یہود کا مشرک ہونے کا ذکر فرمایا گیا تھا اب ان کے متکبر ہونے کا تذکرہ ہے یعنی ایک عیب کے بعد دوسرے عیب کا اظہار فرمایا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ شرک و کفر بخشش کے لائق جرم نہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ خصوصاً جب شرک پر فخر بھی ہو پھر تو اس کی بخشش کی کوئی صورت ہی نہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ مشرک اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ جو مشرک ہو کر یہ کہے کہ میں ہی خدا کو پیارا ہوں اور میرا شرک خدا کو محبوب ہے تو وہ بڑا ہی جھوٹا ہے۔

شان نزول کچھ یہودی اپنے چھوٹے بچوں کو لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور بولے یا رسول اللہ کیا یہ بچے بھی گنہگار ہیں۔ حضور نے فرمایا نہیں تو بولے قسم اس کی جس کی قسم کھائی جاتی ہے کہ ہم بھی انہی بچوں کی طرح بے گناہ ہیں کہ ہمارے دن کے گناہ رات آنے سے پہلے بخش دیئے جاتے ہیں اور رات کے گناہ سویرا ہونے سے پہلے بخش دیئے جاتے ہیں ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن کبیر روح المعانی وغیرہ)۔

۲۔ ابن جریر نے امام حسن سے روایت کی کہ یہ آیت یہودیوں اور عیسائیوں کے متعلق اتری جو کہتے تھے کہ ہم اللہ کے

بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ ہمارے سواء جنت میں کوئی نہیں جا سکتا ہے ہم جنت کے ہیں اور جنت ہماری ان کی تردید میں یہ آیت آئی (تفسیر روح المعانی)۔

تفسیر اَلَمْ تَرَ ہمزہ استفہام کا ہے اور استفہام تعجب دلانے کے لئے تَرَ کا مادہ رائیٌ ہے بمعنی دیکھنا یا غور کرنا اس میں خطاب حضور نبی کریم ﷺ سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے چونکہ یہ بمعنی نظر ہے اس لئے اسکے بعد الیٰ آیا اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ ۔ یہ عبارت اَلَمْ تَرَ کے متعلق ہے اَلَّذِيْنَ سے مراد وہ یہودی ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ اتری مگر عبارت مطلق ہونے کی وجہ ہر جھوٹا شیخی خورہ اس میں داخل ہے۔ يُزَكُّوْنَ تزکیہ سے بنا۔ جس کا مادہ زکوٰۃ ہے بمعنی پاکی تزکیہ پاک کرنا پاک سمجھنا پاک کہنا اس لئے گواہوں کی تعدیل کو تزکیہ کہا جاتا ہے۔ یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ اپنے کو نیک اعمال کے ذریعہ پاک کرنا بہت اچھا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (الاعلیٰ:۱۴) اور فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (شمس:۹) مگر اپنے کو پاک سمجھنا اور پاک کہتے پھرنا بہت برا ہے۔ اَنْفُسَ جمع نفسٌ کی ہے بمعنی جان وذات یہاں بمعنی ذات ہے خیال رہے کہ اپنے کو اچھے اعمال کے ذریعے پاک کرنا اچھی چیز ہے رب فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (شمس:۹) اور اپنے کو پاک کہنا اگر اظہار نعمت الٰہی کے لئے ہے تو اچھا ہے اور اگر شیخی کے لئے ہے تو برا۔ یہاں یہ اخیری معنیٰ ہی مراد ہیں یعنی اے محبوب ﷺ یا اے قرآن پڑھنے والے کیا تو نے ان شیخی خوروں کو نہ دیکھا یا ان میں غور نہ کیا جو لوگوں سے اپنی پاکی بیان کرتے ہیں اور اپنے کو پاک صاف اور بے گناہ کہتے ہیں۔ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ۔ بَلْ حرف اضراب ہے یہ دو جملوں کے بیچ میں آتا ہے پہلے کی نفی دوسرے کا اثبات کرتا ہے یہاں پہلا جملہ پوشیدہ ہے هُمْ لَا يُزَكُّوْنَهَا فِي الْحَقِيْقَةِ اس جملہ کی بَلْ نے نفی کردی اللّٰهُ يُزَكِّيْ کا ثبوت کیا۔ یہاں يُزَكِّيْ بمعنیٰ پاک کرنا ہے مَن سے مراد سارے ہی جن وانس ہیں یعنی یہ لوگ اپنے کو درحقیقت پاک نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جسے چاہے پاک کرے کیونکہ پاکی دل اور دماغ کی صفت ہے اور دل ودماغ اللہ کے قبضے میں ہیں وہی انہیں پاک کر سکتا ہے۔ خیال رہے کہ ظاہری پاکی کو طہارت کہتے ہیں اور باطنی پاکی کو زکوٰۃ انسان کافر ہو یا مسلمان ظاہراً تو پاک ہے کہ اس کا جسم بال ناخن وغیرہ سب پاک مگر باطنی پاکی صرف مومن کو ہی حاصل ہے رب فرماتا ہے اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (التوبہ:۲۸) وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۔ واؤ عاطفہ ہے اور لَا يُظْلَمُوْنَ معطوف معطوف الیہ پوشیدہ ہے یعنی يُعَاقَبُوْنَ بِتِلْكَ الْفِعْلِ ۔ فَتِيْل ۔ فتلٌ سے بنا بمعنیٰ بٹنا اصطلاح میں بٹے ہوئے دھاگے اور انگلیوں میں سے مل کر نکالے ہوئے میل اور کھجور کی گٹھلی کے گڑھے کے دھاگے کو فتیل کہا جاتا ہے۔ اہل عرب کسی چیز کی کمی بیان کرتے وقت فتیل، نقیر، قطمیر وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ فتیل کھجور کی گٹھلی کا دھاگہ نقیر اس کا گڑھا یا اس کے پشت کا دانہ قطمیر اس گٹھلی کا باریک چھلکا حق یہ ہے کہ فَتِيْلًا وَلَا يُظْلَمُوْنَ کا دوسرا مفعول ہے اور ہو سکتا ہے کہ تمیز ہو یعنی یہ یہودی اپنی اس شیخی پر

سخت سزا دیئے جائیں گے اوران پر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اس طرح کہ انہیں جرم سے زیادہ سزا دے دی جائے اور ہوسکتا ہے کہ اس جملے کا تعلق مَنْ یَّشَاءُ سے ہو اور معنی یہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے دنیا میں پاک اور صاف کرتا ہے اوران پر آخرت میں ظلم نہ کرے گا کہ اس پاکی اور صفائی کے باوجود ان کے ثواب میں کمی کر دے اور ممکن ہے کہ اس کا تعلق اَلَّذِیْنَ یُزَکُّوْنَ سے بھی ہو اور مَنْ یَّشَاءُ سے بھی اور معنی یہ ہوں کہ نہ شیخی خور کفار پر ظلم کیا جائے گا کہ انہیں جرم سے زیادہ سزا دے دی جائے اور نہ پاک صاف مقبول بندوں پر کہ ان کے ثواب میں کمی کر دی جائے غرض کہ اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں اُنْظُرْ کَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ یہ جملہ نیا ہے اس کا مقصود ہے تعجب دلانا اُنْظُرْ میں خطاب یا نبی کریم ﷺ سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے نظر سے مراد ہے آنکھ سے دیکھنا یا دل سے غور کرنا اِفْتِرَاءُ کے معنی ابھی پچھلی آیت میں بیان ہو چکے۔ عَلَی اللّٰہِ کا تعلق یَفْتَرُوْنَ سے ہے کَذِبَ اس کا مفعول یعنی اے نبی کریم ﷺ یا اے قرآن پڑھنے والے مسلمان غور تو کرو یہ کس بیباکی اور جرأت و ہمت سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں اور غلط بات اس کی طرف منسوب کر رہے ہیں کہ ہیں جھوٹے اور کہتے ہیں ہم بڑے ہیں اللہ کی بارگاہ میں مردود ہیں اور کہتے ہیں ہم محبوب ہیں۔ دوزخی اور کہتے ہیں ہم جنتی بلکہ کہتے ہیں کہ ہمارے سوا کوئی جنتی ہے ہی نہیں۔ ہیں گناہوں میں لتھڑے ہوئے اور کہتے ہیں اپنے کو صاف و پاک یہ سب اللہ پر بہتان ہے وَکَفٰی بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِیْنًا یہ جملہ انتہائی تعظیم کیلئے بھی آتا ہے جیسے وَکَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیْرًا (النساء: ۴۵) اور انتہائی برائی کے لئے بھی جیسے یہاں۔ بِهٖ کَفٰی کا فاعل ہے ب زائدہ ہے ہ کا مرجع یہ مذکورہ شیخی و تہمت ہے اثما مبینا۔ بِهٖ کی تمیز ہے یعنی اگر ان شیخی خوروں کے پاس اور کوئی جرم نہ بھی ہوتا تب بھی یہ شیخی اور جھوٹ ہی ان کے ہلاک کرنے کے لئے کافی گناہ تھا چہ جائیکہ کہ یہ شرک و کفر قتل انبیاء حرام خوری کتاب اللہ کو بگاڑنا رشوت ستانی وغیرہ لاکھوں جرموں میں گرفتار ہیں۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب ﷺ یا اے قرآن کے پڑھنے والے کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہ دیکھا یا ان کے حال میں غور نہ کیا جو لوگوں سے اپنی صفائی بے گناہی پاکدامنی مقبولیت وغیرہ بیان کرتے پھرتے ہیں ان دعووں سے یہ لوگ اپنے کو پاک و صاف نہیں کر سکتے بلکہ بندوں کو پاک کرنا اللہ کا کام ہے جسے چاہے پاک کرے یا جسے چاہے لوگوں سے پاک کہلوائے کہ اس کے متعلق خود بخود لوگوں کی زبان سے نکلے کہ وہ پاک صاف ہے یہ لوگ اپنے اس شیخی و جھوٹ کے جرم پر سخت سزا دیئے جائیں گے اور اس کے ساتھ ہی ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا کہ جرم سے زیادہ سزا دے دی جائے اے محبوب آپ غور تو فرماؤ کہ یہ لوگ کس ڈھٹائی اور بے باکی سے بے دھڑک اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں کہ ہیں مجرم کافر دوزخی ہماری بارگاہ سے درکارے ہوئے اور کہتے ہیں اپنے کو اللہ کا بیٹا اللہ کا پیارا جنت کا ٹھیکیدار اگرچہ ہر جھوٹ ہی برا ہے لیکن خدا پر جھوٹ باندھنا اتنا برا ہے کہ انسان کے جہنمی کرنے کے لئے یہی کافی

ہے ان کا حال تو یہ ہے کہ ان کا بال بال جرموں میں گندھا ہوا ہے انہیں تو چاہئے تھا کہ آپ پر ایمان لا کر اپنے گناہوں کی معافی کراتے چہ جائیکہ آپ کے سامنے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں نہ خدا سے خوف نہ اس کے محبوب ﷺ سے شرم۔

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضور ﷺ رب تعالیٰ کے محبوب اکبر ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی شکایت اپنے حبیب سے کرتا ہے غیروں کی شکایت اپنوں سے کی جاتی ہے یہ فائدہ اَلَمْ تَرَ اور اُنْظُرْ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس کے مخاطب حضور ہیں۔ **دوسرا فائدہ**: کفار کے کفر اور بدکاروں کے جرموں میں غور کرنا تاکہ ان سے بچا جائے عبادت ہے اور اصلاح نفس کا بہترین ذریعہ یہ فائدہ اَلَمْ تَرَ اور اُنْظُرْ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس میں خطاب مسلمانوں سے ہو اچھوں کی اچھائی اور بروں کی برائی میں غور کرنا بہترین مشغلہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اچھوں کے تذکرے بھی کئے ہیں اور بروں کے بھی چند چیزوں میں غور کرنا عبادت ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کرنا شکر کیلئے۔ حضور ﷺ کی صفات عالیہ میں غور کرنا ترقی ایمان کیلئے رب فرماتا ہے ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ (سباء:۴۶) اپنے گناہوں میں غور کرنا توبہ کے لئے بزرگوں کی صفات میں غور کرنا ان کی پیروی کرنے کیلئے کفار و بدکاروں کے عیوب میں غور کرنا ان سے بچنے کیلئے بھی۔ **تیسرا فائدہ**: اپنے نام کے ساتھ شاندار القاب لگانا یا لکھنا منع ہے کہ یہ بھی اپنی ستھرائی بیان کرنے میں داخل ہے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے کبھی اپنے نام کے ساتھ خان نہ لکھا ہمیشہ اپنے کو احمد رضا لکھا یہ ہے اس آیت کریمہ پر عمل رب فرماتا ہے لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ (نجم:۳۲)۔ **چوتھا فائدہ**: جب اپنی سچی تعریف کرنا ہی منع ہے کہ شیخی میں داخل ہے تو جھوٹی تعریف کرنا بدترین گناہ ہوگا کہ وہ شیخی بھی ہے اور جھوٹ بھی۔ **پانچواں فائدہ**: کوئی شخص محض اپنی کوشش سے بغیر رب کے کرم پاک اور ستھرا نہیں ہو سکتا پاکی اس کے کرم سے نصیب ہوتی ہے یہ فائدہ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے مظہر اتم ہیں۔ خدا کی صفتوں کا ظہور آپ کی ذات میں ہوتا ہے دیکھو یہاں رب نے فرمایا کہ اللہ جسے چاہے پاک کرے دوسری جگہ اپنے محبوب کے بارے میں فرماتا ہے وَيُزَكِّيْهِمْ ہمارے حبیب ان کو پاک و ستھرا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ پاکی دیتا ہے اللہ مگر ملتی ہے حضور کے ہاتھوں اور حضور کے دروازے سے۔

تو جو چاہے تو ابھی میل میرے دل کے دھلیں — کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

خدا کا پانی کنوئیں سے خدا کی شفاء ہسپتال سے خدا کا رزق کھیت یا بازار سے ملتے ہیں تو خدا کی بخشش خدا کی معرفت دلوں کی صفائی و طہارت حضور کے دروازے سے ملتی ہے حضور کا دروازہ اللہ کی ہر رحمت کا خزانہ ہے اللہ سے ملنا ہو تو حضور کے پاس جاؤ اللہ بھی وہیں ملتا ہے۔ **ساتواں فائدہ**: خدا تعالیٰ نہ تو کسی مجرم کو جرم سے زیادہ سزا دے گا

اور نہ کسی نیک کار کو نیکی سے کم ثواب کہ ان دونوں چیزوں کو اللہ نے ظلم فرمایا اور پروردگار ظلم سے پاک ہے۔

آٹھواں فائدہ : مومنوں کو جھوٹا اور کافروں کو بڑا سمجھنا یونہی مومنوں کو ذلیل اور کافروں کو عزیز سمجھنا بدترین جرم ہے کہ یہ خدا پر جھوٹ ہے کہ رب نے کافروں کو ذلیل کہا ہے اور مومنوں کو عزت والا یہ فائدہ **يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ** : اللہ کے محبوب بندوں کی برائی کرنا غضب الٰہی کا باعث ہے یہ فائدہ **كَفٰى بِهٖ** الخ سے حاصل ہوا۔ عقیدہ تو یہ ہے کہ خدا کے بعد جو درجہ ہے وہ حضور کا ہے حضور ﷺ کی ذات وہ ہے جہاں عبدیت کے سارے درجے ختم ہیں آگے الوہیت ہی ہے حضور خالق و مخلوق رب و مربوب کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں مگر تقویۃ الایمان والا کہتا ہے کہ نبی کا درجہ صرف اتنا جتنا گاؤں میں چوہدری یا نمبر دار کا (تقویۃ الایمان) یہ اللہ پر ایسا صریح بہتان ہے کہ یہی اس کے عذاب کیلئے کافی ہے۔ **دسواں فائدہ** : کسی کے متعلق لوگوں کے منہ سے خود بخود اچھی باتیں نکلنا اللہ کی خاص رحمت ہے جیسا کہ **يُزَكِّىْ** کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا یعنی اللہ جسے چاہے لوگوں کے منہ سے پاک صاف کہلواتا ہے دیکھو حضرت غوث پاک خواجہ اجمیری داتا گنج بخش ہجویری صدیوں سے اپنی قبروں میں سو رہے ہیں مگر دنیا انہیں ولی غوث و قطب کہہ رہی ہے یہ ہے **وَاللّٰهُ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ** کی جیتی جاگتی تفسیر۔ **گیارھواں فائدہ** : لطف اس میں ہے کہ بندہ کہے میں گنہگار ہوں اور رب کہے تو نیک کار ہے حضرت صدیق اکبر کہتے ہیں یا اللہ میرا کیا بنے گا۔ میرے پاس تو کوئی نیکی ہی نہیں مگر اللہ تعالیٰ انہیں سورۃ والیل میں فرماتا ہے **اَتْقٰى** (الیل: ۵) اور سورۂ نور میں فرماتا ہے **اُولُو الْفَضْلِ** (نور: ۲۲) یعنی سب سے بڑا متقی اور سب سے بڑے درجے والا یہ ہے اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور مہربانی ہے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنا تزکیہ برا ہے مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنا تزکیہ اچھا ہے رب تعالیٰ فرمایا ہے **قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى** (الاعلیٰ: ۱۴) آیات میں تعارض ہے۔ **جواب**: یہاں تزکیہ کے معنی ہیں اپنے کو پاک کہتے پھرنا اپنے کو پاک و بے عیب جاننا اور ان آیات میں تزکیہ سے مراد ہے نیک اعمال کے ذریعہ اپنے کو پاک کرنا لہٰذا آیات میں تعارض نہیں اپنے کو پاک کہنا شیخی ہے پاک کرنا مجاہدہ۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنی تعریف اپنے آپ نہ کرنی چاہیے مگر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنی تعریف خود کرتا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: اپنی تعریف شیخی کیلئے کرنا منع ہے رب تعالیٰ کا اپنی تعریفیں فرمانا، ہمیں ایمان دینے کے لئے ہے اور گناہوں سے بچانے کے لئے کہ اے بندو تم ہماری یہ صفتیں مانو تو مومن بنو گے اور ہماری جباریت اور قہاریت پر نظر رکھو تو گناہوں سے بچو گے ایک حاکم رعایا سے کہتا ہے کہ میں مجرم کو جیل اور پھانسی دینے پر اختیار رکھتا ہوں یہ شیخی نہیں بلکہ مجرموں کو جرم سے روکنا اور ملکی انتظام قائم رکھنا ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنی تعریف خود کرنا برا ہے۔ مگر حضور ﷺ نے اپنی تعریفیں خود کی ہیں کہ فرمایا ہم شفیع المجر مین ہیں ہم رحمۃ اللعالمین ہیں اسی طرح حضور غوث پاک نے قصیدہ غوثیہ میں اپنے بڑے فضائل بیان فرمائے یہ تمام اس آیت کے خلاف ہے یا نہیں۔ **جواب**: خلاف ہرگز نہیں شیخی کے طور پر اپنی تعریف کرنا برا ان حضرات کا اپنی تعریف فرمانا فخراً نہیں شکراً ہے یہ عبادت ہے رب فرماتا ہے **وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ** (الضحیٰ:۱۱)۔ نیز حضور کا اپنے کو شفیع المذنبین فرمانا ہم گنہگاروں کی آس بندھانے کے لئے ہے کہ گنہگارو مت گھبراؤ میرے پاس آؤ میں تم جیسے لاکھوں کو بخشوالوں گا یہ آپ کی تبلیغ۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنی تعریف کرنا منع ہے تو بعض علماء کو فخر الاسلام شمس الائمہ وغیرہ کیوں کہا جاتا ہے۔ **جواب**: یہ کلمات ان لوگوں نے خود اپنے لئے استعمال نہ کئے بلکہ قدرتی طور پر مسلمانوں کے منہ سے ان کیلئے نکلے یہ قوم نے خطاب دیئے ہیں یہ **اللّٰهُ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ** کا ظہور ہے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ پاکی اپنی کوشش سے نہیں ملتی رب کے کرم سے ملتی ہے مگر دوسری جگہ رب فرماتا ہے **قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا** (شمس:۹) کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ انسان اپنے کو پاک کر سکتا ہے۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: تعارض ہرگز نہیں یہاں پاک کرنے والے فاعل حقیقی کا ذکر ہے اور اس آیت میں پاکی کے اسباب جمع کرنے والے کا ذکر ہے رب کی بارگاہ میں جانا اس کی اطاعت کرنا بندے کا کام ہے اور پروردگار کا اسے قبول فرمالینا بخش دینا رب کا کام دریا میں جانا اور غوطہ لگانا بندے کا کام ہے مگر اس کو پاک کر دینا دریا کا کام۔

چھٹا اعتراض: سارے بندے اللہ کے بندے ہیں اگر وہ بلا قصور سزا دے دے تو بھی ظلم نہیں اور کسی کو نیکی کا ثواب نہ بھی دے تو بھی ظلم نہیں ظالم وہ ہے جو دوسروں کی ملکیت سے ناجائز تصرف کرے پھر قرآن کریم نے اسے ظلم کیوں فرمایا۔ **جواب**: اسکا جواب تفسیر کبیر نے ایک مقام پر یہ دیا ہے کہ یہ عمل صورت میں ظلم ہے۔

ساتواں اعتراض: ان یہود نے اپنے کو نیک اور پاک باز کہا اس میں اللہ پر جھوٹ کیا باندھا رب نے اسے خدا پر جھوٹ باندھنا کیوں قرار دیا۔ **جواب**: اس لئے کہ حضور کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر جھوٹ بولا اور اس جھوٹ کو اللہ کی کتابوں اور نبیوں کی طرف منسوب کیا مسجد میں جرم کرنا بڑا ہی گناہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ

سامان سے صاحب مکان و صاحب دوکان کا پتہ چلتا ہے منیاری کی دوکان والے کا سامان کچھ اور ہوتا ہے فوٹو گرافی کی دوکان کا سامان کچھ اور یہ دل ایک مکان ہے اگر اس میں شیطان بسا ہے تو اس کا سامان تکبر، شیخی، حسد، کینہ، ریا وغیرہ ہے اگر اس دل میں اللہ کے محبوب کا کاشانہ ہے تو ان کا سامان آنکھوں کا پانی عجز و نیاز ایمان و تقویٰ و قرب الٰہی ہے علماء یہود دعی تھے کہ ہمارا دل خانہ یار ہے مگر ان کے

پاس تکبر و شیخی، تبدیلی دین وغیرہ عیوب کا سامان تھا لہٰذا بطور تعجب دلانے کے فرمایا گیا اَلَمْ تَرَ، نیز ہر چیز نرم ہو کر کچھ بنتی ہے لوہا نرم ہو کر اوزار سونا نرم ہو کر زیور بنتا ہے آٹا نرم ہو کر روٹی، بسکٹ رس وغیرہ بنتا ہے۔ زمین نرم کر کے کاشت کی جاتی ہے۔ ٹھنڈا لوہا کوٹنا بیکار ہے یہ علماء یہود نرمی و گرمی سے خالی تھے پھر کہتے تھے کہ ہم سب کچھ بن گئے بغیر عشق کی بھٹی میں گئے ہوئے اور بغیر محنت کے ہتھوڑی کے کیسے بن گئے اس لئے ان کے دعوے کی پرزور تردید فرمائی گئی صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ظاہری علم والے اپنے علم پر فخر کرتے ہیں علماء سے جھگڑے عوام سے شیخی ان کا مشغلہ ہے ان کے لئے ان کا علم خدا کا عذاب ہو گیا کہ اس علم سے جھگڑا افخر، غرور، شیخی، حسد، ریا، محبت دنیا اپنے ہم زمانہ پر فوقیت کی خواہش پیدا ہوئی اس آیت تک کے پہلے جز میں ان علمائے ظاہری کا ذکر ہے مگر علمائے راسخین اور مشائخ محققین وہ مقبول بندے جو نفسوں کو پاک کیا کرتے ہیں خوش نصیب ہے وہ جو اپنے کو اس طرح ان کے سپرد کرے جیسے کھال دباغ کے ہاتھ میں اور میت غسال کے ہاتھ میں اس کے متعلق رب فرماتا ہے بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّي مَن يَّشَاءُ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو پاک کرنا چاہتا ہے اسے پاکوں تک پہنچا دیتا ہے یہ حضرات حضور ﷺ کے سچے جانشین ہیں۔ شیخ سعدی نے کیا خوب کہا۔

در طریقت رہبر دانا گزیں	زانکہ راہ دور است رہزن در کمین
رہبرے باید بمعنی سر بلند	از شریعت وز طریقت بہرہ مند
اصل و فرع جز و کل آموختہ	شمع از نور نبی افروختہ!
ظاہرش از علم کسبی با خدا	باطنش میراث دار مصطفےٰ
ہر کہ از دست عنایت بر گرفت	روز اول دامن رہبر گرفت
اے سلیم القلب دشوار است کار	تا نہ پنداری کہ پندار است کار

ہمارا دل میلا آئینہ ہے نیک اعمال صاف رومال نگاہ کامل صاف کرنے والا ہاتھ ایسا تو ہو جاتا ہے کہ کوئی شخص بغیر رومال صرف ہاتھ سے آئینہ صاف کر دے مگر یہ ناممکن ہے کہ رومال بغیر کسی کا ہاتھ لگے آئینے کو صاف کر دے۔ اپنا آئینہ دل ہم خود صاف نہیں کر سکتے اس صفائی میں کسی کی نگاہ کی ضرورت ہے وہ یہودی اپنے قلب کو خود صاف کرنا چاہتے تھے اس لئے مارے گئے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ وہ شخص کنوئیں سے پانی حاصل کر سکتا جو خالی ڈول بھرے کنوئیں میں ڈالے اور کنواں بھی بھرا ایسا ہو کہ اس کا پانی برف ہو کر جم نہ گیا ہو وہ کنواں پانی دے سکتا ہو غرضیکہ پانی لینے کی تین شرطیں ہیں ڈول کا خالی ہونا کنوئیں کا بھرا ہونا کنوئیں کا پانی دے سکنا اسی طرح حضور سے فیض وہ لے گا جو اپنے کو خالی جانے حضور کو خزائن الٰہیہ سے بھرپور جانے اور حضور کو سخی داتا سمجھے کہ وہ دے بھی سکتے ہیں ورنہ جیسا جاویگا ویسا ہی آئیگا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ
کیا نہ دیکھا تم نے طرف ان لوگوں کے جو دیئے گئے حصہ کتاب سے کہ ایمان لاتے ہیں اوپر بت
کیا تم نے وہ نہ دیکھے جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا ایمان لاتے ہیں بت اور
وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ
اور شیطان کے اور کہتے ہیں ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے کفر کیا کہ یہ لوگ زیادہ ہدایت یافتہ ہیں
شیطان پر اور کافروں کو کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں سے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ
ان لوگوں سے جو ایمان لائے راستہ کے یہ ہی وہ ہیں کہ لعنت کی ان پر اللہ نے اور وہ جو
زیادہ راہ پر ہیں یہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جسے
يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾
لعنت کردے اس پر اللہ تو ہرگز نہ پاؤ گے تم اس کے لئے مددگار
خدا لعنت کرے تو ہرگز اس کا کوئی یار نہ پائے گا

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں یہود کو مشرک فرمایا گیا تھا اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ یہ تو موقعہ پر بتوں کو سجدے بھی کرلیتے ہیں گویا پہلے دعویٰ تھا اب اس کی دلیل۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ مشرک یعنی یہودی اللہ پر بڑے بہتان باندھتے ہیں اب ان کے بہتانوں کا ایک نمونہ پیش کیا جارہا ہے کہ یہ مشرکین مکہ کو مسلمانوں سے بہتر کہتے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں یہود کی شیخی اور تکبر کا ذکر تھا اب اس کے نتیجہ کا تذکرہ ہے کہ یہ لوگ اس شیخی ہی کی وجہ سے سرداران مکہ سے ملے اور ان کے مقابلے میں غریب مسلمانوں کو گمراہ کہا درخت کا ذکر پہلے تھا پھل کا ذکر اب ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کے اس گناہ کا ذکر تھا جو واقع میں تو گناہ تھا مگر ان کے عقیدے میں نیکی یعنی اپنے کو بے گناہ سمجھنا اور اولاد نبی ہونے پر نیک اعمال کی ضرورت نہ رہنا اب ان کے اس گناہ کا ذکر ہے جو ان کے عقیدے میں بھی گناہ ہے یعنی بتوں کو سجدہ کرنا اور مشرکوں کو مسلمانوں سے افضل کہنا۔

شان نزول

حضور ﷺ نے مشرکین مکہ سے خطرہ محسوس فرماتے ہوئے یہود مدینہ سے صلح فرمائی تھی اور ان سے معاہدہ کیا کہ ہم پر حملہ ہو جانے کی صورت میں نہ ہماری امداد کرنا نہ حملہ آور مشرکین کو

مدد دینا بلکہ نیوٹرل یعنی غیر جانب دار رہنا یہود مدینہ نے حضور سے یہ پختہ عہد کر لیا تھا جنگ احد میں مشرکین مکہ کا بظاہر پلہ بھاری ہو جانے پر یہود مدینہ کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے اس معاہدے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلمان کے خلاف مشرکین مکہ سے ساز باز شروع کر دی چنانچہ یہود کے دو بڑے عالم کعب ابن اشرف اور حیی ابن اخطب اپنے ساتھ ستر یہود مدینہ کو لے کر خفیہ طور پر مکہ معظمہ پہنچے اور ابوسفیان کے مہمان ہوئے تاکہ مشرکین مکہ کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کریں اور یہ طے کریں کہ بیرون مدینہ سے مسلمانوں پر تم حملہ کرو اور اندرون مدینہ سے ہم اور مسلمانوں کو ایسے پیس دو جیسے چکی میں دانہ کعب ابن اشرف ابوسفیان کے گھر ٹھہرا اور باقی یہودی دوسرے قریش کے ہاں قریش نے ان کی بڑی آؤ بھگت و خاطر تواضع کی جب ان بدنصیب یہودیوں نے قریش کو مسلمانوں پر حملہ کرنے پر آمادہ کیا تو ابوسفیان بولے کہ تم اہل کتاب ہو اور محمد رسول اللہ ﷺ صاحب کتاب تم ان سے قریب ہو اور ہم سے دور ہو ہمیں تمہارا اعتبار نہیں شاید تم ہم کو دھوکہ دینے آئے ہو کہ ہم سے مسلمانوں پر حملہ کراؤ پھر تم مسلمانوں سے مل کر ہم پر ٹوٹ پڑو اگر تمہیں واقعی ہم سے حملہ کرانا ہے تو آؤ ہمارے ان دو بتوں کو سجدہ کرو تاکہ ہمیں تمہارا اعتبار ہو جائے ان دونوں نے دو بتوں کو سجدہ کر لیا پھر کعب ابن اشرف قریش مکہ سے بولا کہ آؤ ہم میں سے تیس آدمی دیوار کعبہ سے لپٹ کر یہ عہد کریں کہ ہم تم دونوں متفقہ طور پر اسلام اور پیغمبر اسلام کو جڑ سے کاٹ کر رکھ دیں چنانچہ فریقین نے اس پر عمل کیا پھر ابوسفیان کعب ابن اشرف سے بولے کہ ہم تو ہیں بے پڑھے اور تو ہے اہل کتاب کا عالم بتا توریت کی رو سے ہم ہدایت پر ہیں یا محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی۔ کعب بولا کہ تم اپنا مذہب مجھ پر پیش کرو۔ ابوسفیان بولے ہم حاجیوں کے خدمت گار انہیں پانی پلانے والے۔ مہمان نواز قیدیوں کو آزاد کرانے والے قرابت داروں کے حقوق ادا کرنے والے بیت اللہ کے پاسبان حرم شریف کے باشندے ہیں محمد مصطفےٰ (ﷺ) اپنے باپ داووں کے دین سے پھر گئے حرم شریف کو چھوڑ گئے ہمارا دین پرانا ہے اور ان کا دین نیا کعب بولا اللہ کی قسم از روئے توریت بمقابلے محمد مصطفےٰ ﷺ کے تم ہدایت پر ہو اس موقعہ پر ان یہود کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی مکہ معظمہ میں یہ واقعات ہو رہے تھے اور مدینے پاک میں یہ آیت کریمہ پڑھی جا رہی تھی (تفسیر خازن، کبیر، معانی، روح البیان و جلالین و صاوی وغیرہ)۔

تفسیر اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یہ استفہام بھی تعجب دلانے کے لئے ہے اور اس میں خطاب حضور نبی کریم ﷺ سے ہی ہے اللہ تعالیٰ اس قسم کے استفہام فرما کر ان کفار کے چھپے عیب ظاہر فرماتا ہے اور ہم مسلمانوں کو حضور ﷺ کے علوم غیبیہ ظاہر فرماتا ہے اگر یہ آیت کریمہ نہ اترتی تو حضور ان اہل کتاب کی یہ حرکت جانتے ہوئے بھی ظاہر نہ فرماتے کہ وہ ستار عیوب ہیں مسلمان خیال رکھیں کہ حضور پر ہمارے ہر ظاہر و پوشیدہ راز ظاہر ہیں۔ اَلَّذِيْنَ سے وہی یہود مراد ہیں جو مکہ معظمہ اس حرکت کے لئے گئے تھے چونکہ یہ علمائے یہود تھے توریت کے جاننے والے تھے اس لئے ان کے متعلق فرمایا گیا اُوْتُوْا الخ کتاب سے مراد

توریت شریف ہے نصیب سے مراد یا توریت کا اصلی حصہ ہے جو تحریف سے بچا ہوا تھا یا اس کا ظاہری علم ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ان علمائے یہود کو نہ دیکھا جنہیں اللہ کی طرف سے کتاب کا حصہ یا کتاب کا علم ملا مگر اسکے باوجود یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ ۔ یُؤْمِنُوْنَ ایمان سے بنا ایمان کے شرعی معنی ہیں توحید و رسالت کو ماننا و قبول کرنا یعنی لغوی معنی ہیں ماننا۔ یہاں ایمان لغوی معنی میں ہے یعنی بمعنی ماننا اور تصدیق کرنا یہاں مراد ہے سجدہ کرنا یا عبادت کرنا کیونکہ یہ دونوں چیزیں مان لینے اور تصدیق کر لینے کی علامتیں ہیں۔ علامات کفار مسلمانوں کے لئے حرام ہیں جیسے داڑھی منڈانا دھوتی ٹوپی ہندوؤں کی سی رکھنا اور علامات کفر مسلمانوں کے لئے کفر ہیں جیسے ہندوانی چوٹی زنار اور بت کو سجدہ وغیرہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جبت میں کوئی تصرف نہیں کیا گیا یہ پہلے ہی سے جبت تھا بعض فرماتے ہیں کہ یہ اصل میں جبسٌ تھا۔ س ت ہو گئی۔ جبتٌ ہو گیا اس کے معنی ہیں خبیث، رذیل جس میں کوئی خیر نہ ہو شرارت ہی شرارت ہو طاغوت کی تحقیق تیسرے پارے میں آیۃ الکرسی کے بعد اَوْلِیَاءُ هُمُ الطَّاغُوْتُ (بقرہ:۲۵۷) کی تفسیر میں کر دی گئی ہے کہ یہ طَغْیٌ بمعنی سرکشی کا مبالغہ ہے یعنی بہت سرکش اور گمراہ کرنے والے اس میں گفتگو ہے کہ یہاں جبت اور طاغوت سے کون مراد ہیں بعض نے فرمایا کہ مشرکین کے جھوٹے معبود جبت ہیں اور شیطان طاغوت عبداللہ ابن عباس سے ایک روایت یہ ہے کہ بت جبت ہیں اور بتوں کی تعریف کرنے والے طاغوت انہی ابن عباس سے دوسری روایت ہے کہ جبت کاہن ہے اور طاغوت جادوگر امام کلبی کہتے ہیں کہ یہاں جبت سے مراد حیی ابن اخطب ہے اور طاغوت کعب ابن اشرف کیونکہ یہ دونوں اپنی قوم کے گویا معبود بنے ہوئے تھے انہیں گمراہ کر رہے تھے بعض نے فرمایا کہ جبت و طاغوت یہ وہی دو بت تھے جنہیں ان دو یہودیوں نے سجدے کئے۔ بعض نے فرمایا کہ جبت بت ہے اور اس بت کا شیطان طاغوت کیونکہ ہر بت کے پاس ایک شیطان رہتا ہے (تفسیر کبیر و خازن و روح المعانی و بیان وغیرہ)۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہ دو لفظ اس کے لئے وضع کئے گئے ہیں جو انتہا درجے کا شریر اور فسادی ہو یعنی یہ بد نصیب اہل کتاب بلکہ علمائے اہل الکتاب ہونے کے باوجود بتوں کو سجدے کر لیتے ہیں محض مسلمانوں کی عداوت میں وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہ جملہ یُؤْمِنُوْنَ پر معطوف ہے اس میں ان یہودیوں کا دوسرا عیب بیان کیا گیا ہے اس کا فاعل بھی وہی مکہ جانے والے یہودی ہیں لِلَّذِيْنَ کا لام صلہ کا ہے اور كَفَرُوْا سے مراد کفار قریش ہیں یعنی کفار قریش سے یہ کہتے ہیں هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا یہ عبارت يَقُوْلُوْنَ کا مفعول ہے هٰٓؤُلَآءِ سے اشارہ کفار مکہ کی طرف ہے اَهْدٰى۔ ہدایت کا اسم تفضیل ہے الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد مسلمانان مدینہ ہیں۔ سَبِيْلًا اَهْدٰى کی تمیز ہے یعنی یہ کفار مکہ بمقابلے مسلمانوں کے راہ حق کے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں مسلمان ان سے زیادہ گمراہ ہیں اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا کلام شریف ہے اُولٰٓئِكَ سے اشارہ ان ہی یہودی کی طرف ... ہو چکے یعنی کعب ابن اشرف اور اس

کے ساتھی لعنت کا معنیٰ رحمت سے دور کرنا ہے یہاں خصوصی لعنت مراد ہے کیونکہ اللہ کی عمومی لعنت تو سارے ہی کفار پر ہے۔ خصوصی لعنت یہ ہے کہ آئندہ انہیں ایمان نیک اعمال اصلاح نفس کی توفیق نہ ملے چنانچہ کعب ابن اشرف وغیرھم کفر پر مرے اور بڑی ذلت وخواری سے ہلاک کئے گئے اور اب تک ان پر پھٹکار ہو رہی ہے یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے خاص پھٹکار کی ہے کہ اب یہ کبھی ایمان لا سکتے ہی نہیں اور اس لعنت کی وجہ سے یہ لوگ وہ حرکتیں کر بیٹھتے ہیں جو ان کے دین میں بھی شرک وکفر ہے۔ خیال رہے کہ یہ لوگ اگرچہ اولادِ انبیاء اہل علم اور مدینہ کے باشندے تھے مگر بغض رسول اور بغض صحابہ کی وجہ سے پھٹکارے گئے ان کی پیمبر زادگی ان کے کچھ کام نہ آئی اس میں تا قیامت اہل کمال کے لئے عبرت ہے وَمَنۡ يَّلۡعَنِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَلَهٗ نَصِيۡرًا۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے یہاں بھی لعنت سے مراد خصوصی لعنت ہے لَنۡ تَجِدَ میں خطاب نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے نَصِيۡرًا سے مراد اللہ کے وہ مقبول بندے ہیں جو دنیا اور آخرت میں روحانی امداد کریں کہ دنیا میں مشکل کشائی کر کے راہ راست پر لگا دیں اور آخرت میں شفاعت کر کے رب سے بخشوا دیں ان کا وجود لوگوں کے لئے خاص رحمت ہے یعنی جس پر اللہ کی ایسی پھٹکار ہو اس کے لئے آپ کوئی مددگار یعنی رہبر وشفیع دنیا وآخرت میں نہ پائیں گے وہ بے نور اور بے پیرا بے یار و مددگار ہلاک ہی ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ اس نصیر سے مراد دنیاوی وظاہری مددگار ہی ہوں تب مطلب یہ ہوگا کہ جس پر خدا پھٹکار کر دے کوئی شخص خدا کے مقابل ہو کر اس کی مدد نہیں کر سکتا۔ چنانچہ دیکھ لو کہ ان یہود مدینہ کی مدد مشرکین مکہ اور سارے کفار عرب نہ کر سکے غزوہ احزاب میں سب ہی کفار خائب وخاسر ہو گئے۔

خلاصۂ تفسیر اے محبوب ﷺ کیا آپ نے ان بد نصیبوں کو نہ دیکھا جنہیں کتاب الٰہی کا حصہ دیا گیا کہ وہ کتاب کے جاننے والے اور اس سے واقف تھے اس کے باوجود وہ بتوں اور شیطانوں پر ایمان لے آتے ہیں کہ انہیں سجدے کر لیتے ہیں محض مشرکین کو راضی کرنے کے لئے اور مسلمانوں کی عداوت میں صرف یہ ہی نہیں بلکہ وہ مشرکوں کو خوش کرنے کیلئے خوشامدانہ طور پر کہتے ہیں کہ یہ مشرک مسلمانوں سے زیادہ راہ ہدایت پر ہیں اور مسلمان ان سے زیادہ گمراہ ہیں حالانکہ یہ چیزیں ان کے عقائد اور کتاب اللہ کی تعلیم کے خلاف ہیں جنہیں وہ خود بھی جانتے ہیں اے محبوب ﷺ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن پر اللہ کی پھٹکار ہو ان کا کوئی مددگار نہیں انہیں ایمان ملے تو کیسے اور ہدایت ملے تو کیسے وہ جو کچھ نہ کر بیٹھیں وہ تھوڑا ہے۔

نوٹ ضروری: یہود مدینہ کی اس بدعہدی اور قریش مکہ کے ساتھ ساز باز کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار عرب نے بہت بڑی طاقت کے ساتھ مدینے پاک پر چڑھائی کی تیاری کر دی ادھر یہود مدینہ نے ان کفار کی حمایت اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کی تمام تدبیریں سوچ لیں حضور سید عالم ﷺ نے حالات سخت نازک دیکھ کر سلمان فارسیؓ کے مشورے سے مدینہ منورہ کے آس پاس خندق کھدوائی تا کہ کفار مدینہ میں داخل نہ ہو سکیں۔ مردوں کو خندق کے دروازے پر معین کیا

عورتوں کو اندرون مدینہ کی حفاظت پر مقرر فرمایا کفار عرب نے بہت روز تک مدینہ پاک کا محاصرہ رکھا آخر کار رب نے ایک تیز اور سرد ہوا بھیجی جس سے فوج کفار تتر بتر ہوگئی اور مسلمان محفوظ رہے یہ واقعہ ۵ھ میں ہوا اس کے بعد مدینہ پاک یہود سے خالی کرالیا گیا اس طرح کہ ان میں بنی قریظہ قتل کر دیئے گئے اور بنی نضیر جلاوطن کر دیئے گئے، جس کا پورا واقعہ سورۂ احزاب میں مذکور ہے بعض مؤرخین نے فرمایا کہ یہ واقعہ ۴ھ میں ہوا۔ (از مدارج النبوۃ)۔

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کفار کے وعدوں، معاہدوں بلکہ ان کی قسموں کا بھی اعتبار نہیں مسلمانوں کو ان پر کبھی اعتبار نہیں کرنا چاہئے ورنہ دھوکا کھائیں گے دیکھو یہود نے حضور سے معاہدہ کر کے بے وفائی کی اس کا تجربہ آج تک ہو رہا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّهُمْ لَا اَيْمَانَ لَهُمْ (توبہ:۱۲)۔ **دوسرا فائدہ**: اسلام کے مقابلے میں سارے کفار ایک ہیں اگرچہ ان کا آپس میں کتنا ہی اختلاف ہو اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ (حدیث)۔ دیکھو یہود اہل کتاب تھے اور مشرکین مکہ بت پرست مسلمان ان سے بہت قریب تھے مگر پھر بھی یہ یہودی مشرکین سے ملے۔ **تیسرا فائدہ**: اللہ کے مقبول بندوں کی عداوت انسان کو کفر اور بے ایمانی کے گہرے غار میں گرا دیتی ہے۔ دیکھو یہود مدینہ حضور کی عداوت میں بت پرستی کر بیٹھے ایسے ہی ان مقبولوں کی محبت انسان کو اعلیٰ درجے پر پہنچا دیتی ہے۔ **چوتھا فائدہ**: حضرات صحابہ کرام کو ہدایت یافتہ نہ ماننے والا کافر و لعنتی ہے دیکھو ان یہود نے کفار مکہ کو حضرات صحابہ سے زیادہ ہدایت پر مانا انہیں رب تعالیٰ نے لعنتی قرار دیا وہ حضرات تو ہدایت کا معیار ہیں جو ان کی پیروی کرے وہ ہدایت پالیتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا (بقرہ:۱۳۷)۔ **پانچواں فائدہ**: جبت اور طاغوت شیطان یا بت ہیں انبیاء کرام کو طاغوت یا جبت کہنا بے ایمانی ہے جیسا کہ کتاب بلغۃ الحیر ان میں انبیاء کرام کو طاغوت میں داخل مانا کیونکہ یہاں جبت و طاغوت پر ایمان لانے کو کفر شرک اور لعنت قرار دیا اور نبی پر ایمان لانے کا حکم دیا فرمایا۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (النساء:۱۳۶)۔ مسلمانوں کا بچہ بچہ پڑھتا ہے۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ نیز طاغوت وہ ہے جو لوگوں کو گمراہ کرے اور انبیاء کرام و اولیاء اللہ ہدایت دیتے ہیں رب فرماتا ہے۔ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (شوریٰ:۵۲)۔ **چھٹا فائدہ**: ایمان کے بغیر اور حضور ﷺ سے منہ موڑ کر کعبے میں رہنا۔ حاجیوں کی خدمت کرنا زمزم پینا سب کچھ بے کار ہے ان میں سے کوئی شے ہدایت نہیں بلکہ پھر یہ سب چیزیں کفر میں ہی داخل ہوتی ہیں۔ دیکھو یہود نے مشرکین مکہ کو ان اعمال کی بنا پر ہدایت یافتہ کہا تو رب نے انہیں لعنتی قرار دیا۔ اصل اصول حضور ﷺ کی اتباع ہے۔ کوئی شخص اگرچہ جسمانی طور پر کعبہ سے دور ہو مگر حضور سے قریب ہو وہ اللہ سے قریب ہے اور جو حضور سے دور ہو کر کعبہ میں رہے وہ مردود ہے بعد ہجرت مسلمانوں کو بلا عذر مکہ معظمہ میں رہنا حرام ہو گیا اس لئے نہیں کہ وہاں عبادات کی آزادی نہ تھی مجبوری و معذوری تو مسلمانوں کو حضور کی

ہجرت سے پہلے بھی تھی بلکہ اسلئے کہ حضور ﷺ نے اس سے عارضی طور پر علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ **ساتواں فائدہ:** جو کافروں کو ہدایت پر کہے وہ لعنتی ہے دیکھو رب نے ان یہود کو اس وجہ سے لعنتی فرمایا کہ انہوں نے کفار کو ہدایت پر مانا کفر کی حمایت بھی کفر ہے چور کو پناہ دینا جرم ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے بہت سے مددگار مقرر فرما دیئے ہیں۔ حضرات انبیاء اولیاء چھوٹے بچے باذن الٰہی مومنوں کے مددگار ہیں اور قبر و حشر میں ہوں گے رب فرماتا ہے اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ (مائدہ:۵۵) اور فرماتا ہے کہ ہم سے یوں دعا مانگا کرو۔ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا (النساء:۷۵)۔ الٰہی ہمارے لئے ولی اور مددگار مقرر فرمادے ہاں جس پر خدا لعنت کر دے اس کا والی وارث اور مددگار کوئی نہیں جیسا کہ وَمَنْ یَّلْعَنِ الخ سے معلوم ہوا جو شخص کہے کہ میرا مددگار کوئی نہیں وہ اپنے لعنتی ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ **نواں فائدہ:** علم کتاب اور ہے عمل بالکتاب کچھ اور نور کتاب کچھ اور ہدایت پردہ ہوگا جسے نور کتاب ملے نور کے بغیر محض علم کتاب بیکار ہے دیکھو ان یہودیوں کو کتاب کا حصہ یعنی علم کتاب ملا مگر رہے بے ایمان جیسا کہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ الخ سے معلوم ہوا علم کتاب کاغذ سے ملتا ہے اور نور کتاب نظر مقبولین سے۔ **دسواں فائدہ:** گمراہ اور بے دین عالم انسانی شکل میں شیطان ہے اس سے گمراہی ملے گی ہدایت نہیں ملتی جیسا کہ جبت اور طاغوت کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ جبت سے مراد حیی ابن اخطب اور طاغوت سے مراد کعب ابن اشرف ہے جنہیں یہودی اپنا عالم اور پیشوا مانتے تھے اللہ تعالیٰ عالم دین بنائے عالم بے دین نہ بنائے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: یہاں ان علمائے یہود کے بارے میں فرمایا گیا انہیں کتاب کا حصہ دیا گیا انہیں تو پوری کتاب توریت دی گئی تھی اس لئے انہیں اہل کتاب کہتے تھے پھر اس آیت کے کیا معنیٰ۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی فائدوں کے ضمن میں دے دیا گیا کہ انہیں توریت کا علم ملا نور نہ ملا جو مدار ایمان تھا یا یہ مطلب ہے کہ ان کے پاس پوری کتاب اصلی نہیں بعض الٰہی ہے اور بعض بناوٹی۔

دوسرا اعتراض: یہ یہودی بتوں پر ایمان تو نہیں لائے تھے صرف تقیہ کے طور پر انہیں سجدہ کر لیا تھا پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ وہ جبت و طاغوت پر ایمان لاتے ہیں۔ **جواب:** بعض اعمال عقائد کی علامت ہیں ان اعمال کو شریعت میں کفر کہہ دیا جاتا ہے بتوں کو سجدہ کرنا کفر کی علامت ہے لہٰذا یہ ایمان بالطاغوت ہے اس آیت میں تشریعی احکام کا ذکر ہے یہاں ایمان لغوی معنیٰ میں ہے یعنی مان لینا۔

تیسرا اعتراض: قرآن کریم سے ثابت ہے کہ اگر دل میں ایمان ہو اور زبان سے کفر کا اظہار کر دیا جائے تو اس سے ایمان میں خلل نہیں آتا یہاں ان کے اس عمل کو ایمان بالطاغوت کیوں مان لیا گیا۔ **جواب:** وہ حکم سخت مجبور کے لئے ہے کہ جو جان بچانے کے لئے منہ سے کفر بول دے رب فرماتا ہے۔ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ

بِالْاِیْمَانِ (نحل:۱۰۶)۔ان علماءِ یہود کو کون سی مجبوری تھی جس بناپر انہوں نے یہ حرکتیں کیں مجبور اُمردار کھانے والا گناہ گار نہیں بلاضرورت کھانے والا حرام خور ہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ لعنتی شخص کا مددگار کوئی نہیں ہوتا حالانکہ ان کے مددگار تو بہت ہوتے ہیں دیکھو ان یہود کے مددگار مشرکین مکہ بن گئے تھے رب فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓئُھُمُ الطَّاغُوْتُ (بقرہ:۲۵۷) کافروں کے مددگار شیطین ہیں اور فرماتا ہے۔ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (انفال:۷۳) بعض کفار بعض کے مددگار ہیں۔ آیات میں تعارض ہے۔ **جواب**: ہرگز تعارض نہیں ان آیات میں ظاہری دنیاوی جسمانی مدد مراد ہے اور یہاں اس آیت میں روحانی امداد مراد جو دنیا میں ایمان کا ذریعہ بنے اور آخرت میں نجات کا وسیلہ اس ظاہری امداد کا وہاں ثبوت ہے۔ یہاں باطنی امداد کی نفی کتاب الٰہی سمجھنے کے لئے نور الٰہی کی ضرورت ہے۔

پانچواں اعتراض: کفار مکہ نے یہود مدینہ کے سامنے اپنے جو فضائل بیان کئے وہ حق تھے واقعی وہ لوگ اس وقت کعبہ کے محافظ حجاج کے مددگار حرم شریف کے باشندے اور ہر سال حج و عمرہ کرنے والے تھے اس وقت ان نعمتوں سے مدینہ کے مسلمان محروم تھے۔ جب یہود مدینہ نے انہیں ان وجوہ سے ہدایت یافتہ کہہ دیا تو رب تعالیٰ نے ان یہود پر غضب کیوں فرمایا سچی بات پر غضب نہ چاہیے۔ **جواب**: اسلئے کہ انہوں نے ان چیزوں کو باعث ہدایت سمجھا یہ محض باطل تھا کعبہ میں رہنا حج و عمرہ کرنا حجاج کی خدمت اس وقت مفید ہے جب دل میں ایمان ہو جب دل حضور کی الفت سے خالی ہو تو کوئی عبادت کرو کہیں رہو سب بیکار ہے۔ جناب بعد ہجرت فتح مکہ سے پہلے مکہ معظمہ میں مسلمانوں کو رہنا حرام ہو گیا تھا۔ جہاں دولہا نہ ہو وہاں برات نہیں سجتی۔ جب حضرت عثمان غنی صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضور کی طرف سے صلح کی بات چیت کرنے مکہ معظمہ گئے تو کفار مکہ نے کہا آپ عمرہ کرلیں حضرت عثمان نے انکار کر دیا فرمایا حضور کے بغیر عمرہ کیسا اور زمزم پینا کیسا ان مسلمانوں کا کعبہ سے دور رہ کر نبی کے حضور میں رہنا ان لوگوں کے کعبہ میں رہنے سے افضل تھا۔ رب فرماتا ہے۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَایَۃَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَۃَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ الخ (توبہ:۱۹)

تفسیر صوفیانہ حضور ﷺ ایمان کی جان ہیں اور بقیہ ارکانِ ایمان ایمان کا ڈھانچہ ہیں۔ جان کے بغیر ڈھانچہ بیکار ہے حضور کی غلامی کے بغیر سارے ایمانیات بے کار ہیں دیکھو علمائے یہود کے پاس کتاب کا علم بھی تھا وہ پیغمبرزادے بھی تھے اور کفار مکہ معظمہ میں رہتے تھے انہیں کعبے کا قرب حاصل تھا حاجیوں کی خدمت مہمان نوازی سب کچھ کرتے تھے اولاد ابراہیم علیہ السلام سے تھے مگر یہود کے وہ علوم اور ان کے یہ اعمال بیکار بلکہ نقصان دہ ثابت ہوئے جس پر ان کو لعنت کا تمغہ ملا اکثر صحابہ کرام بہت سی ظاہری ٹیپ ٹاپ سے خالی تھے مگر حضور ﷺ کے منظور نظر تھے تو ملائکہ سے افضل ہو گئے یہ لوگ کعبۂ اجسام سے دور تھے مگر کعبۂ ایمان کے ساتھ تھے دیکھ لو انہیں کیسے رنگ لگے اللہ تعالیٰ کسی کو ان سے جدا نہ کرے آج بھی بعض لوگوں کو اپنے علم پر ناز اور اپنے اعمال

پر فخر ہوتا ہے اس گھمنڈ میں وہ آستانہ نبوی سے نکالے جاتے ہیں ہم گناہگاروں کو صرف اس پر ناز ہے کہ حضور کی امت ہیں ہمارے پاس کوئی کمال نہیں۔ مسلمان خیال رکھیں کہ اس عالم و پیر سے دور بھاگیں جو حضور سے دور ہو اس عالم اور شیخ کی صحبت اختیار کریں جس کے سینے میں حضور کا نور ہو یہ آیت کریمہ ہم سب کے لئے بڑی عبرت ناک ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ لعنت اللہ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے دوری مگر بندہ مکانی زمانی ہے حق تعالیٰ مکان و زمان سے پاک ہے مکانی کی لامکان والے سے دوری و قرب کی صورت یہ ہے کہ کسی مکانی کو اپنا تجلی گاہ بنا دیا جاوے اس تجلی گاہ سے قرب رب تعالیٰ کی حضوری ہو اس سے دوری رب سے دوری جیسے کہ ہم مکانیوں کو حکم ہے کہ لامکانی کو سجدہ کرو سجدہ کے معنی ہیں کسی کے آگے سر ٹیکنا اب مکانی لامکانی کے آگے کیسے پہنچے تو کعبہ معظمہ کو رب نے اپنا تجلی گاہ بنا دیا کہ اس کے سامنے سجدہ رب کو سجدہ ہے یوں ہی حضور ﷺ اور حضور کے خاص غلام اولیاء اللہ تجلی گاہ الٰہی ہیں ان سے قرب رب سے قرب ہے ان سے دوری رب سے دوری دیکھو یہ یہود مدینہ حضور ﷺ کے خلاف سازشیں کرنے مکہ معظمہ گئے تھے نہ کہ رب تعالیٰ کے خلاف تو رب تعالیٰ نے اس سازش کو اپنے سے دوری قرار دیا۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا | او نشیند در حضور اولیاء
چو شدی دور از حضور اولیاء | ہمچناں واں دور گشتی از خدا!

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾
کیا واسطے ان کے کچھ حصہ ہے ملک سے کہ پھر لوگوں کو گٹھلی کے دانہ برابر نہ دیں
کیا ملک میں ان کا کچھ حصہ ہے ایسا ہو تو لوگوں کو تل بھر نہ دیں
اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ
کیا وہ حسد کرتے ہیں لوگوں سے اوپر اس کے جو دیا انہیں اللہ نے اپنے فضل سے پس بے شک
یا لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا تو ہم نے تو
اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾
عطا فرمائی ہم نے اولاد ابراہیم کو کتاب اور حکمت اور بخشا ہم نے ان کو بڑا ملک
ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں بڑا ملک دیا
فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾
پس بعض ان میں سے وہ ہیں جو ایمان لائے اس پر اور بعض ان میں سے وہ ہیں جس نے منہ پھیرا اور کافی ہے دوزخ بھڑک والا
تو ان میں کوئی اس پر ایمان لایا اور کسی نے اس سے منہ پھیرا اور دوزخ کافی ہے بھڑکتی

تعلقات اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے علمائے یہود کی جہالت کا ذکر فرمایا تھا کہ یہ مسلمانوں کے مقابل مشرکین کو زیادہ ہدایت یافتہ کہتے ہیں اب اس آیت میں ان کے بخل وحسد کا ذکر ہے چونکہ علم عمل سے افضل ہے اور بے علمی بد عملی سے بدتر اس لئے پہلے ان کی جہالت کا ذکر ہوا پھر بخل اور حسد کا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ یہ پوپ پادری اللہ کی پھٹکار میں ہیں اب اس پھٹکار کے نتیجوں کا ذکر ہے کہ اس کی وجہ سے ان میں ایسے عیوب پیدا ہو گئے جس سے جانور بھی پناہ مانگتے ہیں، بخل وغیرہ۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ لعنتی آدمی کا مددگار کوئی نہیں اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ دیکھو یہ لوگ اولاد انبیاء ہیں مگر لعنتی ہونے کی وجہ سے ان کے فیضان سے محروم ہیں اگر ان کے دلوں میں نبوت کا فیضان آتا تو ان میں حسد وبخل نہ ہوتا۔

شان نزول یہود مدینہ کبھی کہتے تھے کہ نبوت نبی اسرائیل کی میراث ہے حضور ﷺ اس خاندان سے نہیں ہیں تو نبی کیسے ہوئے کبھی کہتے تھے کہ نبوت و سلطنت جمع نہیں ہو سکتی آپ نبی اور بادشاہ کیسے بن گئے کبھی کہتے تھے اگر حضور سچے نبی ہوتے تو آپ نو بیویاں کیوں رکھتے نبی کو اتنی بیویوں کی کیا ضرورت ان سب اعتراضوں کے جواب میں یہ آیات کریمہ اتریں (از تفسیر کبیر و خازن و روح المعانی)۔ خیال رہے کہ کفار عموماً مسلمانوں کو بہکانے کیلئے نبی ﷺ کی ذات بابرکات کو عیب لگاتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ جب دل سے نبی کی عظمت نکل جاوے تو نہ قرآن مجید کی عظمت رہ سکتی ہے نہ اسلام کی نہ خدا تعالیٰ کا وقار دل میں جاگزیں ہو سکتا ہے دلوں میں ان تمام کی عظمتیں حضور ﷺ کی عظمت سے قائم ہیں اس لئے وہ مسلمانوں کو حضور کے متعلق ایسی باتیں سمجھاتے تھے۔ قرآن مجید نے جگہ جگہ حضرات انبیاء کرام کے واقعات میں ان کے ماننے والوں کے درجات ان کے منکروں کے عذابوں کا ذکر فرمایا تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان حضرات کی ہیبت قائم ہو ان کی ہیبت سے اسلام کا وقار ہے۔

تفسیر اَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ۔ یہاں اَمْ یا بمعنی ہمزہ استفہام ہے کیونکہ جب اَمْ سے پہلے حرف استفہام نہ گزر چکا ہو تو یہ خود حرف استفہام ہوتا ہے یعنی ہمزہ استفہامیہ اور م زائدہ یا صلہ کا یا اَمْ متصلہ ہے اس صورت میں اس سے پہلے ایک ہمزہ استفہامیہ مع ایک جملہ کے پوشیدہ ہوگا یعنی اے محبوب آپ ان مردودوں کی اس بکواس سے تعجب کرتے ہیں کہ مشرکین مومنین سے افضل ہیں یا ان کے اس خیال سے تعجب کرتے ہیں کہ ملک الٰہی میں ان کا حصہ ہے اس صورت میں پہلے استفہام کی طرح یہ استفہام بھی تعجب کا ہے اَمْ یا اَمْ منقطعہ ہے بمعنی بل اس صورت میں اس کے بعد ہمزہ پوشیدہ ہے یعنی بلکہ کیا ان کا حصہ ہے ملک میں۔ لَهُمْ کی ضمیر انہی مذکورین علماء یہود کی طرف لوٹتی ہے جن کا ذکر پہلے ہوا۔ نصیب سے مراد رب تعالیٰ کی برابری و شرکت کی ملکیت ہے کہ رب ان سے بغیر پوچھے کسی کو کچھ ... نہیں ... کے مال میں ... کا حصہ ... باپ کے مال میں اولاد کا حصہ رشتہ دار

کے مال میں رشتہ دار کا حصہ ہوتا ہے۔ شرکت کے مال میں شریکوں کا حصہ ہوتا ہے اللہ کے ملک اس کی عطا سے اس کے خاص بندوں کا حصہ و ملکیت ہے مگر پہلی قسم کی ملکیت کہ وہ چیزیں اللہ کی ہیں یہ بندے اللہ کے ہیں اللہ کے فضل سے ان چیزوں میں ان کا حق و حصہ ہوتا ہے باقی قسم کے حصے کسی کے نہیں وہ مالک الملک حقیقی ہے ملک سے مراد یا تو یہ ہی ظاہری ملک و بادشاہت ہے یہود کا عقیدہ تھا کہ آخر زمانہ میں دنیا میں بادشاہت ہماری ہی ہوگی ہم میں ایک ایسا مجدد پیدا ہوگا جو تمام جہان فتح کرلے گا یا مراد نبوت ہے کیونکہ نبی باطنی ملک کے مالک ہوتے ہیں یہود کا خیال تھا کہ نبوت صرف بنی اسرائیل میں ہونی چاہئے چونکہ حضور ﷺ بنی اسماعیل سے ہیں اس لئے وہ نبی نہیں ہوسکتے اس آیت میں ان کے ان خیالات کی تردید ہے یعنی اے محبوب کیا وہ اس خیال میں ہیں کہ سلطنت میں یا نبوت میں ان ہی کا حصہ ہے کسی اور قوم کا حصہ ہی نہیں۔ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے یُؤْتُوْنَ کا فاعل یہی یہود ہیں اور ناس سے مراد حضور ﷺ ہیں چونکہ آپ تمام انسانوں کے صفات حمیدہ سے موصوف ہیں اس لئے گویا آپ جماعت انسان ہیں ایک شاعر کہتا ہے۔

وَ لَیْسَ عَلَی اللّٰہِ بِمُسْتَنْکِرٍ اَنْ یَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِیْ وَاحِدٍ

جیسے تخم میں سارا درخت مجملاً ہے ایسے ہی حضور ﷺ ہیں اور حضور ﷺ سے سارا عالم ہے اَنَا نُوْرٌ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَ کُلُّ الْخَلْقِ مِنْ نُوْرِیْ (حدیث)۔ یعنی رب کی قدرت سے یہ دور نہیں کہ ایک شخص میں سارا عالم جمع کردے رب تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ کَانَ اُمَّةً (نحل:۱۲۰)۔ وہ اکیلے ایک امت و جماعت تھے نَقِیْر نقر سے بنا بمعنی کریدنا اسلئے جانور کی چونچ کو منقار کہتے ہیں کہ وہ چونچ سے مٹی وغیرہ کریدتا ہے چکی راہنے کے آلے کو بھی منقار کہا جاتا ہے اب اصطلاح میں کھجور کی گٹھلی کے بیچ میں ننھے سے گھڑے کو کہتے ہیں جو اس کی پشت پر تل کے برابر ہوتا ہے اب حقیر و معمولی چیز کی نقیر کہہ دیتے ہیں یعنی اگر یہ لوگ اللہ کے ملک کے مالک ہوتے تو حضور ﷺ یا حضور کے صحابہ یا کسی اور کو کھجور کے دانہ کے تل بھر یا غار کی برابر کچھ نہ دیتے خلاصہ یہ ہے کہ یہ سخت بخیل و کنجوس ہیں اور سلطنت بخیل کو نہیں دی جاتی۔ سلطان سخی دریا دل چاہئے نبوت تو سلطنت سے کہیں اعلیٰ ہے نبی تو بہت ہی سخی چاہئے ایسے کنجوس نبوت و سلطنت کے اہل نہیں۔ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ یہ اَمْ منقطعہ ہے بمعنی بل اور اس جملہ میں ان یہود کے بخل کے بعد انکے حسد کا ذکر ہے۔ حسد کے معنی ہیں جلنا اور کسی کی نعمت کا زوال چاہنا بخیل نہیں چاہتا کہ میں کسی کو اپنی نعمت دوں اور حاسد نہیں چاہتا کہ خدا تعالیٰ کسی کو اپنی نعمت دے اس مناسبت سے بخل کے بعد حسد کا ذکر فرمایا یَحْسُدُوْنَ کا فاعل وہ ہی مذکورہ یہود ہیں اور ناس سے مراد حضور ﷺ ہیں تمام لوگوں کے پیشوا یا ناس سے مراد صحابہ کرام ہیں یا تمام عرب یا تمام انسان پہلے معنی قوی ہیں۔ حضرت عکرمہ، ابن عباس، مجاہد، ضحاک، ابو مالک، عطیہ جیسے مفسرین کا یہ ہی قول ہے کہ ناس سے مراد حضور ﷺ ہیں۔ مَا سے مراد یا

نبوت ہے یا سلطنت یا نو بیویوں سے نکاح کی اجازت یا قرآن کا زبان عربی میں آنا یا اہل عرب خصوصاً اہل مدینہ کا آپس میں متفق و متحد ہو جا (کبیر و معانی وغیرہ) فضل کے تین معنیٰ ہیں مہربانی، زیادتی، بچائی، خیر یہاں تینوں معنیٰ بن سکتے ہیں اور ہر معنیٰ پر اس میں عجیب لطف ہوگا اگر بمعنی مہربانی ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ ان نعمتوں پر یہ لوگ حسد کرتے ہیں جو کسی کی عطا سے یا کسب سے نہیں محض میری مہربانی سے محبوب کو ملیں اور جو چیز صرف میری مہربانی سے ہے وہ کسی کے چھینے چھن نہیں سکتی جیسے سورج کی روشنی تو ان کا حسد بیکار ہے اگر بمعنیٰ زیادتی ہو تو مطلب ہوگا کہ یہ لوگ محبوب کی ان صفات پر حسد کرتے ہیں جو رب نے انہیں تمام سے حتیٰ کہ انبیاء کرام سے زیادہ بخشیں۔ جیسے معراج ختم نبوت شفاعت ذکر کثیر و محبوبیت وغیرہ اور اگر بمعنی بچی ہوئی نعمت ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ ان نعمتوں پر حسد کرتے ہیں۔ جو رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کے لئے بچا کر رکھی تھیں کسی نبی کو نہ دی تھیں بلا واسطہ کلام کلیم سے فرمایا۔ مگر اپنا دیدار بے حجابانہ محبوب کو کرایا حضرت آدم کو مسجود ملائکہ بنایا مگر درود اپنے محبوب کیلئے مخصوص فرمایا یعنی اے محبوب ﷺ ان تمام حرکتوں کی وجہ یہ ہے کہ یہود آپکی نبوت، سلطنت، اختیارات وغیرہ پر جلتے حسد کرتے۔ **فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ** ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں ف تعلیلیہ اور یہ جملہ ایک پوشیدہ جملہ کی علت ہے یعنی ان یہود کے آپ پر اعتراضات کہ آپ نبی و سلطان کیسے ہوگئے یا آپ کے پاس نو بیویاں کیوں ہیں محض غلط و بے بنیاد ہیں کیونکہ آپ سے پہلے بھی انبیاء کرام کو یہ نعمتیں دی گئی ہیں۔ آل ابراہیم سے مراد حضرت یوسف و سلیمان علیہم السلام ہیں کہ وہ حضرات نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی اور بہت بیویاں بھی ان کے نکاح میں تھیں حتیٰ کہ حضرت داؤد کی ننانوے بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان کی ایک ہزار تین سو نو آزاد بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں۔ حضور کی تو صرف نو ہی بیویاں ہیں (خازن) کتاب سے مراد ظاہر شریعت ہے حکمت سے مراد اسرار حقیقت اور ملک عظیم میں قدرت کا ظہور ہے یعنی ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں بعض نبی ایسے بھیجے جن کے پاس کتاب یعنی شریعت بھی تھی اور حکمت یعنی علم اسرار بھی تھا اس کے باوجود **وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا** چونکہ نبوت کے ساتھ سلطنت عطا ہونا اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے اس لئے اس نعمت کے واسطے علیحدہ **اٰتَيْنَا** فرمایا گیا ملک عظیم سے مراد عظیم الشان سلطنت ہے کہ یوسف علیہ السلام کو تمام جہان کی روزی کا مالک فرمادیا اور سب کا روزی رساں انہیں بنادیا کہ زمانہ قحط میں سب آپ ہی سے روزی لیتے رہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے تانبہ، پیتل، لوہے کو نرم فرمادیا حضرت سلیمان علیہ السلام کو انس و جن بلکہ ہوا کا بادشاہ کردیا کہ ہوا ان کے حکم سے چلتی تھی رب فرماتا ہے۔ **فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ** (صٓ: ۳۶) یعنی ہم نے بعض آل ابراہیم کو نبوت کے ساتھ عظیم بادشاہت بھی بخشی جب ان کی سلطنت نبوت کے خلاف نہ ہوئی تو حضور محمد مصطفےٰ ﷺ کی سلطنت آپ کی نبوت کے منافی کیسے ہوسکتی ہے یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اے محبوب ﷺ آپ ان حاسدین کی پرواہ نہ کریں ان حضرات پر بھی بہت حسد کیے گئے مگر انہوں نے نہایت شاندار طریقہ سے نبوت و سلطنت کی۔ آپ کے

یہ حاسدین جل بھن کر مرتے رہیں گے آپ کا سورج چمکتا رہے گا۔

رہے گا یونہی ان کا چرچا رہے گا　　پڑے خاک ہو جائیں جل جانیوالے

فَمِنْهُمْ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ۔ مِنْهُمْ سے مراد یا تو حضور ﷺ کے زمانہ کے یہود ہیں اس صورت میں بہٖ کی ضمیر حضور کی طرف ہے یوں ہی دوسرے **مِنْهُمْ** سے یہ ہی یہودی مراد ہیں اور عنہ کی ضمیر کا مرجع حضور ہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ اے مسلمانو موجودہ بعض یہود میں سے تو وہ ہیں جنہیں اللہ نے حسد سے بچالیا اور وہ ہمارے ان محبوب پر ایمان لے آئے جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی اور بعض وہ ہیں جو حسد میں گرفتار رہے ایمان نہ لائے جیسے کعب ابن اشرف اور حیی ابن اخطب وغیرہ یا **مِنْهُمْ** سے مراد ان انبیاء کرام کے زمانہ کے کفار ہیں اور بہٖ سے مراد ان حضرات کی نبوت و سلطنت ہے اس صورت میں یہ عبارت حضور ﷺ کی تسکین خاطر کے لئے ہے یعنی آپ اس کا صدمہ نہ فرمائیں کہ سارے یہود ہم پر ایمان کیوں نہیں لاتے یہ تو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے ان حضرات پر بھی بعض ایمان لائے تھے بعض نہ لائے تھے۔ خیال رہے کہ صد کے معنی رکنا بھی ہیں اور روکنا بھی یعنی لازم بھی ہے متعدی بھی یہاں بمعنیٰ رکنا ہے کیونکہ اسکے بعد مفعول کا ذکر نہیں **وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا** بارہا عرض کیا جاچکا ہے کہ **كَفٰى** کے فاعل میں ب زائدہ آجاتی ہے یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ جہنم **كَفٰى** کا فاعل ہے اس کی ب زائدہ اور **سَعِيْرًا** جہنم کا حال ہے۔ **سَعِيْر سَعْرٌ** سے بنا بمعنی بھڑک سعیر صفت مشبہ مبالغہ ہے یعنی ان جیسے حاسد کافروں کے لئے بھڑکتا ہوا دوزخ کافی سزا ہے یہ اس ہی کے مستحق ہیں۔ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔

خلاصۂ تفسیر

جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ان آیات کی چند تفسیریں ہیں جو ابھی عرض کر دی گئیں ہم صرف ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اے محبوب ﷺ یہ کفار یہود جو آپ کی نبوت پر طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں کہتے ہیں کہ بنی اسمٰعیل میں نبوت کیسی یا حضور میں سلطنت و نبوت کا اجتماع کیسا یہ دونوں چیزیں ضدیں ہیں۔ دو ضدیں جمع نہیں ہوسکتیں یا کہتے ہیں کہ نبی کے نکاح میں نو بیویاں کیسی نبی تو تارک الدنیا چاہئے کیا انہیں ہمارے ملک کا حصہ ملا ہوا ہے یہ ہمارے شریک ہیں اگر ان کے پاس کچھ بھی حصہ ملک کا ہوتا تو لوگوں کو تل بھر بھی نہ دیتے ایسے بخیل ہیں کہ سب کچھ اپنے پاس ہی رکھتے ایسے بخیل و کنجوس نہ سلطنت کے اہل ہیں نہ نبوت کے سلطان و نبی تو بہت دل والا چاہئے ان کے تمام اعتراض کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ ہے حسد یہ آپ پر حسد کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ نے آپ کو اپنے فضل و کرم سے نبوت سلطنت۔ اختیارات۔ علم۔ کثیر بیویاں بہت امت سب کچھ بخشا یہ جل گئے۔ یہ لوگ آپ پر اس قسم کے اعتراضات کیوں کرتے ہیں۔ جن نبیوں پر ان کا ایمان ہے یعنی آل ابراہیم، بنی اسرائیل کے رسول ہم نے انہیں کتاب الٰہی۔ اسرار طریقت بخشے اور ساتھ انہیں عظیم الشان ملک کا بادشاہ کیا چنانچہ یوسف علیہ السلام، داؤد علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام نبی بھی تھے، بڑے شاندار بادشاہ بھی اور حضرت داؤد

سلیمان علیہم السلام کی بہت بیویاں بھی تھیں جب وہ حضرات اتنے بڑے بادشاہ ہوئے اور اتنی بیویاں رکھنے کے باوجود سچے نبی ہیں تو آپ کی نبوت میں انہیں کیا اعتراض ہے اے محبوب آپ ان کے ایمان نہ لانے پر غم و رنج نہ کریں یہ تو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے کہ کسی نبی پر سارے کافر ایمان نہ لائے ان نبیوں پر بھی بعض سعادت مند ایمان لائے بعض کافر رہے ایسے ہی آپ پر بھی بعض کفار ایمان لائیں گے بعض کافر رہیں گے اس کی وجہ یہ نہیں کہ آپ کی دین میں کمی ہے وجہ صرف یہ ہے کہ ان میں فیض لینے کی طاقت نہیں سورج سے سب روشنی نہیں لیتے چمگاڈر اندھا ہوتا ہے بارش سے سب فیض نہیں پاتے بعض بوٹے جل جاتے ہیں ایسے بدنصیبوں کیلئے تو بھڑکتا دوزخ ہی کافی ہے یہ دلیل سے ماننے والے نہیں خیال رہے کہ کسی نبی پر سارے لوگ ایمان نہ لائے کچھ مومن ہوئے کچھ کافر رہے جنہوں نے نبی کو صرف بصارت سے دیکھ کر اپنے جیسا بشر ہی کہا وہ کافر رہے جنہوں نے ان حضرات کو بصیرت یعنی دل کی صدیقی آنکھ سے دیکھا وہ مومن ہو گئے جیسے آنکھ کا نور بغیر دوسرے نور کے بیکار ہے کہ اندھیرے میں کچھ نہیں دیکھتا یوں ہی عقل کا نور بغیر فضل کے نور کے بیکار ہے جن کو فضل کا نور ملا وہ مومن ہو گئے جن کے پاس محض عقل کا نور تھا فضل سے محروم تھے وہ کافر رہے اس میں بھی رب تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں اگر سب مومن ہو جاتے تو رب کی صفت فضل کا ظہور نہ ہوتا نیز پھر ایمان کی قدر نہ معلوم ہوتی ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے نیز پھر حضرات انبیاء کی طاقت کا پتہ نہ لگتا۔ طاقت مقابلہ سے معلوم ہوتی ہے۔

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بخیل، حاسد، بدخلق لوگ سلطنت و نبوت کے لائق نہیں سلطان و نبی دریا دل نہایت خلیق و سخی چاہئیں مسلمان اگر سر بلندی چاہتے ہیں تو اخلاق محمدی اختیار کریں جیسا کہ **لَا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** حاسد آمی کبھی فیض نہیں لے سکتا وہ ہمیشہ جلتا بھنتا ہی رہتا ہے یہود مدینہ حضور سے فیض نہ پا سکے اور حضرت بلال حبشی و سلمان فارسی و صہیب رومی نے سب کچھ حاصل کر لیا۔ اس لئے کہ یہود حاسد تھے۔ **تیسرا فائدہ:** حضور پر حسد اور حضور کے اوصاف حمیدہ کا انکار یہودیانہ عیب ہے جو تمام نعمتوں سے محروم رکھتا ہے آج بھی بعض کلمہ پڑھنے والے مولوی عالم کہلوانے والے حضور ﷺ کے اوصاف سن نہیں سکتے آپ کا ذکر روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں یہ لوگ اس آیت کریمہ سے عبرت پکڑیں سب کو ابلیس نے گمراہ کیا اور ابلیس کو حسد نے تباہ کیا:

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے ۔۔۔ پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

چوتھا فائدہ: حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب اکبر ہیں کہ اعتراض ہوتا ہے حضور پر اور جواب دیتا ہے رب تعالیٰ معلوم ہوا کہ حضور کے دشمنوں کو جواب دینا سنت الٰہیہ ہے۔ رب تعالیٰ اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق دے اور کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کا گواہ ہے **وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا** (النساء: ۷۹) اور حضور ﷺ

رب تعالیٰ کے گواہ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا (احزاب:۴۵) حضور ﷺ مدعی رسالت ہیں اور اللہ تعالیٰ مدعی توحید ہے اور مدعی کی حمایت گواہ کرتا ہے اس لئے رب تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کا حامی ہے۔ **پانچواں فائدہ**: ایمان، تقویٰ، ولایت، نبوت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتے ہیں نہ کہ محض ہماری اپنی کوشش سے لہٰذا اس پر شیخی نہ چاہیے۔ رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے جیسا کہ من فضلہ سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: نبوت ودین وسلطنت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہاں ان نعمتوں کی عطا کا ذکر انعام واکرام کے سلسلہ میں فرمایا۔ **ساتواں فائدہ**: ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت ان کی اولاد سے خاص کردی گئی چنانچہ پھر کوئی نبی غیر ابراہیمی نہ ہوئے یا بنی اسرائیل میں نبی آئے یا ہمارے حضور ﷺ بنی اسماعیل سے آئے جیسا کہ آل ابراہیم فرمانے سے معلوم ہوا رب فرماتا ہے وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِہِ النُّبُوَّۃَ وَ الْکِتٰبَ (عنکبوت:۲۷) لہٰذا مرزا قادیانی نبی نہیں کہ وہ اولاد ابراہیم علیہ السلام سے نہیں۔ **آٹھواں فائدہ**: بزرگوں کی اولاد ہونا بھی اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے یہ فائدہ بھی آل ابراہیم سے معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (بقرہ:۴۷)۔ انہیں یہ بزرگی کیوں ملی اس لئے کہ وہ اولاد انبیاء تھے لہٰذا حضرات سادات کرام حضور ﷺ کی اولاد ہونے کی وجہ سے تمام غیر سیدوں سے افضل ہیں دیکھو حضور سید عالم ﷺ کے بعد خلافت قریش سے خاص کردی گئی الخلافتہ فی القریش بلکہ صواعق محرقہ میں فرمایا کہ تاقیامت قطب الاقطاب۔ سیّد ہی ہوگا اور حضرت امام مہدی سیدہی ہونگے۔ **نواں فائدہ**: دنیاوی سلطنت اولاد ہونا نبوت کے خلاف نہیں دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہود کے اعتراض کے جواب میں حضرت یوسف، داؤد وسلیمان علیہم السلام کا حوالہ پیش فرمایا کہ وہ حضرات نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ آج اگر کوئی بے دین حضور کی نبوت پر اس لئے اعتراض کرے کہ آپ کی نو بیویاں تھیں تو آپ نبی کیسے تو اس کے جواب میں اس کے بزرگوں کے حوالے پیش کرنا چاہیے چنانچہ ہندوؤں کے مشہور دیوتا کنھیا کی ایک ہزار بیویاں تھیں۔ رام چندر کے والد راجہ جسرت کی دو بیویاں تھیں ایک کے پیٹ سے رام چندر پیدا ہوا اور دوسری یعنی کیکئی کے پیٹ سے لچھمن۔ خیال رہے کہ زیادہ کھانا زیادہ سونا انسانی عیوب میں شمار کئے جاتے ہیں مگر قوت مردی کی زیادتی انسانی کمال ہے جس قدر روحانیت غالب ہوگی اس قدر قوت بھی زیادہ ہوگی چنانچہ معمولی جنتی میں دنیا کے سو مردوں کی طاقت ہوگی اس قوت کی زیادتی عیب نہیں ہاں اس میں پھنس کر رب سے غافل ہونا عیب ہے جسے شہوت پرستی کہتے ہیں۔ **دسواں فائدہ**: حضور ﷺ کا دین ہمیشہ ترقی میں ہی رہے گا۔ حاسدین اور دشمن اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے تمام جہان سورج کو کالا کہے سورج سیاہ نہیں ہوسکتا جیسا کہ اَمْ یَحْسُدُوْنَ الخ سے معلوم ہوا۔ **گیارھواں فائدہ**: کسی پیغمبر پر تمام لوگ ایمان نہ لائے ہر نبی کے بعض منکر ضرور رہے جیسا کہ وَمِنْھُمْ مَّنْ صَدَّعَنْہُ سے معلوم ہوا یونہی کسی عالم شیخ کو سب نہیں مان سکتے دنیا میں مخالفین کا ہونا بھی ضرور ہے۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کیلئے

جس عالم و شیخ کو سب لوگ مانیں وہ منافق ہے یا مداھن دیکھو حضرات صدیق اور فاروق رضی اللہ عنہما پر آج تک تبرے ہو رہے ہیں یہ ان کی حقانیت کی قوی دلیل ہے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ملک میں کسی کا کوئی حصہ نہیں وہی مالک الملک ہے فرماتا ہے لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ (بقرہ:۲۵۵) پھر تم نبیوں، ولیوں کو مالک مانتے ہو۔ مشرک ہو۔ دیکھو یہاں رب نے فرمایا اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی، دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم اپنے گھر اپنے باغ اپنی زمین وغیرہ کے مالک کیوں ہوئے کہ انہیں فروخت تک کر لیتے ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ کسی چیز میں حصہ ہونے کی بہت صورتیں ہیں زور سے حصہ لینا ہماری تنخواہ میں حکومت کا انکم ٹیکس ضرورت سے حصہ داری جیسے ہماری آمدنی سے مکان کا کرایہ شرکت کی حصہ داری جیسے بنک یا کمیٹی کا حصہ اور کرم و مہربانی کی حصہ داری جیسے ہمارے آمدنی میں ہمارے بچوں نوکروں کا حصہ اللہ کے ملک میں پہلی قسموں کی حصہ داری کسی کی نہیں مگر آخری قسم کی حصہ داری عام بندوں کی عموماً ہے اور خاص بندوں کی خصوصاً وہ رازق ہے ہم مرزوق رزق کے معنی ہیں حصہ اللہ نے اپنے کرم سے اپنے خاص بندوں کو اپنی خاص چیزوں میں حصہ دیا ہے اسلئے اگلی آیت میں ہے۔ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ (ص:۳۶) حضرت بلقیس کے متعلق فرماتا ہے وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (نمل:۲۳) اور ہمارے حضور کے متعلق فرماتا ہے۔ اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ (کوثر:۱) غرضیکہ آیات نفی میں برابری، دھونس، حاجت کی حصہ داری کی نفی ہے اور آیات ثبوت میں فضل و کرم و مہربانی کی حصہ داری کا ثبوت ہے دونوں آیات درست ہیں جہاں فرمایا جا رہا ہے کہ یہود کا یہ کہنا حضور کو نبوت و سلطنت دونوں کیوں مل گئیں۔ محض بکواس ہے کیا یہ میرے ملک میں برابر کے حصہ دار ہیں کہ میں ان سے پوچھ کر کسی کو کچھ دوں۔

دوسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے یہود کی بت پرستی اور بخل اور حسد کو ایک جگہ کیوں بیان فرمایا ان میں مناسبت کیا ہے۔ **جواب**: حسد و بخل بھی ایک قسم کا کفر ہے حاسد خدا کو عادل نہیں سمجھتا وہ سمجھتا ہے کہ خدا نے لوگوں کو نعمتیں دیں ناحق دیں مشرک توحید الٰہی کا منکر ہے اور حاسد عدالت الٰہی کا انکاری اس لئے انہیں جمع فرمایا گیا۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں یہود کا بخل پہلے بیان ہوا اور حسد بعد میں اس ترتیب میں کیا حکمت ہے۔

جواب: یہاں بد سے بدتر کی طرف عروج ہے بخل سے حسد بدتر ہے کہ بخیل چاہتا ہے میری نعمت میں کسی کا حصہ نہ ہو اور حاسد چاہتا ہے خدا کی نعمت میں کسی کا حصہ نہ ہو اس لئے بخیل سے حاسد بدتر ہے بد کے بعد بدتر کا ذکر فرمایا۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آل ابراہیم میں بہت سے پیغمبروں کو کتاب و نبوت سلطنت

عطا فرمائی گئی حالانکہ نبوت کتاب وسلطنت کا اجتماع صرف داؤد علیہ السلام میں ہوا کیونکہ حضرت یوسف وسلیمان علیہم السلام اگرچہ نبی وسلطان تھے مگر صاحب کتاب نہ تھے صاحب کتاب داؤد علیہ السلام پھر اٰتَیۡنٰهُمۡ جمع فرمانا کیونکر صحیح ہوا۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں کتاب عام معنی میں ہے صحیفوں کو بھی شامل حضرت سلیمان ویوسف علیہ السلام کے پاس صحف ابراہیم تھے۔ دوسرے یہ کہ ایک پیغمبر میں کتاب ونبوت وسلطنت کا جمع ہو جانا گویا بہت سے نبیوں میں جمع ہو جانا ہے ایک نبی کی نافرمانی بہت نبیوں کی نافرمانی قرار دی گئی ہے۔

پانچواں اعتراض: اسکی کیا وجہ ہے کہ کسی نبی پر سارے ایمان نہ لائے ہر نبی کے مقابلے میں کفار ضرور رہے۔

جواب: اس میں نبی کی طاقت دکھانا مقصود ہے اگر پہلوان کا مقابل ہی کوئی نہ ہو تو اسکی قوت کا پتہ کیسے چلے ظلمت سے نور جہالت سے علم کفر سے ایمان مخالفین سے نبوت کی شان نظر آتی ہے اَلۡاَشۡيَاءُ تُعۡرَفُ بِاَضۡدَادِهَا۔ آج حضور ﷺ کا چرچا زیادہ اس وجہ سے بھی ہے کہ آپکے مخالف اور آپکا ذکر روکنے والے بہت ہیں۔

چھٹا اعتراض: اس آیت کریمہ میں حضرت یوسف وداؤد وسلیمان علیہم السلام کے ملک کو ملک عظیم کیوں فرمایا یوسف علیہ السلام تو صرف ملک مصر کے ہی مالک تھے۔ رب تعالیٰ نے تو ساری دنیا کو قلیل فرمایا ہے قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ (النساء:۷۷) پھر دنیا کے یہ معمولی حصے عظیم کیوں ہو گئے۔ **جواب**: اس لئے کہ ان بزرگوں کی سلطنتیں دنیا نہ تھیں بلکہ عین دین تھیں دنیا وہ ہے جو آخرت سے غافل کر دے دنیا قلیل وحقیر ہے دین عظیم ہے نیز وہ سلطنتیں ان عظیم الشان بزرگوں کی طرف منسوب تھیں لہٰذا خود وہ ملک بھی عظیم ہو گئے دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس دنبہ کو عظیم فرمایا جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ بنا رب تعالیٰ فرماتا ہے وَفَدَيۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِيۡمٍ (الصافات:۱۰۷)۔ دنبہ اونٹ گائے وغیرہ سے چھوٹا ہے مگر عظیم الشان پیغمبر کا فدیہ بنا اس لئے وہ بھی عظیم ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ

انسان میں نفس بھی ہے اور قلب بھی نفس برائیوں کا چشمہ ہے اور قلب نیکیوں کا مرکز۔ بخل نفس کے عیوب میں سے اور سخاوت قلب کے صفات میں سے بخل وحسد انسان کو دنیا کی طرف بلاتے ہیں اور آخرت سے روکتے ہیں اور سخاوت دنیا سے بچاتی ہے آخرت کی دعوت دیتی ہے عاقل کو چاہئے کہ بخل چھوڑے اور سخاوت اختیار کرے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ **لاسیود الحسود** حاسد کبھی سردار نہیں بن سکتا دیکھو رب تعالیٰ نے انہی یہود کے بخل وحسد کو ان کی تمام نعمتوں سے محرومی کا سبب قرار دیا خیال رکھو کہ حسد فضیلت پر ہوتا ہے جتنی فضیلت زیادہ اتنے ہی حاسد زیادہ عقلاء فرماتے ہیں کہ تلوار سے جسم پر قبضہ کیا جاتا ہے اور احسان سے دلوں پر عربی کا مشہور مقولہ ہے اَلۡبِرُّ يَعۡبُدُ الۡحُرَّ بھلائی آزادوں کو غلام بنالیتی ہے بخیل مثل ریشم کے کیڑے کے ہے کہ وہ اپنا ریشم اپنے پر ہی لپیٹتا ہے کسی کو دینا نہیں چاہتا۔ آخر کار وہ ریشم ہی اس کی قبر بن جاتا ہے اور وہ ریشم مع اس کی نعش کے دوسرے کے قبضے میں پہنچ جاتا ہے حضور سید عالم ﷺ نے معراج کی رات ایک شخص کو دوزخ کے قریب

اس طرح دیکھا کہ اسے آگ نہیں چھوتی فرمایا۔اے جبرائیل یہ کون ہے عرض کیا یا حبیب اللہ یہ حاتم طائی ہے اللہ نے اس کی سخاوت کی وجہ سے اس پر وہ کرم فرمایا جو آپ ملاحظہ فرمار ہے ہیں کہ دوزخ میں ہے مگر آگ سے جلتا نہیں۔خیال رہے کہ ملک تین قسم پر ہیں ظاہر پر ملکیت یہ بادشاہوں کو نصیب ہے دلوں پر ملکیت یہ علماء اور اولیاء کو میسر ہے ظاہر باطن، جسم وروح، قلب وقالب سب پر ملکیت یہ انبیاء کرام کی ملکیت ہے۔ملکیت کے لئے سخاوت ضروری ہے جب حضرات انبیاء کرام کی ملکیت قوی ہے تو ان کی سخاوت بھی اعلیٰ حضور ﷺ سیّد الانبیاء ہیں تو آپ سیّد الاسخیا بھی ہیں۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْیَا وَ ضَرَّتَ ھَا   وَ مِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَ الْقَلَمِ

صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہود کا یہ خیال کہ نبیوں کے پاس دین و دنیا دونوں جمع کیوں ہوگئیں۔دنیا و دین تو آپس میں ضدیں ہیں یہ غلط تھا کیونکہ انہوں نے اپنی دنیا اور نبی کی دنیا میں فرق نہ کیا ان کی دنیا نفسانی بلکہ شیطانی تھی حضور کی دنیا ایمانی بلکہ رحمانی تھی بلبل اور گدھ دونوں ایک درخت پر بیٹھتے ہیں مگر بلبل وہاں سے پھولوں کی تاک لگاتی ہے گدھ مراد کا متلاشی ہوتا ہے۔شعر۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں   کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا
بے شک وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا عنقریب پہنچائیں گے ہم ان کو آگ میں جب بھی
جنہوں نے ہماری نعمتوں کا انکار کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جب بھی ان کی
نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا
پک جائیں گی کھالیں ان کی تو بدل دیں گے ہم ان کی کھالیں ان کے سوا تا کہ چکھیں وہ
کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سواء اور کھالیں انہیں بدل دیں گے ان کے عذاب کا
الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا
عذاب بے شک اللہ ہے غالب حکمت والا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے
مزہ لیں بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے
الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ
انہوں نے نیک عنقریب داخل کریں گے ہم ان کو جنتوں میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے سے نہریں ہمیشہ رہیں گے
عنقریب ہم انہیں باغوں میں لے جائیں گے جس کے نیچے نہریں رواں ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے

فِيهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمۡ فِيهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّ نُدۡخِلُهُمۡ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿۵۷﴾

وہ اس میں واسطے ان کے اس میں بیویاں ہیں پاک اور داخل کریں گے ہم ان کو گھنے سایہ میں

ان کے لئے وہاں ستھری بیویاں ہیں اور ہم انہیں وہاں داخل کریں گے جہاں سایہ ہی ہوگا

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں یہود کی یہ بکواس نقل کی گئی تھی کہ ہم کچھ بھی کریں مگر جنتی ہیں اب اس آیت میں ان کی پرزور تردید کی جارہی ہے کہ جنت کا داخلہ نسب سے نہیں بلکہ ایمان اور عمل سے ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں ارشاد ہوا تھا کہ جس پر خدا کی لعنت کرے اس کا مددگار کوئی نہیں اب اس کی وجہ بیان ہورہی ہے کہ ان کا جہنمی ہونا طے ہو چکا ہے پھر انہیں کوئی دوزخ سے کیسے بچاسکتا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں یہود کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا جو وہ حضور ﷺ کی ذات پر کرتے تھے اب اس اعتراض کرنے کی سزا کا ذکر ہے کیونکہ ان کا یہ اعتراض سمجھنے کے لئے نہ تھا بلکہ لوگوں کو بہکانے کیلئے تھا اور بہکانے والا تو دوزخ کا مستحق ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ایسے موذیوں کیلئے دوزخ کی سزا کافی ہے اب اس آیت میں اس اجمالی سزا کی کچھ تفصیل بیان ہورہی ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ حضرات انبیاء کرام پر سب لوگ ایمان نہ لائے بعض ایمان لائے اور بعض ان کے منکر ہوئے اب اس آیت کریمہ میں اس کی حکمت بیان فرمائی جا رہی ہے کہ ہم نے جنت ودوزخ دونوں ہی کو بھرنا ہے اس لئے دونوں قسم کی مخلوق رہنی چاہئے مومنین بھی کفار بھی۔

تفسیر

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِنَا چونکہ اس مضمون کے انکاری بہت تھے بھی اور ہیں بھی کہ کفار اپنے کفریہ عقیدوں کو نجات کا سبب سمجھتے ہیں اس لئے اس کو اِنَّ سے شروع فرمایا گیا حق یہ ہے کہ **الَّذِيۡنَ** سے مراد کفار انسان بھی ہیں اور کافر جنات بھی کیونکہ دوزخ جن وانس سارے کافروں کے لئے ہے **كَفَرُوۡا** سے مراد یا تو حضور ﷺ کے زمانے کے کفار ہیں یہود عیسائی وغیرہ یا اولین وآخرین سارے کافر مراد ہیں پہلی صورت میں آیات سے مراد قرآن کریم کی آیتیں حضور ﷺ کے معجزات اور آپ کے سارے فرمان عالیہ ہیں اور دوسری صورت میں تمام آسمانی کتابوں وصحیفوں کی آیتیں اور سارے نبیوں کے معجزات وغیرہ ہیں کیونکہ اگر صرف آیات قرآنی یا آسمانی کتب کی آیات ہی مراد ہوں تو لازم آوے گا کہ بہت سے کفار اس سزا سے نکل جاویں حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ مگر آسمانی کتب صرف چار اور صحیفے ایک سو دس بہت سے پیغمبر کتاب وصحیفہ کچھ بھی نہ لائے ان کے منکر کفار آیات کتاب کے منکر نہ تھے نیز فرعون وہامان نے بھی آیات توریت کا انکار نہ کیا کہ توریت تو ان کے ڈوبنے کے بعد آئی ہاں ان سب نے اپنے اپنے نبیوں کے معجزات وصفات کا انکار کیا بہرحال یہاں آیات سے مراد چھ چیزیں ہیں قرآنی آیات کتب آسمانی کی آیات حضرات انبیاء کرام کے معجزات ان کے کمالات ان کی

صفات کہ یہ سب آیات الٰہیہ یعنی اللہ کی نشانیاں ہیں ان میں سے ہر ایک کا انکار کفر ہے۔ خیال رہے کہ یہاں آیات سے مراد جنس آیت ہے کیونکہ ایک آیت کے منکر کا بھی وہی عذاب ہے جو ساری آیتوں کے منکر کا ہے یعنی جن انسانوں یا جنات نے ہماری ساری یا بعض آیتوں کا انکار کیا۔ تو خیال رہے کہ قرآنی آیات کے انکار کی دو صورتیں ہیں ایک الفاظ آیات کا انکار دوسرے معانی و احکام آیات کا انکار جو کوئی اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ میں صلوٰت کے معنی صرف دعا کرے نماز کا انکار کرے یا خاتم النبیین کے معنی کرے اصل نبی اور حضور کے آخری نبی ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے کہ آیات قرآنیہ کا منکر ہے انکار معنوی کرتا ہے۔ سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ۔ یہ عبارت اِنَّ کی خبر ہے سوف اور (س) کبھی ڈرانے کیلئے آتے ہیں۔ رب فرماتا ہے سَاُصْلِيهِ سَقَرَ (مدثر: ۲۶) اور کبھی وعدے اور امید دلانے کیلئے رب فرماتا ہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (الضحیٰ: ۵) اور فرماتا ہے سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ (یوسف: ۹۸) یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی ڈرانے اور دھمکانے کیلئے نُصْلِيْ صَلْوٌ سے بنا بمعنی تپانا و گرم کرنا اس لئے بھنی بکری کو شَاةٌ مُصْلِيَةٌ کہتے ہیں یہاں مراد ہے تپانے جلانے بھوننے کے لئے داخل کرنا نار سے مراد دوزخ کی آگ ہے خواہ قبر و برزخ میں ہو جہاں کافر مرتے ہی پہنچتا ہے یا جہنم میں جہاں کافر بعد قیامت پہنچے گا یعنی ہم اسے دوزخ کی آگ میں عنقریب تپانے کے لئے داخل کریں گے خیال رہے بھوننے کیلئے دوزخ میں داخلہ کافروں کا ہی ہوگا مومن کا داخلہ گناہوں سے صاف ہونے کے لئے ہوگا۔ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا: كُلَّمَا تکرار دوامی کے لئے ہے سے نَضِجَتْ نَضْجٌ سے بنا بمعنی گوشت کا ہانڈی میں پک جانا یا کباب کے طور پر گل جانا پھل وغیرہ پکنے کو بھی نضج کہہ دیتے ہیں نضیج الرای اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی رائے پختہ اور مضبوط ہو یہاں دوسرے معنی میں ہے جلود جلد کی جمع ہے بمعنی کھال بدن اور بدن کا چھلکا کبھی جسم کو بھی جلد کہہ دیتے ہیں خیال رہے کہ جلد بکسر جیم کھال ہے اور جَلد بفتح جیم کوڑا جو کھال پر پڑے مجازاً لباس کو بھی جلد کہہ دیتے ہیں بعض لوگوں نے یہاں یہ ہی معنی کئے ہیں مگر یہ صحیح نہیں جب تک حقیقی معنی بن سکتے ہوں بلاوجہ مجازی معنی لینا جائز نہیں یہاں بمعنی کھال ہی ہے تبدیل سے مراد یا تو وصفاً بدلنا ہے کہ مادہ ایک ہی رہے اور شکل بدل جائے مثلاً پہلے کھال کالی ہوگئی تھی اب سفید کر دی جائے وہ مردہ ہو چکی تھی جس سے احساس جا رہا تھا اب پھر زندہ کر دی جائے کہ احساس پیدا ہو جائے اور یا ذاتی تبدیلی مراد ہے اس طرح کہ پہلی کھال جل کر بیکار ہو جائے پھر گوشت میں سے ہی نئی کھال پیدا ہو جائے جیسے دنیا میں بھی مردار کھال چھیل دیتے ہیں تو نیچے سے نئی کھال نمودار ہو جاتی ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں باہر سے لا کر نئی کھال پہنا دی جائے لہٰذا آیت بالکل صاف ہے غیر سے مراد یا ذاتاً غیر ہے یا وصفاً غیر جیسے تبدیل کے معنی ویسے ہی غیر کے معنی یعنی جب کبھی ان دوزخی کفار کی کھالیں گل کر پک کر جل جائیں گی تو ہم دوسری کھالیں تبدیل کر دیں گے حدیث شریف میں ہے کہ یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پڑھی گئی سیدنا معاذ ابن

جبرئیل بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے پوچھا کہ تمہیں اس کی تفسیر معلوم ہے فرمایا ہاں ہر ساعت میں سو بار کھال بدلی جائے گی جناب عمر نے فرمایا میں نے حضور علیہ السلام کو یہی فرماتے سنا ہے (بغوی وخازن) لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۔لام بمعنی کے ہے یہ عبارت بَدَّلْنَا کے متعلق ہے ذوق کے معنی چکھنا ہیں مگر ایسے مقام پر برداشت کے معنی میں ہوتا ہے یہ جملہ دوام کے لئے ہے یَذُوْقُوا کا فاعل وہی کفار ہیں جن کا ذکر پہلے سے ہورہا ہے عذاب سے مراد دوزخ کے سارے عذاب ہیں جن کا تعلق ظاہر جسم سے ہے آگ کی جلن زہریلے جانوروں کا ڈنگ کھولتے پانی کی سوزش وغیرہ یعنی تبدیلی کھال اس لئے ہوتی رہے گی تاکہ وہ دوزخ کے عذاب برابر چکھتے اور برداشت کرتے رہیں ہر آن ان کو نئی تکلیف ہو، جلی اور گلی کھال کی بے حسی کی وجہ سے عذاب کے احساس میں کمی نہ ہو، چونکہ ان دوزخی کفار کو عذاب کی تکلیف ہمیشہ اتنی ہی محسوس ہوگی جتنی شروع میں محسوس ہوتی تھی دنیا کی طرح یہ نہ ہوگا کہ اوّلاً زیادہ تکلیف محسوس ہو بعد میں عادت پڑ جانے پر احساس اس قدر نہ رہے اس لئے یہاں لِیَذُوْقُوا دوام استمراری کی طور پر ارشاد ہوا یعنی تاکہ چکھتے رہیں چکھنا اوّل ذائقہ کو کہا جاتا ہے بعد میں کھانا بولا جاتا ہے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا یہ نیا جملہ ہے جو پہلے مضمون کی تاکید کے لئے لایا گیا کَانَ دوام اور استمرار کیلئے ہے۔عزیز کے معنی غالب بھی ہیں اور قادر بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں حکیم حکمت سے بنا جو عبث کے مقابل ہے یعنی یہ عذاب یقیناً ہوگا اللہ تعالیٰ غالب اور قادر ہے وہ بندوں کو اس قسم کے عذاب دے سکتا ہے اسے بدلہ لینے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی حکمت والا بھی ہے اس قسم کی سزا دینے میں اس کی لاکھوں حکمتیں ہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ قرآن کریم سزاؤں کے ساتھ ثوابوں کا ذکر فرماتا ہے اور کفار کے ساتھ مومنین کا تاکہ قرآن پڑھنے والا کفار کے عیوب سے بچے اور مومنین کی صفات اختیار کرے الَّذِيْنَ سے مراد صرف انسان ہیں جنات اور فرشتے اس میں داخل نہیں کیونکہ اگلا ثواب صرف انسانوں کیلئے ہے اٰمَنُوْا سے مراد بلا واسطہ و بالواسطہ یعنی حقیقی و حکمی دونوں ایمان ہیں للہذا مسلمانوں کے ناسمجھ فوت شدہ بچے اس میں داخل ہیں اٰمَنُوْا سے مراد یا حضور کی امت والے ہیں یا سارے انبیاء کرام کی امتیں جوان پر ایمان لائیں جیسے كَفَرُوْا کے معنی تھے ویسے اٰمَنُوْا کے معنی ہوں گے نیک اعمال سے مراد بقدر طاقت تمام نیکیاں ہیں یعنی جو انسان ایمان اور نیک اعمال دونوں اختیار کرے تو سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۔یہ عبارت الَّذِيْنَ کی خبر ہے س استقبال قریب کیلئے آتا ہے اگرچہ جنت کا یہ داخلہ بعد قیامت ہوگا اور قیامت ہم کو دور معلوم ہوتی ہے لیکن رب کے نزدیک وہ بہت ہی قریب ہے کہ اس عالم کا ایک دن یہاں اس دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (حج:۴۷) یا چونکہ ہر جانے والی چیز دور ہے اگرچہ ہمارے پاس ہی ہو اور ہر آنے والی چیز قریب ہے اگرچہ ہم سے دور معلوم ہوتی ہو دنیا دور ہے کہ جارہی ہے آخرت نزدیک ہے کہ آرہی ہے اس لئے ارشاد فرمایا گیا۔رب فرماتا ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (قمر:۱) قیامت

قریب آ گئی اگر چہ مومنوں کو جنت میں لے جانا وہاں داخل کرنا پہچانا فرشتوں کا کام ہے مگر چونکہ ان کے وہ سارے کام بحکم الٰہی ہوں گے اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا ہم داخل کریں گے جَنّٰتٍ جنت کی جمع ہے بمعنی گھنا باغ جس کے نیچے کی زمین نظر نہ آئے تَحْتِهَا کا مرجع جنت ہے انہار سے مراد دودھ شراب طہور شہد وغیرہ کی نہریں ہیں یہ نہریں نکلتی اور جگہ سے ہیں مگر بہتی ہیں باغوں میں یہاں سے پھوٹتی اور ابلتی نہیں اس لئے تَجْرِیْ ارشاد ہوا یعنی ان کو ایسے باغوں میں بعد قیامت داخل فرمائیں گے جن کے نیچے دودھ وغیرہ کی نہریں بہہ رہی ہیں خیال رہے کہ مومن کی قبر میں جنت آتی ہے کہ وہاں کی ہوائیں اور پھل یہاں پہنچتے ہیں اور بعد قیامت مومن جنت میں پہنچیں گے لہٰذا آیت صاف ہے۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا یہ عبارت سَنُدْخِلُهُمْ کی ضمیر سے حال ہے خلود کے معنی ہمیشگی بھی ہے اور دراز قیام بھی یعنی بہت ٹھہرنا مگر جب اس کے بعد اَبَدًا آ جائے تو اسکے معنی ہمیشگی ہی ہوتے ہیں چونکہ یہاں اَبَدًا موجود ہے لہٰذا خلود اسی معنی میں ہے اگر چہ یہاں جنتیوں کی ہمیشگی بیان کی گئی مگر اس سے خود جنتوں کی ہمیشگی بھی سمجھ میں آ گئی وہاں کا ہر درخت ہر پھل بلکہ پانی کے ہر قطرہ کو ہمیشگی ہے کہ کھا لینے پر بھی فنا نہ ہوگا حضور فرماتے ہیں کہ اگر ہم جنت کا خوشہ توڑ لیتے تو تم قیامت تک اسے کھاتے رہتے رب فرماتا ہے اُكُلُهَا دَآئِمٌ (الرعد:۳۵) اس کے پھل ہمیشہ ہیں۔ لَهُمْ فِیْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ یہ جنتیوں کی دوسری نعمت کا ذکر ہے لَهُمْ کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا کہ ہر جنتی کی بیوی ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گی نہ مرے نہ طلاق سے علیحدہ ہو کیونکہ وہاں موت یا طلاق نہیں ازواج جمع زوج کی ہے زوج خاوند کو بھی کہتے ہیں بیوی کو بھی یہاں بمعنی بیوی ہے چونکہ بیوی مرد کیلئے راحت کا ذریعہ ہے اس لئے قرآن کریم ہر جگہ یہی فرماتا ہے کہ جنتی مردوں کیلئے بیویاں ہوں گی یہ نہیں فرماتا کہ جنتی عورتوں کیلئے خاوند ہوں گے ازواج سے مراد یا چند بیویاں ہیں یا چند قسم کی بیویاں اپنی دنیاوی بیوی جو اس کے نکاح میں فوت ہوئی اور کنواری جنتی لڑکیاں نیز کافروں کی مومنہ بیویاں اور حوریں یہ تمام کی تمام جنتیوں کے نکاح میں دی جائیں گی حق یہ ہے نکاح ان کا ہو چکا ہے وہاں تو ملاقات ہی ہوگی رب فرماتا ہے زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ (الدخان:۵۴) اور حضور فرماتے ہیں کہ جب کوئی عورت اپنے خاوند سے لڑتی ہے تو جنت سے اس کی بیوی حور پکارتی ہے کہ اسے مت ستا یہ تیرے پاس مہمان ہے ہمارے پاس آنے والا ہے مُّطَهَّرَةٌ سے مراد ہر طرح سے پاک اور صاف کی ہوئیں۔ حیض، نفاس و تھوک رینٹ میل وغیرہ تمام ظاہری گندگیوں سے بھی پاک بدخلقی خاوند کی نافرمانی بے حیائی جھگڑے وغیرہ باطنی عیوب سے بھی پاک یعنی ان کے لئے ان جنتیوں میں پاک صاف بیویاں بھی ہیں وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا یہ جنت کی تیسری نعمت کا ذکر ہے ظِلّ کے معنی ہیں سایہ ظَلِیْلًا کے معنی یا گھنا سایہ ہے جس میں دھوپ چھن کر کہیں نہ آئے یا دائمی سایہ کہ کبھی فنا نہ ہو چونکہ ملک عرب میں درخت بہت ہی کم ہوتے ہیں اور ہوتے بھی ہیں تو کھجور، ببول وغیرہ بے سایہ اس لئے وہاں سایہ بہت پیارا ہے حتیٰ کہ بعض ہوٹلوں میں سایہ کے پیسے بھی لئے جاتے ہیں بعض منزلوں پر دیوار کے سایے

میں بیٹھنے کے پیسے لئے جاتے ہیں اس لئے خصوصیت اس نعمت کا ذکر فرمایا گیا ورنہ یہ تو جَنّٰتٍ فرمانے سے ہی معلوم ہو گیا تھا یعنی ہم ان کو گھنے اور دائمی سایے میں جگہ دیں گے جہاں سورج ہی نہ ہوگا۔

خلاصہ تفسیر بے شک وہ لوگ جنہوں نے ہمارے قرآن کی آیتوں محبوب کے فرمانوں اور ان کے معجزات کا انکار کیا یا ہمارے نبیوں کے معجزات و احکام کا انکار کیا ہم انہیں عنقریب دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں تپانے کے لئے پہنچائیں گے وہاں ان کی کیفیت یہ ہوگی کہ جب وہ کبھی ان کفار کی کھالیں پک کر جل جائیں گی کہ ان میں جلن محسوس کرنے کا مادہ نہ رہے گا تو ہم اسی وقت ان کھالوں کو دوسری کھالوں میں تبدیل کر دیں گے یا اس طرح کہ انہی کھالوں کو پھر زندہ کر دیں گے یا اس طرح کہ وہ کھال اتار دیں گے اور ان کے گوشت پر دوسری کھال بنا دیں گے یہ تبدیلی کھال اس لئے ہوگی تا کہ وہ ہمیشہ عذاب چکھتے ہی رہیں کبھی اس میں فرق نہ آنے پائے اللہ تعالیٰ غالب ہے یہ سب کچھ کر سکتا ہے اسے کوئی کسی قسم کی سزا دینے سے روک نہیں سکتا حکمت والا بھی ہے۔ نجات کے متعلق لوگوں کے مختلف خیال تھے اور ہیں ایک یہ کہ نجات اور جنت کے لئے نہ ایمان کی ضرورت ہے نہ نیک اعمال کی صرف اولاد انبیاء ہونا یا پیروں درویش کو راضی کر لینا کافی ہے عام علماء یہود و نصاریٰ کا یہ ہی خیال ہے دوسرے یہ کہ نجات کے لئے صرف نیک اعمال کافی ہیں ایمان کی ضرورت نہیں جس مذہب میں رہ کر اچھے عمل کر لو بخشے جاؤ گے مولوی ابوالکلام آنجہانی نے یہ بھی لکھا اپنی تفسیر سورۂ فاتحہ میں تیسرے یہ کہ نجات کے لئے صرف ایمان کافی ہے عمل کی ضرورت نہیں اور ان کے نزدیک ایمان نام ہے دعویٰ محبت اہل بیت کا۔ یہ عقیدہ آج کل عام بھنگی پوستی فقیروں عام جاہل روافض کا ہے اس آیت میں ان تینوں خیالات کی تردید ہے اسلام میں نجات پھل ہے ایمان جڑ نیک اعمال شاخیں جیسے پھل کے لئے جڑ و شاخوں دونوں کی ضرورت ہے ایسے ہی نجات کے لئے ایمان و اعمال دونوں ضروری ہیں اس لئے یہ ارشاد ہوا کہ رہے وہ انسان جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال بھی نیک کیے ہم انہیں ثواب کے لئے ایسے گھنے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے دودھ، شہد، پانی شرابًا طہورا وغیرہ کی نہریں جاری ہیں جنتی ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے نہ وہ مر کر یا تبدیل ہو کر وہاں سے نکلیں نہ ان باغوں میں کبھی خزاں وغیرہ آئے اس کے ساتھ ہی ان کو ہر طرح کی صاف اور پاک بیویاں عطا فرمائی جائیں گی جو ہر ظاہری و باطنی گندگی سے پاک ہوں گی ہم انہیں ایسے آرام دہ سائے میں رکھیں گے جو گھنا بھی ہے اور دائمی بھی کہ وہاں نہ سورج ہوگا نہ دھوپ حدیث شریف میں ہے کہ دوزخی کی کھال اتنی موٹی ہوگی کہ اس کی موٹائی میں سوار تین دن چلے اور اس کی داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی (مسلم عن ابی ہریرۃ و تفسیر خازن)۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دوزخ کے یہ مذکورہ عذاب صرف کافروں کیلئے ہیں گنہگاروں مومن کو ان سے محفوظ رکھا جائے گا۔ ان کا عذاب نہایت ہلکا اور خفیہ ہوگا جیسا کہ کَفَرُوْا سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** حضور ﷺ کا انکار رب کی تمام

آیتوں تمام نبیوں کے معجزات کا انکار ہے جیسا کہ بِاٰیٰتِنَا سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: دوزخ میں کفار کا داخلہ وہاں جلنے تپنے کے لئے ہوگا مومن گناہگار کا داخلہ گناہوں کی میل سے صاف ہونے کیلئے ہوگا بھٹی میں کوئلہ بھی جاتا ہے گندالوہا بھی اور سونا بھی مگر دخول کی نوعیت میں فرق ہے جیسا کہ نُصْلِیْهِمْ سے معلوم ہو۔ **چوتھا فائدہ**: دوزخ میں اصل عذاب آگ کا ہی ہے خواہ ٹھنڈا عذاب ہو یا گرم وہاں کا ٹھنڈا عذاب آگ کی دوری سے ہے اور گرم عذاب آگ کے قرب سے یہ فائدہ نارًا سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: دوزخ کی آگ اگرچہ کافر کے ہر عضو پر پہنچے گی رب فرماتا ہے تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ (الھمزہ:۷) مگر جلائے گی صرف کھال کو اسکے علاوہ کوئی عضو نہ جلے گا یہ فائدہ جُلُوْدُهُمْ سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: کافر دوزخی کی کھال کا جلنا صرف ایک بار نہ ہوگا بلکہ بار بار ہوگا جیسا کہ كُلَّمَا سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: کافر دوزخی کے احساس عذاب میں کبھی کمی نہ ہوگی اسے جتنی تکلیف داخلے کے وقت ہوگی اتنی ہی ہمیشہ رہے گی یہ فائدہ لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: کافر کو اس قدر تکلیفوں کے باوجود موت نہ آئے گی یہ بھی لِيَذُوْقُوْا سے فائدہ حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: جنت میں داخلے کے لئے ایمان اور نیک اعمال دونوں ہی کی ضرورت ہے اگر جنت لینی ہے تو نیکیاں کرو یہ فائدہ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ**: ہر جنتی اپنے حصے کی جنت بھی لے گا اور کفار کے حصے کی جنتوں اور نہروں پر بھی قبضہ کرلے گا یہ فائدہ جنت اور انہار کی جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ **گیارھواں فائدہ**: جنتیوں جنتوں اور وہاں کے ہر پھل اور ہر قطرے کو دوام ہے کسی کیلئے فنا نہیں یہ فائدہ اَبَدًا سے حاصل ہوا۔ **بارھواں فائدہ**: جنتی بیویاں ہر قسم کی ظاہری باطنی، جسمانی، دلی، روحانی گندگیوں سے پاک ہیں۔ یہاں کی کالی عورتیں بھی وہاں حوروں سے زیادہ حسین ہوں گی کیونکہ ان پر عبادات کا حسن بھی ہوگا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یہ فائدہ مُطَهَّرَةٌ سے حاصل ہوا۔ **تیرھواں فائدہ**: ہر ایک جنتی کو کئی قسم کی بیویاں عطا ہوں گی جیسا کہ اَزْوَاجٌ جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ **چودھواں فائدہ**: جنت میں سورج نہ ہوگا نہ وہاں دھوپ تجلی الٰہی کی روشنی ہوگی رب فرماتا ہے وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (الزمر:۶۹) یہ فائدہ ظَلِيْلًا کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص ساری آیتوں کا انکار کرے وہ دوزخی ہو تو کیا ایک دو آیتوں کا منکر دوزخی نہیں۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ ایک آیت کا انکار ساری آیتوں کا انکار ہے ارکان ایمان جال کے پھندوں کی طرح ہیں ایک پھندا کھلا سارے پھندے کھل گئے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا صرف کفار ہی دوزخ میں جائیں گے تو کیا گنہگار مسلمان دوزخی

نہیں۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی دوزخ میں جائیں گے۔ **جواب:** بے شک دوزخ میں تپنے اور جلنے کیلئے صرف کفار ہی جائیں گے گنہگار مسلمان پاک وصاف ہونے کیلئے جائیں گے نہ کہ جلنے کیلئے اسلئے یہاں نُصْلِیْ ارشاد ہوا۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے کفار آگ میں ہی جائیں گے تو دوزخ کے ٹھنڈے طبقوں میں کون جائے گا۔ **جواب**: وہاں بھی کفار ہی جائیں گے مگر وہاں جانا آگ میں ہی جانا ہے جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دوزخی کی کھال ایک نہ رہے گی بلکہ کھالوں کا تبادلہ ہوتا رہے گا بعد والی کھالیں بے گناہ تھیں تو انہیں عذاب کیوں دیا گیا اور پہلی کھال کا عذاب ختم کیوں ہو گیا یہ خلود کے خلاف ہے۔

جواب: اس کے تین جواب تفسیر سے معلوم ہو چکے ایک یہ کہ خود کھال نہ بدلے گی بلکہ کھال کا حال بدلے گا اس طرح کہ مردار کھال کو زندگی دے دی جائے گی سیاہ کھال کو سفید کر دیا جائے گا دوسرے یہ کہ کھال کی ذات ہی بدلے گی مگر اسے نئی کھال نہ پہنائی جائے گی بلکہ اس کا گوشت ہی کھال بن جائے گا جیسے آج مردار کھال کے نیچے نئی کھال نمودار ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ مان لیا جائے کہ نئی کھال ہی پہنائی جائے گی تو کھال بذات خود عذاب نہیں پاتی عذاب تو ذات کافر کو ہوا وہ ایک ہی ہے اور ہمیشہ ہے جسے قرآن کریم فرماتا ہے وَ سُقُوْا مَاءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَ هُمْ (محمد: ۱۵) یعنی دوزخیوں کو کھولتا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتیں کاٹ کر نکال دے گا۔ اب دیکھو آنت کٹ کر نکل جائے گی دوسری آنت اسی وقت بن جائے گی۔

لطیفہ تفسیر روح البیان نے بحوالہ شرح بخاری مصنفہ علامہ سفیری اس جگہ بیان کیا قیامت کے دن روح اور جسم جھگڑیں گے جسم کہے گا میں تیرے بغیر درخت کی شاخ کی طرح تھا نا قابل گناہ تو نے مجھ سے گناہ کرائے روح کہے گی میں تیرے بغیر ایک ہوا تھی تیرے بغیر گناہ نہ کر سکتی تھی سزا تجھے چاہئے نہ کہ مجھے رب تعالیٰ اس فیصلے کے لئے ایک فرشتہ بھیجے گا جو ان دونوں سے کہے گا کہ ایک اندھے کے کندھے پر آنکھ والا لنگڑا بیٹھ کر باغ میں چوری کرے تو بتاؤ سزا کسے ملے گی۔ وہ دونوں بولے (روح اور جسم) کہ اندھا اور لنگڑا دونوں سزا کے مستحق ہیں فرشتہ کہے گا جسم اندھا ہے اور روح لنگڑی دونوں نے مل کر گناہ کئے لہٰذا دونوں دوزخ میں جاؤ (روح المعانی)۔

پانچواں اعتراض: کھال کی تبدیلی کی ضرورت کیا ہے ایک ہی کھال ہمیشہ سزا پا سکتی ہے۔ **جواب**: اس میں ہزارہا حکمتیں ہیں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس تبدیلی سے دوزخی کی نا امیدی بڑھے گی اور اس کے عذاب میں اضافہ ہو گا۔ ہر تبدیلی کے وقت اس کی تکلیف کے احساس میں بہت زیادتی ہو جائے گی اسی لئے یہاں ارشاد ہوا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ۔

چھٹا اعتراض: یہ عقل میں نہیں آتا کہ ایسی سخت آگ میں رہ کر بھی کافر کو موت نہ آئے اور اس کا جسم جل نہ

جائے راکھ نہ ہو جائے۔ **جواب**: اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے دیکھو زمین میں لوہا یا فولاد دفن کر دو تو مٹی اس کو گلا کر فنا کر دیتی ہے مگر دانے کو فنا نہیں کرتی بلکہ اسے ہرا بھرا کر دیتی ہے یہ اس ہی کی قدرت ہے۔

ساتواں اعتراض: یہ عقل میں نہیں آتا کہ جنت کا پھل کھا بھی لیا جائے اور ویسے ہی باقی بھی رہے وہاں کے قطرے پی بھی لئے جائیں پھر بھی وہ ویسے ہی رہیں جیسا کہ تم نے خٰلِدِیْنَ فِیْھَا کی تفسیر میں بیان کیا۔ **جواب**: اس کی مثالیں دنیا کے اندر موجود ہیں ہوا، دھوپ تمام دنیا استعمال کرتی رہتی ہے اور وہ ویسے ہی رہتی ہے اس میں قطعاً فرق نہیں آتا تو اگر وہ نورانی غذا استعمال کے بعد ویسے ہی رہے تو کیا حرج ہے۔

آٹھواں اعتراض: جب جنت میں سورج ہی نہیں تو وہاں سایہ کیسے سایہ سورج سے پیدا ہوتا ہے نیز جہاں دھوپ نہ پہنچے وہ جگہ وبا اور بیماری والی ہو جاتی ہے۔ **جواب**: یا تو یہاں سائے سے مراد جنت کے درختوں کا پھیلاوا ہے کہ اگر سورج ہوتا تو ان درختوں کا سایہ اتنے بیچ میں ہوتا اور ایسا گھنا ہوتا۔ رب فرماتا وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ (واقعہ:۳۰) حدیث شریف میں ہے کہ جنت میں ایک درخت ایسا ہے کہ اسکے سایے میں سو برس سوار دوڑے تو بھی اس کو طے نہ کر سکے یا سائے سے مراد ہے راحت وچین اور پناہ وامان جیسے کہا جاتا ہے۔ بادشاہ اللہ کا سایہ ہے یا اللہ آپکا سایہ ہمیشہ رکھے (روح البیان)۔

نواں اعتراض: قرآن شریف میں یا کفار کی سزاؤں کا ذکر ہوتا ہے یا متقی مومنوں کے ثوابوں کا فاسق گنہگار مومنوں کا کہیں ذکر نہیں آتا چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے بتاؤ بے عمل اور بد عمل مسلمان کہاں جائیں گے۔

جواب: یہ رب کریم کی ستاری ہے کہ اس نے ہم گنہگاروں کا پردہ رکھا ہمارا ذکر فرمایا ہے تو بخشش اور مغفرت کے ساتھ فرمایا لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا (الزمر:۵۳)، ہاں فساق کی دنیاوی سزاؤں کا ذکر قرآن مجید میں ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹ دو زانی کو سو (۱۰۰) کوڑے مارو دو معاملہ آخرت کو پردہ راز میں رکھا حدیث شریف نے فرمایا کہ بعض گنہگار رحمت اور شفاعت کے پانی سے نہا کر اور بعض سزا کی آگ میں صاف ہو کر جنت میں جائیں گے اور ان کی وہاں رسوائی نہ ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ

کفار پر یہ عذاب اور تبدیلی دنیا میں بھی ہو رہی ہے لیکن یہاں انہیں اس کا احساس نہیں بعد موت اس کا احساس ہوگا۔ جیسے بے ہوش کو زخم لگا دیا جائے تو اسے تکلیف تو ہوتی ہے مگر احساس نہیں ہوتا ہوش میں آنے پر درد محسوس کرتا ہے چیختا چلاتا ہے یہاں وہ سو رہے ہیں یا دنیاوی لذتوں میں مدہوش ہیں مرتے ہی آنکھ کھل جائے گی۔ شرک، کفر اور گناہ، سخت تکلیف دہ چیزیں ہیں جن کا ظہور بعد موت ہوگا۔ بندے کو چاہئے کہ شریعت کے موافق نفس اور خواہشات کے خلاف عمل کرے تاکہ اللہ تعالیٰ شریعت کی اکسیر سے اس کے نفسانی ظلماتی تانبے کو روحانی نورانی صفات کی چاندی بنا دے جو اپنے کو دنیا ہی میں اس طرح بدل دے گا تو آخرت میں نہ اس کو عذاب دیا جائے گا نہ اس کی کھال کی تبدیلی ہوگی یہاں حال تبدیل کر لو تاکہ وہاں کھال تبدیل نہ

ہو۔ یہاں شرم وندامت کی آگ میں جل لو تاکہ وہاں اس آگ میں نہ جلو۔

برادر زکارِ بداں شرم دار! کہ در روئے نیکاں شوی شرمسار!

نریزد خدا آبروئے کسے کہ ریزد گناہ آب چشمش بے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو شخص جنت کی مذکورہ نعمتیں چاہتا ہے وہ پانچ چیزوں پر ہمیشہ عمل کرے (۱) اپنے کو گناہوں سے بچائے رکھے (۲) تھوڑی دنیا پر راضی رہے کیونکہ جنت کی قیمت ترک دنیا ہے (۳) اللہ کی اطاعتوں پر حریص رہے ہر قسم کی نیکی کرے نہ معلوم کونسی نیکی اس کو بخشوا دے (۴) نیکوں سے محبت رکھے اور ان کے ساتھ رہے کہ اچھوں کی محبت اور صحبت اچھا کر دیتی ہے۔

امید است از آناں کہ طاعت کنند کہ بے طاعتاں را شفاعت کنند!

یعنی طاعت والے بے طاعتوں کو شفاعت کرکے بخشوالیں گے (۵) اللہ سے دعا زیادہ مانگے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو دعا تیر قضا کے لئے مثل جوشن کے ہے اور تلوار بلا کے لئے مثل زرہ کے

غنیمت شمارند مرداں دعا! کہ جوشن بود پیش تیر بلا (از روح البیان)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ
بیشک اللہ حکم دیتا ہے تم کو یہ کہ ادا کرو تم امانتوں کو ان کے اہل کی طرف اور جب فیصلہ کرو
بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں سپرد کردو اور یہ کہ جب تم لوگوں
بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ
تم درمیان لوگوں کے یہ کہ فیصلہ کرو ساتھ انصاف کے بے شک اللہ بہت اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو
میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو بے شک اللہ تمہیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے
بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾
اسی کی بے شک اللہ ہے سننے دیکھنے والا
بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ نیک اعمال کرنے والے مومنوں کو ہم جنت میں داخل فرمائیں گے اب نیک اعمال کی کچھ تفصیل فرمائی جارہی ہے کہ صرف عبادات ہی نیک اعمال نہیں ہیں بلکہ درستی معاملات بھی ضروری ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی کچھ تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ جنتی کو اس کے اپنے باغات

اور اپنی نامزد بیویاں ملیں گی رب تعالیٰ کسی کا حق دوسرے کو نہ دیگا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اے مسلمانو تم بھی دنیا میں امانتیں مالکوں کو دو یہاں تم امانتیں دو اور وہاں رب سے اپنی امانتیں لو۔ **تیسرا تعلق**: گذشتہ آیتوں میں یہود کی علمی خیانتوں کا ذکر تھا کہ انہوں نے جانتے ہوئے کفار کو مسلمانوں کے مقابلے میں ہدایت یافتہ بتایا یہ توریت کی آیتوں میں بدترین خیانت ہے اب ہم کو حکم ہے کہ تم ان جیسے نہ بن جاؤ ہر مومن علم مال راز وغیرہ کا امانت دار ہے امانت داری سے کام لے خیانت نہ کرے ورنہ وہ بھی یہود جیسا مجرم ہوگا۔

شانِ نزول

عام مفسرین نے اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ لکھا کہ فتح مکہ کا دن ہے حضور سیّد عالم ﷺ فاتحانہ شان سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو عثمان ابن طلحہ حجبی جو قبیلہ بنی عبدالدار سے تھے اور کعبہ معظمہ کے سادن یعنی چابی بردار تھے انہوں نے کعبے کے دروازے میں قفل لگا دیا اور خود چھت پر چڑھ گئے حضور ﷺ نے کعبہ بتوں سے صاف کرنے کے لئے چابی طلب فرمائی لوگوں نے کہا کہ چابی عثمان کے پاس ہے جناب علی مرتضیٰ کو چابی لینے بھیجا گیا عثمان نے انکار کیا اور کہا کہ اگر میں انہیں رسول اللہ سمجھتا ہوتا تو چابی دے دیتا جناب شیر خدا نے ایک ہاتھ سے ان کی گردن پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے ان کا ہاتھ مروڑ کر چابی چھین لی اور فرمایا عثمان ہوش کرو آج تم بلکہ سارے مکہ و کعبہ جناب مصطفےٰ کے راج میں ہو تمہاری کیا طاقت ہے کہ چابی نہ دو اور چابی حضور کی بارگاہ میں حاضر کردی سرکار بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے اور وہاں سے بت نکلوا کر عین کعبہ میں دو رکعت نفل پڑھے جب سرکار کعبے سے باہر تشریف لائے تو حضرت عباس نے عرض کیا کہ حضور سقایت یعنی حاجیوں کو پانی پلانا تو میرے پاس ہے ہی حضور سدانت یعنی کعبے کی کلید برداری بھی مجھے عنایت فرمائی جائے تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ یہ چابی جس کی امانت ہے اس کو پہنچاؤ حضور ﷺ نے علی مرتضیٰ کو حکم دیا کہ چابی عثمان کو دے آؤ جناب علیؓ عثمان کے پاس گھر پہنچے تو معذرت کے ساتھ انہیں چابی واپس دی عثمان بولے کہ تم پہلے گرم تھے اب نرم کیوں ہو گئے تو جناب علی نے انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی عثمان کے دل پر ایسا اثر پڑا کہ فوراً ہی اسلام لے آئے اور انہوں نے اپنی موت کے وقت اپنے بھائی شیبہ کو چابی سپرد کی آج تک وہ چابی شیبہ کی اولاد میں ہے (جلالین، خازن، کبیر، روح المعانی و بیان وغیرہ) مگر اس روایت پر اعتراض یہ ہے کہ ابن عبدالبر، ابن مندہ، ابن اثیر وغیرہ، مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان ابن طلحہ، حدیبیہ کے سال ۸ھ میں خالد بن ولید اور عمرو ابن عاص کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچے اور مسلمان ہو گئے حضور نے خبر دی تھی کہ مکے نے اپنے کلیجے کے ٹکڑے ہماری طرف پھینک دیئے یعنی مکے کے سردار اسلام لا رہے ہیں۔ صلح حدیبیہ فتح مکہ سے دو سال پہلے ہوئی ہے تو ان کا اسلام بھی فتح مکہ سے پہلے ہے۔ حق یہ ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ مسلمان تھے حضور انور ﷺ کے ساتھ تھے آپ نے بخوشی کعبہ کھولا ہاں حضرت عباس نے اس چابی کی خواہش کی تب یہ آیت کریمہ اتری اور حضور نے عثمان سے فرمایا خُذُهَا خَالِدَةً تَالِدَةً یعنی اے عثمان تم یہ چابی لوتا

قیامت تم میں ہی رہے گی اس روایت کو ترجیح ہے (دیکھو تفسیر خزائن العرفان وروح المعانی وبیان وغیرہ)۔

تفسیر اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ ۔ادائے امانت کی قیمت ظاہر فرمانے کے لئے اس آیت کو اِنَّ سے شروع فرمایا گیا۔ یَاْمُرُ اَمْرٌ سے بنا بمعنی تاکیدی حکم کُمْ میں خطاب یا تو حضور ﷺ سے ہے جمع تعظیم کے لئے یا حضور علی وعباس سے یا تمام صحابہ کرام سے یا سارے مسلمانوں سے کیونکہ ہر مسلمان کسی نہ کسی امانت کا امین ہے یہی زیادہ قوی ہے کیونکہ آیت کے الفاظ کے عموم کا لحاظ ہوتا نہ شانِ نزول کی خصوصیت کا اللہ تعالیٰ نے ہم کو احکام مختلف عبارتوں سے دیئے۔نماز وزکوٰۃ کے لئے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ اور روزہ کیلئے فرمایا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ (بقرہ:١٨٣) حج کے لئے فرمایا لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ (آل عمران:٩٧) مگر میراث کیلئے فرمایا یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ (النساء:١١) اور ادائے امانت وعدل کیلئے فرمایا یَاْمُرُکُمْ جس میں نہایت اہتمام معلوم ہوتا ہے کیونکہ امانت وعدل سے دنیا بھی قائم ہے آخرت بھی جس ملک میں امانت وعدالت نہ ہو وہ ملک ویران ہے حضور کا لقب ہے امین رب تعالےٰ نے آسمان وزمین پر امانت ہی پیش فرمائی تھی اس لئے اداءِ امانت کے لئے اتنا اہم حکم دیا کہ ہم اللہ ہونے کی شان سے تم یہ حکم دیتے ہیں۔اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا ۔یہ عبارت یَاْمُرُ کا دوسرا مفعول ہے تُؤَدُّوْا اَدَاءٌ کا مضارع ہے بمعنی ادا کرنا سونپنا سپرد کرنا اَمٰنٰت امانت کی جمع ہے امانت اور امان مصدر ہیں جس کا مادہ اَمْنٌ ہے کبھی امان اس حالت کا نام ہوتا ہے جس میں انسان امن میں ہو اور کبھی اس چیز کا نام ہوتا ہے جس کا انسان کو امین بنایا جائے چونکہ امانتیں بہت سی قسم کی ہیں علم کی، مال کی، عزت وآبرو کی، راز کی بلکہ حق تو یہ ہے کہ ہمارے اعضاء اللہ کی امانتیں ہیں اسلئے اَمٰنٰت جمع ارشاد ہوا اِلٰی کا تعلق تُؤَدُّوْا سے ہے اہل امانت وہ ہیں جو اس امانت کے حق دار ہوں خواہ عام انسان ہوں یا خود رب تعالیٰ یعنی اے مسلمانوں اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو پہنچا دو اس جملہ میں تو ان امانتوں کی ادا کا حکم ہوا جو ہمارے اپنے ذمہ ہوں پھر ان امانتوں کے ادا کرا دینے کا حکم دیا گیا جو کسی کی امانت دوسرے کے ذمہ ہو اور ہم ادا کرا دینے پر قادر ہوں کہ فرمایا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ، واؤ عاطفہ ہے یہ عبارت اَنْ تُؤَدُّوْا پر معطوف ہو کر یَاْمُرُ کا مفعول ہے اور اِذَا ظرفیہ ہے اور یہ عبارۃ اَنْ تَحْکُمُوْا کا ظرف ہے۔تَحْکُمُوْا حکم سے بنا بمعنی فیصلہ اس سے ہے حاکم اور حَکَم سلطنت کی طرف سے جسے فیصلہ کیلئے مقرر کیا جاوے وہ حاکم کہلاتا ہے جسے مدعی مدعا علیہ اپنے فیصلہ کیلئے مقرر کرلیں اسے حَکَم یعنی پنچ کہا جاتا ہے جو فرق عدالت وپنچایت میں ہے وہ ہی فرق حاکم اور پنچ میں کہ حاکم عام لوگوں کا فیصلہ کرتا ہے حکم خاص کا حاکم با اختیار ہوتا ہے حَکَم بے اختیار کہ اگر ان دونوں میں سے کوئی اس کا فیصلہ نہ مانے تو وہ اسے جبراً منوا نہیں سکتا حاکم بادشاہ کی طرف سے مقرر ہوتا ہے حکم خود فریقین کی طرف سے یہاں خطاب یا تو حکام اور پنچوں کو ہے یا سارے مسلمانوں کو ناس سے مراد وہ مدعی مدعا علیہ ہیں جن کا فیصلہ اس حاکم یا حکم کے پاس آیا ہوا

ہے عدل کے لغوی معنی ہیں برابری اور چیزوں میں برابری اس لئے اونٹ کی پیٹھ پر لدے ہوئے دوطرفہ بوجھ کو عدل کہتے ہیں کہ وہ دونوں برابر ہوتے ہیں اگر کم وبیش ہوں تو گر جاویں اصطلاح میں جو فیصلہ ظلم وتعدی سے بچا ہوا ہو وہ عدل ہے یعنی اے حاکمو اور پنچو رب تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم جب لوگوں میں فیصلہ کرو تو ہمیشہ مدعی و مدعا علیہ کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرو یا اے مسلمانو رب تعالیٰ تم سب کو حکم دیتا ہے کہ جب تم لوگوں کے درمیان حاکم یا حکم بنو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کیا کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ یہ نیا جملہ ہے جو گذشتہ حکموں کی اہمیت دکھانے کیلئے ارشاد ہوا لفظ اللہ اِنَّ کا اسم ہے اور بقیہ عبارت اس کی خبر نِعِمَّ فعل مدح یا موصوفہ ہے یا موصوفہ يَعِظُكُمْ الخ یا اس کی صفت ہے یا صلہ۔ يَعِظُ وعظ سے بنا بمعنی نصیحت كُمْ میں خطاب انہی حکام وحکم یا تمام مسلمانوں سے ہے جو ابھی مذکور ہوئے بِهٖ کا مرجع مَا ہے یعنی جس عدل وانصاف و اداءِ اَمَانَات کا حکم تم کو رب تعالیٰ دے رہا ہے یہ بہت اچھی چیزیں ہیں۔ دنیا میں بھی فائدہ مند آخرت میں بھی مفید ان ہی سے گھر کے معاملات ملکی انتظام درست ہوتے ہیں اور ان سے رب تعالیٰ بھی تم سے راضی ہوگا اور مخلوق بھی کیوں نہ ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفت تو یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا ۔ یہ جملہ یا تو نِعِمَّا الخ کی علت ہے یا اس کے خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرانا یا اس پر عمل کرنے والوں کو بشارت سَمِيْعًا بَصِيْرًا کا مفعول پوشیدہ ہے تا کہ عموم پر دلالت کرے یعنی اللہ تعالیٰ تمام بندوں کی ہر بات سننے والا ہے اور ان کا ہر کام دیکھنے والا لہٰذا تمہاری قولی وفعلی اداء امانات اور عدل وانصاف کو بھی دیکھتا سنتا ہے اور تمہاری خیانتوں وظلم وتعدی کو بھی سنتا دیکھتا ہے تمہیں اس پر پوری سزا و جزا دے گا۔

خلاصۂ تفسیر

اے محبوب ﷺ یا اے جماعت صحابہ یا اے سارے مسلمانوں اللہ تعالیٰ تم کو تاکیدی حکم دیتا ہے کہ تم ہر قسم کی مالی، جانی، ایمانی، روحانی، ایقانی، رازداری، ایمانداری کی امانتیں ان کے مستحقوں یا مالکوں یا اہلوں یا ان کے لائق ہستیوں کو ادا کر دو علماء فرماتے ہیں کہ امانتیں تین قسم کی ہیں اللہ تعالیٰ کی امانتیں کہ انسان کے اعضاء رب کی امانات ہیں ان سے اللہ کی اطاعت کرنا امانت داری ہے ان سے برے کام اس کی خیانت اس میں ساری نیکیاں کرنا اور سارے گناہوں سے بچنا داخل ہے۔ اپنے نفس کی امانت داری کہ ہم پر نفس کے حقوق ہیں وہ ادا کرنا امانت ہے اس کے خلاف کرنا خیانت ہے، جائز طور پر کھانا سونا آرام کرنا امانت داری ہے بھوکا رہ کر ہلاک ہو جانا وغیرہ خیانت لوگوں کی امانت ودیعت، عاریۃً ادا کرنا بال بچوں کے حق انہیں دینا امانت داری ہے اس کے خلاف کرنا خیانت ہے (خازن) اور اے حاکموں اے پنچو اللہ تعالیٰ تم کو سخت تاکیدی حکم دیتا ہے کہ جب بھی تم فریقین میں فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے کرو کسی کی رعایت ومروت میں دوسرے پر ظلم نہ کرو یا اے مسلمانو رب تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ جب تم حاکم یا پنچ بنو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ علماء فرماتے ہیں کہ حاکم و پنچ فریقین کے درمیان پانچ باتوں میں برابری کرے [illegible] دونوں کے درمیان بیٹھے۔ دونوں پر یکساں توجہ

کرے۔ دونوں کی بات یکساں سنے۔ حق حقدار کو دے (کبیر و خازن) حتیٰ کہ دوران مقدمہ کسی ایک کے گھر نہ دعوت کھائے نہ جائے اگر کھائے یا جائے تو دونوں کے گھر یکساں کسی کا ہدیہ قبول نہ کرے کہ یہ رشوت ہے کسی ایک کی دعوت نہ کرے اگر کرے تو دونوں کی (تفسیر کبیر) اے لوگو تم کو جو یہ احکام دیئے گئے یہ بہت ہی اچھے حکم ہیں جن سے دنیا و دین دونوں قائم ہیں ان پر عمل کر کے تم خلق کو راضی خالق کو خوش کر لو گے کیوں نہ ہو کہ یہ اللہ سمیع و بصیر کے دیئے ہوئے احکام ہیں۔ یہ سمجھ کر تم عدل و انصاف کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ہر بات سن رہا ہے اور تمہارے ہر کام کو دیکھ رہا ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ سے بہت قریب عادل حاکم ہے اور بہت دور ظالم حاکم ترمذی و خازن۔ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن عادل حکام نور کے ممبروں پہ ہوں گے (مسلم خازن) حضور نے حضرت علی سے فرمایا کہ فریقین میں بول چال اور عمل برتاوا سب میں برابری کرو (روح المعانی) خیال رہے کہ کفار حاکم یا بادشاہ بنتے ہیں۔ دولت حاصل کرنے عیش کرنے کوٹھیوں میں رہنے رعایا کا مخدوم بننے کے لئے مگر مومن بادشاہ یا حاکم بنتا ہے عدل و انصاف کرنے اسلام کو فروغ دینے لوگوں کو آرام دلانے رعایا کا خادم بننے کے لئے رب فرماتا ہے **اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ** الخ (حج:41) ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

سروری در دین ما خدمت گری است — عدل فاروقی و فقر حیدری است

جیسے کافر و مومن کی امیری و سلطانی میں فرق ہے ایسے ہی مومن و کافر کی فقر و غنیٰ کھانے سونے بلکہ جینے مرنے میں فرق ہے کہ کافر کی یہ تمام چیزیں نفس کے لئے ہیں مومن کا یہ سب کچھ اللہ کیلئے **اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** (انعام:162)۔

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: امانت کسی کی بھی ہو اس کو دی جاوے مسلمان کی ہو یا کافر ذمی کی یا کافر حربی کی دوست کی یا دشمن کی حضور ﷺ جب ہجرت کر کے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو حضرت علی کو اپنے ساتھ نہ لیا ان سے فرمایا کہ انہی خونخوار کفار کی جو مجھے قتل کرنے کیلئے میرا گھر گھیرے کھڑے ہیں ان کی امانتیں میرے پاس ہیں اے علی ان کی امانتیں انہیں سپرد کر کے مدینہ آجانا حضور ﷺ کو تمام عرب محمد امین کہتے تھے خیانت کسی کی بھی جائز نہیں جیسا کہ **اِلٰى اَهْلِهَا** کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: امانت صرف مال کی نہیں بلکہ بہت قسم کی ہے احکام خداوندی کی بھی امانت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** (احزاب:72) ہم نے آسمانوں و زمین پر امانت پیش فرمائی وہ امانت کیا تھی شرعی احکام یا عشق الٰہی یا خوف الٰہی و عشق مصطفوی جیسا کہ امانات جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ ان سب میں امانت داری چاہئے۔ **تیسرا فائدہ**: بادشاہوں کو چاہئے کہ حکومت اہلوں کے سپرد کریں نااہلوں کو نہ دیں کہ یہ بھی خیانت ہے حضور فرماتے ہیں کہ جب نااہلوں کو امانت سپرد کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار

کرو علماء کو چاہئے کہ ہر قسم کا علم اس کے اہل کو سکھائیں اپنی قبر میں چھپا کر علم نہ لے جائیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی امانت ہے جو ان کی امت کو دی جاوے۔ مشائخ پر فرض ہے کہ وہ اسرار کی امانت اہل کو دیں چھپا کر نہ لے جاویں یہ تمام احکام اس آیت سے ماخوذ ہیں۔ **چوتھا فائدہ**: غافل انسان درحقیقت خائن ہے کہ اپنی نفس کی بھی خیانت کرتا ہے اپنے رب کی بھی مسلمان اس ڈاکیہ کی طرح ہے جو ڈاک کا تھیلہ لے کر دفتر سے چلے جس میں سیکڑوں کی امانتیں ہیں اگر ایک منی آرڈر یا پارسل غلط تقسیم ہو گیا تو اس کی پکڑ ہے کامیاب ڈاکیہ وہ ہے جو سب کی امانتیں درست طور پر تقسیم کر کے لوٹے کامیاب مسلمان وہ ہے جو تمام کے حقوق ادا کر کے اپنے گھر یعنی قبر میں جاوے۔ **پانچواں فائدہ**: ہر حاکم ہر پنچ پر عدل وانصاف فرض ہے عدالت میں اپنے پرائے دوست دشمن، مومن کافر کا فرق نہ کرے مسلمان اس وصف میں بہت مشہور تھے یہ فائدہ **اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: ہر مسلمان کو خود اپنے معاملہ میں بھی عدل وانصاف کرنا چاہئے جب کسی سے لڑائی ہو جاوے اور تم قصور وار ہو تو اپنا قصور مان لو اس سے معافی چاہ لو۔ یہ فائدہ بھی **اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: امانت داری اور عدل وانصاف ایسے اعمال ہیں جن کا فائدہ انسان کو دنیا میں بھی حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی جیسا کہ **نِعِمَّا** کے عموم سے معلوم ہوا۔ عدل کا فائدہ کفار نے بھی اٹھایا آج تک نوشیرواں کا نام بھلائی کے ساتھ زندہ ہے حالانکہ وہ کافر تھا کیوں عدل وانصاف کی وجہ سے۔

زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل　　　گرچہ بسے گذشت کہ نوشیرواں نماند

آٹھواں فائدہ: اپنی بیویوں، اولاد آس پڑوسیوں سب کے ساتھ عدل وانصاف کرنا ضروری ہے اپنی زندگی میں اور مرے بعد انصاف کرو کہ حق المیراث سب کو دو یہ فائدہ بھی **اَنْ تَحْكُمُوْا** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: تم نے اس کے شان نزول میں بیان کیا کہ حضرت علی نے کعبہ معظمہ کی چابی حضرت عثمان ابن طلحہ سے جبراً چھینی تو یہ چابی امانت نہ ہوئی بلکہ غنیمت ہوئی کیونکہ جنگ میں کفار سے چھینا ہوا مال غنیمت ہوتا ہے نہ کہ امانت پھر رب نے اسے امانت کیوں فرمایا اور اس کے واپس کرنے کا کیوں حکم دیا۔ **جواب**: اگر یہ روایت صحیح ہو تو یہ واپسی شرعی حکم نہ تھا بلکہ رب تعالیٰ کا خاص کرم تھا اس کی مرضی یہ نہ تھی کہ حضرت عثمان سے یہ چابی لی جاوے نیز حضور ﷺ کا منشاء بھی یہی تھا اس کی چابی کے ذریعے عثمان کے دل کا قفل کھلے اس لئے حضرت علیؓ اس چابی پر قبضہ کرنے کے بعد بھی مالک نہ بنے حضرت عثمان کی ملکیت قائم رہی اور اسے امانت قرار دیا گیا۔

موسیا آداب دانا دیگر اند　　　سوختہ جان وروانان دیگر اند

دیکھو اللہ تعالیٰ نے ہمارے صدقہ وخیرات کو اپنے ذمہ کرم پر قرض قرار دیا محض بندہ نوازی کرم فرمائی کی بنا پر یوں ہی

اسے امانت فرمانا مہربانی ہے بعض نے فرمایا کو ہجرت سے پہلے ایک بار حضور ﷺ نے عثمان سے فرمایا تھا کہ اے عثمان ایک وقت وہ آئے گا کہ اس چابی پر قبضہ میرا ہوگا اور تمہیں یہ چابی ہمارے ہاتھ سے ملے گی اس صورت میں امانت اس وعدہ کی بنا پر ہے۔

دوسرا اعتراض: اگر یَاْمُرُکُمْ خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے تو آپ تو پہلے ہی سے امین تھے حتیٰ کہ آپ کا نام نبوت سے پہلے ہی محمد امین ہو چکا تھا پھر آپ کا یہ حکم کیوں دیا گیا۔ **جواب**: اس قسم کے احکام میں دوام وہمیشگی مراد ہوتی ہے یعنی آپ ادائے امانت پر قائم رہیں جیسے رب فرماتا ہے یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ (احزاب:۱) اے نبی اللہ سے ڈرو یعنی یونہی ڈرے جاؤ ایسے ہی یہاں معنیٰ ہوں گے یوں ہی امانتیں ادا کئے جاؤ۔

تیسرا اعتراض: ادائے امانت کا حکم کافروں کو بھی ہے کہ نہیں اگر ہے تو یَاْمُرُکُمْ میں خطاب مسلمانوں کو ہی کیوں ہوا اگر نہیں تو کیا انہیں خیانت کرنے کا حکم ہے۔ **جواب**: مالی امانت کا ادا کرنا ان پر بھی قانوناً لازم ہے کیونکہ یہ معاملات میں سے ہے مگر اس پر انہیں ثواب نہ ملے گا ثواب کے لئے ایمان شرط ہے۔ ہاں خیانت کرنے پر انہیں قانونی سزا ضرور ملے گی اس ہی لحاظ سے آخر میں فرمایا گیا نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ۔ یہ حکم اے مسلمانو تمہارے واسطے بہت اچھا ہے کہ تمہیں اس پر ثواب بھی ملے گا۔

چوتھا اعتراض: یہاں امانت جمع کیوں ارشاد ہوا امانت تو ایک ہی ہوتی ہے جسے ودیعت کہا جاتا ہے۔
جواب: نہیں امانت کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں سے ایک امانت مالی ہے اس کی بھی بہت سی قسمیں ہیں ودیعت، رعایت، کرائے پر لی ہوئی چیز وغیرہ۔

پانچواں اعتراض: یہاں اِلٰۤی اَھْلِھَا کیوں فرمایا اِلٰی مَالِکِھَا کیوں نہ فرمایا امانت مالک ہی کو دی جاتی ہے۔ **جواب**: یہ بھی غلط ہے امانت اس کے مستحق کو دی جاتی ہے خواہ وہ اس کا مالک ہو یا نہ ہو کسی کا تم پر قرض تھا وہ فوت ہو گیا تو اس کے وارثوں کو دو اگرچہ وہ ابھی اس کے مالک نہیں علم و اسرار کی امانتیں تو شان ہی دوسری رکھتی ہیں اس لئے لفظ اہل ارشاد ہوا جو سب کو شامل تھا۔

تفسیر صوفیانہ

کسی کا حق جو اپنے ذمے ہو وہ امانت ہے اس کی بہت قسمیں ہیں ہر انسان امین ہے کوئی معمولی چیز کا کوئی اعلیٰ چیز کا چنانچہ عام انسان اپنے اعضاء کے امین ہیں کہ وہ انہیں اللہ کی رضا میں صرف کریں علماء علم الٰہی کے امین ہیں صوفیاء اسرار ربانی کے امین ہیں۔ حضرات انبیاء احکام نبوت کے امین ہیں غرض ہر شخص امین ہے اور اس پر لازم ہے کہ یہ امانتیں اسی کے سپرد کرے جو اس کا اھل ہے اسرار کی امانت اغیار کو مت دو فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ جو کوئی علم کے نکات نا اہلوں پر پیش کرے وہ ایسا بیوقوف ہے جیسے کوئی موتیوں کا ہار کتے کے گلے میں ڈالے میاں محمد صاحب فرماتے ہیں۔

خاصاں دی گل عاماں اگے نہیں مناسب کرنی! مٹھی کھیر پکا محمد کتیاں اگے دھرنی!!

یہ آیت کریمہ بہت جامع ہے جس میں سارے امینوں کو اپنی امانتوں کے صحیح ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اے مسلمانو، اے عالمو، اے مشائخ عظام اپنی اپنی امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو انسان پر لازم ہے کہ پہلے اپنے ساتھ انصاف کرے پھر دوسروں کے ساتھ صوفیاء فرماتے ہیں ایک ساعت کا انصاف ہزار سال کے رکوع و سجود سے افضل ہے۔

از تو گر انصاف آید در وجود! بہ زعمرے در رکوع و در سجود!

ہر چیز کو فنا ہے مگر انصاف کو بقا ہے۔

جہاں نماند و آثار معدلت ماند! بخیر کوش و صلاح و بعدل کوش و کرم

کہ ملک و دولت حجاج مردمان آزار نماند تا بقیامت برو بماند رقم

صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمارا نفس اور دل آپس میں مدعی و مدعیٰ علیہ ہیں روح ان کی حاکم یا حکم ہے نفس دنیا کی طرف کھینچتا ہے دل آخرت کی طرف روح کو لازم ہے کہ نہ تو تارک الدنیا ہی ہو جاوے نہ تارک الدین ہی بنے بلکہ دونوں میں عدل و انصاف کرے۔

تو دنیا میں ایسا ہو رہ جو مرغابی ساگر میں ڈگر پہ اپنی ایسے جانا جو چت ناری گاگر میں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی اور
اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا
اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى
حکم والوں کی تم میں سے پھر اگر تم جھگڑ بیٹھو کسی چیز میں تو لوٹا دو اسے طرف
جو تم میں حکومت کرنے والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ
اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ
اللہ اور رسول کے اگر ہو تم ایمان رکھتے اللہ پر اور آخری دن پر
اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو
ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ ۵۹
یہ اچھا ہے اور اچھے نتیجہ والا
یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا

تعلقات اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں حاکموں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ رعیت میں عدل وانصاف کریں اب رعایا کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ حکام و سلاطین کی فرمانبرادری کریں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو ادائے امانت کا حکم تھا حکام کی اطاعت اللہ رسول کی فرمانبرادری یہ بھی اس کی ایک قسم ہے لہٰذا اب اس کا حکم دیا جا رہا ہے گویا عام امانت داری کے بعد خاص امانت داری کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو عدل وانصاف کا حکم دیا گیا تھا جس میں اپنے نفس سے عدل کرنا بھی داخل تھا۔ اب اس کی وضاحت کی جا رہی ہے کہ اے مسلمانو اپنے دل میں انصاف کرو کہ اپنے محسنوں کی فرمانبرداری کرو تمہارے سب سے بڑے محسن اللہ رسول ہیں ان کے بعد علماء مشائخ اور حکام لہٰذا تقاضہ عدل یہ ہے کہ ان سب کی فرمانبرداری کرو۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں عدل وانصاف کا حکم دیا گیا تھا اب اس عدل کی تفسیر فرمائی جا رہی ہے کہ قانون خدا اور رسول کی پابندی اور اس قانون کے ماتحت فیصلہ کرنا عدل ہے عدل کا معیار اللہ رسول و مجتہدین عظام کے فیصلے ہیں نہ کہ تمہاری عقل چور کے ہاتھ کاٹنا عدل ہے اسے محض قید کر دینا ظلم کہ ہاتھ کاٹنا شرعی قانون قید کرنا تمہارا عقلی قانون۔

شان نزول ایک لشکر میں حضرت خالد ابن ولید امیر و سپہ سالار تھے اس میں حضرت عمار ابن یاسر بھی سپاہی کی شان سے تھے۔ جس قوم پر جہاد کرنا تھا جب ان کا علاقہ قریب آیا اور انہیں لشکر اسلام کے حملے کا پتہ چلا تو وہ راتوں رات اپنا سامان اور بال بچوں کو لے کر وہاں سے بھاگ گئے رات کے اندھیرے میں ایک شخص نے اپنا سامان اور بال بچوں کو جمع کیا مگر بھاگنے سے پہلے چھپ کر لشکر اسلام میں آیا حضرت عمار ابن یاسر سے ملاقات ہوگئی وہ ان سے بولا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور میری قوم تمہاری خبر پا کر بھاگ گئی ہے یہاں صرف میں رہ گیا ہوں۔ کیا میرا اسلام لانا کچھ مفید ہوگا اگر میری جان و مال محفوظ رہے تو میں یہاں ٹھہرا رہوں ورنہ میں بھی بھاگ جاؤں آپ نے فرمایا کہ تمہارا ایمان تمہیں نفع دے گا تم اطمینان سے رہو۔ میں تمہیں امان دیتا ہوں وہ شخص مطمئن ہو کر لوٹ گیا صبح کو جب لشکر اسلام نے اس بستی پر حملہ کیا تو دیکھا کہ سوائے ایک گھر کے باقی سارے خالی پڑے ہیں حضرت خالد ابن ولید نے اس شخص کو بمع بال بچوں کے قید کر لیا اور اس کے مال پر قبضہ کر لیا جب جناب عمار کو یہ خبر ملی تو آپ خالد ابن ولید کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ اسے چھوڑ دو اسے میں امان دے چکا ہوں اور یہ مسلمان ہو چکا ہے حضرت خالد نے کہا کہ میں لشکر کا امیر ہوں تمہیں کسی کو امان دینے کا کیا حق تھا۔ جناب عمار بولے مجھے حق تھا اس پر ان دونوں بزرگوں میں شکر رنجی ہوگئی اس حال میں یہ حضرات مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور یہ مقدمہ بارگاہ نبوت میں پیش ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار کی امان جائز رکھی اور اس شخص کو مع اس کے مال کے چھوڑ دیا گیا اور حضرت عمار کو تاکید کی گئی کہ وہ آئندہ بغیر اجازت کسی کو امان نہ دیا کریں۔ حضرت خالد نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپؐ عمار جیسے

غلام کو اس کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ میرا مقابلہ کرے حضور نے فرمایا جو عمار کو برا کہے خدا اس کا برا کرے جو عمار سے بغض رکھے خدا اس سے ناراض ہو جائے جو عمار کو لعنت کرے خدا اس پر لعنت کرے حضرت عمار یہ فیصلہ سن کر بارگاہ بے کس نواز سے روانہ ہو گئے۔ جناب خالد انکے پیچھے دوڑے اور راستے میں ان تک پہنچے اور پیچھے سے انکا دامن پکڑ کر لپٹ گئے اور معذرت کر کے ان کو راضی کر لیا اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر روح المعانی وتفسیر خازن)۔

تفسیر یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ چونکہ اگلا حکم جو آرہا ہے نہایت ہی اہم اور تمام دین و دنیا کا اصل اصول ہے اور بہت سے اصول شرعیہ کا جامع ہے سارے دین کا مدار اس پر ہے اس لئے پہلے اپنے محبوب کی امت کو پیارے خطاب سے پکارا پھر حکم فرمایا تا کہ اس خطاب کی لذت سے مسلمانوں پر یہ کام آسان ہو جائے بے ہوشی کی دوا سونگھا کر اپریشن کرتے ہیں یوں ہی بے خود کر دینے والا خطاب سنا کر دشوار احکام دیتے ہیں۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ اَطِیْعُوا۔ اطاعت سے بنا جس کا مادہ ہے طوعٌ بمعنی خوشی اس کا مقابل ہے۔ کرھًا اصطلاح میں بخوشی کسی بڑے کا حکم ماننا اطاعت کہا جاتا ہے اس بڑے کا جتنا حق زیادہ اتنی ہی اس کی اطاعت زیادہ لازم بندوں پر سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے کہ وہ ہمارا خالق و مالک و روزی رساں ہے اس لئے اس کی اطاعت کا ذکر پہلے ہوا اللہ کی اطاعت سے مراد تمام قرآنی احکام پر عمل کرنا ہے خواہ فرائض ہوں یا محرمات۔ اللہ تعالیٰ کے بعد ہم پر سب سے بڑا احسان اور ہم پر سب سے بڑا اختیار حضور محمد مصطفٰے ﷺ کا ہے کہ حضور نے ہمیں ایمان قرآن دیا اور اللہ کا راستہ بتایا مرے بعد سارے عزیز چھوڑ دیتے ہیں اور سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں مگر وہ محبوب ہمیں وہاں بھی نہیں چھوڑتے اور ان کے ساتھ ہمارا رشتہ غلامی وہاں بھی نہیں ٹوٹتا کہ قبر میں فرشتے یہ تو پوچھتے ہیں کہ تو کس کا امتی ہے مگر یہ نہیں پوچھتے کہ کس کا بھائی بیٹا ہے معلوم ہوا کہ سب رشتے ٹوٹ گئے رشتہ جناب مصطفٰے باقی ہے اس لئے رب تعالیٰ نے اپنی اطاعت سے متصل اپنے محبوب کی اطاعت کا حکم دیا الرسول میں الف لام عہدی ہے اور اس سے مراد یہ خاص رسول ہیں جو اللہ کے بھی رسول ہیں اور ساری مخلوق کے بھی ہمیشہ تک رسول خیال رہے کہ رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرح مطلقاً و مستقلاً واجب ہے اگر سرکار کسی کو کوئی ایسا حکم دیں جو قرآن شریف کے خلاف ہو تو اس شخص پر اس میں بھی اطاعت واجب ہو گی اور اس کے لئے یہ حکم قرآنی ہی منسوخ ہو گا یا وہ شخص اس حکم سے مخصوص یا مستثنیٰ ہو گا اس کی ہزار ہا مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو ہماری کتاب سلطنت مصطفٰے اس لئے اطاعت رسول کو اللہ کی اطاعت سے متصل بیان کیا گیا اور اس کیلئے مستقل طور پر اَطِیْعُوا کا حکم لایا گیا تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ کی اطاعت کے ضمن میں رسول کی اطاعت ہے قرآن پر عمل کر لو حضور کی اطاعت ہو گئی یا اگر حضور کا کوئی حکم قرآن کے خلاف معلوم ہو تو اسے نہ مانو نہیں بلکہ مستقل ان کی اطاعت کرو ایسے موقع پر ان کے فرمان کو قرآن کا ناسخ سمجھو سجدہ تعظیمی کا حکم قرآن سے ثابت ہے مگر حضور نے فرمایا میری شریعت میں غیر خدا کو سجدہ تعظیمی حرام ہے تو اسے حرام ہی سمجھو اور سجدے کی آیتیں اس حکم سے

منسوخ مانو نیز اللہ تعالیٰ کی اطاعت صرف اس کے اقوال میں ہوگی مگر حضور کی اطاعت آپ کے اقوال میں بھی ہوگی اور آپ کے اعمال میں بھی بلکہ آپ کے سکوت وخاموشی میں بھی اس لئے حضور کی اطاعت کے لئے الگ اَطِیْعُوا فرمایا گیا رسول فرما کر ادھر اشارہ کیا کہ وہ تمہاری طرح نہیں بلکہ وہ خدا کے اور تمہارے درمیان واسطہ عظمیٰ اور وسیلہ علیا ہیں ان کی شان یہ ہے کہ ہم سے لیتے ہیں اور تم کو دیتے ہیں ان کی زبان پر ہم بولتے ہیں قرآن اور حدیث ان ہی کی زبان سے نکلتے ہیں اس سونے اور چاندی کی کان یہی زبان و دہان ہے لہٰذا ان کی اطاعت ہر حال میں تم پر واجب ہے اطاعت رسول سے مراد آپ کی سارے قولی اور فعلی سنتوں کی اطاعت ہے یہاں تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت سے مقترن ہے قرآن کی اطاعت میں شامل نہیں آپ مستقل مطاع ہیں وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۔واؤ عاطفہ ہے اور یہ عبارت الرسول پر معطوف ہوکر دوسرے اَطِیْعُوا کا مفعول بہ ہے اُولِی ذو کی جمع ہے خلاف قیاس امر سے مراد یا حکم ہے یا حکومت اور حکم سے مراد یا شرعی حکم ہے یا قانونی حکم اور منکم کائنین پوشیدہ کے متعلق ہوکر اُولِی الْاَمْرِ کا حال ہے مِنْ تبعیضیہ ہے اور کُمْ میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے چونکہ حکم یا حکومت والوں کی اطاعت مطلقاً واجب نہیں بلکہ اللہ رسول کی اطاعت کے ضمن میں ان کی اطاعت واجب ہے کہ اگر وہ موافق شرح حکم دیں تو ان کی اطاعت کرو ورنہ نہیں اس لئے یہاں اَطِیْعُوا الگ نہ فرمایا گیا اور مِنْکُمْ کی قید لگائی گئی جب تک وہ مسلم قوم سے رہیں تب تک ان کی اطاعت واجب اگر خلاف شرع حکم دے کر بے ایمان ہو جائیں تو ان کی اطاعت نہ کرو اُولِی الْاَمْرِ سے مراد یا حضرت صدیق اکبر وفاروق اعظم ہیں جیسے ترمذی شریف میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ کیا پتہ تم میں میرا قیام کتنا ہے تم میرے بعد ابو بکر و عمر کی اطاعت کرنا یا اس سے مراد تمام صحابہ کرام ہیں حضور نے فرمایا کہ میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے اور فرمایا کہ میرے صحابہ میری امت میں ایسے ہیں جیسے کھانے میں نمک کھانا بغیر نمک کے ٹھیک نہیں ہوتا یا اس سے مراد اسلامی حکام وسلاطین ہیں حضور نے فرمایا کہ سنو و اطاعت کرو اگر چہ تم پر حبشی غلام امیر بنا دیا جائے چونکہ بعض اسلامی احکام حکومت اسلامیہ سے وابستہ ہیں جیسے جہاد، قصاص، چور و زانی کو سزا دینا ملکی نظام قائم رکھنا اس لئے ان جیسے احکام میں حکام کی اطاعت ضروری ہوئی یا اس سے مراد ائمہ مجتہدین ہیں اور یا اس سے مراد علمائے دین ہیں آخری قول سیدنا عبداللہ ابن عباس جابر ابن عبداللہ مجاہد وحسن اور عطا کا ہے ان بزرگوں نے اس پر اس آیت سے دلیل پکڑی

وَلَوْرَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (النساء:۸۳)

چونکہ اللہ رسول کی اطاعت ان کے فرمانوں کے بغیر سمجھے نہیں ہوسکتی اس لئے ان کی اطاعت کے لئے علماء دین کی اطاعت لازم ہوئی پارلیمنٹ کا کام ہے قانون بنانا وکیل کا کام ہے قانون سمجھانا حکام کا کام ہے قانون منوانا اس طرح اللہ رسول قانون بنانے والے ہیں علماء قانون سمجھانے والے اور حکام قانون منوانے والے کہ بزور حکومت اسلامی

قوانین پر عمل کراویں لہٰذا علماء کی اطاعت لازم ہوئی۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد فوج کے سالار ہیں جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ آیتوں میں الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ شانِ نزول کے خصوص کا یا اس سے مراد ہے اجماع، علماء امت یعنی جس مسئلہ پر اولی الامر متفق ہو جاویں تو ان کی اطاعت کرو اور اس مسئلہ کو ایسے ہی لازم العمل جانو جیسے اللہ رسول کے حکم کو فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْئٍ یہ مستقل جملہ ہے جس میں مسلمانوں کو چوتھا حکم دیا گیا یعنی قیاس شرعی کا چونکہ قیاس شرعی کا درجہ کتاب سنت اور اجماع کے بعد ہے اس لئے یہاں ف تعقیبیہ لائی گئی تَنَازَعْتُمْ نزعٌ سے بنا بمعنی کھینچنا نکالنا علیحدہ کرنا اس لئے جان نکلنے کو نزع کہتے ہیں اصطلاح میں اختلاف رائے اور مناظرے کو تنازع کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں ہر فریق اپنی طرف دوسرے کو کھینچنے کی کوشش کرتا ہے اس میں خطاب یا صحابہ کرام سے ہے یا عام مسلمانوں سے یا حکام سے یا مجتہدین سے یا عام علماء سے غرض کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور اُولِی الْاَمْرِ دونوں سے اس کا تعلق ہوسکتا ہے اگر اولی الامر سے خطاب ہے تو اس میں التفات ہے کہ پہلے انہیں غائب کے لفظ سے یاد کیا تھا اب خطاب سے اور اگر اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب ہے تو اس میں التفات کوئی نہیں شیٔ سے مراد دینی مسئلہ معلوم ہوتا ہے اور ہوسکتا کہ دینی اور دنیاوی امور سب ہی ہوں کیونکہ دنیاوی چیزوں پر بھی احکام جاری ہیں یعنی اے صحابہ کرام اگر تم آپس میں کسی شے میں جھگڑ پڑو یا اے مجتہدین یا اے علماء یا اے مسلمانو تم آپس میں کسی مسئلے میں اختلاف کرو یا کسی بات میں جھگڑ پڑو یا اے مسلمانو اگر تم حکام سے جھگڑ پڑو یا تمہارا علماء سے اختلاف ہو جائے یا اے حاکمو تمہارا علماء سے اختلاف ہو یا علماء کا تم سے غرض کہ اس تَنَازَعْتُمْ میں پانچ چھ احتمال ہیں۔ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ یہ عبارت مذکورہ شرط کی جزا ہے۔ ف جزائیہ ہے، رُدُّوْ۔ ردٌّ سے بنا بمعنی لوٹانا اپنے اصل کی طرف یا اصلی حالت کی طرف یہاں اصل کی طرف لوٹانا مراد ہے کیونکہ اللہ رسول سب کی اصل ہیں اور کتاب وسنت مسائل قیاسیہ کی اصل اگر یہ صحابہ کرام سے خطاب ہے تو اللہ رسول سے مراد ان کی ذاتیں ہیں یعنی اے صحابہ اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو تم لڑو مت بلکہ رسول اللہ کی بارگاہ میں لوٹ آؤ اور ان سے فیصلہ کرالو حضور کی بارگاہ میں حاضر ہونا رب تعالیٰ ہی کے پاس آنا ہے، حضور کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے ناقابل اپیل نیز حضور سب کی اصل ہیں لہٰذا ان کے پاس آنا اپنے اصل کی طرف لوٹنا ہے اصل سے منتقل ہونا جانا کہلاتا ہے اور اصل کی طرف منتقل ہونا لوٹنا کہلاتا ہے۔ حضور سب کی اصل سب کا ٹھکانا سب کی پناہ ہیں اس لئے رُدُّوْهُ ارشاد ہوا یا اے علماء یا اے حکام یا اے مومنین اگر کسی مسئلے یا کسی چیز میں تمہارا آپس میں اختلاف ہو جائے اور وہ حکم قرآن وحدیث میں موجود نہ ہو امت کا اس پر اجماع بھی نہ ہوا ہو بلکہ نزاع رہا ہو تو اس مسئلے کو اللہ رسول کے فرمان یعنی کتاب وسنت کی طرف رد کرو اس طرح کہ غیر منصوص حکم کو کسی منصوص حکم سے ملاؤ اور علت مشترکہ کی وجہ سے غیر منصوص چیز میں منصوص کا حکم جاری کرو مثلاً سوال پیدا ہو کہ باجرہ جوار چاول ان میں سود جائز [illegible] نہیں یہ چیزیں غیر منصوص ہیں [illegible] قرآن اور حدیث میں نہیں ہے تو تم دیکھو کہ حدیث

شریف میں گندم، جو، نمک میں سود حرام ہے کیا گیا ہے کیونکہ ان کی جنسیں اور وزن یکساں ہیں تو تم یہ کہو کہ چونکہ باجرہ جوار چاول کی جنسیں اور وزن یکساں ہیں لہٰذا ان میں بھی سود حرام ہے یہ ہوا اس شے کا اللہ رسول یعنی قرآن و حدیث کی طرف رد کرنا تا قیامت ایسا مسئلہ نہیں ہو سکتا جس کی مثال قرآن یا حدیث میں نہ مل جاوے مسئلہ اور ہے مثال کچھ اور بہر حال یہ آیت کریمہ بہت سے احکام کی اصل ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ یہ نیا جملہ ہے جس کی جزا پوشیدہ ہے اس کا تعلق اَطِيْعُوا اللّٰهَ اور فَرُدُّوْهُ دونوں سے ہے یا صرف فَرُدُّوْهُ سے آخری احتمال زیادہ قوی ہے ایمانیات یعنی ارکان ایمان کا مبدا توحید ہے اور منتہیٰ قیامت کا ماننا باقی ارکان ایمان ان دونوں کے درمیان میں ہی آجاتے ہیں جیسے نبوت، ملائکہ اور جنت دوزخ پر ایمان یعنی اے صحابہ یا اے مسلمانو یا اے علماء یا اے حکام اگر تم صحیح معنی میں اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ رسول کی اطاعت بھی کرو اور جھگڑے کے وقت غیر منصوص مسئلے کو منصوص پر پیش بھی کرو یا اپنے آپ یا علمائے مجتہدین کے ذریعے یعنی اگر خود مجتہد ہو تو قیاس کرو اور اگر مجتہد نہیں تو کسی مجتہد کے قیاس پر عمل کرو اور مقلد بنو غیر مقلد ہو کر نہ جیو۔ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۔ ذٰلِكَ سے اشارہ یا اللہ رسول کی اطاعت اور امر والوں کی فرمانبرداری کی طرف ہے یا رُدُّوْهُ کی طرف یا ان سب کی طرف خیر سے مراد دنیاوی بہتری ہے اور اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا سے مراد آخرت کی بھلائی تاویل اَوْلٌ سے بنا بمعنیٰ رجوع اصطلاح میں کسی شی کے انجام کو تاویل کہا جاتا ہے یعنی یہ اللہ رسول کی اطاعت اجماع امت کی فرمانبرداری قیاس مجتہدین پر عمل تمہارے لئے دنیا میں بھی اچھا اور آخرت میں بھی بہتر ہے کہ تم اس کی وجہ سے نہ بھٹکو گے نہ بہکو گے بے پٹے والا کتا مارا جاتا ہے پٹے والا محفوظ رہتا ہے اس نفس کے گلے میں کسی امام مجتہد کا پٹہ ڈالو۔

نوٹ اصول شرعیہ چار ہیں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ۔ اجماع امت یعنی اجماع علمائے مجتہدین امت اور چوتھا قیاس مجتہدین تفسیر صاوی کبیر روح المعانی وغیرہ میں یہاں فرمایا کہ اس آیت میں ان چاروں چیزوں کا ذکر ہے اَطِيْعُوا اللّٰهَ میں قرآن شریف کی پیروی کا حکم اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ میں سنت رسول کی اتباع کا حکم اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ میں اجماع مجتہدین کی پیروی کا حکم کیونکہ علماء مجتہدین اول درجے کے اُولِي الْاَمْرِ ہیں۔ فَرُدُّوْهُ الخ میں قیاس مجتہدین پر عمل کرنے کا حکم ہے جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا (تفسیر صاوی و روح المعانی وغیرہ)۔

خلاصہ تفسیر بعض لوگ صرف قرآن کی اطاعت کے قائل ہیں حدیث کے انکاری جیسے چکڑالوی اور بعض لوگ صرف قرآن و حدیث کی اطاعت کے قائل ہیں اجماع کے انکاری جیسے تفضیلی روافض بعض قرآن و حدیث و اجماع کے قائل ہیں مگر قیاس شرعی کے منکر جیسے اہل ظواہر اس آیت کریمہ میں ان تینوں جماعتوں کو فہمائش فرمائی گئی اور قرآن حدیث، اجماع امت، قیاس شرعی سب کو اصول اسلام قرار دیا گیا چنانچہ فرمایا گیا کہ اے ایمان والو تمہیں تاکیدی حکم دیا جاتا ہے کہ تم ہر حال میں اللہ کی فرمانبرداری کرو اور اسی طرح اس کے

رسول علیہ السلام کی پیروی کرو یہ دونوں اطاعتیں تمہارے لئے اہم ترین فرائض میں سے ہیں اور ان کی پیروی بھی کرو جو تم مسلمانوں میں سے حکم والے علماء مجتہدین ہیں یا حکومت والے سلاطین عادلین ہیں اے صحابہ کرام اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو آپس میں نہ لڑو بلکہ تم وہ اختلافی چیز اللہ رسول کی بارگاہ میں پیش کر دو اس طرح کہ حضور کی عدالت میں حاضر ہو جاؤ اور ان سے فیصلہ کرا لو یا اے علمائے مجتہدین یا اے مسلمانو اگر تمہارا کسی مسئلے یا کسی اور چیز میں اختلاف ہو اور وہ مسئلہ کتاب وسنت میں نہ ملے تو تم اولی الامر یعنی علماء امت کے اجماع کی اطاعت کرو کہ جس پر تمام علماء امت متفق ہو گئے ہوں اس کی پیروی کرو اگر کوئی مسئلہ ایسا پیش آ جائے کہ نہ اس کے متعلق حکم قرآنی ہے نہ حکم رسول نہ اجماع امت بلکہ اس مسئلہ میں تنازع واختلاف ہی ہو تو تم اسے اللہ رسول کے فرمان کی طرف رد کرو اس طرح کہ منصوص حکم پر اس کو قیاس کر دو یا اپنے آپ یا علمائے مجتہدین کے قیاس پر عمل کرو اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو ان چار چیزوں پر ضرور عمل کرو یہ عمل تمہارے لئے دنیا میں بھی بہتر ہے کہ اس سے تمہارا شیرازہ بندھا رہے گا تمہیں شرعی احکام معلوم کرنے میں دشواری نہ ہوگی اور اس کا انجام بھی اچھا ہے کہ تم اس کی برکت سے بھکو گے نہیں بھٹکو گے نہیں شیطان کا تم پر داؤ نہ چلے گا جب نماز کے لئے ایک امام اختیار کرتے ہو ملک کے لئے ایک بادشاہ بناتے ہو۔ قوم میں ایک سردار ہوتا ہے گھر میں ایک آقا ہوتا ہے فوج میں ایک کرنل ہوتا ہے۔ ریل میں ایک انجن ہوتا ہے جسم میں ایک دل ہوتا ہے تو چاہئے کہ تمہاری دینی اجتماعی زندگی میں بھی ایک امام ہو جس کے تم پیروکار رہو۔

فائدے

یہ آیت کریمہ بڑے معرکے کی ہے اصول فقہ وفقہ کی جڑ ہے اس سے بے شمار فوائد ومسائل مستنبط ہو سکتے ہیں یہاں ان میں چند فائدے عرض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** کفار پر شرعی احکام جاری نہیں اور وہ دنیا میں اسلامی عبادتوں کے مکلف نہیں یہ فائدہ لفظ آمنوا سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے مومنوں کو ان اطاعتوں کا حکم دیا۔ **دوسرا فائدہ:** کوئی مسلمان شریعت وطریقت کے کسی درجے میں پہنچ کر اللہ رسول کی اطاعت سے بے پرواہ نہیں ہو سکتا یہ فائدہ اَطِیْعُوا اللہَ الخ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے سارے مومنوں پر یہ اطاعتیں فرض کیں ریل کا کوئی ڈبہ فسٹ ہو یا سیکنڈ انجن سے کبھی مستغنی نہیں ہو سکتا لائن اور انجن کا ہر ڈبہ محتاج ہے اسی طرح ہر مسلمان اسلامی لائن اور حضور کی اتباع کا محتاج ہے۔ **تیسرا فائدہ:** اطاعت صرف قرآن ہی کی نہیں بلکہ حدیث کی بھی ضروری ہے جیسا کہ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ سے معلوم ہوا سنت کا کتاب اللہ سے وہ تعلق ہے جو تعلق پانی کا کھانے سے ہے کہ کھانا نہ بغیر پانی پکے اور نہ بغیر پانی کھایا جائے۔ رمضان کا چاند دیکھ کر ہی پہلے تراویح اور سحری سنتوں پر عمل کرو پھر فرضی روزہ رکھو نماز کے لئے کھڑے ہو تو پہلے ہاتھ اٹھاؤ جو سنت ہے پھر تکبیر کہو جو فرض ہے پھر سبحان پڑھو جو سنت ہے پھر تلاوت کرو جو فرض ہے رکوع سجدے میں جھکنا فرض ہے تسبیح سنت ہے بہر حال جیسے کلمے میں محمد رسول اللہ لفظ لا الٰہ سے مخلوط ہے ایسے ہی حضور کی سنتیں الحمد الخ سے مخلوط ہیں کوئی شخص سنت رسول چھوڑ کر دو رکعت

نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ ایک دن کی اسلامی زندگی گزار سکتا ہے۔ **چوتھا فائدہ**: اسلام میں خدائی اطاعت کی طرح حضور کی اطاعت مستقلاً واجب ہے یعنی جیسے اللہ تعالیٰ مطاع مستقل ہے ایسے ہی حضور ﷺ ہر مومن کے مطاع مستقل ہیں کہ حضور کا ہر حکم ہر مسلمان کے لئے لائق اتباع ہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے قرآن کے خلاف ہو یا موافق جس کو جو حکم دیں وہی اس کے لئے نص شرعی ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ نہ فرمایا بلکہ رسول کے لئے الگ صیغہ اَطِیْعُوْا استعمال فرمایا تا کہ پتہ لگے کہ حضور کی اطاعت قرآن کی اطاعت کے ضمن میں نہیں بلکہ ان کی اطاعت مستقل ہے۔ اس کی صدہا مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو تقسیم میراث حکم قرآن ہے مگر حضور نے فرما دیا کہ ہماری میراث تقسیم نہیں ہو سکتی اس پر سارے صحابہ نے بے چون و چرا عمل کر لیا نکاح میں بالغہ لڑکی اپنے نفس کی مختار ہے اسکا باپ بھی اسکی بغیر رضا اسکا نکاح نہیں کر سکتا مگر حضرت زینب کا نکاح جناب زید ابن حارثہ سے انکی بغیر رضا حضور نے کر دیا ان بیوی صاحبہ کو اپنے بارے میں دخل دینے کا بھی حق نہ ہوا بلکہ اس کے متعلق یہ آیت آئی مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ الخ (احزاب:۳۶) عام مقدمات میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے مگر حضرت خزیمہ انصاری کی ایک گواہی سے حضور نے دو گواہیاں بنا دیں اور صحابہ کا اس پر عمل رہا غرض کہ اس کی بہت مثالیں موجود ہیں اس کے لئے ہماری کتاب سلطنت مصطفٰے کا مطالعہ کرو۔

پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ان ہی احکام کی اطاعت لازم ہے جو حضور ﷺ کی معرفت ہم تک پہنچیں اب اگر ہمارے پاس اصلی توریت و انجیل ہو جب بھی ہم ان کی اطاعت نہیں کر سکتے کہ اگرچہ وہ احکام سارے خدا تعالیٰ کے ہیں مگر حضور کی معرفت ہم تک نہیں پہنچے یہ فائدہ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کو اَطِیْعُوا اللّٰهَ سے ملانے سے حاصل ہوا۔ بجلی کا پاور ہم کو جب ہی روشنی دے گا جب بلب کے ذریعہ سے حاصل ہو۔ **چھٹا فائدہ**: کتاب و سنت کے بعد اجماع امت پر عمل بھی لازم ہے جیسا کہ وَاُولِی الْاَمْرِ کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا اگر اجماع امت کوئی چیز نہ ہوتا بلکہ کتاب و سنت کی پیروی لازم ہوتی تو اس فرمان کی کیا ضرورت تھی۔ **ساتواں فائدہ**: اجماع امت پر عمل ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کے فرمان پر عمل ضروری ہے یہ فائدہ وَاُولِی الْاَمْرِ کی واؤ سے حاصل ہوا اجماع امت کا انکار ایسا ہی کفر ہے جیسا اللہ رسول کے فرمان کا انکار کفر ہے۔ دیکھو جناب صدیق و فاروق کی خلافتیں قرآن اور حدیث میں منصوص نہیں مگر چونکہ ان پر امت کا اجماع ہو گیا اسلئے ان کا انکار کفر ہو گیا۔ خلافت عثمانی و مرتضوی پر چونکہ اجماع نہ ہوا یا نہ رہا اسلئے ان کا انکار کفر نہیں نیز جمع قرآن اجماع صحابہ سے جمع احادیث اجماع تابعین وغیرھم سے جمع مسائل فقہیہ اجماع مسلمین سے ہی ثابت ہے ان پر ہر مسلمان کا ایمان ہے قرآن کریم فرماتا ہے وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى (النساء:۱۱۵) یعنی جو مسلمانوں کی راہ کے علاوہ کوئی اور راہ چلے گا تو ہم اس کو ادھر ہی پھیریں گے جدھر وہ پھرے وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (النساء:۱۱۵) اسے دوزخ میں تپائیں گے اور فرماتا ہے

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ (فاتحہ:۷) حضور فرماتے ہیں کہ ریوڑ میں رہنے والی بکری بھڑیے سے محفوظ رہتی ہے جماعت مسلمین میں رہنے والا مسلمان شیطان کا شکار نہیں ہوسکتا۔ **آٹھواں فائدہ**: اجماع امت کی اطاعت اللہ رسول کی اطاعت کے بعد یا انکی اطاعتوں کے ضمن میں ہے یہ فائدہ بھی واولی الامر کی واؤ سے حاصل ہوا کہ یہاں اس کیلئے الگ اَطِيۡعُوۡا نہ فرمایا گیا۔ **نواں فائدہ**: حاکم اسلام سلطان اسلام کی اطاعت بھی مسلمانوں پر لازم ہے جیسا کہ **اولی الامر** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا مگر اس میں شرط یہ ہے کہ اس کا حکم اللہ رسول کے حکم کے خلاف نہ ہو۔ **حدیث** میں وارد ہے کہ ایک لشکر پر ایک انصاری کو امیر بنا کر بھیجا گیا راستے میں اس امیر کو لشکر والوں پر غصہ آ گیا۔ اس نے کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ ﷺ نے میری اطاعت کا حکم نہیں دیا سب نے کہا ہاں تو بولا لکڑیاں جمع کرو ان میں آگ جلاؤ۔ جب آگ جل چکی تو کہا سب اس میں کود جاؤ صحابہ کرام بولے کہ ہم آگ سے بھاگ کر حضور کے دامن میں چھپے ہیں کیا اب بھی آگ میں جائیں نہ کودے واپسی پر بارگاہ رسالت میں یہ واقعہ پیش کیا گیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم آگ میں کود جاتے تو ہمیشہ آگ میں ہی رہتے پھر فرمایا **انما الاطاعة فی معروف** حاکم کی اطاعت جائز کام میں ہے (بخاری و مسلم وغیرہ) ابوداؤد شریف وغیرہ میں ہے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ مسلمان پر اپنے امیر کی اطاعت واجب ہے مگر جب کہ وہ گناہ کا حکم نہ دے اگر گناہ کا حکم دے تو **فلاسمع ولا طاعة**۔ **دسواں فائدہ**: کافر حاکم یا سلطان کی اطاعت شرعاً واجب نہیں اگر مسلمان موقعہ پا کر اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیں تو گناہگار نہ ہوں گے یہ فائدہ مِنۡكُمۡ سے معلوم ہوا۔ **گیارھواں فائدہ**: قیاس مجتہد برحق ہے اس کی بھی اطاعت واجب ہے جیسا کہ فَرُدُّوۡهُ کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ قیاس مجتہد درحقیقت قرآن وحدیث کا مظہر ہے ان کے مقابل نئی چیز نہیں۔ **بارھواں فائدہ**: قیاس شرعی میں شرط یہ ہے کہ اس کا ماخذ کوئی منصوص حکم ہو جیسا کہ رُدُّوۡهُ کی تفسیر سے معلوم ہوا بغیر شرعی منصوص علیہ کے شرعی قیاس درست نہیں۔ **تیرھواں فائدہ**: قیاس کا درجہ کتاب سنت اور اجماع کے بعد ہے جب تک کوئی مسئلہ ان تین میں سے کسی میں مل جائے تب تک قیاس ہرگز نہ کیا جائے جیسا کہ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ کی ف تعقیبیہ سے معلوم ہوا۔ **چودھواں فائدہ**: شرعی قیاس پر عمل در پردہ اللہ رسول کے فرمان پر ہی عمل ہے کہ رب تعالیٰ نے یہاں قیاس کرنے کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹانا فرمایا۔ **پندرھواں فائدہ**: ان چاروں اصولوں پر عمل کرنا یعنی کتاب و سنت۔ اجماع و قیاس دنیا میں بھی مفید ہے اور آخرت میں بھی جیسا کہ ذٰلِكَ خَيۡرٌ الخ سے معلوم ہوا۔ ہر غیر مجتہد مسلمان پر واجب ہے کہ کسی مجتہد کے قیاس پر عمل کرے قیاس کیا چیز ہے کتاب و سنت کے سمندر میں سے نکالے ہوئے موتی اگر تمہیں غوطہ خوری کا فن نہیں آتا تو سمندر میں ہرگز چھلانگ نہ لگاؤ، کسی غوطہ خور کے نکالے ہوئے موتی کسی دوکان سے حاصل کرو قرآن اور حدیث سمندر ہیں امام ابو حنیفہ [illegible] غوطہ خور ہیں ہمارے علماء مشائخ ان سناروں کے

دوکان دار اس سمندر میں کسی جہاز کے ذریعے جاؤ ورنہ ڈوب جاؤ گے غرض کہ یہ آیت کریمہ وجوب تقلید کی قوی دلیل ہے اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب مرأۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول اور جاء الحق جلد دوم کا مطالعہ فرماؤ۔ **سولھواں فائدہ** : مسئلہ حیات النبی برحق ہے کیونکہ حاکم کی اطاعت لازم ہونے کی تین شرطیں ہیں حاکم کا زندہ ہونا مرے ہوئے بادشاہوں کی اطاعت لازم نہیں ان کی حکومت کا بحال ہونا معزول شدہ حاکم کی اطاعت لازم نہیں۔ حکم کا باقی ہونا منسوخ حکم کی اطاعت لازم نہیں گذشتہ انبیاء کرام کے قوانین منسوخ شدہ ہیں ان پر آج عمل نہیں معلوم ہوا حضور زندہ ہیں ان کی حکومت قائم ہے قانون نافذ ہیں۔ حدیث، مشکوٰۃ شریف کتاب الامارات باب **ما علی الولاۃ** اور ترمذی شریف جلد اول شروع **ابواب الاحکام** اور دارمی شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے جب حضرت معاذ ابن جبل کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو پوچھا کہ کس چیز سے فیصلہ کرو گے عرض کیا کتاب اللہ سے فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ عرض کیا اس کے رسول کی سنت سے فرمایا اگر اس میں بھی نہ پاؤ عرض کیا **اَجْتَهِدُ برائی ولاالو** یعنی اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہ کروں گا تب نبی کریم نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ اس خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس کی توفیق دی جس سے رسول اللہ راضی ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیاس مجتہد برحق ہے جس سے اللہ رسول راضی ہیں۔

اعتراضات

پہلا اعتراض : تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اللہ رسول کی اطاعت مسلمانوں پر ہی ضروری ہے تو کیا اسلامی رعیت کفار کو کھلی اجازت ہے کہ وہ چوریاں ڈکیتیاں کرتے رہیں اور ان سے کچھ نہ کہا جائے اور وہ یہ کہہ دیا کریں کہ ہم مسلمان ہی نہیں ہم پر قرآن حدیث کے احکام جاری ہی نہیں تو دنیا میں امن کیسے قائم ہوا۔ **جواب**: اسلامی عبادات کے مکلف صرف مسلمان ہی ہیں۔ رہے معاملات اور ملکی قوانین وہ سارے انسانوں پر جاری ہوں گے خواہ مومن ہو یا کافر جن کی خلاف ورزی کرنے پر سزا سب کو ملے گی مگر ان قوانین پر پابندی کرنے میں آخرت کا ثواب صرف مسلمانوں کو ہے کفار کو نہیں لہٰذا یہ آیت بالکل صاف ہے اور اس کو **اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** سے شروع فرمانا بالکل صحیح ہے۔

دوسرا اعتراض :اطاعت صرف قرآن شریف کی چاہئے نبی محض ایک قاصد یا پوسٹ مین ہیں انکی اطاعت کی ضرورت نہیں قرآن و کتاب اللہ کافی ہے یہاں **اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ** فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ رسول سے پوچھ کر اللہ کی اطاعت کیا کرو یا ان سے قرآن سن کر اس پر عمل کیا کرو (منکرین حدیث)۔ **جواب** : یہ اس آیت کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے اس صورت میں رسول بھی **اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ** میں داخل تھے کہ مسئلہ عالم سے پوچھ کر اس پر عمل کرتے ہیں پھر **اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ** فرمانے کی ضرورت کیا تھی اور یہ ساری عبارت ہی بیکار ہو جاتی تم تو کہتے ہو کہ خدا کی اطاعت عین رسول کی اطاعت ہے مگر قرآن کریم فرماتا ہے کہ رسول کی اطاعت ہی خدا کی اطاعت ہے۔ **مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ**

اللہ الخ (النساء: ۸۰)۔ **نوٹ**: منکرین حدیث اس آیت پر چکر کھا جاتے ہیں۔ تاویلیں کرتے ہیں مگر بنتی نہیں۔

تیسرا اعتراض: کیا مسلمانوں کے لئے اللہ رسول کافی نہیں جو انہیں اجماع و قیاس کی بھی ضرورت پڑی۔ صحابہ کرام کے زمانہ میں نہ اجماع تھا اور نہ قیاس صرف قرآن وحدیث تھے۔ **جواب**: قیاس مجتہد قرآن وحدیث کے سمندر سے نکالے ہوئے موتی ہیں اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم دیا حضور نے نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا مجتہد نے یہ سمجھایا کہ نماز میں کتنے فرائض ہیں جن کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور کتنے واجبات ہیں جن کے چھوٹ جانے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے اور کتنی سنتیں یہ تفصیل نہ قرآن میں صراحۃً ہے نہ حدیث میں صحابہ کرام غیر فقیہ، فقیہ صحابہ کرام کی اطاعت کرتے تھے۔ جیسے حضرات ابو ہریرہ نے حضرت ابن عباس کی اطاعت کی اور ابوذر غفاری نے عثمان غنی کی ان کے ہاں خلافت صدیقی و فاروقی پر اجماع ہوا۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب نبی ﷺ بشان رسالت کوئی حکم دیں تو اطاعت کی جائے اور اگر بشریت کے لحاظ سے کچھ کہیں تو اطاعت نہ کی جائے اس لئے یہاں وَ اَطِیْعُوْا مُحَمَّدًا نہ فرمایا بلکہ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کہا جب منبر پر وعظ فرمائیں تو آپ رسول ہیں اور جب گھر میں یا دوستوں میں مشغول ہوں تو آپ بشر ہیں جیسے حاکم کچہری میں آئے تو حاکم ہے گھر میں جائے تو کچھ نہیں (منکرین حدیث)۔ **جواب**: یہ بھی کلام الٰہی کی تحریف ہے بتاؤ قرآن کریم میں یہ تفصیل کہاں کی گئی نبی ﷺ کے لئے رسالت ایسی لازم ہے جیسے سورج کے لئے نور یا آگ کے لئے گرمی یا گلاب کے لئے رنگ بو کہ رسول ہر حال میں رسول ہیں کیا تمہیں خبر نہیں کہ حضور کی خواب وحی ہے اور حضور بستر پر آرام فرما ہوتے ہوئے جبرئیل امین سے باتیں کرتے ہیں کھاتے پیتے اور جہاد فرماتے ہوئے جو کلمات اس مبارک منہ سے نکلتے ہیں وہ قوانین اسلامی ہوتے ہیں۔ حضرت انس سے کھانا کھاتے ہوئے فرمایا کہ اپنے آگے سے کھاؤ یہی اسلامی قانون بنا۔ خطرہ ہے کہ کل تم اللہ تعالیٰ کے لئے بھی کہنے لگو اللہ تعالیٰ شان الوہیت یا شان ربوبیت سے جو حکم دے وہ لازم عمل ہیں اور دوسرے احکام لازم عمل نہیں جب ہم نہ تھے تو اللہ تعالیٰ ہمارا رب نہ تھا عالم کی پیدائش سے پہلے نہ رب تھا نہ خالق نہ رزاق نہ سمیع نہ بصیر جب مرزوق مسموع یا مبصرات چیزیں پیدا ہوئی تو وہ سب کچھ بنا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْہُ۔ جیسے سورج بہ ہر حال منیر ہے خواہ اس سے کوئی نور لے یا نہ لے یوں ہی اللہ تعالیٰ سمیع بصیر رازق ہے اور حضور ﷺ بہر حال رسول ہیں خواہ کسی وقت کسی حال میں ہوں۔

پانچواں اعتراض: اگر حضور کا ہر ارشاد اسلامی قانون ہے اور لازم العمل ہے تو جناب بریرہ سے فرمایا تھا کہ تم اپنا نکاح جو مغیث سے ہوا ہے نہ توڑو انہوں نے نہ مانا اور نکاح توڑ دیا مدینہ منورہ تشریف لا کر انصار سے فرمایا کہ تم درختوں کی تلقیح نہ کرو یعنی ان کے قلم کا پیوند نہ کرو اس پر عمل کیا گیا تو پھل کم ہو گئے جس پر آپ نے اپنا یہ حکم واپس لیا بتاؤ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ مطلق کہاں رہا (نوٹ یہ منکرین حدیث کا انتہائی اعتراض ہے)۔ **جواب**: جیسے قرآن شریف

کے سارے امر و احکام پر عمل واجب نہیں کسی حکم پر عمل واجب ہے کسی پر مستحب اور کسی پر صرف جائز دیکھو اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ بھی امر ہے اس پر عمل واجب اور فَکَاتِبُوْھُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْھِمْ خَیْرًا (نور:۳۳)۔ان غلاموں کو مکاتب کر دو یہ بھی امر ہے مگر اس پر عمل مستحب یا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی (بقرہ:۲۸۲) کہ جب تم قرض کا لین دین کیا کرو تو لکھ لیا کرو یہ بھی امر ہے مگر قرض لکھ لینا واجب نہیں صرف مستحب ہے اور وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (مائدہ:۲)۔جب احرام سے کھل جاؤ تو شکار کرو یہ بھی امر ہے مگر شکار کرنا محض مباح ہے ایسے ہی حضور ﷺ کے فرمان عالیہ کا حال ہے جو فرمان بطور مشورہ ہوں اس پر عمل بہتر ہے اسی لئے حضرت بریرہ نے یہ فرمان عالی سن کر عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ آپ کا یہ حکم ہے یا مشورہ تو حضور نے فرمایا تھا کہ حکم نہیں مشورہ ہے تب بولیں پھر مجھے مغیث کی ضرورت نہیں گویا خود حضور ﷺ نے ہی اپنے فرمانوں میں یہ فرق کر دیا ہے ہم تو ان کے فرمانوں پر سجدہ کرنے والے ہیں۔جیسا وہ فرمائیں وہ قبول ہے درختوں کے پیوند لگانے سے پھل نہ گھٹے تھے بلکہ یہ قدرت کی طرف سے امتحان تھا اگر وہ اس پر قائم رہتے تو رب انہیں پھل بہت دیتا غرضیکہ حکم۔فیصلہ اور مشورہ ان تینوں میں فرق ضروری ہے دیکھو حضرت بریرہ کو نکاح قائم رکھنے کا مشورہ تھا مگر بی بی زینب کو حضرت زید سے نکاح کرنے کا حکم بلکہ فیصلہ تھا اس لئے حضرت بریرہ کو اختیار رہا اور بی بی زینب کو اختیار نہ رہا۔

چھٹا اعتراض: اگر حضور کی اطاعت مطلقاً واجب ہے قول میں ہو یا فعل میں تو ہم لوگ نو بیویاں نکاح میں کیوں نہیں رکھ سکتے یہ بھی تو حضور کا فعل ہے۔**جواب:** جیسے قرآن شریف کی منسوخ آیتوں پر یا ان آیتوں پر جن میں خاص حضور کو حکم دیا گیا ہم عمل نہیں کر سکتے اسی طرح ہم حضور کے منسوخ یا مخصوص افعال پر عمل نہیں کر سکتے نکاح کی خصوصیات کے بارے میں خود رب فرماتا ہے۔خَالِصَةً لَّکَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (احزاب:۵۰)۔یہ حکم آپ کیلئے خاص ہے کہ نہ کہ مسلمانوں کے لئے اسی لئے ہم لوگ اہل سنت کہلاتے ہیں نہ کہ اہل حدیث۔سنت حضور کے وہی قول و فعل ہیں جو منسوخ یا مخصوص نہ ہوں خلاصہ یہ ہے کہ تم جو اعتراض اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ پر کرو گے وہی اعتراض اَطِیْعُوا اللہَ پر پڑے گا جو تم جواب دو گے وہی ہمارا جواب ہوگا۔

ساتواں اعتراض: آیت کریمہ میں وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کیوں فرمایا گیا حضور کا نام شریف یا آپ کا اور کوئی وصف کیوں نہ ارشاد ہوا النبی یا بشیر یا نذیر وغیرہ۔**جواب:** حضور کی تمام صفات میں صفت رسالت بہت شاندار ہے رسول وہ جو خالق و مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہو رسول وہ جو رب سے لے مخلوق کو دے اور رب کے فیض کو سنبھال سکے راہ میں ضائع نہ کرے رسول وہ کہ زبان اس کی ہو کلام رب تعالیٰ کا باقی شفاعت رحمت بشارت وغیرہ رسالت کی شاخیں ہیں اس لئے کلمہ شریف میں محمد رسول اللہ ہے رسول کا احسان ماں باپ شیخ سلطان سب سے زیادہ ہے کہ ماں باپ سے جان ملی حضور سے قرآن و ایمان ملا ماں باپ ہم کو عالم انوار سے عالم اجسام میں لائے

رسول ہم کو اجسام سے انوار کی طرف لے گئے لہٰذا رسول کا احسان بڑا اس لئے ان کی اطاعت زیادہ اہم

آٹھواں اعتراض: اعلیٰ حضرت کے ترجے سے معلوم ہوا کہ اولی الامر سے مراد حکومت والے ہیں یعنی بادشاہ وحکام ہیں نہ کہ علماء ومجتہدین لہٰذا اس ترجے کی بنا پر نہ اجماع ثابت ہو سکتا ہے نہ تقلید۔ **جواب:** یہاں حکومت سے مطلق حکومت مراد ہے خواہ دینی حکومت ہو جو علماء مجتہدین فقہاء کو حاصل ہے یا دنیاوی حکومت جو اسلامی حکام کو حاصل ہے بلکہ علماء وفقہا کی اطاعت حکام اور سلاطین پر بھی واجب ہے۔

نواں اعتراض: جب سلطان اور حکام کی اطاعت بھی واجب ہے تو جناب امام حسین نے یزید کی اطاعت کیوں نہ کی اور اپنی جان کیوں دے دی (خوارج وغیرہ) یزید نے انہیں نماز وغیرہ سے نہ روکا تھا صرف اپنی بیعت کا انہیں حکم دیا تھا۔ **جواب:** ایک ہے کسی کو اپنا حاکم اور سلطان بنانا اور ایک ہے بنے ہوئے حاکم سلطان کی اطاعت کرنا ان دونوں میں بڑا فرق ہے ہمیں بنے ہوئے سلطان وحکام کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ فاسقوں اور کافروں کا اپنا حاکم یا بادشاہ بنا لینے کا وہاں یزید بے دین وفاسق کو خلیفہ بنانے کا سوال تھا آپ کی بیعت پر اس کا خلیفہ بننا موقوف تھا۔ جناب حسین نے فرمایا کہ بے دین فساق کو خلیفہ بنانا شرعی قانون کے خلاف ہے۔

استقامت پہ فدا ہیں تیری اے دستِ حسین! نہ گیا ہاتھ میں بے دین کے بیعت کیلئے

دسواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اطاعت صرف قرآن اور حدیث کی چاہئے کہ فرمایا گیا فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ۔ اگر فقہا کی اطاعت بھی ضروری ہوتی تو یہاں اس کا بھی ذکر ہوتا (منکرین تقلید)۔ **جواب:** یہ آیت ہی تقلید کا حکم دے رہی ہے دیکھو یہاں تین ہستیوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا اللہ تعالیٰ (قرآن) رسول اللہ علیہ السلام (حدیث) اور اولی الامر (فقہ وقول مجتہد) رُدُّوْهُ کے معنی وہ ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے یعنی غیر منصوص حکم کو منصوص حکم کی طرف لوٹانا اور اسکا حکم یہاں جاری کرنا یہ کام فقہا کا ہے نہ کہ ہمارا تمہارا اور یہ صرف حدیث وقرآن کی طرف ہی ہو سکتا۔ **نوٹ:** اطاعت اور ردّ کا یہ فرق نہایت ہی باریک ہے خیال رکھنا چاہئے دیکھو اطاعت کے ساتھ تین ہستیوں کا ذکر ہے اور ردّ کے ساتھ فقط دو کا تقلید وقیاس کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرماؤ۔

تفسیر صوفیانہ انسان کے دو حال ہیں ابتدائی اور انتہائی ابتدائی حال میں ہر چیز الگ الگ کر کے بتائی سمجھائی اور دکھائی جاتی ہے انتہائی حال میں اس علیحدگی کی ضرورت نہیں رہتی جب بچہ مدرسے جاتا ہے تو اسے پہلے ہر حرف اور اس کی آواز زبر زیر پیش وغیرہ الگ کر کے سمجھاتے ہیں پھر کچھ ترقی ہونے پر چھوٹے چھوٹے کلمات مرکبہ اسے سکھاتے ہیں جب اور آگے بڑھتا ہے تو اسے اس تفریق اور علیحدگی کی ضرورت نہیں رہتی وہ خود بڑے بڑے جملوں اور پورے کاموں کے سمجھنے پر قادر ہوتا ہے یونہی منزل معرفت میں ابتدائی حال میں اللہ کی اطاعت رسول کی اطاعت اولی الامر کی اطاعت فقہا کی اطاعت کو الگ الگ کر کے سمجھایا جاتا ہے مگر جب عارف

اس منزل سے آگے بڑھتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ چیزیں علیحدہ ہی نہیں ایک اطاعت رسول میں یہ سب اطاعتیں آجاتی ہیں یہ آیت کریمہ میدان معرفت میں پہلا قدم رکھنے والوں کے لئے ہے۔ دوسری جگہ رب فرماتا ہے۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کرلی اس نے اللہ کی اطاعت کرلی اور ایک جگہ فرماتا ہے۔ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آلعمران: ۳۱) میری اطاعت کرلو اللہ تم سے خود محبت کرے گا یہ آیتیں انتہاء والوں کیلئے ہیں۔ جیسے جمع کرتے وقت جمع کے سارے عدد حاصل جمع میں آجاتے ہیں ایسے ہی ساری اطاعتیں حضور کی اطاعت میں آجاتی ہے۔ حضور کی اطاعت حاصل جمع وخلاصہ اطاعت ہے بظاہر سننے کیلئے کان دو ہیں دیکھنے کیلئے آنکھیں دو کھانے کیلئے دانت بتیس مگر ان دونوں آنکھوں کا مرکز ایک مجمع نور ہے کانوں کا مرکز ایک ہی پٹھا ہے یوں ہی اسلام میں بظاہر اطاعتیں چار ہیں مگر ان تمام کا مرکز ایک ہی اطاعت رسول ہے اگر آج آپ توریت و انجیل کی اصلی آیات پر عمل کریں تو خدا کے مطیع نہیں حالانکہ وہ بھی فرمان رب تعالیٰ ہی کے ہیں مگر چونکہ حضور کی معرفت نہیں پہنچے لہٰذا اب ان پر عمل خدا کی اطاعتیں نہیں اور اگر وہ توریت وانجیل کے احکام قرآن یا حدیث میں نقل کردیئے جاویں تو ان پر عمل اللہ کی اطاعت ہے جیسے آیت قصاص کے وہاں زبور کے احکام نقل فرمائے اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الخ (مائدہ: ۴۵) مگر ہم پر بھی وہ حکم لازم ہوگیا۔ اس لئے مجمع صحابہ میں جبریل امین بے نشان شاگردی شکل بشری میں آکر بارگاہ عالیہ میں دوزانو بیٹھ کر حضور سے ایمان، اسلام، احسان، علامات قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں خود صحابہ سے نہیں کہہ دیتے کہ میں جبریل ہوں رب نے میری معرفت تم کو یہ احکام بھیجے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان حضرات پر وہی حکم ماننا لازم ہوں گے جو حضور کی معرفت ان تک پہنچیں گے پاور سے روشنی بذریعہ بلب ہم کو ملے گی۔

حکایت کسی بادشاہ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ فلاں کمرے میں سے آئینہ اٹھالا یہ غلام بھینگا تھا کہ اسے ایک کے دو نظر آتے تھے جب کمرے میں پہنچا تو اسے دو آئینے نظر پڑے واپس آکر بولا حضور وہاں آئینے دو ہیں۔ کون سالاؤں بادشاہ سمجھ گیا کہ یہ اس کی آنکھ کا قصور ہے اس نے حکم دیا کہ ان دونوں میں سے ایک توڑ دے اور دوسرا اٹھالا۔ غلام نے جو توڑا تو دونوں ٹوٹ گئے آکر بولا حضور حیرت ہے توڑا میں نے ایک کو مگر ٹوٹ گئے دونوں، بادشاہ نے کہا کہ وہ ایک ہی تھا جسے تو نے دو سمجھا تھا ابتدائی حالات اطاعت خدا اور اطاعت رسول دو نظر آتی ہیں یہ عقل کا بھینگا پن ہے جب انتہاء پر پہنچنا ہوتا ہے تو معلوم ہوتا ہے حدیث وقرآن انجام میں ایک ہی ہیں خدا کرے عقل کا یہ بھینگا پن دور ہوتا کہ یہ دوئی کا جھگڑا ختم ہو مگر یہ بھینگا پن بغیر کسی ہسپتال میں اپریشن کرائے نہیں جاتا۔ عقل کی آنکھ کا اپریشن کرنے والے حضرات علماء ربانیین اور اولیائے کاملین ہیں۔ ابتدائی حالات میں انسان جھگڑالو ہوتا ہے یہ سارے جھگڑے پردے کے ہیں مگر جب پردہ اٹھ جائے اور بیان عیان میں آجائے تو جھگڑے سارے ختم ہو جاتے ہیں اس جھگڑے کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے کہ اگر تم ابتدائی حالات میں آپس میں جھگڑے کرو تو اللہ رسول کی

طرف لوٹو وہاں پہنچ کر جو بیان ہے وہ عیاں ہو جائے گا اور جھگڑے ختم ہو جائیں گے اس لئے اس آیت کے آخر میں فرمایا گیا یہ عمل بہت اچھا ہے اور اس کا انجام نہایت بہتر۔

حکایت چار فقیروں کو کسی نے ایک روپیہ دے دیا اب وہ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اس کی کیا چیز کھائیں ان چاروں کی زبانیں مختلف تھیں سب کا دل چاہتا تھا کہ انگور کھائیں مگر ہر ایک دوسرے کی زبان سے بے خبر تھا ایک بولا انگور لو دوسرا بولا عنب لو تیسرا بولا اوزم لو چوتھا بولا داخ خریدو (ان چاروں کے معنی ایک ہی ہیں) آپس میں جھگڑ رہے تھے کہ ایک وہ شخص آیا جو ان چاروں لغتوں کو جانتا تھا اس نے کہا لاؤ تمہارا جھگڑا میں طے کرتا ہوں ان سے روپیہ لیا بازار سے انگور لے آیا چاروں خوش ہو گئے غرضیکہ جب تک حجاب ہے تب تک جھگڑے ہیں حجاب پھاڑو یار تک پہنچو۔

قول حق قرآن ہے قول پیمبر ہے حدیث — لفظ ہی کا فرق ہے تقریر ہے دونوں کی ایک
اس نے دل پھیرا اور اس نے دعوت اسلام دی — وہ خدا یہ مصطفٰے تدبیر ہے دونوں ایک

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ
کیا نہ دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جو گمان کرتے ہیں کہ وہ لوگ جو ایمان لے آئے اس پر جو اتارا گیا طرف تمہاری
کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کا دعوٰی ہے کہ وہ ایمان لے آئے اس پر جو تمہاری طرف اترا
وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ
اور اس پر جو اتارا گیا پہلے تم سے ارادہ کرتے ہیں کہ فیصلہ لے جائیں طرف سرکش گمراہ کے
اور اس پر جو تم سے پہلے اترا پھر چاہتے ہیں کہ شیطان کو اپنا پنچ بنائیں
وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ
حالانکہ کہ حکم دیئے گئے وہ یہ کہ انکار کریں اس کا اور ارادہ کرتا ہے شیطان یہ کہ گمراہ کرے ان کو
اور ان کو تو حکم یہ تھا اسے اصلا نہ مانیں اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ انہیں
ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿٦٠﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
گمراہی دور کی اور جب کہا گیا ان سے کہ آؤ طرف اس کے جو اتارا اللہ نے
دور بہکا دے اور جب ان سے کہا جاوے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب
وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿٦١﴾
اور طرف رسول کے تو دیکھو گے تم منافقوں کو کہ پھرتے ہیں تم سے پھرنا
اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو اللہ رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا اب اس آیت میں منافقین کی حرکتوں کا ذکر ہے کہ وہ اللہ رسول کو چھوڑ کر شیاطین اور کفار کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان اللہ رسول کی اطاعت کریں اور ان کی ماننے سے بچیں غرض کہ کرنے والی اطاعتوں کا ذکر پہلے تھا اور بچنے والی اطاعتوں کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں اجماع امت اور قیاس مجتہدین کی پیروی کا ذکر تھا جو مسلمانوں کا عمل ہے اب بے دینوں کی فرمانبرداری سے بچنے کا حکم ہے جو منافقوں کا طریقہ ہے۔ **تیسرا تعلق**: گزشتہ پچھلی آیت میں اسلامی حکام کو عدل وانصاف کا حکم دیا گیا تھا اب عوام کو ان حکام کے پاس جانے کا حکم ہے اور غیروں کی طرف جانے سے ممانعت۔

شان نزول

اس کے نزول کے متعلق چند روائتیں ہیں سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک منافق جس کا نام بشر تھا اس کے اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا تھا اس جھگڑے میں یہودی سچا تھا منافق جھوٹا یہودی بولا چلو اس کا فیصلہ حضور محمد ﷺ سے کرائیں منافق بولا نہیں چلو اس کا فیصلہ کعب ابن اشرف سے کرائیں (یہود کا سردار) یہودی نے کہا کہ تو عجیب مسلمان ہے کہ اپنے نبی کے پاس چلنے اور ان سے فیصلہ کرانے سے کتراتا ہے منافق شرمندہ ہو کر اس یہودی کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا نبی ﷺ نے دونوں کا بیان سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ کیا وہاں سے نکل کر منافق بولا کہ میں اس فیصلے سے راضی نہیں چلو یہ فیصلہ حضرت ابوبکر صدیق سے کرائیں چنانچہ وہ دونوں بارگاہ صدیقی میں حاضر ہوئے جناب صدیق اکبر نے بھی دونوں کے بیان سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا وہاں سے نکل کر بشر منافق بولا کہ میری تسلی اب بھی نہیں ہوئی چلو حضرت عمر سے اور فیصلہ کرائیں چنانچہ یہ دونوں حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے یہودی نے حضرت عمر سے عرض کیا کہ حضور ﷺ اور جناب صدیق میرے حق میں فیصلہ فرما چکے ہیں مگر بشر راضی نہیں ہوتا اب مجھے آپ کے پاس لایا ہے حضرت عمر نے بشر سے پوچھا کہ کیا یہ واقعہ درست ہے بشر بولا ہاں آپ نے فرمایا کہ تم دونوں ٹھہر جاؤ میں گھر میں ہو آؤں چنانچہ آپ گھر میں تشریف لے گئے تلوار لائے اور منافق کی گردن ماردی پھر فرمایا کہ جو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے اور جناب صدیق کے عدل سے راضی نہ ہو اس کا فیصلہ میرے نزدیک یہ ہے پھر منافق کے قرابت دار بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضرت عمر کی شکایت کی حضور نے جناب عمر کو بلایا اور اصل واقعہ پوچھا آپ نے فرمایا کہ یارسول اللہ اس مردود نے آپ کے حکم کو رد کیا تھا جو آپ کے فیصلے پر کسی اور کا فیصلہ چاہے اس کا فیصلہ میرے پاس تو یہی ہے اسی دم جبریل امین آئے اور یہ آیت لائے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ عمرؓ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں حضور نے فرمایا کہ اے عمر تم آج سے فاروق ہو یعنی حق اور باطل میں فرق کرنے والے اس دن سے آپ کا لقب فاروق ہوا۔ (تفسیر کبیر و خازن، تفسیر بیضاوی، مدارک، روح المعانی و بیان جلالین وغیرہ)۔

(۲) امام سدی فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں یہود کے دو قبیلے آباد تھے بنی قریضہ اور بنی نضیر، بنی قریضہ کچھ کمزور تھے اور بنی نضیر قوی، بنی قریظہ قبیلہ خزرج کے حلیف تھے اور بنی نضیر اوس کے حلیف اوس اور خزرج بعد میں انصار کہلائے زمانہ جاہلیت میں اگر کوئی قریظی نضیری کو مار دیتا تو اس کے عوض یا اسے قتل کیا جاتا یا اس کی دیت سو وسق کھجوریں دلوادی جاتیں اور اگر نضیری کسی قریظی کو مار دیتا تو اس کے عوض صرف ساٹھ وسق کھجوریں دلوائی جاتیں اسے ہرگز قتل نہ کیا جاتا جب حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں جلوہ گر ہوئے تو بعض نضیری اور قریظی اخلاص سے سچے مسلمان ہو گئے اور بعضے نفاق سے کلمہ پڑھ کر مسلمانوں میں شامل ہو گئے اور اکثر اپنے کفر پر رہے اتفاقاً ان لوگوں میں سے ایک نضیری نے کسی قریظی کو قتل کر دیا اس معاملے میں ان کا آپس میں جھگڑا ہوا نضیری بولے کہ ہم پرانے دستور کے مطابق ساٹھ وسق کھجوریں دیں گے قریظی بولے کہ یہ زمانہ جاہلیت کا ظلم ستم تھا کہ تم نے ہمیں قوت کی بنا پر دبا رکھا تھا اب ہم دونوں مسلمان ہو چکے ہیں اسلام میں قوی و کمزور سب برابر ہیں۔ چلو حضور ﷺ کی بارگاہ میں فیصلہ کرائیں قریظی منافقین بولے کہ چلو ابی بردہ اسلمی کاہن سے فیصلہ کرائیں، جو یہود میں فیصلے کیا کرتا تھا چنانچہ منافقین انہیں مجبور کر کے اس کاہن کے پاس لے گئے کاہن بولا کہ پہلے مجھے رشوت دو پھر فیصلہ کروں گا انہوں نے دس وسق کھجوریں پیش کیں وہ بولا نہیں سو وسق لوں گا غرض اس جھگڑے میں وہاں فیصلہ نہ ہو سکا تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن وکبیر وروح المعانی)۔

تفسیر اَلَمْ تَرَاِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ ، ہمزہ استفہامیہ ہے اور یہ سوال واستفہام تعجب دلانے کیلئے ہے تَرَ ۔ رُوْیَۃٌ سے بنا بمعنی آنکھ سے دیکھنا چونکہ یہ نظرٌ کے معنی میں ہے اس لئے اس کے بعد الیٰ لایا گیا اَلَّذِیْنَ سے مراد وہی منافقین ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ اتری یَزْعُمُوْنَ زعمٌ سے بنا بمعنی گمان کرنا یا دعویٰ کرنا اکثر بے دلیل کلام کو بھی زعم کہہ دیتے ہیں کبھی یہ کلمہ حق بات پر بولا جاتا ہے کبھی باطل پر چنانچہ حدیث شریف میں ہے زَعَمَ جِبْرَائِیْل اور ضحام ابن ثعلبہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا تھا زَعَمَ رَسُوْلُکَ یہاں قول باطل کے معنی میں ہے جیسا کہ شان نزول اور روش کلام سے معلوم ہو رہا ہے قرآن کریم میں یہ لفظ اکثر قول باطل کے لئے استعمال ہوا ہے جیسے زَعَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا (التغابن: ۷) اور جیسے بَلْ زَعَمْتُمْ اَنْ لَّنْ نَّجْعَلَ لَکُمْ مَّوْعِدًا (کہف: ۴۸) یا جیسے کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (انعام: ۲۲) یا جیسے زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِہٖ (الاسراء: ۵۶) وغیرہ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یہ جملہ یَزْعُمُوْنَ کا مفعول ہے بِمَا سے مراد قرآن کریم کی آیتیں، احادیث شریفہ اور حضور کے سارے معجزات ہیں اور وَمَآ اُنْزِلَ سے مراد توریت شریف اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سارے معجزات ہیں کیونکہ یہ منافق یہودی تھے اور توریت کے ماننے کے دعوے دار یعنی اے محبوب ﷺ کیا آپ نے ان منافقوں کی طرف نظر نہ فرمائی جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ آپکی کتاب قرآن شریف وغیرہ پر بھی ایمان لے آئے اور موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توریت پر بھی ایمان رکھتے ہیں دعویٰ تو

انکا اتنا بڑا ہے مگر عمل یہ ہے کہ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَا کَمُوْ آ اِلَی الطَّاغُوْتِ یہ جملہ یَزْعُمُوْنَ کے فاعل ھم کا حال ہے ارادے سے مراد وہ ارادہ ہے جو کام کے ساتھ ہوتا کیونکہ وہ تو یہ حرکت کر بھی چکے تھے یَتَحَاکَمُوْا۔ تحاکُمْ سے بنا بمعنی فیصلہ لے جانا یا پنچ بنانا یہاں یہ باب مقابلے کے لئے نہیں طاغوت کے معنیٰ کی تحقیق پہلے کی جا چکی ہے کہ یہ طغیٰ بمعنی سرکشی اور حد سے نکل جانا کا مبالغہ ہے یہاں اس سے مراد یا کعب ابن اشرف یہودی ہے یا ابو بردہ کاہن یعنی دعویٰ تو ان کا ایمان کا ہے مگر عمل ان کا یہ ہے کہ آپ کے مقابلے میں سرکش کفار کو اپنا پنچ بنانے پر راضی ہیں وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ یہ عبارت یُرِیْدُوْنَ کے فاعل کا حال ہے اُمِرُوْا کا نائب فاعل وہی منافقین ہیں اَنْ یَّکْفُرُوْا اُمِرُوْا کا دوسرا مفعول ہے بِہٖ کی ضمیر طاغوت کی طرف ہے کفر سے مراد یا انکار کرنا ہے یا اس کی بات نہ ماننا یعنی ان منافقوں کو تو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کی بات ہرگز نہ مانیں وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا یہ عبارت پہلی عبارت وَقَدْ اُمِرُوْا پر معطوف ہے شیطان سے مراد یا تو وہی کعب ابن اشرف یا ابو بردہ کاہن ہیں یا ابلیس ہی مراد ہے پہلی صورت میں بجائے ضمیر کے اسم ظاہر لایا گیا اَنْ یُّضِلَّ الخ یُرِیْدُ کا مفعول بہ ہے ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا۔ یُضِلُّ کا مفعول مطلق یُضِلُّ اضلالُ سے بنا بمعنی گمراہ کرنا یا گمراہ رکھنا اور گمراہی سے نہ نکلنے دینا دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ منافقین گمراہ تو پہلے سے ہی تھے ضَلٰلًا بَعِیْدًا سے وہ گمراہی مراد ہے جو ہدایت سے بہت دور کردے جس کے بعد ان کے ہدایت پر آنے کی امید نہ رہے یعنی ان لوگوں کو تو یہ حکم دیا گیا تھا کہ کفار سے دور رہیں ان کے احکام سے بیزار رہیں مگر ان کی باگ ڈور کعب ابن اشرف یا ابلیس کے ہاتھ میں ہے جس کی پوری کوشش یہ ہے کہ یہ کبھی ہدایت پر نہ آنے پائیں گمراہی میں ہی پھنسے رہیں۔ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ یہ جملہ علیحدہ ہے جس میں منافقوں کے دوسرے عیب کا بیان ہے قِیْلَ کا فاعل مخلصین مومنین ہیں لَھُمْ کا مرجع منافقین ہیں اس کا مقولہ یہ ہے کہ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ۔ تَعَالَوْا کی تحقیق پہلے ہو چکی ہے کہ یہ علوٌ بمعنی بلندی سے بنا اس کے معنی اوپر چڑھنا ہیں اب بمعنی آنا استعمال ہوتا ہے مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ سے مراد قرآن شریف ہے اور الرَّسُوْلِ سے مراد قرآن کے احکام جاری فرمانے والے نبی ﷺ یعنی جب مخلص مومنوں کی طرف سے ان منافقوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ آؤ احکام قرآنی کی طرف اور اس ذات کریم کی طرف جن کے ہاں دودھ کا دودھ ہے اور پانی کا پانی ان سے فیصلہ کراؤ تو رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا یہ جملہ وَاِذَا کی جزا ہے اور رَاَیْتَ میں خطاب نبی ﷺ سے ہے منافقین اس کا مفعول بہ ہے اگرچہ یہاں ضمیر کا موقعہ تھا کیونکہ منافقوں کا ذکر پہلے آ چکا ہے مگر ان کی بے ایمانی ظاہر کرنے کیلئے منافقین نام لیا گیا یَصُدُّوْنَ صَدٌّ بنا بمعنیٰ رُکنا اور روکنا یہاں پہلے معنیٰ میں ہے یعنی وہ منافقین مخلص مسلمانوں کے مشورے پر عمل کرنے کی بجائے اور زیادہ منہ پھیرتے ہیں کیونکہ انہیں خبر ہے کہ ہم ناحق پر ہیں حضور کا فیصلہ ہمارے خلاف ہوگا اسلئے وہ آپ کے پاس نہیں آتے رشوت خوار یہود کاہن کے پاس جاتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر

اے محبوب ﷺ کیا آپ نے ان قریظی و نضیری منافقوں کو نہ دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ آپ کی کتاب آپ کے فرمانوں اور آپ کے معجزات وغیرہ پر ایمان لا چکے اور یہ بھی کہتے ہیں وہ توریت شریف کو مانتے ہیں مگر ان کا عمل یہ ہے کہ اپنے فیصلے سرکشوں گمراہوں شیاطین یعنی رشوت خوار یہودیوں اور کاہنوں سے کراتے ہیں اگر وہ مومن تھے تو انہیں قرآن شریف میں توریت میں اور آپ کے ارشادات میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کے انکاری رہیں اور ان کی بات کبھی نہ مانیں بات یہ ہے کہ ان کی باگ ڈور یہود یا ابلیس کے ہاتھ میں ہے اس کی کوشش یہ ہے کہ یہ گمراہی میں اتنے دور نکل جائیں کہ پھر ہدایت کی طرف نہ آسکیں یہ سب اس کے کرشمے ہیں یہ منافقین غلطی یا بھول سے ایسی حرکت نہیں کرتے بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ جب مخلص مومن انہیں سمجھاتے ہیں کہ تم مدعی اسلام ہو کلمہ پڑھتے ہو چلو اپنے رسول سے فیصلہ کراؤ تو وہ اس مشورے پر عمل کرنے کی بجائے اور زیادہ اکڑ میں آجاتے ہیں اور آپ سے بالکل ہی منہ پھیر لیتے ہیں ایسے لوگ پکے بے ایمان اور منافق ہیں خواہ دعویٰ کچھ بھی کریں۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضور نبی کریم ﷺ کی نگاہ پاک سامنے اور پس پشت دور نزدیک ہر چیز کو دیکھتی ہے کیونکہ منافقین کا یہ واقعہ حضور سے دور ہوا تھا یہاں آپ موجود نہ تھے مگر فرمایا گیا اَلَمْ تَرَ کیا تم نے دیکھا نہیں یعنی دیکھا ہے۔ **دوسرا فائدہ**: دعویٰ بغیر دلیل اور قول بلا عمل کبھی قابل قبول نہیں دیکھو رب تعالیٰ نے منافقوں کے کلمہ پڑھنے دعویٰ ایمان کرنے کو زعم فرمایا یعنی دعویٰ باطل۔ **تیسرا فائدہ**: حضور ﷺ کا عدل و انصاف اس حد تک تھا کہ کفار بھی اس کے قائل تھے دیکھو وہ یہودی آپ کے فیصلے پر مطمئن تھا اور آپ کے پاس مقدمہ لانا چاہتا تھا جیسا کہ شان نزول سے ظاہر ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: کلمہ گو کافر یعنی منافقین ظاہر کافروں سے بدتر تھے اور بدتر ہیں کہ یہود کو حضور پر اعتماد تھا اور وہ حضور کے فیصلے سے راضی تھے مگر اس چھپے کافر اور منافق کو اعتماد نہ تھا اس کا نظارہ آج بھی ہو رہا ہے چنانچہ دیونا ضلع گجرات کی ایک مسجد میں محراب پر یا اللہ اور یا محمد لکھا تھا ایک کلمہ گو صاحب کدال لے کر اس کو مٹانے پہنچے ایک ہندو لاٹھی لے کر نکل آیا بولا کون ہے جو نبی پاک کے نام کو مٹائے یہ ہے اس آیت کریمہ کا ظہور جو قیامت تک ہوتا رہے گا۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے مولانا سردار احمد صاحب اور مولوی سلطان محمود صاحب کا مناظرہ بھکھی ضلع گجرات میں ہوا جس میں سکھ اور ہندو بھی شریک تھے مولوی صاحب کا اس پر زور تھا کہ نبی ﷺ کو کوئی اختیار نہیں انہیں کچھ علم نہیں ان سے کچھ نہیں ملتا، مولانا سردار احمد صاحب کا دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو با اختیار علیم و خبیر بنا کر بھیجا ہے اور ان کے دروازے سے سب کچھ ملتا ہے آخر سلطان محمود کو شکست فاش ہوئی جب وہ وہاں سے لوٹے تو ان سے سکھوں نے کہا کہ مولوی صاحب ہم اور آپ ایک ہیں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ تمہارے نبی کے پاس کچھ نہیں اور تم بھی یہی کہتے ہو پھر تم سکھ کیوں نہیں بن جاتے دیکھو

کتاب محدث اعظم پاکستان جلد اول صفحہ ۱۶۔ **پانچواں فائدہ**: حضرت عمر فاروق اعظمؓ کو فاروق کا لقب رب تعالیٰ نے دیا جبریئل امین لے کر آئے حضور کے وسیلہ سے ملا لوگ دنیاوی سلطنتوں کے خطاب پر فخر کرتے ہیں ہم ان کے خطاب پر جتنا فخر کریں کم ہے کہ ہمارے حضور کے صحابہ کرام رب تعالیٰ کی طرف سے خطاب یافتہ ہیں ان کا یہ لقب ایسا صحیح ہے کہ ان کی ذات بھی حق و باطل میں فرق کرنے والی تھی اور آج ان کا نام بھی کفر و اسلام حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے اور قیامت تک رہے گا۔ اس لئے آپ کو غیظ المنافقین والکافرین کہا جاتا ہے۔ **چھٹا فائدہ**: جناب عمر فاروق کی بارگاہ الٰہی میں وہ شان ہے کہ ان کی گواہی براہ راست حق تعالیٰ قرآن شریف میں دیتا ہے دیکھو بشر منافق کے وارثوں نے جناب عمر کے خلاف قتل عمد کا دعویٰ بارگاہ نبوت میں دائر کیا تھا جس کا آپ نے اقرار بھی کر لیا تھا لیکن اس قتل کی وجہ جو آپ نے بیان کی اس کا کوئی مسلمان گواہ نہ تھا اگر یہ آیات نہ اترتیں تو ان پر یا قصاص واجب ہوتا یا کم از کم دیت اللہ تعالیٰ نے اس نازک موقع پر خود ان کی گواہی دے کر ان کو بری فرمایا۔

ضروری نوٹ خیال رہے کہ حضرت یوسف اور جناب مریم کو جب الزام لگائے گئے تو ان کی برائت کی رب نے گواہی نہ دی بلکہ بچوں سے گواہی دلوادی مگر جب اپنے محبوب متوسلین کی باری آئی تو رب نے براہ راست خود گواہیاں دیں چنانچہ جب منافقین مدینہ نے حضرت ابو بکر صدیق پر ایک الزام لگایا جب آپ نے حضرت بلال کو بہت گراں قیمت سے خرید کر آزاد کیا رب تعالیٰ نے ان کی برائت کے لئے سورہ واللیل شریف اتاری جسکے آخر میں فرمایا گیا کہ ابو بکر نے یہ جو کچھ کیا ہم کو راضی کرنے کے لئے کیا ہم ان سے راضی ہو گئے اور ہم بھی ان کو اتنا دیں گے کہ وہ خوش ہو جائیں گے **وَ لَسَوْفَ یَرْضٰی** (اللیل:۲۱) اسی طرح جناب عائشہ صدیقہ کو جب تہمت لگائی گئی تو براہ راست رب تعالیٰ نے ان کی پاک دامنی بیان کرنے کیلئے سورہ نور کی اٹھارہ آیتیں اتاریں یہ ہے ان صحابہ کی شان دربار الٰہیہ میں۔ **ساتواں فائدہ**: مسلمانوں کو عدل و انصاف کے موقعہ پر اپنے پرائے میں کوئی فرق نہ کرنا چاہئے کسی کی رو رعایت نہ ہو جو حق ہو وہ فیصلہ کیا جائے دیکھو یہودی پرایا تھا اور منافق بظاہر اپنا مگر فیصلہ یہودی کے حق میں فرمایا گیا۔ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کی عدالت میں شہزادوں اور بادشاہوں کو شکست ہوئی اور معمولی رعایا بلکہ ذمی کافروں کو ڈگری دی گئی چنانچہ حضرت علی مرتضیٰؓ اور ایک یہودی ذمی کا مقدمہ جو قاضی شریح کے ہاں فیصلہ ہوا وہ مشہور ہی ہے کہ علی مرتضیٰ خلیفۃ المسلمین تھے مگر آپ کے خلاف یہودی کو ڈگری دی گئی۔ جناب امام حسن کی گواہی اپنے باپ کے حق میں قبول نہ ہوئی جس پر وہ یہودی حضرت علی کے قدموں پر گر کر فدا ہو گیا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

گر کے قدموں میں وہ قرباں ہو گیا! پڑھ لیا کلمہ مسلماں ہو گیا!!

آٹھواں فائدہ: حضور ﷺ کے فیصلے کی کوئی اپیل نہیں آپ کا فیصلہ رب تعالیٰ کا فیصلہ ہے جیسا کہ اس کے

شانِ نزول سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ** : حضور کے فیصلے پر راضی نہ ہونا کفر ہے اور وہ شخص واجب القتل ہے جیسا کہ واقعہ فاروقی سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ**: سرداران کفر طاغوت یعنی انسانی شیطان ہیں۔ دیکھو اس آیت میں کعب ابن اشرف یہودی کو طاغوت فرمایا گیا۔ **گیارھواں فائدہ** : کفار کو بخوشی پنچ یا حاکم بنانا مسلمان کیلئے حرام ہے جیسا کہ اَنْ یَتَحَاکَمُوْا الخ سے معلوم ہوا۔ **بارھواں فائدہ**: اسلامی حکام کے مقابلے میں امریکہ اور لندن والوں کے قوانین کو اچھا سمجھنا وہی پرانا منافقانہ طریقہ ہے جیسا کہ یَصُدُّوْنَ الخ سے معلوم ہوا کہ رب نے ایسے لوگوں کو منافقین فرمایا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض :حضرت عمرؓ فاروق نے اس منافق کو قتل کیوں کیا اس نے قتل والا کون سا کام کیا تھا نہ وہ زانی تھا نہ قاتل نہ بظاہر کافر۔ **جواب**: وہ اس وقت جب کہ اس نے صاف کہہ دیا کہ میں رسول اللہ کے فیصلے پر راضی نہیں اس بنا پر اسے مرتد قرار دیا گیا اور مرتد کی سزا قتل ہے رب تعالےٰ نے بچھڑا پوجنے والے بنی اسرائیل کو فرمایا تھا فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (بقرہ:۵۴)۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ حضرت صدیق اکبر نے زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کو مرتد قرار دیا اور ان پر جہاد کر دیا (تفسیر کبیر)۔

دوسرا اعتراض :مرتد وہ ہوتا ہے جو پہلے مسلمان ہو اور بعد میں کافر بشر تو پہلے منافق تھا پھر اس کا یہ فعل ارتداد کیسے بنا۔ **جواب**: منافق شرعاً مسلمان مانے جاتے تھے ان کی ظاہری کلمہ گوئی پر احکام شرعیہ جاری تھے کہ انہیں قتل قید نہ کیا گیا انہیں مسجدوں میں مسلمانوں کے ساتھ نماز کی اجازت دی گئی آج یہ لفظ نکلنے پر وہ شرعاً کافر ہوا لہٰذا قتل کیا گیا۔

تیسرا اعتراض :اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو حکم یا حاکم بنانا اور ان کے فیصلے پر راضی ہونا کفر و ارتداد ہے آج تو عموماً کفار بادشاہ بھی ہیں اور حاکم بھی مسلمان ان سے فیصلے کراتے ہیں اور ان فیصلوں سے راضی ہوتے ہیں کیا یہ سب کافر و مرتد ہیں۔ **جواب**: ہرگز نہیں حضور ﷺ کے حکم کے مقابلے میں ان کے احکام کو پسند کرنا اور سرکار کے حکم کو غلط سمجھنا یہ کفر ہے بشر نے یہی حرکت کی تھی اس کا کہنا یہ تھا کہ حضور فیصلہ غلط کریں گے۔ کعب ابن اشرف فیصلہ صحیح کرے گا الحمد اللہ آج کوئی مسلمان یہ خیال نہیں کرتا مجبوراً کفار کے ملک میں رہنے کی وجہ سے ان کے فیصلے ماننے پڑتے ہیں اور یہ بھی مجبوری ہے مجبوری کی معافی ہے۔

چوتھا اعتراض : رب تعالیٰ نے اس جگہ گمراہی کو بعید کیوں فرمایا ہر گمراہی ہدایت سے دور ہی ہے۔ **جواب** :اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضور کے حکم سے راضی نہ ہونا ایسی سخت گمراہی ہے کہ اس کے بعد ہدایت ملنے کی امید نہیں گمراہیاں مختلف درجے کی ہیں۔ ابو طالب اور ابو جہل کی گمراہیاں یکساں نہیں اسلام نے بھی گمراہوں میں فرق کیا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین کو یکساں نہ مانا۔

تفسیر صوفیانہ

جڑ زمین میں رہتی ہے لوگوں کی نگاہ سے غائب مگر درخت کے پتے شگوفے اور پھل اس کا پتہ دیتے رہتے ہیں ہر شخص ان چیزوں کو دیکھ کر جڑ کا پتہ لگا لیتا ہے اسی طرح کفر و ایمان محبت اور عداوت الفت و نفرت انسان کے دل میں رہتے ہیں مگر انسان کے میلان اور ظاہری اعمال سے ان چیزوں کا پتہ ضرور لگ جاتا ہے۔ بشر کا نفاق اس کے دل میں تھا جسے اس نے ظاہری چادر میں ڈھانپ لیا تھا مگر اس کی حرکت نے اور کفار کی طرف میلان نے اس کا کفر ظاہر کر دیا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ کسی کو اپنے خاتمے کی خبر نہیں اور معلوم نہیں ہے کہ میرا نام ازل میں کفار کی فہرست میں ہے یا مسلمانوں کی مگر اپنی طبیعت کے میلان سے ہر شخص اپنا پتہ لگا سکتا ہے اگر اچھوں کی طرف دلی میلان ہے تو انشاء اللہ وہ بھی اچھا ہے اور اچھا رہے گا اور اگر میلان بروں کی طرف ہے تو یہ خطرے میں ہے۔ یہ میلان عشق کی دلیل ہے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

بکوئے عشق منہ بے دلیل راہ قدم — کہ من بخویش نمودم صد اہتمام نشد!

یہ آیت کریمہ اگرچہ بشر منافق کے متعلق نازل ہوئی مگر یہ نہ سمجھو کہ بشر ختم ہو چکا اب بھی ہم میں ہزاروں بشر موجود ہیں خیال رکھو کہ میٹھے پھل والا درخت باغ سے کاٹ کر نہیں نکالا جاتا درخت خاردار اور کڑوے پھل والا درخت کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے کہ وہ اس باغ کے لائق نہیں جناب فاروق اعظم نے نبی پاک کے گلزار سے اس درخت خاردار کو کاٹ پھینکا۔ فردوسی نے کیا خوب کہا۔

درختے کہ شیریں بود بار او! — نہ گردد کسے گرد آزار او!

دگر زانکہ شیریں نہ باشد برش — زپائے اندر آرند تا گہ سرش

بماند بباغ آں و در آتش ایں — تو خواہی چناں باش و خواہی چنیں

یعنی درخت خاردار کی جگہ نار ہے اور درخت باردار کی جگہ گلزار اب تجھے اختیار ہے کہ نار میں رہ یا گلزار میں اگر تو ناری ہوا تو کوئی عمر فاروق تجھے گلزار سے نکال کر نار میں پہنچا دے گا۔

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ
کیسی ہوگی جب ان پر کوئی افتاد پڑے بدلہ اس کا جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا پھر
پس کیسی ہوگی جب پہنچے گی انہیں بڑی آفت اس کی وجہ سے جو آگے بھیجے ان کے ہاتھوں نے پھر
جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾
اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اللہ کی قسم کھاتے کہ ہمارا مقصود تو بھلائی اور میل ہی تھا
وہ آئیں گے آپ کے پاس قسم کھائیں گے اللہ کی کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا اور اتفاق کرنے کا

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُ اللّٰہُ مَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ ٭ فَاَعۡرِضۡ عَنۡہُمۡ
ان کے دلوں کی تو بات اللہ جانتا ہے تو تم ان سے چشم پوشی کرو
یہ ہی وہ ہیں کہ جانتا ہے اللہ وہ جو دلوں میں ہے ان کے پس منہ پھیر لو ان سے
وَعِظۡہُمۡ وَقُلۡ لَّہُمۡ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ قَوۡلًۢا بَلِیۡغًا ﴿۶۳﴾
اور انہیں سمجھا دو اور ان کے معاملہ میں ان سے رسا بات کہو
اور نصیحت کرو انہیں اور کہو ان سے ان کے دل میں پہنچنے والی بات

تعلقات اس آیت کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کے اخیر میں منافقین کا ایک عمل بیان کیا گیا تھا یَصُدُّوۡنَ عَنۡکَ صُدُوۡدًا کہ آپ کے پاس آنے سے منہ موڑتے ہیں اب ان کا دوسرا پر فریب عمل بیان ہو رہا ہے کہ مصیبت پڑنے پر خوشامد کرتے ہوئے آپ کے پاس آتے ہیں باتیں بناتے ہیں جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اپنے بکواس کی جھوٹی تاویلیں کرتے ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ وہ راحت کے وقت آپ سے منہ پھیر کر شیاطین کے پاس جاتے اور ان سے فیصلے کراتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ آفت آنے پر کفار کے پاس نہیں جاتے آپ کے پاس دوڑے ہوئے آتے ہیں غرضیکہ انہیں نہ آپ سے محبت ہے نہ کفار سے بلکہ اپنے فائدے اور نفع سے محبت ہے جہاں انہیں اپنا فائدہ نظر آتا ہے وہاں پہنچتے ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں منافقین کی ایک خاص حرکت یعنی کفار کو حکم بنانے کا اُخروی وبال بیان کیا گیا تھا یعنی ان کا گمراہ ہو جانا اور پھر ہدایت کی طرف نہ لوٹنا اب ان کی حرکت کا دنیاوی وبال بیان کیا جا رہا ہے یعنی ان کا عمر فاروق کے ہاتھوں قتل ہونا اور پھر مطالبہ کرنے پر قصاص یا دیت نہ ملنا بلکہ الٹا اور رسوا ہو جانا۔

شانِ نزول بشر کے عزیز و قرابت دار دوسرے منافقین قتل بشر کے بعد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور اپنے عزیز کے اس خون کا بدلہ چاہا اور جناب عمرؓ فاروق کے پیش فرمودہ وجہ قتل کی تاویلیں کرنے لگے کہ بشر کی نیت خراب نہ تھی غالباً تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ان کی ناجائز تاویلوں کی قلعی کھول دی گئی۔ تفسیر خازن و کبیر وغیرہ سے شانِ نزول یہ ہی معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔

تفسیر فَکَیۡفَ اِذَاۤ اَصَابَتۡہُمۡ مُّصِیۡبَۃٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ۔ ظاہر یہ ہے کہ ف عاطفہ ہے کیف استفہامیہ جو حالت پوچھنے کے لئے وضع ہوا یہ لفظ کیف بشارت کے موقع پر بھی بولا جاتا ہے جیسے فَکَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍۭ بِشَہِیۡدٍ (النساء:۴۱)۔ یعنی اے محبوب کیسی خوشی کا وقت ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ بنائیں گے اور ڈرانے کے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے جیسے فَکَیۡفَ

اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ (آل عمران: ۲۵) یعنی کیسی مصیبت ہوگی جب ہم کفار کو قیامت کے دن جمع فرمائیں گے۔ یہاں کیف میں دونوں احتمال ہیں پہلی صورت میں تَسْتَبْشِرُوْا پوشیدہ ہے اور دوسری صورت میں یَکُوْنُ حَالُھُمْ پوشیدہ یعنی اے محبوب آپ کو کیسی خوشی ہوئی یا آپ کو کیسی خوشی ہوگی یا اے محبوب ان منافقین کی کیسی گت بنی یا کیسی گت بنے گی اِذَا اس پوشیدہ فعل کا ظرف ہے اَصَابَتْھُمْ کی ضمیر یا تو بشر منافق کی طرف لوٹتی ہے چونکہ وہ اور اس کی جماعت ایک ہی بیماری میں گرفتار تھے اس لئے ضمیر جمع لائی گئی یا ان منافقوں کی طرف لوٹتی ہے جو قصاص یا دیت کا مطالبہ کرنے کے لئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے یعنی بشر منافق کے عزیز اقارب۔ مُصِیْبَةٌ سے مراد یا تو حضرت فاروق اعظم کا بشر کو قتل کر دینا ہے اس صورت میں اِذَا صرف ظرف کے لئے ہے استقبال کے لئے نہیں اور اَصَابَتْ ماضی اپنے معنی میں ہے یا منافقوں کی آئندہ ہونے والی رسوائی و خواری اور جناب عمرؓ کے خلاف مقدمہ میں ناکامی حضرت عمر کی عزت افزائی یا آئندہ ان منافقوں کا مسلمانوں سے چھنٹ جانا اس صورت میں اِذَا استقبال کے لئے ہے اور اَصَابَتْ بمعنی مستقبل اس طرح مَا قَدَّمَتْ سے مراد یا تو بشر منافق کا کعب ابن اشرف کو حکم بنانے کی کوشش کرنا پھر حضور ﷺ کے حکم پر ناراض ہونا ہے یا ان منافقوں کا وقتاً فوقتاً نفاق کی باتیں کرنا لہٰذا اس جملہ کی چار تفسیریں ہوئیں یعنی اے محبوب آپ کو کیسی خوشی ہوئی جب بشر کو اس کی اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے جو اس نے کیں قتل کی مصیبت پہنچی یا اے محبوب علیہ السلام آپ کو کیسی خوشی ہوگی جب ان بقیہ منافقوں کو اپنی بدکاریوں بشر کی حمایت حضرت عمر کی مخالفت کی وجہ سے مصیبت پہنچے گی کہ یہ اس مقدمے میں بدنام ہونگے یا اے محبوب اس بشر کی کیا حالت ہوئی جب اسے اپنی گذشتہ حرکتوں کی وجہ سے قتل کی مصیبت پہنچی یا ان منافقوں کی کیسی بدنامی ہوگی جب ان کو اپنی حرکتوں کی وجہ سے مصیبت پہنچے گی ناکامی و بدنامی ثُمَّ جَآءُوْکَ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ۔ ثُمَّ عاطفہ ہے اور یہ جملہ اِذَا اَصَابَتْھُمْ پر معطوف جَآءُوْکَ کا فاعل بشر کے عزیز و اقارب ہیں اور آنے سے مراد اپنی برائت و پاکدامنی بیان کرنے کیلئے حاضر ہونا ہے۔ یَحْلِفُوْنَ پر وقف بھی کر سکتے ہیں یعنی پھر یہ لوگ آپ کے پاس قسم کھاتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں یا حاضر ہوں گے اس صورت میں بِاللّٰهِ کا تعلق اگلے مضمون سے ہوگا اور یَحْلِفُوْنَ پر وقف نہ کرنا بھی درست ہے تب بِاللّٰهِ کا تعلق یَحْلِفُوْنَ سے ہوگا یعنی اللہ کی قسم کھاتے ہیں یا کھائیں گے اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِیْقًا یہ وہ مضمون ہے جس پر ان منافقوں نے قسم کھائی اِنْ نافیہ ہے اَرَدْنَآ سے مراد ہے بشر کا ارادہ اِحْسَان سے مراد ہے اس یہودی پر احسان کرنا جس سے بشر کا جھگڑا تھا توفیق سے مراد ہے بشر و یہودی کی صلح و موافقت ہو جانا جھگڑا ختم ہو جانا یعنی ہمارے بشر نے جو کعب ابن اشرف کو حکم بنانے کی رائے دی تھی وہ صرف اس یہودی پر احسان کرنے کے لئے دی تھی کہ وہ یہودی اپنے ہم مذہب یہودی کعب ابن اشرف کے پاس مقدمہ لے جانے سے خوش ہو جاوے اور بشر کا احسان مانے اور پھر جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے پاس جانے کیلئے کہا تھا آپ کے فیصلہ کے بعد۔ وہ صرف اس لئے کہا تھا کہ وہ

بزرگ بشر اور یہودی میں صلح کرادیں کیونکہ آپ کی بارگاہ میں تو اونچی آواز سے بولنا بھی جرم ہے اور آپ کی ہیبت بھی ہے کہ فریقین آپ کی ہیبت کی وجہ سے اپنی دلی بات آزادی سے بیان نہیں کر سکتے حضرت عمر سے بے تکلفی سے بات چیت کر کے آپس میں وہ دونوں صفائی کر لیتے بشر کے وہم میں بھی یہ بات نہ تھی کہ آپ کے فیصلہ سے بھاگے یا بعد فیصلہ اس سے راضی نہ ہو بھلا یہ ہو سکتا ہے ہم اور وہ دونوں کلمہ گو ہیں مسلمان ہیں یہ ہے اس جملہ کا مطلب جو تفسیر کبیر وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے اس صورت میں آیت کا مطلب بالکل واضح ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ منافقین آئے تھے حضرت عمر پر قصاص یا دیت کا دعویٰ کرنے مگر پچھلی آیت کے نازل ہو جانے سے الٹے پھنس گئے اور ان کا نفاق ظاہر ہو گیا تو بطور معذرت یہ تاویلیں کرنے لگے رب تعالیٰ ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ **اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُ اللّٰہُ مَافِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ**۔ **اُولٰٓئِکَ** سے اشارہ یا تو ان موجودہ منافقوں کی طرف ہے جو بشر کی صفائی بیان کرنے کیلئے آئے یا بشر کی طرف یا دونوں کی طرف اگرچہ یہ منافقین جسم سے قریب تھے مگر دل سے ایمان سے جان سے حضور انور سے بہت دور تھے اس لئے **اُولٰٓئِکَ** بعید کا اشارہ ارشاد ہوا اس بارگاہ میں دلی قرب کا اعتبار ہے۔ **مَا** سے مراد وہ نفاق و کفر ہے جو بشر اور اس کے حمائتیوں کے دل میں تھا یا حضور کے فیصلہ سے راضی نہ ہونا جو بشر کے دل میں تھا یا ان منافقوں کا خود اپنے دل میں اپنا جھوٹا ہونا یعنی یہ لوگ جھوٹے ہیں بشر کے دلی ارادہ کو یا ان کی غلط تاویلوں کو یا ان دونوں کے کفرو نفاق کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اللہ کے جاننے سے مراد قہر و غضب کا جاننا ہے نہ کہ رحم و کرم کا جاننا ورنہ اللہ تعالیٰ ہر چیز جانتا دیکھتا ہے ہر آواز سنتا ہے یا اللہ کے جاننے سے مراد رسول اللہ کا جاننا ہے جیسا کہ **یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ** (بقرہ:۹) میں اللہ کو دھوکہ دینے سے مراد رسول اللہ کو دھوکہ دینا ہے یعنی رسول اللہ ان کے دل کی بات جانتے ہیں پھر یہ بہانے کیوں بناتے ہیں حضور ﷺ تو احد پہاڑ کے دل کی محبت غیر پہاڑ کے دل کی عداوت جانتے ہیں تو انسانوں کے دل کا حال کیوں نہ جانیں۔ اے محبوب آپ ان کی باتوں پر بالکل اعتماد و اعتبار نہ کریں بلکہ **فَاَعۡرِضۡ عَنۡہُمۡ وَعِظۡہُمۡ** اعراض کے معنی ہیں چوڑائی میں ہو جانا منہ پھیرنے کو اعراض کہتے ہیں کہ اس سے سامنے والے کی طرف منہ کا چوڑا حصہ یعنی کنپٹی اور کان کی لو ہو جاتی ہے **عَنۡہُمۡ** کا مرجع یہ ہی مقدمہ دائر کرنے والے بہانہ بنانے والے منافقین ہیں یہ کلمہ یا تو ان منافقین پر عذاب ہے یا عتاب حضور ﷺ کا کسی سے منہ پھیر لینا بھی خدا تعالیٰ کا عذاب ہے مقبولوں کا کسی سے راضی ہونا اللہ کی رحمت ہے ان کی ناراضی رب تعالیٰ کا عذاب یعنی آپ ان سے دنیا و آخرت میں کنارہ کش ہو جاویں یا مقصد یہ ہے کہ آپ ان کو قتل و بدنام نہ کریں ان کی حرکتوں سے چشم پوشی فرمادیں اب یہ کلمہ عتاب کا ہے۔ **عِظۡ** وعظ سے بنا بمعنی نصیحت کرنا وعظ و نصیحت بشارت دے کر بھی ہوتا ہے ڈرا کر بھی یہاں دوسرا وعظ مراد ہے ڈرا کر نصیحت کرنا یعنی اے محبوب ﷺ آپ ان کے حق میں فیصلہ ہرگز نہ دیں بلکہ ان کا کلام بھی نہ سنیں ان کی طرف رخ بھی نہ کریں یہ جھوٹے ہیں بلکہ انہیں نصیحت کریں کہ جھوٹ بولنے کی یہ سزا ہے جھوٹی قسموں سے باز آجاؤ ورنہ رسوا عالم ہو کر

ذلیل وخوار ہوگے یا اب آپ ان کے نفاق کو لوگوں پر ظاہر نہ کریں ان پر زیادہ طعن نہ فرماویں پہلے کی طرح صرف وعظ و نصیحت سے ہی کام لیں کہ نفاق چھوڑ و اس کا انجام برا ہے۔ **وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا** واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ **اَعْرِضْ** پر معطوف **لَّهُمْ** کی ضمیر ان ہی منافقوں کی طرف ہے جو مقدمہ لے کر حاضر بارگاہ ہوئے تھے **اَنْفُس** نفس کی جمع ہے بمعنی دل یا ذات یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ **بَلِيْغ** سے مراد یا تو فصیح و بلیغ کلام ہے یا دل میں پہنچ جانے والی ذہن میں اتر جانیوالی گفتگو یعنی آپ ان سے ایسا حکیمانہ کلام فرماویں جو ان کے دل میں اتر جاوے کہ اب بھی ٹھیک ہو جاؤ اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ ورنہ بدنام ہو جاؤ گے اس رسوائی سے عبرت پکڑ و یا اے محبوب سب کے سامنے نہیں بلکہ انہیں اکیلے میں بلا کر جہاں صرف منافقین ہی ہوں دوسرے نہ ہوں فصیح و بلیغ وعظ فرماؤ یہ یہ ہی ہیں اور آپ آپ ہی ہیں۔

خلاصہ تفسیر

تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس جملہ کی چار پانچ تفسیریں ہیں ہم صرف ایک تفسیر عرض کرتے ہیں۔ اے محبوب ﷺ ان جماعت منافقین پر کیسی بنی جب ان پر ان کی اپنی بدعملیوں کی وجہ سے مصیبت آ پڑی کہ ان کا ایک آدمی حضرت فاروق کے ہاتھوں مارا گیا اور یہ بدنام ہوئے جناب عمر کی عزت و عظمت میں اور چار چاند لگ گئے کہ رب تعالیٰ نے ان کی گواہی دے کر ان کا احترام تا قیامت زیادہ فرما دیا پھر یہ اپنی شرمندگی مٹانے کے لئے آپ کے پاس قسمیں کھاتے ہوئے حاضر ہوئے تاکہ اپنی اور بشر کی صفائی بیان کریں بولے اللہ کی قسم بشر نہ تو آپ کے پاس فیصلہ لانے سے گریز کرتا تھا اور نہ فیصلہ فرما دینے کے بعد اس سے ناراض تھا وہ تو صرف اس یہودی پر احسان کرنا چاہتا تھا کہ اس کے ہم مذہب سے فیصلہ کرائے تاکہ وہ احسان مند ہو جاوے اور آپ کے فیصلہ کے بعد حضرت عمر کے پاس صلح صفائی کے لئے گیا تھا کہ وہ یہودی سے اس کی صلح کرا دیں نہ کہ آپ کے فیصلہ کے خلاف اپیل کرنے اے محبوب ان کی باتوں پر دھیان نہ دینا یہ جھوٹے ہیں رب تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے یہ منافق دھوکہ باز ہیں آپ کو دھوکہ دیا چاہتے ہیں لہٰذا آپ ان سے منہ پھیر لیں ان کی بات سنیں بھی نہیں بلکہ انہیں نصیحت فرما دیں کہ آئندہ کیلئے منافقت سے باز آجاؤ۔ دنیا میں بدنام یا بشر کی طرح قتل ہو گے اور آخرت میں عذاب دوزخ کے حقدار اور ان سے ایسی حکیمانہ گفتگو فرماویں جو ان کے دل کی تہ تک پہنچ جاوے۔

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کفار و منافقین کے مارے جانے پر خوشی منانا سنت ہے جیسا کہ **فَكَيْفَ** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا جب ابوجہل کے قتل کے خبر آئی تو حضور ﷺ نے سجدہ شکر کیا۔ غرق فرعون کا دن یعنی دسویں محرم کو یہود کی عید قرار دیا گیا۔ اسلام میں بھی اس دن کا روزہ سنت ہے کیوں اس غرق کی خوشی میں ہاں ذاتی دشمن کی موت پر خوشی منانا نہ چاہیئے کہ موت تو ہم کو بھی آنی ہے بے دین فسادی کی موت سے دنیا کو امن مل جاتی ہے۔ **دوسرا فائدہ**: حضرت عمرؓ کے اس قتل بشر سے اللہ تعالیٰ

بھی راضی ہوا اور حضور علیہ السلام بھی خوش جناب عمر بڑے ہی خوش نصیب ہیں کہ انہوں نے اللہ رسول دونوں کو راضی کر لیا۔ یہ فائدہ بھی **فَکَیۡفَ** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: دنیا میں رسوائی بھی اللہ کا عذاب ہے جو اپنی حرکتوں بدکاریوں کی وجہ سے آتا ہے جیسا کہ **بِمَا قَدَّمَتۡ** الخ سے معلوم ہوا مولانا فرماتے ہیں۔

ہر چہ آید بر تو از ظلمات وغم　　　　این زبیا کی وگستاخی است ہم

چوتھا فائدہ: جھوٹی قسمیں کھانا اپنے کلام وکام کی غلط تاویلیں کرنا منافقوں کا کام ہے مومن کو چاہئے کہ اپنی غلطی فوراً مان لے عذر بگناہ بدتر از گناہ۔ اعلحضرت نے کیا خوب فرمایا۔

عذر بدتر از گناہ کا ذکر کیا　　　　ہم پہ بے پوچھے ہی رحمت کیجئے

قیامت میں بھی جرم کا اقبال کر لینے والے گنہگاروں پر رحمت ہوگی بہانہ باز کفار پر لعنت وعذاب۔ **پانچواں فائدہ**: حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں ہمیشہ سچی بات ہی کہنا چاہیئے وہاں ہر ایک کا ہر حال عیاں ہے دیکھو منافقین نے بہانہ بازیاں کیں تو کیسے رسوا وبدنام ہوئے وہاں بجز قبول گناہ کوئی چارہ نہیں۔

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

چھٹا فائدہ: کفار ومنافقین کی حمایت کرنا بھی مصیبت کا باعث ہے جیسا کہ **بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡهِمۡ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ منافقین بشر کی حمایت کرنے آئے اور حضرت عمر فاروق کے خلاف مقدمہ دائر کرنے تو لینے کے دینے پڑ گئے۔ خود پھنس گئے جان چھوڑانا مشکل ہو گیا یوں ہی اللہ کے محبوبوں کی حمایت کرنا ہزار ہا رحمتوں کا سبب اور سنت الٰہیہ ہے دیکھو رب تعالیٰ نے حضرت عمر فاروق کی کیسی بے مثال حمایت فرمائی۔ رب تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کی حمایت کی توفیق دے ہماری عزت وآبروان کی عزتوں کیلئے ڈھال بنی رہے۔ حضرت حسان نے کیا خوب فرمایا۔

فَاِنَّ اَبِیۡ وَوَالِدَتِیۡ وَ عَرۡضِیۡ　　　　لِعَرۡضِ مُحَمَّدٍ مِنۡکُمۡ وِقَاءٌ

ساتواں فائدہ: جن بے دینوں کے ایمان لانے کی امید نہ ہو انہیں بھی تبلیغِ اسلام ضروری جاوے کہ اگرچہ اس سے وہ لوگ ایمان نہ لاویں گے مگر مبلغ کو تو تبلیغ کا ثواب مل جاوے گا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو ان منافقین کو تبلیغ فرمانے کا حکم دیا جو اس درجہ کے منافق تھے کہ حضور کو دھوکہ دینا چاہتے تھے۔

نوٹ ضروری: تفسیر خازن وغیرہ نے اس آیت کریمہ کو جہاد کی آیتوں سے منسوخ مانا کیونکہ اس میں منافقین سے منہ پھیرنے اور اعراض کرنے کا حکم ہے مگر فقیر کے نزدیک یہ صحیح نہیں اس لئے کہ یہ آیت احکام جہاد آنے کے بعد کی ہے اس لئے حضرت عمر نے بشر کو قتل کیا نیز منافقین پر جہاد کبھی نہ ہوا نہ احکام جہاد آنے سے پہلے نہ اس کے بعد اگرچہ ان سے بڑی حرکتیں ظاہر ہوتی رہتی تھیں مگر سرکار درگزر ہی فرماتے تھے۔ جس پر بہت سے واقعات دلالت کرتے ہیں بارہا ایسا ہوا کہ حضرت عمرؓ وغیرہم نے بعض منافقین کے قتل کی اجازت چاہی مگر

حضور علیہ السلام نے فرمایا چھوڑ دو لوگ کہیں گے کہ محمد مصطفےٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیتے ہیں یعنی پھر لوگ اسلام قبول کرنے سے ڈریں گے۔ ہاں بخاری شریف نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی آپ فرماتے ہیں کہ نفاق حضور کے زمانہ میں تھا اب یا کفر ہے یا ایمان (مشکوٰۃ شریف باب الکبائر والنفاق) یعنی اب کسی بے دین کو منافق سمجھ کر چھوڑا نہیں جائے گا۔ جس سے کفر سرزد ہوگا اسے مار دیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا بلکہ منافقوں کو چھوڑنے کی علت جاتی رہی علت کی وجہ سے حکم بھی گیا یہ بات بہت خیال میں رکھی جائے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اگر اس آیت میں مصیبت سے مراد بشر منافق کا قتل ہے تو وہ ایک ہی آدمی پر ہوا تھا پھر **اَصَابَتْهُمْ** جمع کیوں فرمایا گیا نیز آگے **ثُمَّ جَاءُوْكَ** کیوں ارشاد ہوا۔ کیا مقتول بھی بعد قتل آسکتا ہے۔ **جواب**: ایک شخص کا قتل ساری قوم کیلئے مصیبت ہوتا ہے اسلئے **هُمْ** جمع فرمایا گیا بلکہ مقتول کی مصیبت تھوڑی دیر کی ہوتی ہے اس کے عزیز و اقارب کی مصیبت بہت دراز لہٰذا آیت بالکل صحیح ہے۔ ان منافقوں کو بڑی مصیبت تو یہ پڑی تھی کہ اس قتل بشر سے ان کے کنبے کی منافقت ظاہر ہوگئی تھی۔

دوسرا اعتراض: اس واقعہ میں ان لوگوں نے بشر منافق کی حرکت کو اپنی طرف منسوب کیوں کیا کہ کہا **اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا**۔ ہم سب نے اس یہودی پر احسان کرنا چاہا تھا اور صلح کرنی یہ عمل تو بشر کا تھا نہ کہ ان منافقین کا جو قصاص کا دعویٰ کرنے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تھے پھر یہ آیت کیونکر صحیح ہوئی۔ **جواب**: قوم میں سے ایک شخص کا کام ساری قوم کا کام مانا جاتا ہے۔ جب وہ اس سے راضی اور اس کے حمایتی ہوں چونکہ یہ لوگ بشر کی اس حرکت سے راضی تھے اور اس کی حمایت کیلئے یہاں حاضر ہوئے تھے اس لئے ان سب نے اس حرکت کو اپنی طرف منسوب کیا دیکھو بنی اسرائیل میں نفس کا قاتل ایک شخص تھا مگر فرمایا گیا۔ **وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا** (بقرہ:۷۲) اور صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ایک شخص قیدار نے ہلاک کیا مگر رب نے فرمایا **فَعَقَرُوْهَا** (شمس:۱۴)۔

تیسرا اعتراض: حضرت عمرؓ نے بشر منافق کا ایک کفر ظاہر ہونے پر اسے قتل کر دیا مگر عبداللہ ابن ابی وغیرہ منافقین کے کفر بار ہا ظاہر ہوتے رہتے تھے انہیں قتل نہ کیا گیا قرآن کریم فرماتا ہے کہ منافقین کہتے ہیں کہ مدینے پہنچ کر عزت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے یہ بکواس بشر کے بکواس سے زیادہ سخت کفر ہے پھر اسے قتل کیوں نہ کیا گیا اور اگر حضرت عمر نے بشر کو ناجائز قتل کیا تو ان سے قصاص کیوں نہ دلوایا گیا اور رب نے ان کی حمایت کیوں فرمائی۔

جواب: پہلے کہا جا چکا ہے کہ منافقین پر مسلمانوں کے ظاہری احکام جاری تھے انہیں مسلمان مانا جاتا تھا انہیں نمازوں میں بلکہ جہادوں میں شریک کیا جاتا تھا اور مسلمان کا حکم تو یہ ہے کہ اگر کسی کے کلام میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا ان منافقین عبداللہ ابن ابی وغیرہ کی بکواسوں میں صحیح پہلو بھی نکل سکتا تھا مثلاً وہ کہہ سکتا تھا کہ میں نے ذلیلوں سے مراد مسلمان اور ان کے آقا نہیں لئے ہیں بلکہ فلاں فلاں آدمی مراد ہیں جو

میرے مخالف ہیں اس لئے انہیں ظاہری شک کا فائدہ دیتے ہوئے قتل نہ کرایا گیا بشر کی گفتگو میں اسلام کا کوئی پہلو ہی نہ تھا لہٰذا قتل کر دیا گیا۔

چوتھا اعتراض: اگر اس آیت میں مصیبت سے مراد بشر کا قتل ہے تو آگے **بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ** فرمانا کیونکر صحیح ہوا بشر نے زبان کا جرم کیا تھا نہ کہ ہاتھوں کا کہ اس نے کہا تھا کہ میں راضی نہیں۔ **جواب**: عربی زبان میں ایدی یعنی ہاتھوں سے مراد ذات ہوتی ہے لہٰذا آیت واضح ہے کہ یہاں ہاتھ مراد نہیں بلکہ پوری ذات۔

پانچواں اعتراض: جب بشر کے عزیز و قرابت داروں نے بشر کی صفائی بیان کی تو جناب عمر نے اپنی صفائی کیوں نہ دی مقدمہ میں فریقین کا بیان لینا ضروری ہے ایک فریق کے بیان پر فیصلہ نہیں ہوتا۔ **جواب**: حضرت عمر کی طرف سے رب تعالیٰ نے خود صفائی دے دی جب قرآن مجید نے ان کی وکالت کر دی تو انہیں جواب کی حاجت ہی نہ رہی وکیل کا بیان ہوتے ہوئے موکل کو بیان دینے کی ضرورت ہی نہیں اس میں حضرت عمر کی انتہائی عظمت کا اظہار ہے کہ مقدمہ حضور کی کچہری میں پیش ہے مدعیان قصاص حضرت عمر کے خلاف دعویٰ کر رہے ہیں اور رب تعالیٰ ان کی طرف سے جواب دعویٰ ارشاد فرما رہا ہے جن محبوب کے غلاموں کی یہ عزت ہے اس محبوب کی شان کا کیا پوچھنا۔

دشمن نے تیرے جو کچھ بھی کہا اللہ نے اس کا جواب دیا! پر تو نے پلٹ کر کچھ نہ کہا تیری شرم و حیا کا کیا کہنا!

اللہ تعالیٰ ان مقبولوں کی سچی غلامی ہم سب کو نصیب کرے آمین ثم آمین۔

تفسیر صوفیانہ

تمام گناہوں سے بدتر گناہ بدوں کی صحبت اور بروں کی حمایت ہے کہ برا تو برائی کر کے برا بنا اور یہ حمایتی بلاوجہ صرف حمایت کر کے اس کے ساتھ رگڑا گیا دیکھو بشر کا ایک ذاتی واقعہ تھا جو ختم ہو چکا تھا مگر اس کی حمایت کرنے والے سارے منافقین کا بیڑا غرق ہو گیا کیوں اس کی حمایت میں چور کا حامی بھی چور ہے اور تمام نیکیوں میں بڑھ کر نیکی اور تمام عملوں سے اعلیٰ عمل مقبول بندوں کی دوستی اور ان کی حمایت اور ان پر سے اعتراضات کا اٹھانا ہے کہ ساری نیکیاں بندے کرتے ہیں مگر یہ کام وہ ہے جو رب تعالیٰ بھی کرتا ہے یعنی یہ عمل سنت الٰہیہ ہے دیکھو حضرت عمر کی حمایت یہاں کون کر رہا ہے خود پروردگار عالم آج تبرا کرنے والے لوگ اس آیت کو پڑھیں اور اپنے متعلق فیصلہ کریں کہ وہ کس ٹولے میں ہیں منافقین کے ٹولے میں ہیں یا اللہ والوں کے زمرے میں مقدمہ ایک ہے جناب عمر بھی ایک مگر منافقین ان پر تبرا کر رہے ہیں اور اللہ ان کی صفائیاں دے رہا ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ گذشتہ سارے انبیاء کرام پر جو کفار نے اعتراض کیے تو خود ان نبیوں نے جواب دیے مثلاً قوم عاد نے ہود علیہ السلام سے کہا کہ آپ سفیہ یعنی بیوقوف ہیں تو آپ نے جواب دیا **لَيْسَ بِىْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ** الخ (اعراف:٦٧) یا صالح اور نوح علیہما السلام سے ان کی قوم نے کہا کہ آپ گمراہ ہیں تو آپ نے جواب دیا **لَيْسَ بِىْ ضَلٰلَةٌ** الخ (اعراف:٦١) مگر جب اس قسم کے اعتراضات محبوب پر ہوئے تو محبوب نے خود جواب نہ دیئے مثلاً کفار نے

کہا لَسْتَ مُرْسَلاً (الرعد:۴۳) آپ رسول نہیں تو رب نے جواب دیا یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (یٰسٓ:۳)۔ اے تمام نبیوں کے سردار قرآن شریف کی قسم تم سچے رسول ہو سبحان اللہ قرآن شریف اتارنے والا قرآن شریف کی قسم فرما کر صاحب قرآن کی رسالت بیان فرما رہا ہے یونہی کفار نے کہا آپ مجنوں ہیں تو رب نے فرمایا نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ (القلم:۲) اے محبوب تیری امت کے علماء کی قلموں کی قسم ان کے لکھے ہوئے فتووں اور کتابوں کی قسم تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں یونہی کفار نے حضور کو شاعر یا گمراہ کہا تو رب نے فرمایا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ (یٰسٓ:۶۹) اور فرمایا مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَاغَوٰی (نجم:۲) قرآن پڑھو اور قرآن والے کی شان کے گیت گاؤ مگر اس آیت نے تو کمال ہی کر دیا کہ منافقین کا سارا ٹولہ محبوب کے خادم خاص حضرت عمر پر الزام ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے مگر رب ہے کہ جناب عمر کی صفائی دے رہا ہے ان کے الزاموں کا جواب دے رہا ہے اور حضرت عمر فاروق کی حمایت فرما رہا ہے کہ فرماتا ہے یَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ یہ منافق جھوٹے بہانے بناتے ہیں جو کچھ ان کے دل میں ہے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ حضرت عمر کا عمل ہمارے علم ومنشاء کے عین مطابق ہے اللہ تعالیٰ وہ آنکھ عطا فرمائے جو ان کے فضائل ومراتب دیکھے ظاہری آنکھ ظاہری چہرے مہرے کو دیکھتی ہے دل کی آنکھ سیرت وصفات کو دیکھتی ہے ظاہری آنکھ کا سرمہ فرش پر بنتا ہے اور دل کی آنکھ کا سرمہ کارخانہ قدرت میں عرش پر تیار ہوتا ہے جو مدینہ پاک سے اولیاء اللہ کو تھوک میں ملتا ہے اور اولیاء اللہ کے آستانوں سے ہم گناہگاروں کو پرچون میں عطا ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

سرمہ کن در چشم خاک اولیاء تا بہ بینی ز ابتداء تا انتہاء

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ
اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر تا کہ فرمانبرداری کی جاوے ساتھ حکم اللہ کے اور اگر تحقیق
اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جاوے اور اگر
اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ
جب بھی ظلم کرتے اپنی جانوں پر آجاتے تمہارے پاس پھر معافی چاہتے اللہ سے اور معافی چاہتے
جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے پاس حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول
لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّکَ
ان کے لئے یہ رسول تو البتہ پاتے وہ اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ پس قسم ہے تمہارے رب
ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم

لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا
نہیں مومن ہوسکیں گے یہ لوگ حتیٰ کہ حاکم بنائیں آپ کو اس میں جو اختلاف ہو درمیان ان کے پھر نہ
وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ
يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾
پائیں اپنے دلوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ کرو تم اور مان لیں پورا ماننا
اپنے دلوں میں اس میں رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: کچھ پہلے ارشاد ہوا تھا کہ اللہ رسول اور اپنے علماء کی اطاعت کرو اب فرمایا جارہا ہے کہ اطاعت رسول کا حکم صرف تم ہی کو نہیں دیا گیا بلکہ جس قدر بھی رسول دنیا میں آئے ان سب کی امتوں کو اس اطاعت کا حکم تھا یہ حکم بڑا پرانا اور بڑا ہی اہم ہے جیسے تمام دینوں کے فروعی مسائل مختلف تھے مگر توحید سب میں ایک تھی اس طرح اطاعت رسول کا حکم سب دینوں میں یکساں رہا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں ارشاد ہوا کہ بشر اور اس کے حمایتی منافقین کافر ہو چکے اس لئے کہ انہوں نے آپ کے فیصلے کو دل سے قبول نہ کیا اب فرمایا جارہا ہے کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہے اب بھی آپ کے پاس آجائیں اور آپ سے شفاعت کروا کر ہم سے معافی مانگ لیں تو ہم بخش دیں گے۔ **تیسرا تعلق**: ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ آپ ان منافقوں کو وعظ فرماؤ اب اس وعظ کا مضمون بتایا جارہا ہے کہ توبہ کرلو ہم سے معافی چاہ لو بخش دیئے جاؤ گے یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیتوں میں ارشاد ہوا تھا کہ منافقین ہمارے محبوب کے حکم سے راضی نہ ہو کر کفار کو حاکم بنانے کی وجہ سے بے دین ہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ حکم صرف ان کے لئے ہی نہیں اور اس زمانے پر ہی محدود نہیں بلکہ تاقیامت قاعدہ مقرر فرمایا جاتا ہے کہ کسی کو بغیر تمہارے حاکم مانے ایمان نصیب نہ ہوگا۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ ہمارے نبی کو حاکم مانو ورنہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے اب ارشاد ہورہا ہے کہ ایمان کیلئے آپ کو صرف حاکم مان لینا ہی کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کے فیصلے پر چیں بجبیں نہ ہوں بلکہ اسے دل سے قبول کریں مجبوراً مان لینا تو منافقین بھی کرلیتے تھے یعنی پچھلی آیت میں حضور کی ظاہری اطاعت کا حکم تھا اور اس آیت میں دلی اطاعت کا حکم ہے یعنی بخوشی قبول کرلینا گویا ایمان کے قالب کا پہلے ذکر تھا اور ایمان کے دل و روح کا اب ذکر ہورہا ہے کہ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا الخ

شان نزول

ابوبکر اصم فرماتے ہیں کہ کچھ منافقوں نے حضور سید عالم ﷺ کے خلاف کچھ سازش کی کہ اس طرح حضور ﷺ کو ایذا پہنچائی جاوے چنانچہ یہ لوگ بری نیت سے بارگاہ عالی میں

حاضر ہوئے حضرت جبرئیل امین نے حاضر ہوکر حضور ﷺ کو ان کے اس ارادے پر مطلع کر دیا جب یہ منافق آئے تو مہاجرین وانصار کا مجمع حضور کی بارگاہ عالی میں لگا ہوا تھا حضور ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگ اس مجلس میں بہت برے ارادے سے آئے ہیں جس میں وہ کامیاب نہ ہوں انہیں چاہیئے کہ وہ کھڑے ہوکر اخلاص کے ساتھ توبہ کرلیں ہم بھی ان کے لئے دعاء مغفرت کریں گے یہ لوگ نہ اٹھے پھر دوبارہ حضور نے یہ ہی فرمایا مگر یہ لوگ نہ اٹھے تب حضور ﷺ نے فرمایا اے فلاں تو کھڑا ہوجا اے فلاں تو اٹھ کھڑا ہو۔ چنانچہ بارہ آدمیوں کو نام بنام پکارا اور انہیں کھڑا کیا تب یہ لوگ کہنے لگے کہ ہم آپ کے فرمان پر کھڑے ہونے کا ارادہ کر رہے تھے اور اٹھنے والے ہی تھے حضور اب ہم توبہ کرتے ہیں آپ ہمارے لئے دعاء مغفرت فرمادیں فرمایا اب کچھ نہیں ہوسکتا چلے جاؤ تم کو پہلے اٹھنا چاہیئے تھا اب معاملہ آگے بڑھ چکا تب پہلی آیت کریمہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْکَ الخ نازل ہوئی (تفسیر کبیر)۔

(۲) حضرت عروہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ میرے والد حضرت زبیر اور ایک انصاری کے کھیت متصل تھے جو ایک نالی سے سیراب کئے جاتے تھے حضرت زبیر کا کھیت اوپر تھا انصاری کا کھیت نشیب میں انصاری کہتا تھا کہ پہلے پانی میں اپنے کھیت کو دوں گا پھر تم دو حضرت زبیر کہتے تھے کہ نہیں پہلے پانی میں دوں گا کیونکہ میرا کھیت بالائی حصہ میں ہے چنانچہ یہ مقدمہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوا حضور ﷺ نے حضرت زبیر کو حکم دیا کہ پہلے تم اپنے کھیت کو پانی دو پھر اپنے بھائی پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو اس پر انصاری بولا کہ حضرت زبیر آپ کے پھوپھی زاد ہیں (یعنی آپ نے اس فیصلہ میں ان کی مروت کی ہے) اس پر حضور ﷺ کو بہت صدمہ ہوا آپ کا چہرہ انور متغیر ہوگیا اور فرمایا کہ اچھا زبیر اب تم پہلے اپنے کھیت کو خوب اچھی طرح پانی دو حتیٰ کہ پانی منڈیر کے کنارہ پر پہنچ جاوے (یعنی کھیت کے بنیرہ کے برابر پہنچ جاوے) تب پانی انصاری کے کھیت کی طرف چھوڑو اس پر دوسری آیت فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ الخ نازل ہوئی (تفسیر کبیر، خازن، روح البیان، روح المعانی۔ مدارک، بخاری شریف وغیرہ)۔ تفسیر بیضاوی نے فرمایا کہ اس انصاری کا نام حاطب ابن بلتعہ تھا۔ تفسیر خازن نے بحوالہ بغوی نقل فرمایا کہ یہاں سے تو وہ انصاری خاموش چلا گیا جب یہ دونوں مقدادؓ پر گزرے حضرت مقداد نے پوچھا کہ کیا فیصلہ ہوا تو انصاری نے کہا کہ فیصلہ ان کی پھوپھی زاد بھائی کے لئے ہوا۔ اس پر ایک یہودی جو وہاں بیٹھا تھا بولا خدا انہیں غارت کرے کہ جس رسول کا کلمہ پڑھتے ہیں ان کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتے ہم بنی اسرائیل نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ایک گناہ کیا تھا اس کی پاداش میں ستر ہزار یہودی قتل ہوئے تب توبہ قبول ہوئی تھی اس پر حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس تڑپ کر بولے قسم رب کی اگر حضور ﷺ مجھ کو حکم دیں کہ اپنے کو قتل کردوں تو مجھے کبھی تامل نہ ہو۔ مگر پچھلی روایت قوی ہے۔

تفسیر وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ ۔ اَرْسَلْنَا ارسال سے بنا بمعنی بھیجنا شریعت میں کسی خاص انسان کو اپنا نبی بنانا ارسال کہلاتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ دونوں معنیٰ میں استعمال ہوا ہے رب تعالیٰ فرماتا

ہے۔ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلاً (مزمل:۱۵) ہم نے فرعون کی طرف ایک شاندار رسول بھیجا یہاں اَرْسَلْنَا لغوی معنی میں ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام مدین سے رسول بنا کر مصر میں بھیجے گئے فرعون کی طرف اور فرماتا ہے اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ (یٰس:۱۴) دوسری جگہ فرماتا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء:۱۰۷) یہاں رسول شرعی معنی میں ہے یعنی ہم نے آپ کو رسول نہ بنایا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت حضور ﷺ کسی اور جگہ سے رسول بن کر عرب میں نہ بھیجے گئے یہاں اَرْسَلْنَا دونوں معنی میں ہوسکتا ہے مِنْ تنکیریہ ہے بمعنی کوئی اور رسول بمعنی پیغمبر خدا ہے نہ کہ محض قاصد کے معنی میں نبی رسول مرسل میں فرق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار تشریف لائے رسول تین سو تیرہ مرسل چار ظاہر یہ ہے کہ یہاں رسول بمعنی نبی ہے اور ہوسکتا کہ بمعنی رسول ہی ہو جن کی تعداد تین سو تیرہ ہے خیال رہے کہ نبی کے معنی خبر والا یعنی خبر دینے والا یا خبر لینے والا یا خبر رکھنے والا رسول کے معنی ہیں پیغام رساں فیضان رساں ایمان رسان عرفاں رساں وغیرہ جو نبی کو بے خبر مانے وہ در پردہ ان کی نبوت کا منکر ہے جو کہے کو حضور سے کچھ نہیں ملتا وہ در پردہ حضور کی رسالت کا منکر ہے۔ رسول وہ جو رب سے لے کر مخلوق کو دے۔ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط اِلَّا استثنائیہ ہے بمعنی غیر نہیں اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے لِحِکْمَةٍ اَوْ شَیْئٍ نفی کے بعد اِلَّا نے حصر کا فائدہ دیا اور یہ حصر اضافی ہے حقیقی نہیں لہٰذا آیت کا مقصد یہ نہیں کہ رسول کا بھیجنا صرف اطاعت کیلئے ہے شفاعت یا رحمت یا بندوں کی حاجت روائی وغیرہ کیلئے نہیں لہٰذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء:۱۰۷) مقصد یہ ہے کہ نبی نافرمانی کئے جانے یا ڈاکیہ کی طرح صرف حکم الٰہی پہنچانے کیلئے نہیں لِیُطَاعَ کا لام غرض وعلت وغایۃ کا نہیں بلکہ حکمت ومصلحت کا ہے اللہ تعالیٰ کے کام غرض وغایت سے پاک ہیں اپنی نفع کو غرض کہتے ہیں دوسرے کو نفع پہنچانے کے لئے کام کرنا حکمت کہلاتا ہے یُطَاعَ اطاعت بمعنی فرمانبرداری سے بنا اطاعت عبادت کا فرق پہلے بیان ہو چکا نیز اطاعت کی قسمیں اطاعت قولی۔ اطاعت عملی، اطاعت اعتقادی کا بیان بھی ہو چکا یہاں مطلقاً اطاعت مراد ہے قولی یا عملی یا اعتقادی یُطَاعَ کا نائب فاعل تو رسول ہیں اور اس کا فاعل رسول کی امت چونکہ دوسرے رسولوں کی امتیں بھی خاص تھیں ان کے زمانہ بھی خاص علاقہ ورقبہ بھی خاص اس لئے ان کی اطاعتیں بھی خاص تھیں ہمارے حضور کی نبوت علاقہ، قوم اور زمانہ کی قیدوں سے آزاد ہے اس لئے آپ کی اطاعت ہر زمانہ میں ہر جگہ ہر شخص پر لازم ہے لہٰذا آیت صاف ہے خضر علیہ السلام پر موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت اس لئے فرض نہ ہوئی کہ وہ جناب موسیٰ کی امت نہ تھے نہ ان کے علاقہ نبوت میں رہتے تھے۔ خیال رہے کہ اطاعت دو قسم کی ہوتی ہے۔ اطاعت صغریٰ، اطاعت کبریٰ، اطاعت صغریٰ جس کی اپیل ہو سکے جیسے حکام سلطنت کی اطاعت، اطاعت کبریٰ وہ جس کی اپیل نہ ہو سکے جیسے سلطان کی اطاعت، حضرات انبیاء کی اطاعت اطاعت کبریٰ ہے جو بہر حال کرنی لازم ہے۔ رب فرماتا ہے وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ الخ (احزاب:۳۶) جیسے اطاعت کبریٰ کی وجہ سے حکام کی اطاعت

صغریٰ کرنی پڑتی ہے ایسے ہی حضور کی اطاعت کی وجہ سے علماء کی اطاعت صغریٰ کرنی ضروری ہے۔ اذن ارادہ کو بھی کہتے ہیں اور حکم وامر کو بھی ظاہر یہ ہے کہ یہاں اذن بمعنی امر و حکم ہے کیونکہ ساری امتوں کو حکم تھا کہ اپنے نبی کی اطاعت کریں بعض نے یہ حکم مانا بعض نے نہ مانا اور ہوسکتا ہے کہ اذن بمعنی ارادہ ہو رب تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ ان نبیوں کی کوئی نہ کوئی اطاعت ضرور کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا مگر یہ احتمال ضعیف سا ہے کیونکہ بعض رسول وہ بھی ہیں جن کی اطاعت کسی شخص نے نہ کی اور ارادہ الٰہی کے خلاف ہونا غیر ممکن ہے لہٰذا تفسیر کبیر کا یہاں اذن کو بمعنی ارادہ لینا قوی نہیں یعنی اے محبوب ﷺ ہم نے کوئی پیغمبر اس لئے نہ بھیجا کہ ان کی امت ان کی مخالفت کرے اور ان کے مقابل دوسروں کا اپنا حاکم بنائے بلکہ اس لئے بھیجا کہ ان کا ہر امتی بحکم خدا اور بہ امر الٰہی ان کی اطاعت کرے ان سب کو حکم خداوندی تھا کہ اپنے رسول کی اطاعت کریں۔ جیسے بادشاہ اس سے راضی ہے کہ اس کی رعایا اس کے حکام کے اطاعت کرے ایسے ہی رب تعالیٰ اس سے راضی ہے کہ اس کے بندے اس کے رسولوں، نبیوں کی اطاعت کریں اس لئے یہاں بِاِذْنِ اللّٰہِ ارشاد ہوا بِاِذْنِ اللّٰہِ میں اس جانب اشارہ ہے کہ رب تعالیٰ کی اطاعت بواسطہ اطاعت نبی کی جاسکتی ہے کہ رب تعالیٰ کا جو فرمان نبی کے ذریعے پہنچے اس پر عمل لازم ہے جو اور ذریعہ سے پہنچے خواب یا الہام تو اطاعت لازم نہیں لہٰذا بشر یا کسی اور کا آپ کے حکم سے روگردانی کرنا آپ کے خلاف سازش کرنا حکم الٰہی کی مخالفت ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ چونکہ اس مضمون کے بہت سے لوگ منکر تھے کہتے تھے کہ گناہ کی معافی کیلئے حضور کے دروازے پر جانا شرک ہے سیدھا خدا کے پاس جانا چاہئے۔ اسلئے اسے اِنَّ تاکید سے شروع فرمایا گیا حق یہ ہے کہ ھُمْ کا مرجع اس آیت کے نزول کے وقت سے قیامت تک کا ہر جن وانس ہے فرشتے وغیرہ چونکہ گناہ کرتے نہیں اس لئے وہ اس حکم سے علیحدہ ہیں اِذْ عموم وقت کے لئے ہے بمعنی جب کبھی آپ کی حیات شریف میں یا وفات شریف کے بعد ظَلَمُوْٓا کا فاعل وہ تمام جن وانس ہیں جو اَنَّهُمْ کی ضمیر کا مرجع تھے اور ظلم سے مراد شرک و کفر، گناہ کبیرہ وصغیرہ چھپے کھلے نئے پرانے سارے گناہ ہیں قرآن کریم میں شرک وکفر کو بھی ظلم فرمایا ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان:۱۳) اور بڑے گناہوں کو بھی جیسے ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ (نحل:۲۸) اور خطاء لغزش کو بھی جیسے اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (انبیاء:۸۷)۔ یہاں ہر قسم کا جسمانی جنانی روحانی گناہ مراد ہے اَنْفُس نفس کی جمع ہے بمعنی جان روح یا ذات ھُمْ کا مرجع بھی وہی جن وانس ہیں جو ظَلَمُوْٓا کا فاعل تھے جَآءُوْا کا فاعل بھی وہ ہی عام لوگ ہیں۔ آنا جسم سے بھی ہوتا ہے۔ دل وجان سے بھی حضور کی خدمت میں جسم سے آنا تو یہ ہے کہ مجرم ان کے آستانہ عالیہ پر مدینہ منورہ پہنچ جاوے آپ کی زندگی شریف میں یا بعد وفات روحانی حاضری یہ ہے کہ اس ذات کریم کی طرف متوجہ ہو جاوے۔ جَآءُوْكَ الخ مع تمام معطوفوں کے لَوْ کی جزا ہے پھر شرط وجزا مل کر شرط ہے جس کی جزا لَوَجَدُوا اللّٰهَ الخ ہے یعنی اے محبوب اگر یہ آپ کی امت کے تمام جن وانس کسی وقت بھی کسی جگہ بھی کسی قسم کا گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر لیتے تو آپ کی بارگاہ میں جسمانی یا دلی طور پر حاضر ہو

جاتے۔ فَاسْتَغْفَرُوا اللہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ یہ دونوں جملے جَاءُوْکَ پر معطوف ہیں اور لَوْ کی جزاء ف عاطفہ ہے خیال رہے کہ لَوْ کی جزائیں یہاں تین بیان ہوئیں جَاءُوْکَ اور فَاسْتَغْفَرُوا اللہَ اور وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ مگر جَاءُوْکَ پر ف نہ آئی تاکہ معلوم ہو کہ پرانے مجرم کو بھی اس آستانہ پر حاضری کا بلاوا ہے وہ یہ خیال نہ کرے کہ اگر میں گناہ کرتے ہی وہاں پہنچ جاتا تو معافی ہو جاتی اب اتنے عرصہ کے بعد حاضری بیکار ہے نہیں جب بھی توفیق الٰہی دستگیری کرے آجائیں۔ یہاں پرانے تپ دق کا بھی علاج ہے اور فَاسْتَغْفَرُوا اللہَ میں ف ارشاد ہوئی کہ جب وہاں حاضری کی توفیق مل گئی تو اب استغفار میں دیر نہ لگائیں نہ معلوم پھر حاضری نصیب رہے یا نہ رہے اور ہمارے محبوب مختار ہیں خواہ فوراً ہی ان کی شفاعت فرمادیں یا کچھ دیر ان سے ناک رگڑوا کر رسول فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ صرف جرموں کا استغفار پڑھ لینا کافی نہیں ان کی شفاعت بھی ضروری ہے جو ان کے اور رب کے درمیان وسیلہ عظمٰی ہیں جو میرے ان کے درمیان رسول ہیں کہ مجھ سے رحمتیں لے کر انہیں دیتے ہیں اور ان کے گناہ میرے دربار میں حاضر کر کے بخشواتے ہیں اس لئے یہاں وَاسْتَغْفَرْتَ نہ فرمایا نیز اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ دوسرے بزرگوں کی طرح ان سے صرف آمین کہلوا لینا کافی نہیں بلکہ ان کی دعا لینا ضروری ہے۔ لَوَجَدُوا اللہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا یہ جملہ لَو کی جزاء دوم ہے وَجَدُوْا وجدان سے بنا بمعنی پانا۔ جسمانی پانا مراد نہیں بلکہ روحانی ایمانی پانا مراد ہے اسی لئے یہ دو مفعول چاہتا ہے تَوَّابًا توبہ کا مبالغہ ہے بمعنی بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا۔ رحیم رحمت کا صفت مشبہ یعنی یہ ہی سارے مجرم اللہ تعالیٰ کو یہاں پہنچ کر بہت ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں کہ وہ اپنے فضل سے ان کے سارے گناہ بخش دے۔ یہاں یہ نہ ارشاد ہوا کہ ہم ان کے گناہ بخش دیں گے بلکہ فرمایا گیا کہ وہ رب کو تواب و رحیم پائیں گے اس میں بہت ہی مبالغہ ہے ایک دفعہ بخش دینا جس کا پتہ بندے کو نہ لگے کچھ اور ہے اور بندہ کا رب تعالیٰ کو بہت تواب و رحیم پانا کچھ اور ہے۔ خیال رہے کہ بعض لوگوں نے اس آیت کے معنی یوں کئے ہیں کہ اگر یہ بشر منافق کے قرابت دار یا سازشیں کرنے والے منافقین آپ کے پاس بہانہ بازیوں کے لئے نہ آتے بلکہ جب انہوں نے یہ جرم کر لیا تھا تو آپ کے پاس آجاتے اور خدا تعالیٰ سے معافی مانگ لیتے اور آپ بھی ان کے لئے معافی کی درخواست کر دیتے تو یہ منافقین اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا مہربان پاتے اور کہتے ہیں کہ یہ حاضری کا حکم و شفاعت صرف ان منافقین کیلئے تھی اب کسی اور کے لئے نہیں مگر یہ درست نہیں کیونکہ آیۃ میں عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خصوصی شان نزول کا نیز اس صورت میں یہ آیۃ کریمہ دوسری آیات کے خلاف ہوگی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء:۱۰۷) اور فرماتا ہے وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَةَ (مائدہ:۳۵) جب حضور ﷺ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور ہم سب کو حضور کے وسیلہ پکڑنے کا حکم دیا گیا تو یہ آیۃ کریمہ صرف اس زمانہ کے بعض لوگوں کیلئے کیسے ہو سکتی ہے اور ہم لوگ اس سے محروم کیوں کر ہو سکتے ہیں۔

دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ بادشمناں نظر داری

نیز اللہ تعالیٰ تواب و رحیم ہر شخص کیلئے ہے نہ کہ صرف اس زمانہ کے منافقوں کیلئے تو حضور ﷺ بھی وسیلہ ہر شخص کیلئے ہیں اگر یہ آیۃ صرف ان خاص منافقوں کیلئے ہو تو لازم آوے گا کہ رب تعالیٰ تواب و رحیم بھی ان ہی منافقوں کے لئے ہو دوسروں کیلئے نہ ہو فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ یہ جملہ یا تو مستقل ہے یا گذشتہ سے متعلق پہلی صورت میں لا نافیہ ہے جو گذشتہ مذکورہ مضمون کی نفی فرما رہا ہے پہلے ارشاد ہوا تھا اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ آمَنُوْا الخ (النساء:٦٠) یعنی فَلَا يَصِحُّ زَعْمُهُمْ هٰذَا ان لوگوں کا یہ گمان، درست نہیں کہ وہ مومن ہو چکے دوسری صورت میں لا زائدہ ہے قسم کی تاکید کے لئے جیسے لئلا یعلم میں لا زائدہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ف ترتیب کی ہو اور لا سے اس انصاری کے قول کی تردید ہو یعنی چونکہ اس انصاری نے آپ کے فیصلہ کو برحق نہ مانا لہٰذا ہم فرماتے ہیں لا یعنی اس کا قول درست نہیں چونکہ رب تعالیٰ حضور کا گواہ ہے وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (فتح:٢٨) اس لئے حضور پر جو اعتراض ہو رب اس کا جواب دیتا ہے و ربک میں واؤ قسم کا ہے رَبِّكَ سے ذات پروردگار مراد ہے وہ کریم اگرچہ رب العالمین ہے مگر اس کی ربوبیت ظاہری و باطنی کا مظہر اتم حضور ﷺ ہی ہیں۔ ہم اپنے نوکر جانور کو پالتے ہیں اور عزیز بیٹے کو بھی بیٹے کی تربیت کامل ہوتی ہے نوکر کی نہیں حضور کی تربیت کاملہ ہے نیز اشارۃً فرمایا گیا کہ ہم اس وقت اپنی قسم اس لئے فرما رہے ہیں کہ تمہارے رب ہیں یعنی قسم کی وجہ تمہاری ربوبیت ہے جیسے رب فرماتا ہے لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ (بلد:٢)۔ مجھے شہر مکہ کی قسم اس کی قسم کیوں ہے اس لئے نہیں کہ یہاں کعبہ شریف وغیرہ بلکہ اس لئے کہ یہاں تم تشریف فرما ہو اس کی خاک کو تمہاری پابوسی کا شرف حاصل ہے ایسے ہی یہاں ہے یا اظہار کرم کے لئے اس طرح ارشاد ہوا جیسے بلا تشبیہ باپ اپنے نازنین بیٹے سے کہے کہ تیرے ہی باپ کی قسم غرضیکہ اس طرح اپنی قسم فرمانا بہت ہی وجد آفرین ہے لَا يُؤْمِنُوْنَ میں نفس ایمان کی نفی ہے اور يُؤْمِنُوْنَ کا فاعل تا قیامت جن وانس ہیں یعنی تمہارے ہی رب کی قسم کوئی شخص خواہ وہ کسی درجہ کا ہو مومن قطعاً نہیں ہو سکتا یا منافق جو دوسروں کو اپنا حکم و حاکم بناتے ہیں پھر اپنے کو مومن ہی سمجھتے ہیں یہ سب غلط ہے تمہارے ہی رب کی قسم کوئی مومن نہیں ہو سکتا اسے ایمان سے حصہ نہیں مل سکتا حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ حتیٰ انتہا کیلئے ہے اس کا تعلق لَا يُؤْمِنُوْنَ سے ہے يُحَكِّمُوْكَ کا مصدر تحکیم ہے بمعنی حاکم یا حکم بنانا یا حاکم و حکم کہنا یہاں پہلے دو معنی میں ہے اس کا فاعل وہ ہی ہے جو لَا يُؤْمِنُوْنَ کا فاعل تھا یعنی تا قیامت لوگ۔ شَجَرَ کا مصدر شجور ہے۔ شجور و مشاجرت کے معنی ہیں اختلاط خلط ملط ہونا جھگڑے کو مشاجرت اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے مخالفین کے کلام آپس میں مخلوط ہو جاتے ہیں زخم کو مشاجرت کہتے ہیں کہ وہ اختلاف و جھگڑے کا نتیجہ ہے اونٹ کے پالان کی لکڑیوں کو شجار کہا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے میں گتھی ہوتی ہیں درخت کو شجر کہتے ہیں کہ اس کی شاخیں ایک دوسری میں داخل ہوتی ہیں یہاں بمعنی جھگڑا و

اختلاف ہے مَا سے مراد سارے دینی و دنیاوی معاملات ہیں جن میں جھگڑا و اختلاف ہو یعنی اس وقت تک یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ ان کا یہ حال نہ ہو جاوے کہ اپنے تمام دینی و دنیاوی جھگڑوں میں آپ کو حاکم و حکم مانیں اور سمجھیں ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ ۔ ثُمَّ۔ عاطفہ ہے اور یہ جملہ یُحَکِّمُوْکَ پر معطوف ہے ثُمَّ فرما کر اس جانب اشارہ ہے کہ وہ آپ کے فیصلہ پر نہ فوراً رنجیدہ ہوں نہ کبھی بعد میں اَنْفُس نفس کی جمع ہے بمعنی دل حرج اور ضیق دونوں کے معنی تنگی مگر ضیق تو مضبوط و قوی تنگی کو کہتے ہیں اور حرج خفیف سی تنگی کو مفردات راغب میں ہے کہ حرج کے معنی ہیں مجتمع الشیٔ چیزوں کے جمگھٹے کی جگہ اب دل تنگی اور رکاوٹ کو بھی حرج کہہ دیتے ہیں کہ یہ جمگھٹے کا نتیجہ ہے مجاہد نے فرمایا کہ یہاں حرج بمعنی شک ہے اس کی جمع حراج ہے مِمَّا قَضَیْتَ ۔ وَاقِعًا پوشیدہ کے متعلق ہو کر حرجاً کی صفت ہے یعنی صرف آپ کو حکم بنانا ہی مومن ہونے کے لئے کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ آپ کے فیصلہ سے نہ دل تنگ ہوں نہ ان کے دل میں کچھ تردد ہو نہ اسے قبول کرنے سے کچھ رکاوٹ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا یہ جملہ لَایَجِدُوْا پر معطوف ہے یُسَلِّمُوْا۔ تسلیم سے بنا۔ جس کا مادہ سَلْمٌ بمعنی خالص ہونا رب تعالیٰ فرماتا وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ (الزمر:۲۹) سلام کرنے کو سلام اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں سلامتی یعنی آفات سے خلوص و علیحدگی کی دعا ہوتی ہے اس فعل کے بعد تسلیماً فرما کر یہ بتایا گیا کہ وہ لوگ پورے طور پر آپ کے فیصلہ پر سر نیاز جھکا دیں ہر قسم کے تردد و شک سے خالص رہیں یعنی نہ ان کے دل میں آپ کے فیصلہ سے کچھ تنگی رہے نہ جسمانی طور پر وہ بے راہ روی کریں نہ ان کے دل میں تنگی ہو نہ قبولیت میں تردد۔

خلاصۂ تفسیر

اے محبوب ﷺ ہم نے جتنے رسول بھی دنیا میں بھیجے وہ اسلئے بھیجے کہ ان کی امت کا ہر فرد ان کی اطاعت کرے اور وہ اپنی امت کے مطاع مطلق ہوں اور یہ اطاعت بِاِذْنِ اِلٰھِی بحکم الٰہی ہو کہ جس نوعیت کی اطاعت رب کی ہو اسی نوعیت کی اطاعت نبی کی بلا چون و چرا اس لئے کوئی نبی نہ آئے کہ ان کی مخالفت کی جاوے بہر حال ان کی اطاعت بحکم ربانی ہے ان کی مخالفت اغواء شیطانی اگر وہ آپ کی امت والے جن و انس جب کبھی جہاں کہیں کسی قسم کا ظلم اپنی جانوں پر کر لیں تو آپ کے حضور حاضر ہو جاویں مگر ان کی یہ حاضری سائلانہ مجرمانہ ہو جیسے داتا کے دروازہ پر فقیر حاکم کریم کے دروازہ پر اقبالی مجرم حاضر ہو جاتا ہے۔ حاکمانہ، ظالمانہ، دوستانہ، سارقانہ نہ ہو جہاں برتری یا برابری کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ برابری کے خیال کی حاضری محرومی کا باعث ہے مجرمانہ حاضری کرم بخشش کا ذریعہ ہے پھر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے اپنے ظلم و جرم کی معافی مانگیں کیونکہ ہم سے معافی مانگنے کے لئے بہتر وقت اور مناسب جگہ آپ کی حضوری ہے اور رسول یعنی آپ بھی ان کے لئے دعاء مغفرت یعنی شفاعت فرمادیں تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا مہربان پائیں کہ ان کی توبہ قبول فرمالی جاوے اور ان پر رحمت کی جاوے اے پیارے تمہارے رب ہی کی قسم کہ ان میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ کہ اس

کا یہ حال نہ ہو جاوے کہ اپنے تمام دنیاوی و دینی جھگڑوں میں آپ کو اپنا حاکم مان لے یا آپ کو حکم بنالے صرف حاکم ہی نہ مانے بلکہ آپ کے فیصلہ سے اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی بھی نہ پائے اور سراپا تسلیم ہو کر اسے دل سے قبول کرے اگر یہ صفات اس میں ہوں تو وہ مومن ہے اور اگر ان میں سے ایک بات بھی نہ ہو تو مومن نہیں خواہ کتنا ہی نمازی روزہ دار ہو۔ خیال رہے کہ حاکم اور حکم میں چند طرح فرق ہے ایک یہ کہ حاکم وہ جو بادشاہ کی طرف سے مقرر ہو حکم وہ جسے فریقین فیصلہ کیلئے مقرر کرلیں دوسرے یہ کہ حاکم وہ جس کو ولایت وحکومت عامہ حاصل ہو حکم وہ جسے ولایت خاصہ حاصل ہو تیسرے یہ کہ حاکم وہ جو اپنا فیصلہ بزور منوائے نہ ماننے پر سزا دے حکم میں یہ بات نہیں۔ حاکم میں علم و اختیارات ہونا ضروری ہیں بے اختیار اور بے خبر حاکم نہیں ہو سکتا۔ ایمان کیلئے شرط یہ ہے کہ مومن حضور کو نبی رسول حاکم مختار عالم مانے جو شخص حضور کو مختار مانے خبردار نہ مانے وہ حضور کے حاکم مطلق ہونے کا منکر ہے اس آیت کا انکاری ہے۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: دنیا میں ہم بھی آئے اور نبی بھی مگر ہمارا آنا نبی کی فرمانبرداری کیلئے ہے اور ان حضرات کا آنا مخلوق پر حکومت کرنے کے لئے ہم سیکھنے آتے ہیں حضرات انبیاء سکھانے کشتی اسلام میں انبیاء امتی سب ہی سوار ہیں مگر امت پار لگنے کیلئے اور نبی پار لگانے کیلئے جیسا اِلَّا لِيُطَاعَ سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: حضرات انبیاء رب تعالیٰ سے سب کچھ سیکھ کر آتے ہیں دنیا میں آکر نہیں سیکھتے جیسا کہ اَرْسَلْنَا سے معلوم ہوا سکھایا جاتا ہے پہلے اور حاکم بنا کر بھیجا جاتا ہے بعد میں۔ **تیسرا فائدہ**: حضرات انبیاء کرام کی اطاعت بحکم پروردگار ہے جس قسم کی اطاعت رب تعالیٰ کی چاہئے اس قسم کی اطاعت نبی کی بھی یہ فائدہ بِاِذْنِ اللّٰهِ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: کوئی مجرم و گنہگار بغیر حضور کی شفاعت کے نہیں بخشا جا سکتا آپ کی شفاعت و سفارش بخشش کی چابی ہے جیسا کہ اَنَّهُمْ کے عموم سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: حضور کی شفاعت حضور کی وفات کے بعد تا قیامت بلکہ بعد قیامت جاری رہے گی جیسا کہ اِذْ کے عموم سے معلوم ہوا۔

حکایت

تفسیر مدارک نے اس جگہ فرمایا کہ حضور ﷺ کے دفن کے بعد ایک بدوی قبر انور پر حاضر ہوا قبر انور کی مٹی اپنے سر پر ڈالی اور بولا یا رسول اللہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے سن لیا اور ہم نے قرآن کی یہ آیت پڑھ لی وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا الخ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں اللہ سے معافی مانگتا ہوں حضور شفاعت فرمادیں کہ رب تعالیٰ مجھے بخش دے۔ قبر انور سے آواز آئی کہ تیری بخشش ہو گئی (تفسیر مدارک وخزائن) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاجات عرض کرنے کے لئے اس کے مقبول بندوں کو وسیلہ بنانا کامیابی کا ذریعہ ہے۔ قبر پر حاجت کیلئے جانا بھی جَآءُوْكَ میں داخل ہے اور زمانہ صحابہ میں مروج تھا مقبولان خدا کو یا کہہ کر پکارنا جائز ہے رب کے مقبول بندے بعد وفات بھی مدد کرتے ہیں ان کی دعا سے

حاجتیں پوری ہوتی ہیں (خزائن العرفان)۔ **چھٹا فائدہ**: حضور کی بارگاہ میں حاضری کے لئے مدینہ پاک جانا ضروری نہیں جہاں سے رہ کر بھی ان کا توسل کیا جاوے تو بھی حاضری میسر ہو جاتی ہے دیکھو یہاں جَاءُ وْکَ تو فرمایا مگر فی المدینۃ کی قید نہ لگائی۔ **ساتواں فائدہ**: سارے رسول صاحب شریعت ہیں کوئی بغیر شریعت نہیں اگرچہ بعض حضرات کے پاس مستقل نئی شریعت نہ ہو مگر وہ پرانی شریعت میں کمی بیشی تغیر تبدل کر سکتے ہیں۔ ورنہ وہ لازم الاطاعت کیسے ہونگے (از تفسیر کبیر) یہ فائدہ اِلَّا لِیُطَاعَ سے حاصل ہوا تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اگر کوئی رسول بالکل دوسری شریعت کا تبع ہو تو وہ مطاع نہ ہو گا بلکہ وہ نبی مطاع ہوں گے جن کی شریعت کی پیروی ہو رہی ہے اس لئے ہر نبی صاحب شریعت ہے (تفسیر کبیر)۔ **آٹھواں فائدہ**: حضور کی شفاعت کے بغیر کوئی گناہ قابل معافی نہیں۔ معافی شفاعت سے ہے جیسا کہ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ**: ہماری استغفار و دعائیں گویا تخم ہے۔ حضور کی استغفار و شفاعت گویا پانی اس لئے پہلے مجرم کی استغفار کا ذکر ہوا۔ پھر حضور کی استغفار کا یہ تو ہو جاتا ہے کہ بغیر تخم صرف بارش کے پانی سے سبزہ اُگ جاوے مگر یہ ناممکن ہے کہ بغیر پانی صرف تخم سے سبزہ ہو جاوے اسی طرح یہ ہو سکتا ہے کہ ہماری دعا کے بغیر صرف حضور کی دعا سے ہماری بخشش ہو جاوے مگر یہ ناممکن ہے کہ حضور کی شفاعت کے بغیر صرف ہماری دعا سے بخشش ہو جاوے قیامت کے دن سارے اعمال کی پیشی شفیع کی تلاش کے بعد ہو گی دیکھو حضرت ہارون کی دعا کے بغیر صرف دعا موسیٰ سے ان کو نبوت مل گئی صرف دعاء خلیلی سے زمین مکہ کو عظمتیں حاصل ہو گئیں اس لئے یہاں دو استغفار علیحدہ علیحدہ مذکور ہوئے۔ **دسواں فائدہ**: حضور کا وسیلہ اختیار کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ تواب بھی ہے اور رحیم و مہربان بھی آپ کے وسیلہ کے انکاری کے لئے رب تعالیٰ نہ تواب ہے نہ رحیم بلکہ قہار و جبار ہے جیسا کہ لَوَجَدُوا اللّٰهَ الخ سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کا پتہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ **گیارھواں فائدہ**: حضور ﷺ ہر شخص کے اعمال اس کی حاضری سے خبردار ہیں کسی سے بے خبر نہیں اور کوئی شخص کہیں سے حضور کا توسل اختیار کرے تو حضور اس کیلئے دعا مغفرت کرتے ہیں جیسا کہ جَاءُ وْکَ کے عموم کے بعد اَسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ فرمانے سے معلوم ہوا کیا تمہیں خبر نہیں کہ حضور نے دو قبروں کے متعلق خبر دی کہ ان میں عذاب ہے ایک میت تو چغلی کھاتا تھا دوسرا پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا رب نے ہم کو بے خبر بے بس کے پاس نہیں بھیجا بلکہ خبیر و کریم کے پاس بھیجا۔ **بارھواں فائدہ**: جو حضور ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا سے اصل ایمان ہی نصیب نہ ہو گا وہ نرا کافر بے دین ہو گا۔ دیکھو یہاں لَا یُؤْمِنُوْنَ فرما کر اصل ایمان کی نفی فرما دی گئی نہ کہ کمال ایمان کی نفی۔ **تیرھواں فائدہ**: خدا کے ماسواء اس کے بندوں کو حکام بنانا درست ہے خصوصاً حضور ﷺ کو کہ آپ تو نائب کبریا ہیں۔ **چودھواں فائدہ**: حضور کے سارے فیصلے برحق ہیں کوئی فیصلہ غلط نہیں آپ معصوم ہیں اگر حضور کا کوئی فیصلہ ناحق ہوتا تو اس کا قبول کرنا ضروری نہ ہوتا بلکہ رد کر دینا واجب ہوتا (تفسیر کبیر)۔

پندرھواں فائدہ: حضور کا فیصلہ صرف زبان سے مان لینا اور دل سے اس سے راضی نہ ہونا کفر ہے جیسا کہ ثُمَّ لَایَجِدُوْا الخ سے معلوم ہوا۔ **سولھواں فائدہ**: حضور کے فیصلہ پر زبانی اعتراض کرنا بھی کفر ہے جیسا کہ اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا خیال رہے کہ حضور ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد علماء دین کے شرعی فتووں پر عمل کرنا واجب ہے کہ یہ حضرات اس آستانہ کے نوکر چاکر اور حضور کے کارندے ہیں۔ **سترھواں فائدہ**: مطلق امر وجوب کے لئے ہوتا ہے ورنہ اس کے ماننے پر عتاب کیسا۔ **اٹھارھواں فائدہ**: حضور کے فیصلہ کی کہیں اپیل نہیں آپ کا حکم اٹل ہوتا ہے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ اور تمام انبیاء کی اطاعت واجب ہے مگر قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (انعام:۵۷) کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہے آیات میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس آیت میں حقیقی حکم مراد ہے یا تکوینی حکم اور یہاں مجازی حکم یا تشریعی احکام مراد ہیں لہٰذا آیات میں تعارض نہیں اس کی بحث پہلے کی جا چکی ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت میں ہر مسلمان کو حاضری بارگاہ اور حضور کا حکم ماننے پر مجبور نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ ان منافقوں کو حکم ہے جن کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا (وہابی)۔ **جواب**: یہ غلط ہے کیونکہ آیت کریمہ کے الفاظ میں کوئی قید نہیں نازل کسی کے حق میں ہوئی ہو مگر حکم تو عام ہے عموم الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے اب بھی حکم ہے کہ جب زائر روضہ رسول ﷺ پر حاضر ہو تو یہ آیت کریمہ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا الخ تلاوت کرے پھر عرض و معروض کرے دیکھو عام کتب فقہ پہلے عرض کیا جا چکا کہ ایک اعرابی بعد دفن روضۂ پاک پر حاضر ہوا اور یہ آیت پڑھ کر اس نے حضور سے شفاعت مانگی ندا آئی کہ تیری بخشش ہوگئی اگر حاضری بارگاہ صرف حضور کی حیات شریف میں ضروری تھی اب نہیں تو چاہیئے کہ حضور کی اطاعت بھی اسی زمانہ میں لازم ہوتی اب نہ ہوتی حالانکہ آپ کی اطاعت تو ہمیشہ لازم تو یہ حضوری بھی ہمیشہ ضروری نیز لازم آتا کہ خدا تعالیٰ تواب و رحیم بھی حضور کی حیات شریف میں ہی ہوتا بعد کو نہیں جب رب تعالیٰ کا تواب اور رحیم ہونا ہمیشہ تک ہے اور حضور کی اطاعت ہمیشہ لازم تو حضور کی بارگاہ عالیہ میں مجرموں کو حاضری کا حکم بھی دائمی ہے۔

تیسرا اعتراض: اگر ہر مجرم کو ہر جرم کر کے حضور کے دربار میں حاضر ہونا ضروری ہوتا تو یہ تکلیف طاقت سے باہر ہوتی کیونکہ مدینہ منورہ ہزار ہا میل ہم سے دور ہے ہر گناہ کے بعد ہم وہاں کیسے پہنچیں۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں حاضری سے عام حاضری مراد ہے خواہ جسمانی ہو یا دلی و روحانی جواز نماز کیلئے کعبہ معظمہ تک پہنچ جانا ضروری نہیں یہاں رہتے ہوئے بھی ادھر رخ کر دینے سے نماز جائز ہو جاتی ہے حضور قبلہ دعا ہیں کعبہ توبہ ہیں دل کا رخ جہاں سے اس طرف کر دو گے کام بن جاوے گا سورج کا نور لینے کے لئے چوتھے آسمان پر پہنچ جانا لازم نہیں

جہاں بھی ہواس کے ظل میں آ جاؤ روشنی مل جاوے گی۔ حضور آسمان قبولیت کے سورج ہیں رب نے آپ کو سراج منیر فرمایا یعنی چمکانے والا سورج جہاں بھی رہوان کی نگاہ عنایت میں رہو بیڑا پار ہوگا۔

چوتھا اعتراض: جب خدا تعالیٰ کی رحمت بخشش ہر جگہ ہے تو حضور کے پاس جانے کی قید کیوں لگائی گئی کیا دوسری جگہ اس کی رحمت وغیرہ نہیں اسلام نے غیر محدود کو محدود کر دیا۔ **جواب**: رب تعالیٰ کی رحمت ہر جگہ ہے مگر ہر جگہ ملتی نہیں ریل ساری لائن سے گزرتی ہے مگر ملتی اسٹیشن پر ہے حضور کا آستانہ عالیہ رب کی رحمت پانے کا اسٹیشن ہے رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے ایک بار فرمایا تھا کہ اس دروازہ شہر میں سجدہ کرتے جاؤ اور وہاں جا کر عرض کرو کہ مولیٰ ہم کو بخش دے تو ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے (پارہ اول و پارہ نواں) وہاں اسٹیشن پر ہی بھیجا گیا تھا۔

پانچواں اعتراض: اس آیت میں جَآءُوْكَ میں کاف خطاب ہے اور وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ میں غائب سے تعبیر فرمایا گیا یہاں بھی کہا جاتا وَاسْتَغْفَرْتَ اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر خازن نے یہ دیا ہے کہ رسول فرمانے میں وجہ حاضری بیان فرمائی گئی کہ وہاں کیوں حاضر ہو اس لئے کہ وہ رب تعالیٰ کے رسول ہیں رب تعالیٰ ان کی بات رد نہیں فرماتا اگر تمہاری سفارش فرمادیں گے تو ضرور کامیاب ہو جاؤ گے۔

تو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کے دھلیں ... کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

چھٹا اعتراض: اَسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ کے معنی یہ ہیں کہ ان مجرموں کو اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید معافی دیدے لہٰذا یہاں گنہگاروں کو قرآن مجید کا توسل کرنے کا حکم ہے نہ کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے کا (چکڑالوی)۔ **جواب**: یہ اس آیت کی تفسیر نہیں بلکہ معنوی تحریف ہے کیونکہ استغفار کے معنی ہیں معافی مانگنا نہ کہ معافی دینا اگر معافی دینا معنی ہوتے تو یہاں ارشاد ہے فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ۔ مطلب یہ ہوتا کہ وہ گنہگار اللہ تعالیٰ کو معافی دے دیں نیز رسول تو قرآن کریم کا نام نہیں رسول قرآن لانے والے محبوب کا نام ہے رب نے فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (فتح: ۲۹) ہم نے کلمہ پڑھا محمد رسول اللہ نیز قرآن کے معافی دینے کے معنی یہ ہیں کہ رب تعالیٰ معافی دیدے پھر لَوَجَدُوا اللّٰهَ الخ کے کیا معنی ہوں گے غرضیکہ یہ تفسیر آج تک سنی نہ گئی۔

ساتواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قریب قیامت نزول عیسٰی علیہ السلام کا عقیدہ غلط ہے کیونکہ آیت کریمہ فرما رہی ہے کہ ہر نبی کی اطاعت لازم ہے اگر عیسٰی علیہ السلام تشریف لائے تو نبی ہوں گے یا نہیں اگر نہیں تو کس قصور میں انہیں رسالت سے الگ کیا گیا اور اگر نبی ہوں گے تو مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب ہوگی یا نہیں اگر نہیں تو اس آیت کے خلاف ہے اور اگر واجب ہوگی تو حضور کی اطاعت لازم نہ رہے گی حالانکہ آپ کی اطاعت تا قیامت ہر مسلمان پر لازم ہے لہٰذا یہ عقیدہ غلط ہے۔ **نوٹ**: مولوی محمد علی قادیانی لاہوری نے یہ اعتراض اپنی تفسیر بیان القرآن میں بڑے فخر سے کیا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ اعتراض لاینحل عقیدہ ہے کوئی مسلمان اس کا

جواب نہ دے سکے گا۔ **جواب:** قریب قیامت حضرت عیسٰی علیہ السلام ضرور تشریف لائیں گے مگر نبوت کی شان سے نہیں بلکہ رسول کریم ﷺ کے دین کے عالم کی شان سے اس زمانہ میں حضور کی اطاعت نبی کی حیثیت سے فرض ہوگی اور ان کی اطاعت عالم دین کی شان سے لازم ہوگی جیسے آج ائمہ مجتہدین یا علماء کی اطاعت کی جاتی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ (النساء:۵۹) آپ بھی مرزا غلام احمد کو مجدد مان کر اس کی اطاعت لازم مانتے ہیں بتاؤ آپ پر نبی ﷺ کی اطاعت فرض ہے یا نہیں رہا یہ سوال کہ وہ کس قصور میں نبوت سے معزول کئے گئے جناب دین کا نسخ نبی کے قصور سے نہیں ہوتا بلکہ اس لئے ہوتا ہے کہ اب اس دین کی ضرورت نہ رہی از آدم تا عیسٰی علیہ السلام تمام رسولوں کے دین منسوخ ہوئے ان انبیاء کرام نے کیا قصور کئے تھے جو ان کی نبوتیں منسوخ ہوئیں۔ خیال رہے کہ کسی نبی کی نبوت بارگاہ الٰہی میں منسوخ نہیں ہوتی وہ ہمیشہ رب کے نبی رہتے ہیں ہم پر فرض ہے کہ سب نبیوں پر ایمان لائیں مخلوق کی نسبت سے نبوت منسوخ ہوتی ہے کہ لوگوں پر ان کی اطاعت واجب نہیں رہتی سورج کے ہوتے چراغ کی ضرورت نہیں حضور کے ہوتے اور نبوت کی حاجت نہیں۔

آٹھواں اعتراض: جن انصاری نے عرض کیا تھا کہ زبیر آپ کے پھوپھی زاد ہیں یعنی آپ نے فیصلہ میں رعایت برتی ہے جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی وہ مرتد ہو گئے یا نہیں اگر ہو گئے تو انہیں تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم کیوں نہ دیا گیا اور انکار کی صورت میں انہیں قتل کیوں نہ کیا گیا۔ **جواب:** ظاہر یہ ہے کہ وہ مرتد نہیں ہوئے کیونکہ اس وقت تک یہ قانون نہ بنا تھا۔ قانون بن چکنے کے بعد واجب العمل ہوتا ہے۔ دیکھو حضرت صدیق و فاروق کی آوازیں بارگاہ نبوت میں ایک بار بلند ہو گئیں جس پر یہ آیت آئی لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ (حجرات:۲) اور بعد میں فرمایا گیا اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ (حجرات:۲) اس سے تمہارے اعمال ضبط ہو جائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی مگر ان بزرگوں پر یہ احکام جاری نہ ہوئے کیونکہ یہ قانون تو اب بنا اس کے بعد جو اس کے خلاف کرے گا اس کے عمل ضبط ہوں گے۔ ایسے ہی بی بی زینبؓ نے جناب زیدؓ ابن حارث کے ساتھ نکاح کرنے کا انکار کر دیا جس پر آیت آئی مَا کَانَ لِمُؤۡمِنٍ وَّلَا مُؤۡمِنَۃٍ (احزاب:۳۶) اس کے بعد یہ حکم ہوا کہ کوئی مومن حضور کے فیصلے کے خلاف دم نہیں مار سکتا بہر حال ان انصاری کو مرتد نہیں کہا جا سکتا۔

نواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور کی شفاعت و استغفار سے رب تعالیٰ کی معافی ملتی ہے مگر دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے کہ اگر تم ستر بار بھی دعا مغفرت ان کیلئے کرو ہم نہ بخشیں گے ایک جگہ فرماتا ہے کہ ان کے لئے آپ کا استغفار کرنا نہ کرنا برابر ہے اللہ انہیں نہ بخشے گا آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ آیت کریمہ گنہگار مومنوں کے لئے ہے وہ آیات منافقین کے لئے حضور کی شفاعت منافقوں کی مفید نہیں ان کے نفاق کی وجہ سے۔ شورہ زمین میں تخم و پانی سے پھل پھول سبزہ نہیں ہوتا دوسرے یہ کہ منافقین حضور کی بارگاہ میں

نہ آتے تھے نہ استغفار کرتے تھے نہ حضور ان کی شفاعت کرتے تھے کیونکہ یہاں نیاز مندانہ آنے کا ذکر ہے وہ دھوکہ دہی چال بازی سے چوروں کی طرح آتے تھے۔ ریا کاری کیلئے استغفار کرتے تھے حضور ان کو دفع فرمانے کیلئے دعا مغفرت کے الفاظ فرماتے تھے دعا کرانا اور ہے دعا لینا کچھ اور غرضیکہ اس آیت کریمہ کے تینوں حکموں کا وہاں ظہور نہ تھا لہٰذا نہ بخشے گئے۔ خیال رہے اعلیٰ سے اعلیٰ دوا اور ٹیکہ بیمار کو مفید ہے مردہ کو مفید نہیں گنہگار بیمار ہے منافق مردہ۔

دسواں اعتراض: اس آیت کریمہ میں ایمان کے تین رکن ارشاد ہوئے ہر اختلافی چیز میں حضور کو حاکم ماننا۔ حضور کے فیصلے پر دل تنگ نہ ہونا اور قبول کرنا ایک ہی چیز ہے ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ **جواب**: دل تنگ ہونا یہ ہے کہ آپ کے فیصلہ کو حق نہ مانے سمجھے اور کہے کہ رشوت یا طرفداری یا معاملہ نہ سمجھنے کی وجہ سے یا قرآنی قانون کے مخالف ہونے کی وجہ سے حضور کا یہ فیصلہ غلط ہے۔ یہ عقیدہ بھی غلط ہے قبول نہ کرنا یہ ہے کہ کہے حضور کے احکام حق ہیں مگر یہ اس زمانہ کے لوگوں کیلئے تھے اب زمانہ اور ہے ہم لوگوں کی فطرت اور ہے لہٰذا ہم پر یہ احکام نافذ نہیں یہ بھی کفر ہے ہاں جو کوئی حضور کے فیصلہ کو قبول تو کرے مگر عمل نہ کرے سستی کر جاوے اور اس بنا پر اپنے کو گنہگار بھی سمجھے وہ کافر نہیں بلکہ گنہگار ہے قبول نہ کرنا اور ہے عمل نہ کرنا کچھ اور۔

گیارھواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور کا ہر حکم برحق ہے جس کا ماننا لازم مگر حدیث شریف میں ہے کہ حضور نے فرمایا اگر کوئی تیز زبان اپنی چرب زبانی کی بنا پر مجھ سے غلط فیصلہ کرائے اور اس فیصلہ کی بنا پر کسی کی چیز پر قبضہ کرے تو اس کے لئے یہ چیز حلال نہ ہوگی وہ اس کے لئے دوزخ کا ٹکڑا ہے معلوم ہوا کہ نبی کا ہر فیصلہ قابل عمل نہیں ہوتا۔ آیت وحدیث میں تعارض ہے۔ **جواب**: نبی کے حکم اور فیصلہ میں فرق ہے حکم عام ہے فیصلہ خاص فیصلہ وہ اٹل حکم ہے جو اپنے علم کی بنا پر دیا جاوے جھوٹی گواہی قائم کر کے جو حکم حاصل کر لیا گیا وہ قَضَیْتَ میں داخل نہیں حضور کے مشورہ حضور کے ایسے احکام اس آیت سے خارج ہیں قرآن کریم کے مشورے والے احکام واجب العمل نہیں جیسے۔ اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ (بقرہ:۲۸۲)۔

تفسیر صوفیانہ

حضرات انبیاء کرام خصوصاً سید الانبیاء ﷺ مظہر ذات الٰہی صفات الٰہی ہیں۔ مظہر میں ذات کی جھلک ہوتی ہے۔ جب شیشہ سورج کے سامنے ہو جاوے تو وہ مظہر آفتاب بن جاتا ہے کہ اس میں روشنی، گرمی، شعاعیں سب نمودار ہو جاتی ہیں رب کی صفات عالیہ میں سے یہ ہے کہ اس کا ہر حکم بلا چون وچرا مانا جاوے تو حضور کی شان میں بھی یہ ہی جھلک نظر آنی چاہیئے کہ آپ کی ہر بات بلا جرح مانی جاوے رب کی صفت ہے کہ ہر مخلوق اس کے دروازے کی بھکاری ہے تو حضور میں بھی یہ تجلی نظر آنا چاہیئے کہ ساری مخلوق آپ کے در کی بھکاری ہو رب کی شان تو یہ ہے کہ اس کے حکم پر ناراضی بھی کفر ہے تو حضور کی شان میں یہ بات ہونی چاہیئے کہ آپ کے فیصلہ سے ناراضی کفر ہو رب تعالیٰ نے یہاں اپنے محبوب کا مظہر ذات الٰہی ہونا ثابت فرمایا حضور کی سنتوں کی

پیروی ایمان کی جان ہے یہاں تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے اپنے تک پہنچنے کے تمام راستے بند کر دیئے ہیں صرف ایک راستہ باقی رکھا ہے وہ اس کے حبیب کی اطاعت ہے جو ان کے خیمہ سے الگ رہا۔ رب تک نہ پہنچا نیز فرماتے کہ حضور ہر وقت ہر جگہ ہر مخلوق کے حاکم مطلق ہیں حتیٰ کہ حضور ہمارے اجسام ہمارے دل ہماری ارواح ہماری اولاد و اموال کے مالک و حاکم ہیں جسم عالم مادیات کی چیز ہے۔ روح عالم امر کا پرندہ مگر حضور کا حکم ان دونوں پر جاری ہے دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر لوگوں کی ارواح اجسام قلوب و نفوس میں جھگڑا ہو تو اے محبوب آپ کو ان کے درمیان حاکم مانیں تفسیر روح البیان میں ہے کہ جو شخص حضور کی سنتوں کا متبع ہو گا رب تعالیٰ اسے چار نعمتیں عطا فرمائے گا۔ صالحین کے دلوں میں اس کی محبت فاسقین کے دلوں میں اس کی ہیبت۔ رزق میں برکت اور وسعت، دین میں تفقہ۔ یہ اب بھی تجربہ ہو رہا ہے کہ جو حضور کے آستانہ کے ہو گئے انہیں یہ چاروں نعمتیں مل گئیں۔ صوفیاء تو فرماتے ہیں کہ حضور کی محبوبیت خدا تعالیٰ کی محبوبیت سے زیادہ معلوم ہوتی ہے ہمارے دلوں میں رب کی ہیبت کا غلبہ ہے حضور کی محبت کا، عشق، شوق، ذوق کے حضور مرکز ہیں۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

معنی حرم کنی تحقیق اگر! — بنگری بادیدۂ صدیق اگر
قوت قلب و جگر گردد نبی — از خدا محبوب تر آید نبی

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی! — کشتی و دریا و طوفانم توئی!
زانکہ ملت راحیات از عشق اوست — برگ ساز کائنات از عشق اوست

اور فرماتے ہیں۔

مقامش عبدہٗ آمد و لیکن — جہانِ شوق را پروردگار راست

یہاں پروردگار بمعنی پرورش فرمانے والا ہے قرآن کریم نے ماں باپ کو مولیٰ آقا بادشاہ کو رب فرمایا ہے یعنی حضور ﷺ عبدہٗ و رسولہ ہیں مگر عالم عشق کی پرورش و تربیت آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مخلوق پر بعد خدا تعالیٰ سب سے زیادہ اطاعت حضور کی ضروری ہے کیونکہ حضور ﷺ جان عالم ہیں اور باقی جسم میں جسم پر سب سے زیادہ حق جان کا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر مجرم کسی قسم کا جرم کر کے تمہارے آستانہ پر آجاوے تو اللہ کو پائے گا۔ مگر کس شان میں تواباً رحیما والی شان میں حضور کی گلی میں ہر چیز ملتی ہے۔

مصرعہ

اللہ کو بھی پایا مولیٰ تیری گلی میں

حضور انور اللہ تعالیٰ کا پتہ ہیں حضور سے مل کر خدا سے ملو۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا

اور اگر تحقیق ہم فرض کر دیتے اوپر ان کے یہ کہ قتل کر دو جانوں اپنی کو یا نکل جاؤ

اور اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کر دو یا اپنے گھر بار

مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا

اپنے گھروں سے تو نہ کرتے وہ لوگ یہ کام مگر تھوڑے ان میں سے اور اگر تحقیق وہ کرتے

چھوڑ کر نکل جاؤ تو ان میں تھوڑے ہی ایسا کرتے اور اگر وہ کرتے جس بات کی

مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ وَّ

وہ کام کہ نصیحت کیے جاتے ہیں وہ جس کی تو ہوتا بہتر واسطے ان کے اور بہت ثابت قدم رہنا اور

انہیں نصیحت دی جاتی ہے تو اس میں ان کا بھلا تھا اور ایمان پر خوب جمنا اور

اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾

تب تو ہم دیتے ان کو اپنے پاس سے ثواب بڑا اور البتہ ہدایت دیتے ہم ان کو سیدھے راستہ کی

ایسا ہوتا تو ضرور ہم انہیں اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتے اور ضرور انہیں سیدھے راہ کی ہدایت کرتے

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں گنہگاروں کو توبہ کا طریقہ سکھایا تھا۔ یعنی حضور کے آستانے پر آ کر رب سے مافی مانگنا اور حضور کا شفاعت فرمانا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہمارا کرم ہے کہ تم پر توبہ کو آسان فرما دیا اگر توبہ کیلئے تم پر جان دے دینا یا وطن چھوڑ دینا فرض کر دیا جاتا تو تم کو مصیبت پڑ جاتی غرضیکہ پہلے توبہ کا طریقہ بتایا اب اس طریقہ کا سہل ہونا بتایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اے محبوب تمہارا آستانہ رب تعالیٰ کی رحمت یا رب تعالیٰ کے ملنے کا دروازہ ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ چونکہ تم رحمت للعالمین ہو اس لئے تمہاری امت کے لئے نہایت آسان ذریعے مقرر کر دیئے گئے ہیں اگر پچھلی امتوں کی طرح قتل جان اور ترک وطن ہم سے ملنے کا ذریعہ ہوتا تو مشکل پڑ جاتی گویا پچھلی آیت میں حضور کی نعت تھی اب حضور کی امت کی منقبت ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں منافقوں کو حکم تھا کہ ہمارے محبوب کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس میں تمہاری بھلائی ہے اس سے تمہارے عیب چھپے رہیں گے اگر تم پر اپنی جان دے دینا مدینہ چھوڑ دینا فرض کر دیا جاوے تو یہ نہ کر سکو گے جس سے تمہارا نفاق ظاہر ہو جاوے گا اور تم بدنام ہو جاؤ گے۔

شان نزول

حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس، حضرت عمر، ابن مسعود، عمار ابن یاسر وغیرھم صحابہ کرام کا کچھ یہود مدینہ سے مناظرہ ہوا یہودی بولا کہ ہم اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے ایسے مطیع ہیں کہ انہوں نے ہم کو ایک خطا کی معافی کے لئے جان دیدینے کو کہا تو ہم نے بلا پس وپیش اپنے کو قتل کے لئے پیش کر دیا اور ستر ہزار اسرائیلی قتل ہو گئے اور تمہارا یہ حال ہے کہ تمہارے نبی تم کو جہاد کا حکم دیتے ہیں۔ جس میں ہر طرح تمہارا بھلا ہی ہے تو تم میں سے بعض لوگ پس وپیش کرتے ہیں۔ ان بزرگوں نے فرمایا کہ اس رب کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں ہماری جانیں ہیں اگر ہم کو محمد مصطفےٰ ﷺ اپنی جان دے دینے یا گھر بار چھوڑ دینے کا حکم دیں تو ہم کو تعمیل ارشاد میں بالکل تامل نہ ہو ان کی تائید اور منافقین کی برائی میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جب حضور ﷺ کی خدمت میں ان حضرات کی یہ گفتگو پہنچائی گئی تو فرمایا کہ میری امت میں ایسے لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ کی قسم اگر حضور ہم کو یہ حکم دیدیتے تو ہم اپنی جانوں پر فوراً کھیل جاتے مگر حضور نے یہ حکم دیا نہیں (تفسیر خازن، تفسیر کبیر، روح المعانی وغیرہ) تفسیر بغوی میں صرف ثابت ابن قیس کا ذکر ہے۔

تفسیر

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ۔ یہ جملہ گذشتہ جملوں سے علیحدہ ہے واؤ استینافیہ ہے لَوْ اس شرط و جزا پر بولا جاتا ہے جو دونوں موجود نہ ہوں یا نہ ہو سکیں کبھی بمعنی اَنْ بھی آتا جاتا ہے كَتَبْنَا كَتْبٌ یا كِتَابَةٌ سے بنا بمعنی لکھنا یا لکھ دینا یا لکھ رکھنا لازم کرنے کو بھی کتابۃ کہہ دیتے ہیں کیونکہ ضروری و لازم حکم لکھ کر دیا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ یہاں اس آخری معنیٰ میں ہے عَلَيْهِمْ کا علیٰ اس معنی کی تائید کر رہا ہے کیونکہ جب کتابت کے بعد علیٰ ہو تو وہ بمعنی لازم کر دینا ہوتا ہے۔ ھُمْ ضمیر یا تو سارے اس وقت کے کلمہ گوؤں کی طرف لوٹتی ہے جن میں منافقین بھی شامل کئے گئے ہیں یا صرف منافقین کی طرف یا تا قیامت سارے مسلمانوں کی طرف۔ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ یہ عبارت اپنے اگلے معطوف سے مل کر كَتَبْنَا کا مفعول بہ ہے قتل نفس سے مراد توبہ کے وقت اپنے کو قتل کے لئے پیش کرنا ہے جیسا کہ بنی اسرائیل نے جب بچھڑے کی پوجا سے توبہ کرنی چاہی تو انہیں یہ ہی حکم دیا گیا خودکشی کر لینا مراد نہیں نہ جہاد میں جانا مراد ہے کہ خودکشی تو ہر دین میں حرام رہی اور جہاد کا حکم اسلام میں بھی ہے پھر لَوْ کے معنی کیسے درست ہوں گے۔ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ یہ عبارت اقْتُلُوْٓا پر معطوف ہے اور كَتَبْنَا کا معقول دِيَارِ دار کی جمع ہے بمعنی گھر۔ وطن کو دیار کہتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کے گھروں کا مجموعہ ہوتا ہے یہاں بھی وطن چھوڑ دینے سے مراد اسلامی ہجرت نہیں کہ وہ تو بوقتِ ضرورت اسلام میں فرض ہے مہاجرین صحابہ نے ترک وطن جہاد سب کچھ کیا بلکہ توبہ کے لئے ترک وطن کرانا مراد ہے جیسے ایک موقعہ پر یہود کو مصر سے نکل جانے یا دلیس نکالے کا حکم دیا گیا تھا۔ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ یہ عبارت لَوْ مذکورہ کی جزا ہے فَعَلُوْا کا فاعل وہ ہی ہے جو عَلَيْهِمْ کی ضمیر کا مرجع تھا یعنی منافقین یا اس وقت کے عام کلمہ گو مخلصین و منافقین کا

مجموعہ یا تا قیامت مسلمان۔ ہُ کا مرجع قتل وترک وطن ہے قَلِيْلٌ ہماری قرأت میں پیش سے ہے فَعَلُوْا کے فاعل کا بدل اور بعض قرأتوں میں قلیلاً فتح سے ہے فَعَلُوْا کے فاعل سے استثناء منھم کا مرجع وہ منافقین ہیں یا مخلصین و منافقین کا مجموعہ یعنی اے محبوب اگر ہم ان منافقین پر اس جرم کی توبہ میں اپنے کو قتل کے لئے پیش کردینا یا ترک وطن کر دینا فرض کردیتے تو عام منافق یہ نہ کرتے ہاں ان میں سے بعض پکے منافق تقیہ کے طور پر اپنا نفاق چھپانے کے لئے کر لیتے یا اے محبوب اگر ہم ان کلمہ گوؤں پر دیگر عبادتوں کی طرح توبہ کے وقت قتل یا ترک وطن فرض کر دیتے تو اس پر عمل صرف تھوڑے ہی کرتے یعنی مخلصین صحابہ مہاجرین وانصار۔ رہے منافقین وہ کبھی اس پر عمل نہ کرتے یہ دوسری تفسیر قوی ہے کیونکہ ابن ابی حاتم شریح ابن عبید وغیرھم محدثین نے مختلف اسنادوں سے نقل فرمایا کہ جب یہ آیت کریمہ اتری تو حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق، عبداللہ ابن رواحہ عبداللہ ابن ام مکتوم وغیرھم صحابہ کرام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ لوگ اس قلیل میں داخل ہیں اگر قتل جان اور ترک وطن کا حکم دیا جاتا تو یہ لوگ کر لیتے (روح المعانی)۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ یہ علیحدہ جملہ ہے اس جملہ مذکورہ کی تائید یا اس کے فوائد بیان فرمانے کیلئے ارشاد ہوا اَنَّهُمْ کا مرجع یا تو وہ ہی منافقین ہیں جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے تب تو لَوْ اپنے معنی میں ہے یا تمام لوگ مرجع ہیں تو لَوْ بمعنی اَنَّ ہے مَا يُوْعَظُوْنَ سے مراد یا تو سارے قرآن وحدیث کے احکام ہیں جن پر وعدے وعیدیں کی گئی ہیں یا وہ ہی احکام مراد ہیں جن کا ذکر ابھی ہو چکا یعنی اپنے ہر اختلاف میں حضور کو حاکم ماننا اور آپ کے حکم سے راضی ہونا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا۔ یہ جملہ لَوْ کی جزاء ہے خیر سے مراد ہے دین ودنیا کی بھلائی تَثْبِيْتًا کے معنی ہیں ایمان پر جم جانا اسلام پر قائم رہنا کہ رنج وغم راحت وخوشی، فقیری امیری کسی حالت میں انسان اسلام نہ چھوڑے اور اسکے دل میں اسلام کے متعلق کوئی شک وشبہ نہ رہے۔ رب فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (محمد:۱۷) یعنی اگر یہ منافقین تمام قرآنی وحدیثی احکام پر عمل کر لیتے تو ان کیلئے دین ودنیا میں بہتری ہوتی کہ دنیا میں رب تعالیٰ ان سے راضی ہو جاتا آخرت میں انہیں جنت عطا فرماتا اور یہ عمل ان کے لئے اسلام پر ثابت قدمی کا باعث ہوتا کہ اس کی برکت سے وہ اسلام پر قائم رہتے ایمان پر مرتے اور مومنوں کے زمرہ میں قیامت میں اٹھتے مگر نہ انہوں نے احکام پر عمل کیا نہ انہیں یہ نعمتیں ملیں یا اگر یہ کلمہ پڑھنے والے مخلصین وغیرھم اللہ کے رسول کے احکام پر عمل کریں تو ان کیلئے دین ودنیا میں بہتری ہو اور پختگی ایمان کا ذریعہ۔ پہلی صورت میں لَوْ اپنے معنی میں ہے۔ دوسری صورت میں بمعنی اَنْ ہے۔ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِيْمًا یہ جملہ لَكَانَ خَيْرًا پر معطوف ہے اِذًا ظرفیہ ہے اجر عظیم سے مراد رضا الٰہی یا جنت میں دیدار الٰہی ہے مِنْ لَّدُنَّا فرما کر اس اجر کی عظمت کا ذکر فرمادیا کہ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق کسی کو جزاء وانعام دے سکتا ہے سوچ لو کہ ہم رب العالمین قدیر مطلق اسے کیا اجر دیں گے یعنی یہ اطاعت و فرمانبرداری بذات خود اچھی ہے اور پختگی ایمان کا باعث اس کے سوا خوبی یہ ہے کہ ہم ایسے عاملوں کو اپنی طرف سے اپنی

شان کے لائق ثواب عظیم عطا فرماتے ہیں یا عطا فرمائیں گے جو ثواب بندوں کی عقل و فہم سے وراء ہے **وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا** یہ چوتھے انعام کا ذکر ہے ہدایت سے مراد ایمان کا خاص مرتبہ ہے جو عاملین متقین کو دیا جاتا ہے فرمایا نبی ﷺ نے جو اپنے علم پر عمل بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ علوم دیتا ہے جو اب تک اسے حاصل نہ تھے اس صورت میں صراط مستقیم سے مراد رب تک پہنچنے کا راستہ ہے یا یہ قیامت کا ذکر ہے اور صراط مستقیم سے جنت تک پہنچانے والا راستہ مراد ہے یا جنت میں اپنے اس کے گھر تک پہنچانے والا راہ مراد فرمایا نبی ﷺ نے کہ مومن اپنے جنتی گھر میں اس طرح بے تکلف پہنچے گا جیسے یہاں ہمیشہ سے رہتا ہے یعنی اگر یہ لوگ ہمارے احکام پر عمل کریں تو ہم ان کو دنیا یا آخرت یا دونوں جہان میں سیدھے راہ کی ہدایت فرمادیں جس سے وہ نہ دنیا میں بھٹکیں نہ آخرت میں گھبرائیں۔

خلاصہ تفسیر

گذشتہ تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں اگر یہ آیات منافقین کے متعلق ہے تو ان کی تفسیر کچھ اور ہے اور اگر عام لوگوں کے متعلق ہے تو تفسیر کچھ اور ہم یہاں دو تفسیریں عرض کرتے ہیں۔ اے محبوب ﷺ ہم نے جو آسان حکم ان منافقین کو دیئے یعنی آپ سے اپنے فیصلے کرانا اور پھر ان فیصلوں پر راضی ہو جانا توبہ کیلئے آپ کے در دولت پر حاضری دینا منافقین کو یہ ہی بھاری ہیں اگر ہم ان کو حکم یہ دے دیتے کہ توبہ کیلئے اپنی جانوں کی قربانی پیش کرو یا دیس چھوڑ کر جنگل میں مارے مارے پھرو تو ان پر کیسی بنتی پھر تو یہ کبھی عمل نہ کرتے ہاں ان میں جو پرلے درجے کے منافق ہیں وہ ہی تقیہ کیلئے ایسا کرتے وہ بھی بہت تھوڑے ہیں اگر یہ منافق اللہ رسول کے فرمانوں پر عمل کرتے تو ان کیلئے دین و دنیا میں بہتری بھی ہوتی یہ ایمان پر جم بھی جاتے اور ہم انہیں اپنے خاص کرم سے بڑا ثواب بھی عطا فرماتے اور انہیں دین و دنیا میں سیدھا راستہ بھی دکھاتے جو دنیا میں ہم تک اور آخرت میں جنت تک انہیں پہنچا دیتا مگر انہوں نے ہمارے احکام مانے ہی نہیں اس لئے وہ ان چاروں نعمتوں سے محروم رہے۔

دوسری تفسیر

اگر ہم ان کلمہ گو حضرات پر گذشتہ اُمتوں کی طرح جان کی قربانی دینی دیس چھوڑنا فرض کر دیں تو ان میں سے تھوڑے لوگ یعنی مخلص صحابہ انصار و مہاجرین ہی عمل کریں جیسا کہ یہ پہلے اس قسم کے سخت احکام پر عمل کر کے دکھا چکے ہیں اور بہت سے لوگ یعنی منافقین کبھی عمل نہ کریں اگر یہ لوگ ہمارے اور ہمارے محبوب کے احکام پر عمل پیرا ہوں تو یہ ان کیلئے دین و دنیا میں بہتر ہو اور اس سے انہیں ایمان پر استقامت نصیب ہو اس کے علاوہ ہم انہیں بڑا ثواب بھی دیں جو ان کی عقل سے وراء ہے اور انہیں وہ سیدھا راہ دکھائیں جو دنیا میں انہیں ہم تک پہنچا دے آخرت میں جنت تک پہنچا دے اور ہمارے دیدار کے لائق بنا دے غرضیکہ ہماری اطاعت صد ہا رحمتوں کا باعث ہے۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اسلام میں خودکشی درست نہیں یوں ہی شہر چھوڑ کر بن باسی ہو جانا اسے عبادت سمجھنا درست نہیں اس طرح

ترک دنیا عبادت نہیں دنیا میں رہ کر دین دار بننا عبادت ہے جیسا کہ **وَلَوْ اَنَّا** کے ایک معنی سے معلوم ہوا۔ حضور سید عالم ﷺ نبیوں کے سردار ہیں مگر ساتھ میں دنیا میں مشغولیت بھی رکھتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ**: صحابہ کرام پختہ مومن اور جانباز سپاہی تھے کہ اللہ رسول کے حکم پر جان پر کھیل جانا ہر مصیبت برداشت کر جانا ان کا محبوب مشغلہ تھا جیسا کہ **اِلَّا قَلِیْلٌ** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: صحابہ کی پختگی ایمان ان کا ہر سخت اور نرم احکام پر سر جھکا دینا اس پر رب تعالیٰ گواہ ہے جو ان بزرگوں کی ان صفات کا انکار کرے وہ اس آیت کا انکاری ہے یہ فائدہ بھی **اِلَّا قَلِیْلٌ** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا لہٰذا کوئی دوسرا مسلمان کیسا ہی متقی ہو ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ ان کا ایمان ان کا تقویٰ ان کی جانبازی ان کی فدا کاری رجسٹری شدہ ہے قرآن مجید جس پر گواہ ہے۔ **چوتھا فائدہ**: اللہ رسول کی فرمانبرداری ایمان کی پختگی پیدا کرتی ہے جیسا کہ **اَشَدَّ تَثْبِیْتًا** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: اللہ رسول کی اطاعت دین و دنیا کی بھلائی کا باعث ہے اس سے دنیا میں عزت روزی میں برکت اچھا پرچہ ایمان پر خاتمہ آخرت میں اچھوں کا ساتھ نصیب ہوتا ہے جیسا کہ **لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: اللہ رسول کی اطاعت سے ہمارا ہی فائدہ ہے نہ کہ رسول کا وہ ہم سے بے نیاز ہیں ہم ہی ان کے نیاز مند ہیں یہ **خَیْرًا لَّهُمْ** کے لام سے معلوم ہوا اگر تمام دنیا کافر ہو جاوے تو نہ رب تعالیٰ کی الوہیت میں کمی آسکتی ہے نہ حضور کی نبوت میں اور اگر تمام دنیا مومن متقی ہو جاوے تو نہ رب تعالیٰ کی الوہیت میں کچھ زیادتی ہو سکتی ہے نہ حضور کی نبوت میں۔ **ساتواں فائدہ**: اللہ رسول کی اطاعت سے وہ ثواب ملتا ہے جو ہمارے وہم و گمان سے وراء ہے جیسا کہ **اجراً عظیماً** سے معلوم ہوا رب تعالیٰ نے دنیا کی تمام نعمتوں قلیل فرمایا مگر ان کے اجر کو عظیم فرمایا جسے رب تعالیٰ عظیم فرما دے اسے ہم ضعیفوں کے ضعیف عقل کیسے معلوم کر سکتے ہیں۔ **آٹھواں فائدہ**: سارے صحابہ ولی اور مقبول بارگاہ الٰہی تھے کیونکہ اللہ رسول کی اطاعت پر یہاں بہت سے انعامات کا وعدہ ہے اور وہ تو اللہ رسول کے سچے پکے مطیع تھے جس پر قرآن کریم گواہ ہے لہٰذا وہ ان انعامات کے اول درجہ کے مستحق ہوئے ان کے مراتب کسی کے وہم و گمان میں نہیں آسکتے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ عام صحابہ کرام شدت میں حضور کا ساتھ نہ دیتے تھے دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ اگر ہم ان پر سخت احکام بھیجتے تو یہ اس پر عمل نہ کرتے سوا تھوڑے حضرات کے وہ تھوڑے کون حضرت علی و عباس بلال وغیرہ چار پانچ حضرات تھے (شیعہ)۔

جواب: اس آیت کی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں روئے سخن منافقوں کی طرف ہے یعنی اگر ان منافقوں پر ایسے سخت احکام آتے تو سواء چند پختہ منافقوں کے جو تقیہ کر کے انہیں برداشت کر لیتے باقی سب منہ پھیر جاتے اور اگر روئے سخن صحابہ کرام سے بھی ہو تب بھی مطلب ظاہر ہے کہ سخت احکام صرف یہ صحابہ کرام ہی برداشت کرتے جو ان منافقوں اور کافروں کی نسبت سے تھوڑے ہیں الله حضرات کی جاں نثاری جانبازی تو بدر و احد کے میدانوں سے پوچھو

یرموک و قادسیہ کے ذروں سے معلوم کرو انہوں نے تو فدا کاری کا وہ ریکارڈ قائم کیا ہے کہ چشم فلک نے بھی اس سے پیشتر نہ دیکھا تھا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ثابت قدم رہنے والے صحابہ بس دو چار ہی تھے باقی سب وقت پر دھوکہ دے جانے والے کہ رب تعالیٰ نے انہیں قلیل فرمایا۔ **جواب:** یہاں قلیل فرمانا کفار کے مقابلہ میں ہے اور ہمیشہ کفار مخلصین سے زیادہ رہے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سباء:۱۳)۔ میرے بہت تھوڑے بندے شکر گزار ہیں تو کیا شیعہ حضرات بھی دو چار ہی ہیں جیسے آج کروڑوں شیعہ حضرات اس قلیل میں داخل ہیں ویسے ہی وہ ہزار ہا صحابہ اس قلیل میں داخل ہیں۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قتل نفس اور ترک وطن اسلام میں فرض نہیں ہوئے بلکہ ممنوع ہیں حالانکہ اسلام میں جہاد بھی فرض ہے اور ضرورت پر ہجرت بھی ضروری صحابہ کرام نے دونوں کام کیے ہیں پھر آیت کا مطلب کیا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ ان دونوں سے مراد توبہ کے وقت اپنے کو قتل کیلئے پیش کر دینا ہے جیسا کہ بنی اسرائیل پر لازم تھا اور بن باشی ہو کر سادھوؤں کی سی زندگی گزارنا جیسے کہ آج ہندوؤں میں مروج ہے وہ یہاں مراد ہے ورنہ صحابہ نے ہجرت میں ترک وطن بھی کیا اور بارہا جہادوں میں وہ حضرات اپنی جان پر کھیل بھی گئے اور زانی و قاتل کو چاہئے کہ اپنے کو حاکم اسلام کے سامنے سزا کیلئے پیش کر دے یہ تمام چیزیں اس حکم سے علیحدہ ہیں۔

چوتھا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ اگر وہ حضرات اس پر عمل کر لیتے تو انہیں سیدھے راستے کی ہدایت دی جاتی تو کیا وہ حضرات سیدھے راستہ نہ تھے اگر تھے تو تحصیل حاصل ناممکن ہے۔ **جواب:** یہاں روئے سخن منافقین سے ہے کہ اگر وہ منافق اللہ رسول کی اطاعت کر لیتے تو سیدھے راستے یعنی اسلام کی ہدایت پا لیتے اور اگر صحابہ کرام سے بھی خطاب ہو تو خطاب ان سے ہے سنانا ہم تمام لوگوں کو ہے رب تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ سے فرماتا ہے يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ (احزاب:۱) اے نبی اللہ سے ڈرو اس میں ہم کو فہمائش ہے۔

پانچواں اعتراض: یہاں مِنْ لَّدُنَّا کیوں فرمایا گیا کہ ہم ان کو اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتے ثواب تو رب تعالیٰ کے پاس سے ہی ملتا ہے۔ **جواب:** یہ اس ثواب کی شان ظاہر کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ ہر شخص اپنی حیثیت کے لائق انعام دے سکتا ہے بتاؤ جو انعام ہم دیں وہ کیسا ہوگا اور ممکن ہے کہ دوسرے ثواب فرشتوں کے ذریعہ دلوائے جاویں اور اس کا ثواب بلا واسطہ فرشتہ عطا ہو جنت میں ساری نعمتیں ذریعوں وسیلوں سے ملیں گی مگر دیدار الٰہی براہ راست رب کا عطیہ ہوگا آج خاص تمغے بادشاہ خود اپنے ہاتھ سے سپاہی کے سینہ پر لگاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ نفس کی خواہش پوری نہ کرنا اس کی صفات کو فنا کر دینا قتل نفس ہے اور دل کو اس کی محبوب دنیا سے الگ کر دینا اسے صبر، توکل، رضا، تسلیم کی دنیا میں بہانا یہ گویا دل کا ترک وطن

ہے فرمایا جارہا ہے کہ اگر ہم ہر مسلمان پر نفس کی پوری مخالفت دل کو دنیا سے دور رکھنا واجب کر دیتے تو تھوڑے ہی اللہ والے اس پر عمل کرتے کہ یہ عمل ہر ایک کا کام نہیں جہاد کفار آسان ہے جہاد نفس مشکل صوفیائے فرماتے ہیں کہ اگر تم نے اپنے عمر اپنی باطن کی صفائی میں ہی گذار دی تو فنافی التوحید کی باری کب آوے گی۔

جان عارف دوست را طالب شده — نور حق بر ہستیش غالب شده!

پرتوِ ذات از حجاب کبریا! — کرد او را غرق در بحرِ فنا

صوفیاء فرماتے ہیں کہ ڈر سے تو سرکش غلام بھی اطاعت کر لیتا ہے اور لالچ سے مزدور بھی محنت کر لیتا ہے طالب مولیٰ وہ ہے جس کی اطاعت ڈر اور لالچ کی اطاعت نہ ہو رب کو رب کے لئے پوجے اس آیت میں یہ ہی ارشاد ہے کہ جو اس قتل نفس اور اس ترک وطن پر دلیر ہو جاوے تو وہ ہمارا ہے ہم اس کے ہم اسے ثابت قدمی اپنی ذات تک پہنچنے کا راستہ اور اپنے پاس سے خاص اجر عطا فرمائیں گے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت:۶۹)۔ ہم اپنا راہ اسے بتاتے ہیں جو ہمارے لئے جہاد کرے رب تعالیٰ اس قال کو حال بنادے (از روح البیان)

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ
اور وہ جو اطاعت کرے اللہ اور رسول کی پس یہ لوگ ساتھ ہیں ان کے جن پر انعام کیا اللہ نے
اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے
عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ
انبیاء صدیقین اور شہید لوگ اور نیک کار
فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ
وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾
اور اچھے ہیں یہ لوگ ساتھی۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور کافی ہے اللہ علم والا
یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کافی ہے جاننے والا

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ رسول کی اطاعت کا تاکیدی حکم دیا گیا اب اس اطاعت کے نتیجہ کا ذکر ہے کیونکہ انسان نتیجہ کی امید پر محنت کرتا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ رسول کی اطاعت نہ کرنے والوں کی سزا کا ذکر تھا اب اطاعت کرنے والوں کی جزا و ثواب کا ذکر ہے کہ بعض لوگ ڈر سے مانتے ہیں بعض لالچ سے۔ **تیسرا تعلق**:

پچھلی آیات میں اللہ رسول کی اطاعت کے دنیاوی فوائد کا ذکر تھا اب اُخروی فوائد کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات مطیعوں کے لئے تھیں یہ آیت کریمہ عاشقوں کیلئے ہے کہ وہاں انعاموں کے تذکرے تھے اور یہاں انعام والوں کی ہمراہی ومعیت کا تذکرہ ہے جس کیلئے عشاق ترستے ہیں مگر چونکہ انعام لینے والے زیادہ ہوتے ہیں۔ عشاق کم اس لئے پہلے انعاموں کا ذکر ہوا بعد میں اس کا۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہم اطاعت والوں کو سیدھے راستہ کی ہدایت دیں گے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم انہیں رہبروں کا ساتھ عطا فرمائیں گے۔ انسان سیدھے راستہ اور رہبر کی راہبری سے ہی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

شانِ نزول

اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت ثوبانؓ حضور کے ایسے عاشق تھے کہ آپ کے بغیر انہیں چین نہ آتا تھا ایک دن حاضر بارگاہ ہوئے تو ان کا رنگ اڑا ہوا تھا چہرہ اترا ہوا جسم دبلا شکل سے آثار غم نمودار۔ حضور ﷺ نے پوچھا ثوبان کیا حال ہے عرض کیا کہ بیمار عشق ہوں اس کے سواء اور کوئی بیماری مجھے نہیں حضور میرا حال یہ کہ ہے کہ ایک آن کے لئے آپ کی جدائی مجھے شاق ہے۔ جب مجھے آخرت کا خیال آتا ہے تو سوچتا ہوں کہ اگر میں بخشا بھی گیا اور رب نے اپنے کرم سے مجھے جنت دے بھی دی تو جنت میں آپ کا مقام بہت بلند و بالا ہوگا میں خدام کے درجہ میں بہت نیچے ہوؤں گا تو آپ کی ملاقات نہ کرسکوں گا۔ میرے لئے تو آپ کی جدائی کی وجہ سے جنت دوزخ بن جاوے گی تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن، مدارک، روح المعانی، روح البیان، خزائن العرفان اور بیضاوی وغیرہ)

(۲) دوسری یہ کہ بعض انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو جنت کا شوق نہیں ہمیں تو آپ کے دیدار کا اشتیاق ہے جب جنت میں آپ نبیوں کے ساتھ ہوں گے ہم امتیوں کے ساتھ تو ہم صبر کیسے کریں گے تب یہ آیت نازل ہوئی (کبیر)۔

(۳) تیسری روایت یہ ہے کہ امام مقاتل فرماتے ہیں کہ ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ جب آپ گھر میں تشریف لے جاتے ہیں تو مجبوراً مجھے بھی اپنے گھر جانا پڑتا ہے مگر مجھے نہ تو بچے اچھے معلوم ہوتے ہیں نہ گھر بار جب تک کہ آپ کو آکر دیکھ نہ لوں قرار نہیں آتا حضور جنت میں کیا بنے گا یہاں تو حضور ہم غلاموں کے ساتھ رہتے ہیں وہاں بھلا ہم کہاں آپ کہاں پھر میرے قرار دل کی صورت کیا ہوگی تب یہ آیت اتری جب حضور ﷺ کی وفات ہوگئی تو ان کے کسی بیٹے نے وفات کی خبر دی تو بولے الٰہی اب مجھے نابینا کر دے تاکہ مدینہ کو تیرے محبوب سے خالی نہ دیکھوں چنانچہ اسی وقت نابینا ہوگئے۔ پھر اللہ نے انہیں حضور کے ساتھ ہی رکھا (تفسیر کبیر)۔

تفسیر

وَ مَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ۔ واو ابتدائیہ ہے من موصولہ اس سے مراد یا تو سارے انسان ہیں تو اطاعت سے مراد ایمان و اعمال میں پیروی کرنا ہے یا من سے مراد ہے سارے مسلمان ہیں تو اطاعت سے مراد اعمال میں اطاعت ہے اطاعت و عبادت میں فرق بیان ہو چکا الرَّسُوۡلَ سے مراد محمد رسول اللہ

علیہ ہیں الف لام مضاف الیہ کا عوض بھی ہو سکتا ہے اللہ اس کا مضاف الیہ ہو یا خلق اللہ یعنی جو انسان یا جو مسلمان اللہ اور ان رسول کی یا رسول اللہ کی یا ساری خلقت کے رسول کی پیروی کرے گا چونکہ مَنْ لفظ واحد ہے اس لئے یُطِعِ واحد لایا گیا۔ رسول سے مراد نہ تو حضرت جبرئیل ہیں کیونکہ کوئی ان کا امتی نہیں اور نہ دوسرے انبیاء کرام کیونکہ ان کی رسالتیں منسوخ ہو گئیں اب صرف حضور کی اطاعت باعث نجات ہے رسول کے معنیٰ ہیں پہنچانے والا یعنی خالق سے لینے والا مخلوق کو دینے والا رسول دو قسم کے ہوتے ہیں بے اختیار رسول جیسے حضرت جبرئیل اور با اختیار رسول جیسے ہمارے حضور علیہ اگر حضور کسی کو کچھ نہیں دیتے تو پھر وہ رسول کیسے اور اگر بے اختیار دیتے ہیں تو حضور کی رسالت اور حضرت جبرئیل کی رسالت میں کیا فرق ہے ہم حضرت جبرئیل کے امتی کیوں نہیں۔ ڈاکیہ بھی شاہی پیغام حکام تک پہنچا تا ہے حکام بھی رعایا تک وہ قانون پہنچاتے ہیں مگر ڈاکیہ بے اختیار قاصد ہے اور حکام با اختیار قاصد کہ رعایا سے عمل کراتے ہیں عمل نہ کرنے والوں کو سزا مطیعوں کو انعام دے سکتے ہیں با اختیار رسول سے مانگنا درست ہے بے اختیار سے مانگنا بے کار ہم ڈاکیہ سے نہیں کہہ سکتے کہ منی آرڈر سے زیادہ رقم دے دو۔ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ چونکہ مَنْ معنی میں جمع ہے اس لئے اُولٰٓئِکَ اشارۂ جمع لایا گیا اور چونکہ مَنْ مبتداء میں شرط کے معنی بھی تھے اس لئے اس کی خبر فَاُولٰٓئِکَ میں ف لائی گئی۔ مع سے مراد درجہ کی معیت نہیں کیونکہ غیر نبی کبھی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا اور حق یہ ہے کہ معیت مکانی بھی مراد نہیں کیونکہ حضرات انبیاء کرام اعلیٰ علیین میں ہوں گے امتی ان سے نیچے بلکہ اس معیت سے مراد یہ حالت ہے کہ یہ لوگ جب چاہیں ان حضرات سے ملاقات گفتگو کر لیں یا ان کے نفوس اس اطاعت کی وجہ سے ایسے شفاف ہوں گے کہ نبوت وصدیقیت کی شعاعیں ان میں جلوہ گر ہوں گی جیسے شفاف آئینہ زمین پر رہتے ہوئے سورج کی شعاعیں اپنے میں لے لیتا ہے حالانکہ سورج چوتھے آسمان پر ہے اس تجلّی کی وجہ سے ان کو ان حضرات سے معیت حاصل ہو گی یا جیسے بادشاہوں وحکام کی کوٹھی میں ان کے خدام باڈی گارڈ کے کوارٹر بھی ہوتے ہیں اور خدام بادشاہ کے ساتھ رہتے ہیں ایسے ہی ان مطیعوں کو حضرات انبیاء کی ہمراہی نصیب ہو گی۔ یہ فقط سمجھانے کے لئے ہے ورنہ وہ معیت وہمراہی انشاء اللہ دیکھ کر ہی معلوم ہو گی (کبیر وروح المعانی) رب فرماتا ہے۔ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ (حجر:۴۷) یہ تختوں کا آپس میں متقابل ہونا بھی اس نوعیت کا ہو گا بہر حال معیت وتقابل فرق مراتب کے خلاف نہیں اَنْعَمَ اللّٰہُ سے مراد صرف ایمانی نعمت نہیں بلکہ نبوت صدیقیت شہادت وغیرہ کی خصوصی نعمتیں مراد ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے یعنی یہ لوگ ان مقبولین بارگاہ کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے خاص انعام کیا اس طرح کہ جب چاہیں گے اس نے ملاقات کریں گے بغیر اسکے کہ یہ لوگ اوپر منتقل ہوں یا وہ حضرات نیچے آئیں مِنَ النَّبِیّٖنَ۔ مِنْ بیانیہ ہے اور یہ عبارت اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ کا بیان ہے۔ نبیین سے مراد حضور علیہ ہیں جمع فرمانا یا تو تعظیم کیلئے ہے جیسے اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (حجر:۹) یا اس لئے ہے کہ حضور تمام انبیاء کرام کی صفات کے جامع ہیں۔ گویا آپ جماعت

انبیاء ہیں حضور کے ساتھ رہنا گویا سارے نبیوں کے ساتھ رہنا ہے رب تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ کَانَ اُمَّةً قَانِتًا (نحل:۱۲۰) اور ہوسکتا ہے کہ ایسے مطیعوں کو تمام انبیاء کرام سے قرب خصوصی میسر ہو کیونکہ حضور کی اطاعت تمام نبیوں کی اطاعت ہے اس لئے مطیع کو سارے نبیوں کا قرب بھی میسر ہوگا (روح) وَالصِّدِّیْقِیْنَ صدیق صدق کا مبالغہ ہے جیسے ستر سے ستیر صادق وہ جو سچ بولے صدیق وہ جو سچ ہی بولے کبھی جھوٹ نہ بولے صادق وہ جو زبان کا سچا ہو۔ صدیق وہ جو دل دماغ زبان و روح سب کا سچا ہو۔ صادق وہ جو واقع کے مطابق کلام کرے صدیق وہ کہ واقع اس کے کلام کے مطابق ہو۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں حضرات انبیاء کرام کو بھی صدیق کہا گیا ہے اِنَّهٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا (مریم:۴۱) اور مومنوں کو بھی وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ (حدید:۱۹) اور خاص مومنوں کو بھی اور انبیاء کرام کے افاضل صحابہ کو بھی جیسے ہمارے حضور ﷺ کے صحابہ میں ابوبکر الصدیق۔ تفسیر کبیر میں فرمایا کہ صدیق وہ جس نے سب سے پہلے حضور ﷺ کی بغیر چون و چرا تصدیق کی اور وہ دوسرے تصدیق کرنے والوں کا مقتدا بنے وہ ابوبکر الصدیق ہی ہیں کیونکہ اگرچہ عورتوں میں پہلی مومنہ حضرت خدیجہ ہیں اور بچوں میں پہلے مومن حضرت علی ہیں مگر ان کے ایمان کا اثر دوسروں پر نہیں پڑا کیونکہ یہ حضرات اہلبیت رسول تھے گھر والے اپنے بڑے کے دین پر عموماً ہوتے ہی ہیں ابوبکر الصدیق اہل بیت رسول سے نہیں اور سب سے پہلے انہوں نے حضور کی تصدیق کی تو لوگوں پر ان کی تصدیق کا اثر ہوا اور وہ ایمان لائے چنانچہ ابوبکر صدیق کی تبلیغ سے بہت تھوڑی مدت میں حضرت عثمان، طلحہ، زبیر، سعد ابن ابی وقاص، عثمان ابن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایمان لائے اس لئے آپ کا لقب صدیق ہوا (کبیر) غرضیکہ یہاں صِدِّیْقِیْنَ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ جیسے نبیین سے مراد نبی ﷺ تھے اور نبیین کے ساتھ صِدِّیْقِیْنَ فرمانے سے حضرت ابوبکر افضل الخلق بعد الرسل ہونا آپ کا خلیفہ بلا فصل ہونا سب ثابت ہوا (کبیر) وَالشُّهَدَآءِ یہ صدیقین پر معطوف ہے جمع ہے شہید کی یہاں شہید سے صرف راہِ خدا میں مارا ہوا مسلمان مراد نہیں کہ بعض فساق و فجار بھی یہ درجہ پالیتے ہیں اور یہاں اسے صدیق کے بعد رکھا گیا نیز پیٹ کی بیماری سے مرنے والا ڈوبا ہوا طاعون سے مرنے والا بھی شہید ہے حالانکہ وہ لوگ صدیقین سے متصل نہیں بلکہ یہاں شہید سے مراد مشاہدہ جمال یار کرنے والے ہیں مگر ان آنکھوں سے نہیں بلکہ دل کی آنکھوں سے (کبیر) روح المعانی نے فرمایا کہ کسی نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ کیا آپ نے کبھی اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے بغیر دیکھے خدا کی عبادت نہیں کی مگر اسے عیون نے عیان سے نہ دیکھا بلکہ قلوب نے ایمان سے دیکھا وَالصّٰلِحِیْنَ یہ جمع ہے صالح کی بمعنی نیک کار یہاں وہ مراد ہیں جنہوں نے نیک کاری میں اپنی عمر گزاری یا صلاحیت سے بنا بمعنی لیاقت و قابلیت یعنی رب تعالیٰ کے قرب خصوصی کی قابلیت رکھنے والے اس سے عام نیک لوگ مراد نہیں بلکہ خاص حضرات مراد ہیں حضرت یوسف و موسیٰ علیہم السلام نے دعا کی تھی تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (یوسف:۱۰۱)

وہ حضرات مسلم یعنی مطیع اور صالح یعنی نیک کار تو پہلے ہی سے تھے روح المعانی نے فرمایا کہ یہاں نبیین سے مراد حضور ﷺ ہیں صدیقین سے مراد ابوبکر صدیق ہیں اور شہداء سے مراد حضرت عمر، عثمان وعلی ہیں اور صالحین سے مراد تمام صحابہ کرام خصوصاً مہاجرین وانصار شیخ خالد نقشبندی فرماتے ہیں کہ نبوت کا قطب حضور ﷺ ہیں صدیقیت کا قطب ومدار ابوبکرؓ صدیق۔ شہادت کا قطب ومدار حضرت عمرؓ ولایت کا قطب ومدار حضرت مولاء کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں کسی نے پوچھا کہ آپ نے حضرت عثمان کا نام نہ لیا وہ کس چیز کا قطب ہیں آپ نے فرمایا کہ ان میں شہادت اور ولایت دونوں جمع ہیں اس لئے انہیں ذوالنورین کہا جاتا ہے یعنی دونوروں والے، دونور کون سے شہادت اور ولایت رضی اللہ عنہم (روح المعانی) وَاُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا یہ جملہ علیحدہ ہے۔ پہلے جملہ کی اہمیت بیان فرمانے کیلئے حَسُنَ فعل ہے اور اُولٰٓئِکَ فاعل رفیق فاعل کا حال یہ لفظ رفق سے بنا بمعنی نرمی ومہربانی۔ رفیق اچھے اور مہربان ساتھی کو کہتے ہیں یعنی یہ لوگ بہت اچھے مہربان ساتھی ہیں اور ان کا ساتھ میسر ہو جانا اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اچھوں کی ہمراہی ہم بروں کو بھی پار لگا دیتی ہے خیال رہے کہ رفیق واحد وجمع دونوں پر بولا جاتا ہے اس لئے یہاں رفیق واحد ہی لایا گیا ہے۔ رفقاء جمع ارشاد نہ ہوا (معانی) اس جملہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ دنیا کی ساری نعمتوں سے یہ ساتھی اچھی نعمت ہیں کہ دنیاوی نعمتیں صرف دنیا میں ساتھ رہتی ہیں اور مرتے ہی بلکہ زندگی میں ہی ساتھ چھوڑ دیتی ہیں مگر یہ ساتھی زندگی موت حشر ہر جگہ ساتھ رہتے ہیں نیز دنیا کی نعمتیں جسم کیلئے مفید ہیں یہ ساتھی روح ودل کو مفید دوسرے یہ کہ تمام ساتھیوں سے یہ ساتھی اچھے ہیں کیونکہ قیامت میں سارے ساتھی حتیٰ کہ جسم کے اعضاء بھی دشمن ہو جائیں گے مگر یہ ساتھی وہاں بھی دوست رہیں گے رب فرماتا ہے اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (زخرف:۶۷) اور فرماتا ہے وَتُکَلِّمُنَآ اَیْدِیْھِمْ وَتَشْھَدُ اَرْجُلُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (یٰس:۶۵) ہمارے سب سے بڑے ساتھی ہمارے اعضاء ہیں پھر ماں باپ پھر بھائی بہن پھر آس پڑوسی پھر اور یار دوست جبکہ اعضاء ہی ساتھ چھوڑ گئے تو دوسرے ساتھیوں کا کیا پوچھنا ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللہِ یا تو ذٰلِکَ مبتداء ہے اور الْفَضْلُ اس کی جزا اور مِنَ اللہِ فضل کی صفت یا حال یا ذٰلِکَ الْفَضْلُ مبتدا ہے اور مِنَ اللہِ خبر ذٰلِکَ سے اشارہ اس معیت کی طرف ہے جو ابھی مذکور ہوئی اگرچہ وہ ذکر میں قریب تھی مگر درجہ میں بہت بلند اس لئے ذٰلِکَ بعید کا اشارہ استعمال ہوا فضل وہ جو اللہ کی خاص مہربانی سے میسر ہو محض اپنی کوشش کا نتیجہ نہ ہو یعنی یہ ان بزرگوں کا ساتھ اللہ کا فضل ومہربانی اللہ کی طرف سے ہے جسے وہ دے اسے ملے وَکَفٰی بِاللہِ عَلِیْمًا۔ کفٰی فعل ہے اللہ اس کا فاعل جس پر ب زائدہ ہے عَلِیْمًا لفظ اللہ کا حال یعنی اللہ کافی ہے علیم وخبیر وہ جانتا ہے کہ کون شخص ان مقبولوں کی ہمراہی کے قابل ہے کون نہیں جیسے یہ مقبول بندے رب کے چناؤ میں آچکے ہیں ایسے ہی ان کی ہمراہی کیلئے بھی خاص بندوں کا چناؤ ہو چکا ہے۔

اے محبوب ﷺ اپنے ان مغموم صحابی اور تمام جاں نثار عاشقوں کو سنا دو کہ ہم انہیں جنت میں تم سے جدا نہ کریں گے

خلاصہ تفسیر بلکہ جو مسلمان صحیح معنی میں اللہ رسول کی اطاعت کرے گا کہ اللہ کے فرائض پر کار بند ہوگا اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچے گا اور رسول کی سنتوں کا متبع ہوگا وہ کل قیامت اور جنت میں یا قبر حشر و جنت میں نبی ﷺ، ابوبکر صدیق، عمر و عثمان و علی اور تمام مہاجرین و انصار صحابہ کے ساتھ ہوگا ساتھ رہے گا کہ اسے ہر وقت ان محبوبوں کے جمال کی زیارت ان کی ملاقات ان سے گفتگو میسر رہے گی اور یہ دین و دنیا میں بڑے اچھے نرم نفع پہنچانے والے ساتھی ہیں کہ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کے ساتھیوں پر بھی مہربانی فرما دیتا ہے یہ محبوبوں کی ہمراہی ان کا قرب اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے جو اس کے کرم سے ہی ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے وہ جانتا ہے کہ کون ان بزرگوں کی صحبت کے لائق ہے کون نہیں۔

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضور کی رسالت عامہ ہے زمین یا زمان یا کسی قوم سے خاص نہیں نیز کوئی شخص کسی مرتبہ پر پہنچ کر حضور کی اطاعت سے بے نیاز نہیں یہ فائدہ مَنْ کے عموم سے حاصل ہوا جیسے کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر سورج، ہوا، پانی، غذا سے بے نیاز نہیں ایسے ہی کوئی شخص حضور سے قرآن، نماز و احکام شرعیہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا بلکہ مر کر سورج وغیرہ سے بے نیازی ہو جاتی ہے مگر حضور کی حاجت قبر و حشر میں بھی رہتی ہے۔ خیال رہے کہ رسول صرف پیغام رساں نہیں ہوتے بلکہ انعام و فیضان رساں بھی ہوتے ہیں حضرت جبریل علیہ السلام نے جناب مریم سے کہا تھا۔ **اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا** (مریم: ۱۹)۔ معلوم ہوا کہ رسول اولاد رساں بیٹا بخشنے والے ہوتے ہیں۔ جناب موسیٰ و ہارون نے فرعون سے فرمایا **اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ** (طٰہٰ: ۴۷)۔ معلوم ہوا رسول دنیا کے منتظم ہوتے ہیں اس لئے رسول کی ضرورت ہر شخص کو ہر وقت ہے ہر جگہ ہے ہر طرح ہے۔ **دوسرا فائدہ**: اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بھی لازم ہے یعنی فرض کے ساتھ سنت پر عمل ضروری ہے۔ قرآن کے ساتھ حدیث بھی ضروری جیسا کہ **مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ** سے معلوم ہوا یہ دونوں اطاعتیں راہ خدا طے کرنے کیلئے ایسی ضروری ہیں جیسے گاڑی کیلئے دو پہیے یا انسان کیلئے دو قدم یا پرندے کیلئے دو پر ان دو اطاعتوں کے بغیر قرب الٰہی میسر ہو سکتا ہی نہیں۔ **تیسرا فائدہ**: اللہ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت قبر و حشر و جنت میں اللہ کے مقبول بندوں کا قرب ہے۔ دنیا میں بھی اچھوں کی صحبت تمام نیکیوں سے اعلیٰ ہے آج کوئی شخص صحابہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کیوں صرف اس لئے کہ وہ صحبت یافتہ رسول ہیں ﷺ باقی تمام نماز روزہ وغیرہ وہ بھی ادا کرتے تھے ہم بھی ادا کرتے ہیں یہ فائدہ **مَعَ الَّذِیْنَ** الخ سے حاصل ہوا۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
یک زمانہ صحبتے با انبیاء　　بہتر از لک سالہ طاعت بے ریا

یک زمانہ صحبتے با مصطفٰے! بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

چوتھا فائدہ: حضور کی معیت و ہمراہی گویا تمام نبیوں کی ہمراہی ہے جیسا کہ النبیین کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ علما فرماتے ہیں کہ جس نے حضور کے روضہ انور کی زیارت کی اس نے گویا تمام انبیاء کرام کی قبور شریفہ کی زیارت کر لی حاصل جمع میں جمع کے سارے عدد آ جاتے ہیں۔ **پانچواں فائدہ**: حضرت ابوبکر صدیق بعد رسل تمام خلق سے افضل ہیں حضور کے پہلے خلیفہ ہیں حضور کے سچے جانشین ہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے نبیین کے بعد صدیقین کا ذکر فرمایا درمیان میں فاصلہ کوئی نہ رکھا بلکہ حضرت صدیق اکبر کی قبر بھی حضور کی قبر انور سے بغیر فاصلہ ہے بالکل متصل ہے۔ جب قبروں کی مٹی میں فاصلہ نہیں تو ان قبروں والوں میں فاصلہ کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر جگہ نبی کے ساتھ صدیق کا ذکر فرمایا ہے بغیر فاصلہ۔ **چھٹا فائدہ**: حضرت ابوبکر صدیق اللہ رسول کے بڑے مطیع و فرمانبردار تھے کیونکہ کہ اللہ رسول کی اطاعت کرنے والوں کو جزاء یہ دی گئی کہ اسے حضرت صدیق اکبر کا قرب نصیب ہوا تو وہ یقیناً خود بڑے مطیع ہیں۔ **ساتواں فائدہ**: جنت میں اگرچہ حضرات انبیاء کرام و صدیقین اعلیٰ درجہ میں ہوں گے مگر اس کے باوجود ان کے غلاموں کو ان سے قرب رہے گا شرف میں سب اعلیٰ کرم میں سب سے قریب۔

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب سے قریب ہیں
کوئی کہہ دو یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں!

یہ فائدہ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**: مدعیٔ محبت عاشق رسول نہیں عشق رسول اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرما دے ہاں عشق رسول کی علامت اللہ رسول کی اطاعت ہے حضور کی سنتوں کی پیروی حضور کی ہر نسبت کی طرف دل کا کھچاؤ رب تعالیٰ نصیب فرما دے یہ فائدہ ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ**: ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے عشق رسول مانگے کیونکہ یہاں اسے الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ فرما دوسری جگہ فرمایا وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ (النساء:۳۲) اللہ سے اس کا فضل مانگو۔

ذرہ عشق نبی از حق طلب سوز صدیق و علی از حق طلب

دسواں فائدہ: انبیاء صدیق، شہداء، صالحین دین و دنیا میں ہمارے لئے نافع ہیں ان سے بہت فیوض ملتے ہیں جیسا کہ رَفِیْقًا سے معلوم ہوا رفق کے معنی ہیں نفع رفیق نافع و نرم ساتھی اسی سے ہے۔ ارتفاق رفیق وہ ساتھی جس کا ساتھ نفع بخش ہو۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: لفظ مَنْ ایک ہے مگر اس کے لئے یُطِعِ اللّٰہَ واحد لایا گیا اور اُولٰٓئِکَ جمع اس کی وجہ کیا ہے۔ **جواب**: تفسیر میں گزر گیا کہ مَنْ لفظ میں واحد ہے اور معنی میں جمع یُطِعِ اللّٰہَ میں لفظ مَنْ کا اعتبار ہے اور اُولٰٓئِکَ میں معنی مَنْ کا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ رسول کی اطاعت کرنے والوں نبیوں، صدیقوں، شہیدوں کے ساتھ ہوں گے تو کیا یہ لوگ ان بزرگوں کے ہم رتبہ ہیں اگر نہیں تو ساتھ ہونے کے کیا معنی۔ **جواب**: ہمراہی بہت قسم کی ہے۔ درجہ کی ہمراہی جگہ کی ہمراہی قرب کی، کرم کی، خدمت کی، یہاں درجہ کی ہمراہی مراد نہیں بلکہ قرب یا خدمت کی ہمراہی مراد ہے کہ یہ مطیع لوگ ان بزرگوں سے اتنا قرب رکھیں گے کہ جب چاہیں گے ان سے ملاقات کر سکیں گے اور اگر مکانی ہمراہی مراد ہو تو یہ ہمراہی ایسی ہوگی جیسے خدمت گار غلام اپنے آقا سلطان کے ساتھ رہتا ہے۔ حتی کہ اس کا گھر بھی سلطان کے بنگلہ کے متصل ہوتا ہے کیوں۔ خدمت کے لئے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ** (بقرہ:۱۵۳)۔ یہاں بھی لفظ مع موجود ہے مگر یہ ہمراہی اور ہی قسم کی ہے کرم نوازی بندہ پروری کی ہمراہی۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ رسول کی اطاعت کرنے والے خود نبی صدیق شہید اور صالح بن جاتے ہیں تو جیسے صدیقیت۔ شہادۃ صالحیت تا قیامت باقی ہے کہ مسلمانوں میں یہ لوگ ہوتے ہی رہیں گے ایسے ہی نبوت بھی تا قیامت باقی ہے حضور کی امت میں نبی پیدا ہوتے رہیں گے۔ **نوٹ**: یہ قادیانی مرزائیوں کی مایہ ناز دلیل ہے اجراء نبوت پر۔ **جواب**: یہاں ان متبعین کا نبی یا صدیق ہونے کا ذکر نہیں شہید و صالح بن جانے کا تذکرہ نہیں بلکہ نبیوں، صدیقوں کے ساتھ ہونے کا ذکر ہے تم آیت کریمہ کی تحریف کر رہے ہو نہ کہ تفسیر دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ** (بقرہ:۱۵۳) اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ صابر لوگ خدا بن جاتے ہیں۔ رہا یہ کہ صدیقین شہداء وغیرہ تا قیامت اس امت میں ہوں گے اس کا ثبوت دوسری آیت میں ہے **اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ** (حدید:۱۹) دیکھو یہاں نبیوں کا ذکر نہیں نبوت حضور پر ختم ہو چکی اب کوئی نبی نہیں بن سکتا جس پر بیشمار دلائل قائم ہیں اور اگر آیۃ کریمہ کے یہ ہی معنی ہوں کہ اللہ رسول کے مطیع رسول نبی بن جاتے ہیں تو چاہئے کہ ہر مطیع رسول بن جاوے چودہ سو برس میں صرف مرزا جی ہی نبی کیوں بنے، علی حیدر کرار، صدیق اکبر، عمر فاروق جیسے مطیع جب نبی نہ ہوئے تو مرزا صاحب نبی کیسے بن گئے۔ صحابہ کرام جیسا مطیع کون ہوگا۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا نبی اور ہیں صدیق اور یوں ہی شہید و صالحین اور واؤ غیریت چاہتا ہے مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صدیق شہید و صالح سب کچھ ہوتے ہیں آیات میں تعارض ہے۔ **جواب**: نبی صدیق، شہید و صالح میں نسبت عام خاص مطلق کی ہے لہٰذا ہر نبی صدیق بھی ہے اور شہید بھی صالح بھی مگر ہر صدیق نبی نہیں یوں ہی ہر صدیق شہید و صالح ہے مگر ہر شہید صدیق نہیں یوں ہی ہر شہید صالح ہے مگر ہر صالح شہید نہیں لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ اس کی نفیس تحقیق یہاں ہی روح المعانی و کبیر وغیرہ میں ملاحظہ فرماؤ۔

پانچواں اعتراض: یہاں اطاعت کے ساتھ **الرَّسُوْلَ** فرمایا گیا جس سے مراد حضور ﷺ ہیں مگر ہمراہی کے ذکر میں **النبيين** جمع ارشاد ہوا وہاں بھی **مَعَ الرَّسُوْلِ** یا **مَعَكَ** ارشاد ہونا چاہئے تھا نیز حضرات ثوبان نے

حضور علیہ السلام ہی کا قرب چاہا تھا دوسرے نبیوں کے قرب کی تمنا نہ کی تھی پھر انہیں یہ جواب کیوں دیا گیا۔ **جواب**: یہاں النبیین سے مراد بھی حضور علیہ السلام ہی ہیں جیسے تفسیر میں عرض کیا گیا حضور کو النبیین فرمانے میں حضور کی عظمت شان ظاہر کرنا ہے کہ حضور تمام انبیاء کا خلاصہ ہیں حضور کی ہمراہی سارے نبیوں کی ہمراہی ہے نیز بتانا مقصود ہے کہ حضور کی ہمراہی کی برکت سے تمام صدیقین شہداء کی ہمراہی بھی نصیب ہو جاتی ہے ہم مدینہ منورہ حضور کے روضہ کی زیارت کے لئے جاتے ہیں مگر ان کے صدقہ میں حضرات صحابہ کرام واہل بیت عظام کے مزارات کی زیارت سے بھی مشرف ہو جاتے ہیں اور تمام دنیا کے حجاج سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ علماء، صالحین، اولیاء اللہ سب ہی سے ملاقات ہو جاتی ہے کیونکہ حضور کا آستانہ تمام دنیا کا مرکز ہے اسی طرح قیامت میں حضور کا آستانہ مرکز انبیاء وصدیقین وشہداء ہوگا جسے حضور کی دربانی مل جاوے وہ سب نبیوں وغیرھم سے ملاقات کرے گا سب سے انعام لے گا آج بھی حضور کے بواب ہر طرف سے انعام ونذرانہ پاتے ہیں جسے وہ مل گئے اسے تو خدا بھی مل گیا خدا کرے وہ مل جاویں ہم گنہگاروں کا جھونپڑا ان کے قدم کے لائق کہاں مگر۔

جو کرم سے اپنے شہا مرکھیں اس غریب کے گھر قدم　　　مرے شاہ کی نہ ہو شان کم کہ گدا پہ ان کا پیار ہے

مگر اس غریب کا غمکدہ بنے رشک خلد بریں شہا　　　کرے ناز اپنے نصیب پر بنے شاہ وہ جو گنوار ہے

اگر سلطان کسی دیہاتی کے جھونپڑے پر کرم کردے تو سلطان تو سلطان ہی رہتا ہے البتہ دیہاتی کی پگڑی سورج تک پہنچ جاتی ہے وہ سلطان بن جاتا ہے۔

چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ رسول کی اطاعت کا نتیجہ ہے ان مقبولوں کی ہمراہی مگر ساتھ ہی ارشاد ہو رہا ہے **ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ** یہ اللہ کا فضل ہے فضل تو وہ ہوتا ہے جو بغیر محنت کمائی ملے یہ دونوں باتیں کیسے درست ہوئیں۔ **جواب**: ان مقبولوں کی ہمراہی اللہ تعالیٰ کے محض فضل سے ملتی ہے ہاں اس فضل کی اہلیت و لیاقت خدا رسول کی اطاعت سے میسر ہوتی غرضیکہ اطاعت سبب ہمراہی نہیں سبب تو اللہ کا فضل ہے یہ اطاعت شرط اہلیت ہے یا یوں کہو کہ اطاعت کی توفیق ملنا اللہ کا فضل ہے **ذٰلِکَ** سے اشارہ اطاعت کی طرف ہے یا اطاعت قبول فرما لینا اللہ کا فضل ہے یا اطاعت کی جزاء تو جنت کا داخلہ وہاں کی نعمتیں ہیں پھر وہاں پہنچ کر حضور کا دیدار اللہ کا فضل ہے جیسے خود رب تعالیٰ کا دیدار اس کے فضل سے ملے گا وہ ہمارے کسی عمل کا نتیجہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اطاعت خدا اور رسول پر چار ہمراہیوں کا وعدہ فرمایا نبیوں کی صدیقوں کی، شہیدوں کی، صالحین کی، نبی مراتب قدس کے اعلیٰ مرتبہ میں ہیں جیسے کوئی شخص کسی کو ظاہر ظہور بہت قریب سے دیکھے رب تعالیٰ نے ہمارے حضور کی صفت یوں فرمائی **اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى** (نجم:۱۲) دوسرے صدیقین یہ وہ لوگ ہیں جو معرفت میں حضرات انبیاء کے پیچھے پیچھے ہیں جیسے کوئی کسی چیز

کو دور سے دیکھے علی مرتضٰی فرماتے ہیں کہ میں نے بے دیکھے رب کی کبھی عبادت نہ کی۔ تیسرے شہداء یہ وہ حضرات ہیں جن کو عیان سے نہیں بلکہ دلیل و برہان سے رب کی معرفت میسر ہے جیسے کوئی کسی چیز کو قریب سے آئینہ میں دیکھے۔ حضور فرماتے ہیں کہ رب تعالٰی کی عبادت یوں کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو۔ یہاں یہ دیکھنا مراد ہے۔ چوتھے صالحین یہ وہ حضرات ہیں جنہیں ان تین جماعتوں کی کامل تقلید و پیروی سے معرفت میسر ہوئی۔ جیسے کسی کو دوسرے کے آئینہ میں دور سے کوئی چیز دکھائی جاوے اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ اگر تم بوقت عبادت یہ نہ سمجھ سکو کہ تم رب کو دیکھ رہے ہو تو یوں سمجھو کہ رب تم کو دیکھ رہا ہے غرضیکہ معرفت کی چار منزلیں ہیں ترتیب وار اور ان منزل والوں کی چار جماعتیں ہیں۔ حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ نبوت خاصہ تو حضور پر ختم ہو چکی مگر نبوت عامہ یعنی ولایت جو نبوت خاصہ کا عکس و سایہ ہے تا قیامت جاری و ساری ہے سورج کے نکلنے سے چاند تارے چراغ وغیرہ بجھ جاتے ہیں مگر ذرے نہیں بجھتے بلکہ انہیں سورج چمکا دیتا ہے بدر الدین بغدادی نے حضور غوث الثقلین کا قول نقل فرمایا کہ آپ فرماتے ہیں اے گروہ انبیاء لقب نبی تمہارے ساتھ خاص ہے اب کسی کو نبی نہیں کہا جا سکتا مگر ہم کو بعض وہ چیزیں ملی ہیں جو تم کو نہ ملیں انتہٰی۔ دیکھو موسٰی علیہ السلام صاحب شریعت نبی کلیم اللہ ہیں۔ خضر علیہ السلام سے افضل ہیں مگر جناب خضر نے عرض کیا تھا کہ اے موسٰی تم کو ایک قسم کا علم ملا جو مجھے نہیں اور مجھ کو دوسری قسم کا علم ملا جو تمہیں نہیں ملا۔ دیکھو بخاری وغیرہ۔ غرضیکہ نبوت عامہ ولایت ابدی ہے اس آیت میں نبوت خاصہ و عامہ دونوں کا ذکر ہے (تفسیر روح المعانی) یہاں روح المعانی میں صدیقیت، شہادت و صالحیت میں عجیب عجیب فرق بیان فرمائے جو دیکھنے کے لائق ہیں غرضیکہ ہم جیسے مجوبوں کو حکم ہے کہ میرے محبوب کی اطاعت سچے دل سے کرو تو ان محبوبوں کے ہمراہ ہو جاؤ گے صوفیاء فرماتے ہیں کہ صادق وہ ہے کہ جو واقعہ ہو وہ کہے مگر صدیق وہ ہے کہ جو وہ کہہ دے واقعہ ایسا ہی ہو جاوے۔ دیکھو بادشاہ کے ساقی اور باورچی نے جیل خانہ میں یوسف علیہ السلام کی خدمت میں دو بناوٹی خوابیں پیش کیں۔ آپ نے تعبیر دی کہ باورچی کو سولی دی جاوے گی ساقی اپنے عہدے پر بحال ہوگا۔ پھر یہ دونوں بولے کہ ہم نے تو جھوٹ کہا تھا خواب کچھ نہ دیکھا تھا تو آپ نے فرمایا قُضِیَ الۡاَمۡرُ الَّذِیۡ فِیۡہِ تَسۡتَفۡتِیٰنِ (یوسف:۴۱) تم نے سچ کہا ہو یا جھوٹ جو میری زبان سے نکل گیا وہ ہو کر رہے گا۔ اس کا فیصلہ ہو چکا پھر ساقی بادشاہ کی خواب کی تعبیر جب یوسف علیہ السلام سے پوچھنے کیلئے آیا تو بولا یُوۡسُفُ اَیُّہَا الصِّدِّیۡقُ اَفۡتِنَا فِیۡ سَبۡعِ الخ (یوسف:۴۶) اے یوسف اے صدیق فرماؤ کہ سات بال اور سات گاؤں کی تعبیر کیا ہے صدیق کیوں کہا اس لئے کہ اس نے دیکھ لیا کہ جو یہ کہہ دیتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔ جنگ احد میں مالک ابن سنان شہید ہو چکے تھے مگر ابوبکر صدیق کے منہ سے نکل گیا کہ مالک پیچھے آ رہے ہیں رب تعالٰی نے انہیں زندہ کر کے واپس مدینہ بھیجا اسی لئے ان کو کہا جاتا ہے مالک ابن سنان شہید حتی کہ ان کا مزار زیارت گاہ خاص عام ہے فقیر نے زیارت کی ہے مدینہ پاک میں قبر انور ہے۔ خیال رہے کہ علماء کرام اس آیت کے

معنی کرتے ہیں کہ اطاعت والے نبیوں صدیقوں کے ساتھ ہوں گے صوفیائے کرام معنی یوں کرتے ہیں کہ مطیع لوگ نبیوں صدیقوں کے ساتھ ہیں دنیا میں بھی آخرت میں بھی یعنی یہ مطیع اللہ کے دھڑے کے ہیں، اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ (مجادلہ:۲۲) یہ ہمراہی روحانی ہے جس کے لئے نہ اتحاد مکانی کی ضرورت ہے نہ اتحاد زمانی یا مقامی کی پڑوسی دشمن ہم سے دور ہے دور رہنے والا دوست ہمارے ساتھ ہے اس کی یاد ہر وقت ہمارے دل میں ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ جہاز کا کپتان خلاصی مسافر سب جہاز میں ساتھ ہیں مگر پھر ان کے مراتب میں فرق ہے یوں ہی مطیع لوگ نبیوں، صدیقوں کے ساتھ ہیں مگر پھر بھی ان کے مراتب میں فرق ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے لو تم اپنے بچاؤ کو پھر چلو تم تھوڑے تھوڑے یا
اے ایمان والو ہوشیاری سے کام لو پھر دشمن کی طرف تھوڑے تھوڑے ہو کر نکلو یا
انْفِرُوْا جَمِیْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ
چلو ایک ساتھ اور بے شک تم میں سے البتہ وہ ہے جو دیر لگاتا ہے تو اگر پہنچے تم کو
اکٹھے چلو اور تم میں کوئی وہ ہے کہ ضرور دیر لگائے گا پھر اگر تم پر کوئی
مُّصِیْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا ﴿۷۲﴾
کوئی مصیبت تو کہتا ہے بیشک مہربانی کی مجھ پر اللہ نے جب کہ نہ تھا میں ان کے ساتھ موجود
افتاد پڑے تو کہے خدا کا مجھ پر احسان تھا کہ میں ان کے ساتھ حاضر نہ تھا
وَلَىِٕنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَیَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ
اور اگر پہنچے تم کو مہربانی اللہ کی طرف سے تو کہتے ہیں گویا نہ تھی تمہارے اور اس کے درمیان
اور اگر تمہیں اللہ کا فضل ملے تو ضرور کہے گویا تم میں اس میں کوئی
بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهٗ مَوَدَّةٌ یّٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۳﴾
کوئی محبت ہائے کاش کہ ہوتا میں ان کے ساتھ تو کامیاب ہوتا میں بڑی کامیابی
دوستی نہ تھی (یہ بات) اے کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ رسول کی اطاعت کا اجمالی حکم دیا گیا تھا اب اس اطاعت کی کچھ تفصیل فرمائی جا رہی ہے یعنی

جہاد کا حکم دیا جارہا ہے جو تمام اطاعتوں کی اصل ہے اور اس کی برکت سے اطاعت کرنے والے پیدا ہوتے ہیں گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں اللہ رسول کی اطاعت کا اخروی فائدہ بیان ہوا تھا یعنی آخرت میں نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیکوں کی ہمراہی میسر ہونا اب اس آیت کریمہ میں ان کی اطاعت کا دنیاوی فائدہ بیان ہورہا ہے یعنی کفار پر غالب آنا دین کی اشاعت وغیرہ۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں اللہ رسول کی اطاعت کی خوبیاں بیان فرمائی گئی تھیں اب ان خوبیوں کے مستحقین کا ذکر ہے کہ یہ نعمتیں مخلصین کو میسر ہوں گی نہ کہ منافقین کو جو نفاق سے اطاعت کریں غرض دینے کا ذکر پہلے تھا اور لینے کی شرط کا ذکر اب ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں جہاد کی تمہید تھی اب اس آیت میں جہاد کا حکم ہے وہاں گویا فرمایا گیا تھا کہ مسلمان غازیو اپنے ساتھ تقویٰ پرہیزگاری کے ہتھیار رکھو اللہ رسول تمہارے ساتھ ہوں پھر جہاد کرو اب فرمایا جارہا ہے کہ ظاہری ہتھیار ساتھ رکھو۔ ظاہری ہتھیار تو کفار کے پاس بھی ہیں مگر وہ روحانی ہتھیار کفار کے پاس نہیں۔

تفسیر **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ**: قرآن کریم کا دستور یہ ہے کہ مشکل اور گراں احکام پکار کر دیتا ہے تاکہ اس پکار کی لذت سے وہ کام آسان ہوجاوے۔ جہاد بھی گراں اور مشکل حکم تھا۔ اس لئے پہلے پکارا بعد میں حکم سنایا رب تعالیٰ نے دوسری قوموں کو ان کے نسبی نام یا وطنی نسبت سے پکارا جیسے یا بنی اسرائیل مگر ہم کو ایمانی نسبت سے پکارا یہ پکار ہمارے لئے فخر ہے اسلام میں نسب پر فخر نہیں ایمان و اعمال باعث فخر ہیں۔ خیال رہے کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں کبھی کبھی انسان، جن فرشتے سب داخل ہوتے ہیں جیسے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (حجرات:۱) یا جیسے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ (حجرات:۲)۔ کبھی اٰمَنُوْا میں صرف جن وانس سے خطاب ہوتا ہے فرشتے خارج ہوتے ہیں جیسے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ (بقرہ:۱۸۳) فرشتوں پر روزے نہیں کبھی صرف انسان اس میں داخل ہوتے ہیں۔ یہاں تیسری نوعیت ہے کیونکہ جہاد اور اس کی تیاری صرف انسانوں پر ہے جن و ملک اس حکم سے خارج ہیں۔ اکثر اٰمَنُوْا سے مراد مخلص مومن ہوتے ہیں مگر کبھی اس میں قومی مومن یعنی منافقین کو بھی شامل کرلیا جاتا ہے۔ غالب یہ ہے کہ یہاں بھی عام خطاب ہے کیونکہ آگے ارشاد ہورہا ہے وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ۔ تم میں سے بعض جہاد میں سستی کرتے ہیں یعنی منافقین اور ظاہر ہے کہ منافقین مخلصین کی جماعت سے نہ تھے اس لئے یہاں اٰمَنُوْا عام ہو تو بہتر ہوگا خُذُوْا کے معنی ہیں لو یا لئے رہو۔ یا اختیار کرو۔ حِذْرَ۔ ح کے کسرہ اور ذال کے سکون سے یوں ہی حَذَرَ۔ ح کے فتح سے مصدر ہے دونوں کے معنی ایک ہی ہیں جیسے اِثْر واَثَر اور مِثْل ومَثَل جسکے معنیٰ ہیں۔ بچنا احتیاط کرنا رب تعالیٰ فرماتا ہے اے مسلمانو تمہارے بیویوں بچوں میں بعض تمہارے دشمن بھی ہیں فَاحْذَرُوْهُمْ (تغابن:۱۴) ان سے ہوشیار رہو احتیاط رکھو یہاں یا تو حاصل مصدر ہے یا بمعنیٰ یا الحذر

یعنی بچاؤ کا آلہ (ہتھیار وغیرہ) اگر چہ احتیاط و ہوشیاری ہر جگہ ہر عبادت میں ہی بہتر ہے مگر جہاد میں بہت ضروری ہے کہ وہاں تھوڑی سے بے احتیاطی سے قوم و ملک و دین کو سخت نقصان پہنچ جاتا ہے یہاں جہاد میں احتیاط کرنا مراد ہے کیونکہ آئندہ جہاد کا ذکر ہے یعنی اے مسلمانو جہاد کے موقعہ پر احتیاط، ہوشیاری اختیار کرو اور ہتھیار وغیرہ بچاؤ کا سامان ساتھ رکھو فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا۔ ف تعقیبیہ ہے کیونکہ جہاد میں تیاری پہلے ہوتی ہے نکلنا بعد میں اِنْفِرُوْا نَفْرٌ سے بنا بمعنیٰ بھاگنا چلنا خواہ کسی سے بھاگنا ہو یا کسی کی طرف بھاگنا، دوڑنا، نکلنا لڑائی میں نکلنے کو بھی نفر کہتے ہیں اور اعلان جہاد کو نفیر طلب علم کے لئے سفر کرنے کو بھی رب فرماتا ہے فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ (توبہ:۱۲۲)۔ اس نفر سے نفور۔ نفار منافرت ہے ثُبَاتٍ جمع ہے ثبۃ کی ثبۃ چھوٹی جماعت کو کہا جاتا ہے جو دس سے زیادہ ہو ثبۃ اصل میں ثوب تھا ثاب یثوب کا مصدر بمعنیٰ رجع یرجع واؤ گرا کر عوض کی ت آخر میں لگا دی گئی لہٰذا ثُبَاتٍ کے معنیٰ ہوئے چھوٹی چھوٹی جماعتیں بن کر یہ اِنْفِرُوْا کے فاعل سے حال ہے یہاں وہ چھوٹی جماعتیں مجاہدین صحابہ کی مراد ہیں۔ جن میں حضور ﷺ تشریف نہ لے جائیں جنہیں سریہ بھی کہتے ہیں۔ جَمِیْعًا سے مراد بڑی جماعت بن کر ساتھ جانا ہے۔ اسے جیش کہا جاتا ہے سو سے لے کر پانچ سو تک کو نفری۔ اس زیادہ جماعت مجاہدین کو منسر کہتے ہیں بروزن منسیر۔ آٹھ سو تک اس سے زیادہ کو جحفل یا جیش عظیم کہتے ہیں آٹھ ہزار تک (روح المعانی) یعنی پہلے اپنی ہوشیاری احتیاط کا سامان لو پھر چھوٹی چھوٹی جماعتیں بنکر یا لشکرِ عظیم بن کر کفار کی طرف روانہ ہو وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۔ یہ جہاد کی دوسری احتیاط کا ذکر ہے یعنی جہاد میں کھلے دشمن یعنی کفار سے ہوشیار رہو جن کے مقابلہ میں تم جاؤ اور ساتھ ہی چھپے دشمن منافقین سے بھی ہوشیار رہو جو مارِ آستین کی طرح تمہارے ساتھ رہتے ہیں مِنْكُمْ یا تو اس لئے فرمایا کہ اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا میں سب سے خطاب تھا مذہبی مومن ہوں یا قومی مومن یعنی منافقین یا اسلئے فرمایا کہ بظاہر منافقین مسلمانوں میں ہی شمار ہوتے تھے کلمہ نماز وغیرہ میں ساتھ رہتے تھے جہادوں میں ساتھ چلے جاتے تھے مسلمانوں کے نسبی قرابت دار بھی تھے لَيُبَطِّئَنَّ۔ بطاءٌ سے بنا بمعنیٰ بوجھ یا سستی پیچھے رہ جانا اس کا مقابل ہے اِسْرَاعٌ تیز چلنا یہ باب تفعیل میں آکر متعدی بھی ہوتا ہے لازم بھی یعنی سستی کرتے ہیں یا لوگوں کو سست بناتے ہیں کہ ضعفاء مومنین کو ڈرا کر گھبراہٹ میں ڈال دیتے ہیں فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ یہ منافقین کے دوسرے عیب کا ذکر ہے كُمْ سے خطاب مخلص غازیوں کو ہے مُّصِیْبَةٌ سے مراد قتل زخم یا ہزیمت ہے۔ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ یہ عبارت فَاِنْ کی جزاء ہے قَالَ کا فاعل وہ منافق ہیں جو جہاد سے کترا کر مدینہ میں بیٹھ رہتے تھے اور دوسرے ضعفاء مومنین کو بھی بیٹھ رہنے کی رغبت دیتے تھے یہ بے وقوف جہاد سے محرومی کو اللہ کی نعمت سمجھتے اس لئے یہ بکواس کرتے تھے۔ حالانکہ جہاد میں شرکت اللہ کی رحمت و نعمت ہے جہاد سے بیٹھ رہنا محرومی بلکہ عذاب ہے۔ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا اِذْ تعلیلیہ ہے اَنْعَمَ اللّٰهُ کی علت اور مَّعَهُمْ کی ضمیر غازی صحابہ کرام کی طرف ہے

شَهِیۡدًا سے مراد ہے میدان جنگ میں حاضر یا اس سے مراد ہے شہادت پانے کی جگہ میں موجود ہونا مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں یعنی اے غازیو۔ مخلص صحابیو اگر کبھی جہاد میں تم کو کوئی تکلف شہادت یا زخم یا ہزیمت پہنچتی ہے تو تم کو تو غم ہوتا ہے ان مردود منافقوں کو خوشی۔ شکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اللہ کا مجھ پر بڑا ہی انعام ہوا کہ ہم اس موقعہ پر مسلمان غازیوں کے ساتھ میدان جہاد میں موجود نہ تھے ورنہ ہم کو بھی یہ تکلیف پہنچ جاتی وَلَئِنۡ اَصَابَكُمۡ فَضۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ۔ یہ ان منافقین کی تصویر کا دوسرا رخ ہے اَصَابَكُمۡ کی ضمیر مخلص غازیوں کی طرف ہے۔ اصاب فرما کر یہ بتایا کہ جیسے تم اللہ کے فضل کو تلاش کرتے ہو ویسے ہی اللہ کا فضل یعنی رزق غنیمت فتح تم کو تلاش کرتے ہیں بلکہ وہ تمہاری جستجو میں زیادہ ہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ فضل تم کو پہنچتا ہے یہ نہ فرمایا کہ تم فضل تک پہنچتے ہو۔ اللہ کے فضل سے مراد غنیمت۔ فتح مندی ہے فضل فرما کر بتایا کہ جہاد کا اجر تو آخرت میں ملے گا۔ رضاء الٰہی جنت وغیرہ یہ غنیمت فتح ملک سلطنت تو اجر کے علاوہ بطور فضل ہے نیز جیسے بھتہ یعنی ٹی اے تنخواہ سے نہیں وضع ہوتا ایسے ہی یہ دنیاوی نعمتیں اس آخرت کے اجر سے وضع نہ ہوں گے وہ اجر پورا ملے گا یعنی اگر تم کو جہاد میں اللہ کا فضل غنیمت فتح پہنچتی ہے خیال رہے کہ مصیبت کو رب کی طرف نسبت نہ فرمایا اور غنیمت وغیرہ کو فضل من اللہ کہا تعلیم ادب کے لئے مسلمان ہمیشہ مصیبت کو اپنی طرف نسبت کریں اور راحت وخوشی کو رب تعالیٰ کی طرف اگرچہ مصیبت وراحت سب رب کی طرف سے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا وَاِذَا مَرِضۡتُ فَهُوَ يَشۡفِيۡنِ (شعراء:۸۰)۔ جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے شفا دیتا ہے یعنی بیمار میں ہوتا ہوں شفا رب دیتا ہے نیز من اللہ میں اس جانب اشارہ ہے کہ کوئی شخص اسے چھین نہیں سکتا کیونکہ اللہ کا فضل ہے لَيَقُوۡلَنَّ كَاَنۡ لَّمۡ تَكُنۡۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهٗ مَوَدَّةٌ ۔ یہ عبارت اِنۡ اَصَابَتۡ کی جزاء ہے چونکہ وہاں لام قسم کا بھی تھا اس لئے یہاں جواب قسم کا لام لاکر اس جملہ کو جواب قسم قرار دیا گیا۔ كَاَنۡ لَّمۡ تَكُنۡ الخ جملہ معترضہ ہے ورنہ لَيَقُوۡلَنَّ کا مفعول آگے رہا ہے۔ مودت سے مراد دین ایمان قرابت داری محلہ داری ہم وطنی کی محبت ہے یعنی باوجودیکہ یہ منافقین تمہارے رشتہ دار محلہ دار قرابت دار بلکہ دعویٰ میں ایماندار بھی ہیں انہیں تم سے بہت سی قسم کی محبت چاہئے تھی تو لازم تھا کہ تمہاری فتح پر خوشیاں مناتے تمہارے ساتھ خوشی میں برابر کے شریک ہوتے مگر نہیں انہیں تمہاری خوشی پر رنج وغم ہوتا ہے گویا ان کا تم سے کوئی رشتہ ہے ہی نہیں يٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ مَعَهُمۡ فَاَفُوۡزَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ۔ یہ عبارت لَيَقُوۡلَنَّ کا مفعول ہے مَعَهُمۡ کا مرجع وہ ہی مخلص غازی مومنین صحابہ ہیں كُنۡتُ فرما کر یہ بتایا گیا کہ وہ جہاد کرنے کی آرزو نہیں کرتے بلکہ صرف تمہارے ساتھ میدان جہاد میں ہونے کی تمنا کرتے ہیں تاکہ غنیمت میں ان کا حصہ بھی ہو جاتا اور فَاَفُوۡزَ فرما کر یہ بتایا کہ انہیں ثواب نہ ملنے کا رنج نہیں ہوتا بلکہ غنیمت سے محروم رہنے کا صدمہ ہوتا ہے ان کی نگاہ میں غنیمت مل جانا ہی بڑی کامیابی ہے جسے وہ فوز عظیم کہہ رہے ہیں یعنی وہ کف افسوس ملتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہائے کاش میں بھی مسلمان مجاہدوں کے ساتھ میدان جہاد میں پہنچ جاتا چاہے جہاد کرتا یا نہ کرتا تاکہ

اس شرکت جہاد کی وجہ سے مجھے بھی غنیمت میں حصہ مل جاتا اور میں بڑا ہی کامیاب ہوتا۔ خیال رہے کہ نجاح، فلاح اور فوز تینوں کے معنی ہیں کامیابی مگران میں کبھی اس طرح فرق کیا جاتا ہے کہ ابتدائی کامیابی کو نجاح کہہ دیتے ہیں درمیانی کامیابی کو فلاح انتہائی کامیابی کو فوز جو کوئی ایم اے پاس کرنے کے لئے کالج میں داخل ہو تو اس کا اول جماعت پاس کر لینا نجاح ہے پھر درمیان کے درجے میٹرک، ایف اے پاس کرنا فلاح اور آخر میں ایم اے پاس کرنا جو اس کا اصل مقصود تھا فوز ہے منافق غنیمت کے مال حاصل کر لینے کو فوز اس لئے کہتے تھے کہ ان کی زندگی کا اصل مقصد حصول مال ہے۔

خلاصہ تفسیر اے مخلص مومنو یا اے کلمہ پڑھنے والو ہمیشہ احتیاط و ہوشیاری سے کام لو کفار کے مقابلہ میں ہتھیار بند رہو پھر تمہیں اختیار ہے کہ موقع کے مطابق جہاد میں تھوڑے تھوڑے یا جماعت کثیرہ کے ساتھ کفار کے مقابلہ پر پہنچو تیاری پہلے روانگی بعد میں کرو پھر جیسے تم اپنے مقابل کفار سے ہوشیار رہو ان کے داؤں پیچ گھات سے بچے رہو ایسے ہی اپنی جماعت کے چھپے دشمنوں اور مار آستینوں سے بھی ہوشیار رہو تم میں بعض وہ منافق بھی ہیں جو جہاد سے خود پیچھے رہتے ہیں اور دوسرے ضعفاء مومنین کو ڈرا کر بھی پیچھے رکھتے ہیں ان کی خودغرضی کا یہ عالم ہے کہ اگر اتفاقاً کسی جنگ میں تم کو زخم۔ قتل یا ہزیمت کی مصیبت پہنچ جاوے تو تم کو تو غم ہوتا ہے مگر ان بدنصیبوں کو خوشی یہ خوشی میں بغلیں بجاتے ہوئے بایں الفاظ شکر کرتے ہیں کہ اللہ نے مجھ پر بڑا ہی کرم کیا کہ ان غازیوں کے ساتھ میں نہ گیا ورنہ مجھے بھی ان کی طرح یہ تکالیف پہنچتیں اور اگر رب کے فضل و کرم سے تمہیں فتح و نصرت کامیابی غنیمت وغیرہ حاصل ہو تو تم تو خوش ہوتے ہو مگر یہ روسیاہ کف افسوس ملتے رنج و غم کرتے ہیں۔ رنج و غم بھی جہاد کی شرکت سے محرومی کا نہیں بلکہ تم سے بالکل اجنبی ہو کر گویا انہیں تم سے کسی قسم کا کوئی تعلق ہی نہیں نہ رشتہ داری کا نہ محلہ و کنبہ داری کا یہ کہتے ہیں کہ افسوس میں میدان جنگ میں نہ گیا اگر میں بھی ان کے ساتھ وہاں پہنچ گیا ہوتا تو ان کی طرح مجھے بھی مال اسباب لونڈی غلام جو غنیمت میں آیا ہے ملتا غرضیکہ ان کی نظر صرف اپنے نفع نقصان پر ہے نہ انہیں تم سے ہے کوئی تعلق نہ آخرت کے ثواب سے کوئی واسطہ ایسے بے ایمانوں سے بھی باخبر رہو ہوشیار رہو۔ مومن و منافق دونوں مدینہ منورہ میں رہتے تھے جہاد کے میدان میں جمع ہو جاتے تھے مگر منافق کی نگاہ صرف مال کی تلاش میں رہتی تھی مخلص مومن کی نظر رضاء ذوالجلال کی جستجو میں دونوں مقصدوں میں بڑا فرق ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں — کرگس کو جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

رب فرماتا ہے وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (احزاب:۷۱) مومن سمجھتا ہے کہ عذاب سے بچ جانا جنت حاصل کر لینا منزلیں ہیں اصل مقصد یار کو منا لینا ہے۔

تجھ سے تجھی کو مانگ کر لی دو جہاں کی خیر — مجھ سا کوئی گدا نہیں تجھ سا کوئی سخی نہیں

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اگر مسلمان اپنی بقا چاہتے ہیں تو ہمیشہ دشمنوں سے محتاط رہیں ان کے مقابلہ کی تیاری کریں اسلامی حکومتیں ان کے مقابلہ کے لئے فوجی تیاری کریں علماء دلائل کی تیاری کریں غرضیکہ بقدر طاقت ہر شخص تیاری کرے رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ** (انفال:۶۰)۔ اب تو بجائے جہاد کی تیاری کے کھیل کود عیش طرب میں مشغولیت ہے جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ مہاجرین مکہ نے مدینہ منورہ پہنچ کر صرف دس سال کے عرصہ میں سارا حجاز فتح فرمالیا ہم برس ہا برس گذرنے کے باوجود جہاں تھے وہاں ہی ہیں اللہ تعالیٰ ہماری آنکھیں کھولے ہماری مثال یہ ہے۔

مشغول طائران چمن ہیں کلیل میں   صیاد تانت باندھ رہا ہے غلیل میں

آج بھارت میں ہوائی جنگی جہاز توپیں اور سامان جنگ بن رہا ہے ہمارے پاکستان میں وزارتیں ممبریاں بن رہی ہیں۔ یہ حال دیکھ کر ہر دردمند مسلمان خون کے آنسو رو رہا ہے۔ **دوسرا فائدہ**: مسلمان اور اسلام کو ہمیشہ منافقوں سے واسطہ رہا ان کا وجود بمقابلہ کھلے دشمنوں کے زیادہ خطرناک ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ کبھی بھی ان سے غافل نہ رہیں۔ آج بھی پاکستان ان چھپے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے قوم کو چاہئے کہ دشمن و دوست کی پہچان رکھے۔ **تیسرا فائدہ**: جہاد تو کبھی کبھی میسر ہوتا ہے مگر تیاری جہاد ہر وقت رکھنا چاہئے تیاری جہاد پہلے اور جہاد بعد میں ہونا چاہئے دیکھو یہاں **خُذُوْا حِذْرَكُمْ** پہلے ارشاد ہوا اور نفر کا ذکر بعد میں تیاری جہاد کا ثواب بھی جہاد کی طرح ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے بلکہ ہر قسم کے جہاد کی تیاری ہمیشہ کی جاوے علماء کو چاہئے کہ ہمیشہ بدمذہبوں سے مناظرہ کی تیاری کریں کہ اس میں بھی اجر و ثواب ہے بلکہ ہر عبادت کی تیاری وقت سے پہلے بہتر ہے۔ **چوتھا فائدہ**: جہاد کے لئے الگ الگ چھوٹی جماعتیں بنا کر جانا یا اکھٹے بڑے لشکر میں جانا جیسا موقعہ ہو ویسا عمل کرنا بہتر ہے جیسا کہ **فَانْفِرُوْا** الخ سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: عبادتوں میں سستی کرنا بے دلی سے ادا کرنا طریقہ منافقین ہے جیسا کہ **وَاِنَّ مِنْكُمْ** الخ سے معلوم ہوا۔ جہاد، نماز، حج وغیرہ تمام عبادتیں شوق و ذوق سے ادا کرنی چاہئیں رب تعالیٰ صرف عمل کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ ہمارے شوق ذوق کو ملاحظہ فرماتا ہے ارشاد فرماتا ہے **فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ** (ماعون:۵)۔ خرابی ہے ان نمازیوں کی جو نماز سے سستی کرتے ہیں یعنی پڑھتے تو ہیں مگر سستی اور بے دلی سے۔ **چھٹا فائدہ**: جہاد میں ہمیشہ فتح ہی نہیں ہوتی کبھی ہماری غلطی سے شکست بھی ہو جاتی ہے اس سے بددل نہیں ہونا چاہئے۔ ہر حال میں راضی بہ رضا رہے اور اس سے دل تنگ نہ ہو جیسا کہ **فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: مسلمانوں کی مصیبت پر خوشی منانا اور مسلمانوں کی خوشی پر غم کرنا منافقوں کا طریقہ ہے جیسا اس آیت کے مضمون سے معلوم ہوا۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ خوشی و غم میں مسلم قوم کے ساتھ رہے اگر مشرق کے

مسلمانوں کو دکھ پہنچے تو مغرب کے مسلمان تڑپ جائیں اگر جنوب کے مسلمانوں کو خوشی ہو تو شمالی مسلمان خوش ہو جاویں کیونکہ اگر چہ صورت سیرت خوراک لباس زبان میں مختلف ملکوں کے مسلمان مختلف ہیں مگر روح رواں سب کی ایک ہے یعنی کلمہ طیبہ، قرآن، کعبہ اور نبی محمد رسول ﷺ، دیکھو پاؤں میں درد ہو تو سر تک کے تمام اعضاء کو تکلیف ہوتی ہے کیونکہ اگر چہ تمام اعضاء کام و نام میں الگ الگ ہیں مگر جان سب کی ایک ہے ہاں مردہ جسم کا یہ حال ہوتا ہے کہ پاؤں میں چوٹ مارو تو گھٹنے کو خبر نہ ہو ایسے ہی اگر ہم کو دوسرے مسلمانوں کی تکلیف کا احساس نہ ہو تو سمجھو کہ ہم مردہ قوم ہو گئے۔

آٹھواں فائدہ: بارگاہ الٰہی کا ادب یہ ہے کہ بندہ برائی کو اپنی طرف نسبت کرے اور بھلائی کو رب کی طرف دیکھو اس آیت میں مصیبت کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں ہوا مگر رحمت کے ساتھ رب کا ذکر فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا **وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ** گناہ ہم کر لیتے ہیں نیکی کی توفیق وہ دیتا ہے۔ **نواں فائدہ**: راہ خدا کی تکالیف سے بچ جانے کو نعمت الٰہی سمجھنا طریقہ کفار ہے۔ دیکھو منافق کہتے تھے کہ اللہ کا ہم پر انعام ہوا کہ ہم جہاد میں نہ گئے اور میدان جہاد کے تکالیف ہم کو نہ پہنچیں اس کی راہ میں مٹ جانا زندگی ہے تکلیف پانا راحت ہے۔

لِیُ حبیبٌ عربی مدنی قرشی — کہ بود رنج و غمش مایۂ شادی وخوشی

دسواں فائدہ: صرف مال مل جانے کو بڑی کامیابی سمجھنا طریقہ منافقین ہے جیسا کہ **فَوْزاً عَظِيْماً** سے معلوم ہوا بڑی کامیابی یار کو منا لینا ہے اگر ہم مر مٹ کر رب کو راضی کر لیں تو یہ موت زندگی سے افضل ہے بہر حال یہ بازار ہی دوسرا ہے۔ **گیارھواں فائدہ**: اسباب اختیار کرنا تدبیر سے کام لینا توکل کے خلاف نہیں جیسا کہ **خُذُوْا حِذْرَكُمْ** سے معلوم ہوا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہوشیار اور مدبر ہونا چاہئے مگر حدیث شریف میں ہے **المؤمن غر كريمٌ الكافر خب لئيمٌ**۔ مسلمان سیدھا اور کرم والا ہوتا ہے آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب**: آیہ کریمہ میں مسلمانوں کو ہوشیار رہنے کا حکم دیا ہے۔ حدیث پاک میں چالاکی سے بچنے کا تذکرہ ہے ہوشیاری اچھی چیز ہے چالاکی بری اپنے کو دوسروں کے فریب سے بچائے رکھنا ہوشیاری ہے دوسروں کو فریب دینا چالاکی ہوشیاری کا مقابل ہے جیسے بیوقوفی چالاکی کا مقابل ہے سیدھا پن مسلمان سیدھا ہوتا ہے بے وقوف نہیں ہوتا۔ ہوشیار ہوتا ہے چالاک نہیں ہوتا۔ حدیث پاک میں ہے **اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ**۔ مومن کی ہوشیاری سے ڈرو **فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ**۔ بیشک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ **خُذُوْا حِذْرَكُمْ**۔ ہوشیاری اور اپنا بچاؤ اختیار کرو۔ کیا ہماری ہوشیاری اور احتیاط تقدیر الٰہی کو بدل دیتی ہے اگر تقدیر میں فتح و نصرت ہے تو یہ ہر حال مل جاوے گی اور اگر تقدیر میں شکست ہے تو ہماری ہوشیاری بے کار ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرا تحقیقی۔

جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو دنیا کے تمام کام چھوڑ دینا چاہئیں، تقدیر پر شاکر ہو کر بیٹھ جاؤ کھیتی باڑی نوکری بلکہ دوا علاج کچھ نہ کرو اگر تقدیر میں روزی یا شفاء ہے تو ویسے ہی میسر ہو جاوے گی کمائی یا علاج کرو یا نہ کرو بلکہ پھر تو ایمان نماز وغیرہ بھی بیکار ہوئے کہ اگر تقدیر میں جنت ہے تو ویسے ہی مل جاوے گی۔ مسلمان رہیں یا کافر نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہ کام بھی تقدیر میں لکھے ہیں مثلاً رب تعالیٰ نے ہماری تقدیر میں یہ ہی لکھا ہے کہ ہم احتیاط، ہوشیاری سے کام لیں گے اور ہم کو اس سے فتح میسر ہو گی فلاں شخص بیمار ہو گا اور فلاں دوا سے شفایاب ہو گا۔

نوٹ: یہ سوال جواب اس جگہ تفسیر کبیر نے بیان فرمایا۔

تیسرا اعتراض: دشمن کے مقابلہ میں یہ احتیاطیں اور تیاریاں کرنا توکل کے خلاف ہے رب پر توکل چاہئیے وہ ہی کافی ہے۔ **جواب**: یہ محض غلط ہے ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ جانا توکل نہیں بلکہ کاہلی اور بیکاری ہے توکل کے معنی یہ ہی ہیں کہ کسب کرو پھر رب پر بھروسہ کرو۔

گر توکل مے کنی دو کار کن!! کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

حضور ﷺ نے ہجرت سے پہلے جہاد نہ کیا کیوں اس لئے کہ ابھی جہاد کے اسباب جمع نہ تھے سرکار صحابہ کرام کو مسلح کر کے میدان جہاد میں پہنچاتے تھے پھر دعا نصرت مانگتے تھے یہ ہے توکل نبوی۔

چوتھا اعتراض: یہاں منافقین کو مِنکُم کیوں فرمایا وہ مسلمان یا صحابی تھے ہی نہیں۔ **جواب**: اس کے دو جواب تفسیر میں گزر گئے ایک یہ کہ یہاں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے سارے کلمہ گو مراد ہیں مخلص ہوں یا منافق اس صورت میں انہیں مِنکُم فرمانا بالکل درست ہوا یعنی تم کلمہ گویوں میں بعض ایسے منافق بھی ہیں۔ دوسرے یہ کہ انہیں منکم فرمانا قومیت کے اعتبار سے ہے کیونکہ منافقین بھی قوماً مسلمان سمجھے جاتے تھے دیکھو سرکار فرماتے ہیں میری امت کے تہتر فرقے ہونگے بہتر دوزخی اور ایک جنتی مگر ان سب فرقوں کو امتی فرمایا یعنی قوم مسلم کہلانے والے آج مسلمانوں میں بڑے بڑے بے دین فرقے ہیں مگر ان سب کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے۔ مردم شماری میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتے ہیں غرضیکہ مذہبی مسلمان اور قومی مسلمان میں فرق کرنا ضروری ہے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ میں زخم قتل ہزیمت کو مصیبت کیوں فرمایا اور فتح غنیمت کو فضل کیوں کہا راہ خدا میں زخم و قتل بھی باعث ثواب ہے وہ بھی اللہ کا فضل ہے۔ **جواب**: یہاں مصیبت سے مراد تکلیف و پریشانی ہے فضل سے مراد راحت و خوشی مسلمان کو ہر مصیبت پر ثواب ملتا ہے بشرطیکہ صبر کرے مگر اسے کہا جاتا ہے مصیبت آج ہمارا عرف بھی یہ ہی ہے مصیبت پر ثواب ملتا ہی جب ہے جبکہ اس سے تکلیف پہنچے اور بندہ اس پر صبر کرے حضور ﷺ جناب امیر حمزہ کی شہادت پر بہت روئے حالانکہ شہادت پر بڑا ثواب ہے۔

چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی تکلیف پر خوش ہونا طریقہ منافقین ہے مگر حدیث پاک

میں ارشاد ہوا کہ جو کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر یہ پڑھ لے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا ۔ تو اسے وہ مصیبت کبھی نہ پہنچے گی اس حدیث میں دوسرے کی مصیبت پر خوش ہونے شکر کرنے کی تعلیم دی گئی آیت وحدیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** شخصی مصیبت پر یہ دعا پڑھی جاوے قومی یا دینی مصیبت پر نہ پڑھی جاوے منافقین مسلمانوں کی قومی و دینی مصیبت پر خوش ہوتے تھے نیز اس دعا میں اپنی عافیت کا شکریہ ہے نہ کہ مسلمان بھائی کی مصیبت پر خوشی منافقین مسلمانوں کی تکلیف پر خوشی مناتے تھے نیز منافقین جہاد کو مصیبت سمجھتے تھے اور جہاد سے بیٹھ رہنے کو نعمت اس لئے ان پر عتاب ہوا لہٰذا آیت وحدیث میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

ہر مسلمان مجاہد غازی ہے شیطان اور اس کی ذریت کھلے کافر ہیں جن سے مسلمان کا ہر وقت جہاد ہے فرمایا جارہا ہے کہ اے مسلمانو ہر وقت ہوشیار رہو۔ احتیاط سے کام لو کہ دشمن شیطان ہر وقت تمہاری تاک میں ہے اس کے مقابلہ کیلئے ہتھیار اللہ کی عبادات رسول ﷺ کی سنتوں کی اتباع ہے جس سے اس دشمن پر فتح پائی جاتی ہے اس کے مقابلہ کیلئے بعض عبادتیں اکیلے اکیلے کرو جیسے نماز تہجد و دیگر نوافل اور بعض عبادتیں چھوٹی جماعتوں کے ساتھ جیسے نماز پنجگانہ با جماعت ادا کرو بعض عبادتیں بڑی جماعت کے ساتھ کرو جیسے نماز عید، حج وغیرہ یہ سب نفیر ہے پھر خیال رکھو کہ تمہارے ساتھ منافق بھی ہے وہ ہے تمہارا نفس امارہ جو تم سے گناہ کرا کے خوش ہوتا ہے اور اگر تم کو اللہ کا فضل یعنی نیک اعمال کی توفیق ہے تو غم کرتا ہے کبھی اس پر اعتماد نہ کرو یہ تمہارا مار آستین ہے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اگرچہ جہاد کے متعلق آئی ہے مگر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان ہر نیکی میں جلدی کرے، عمر کو غنیمت سمجھے اور ہر نیکی میں روکاوٹیں پیدا کرنے والی چیزیں ہیں ان کا مقابلہ کرے۔

مکن عمر ضائع بافسوس وحیف   کہ فرصت عزیز است والوقت سیف

نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن کامل وہ ہے جو اپنی زندگی کا ہر شعبہ احتیاط سے گزارے۔ تین چیزیں زندگی میں ہوتی ہیں۔ اعضاء مال اولاد ہر عضو کے برتنے میں احتیاط کرے خصوصاً آنکھ اور زبان کے استعمال میں تو بہت ہی احتیاط چاہئیے مال دولت حاصل کرنے میں احتیاط کرے اور خرچ کرنے میں بھی کہ نہ تو حرام ذریعہ سے مال کمائے۔ نہ حرام جگہ خرچ کرے یوں ہی اولاد نہ ناجائز ذریعہ سے حاصل کرے نہ انہیں ناجائز کاموں میں لگائے اس جملہ کی جیتی جاگتی تفسیر دیکھنی ہو تو حضور ﷺ کی زندگی پاک دیکھو۔

برورش گیتی جبیں فرسودہ است   خویشتن را عبدہ فرمودہ است

یوں ہی عبادات میں احتیاط کرے کہ فرائض واجبات سنن، مستحبات کے ساتھ ادا کرے کہ یہ واجبات وغیرہ خزانہ ایمان کی دیواریں ہیں۔ مستحب پہلی دیوار ہے جسے شیطان چور پہلے توڑتا ہے اسی پر اسے روکو نیز جہاد میں بڑی احتیاط سے کام لے غرضیکہ ان تمام احتیاطوں کو ایک لفظ میں ادا کیا خُذُوْا حِذْرَکُمْ۔

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

پس چاہئے کہ جہاد کریں اللہ کی راہ میں ان سے جو خریدتے ہیں دنیاوی زندگی کو

تو انہیں اللہ کی راہ میں لڑنا چاہئے جو دنیا کی زندگی بیچ کر

بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ

آخرت کے عوض اور جو جہاد کرے اللہ کی راہ میں پھر قتل کیا جاوے یا غالب ہو

آخرت لیتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں لڑے پھر مارا جاوے یا غالب آوے

فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ

تو عنقریب دیں گے ہم اس کو ثواب بڑا اور کیا حال ہے تمہارا کہ نہیں جہاد کرتے تم بیچ

تو عنقریب ہم اسے بڑا ثواب دیں گے اور تمہیں کیا ہوا کہ نہ لڑو اللہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَ

راہ اللہ کی اور واسطے کمزوروں کے مردوں اور عورتوں اور

کی راہ میں اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے واسطے

الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ

بچوں میں سے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال تو ہم کو اس

جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی

الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ

بستی سے کہ ظالم ہیں باشندے اس کے اور بنا تو واسطے ہمارے اپنے پاس سے کوئی دوست

سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے

وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ ؕ

اور بنا تو واسطے ہمارے اپنے پاس سے مددگار

اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی مددگار دے

تعلقات

چونکہ اس آیت کریمہ کی تفسیریں چند ہیں اس لئے اس کے گزشتہ آیت سے تعلقات بھی مختلف ہیں جیسی تفسیر ویسا تعلق۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ جہاد میں منافقین کا مقصد صرف غنیمت حاصل کرنا ہے ثواب کی طرف دھیان نہیں اب ان ہی منافقوں کو نصیحت فرمائی جا رہی ہے کہ اللہ والے بنو آخرت کیلئے جہاد کرو گویا پہلے ان کی بیماری کا ذکر تھا اب اس کے علاج کا بیان ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں منافقوں کا جہاد سے بچنا مذکور ہوا اب مسلمانوں سے ارشاد ہے کہ منافقوں کی پرواہ نہ کرو خود ہی اللہ پر توکل کر کے جہاد کرو تمہاری فتح اللہ کے کرم سے ہے نہ کہ منافقوں کی شرکت سے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ منافقین جہاد صرف اپنے نفس کے نفع کے لئے کرتے ہیں یعنی مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے اب مسلمانوں کو حکم ہے کہ تم دوسروں کے نفع کیلئے جہاد کرو یعنی مظلوم مسلمانوں کو کفار کے چنگل سے چھڑانے کے لئے مبارک ہے وہ جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا تھا کہ جہاد میں اخلاص چاہیئے اپنی آمدنی وغیرہ کی نیت اس میں نہ ہو اب فرمایا جا رہا ہے کہ دوسرے مسلمانوں کی آزادی کی نیت سے جہاد کرنا اخلاص کے خلاف نہیں کہ مسلمان بھائی کی مدد کا بھی اللہ نے ہی حکم دیا ہے۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ منافقین کی نگاہ میں جہاد کی کامیابی صرف مال غنیمت حاصل کر لینا ہے اس کو وہ فوز عظیم یعنی بڑی کامیابی کہتے ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ غلط ہے مومن مرے یا مارے غنیمت لائے یا راہ خدا میں جان دے آئے ہر طرح کامیاب ہے اسے اجر عظیم ملے گا۔

شان نزول

ہجرت سے پہلے اسلام میں جہاد نہ تھا بعد ہجرت جب جہاد فرض ہوا تو بعض ضعفاء مومنین اور عام منافقین اس میں سستی کرنے لگے ان پر عتاب فرمانے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حکم دیا گیا کہ جہاد کرو تاکہ مکہ میں پھنسے ہوئے مجبور مسلمان آزاد ہوں (تفسیر صاوی)۔

تفسیر

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللهِ۔ لفظ **فَلْيُقَاتِلْ** کی ف فصیحہ ہے کہ اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ یعنی چونکہ مسلمان ہر قسم کے کفار میں گھرے ہوئے ہیں لہٰذا مسلمان غافل نہ رہیں جہاد کرتے رہیں دشمنوں میں گھرا ہوا شخص اگر غافل رہا تو تکلیف پائے گا یا چونکہ منافقین محض مال کے لئے جہاد میں جاتے ہیں اس لئے ان کے اعمال برباد ہیں لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ اللہ کے لئے جہاد کریں اور صیغہ امر وجوب کے لئے ہے کیونکہ ضرورت کے وقت جبکہ اسباب جہاد موجود ہوں جہاد کرنا فرض ہے جس موقعہ پر یہ آیت کریمہ آئی ہے اس وقت جہاد کی ضرورت تھی اور سامان جہاد خدا کے فضل سے جمع تھے۔ قتال فی سبیل اللہ خاص ہے اور جہاد فی سبیل اللہ عام کیونکہ میدان میں پہنچ کر کفار سے لڑنا، غازیوں کی مرہم پٹی کرنا ان کا کھانا وغیرہ پکانا سب جہاد ہے مگر کفار سے لڑنا قتال یہاں فَلْيُقَاتِلْ [illegible] جاوے اگر چہ کام کچھ کرایا جاوے فی

سبیل اللہ سے مراد ہے رب تعالیٰ کو راضی کرنے اللہ کے دین کو بلند کرنے مسلمانوں سے کفار کی شوکت توڑنے کی نیت سے جہاد ہو چونکہ یہ چیزیں سب رب تعالیٰ تک پہنچنے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اسلئے انہیں سبیل اللہ یعنی اللہ کا راستہ فرمایا گیا۔ جیسے راستہ منزل مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہے ایسے ہی یہ کام رب تک رسائی کا وسیلہ۔ اَلَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَۃِ۔ اَلَّذِیْنَ مع اپنے صلہ کے یا تو فَلْیُقَاتِلْ کا فاعل ہے اور اس سے مراد مسلمان ہیں اور یَشْرُوْنَ بمعنی یَبِیْعُوْنَ ہے تب تو معنی بالکل ظاہر ہیں یعنی اللہ کی راہ میں وہ مسلمان جہاد کریں جو اپنی دنیاوی زندگی آخرت کے عوض فروخت کر چکے ہیں۔ قرآن مجید میں شراء بمعنی بیع آیا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے وَشَرَوْہُ بِثَمَنٍ م بَخْسٍ (یوسف:۲۰)۔ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو کھوٹی قیمت کے عوض بیچ دیا یا اَلَّذِیْنَ فَلْیُقَاتِلْ کا فاعل ہے اور اس سے مراد منافقین ہیں تب شراء بمعنی خریدنا ہے یعنی وہ منافقین بھی اخلاص سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں جو اب تک آخرت کے عوض دنیاوی زندگی خریدتے رہے ہیں اب اس سے توبہ کریں اخلاص سے جہاد کریں یا اَلَّذِیْنَ فَلْیُقَاتِلْ کا مفعول ہے اور اس کا فاعل ھُوَ ضمیر ہے جو مخلصین یا منافقین کی طرف راجع ہے تو اَلَّذِیْنَ سے مراد کھلے کافر ہیں جن پر جہاد کرنا ہے یعنی مسلمان ان کفار سے جہاد وقتال کریں جو آخرت کے عوض دنیاوی زندگی خریدتے ہیں (تفسیر خازن، روح المعانی، بیضاوی، مدارک وکبیر وغیرہ)۔ وَمَنْ یُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یہ عبارت نیا جملہ ہے جس میں منافقین کے خیال کی تردید ہے اور جہاد کے نفع کا ذکر ہے مَنْ سے مراد یا تو صرف مخلصین مومنین ہیں یا منافقین بھی جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ۔ یہ دونوں فعل یُقَاتِلْ پر معطوف ہیں ف عاطفہ ہے اور یہ تینوں فعل مل کر مَنْ کا صلہ پھر مبتداء بمعنی شرط قتل میں مارا جانا زخمی ہونا یا ہزیمت پانا سب شامل ہیں کیونکہ اسکے مقابلہ میں یَغْلِبْ ارشاد ہو رہا ہے۔ مجاہد غازی اپنی شہادت کی نیت پہلے کرے فتح مندی کی بعد میں اسلئے یہاں قتل کا ذکر پہلے ہوا غلبہ کا بعد میں بلکہ ہر کام میں نقصان مقدم ہے نفع بعد میں خیال رہے کہ قتل کا مقابلہ یَغْلِبْ سے کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان کافر کے ہاتھوں قتل زخمی تو ہو سکتا ہے مگر مغلوب کبھی نہیں ہو سکتا مغلوب وہ ہو جو اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے اللہ کی راہ میں شہادت یا زخمی ہونا تکالیف پانا تو مرد مجاہد کا عین مقصد لہٰذا مومن مر کر بھی مغلوب نہیں ہوتا۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے! ... اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یعنی جو مخلص مسلمان یا جو منافق نفاق سے توبہ کر کے اخلاص کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد وقتال کرے پھر وہ مارا جائے زخمی ہو جائے ہزیمت پا جائے یا کفار پر غالب آ جاوے کہ فتح وکامرانی اسکے قدم چوم لے کچھ بھی ہو فَسَوْفَ نُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ یہ جملہ مَنْ کی خبر ہے چونکہ مَنْ میں شرط کے معنی تھے اس لئے خبر میں ف لائی گئی سوف فرما کر بتایا گیا کہ فتح غنیمت۔ حکومت وغیرہ جہاد کا اجر وثواب نہیں یہ تو رب تعالیٰ کا عطیہ کریمانہ ہے جہاد کا اصلی اجر تو آگے چل کر ملے گا۔ جنت وحور وقصور رضاء رب غفور کیونکہ جہاد کا اجر دنیا میں سما نہیں سکتا کہ اجر دائم باقی ہے دنیا فانی ہے نیز اس میں

خالص راحت ہے دنیا کی ہر راحت رنج وغم سے مخلوط لہٰذا دنیا دار العمل ہے آخرت دار الجزاء کھیت بونے باغ لگانے کا وقت اور ہوتا ہے دانہ و پھل کھانے کا وقت دوسرا نُؤْتِيهِ فرما کر بتایا گیا کہ اس ثواب کے دینے والے ہم ہیں اس میں نہ بربادی ہو نہ کمی جس کی ضامن حکومت ہو جاوے وہ مارا یا برباد نہیں ہو جاتا تو جس کا ضامن رب تعالیٰ ہو جاوے اس کے متعلق کسی قسم کا اندیشہ ہو سکتا ہی نہیں اَجْرًا عَظِيمًا فرما کہ یہ بتایا غازی و شہید کا ثواب تمہارے خیال و وہم سے وراء ہے جسے خدا تعالیٰ عظیم فرمادے اس کا اندازہ تم لوگ کیسے لگا سکتے ہو یعنی بہر حال ہم اسے بڑا ہی ثواب دیں گے کہ فتح مند کو دنیا میں غنیمت ملک حکومت اور آخرت میں جنت اپنا دیدار دیں گے اور شکست خوردہ کو جنت کی نعمتیں اپنا دیدار وغیرہ دینگے وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ ۔ یہ جملہ علیحدہ ہے ما استفہامیہ ہے اور استفہام تعجب دلانے کیلئے ہے لَكُمْ میں خطاب ان ہی ضعفاء مومنین سے ہے جو جہاد میں سستی کرتے تھے لَكُمْ كَانَ یا صَارَ فعل پوشیدہ کے متعلق ہے یعنی اے سستی کرنے والو تمہیں کیا ہو گیا کہ تم جہاد نہیں کرتے یا جہاد کیلئے جوش وخروش سے حاضر نہیں ہوتے فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ ۔فِي ۔لَاتُقَاتِلُونَ کے متعلق ہے سبیل اللہ کے معنی ابھی عرض کئے گئے الْمُسْتَضْعَفِينَ استضعاف سے ہے مادہ ضعف بمعنی کمزوری، قوت و طاقت کے مقابل اس لئے کمزور کو ضعیف کہتے ہیں استضعاف کے معنی میں کمزور سمجھنا یا کمزور کر دینا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں ان سے مراد وہ مسلمان ہیں جو مکہ معظمہ میں پھنسے رہ گئے تھے ہجرت کر کے باہر نہ جا سکے تھے جن پر کفار مکہ بہت ظلم وستم کرتے تھے جیسے آج ہندوستان کے مسلمان ۔خیال رہے کہ الْمُسْتَضْعَفِينَ یا تو سبیل پر معطوف ہے اور یہاں اخلاص پوشیدہ بمعنی چھوڑانا یا آزاد کرانا یا لفظ اللہ پر معطوف ہے اور سبیل پوشیدہ ہے اس سبیل سے مراد مدینہ منورہ کا راستہ کھولنا ہے جس سے وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آسکیں اور بعض نے خصوصاً سیدنا عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ واؤ بمعنی دُونَ ہے (روح المعانی وخازن) لہٰذا اس جملہ کے تین معنی ہو گئے مِنْ بیانیہ ہے جس نے الْمُسْتَضْعَفِينَ کا بیان فرمایا اور الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ سے مراد مکہ معظمہ میں گھرے ہوئے مسلمان ہیں وِلْدَانِ یا وَلَدٌ کی جمع ہے بمعنی بچے یا ولید کی جمع ہے بمعنی لونڈی غلام ۔اس تفصیل سے یہ فرمانا مقصود ہے کہ ظالم کفار مکہ کا ظلم وستم ان بیچارے مسلمانوں پر اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ مسلمان بچے اور لونڈی غلام بھی ان کے ظلم کا شکار ہو رہے ہیں یعنی تم کیوں جہاد نہیں کرتے اللہ کی راہ میں اور کمزور مسلمان مردوں عورتوں بچوں کو چھوڑانے میں یا اللہ کی راہ میں اور ان کمزوروں کا راستہ کھولنے کیلئے کہ وہ ہجرت کر سکیں یا اے مہاجر و تم جہاد کرو وہ مسلمان جو کفار میں گھرے پڑے ہیں ان کے ہاتھوں قیدی ہیں یہ حکم نہیں الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۔الَّذِينَ مع اپنے صلہ کے الرِّجَالِ ۔النِّسَآءِ اور الْوِلْدَانِ کی صفت ہے یعنی وہ گھرے ہوئے مسلمان اتنے مجبور و پریشان [illegible] لوگ دعائیں کرتے ہیں اور بچے آمین

کہتے ہیں یا سب مرد عورت بچے کعبہ معظمہ کے سامنے یہ دعائیں مانگتے ہیں قریہ بمعنی بستی ہے جو گاؤں و شہر سب پر بولا جاتا ہے یہاں شہر مراد ہے یعنی مکہ معظمہ ظالم بمعنی مشرک کافر ہے اَهْلُهَا سے مراد کفار مکہ ہیں اور ہوسکتا ہے کہ ظالم سے مراد ستمگار و ستانے والے ہوں یعنی وہ لوگ تنگ آ کر یہ دعائیں کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس مکہ سے نکال جہاں کے باشندے مشرک ہیں ستمگار ہیں سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ان بچوں میں میں بھی شامل تھا اور عورتوں میں میری والدہ اُم الفضل اور مردوں میں سلمہ ابن ھشام، ولید ابن ولید ابو جندل ابن سہیل داخل ہیں (روح المعانی) وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۔ یہ ان بزرگوں کی دوسری دعا ہے ولی بمعنی والی وارث منتظم کار ہے ولی ولایت کا صفت مشبّہ ہے۔ ولایۃ کے معنی ہیں قرب دوستی، مدد ولی بمعنی قریب، دوست،۔ مددگار، نصیر بمعنی مددگار مِنْ لَّدُنْكَ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مولیٰ ظاہری اسباب ہمارے چھٹکارے کے کوئی نہیں تو اپنی طرف سے ہماری غیبی دستگیری فرما کہ ہمارے لئے اپنا کوئی بندہ ہمارا والی وارث بنادے اور کوئی بندہ ہمارا مددگار بنادے کہ ہم یہاں مکہ معظمہ میں ہی اس کی حمایت میں رہیں اور ہم کو ہجرت کی ضرورت ہی نہ پڑے غرضیکہ یہ دعا پہلی دعا سے بڑھ کر ہے۔ خیال رہے کہ ولی اور نصیر ہم معنی آتے ہیں۔ دونوں کے معنی مددگار ہوتے ہیں مگر ان دونوں میں اس طرح فرق ہوتا ہے کہ روحانی ایمانی مددگار کو ولی کہتے ہیں اور ظاہری جسمانی مددگار کو نصیر اس لئے بزرگان دین کو جو روحانی باطنی مددگار ہیں اولیاء کہا جاتا ہے۔ انصار نہیں کہتے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا لفظ بہ لفظ قبول فرمائی کہ ۸ھ ہجری میں حضور ﷺ نے مکہ معظمہ فتح فرمایا اور آپ تمام گھرے ہوئے مسلمانوں کے والی وارث حامی ہوئے پھر حضور تو وہاں سے واپس مدینہ منورہ گئے اور مکہ معظمہ کا حاکم گورنر عتاب ابن اسید کو بنادیا جو اٹھارہ سال کے نوجوان تھے انہوں نے ان ستم رسیدہ مسلمانوں کو اپنی امان میں لے لیا۔ جس سے یہ حضرات نہایت سربلند ہوگئے اور مکہ معظمہ میں نہایت عزت کی زندگی گزارنے لگے۔ خدایا صدقہ ان محبوبوں کا ہم پاکستانی مسلمانوں کو توفیق دے کہ بھارت میں گھرے ہوئے مسلمان کی مدد کرسکیں وہ لوگ سخت مجبور بڑے مظلوم ہیں ان کی مدد و دستگیری فرما۔

خلاصہ تفسیر

اس آیت کی بہت تفسیریں ہیں جو تفسیر میں عرض کی گئیں ہم ان میں سے ایک تفسیر عرض کرتے ہیں۔ باقی تفسیریں ابھی بیان کر چکے اللہ کی راہ میں وہ مسلمان جہاد کریں جو اپنی دنیاوی زندگی آخرت کے عوض فروخت کر چکے جنہیں مرنے زخمی ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں وہ تو جہاد میں جاتے ہیں شہید ہونے کے لئے اور خیال رکھو جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے پھر وہ مارا جاوے زخمی ہو ہزیمت پائے یا کفار پر غالب آئے ہم اس سے وعدہ کرتے ہیں کہ اسے بڑا اجر و ثواب دیں گے فاتح کو غنیمت ملک عزت جنت اپنا قرب اور مفتوح شہید کو اپنی رضا اپنا دیدار جنت کی نعمتیں لہٰذا یہ سودا ایسا نفع بخش ہے۔ جس میں گھاٹے کا احتمال ہی نہیں اور اے مسلمانو تمہیں کیا ہوگیا کہ تم اللہ کی راہ میں اور مکہ میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کو چھڑانے کیلئے جہاد نہیں کرتے ان بیچاروں کی مجبوریوں کا یہ عالم

ہے کہ وہ مرد عورتیں بچے کعبہ معظمہ کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں مانگ رہے ہیں کہ خدایا یا تو ہم کو اس بستی مکہ سے نکال جہاں کے باشندے کفار ہیں ستمگار ہیں اور ہمارے لئے اپنی قدرت کاملہ سے کوئی والی حمایتی دے اور کوئی مددگار نصیب فرما جو ہم کو اس زبوں حالت سے نکالے پھر تم یہاں عیش و آرام کیسے کر رہے ہو جب تمہارے وہ بھائی ایسی حالت و مصیبت میں گرفتار ہیں اٹھو جہاد کرو انہیں آزاد کراؤ خوشی وہ ہی ہے جو ساری قوم کی خوشی ہو اور قوم پر افراد قربان ہونے چاہئیں افراد پر قوم قربان نہ ہو۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: غازی مجاہد میدان جہاد میں سرفروش ہو کر شہادت کی تیاری کر کے جائے محض غنیمت یا ملک گیری کی نیت نہ ہو جیسا کہ **اَلَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ** الخ سے معلوم ہوا کہ یہ **فَلْیُقَاتِلْ** کا فاعل ہے اور **شراء** بمعنی بیع ہے جب اس نیت سے غازی جہاد کرے گا تو انشاء اللہ کبھی ناکام نہ ہوگا۔ **دوسرا فائدہ**: منافقین پر بھی فرض تھا کہ نفاق سے توبہ کر کے اخلاص پیدا کر کے جہاد میں شریک ہوں جیسا کہ **اَلَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد منافقین ہیں اور **یَشْرُوْنَ** بمعنی خریدنا ہے۔ **تیسرا فائدہ**: مجاہد خواہ کفار کو مارے یا راہ خدا میں مارا جائے بڑے درجہ والا ہے۔ رب تعالیٰ کے ہاں بڑے ثواب کا مستحق ہے جیسا کہ **فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: مجاہد کو رب تعالیٰ کی طرف سے اتنا بڑا ثواب ملتا ہے جو کسی کے بیان تو کیا وہم گمان میں نہیں آسکتا جیسا کہ **اَجْرًا عَظِیْمًا** سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کے ثواب کو عظیم فرمایا حالانکہ رب تعالیٰ نے دنیا کو قلیل فرمایا **قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ** (النساء:۷۷)۔ **پانچواں فائدہ**: نیک اعمال میں رضاء الٰہی کے ساتھ اگر خدمت خلق کی بھی نیت کرے تو حرج نہیں بلکہ زیادہ قابل قبول ہے۔ دیکھو یہاں **فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** کے بعد **وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ** بھی فرمایا گیا کہ اللہ کی راہ میں اور مجبور مسلمانوں کو چھوڑانے کے لئے جہاد کیوں نہیں کرتے معلوم ہوا کہ جہاد میں اللہ کی رضا بھی مطلوب ہو اور پھنسے مسلمانوں کو آزاد کرانے کی بھی نیت لہٰذا عبادات الٰہیہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ حضور ﷺ کی خوشنودی کی نیت کرنا چاہئے یہ شرک نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ** (توبہ:۶۲) جو اسے شرک کہے وہ اس آیت میں غور کرے۔ **چھٹا فائدہ**: جب حضور ﷺ نے مکہ معظمہ سے ہجرت کر لی تو وہاں کے مسلمانوں کو بلا عذر رہنا حرام ہو گیا وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہو گیا حالانکہ وہاں کعبہ معظمہ منیٰ عرفات مزدلفہ، سنگ اسود، مقام ابراہیم وغیرہ سب موجود تھے مگر چونکہ حضور وہاں نہ رہے تو وہاں مسلمانوں کو رہنا حرام ہو گیا یہ فائدہ بھی **وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ** سے حاصل ہوا جب حضور نے مکہ معظمہ فتح فرما لیا تو پھر وہاں رہنا عبادت ہو گیا وہاں کی ایک عبادت ایک لاکھ کے برابر ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ جس عالم کے سینہ میں علم، ہنر، نماز، روزہ سب کچھ ہو مگر عشق رسول نہ ہو اس کی صحبت سے مسلمانوں کو بھاگنا چاہئے کہ اصل مقصود تو ان کی غلامی ہے۔ **ساتواں فائدہ**: چھوٹے بچوں

کا اسلام قبول ہے دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے مسلمان مردوں عورتوں کے ساتھ وَالْوِلْدَان بھی فرمایا معلوم ہوا کہ وہ بھی عنداللہ مومن ہیں جن کو آزاد کرانا غازیوں پر فرض ہے۔ **آٹھواں فائدہ**: دعا میں بچوں کو بھی شریک کرنا چاہئیے کہ رب تعالیٰ بچوں کی بہت سنتا ہے۔ دیکھو اس دعا میں رب تعالیٰ نے بچوں کا ذکر بھی فرمایا اس لئے حکم ہے نماز استسقاء میں بچوں کو بھی ساتھ لیجایا جاوے کہ ان کی دعا سے بارش جلد آوے حضور ﷺ نے بچوں کو لے جانے کا حکم دیا ہے اس کا ماخذ یہ آیت کریمہ بھی ہے۔ **نواں فائدہ**: اگر مقدس مقام پر رب کی عبادت پر قدرت نہ ہو تو وہاں سے نکل جانا یا نکل جانے کی دعا کرنا چاہئیے جیسا کہ اَخْرِجْنَا الخ سے معلوم ہوا کہ ضعفاء مومنین مکہ مکرمہ سے نکل جانے کی دعا کرتے تھے۔ **دسواں فائدہ**: تقیہ کرنا اسلام کے خلاف ہے۔ دیکھو ضعفاء مومنین نے مکہ مکرمہ سے نکل جانے کی دعا کی مگر تقیہ کر کے نہ رہے۔ **گیاھواں فائدہ**: حضرات خلفاء ثلٰثہ ظالم نہ تھے عادل متقی پرہیزگار تھے اگر وہ ظالم ہوتے تو حضرت علی مرتضیٰ و دیگر اہلبیت اطہار پر مدینہ منورہ سے ہجرت کرنا فرض ہو جاتی دیکھو ان ضعفاء مومنین نے یہ دعا کی کہ ہم کو اس مکہ معظمہ سے نکال جہاں کے باشندے ظالم ہیں۔ **بارھواں فائدہ**: ظالم و جابر کفار کے ملک سے ہجرت کر جانا مسلمانوں پر لازم ہے جہاں مسلمانوں کو وہ اپنے دینی کام کرنے کی اجازت نہ دیں اگر کسی جگہ کفار کی سلطنت ہو مگر وہ شعائر اسلامی سے مسلمانوں کو روکتے نہ ہوں تو وہاں سے ہجرت لازم نہیں یہ فائدہ الظَّالِمِ اَهْلُهَا سے حاصل ہوا کہ یہاں ظالم سے مراد کافر و جابر ہیں۔ **تیرھواں فائدہ**: اللہ کے بندوں سے مدد لینا انہیں اپنا والی وارث ماننا شرک نہیں دیکھو رب تعالیٰ نے ضعفاء مسلمین کی یہ دعا نقل فرمائی کہ وہ ہم سے والی وارث مانگتے ہیں اسے شرک و کفر قرار نہ دیا۔ **چودھواں فائدہ**: جس پر اللہ تعالیٰ مہربان ہوتا ہے اس کیلئے مددگار بندے مقرر فرما دیتا ہے اور جس پر اس کا قہر ہوتا ہے اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے۔ غیر خدا کی مدد شرک نہیں بلکہ رحمت الٰہی ہے جس کی دعائیں مانگی گئی ہیں کہ خدایا تو ہمیں مکہ معظمہ سے نکال یا ہمارے لئے مجاہدین کو مددگار بنا کر بھیج جو کہے کہ خدا کے سواء کسی کی مدد مانگنا کسی کو ولی و نصیر سمجھنا شرک ہے وہ اس آیت کریمہ سے عبرت حاصل کرے دیکھو خانہ کعبہ بغیر حضور کی مدد کے بتوں سے پاک نہ ہو سکا رب نے اپنا گھر حضور کے ہاتھوں پاک کرایا معلوم ہوا کہ ہمارے دل بھی حضور کے طفیل پاک ہوں گے صرف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہ کہے ان کے نام کی مدد سے کافر مومن بنتا ہے۔ **پندرھواں فائدہ**: اگرچہ رب تعالیٰ قادر ہے کہ بغیر اسباب سب کچھ کر دے مگر قانون یہ ہے کہ اسباب سے سارے کام کئے جاویں، دیکھو رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ کفار سے قتال کرو خود ان کو ہلاک نہ فرما دیا گذشتہ قوموں کو آسمانی عذاب سے ہلاک فرمایا، مگر فرعون، شداد، نمرود کو پانی، مچھر وغیرہ سے ہلاک کیا یہ قدرت کا اظہار تھا مگر ابوجہل وغیرہ کو مسلمان کے ہاتھوں قتل کرایا یہ ہے قانون تاکہ مسلمانوں کو جہاد غزوہ کا درجہ و ثواب ملے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: یہاں مقتول ہونے کا مقابلہ غالب ہونے سے کیا گیا کہ ارشاد ہوا **فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ** یہ مقابلہ درست نہیں۔ قتل ہونے کا مقابلہ قتل کرنے سے ہوتا ہے اور غالبیت کا مقابلہ مغلوبیت سے مگر یہاں ایسا نہیں۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ مومن غازی کفار کے ہاتھوں قتل تو ہوسکتا ہے مگر مغلوب نہیں ہوسکتا مومن شہید ہوکر بھی غالب رہتا ہے وہ جہاد میں جان ہتھیلی پر رکھ کر شہید ہونے ہی کو تو آتا ہے شہید ہوکر بھی اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے بعض شہداء جب زخم کھا کر گرے تو بولے، **فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ**۔ قسم رب کعبہ کی میں تو کامیاب ہوگیا اور جان دیدی۔ حضرت حسین شہید ہوگئے مگر یزیدی حکومت کے ٹکڑے اڑا گئے دین کی بنیادیں مضبوط کر گئے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ فاتح غازی اور شہید دونوں اجر عظیم ہیں حالانکہ فاتح غازی تو غنیمت حاصل کر کے دنیاوی نفع بھی حاصل کر لیتا ہے شہید صرف اُخروی نفع پاتا ہے پھر دونوں برابر کیونکہ ہوئے۔ **جواب**: یہ دونوں اجر عظیم پانے میں برابر ہیں غنیمت جہاد کا اجر عظیم نہیں اجر عظیم رضاء الٰہی حصول جنت وغیرہ ہے۔

تیسرا اعتراض: قرآن کریم نے یہاں مردوں، عورتوں کے ساتھ بچوں کا ذکر کیوں فرمایا۔ **جواب**: تاکہ کفار مکہ کی انتہائی سفاکی بے رحمی ظاہر ہو کہ کوئی شخص دشمنوں کے بچوں کو نہیں ستاتا بچے قابل رحم ہوتے ہیں مگر ان لوگوں نے پھنسے ہوئے مسلمانوں کے بچوں تک پر اس قدر ظلم کیا کہ وہ بھی یہ دعائیں مانگنے لگے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام جہاد سے جی چراتے تھے تب ہی تو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ **وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ** الخ۔ **جواب**: یہ کلمات غازیوں کو جوش دلانے کے لئے کہے جاتے ہیں آج حکومتیں فوجی سپاہیوں کو جوش دلانے کے لئے ہر قسم کی جائز ناجائز ترکیبیں کرتی ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ ان حکومتوں کو اپنے سپاہیوں پر اعتماد نہیں ہوتا بلکہ وجہ صرف زیادتی جوش ہے اگر حضرات صحابہ کرام جہاد سے جان چراتے تھے تو بتاؤ فتوحات اسلامیہ کنہوں نے کیں انہی کی ہمت سے اسلام پھیلا۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندے مددگار روالی، حامی ہیں مگر قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے **وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ** (بقرہ:۱۰۷)۔ اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی ومددگار نہیں آیات میں تعارض ہے۔ **جواب**: وہاں **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** سے مراد ہے اللہ کے مقابل یعنی ایسا مددگار کوئی نہیں جو اللہ کا مقابلہ کر کے تمہاری مدد کرے ولی اللہ اور ہے ولی **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اور ہے اس لئے وہاں سواء اللہ یا **اِلَّا اللّٰهُ** یا غیر اللہ نہ فرمایا بلکہ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** فرمایا۔ **اِلَّا دُوْن۔ غَيْر** کا فرق ہماری کتاب درس القرآن (رسائل نعیمیہ) میں ملاحظہ کرو دیکھو کلمہ طیبہ میں پڑھتے ہیں **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** اگر یوں پڑھیں **لَا اِلٰهَ دُوْنَ اللّٰهِ** تو ایمان میسر نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ اِلَّا اور دُوْن [illegible] نفی کی [illegible] کفار [illegible] ہے یعنی کافروں کا مددگار کوئی نہیں اور ثبوت

کی آیات میں مسلمانوں کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کے مددگار اللہ تعالیٰ نے بہت مقرر فرما دیئے ہیں اس کی تفسیر وہ آیات ہیں وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (کہف:۱۷)۔ جس کو خدا گمراہ کرے اسے نہ ولی نہ مرشد ملے اور فرماتا ہے وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا (النساء:۵۲)۔ جسے خدا لعنت کرے اس کیلئے مددگار نہ پاؤ گے۔

چھٹا اعتراض: اسلام نے جہاد کیوں رکھا یہ تو فساد خونریزی ہے اسے عبادت کیوں قرار دیا۔ **جواب**: جیسے جسمانی زندگی توڑ پھوڑ سے قائم ہے غذا سے بھوک کو پانی سے پیاس کو دوا سے مرض کو روشنی سے تاریکی کو گرم لباس سے سردی کو برف وہوا سے گرمی کو توڑتے رہنے سے زندگی قائم ہے گھاس کو دور کرنے سے کھیت کی بقاء ہے یوں ہی ایمانی زندگی میں کفر کو ایمان سے طغیان کو عرفان سے کفر کے زور کو جہاد سے توڑنے سے ایمانی بقا ہے۔ بغیر جہاد زندگی ناممکن ہے، مال، ملک، عزت کیلئے لڑنا فساد ہے رضا الٰہی کے لئے کفار سے لڑنا جہاد۔

جنگ کافر فرفتنہ وغارتگری است
جنگ مومن سنت پیغمبری است

تفسیر صوفیانہ

جیسے دنیاوی حکومتیں تقسیم نعمت کے لئے ڈپو بنا دیتی ہیں رعایا ان ڈپوؤں پر جا کر رزق وغیرہ حاصل کرتی ہے۔ چینی، گندم، بجلی وغیرہ کے ڈپو قریباً ہر شہر میں کھلے ہوئے ہیں رزق تقسیم ہوتا ہے۔ حکومت کی طرف سے مگر ملتا ہے ان مرکزوں سے رعایا کا وہاں ڈپوؤں پر جانا سلطان کی بغاوت نہیں بلکہ عین اس کی مرضی کے مطابق ہے یوں ہی رب تعالیٰ نے اپنے ظاہری رزق کے بھی ڈپو مقرر کر دیئے ہیں اور باطنی رزق کے بھی مرکز کھول دیئے ہیں نور کا ڈپو سورج پانی کا مرکز کنوئیں دریا تالاب وغیرہ یوں ہی ایمان تقویٰ رحمت مغفرت کے ڈپو حضرات انبیاء کرام واولیاء اللہ وعلماء کرام کے آستانہ ہیں غازیان اسلام دستگیری الٰہی مدد الٰہی کے مظہر ہیں فرمایا جا رہا ہے کہ اے غازیو تم جہاد پرستی کیسے کر سکتے ہو تم تو میری ولایت میری نصرت میری دستگیری کے مظہر ہو تمہارے لئے تو میرے مجبور معذور بندے ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگ رہے ہیں یہ تو ظاہری مجاہدوں کا حال ہے باطنی مجاہدین یعنی حضرات اولیاء اللہ کو بھی حکم ہے کہ تم نفس وشیطان سے جہاد کرنے میں سستی نہ کرو جو لوگ نفس و شیطان کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں ان کے دل ان کی روح ان کے جذبات ایمانی دعائیں کر رہے ہیں کہ خدایا کسی ولی کی نگاہ کرم اس طرف بھی ہو جاوے جو ہم کو نفس وشیطان کے چنگل سے چھڑا دے نفس امارہ گویا کفرستان ہے شیاطین گویا کفار ظالم ہیں مومن کا دل وروح گویا ضعفاء مومنین ہیں جو ان کے ہاتھوں گرفتار ہیں حضرات مشائخ کرام غازیان اسلام ہیں ان کے آستانہ حضور ﷺ کا مدینہ منورہ ہیں کہ یہاں سے ہی مدینہ پاک کے فیض تقسیم ہوتے ہیں اگر یہ حضرات ہماری دستگیری نہ کریں تو ہم کبھی ان کفار کے ہاتھوں سے چھوٹ نہیں سکتے۔

کھول دو سینہ مرا فاتح مکہ آکر!
کعبہ دل سے صنم کھینچ کے کر دو باہر
آپ آ جایئے قالب میں مرے جاں ہو کر
سلطنت کیجئے اس جسم پہ سلطاں ہو کر

مکۂ زمین پر تو ایک بار جہاد ہو چکا مگر مکۂ جسم پر ہمیشہ جہاد ہوتے رہیں گے۔

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۚ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا
وہ لوگ جو ایمان لائے جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا
ایمان والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کفار شیطان کی
یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ الطَّاغُوۡتِ فَقَاتِلُوۡۤا اَوۡلِیَآءَ الشَّیۡطٰنِ ۚ
جنگ کرتے ہیں شیطان کی راہ میں تو جہاد کرو تم شیطان کے دوستوں سے
راہ میں لڑتے ہیں تو شیطان کے دوستوں سے لڑو
اِنَّ کَیۡدَ الشَّیۡطٰنِ کَانَ ضَعِیۡفًا ﴿۷۶﴾ ع
بے شک فریب شیطان کا ہے کمزور
بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہے

ع ۱۰/۷

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں صورت جہاد کا ذکر تھا یعنی کفار سے جنگ کرنا اب روح جہاد کا تذکرہ ہے یعنی اخلاص سے رضاء الٰہی کیلئے لڑنا گویا قالب جہاد کے بعد قلب جہاد کا حکم ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ کمزور مسلمانوں کو چھوڑانے کیلئے جہاد کرو جس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ اسلامی جہاد اور کفار کی جنگوں میں کوئی فرق نہیں کہ وہ بھی قوم کیلئے لڑتے ہیں مسلمان بھی قوم کی خاطر لڑتے ہیں اس آیت کریمہ میں ان دونوں جنگوں میں فرق بیان فرمایا جارہا ہے کہ مومن کا جہاد محض قومی ملکی نہیں بلکہ اللہ کیلئے ہے وہ قوم کی حمایت بھی اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں گویا پہلے جہاد کی نوعیت کا ذکر تھا اب اس سے شبہ کا ازالہ ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ غازیان مدینہ مکہ میں پھنسے ہوئے کمزور مسلمانوں کے والی و مددگار ہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ ان کے والی ناصریہ غازی ہیں اور ان غازیوں کے والی و حامی ھم ہیں ہماری مدد بہت قوی ہے تو غازی مسلمان بھی قوی ہیں۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ کی راہ میں اور ضعیف مسلمانوں کی آزادی کے لئے جہاد کرو جس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ جہاد عبادت ہے عبادت میں رضاء الٰہی کے سواء کی نیت کرنا شرک ہے اب اس شبہ کو زائل کیا جارہا ہے کہ اللہ کے بندوں کی خدمت جب رضاء الٰہی کے لئے ہو تو شرک در یا نہیں بلکہ عبادت کی تکمیل ہے۔

تفسیر

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ: لفظ اَلَّذِیۡنَ آمَنُوۡا کبھی صرف مومن انسانوں کیلئے بولا جاتا ہے اور کبھی مومن جن و انس کیلئے اور کبھی اس میں مومن جن و انس و فرشتے

سب داخل ہوتے ہیں جیسا مضمون ہوگا ویسا ہی اٰمَنُوْا کا مقصد جن آیات میں حضور کے آداب و تعظیم کا حکم ہے وہاں مومن سے مراد تمام جن وانس و فرشتے ہیں کہ حضور کا ادب سب پر لازم ہے۔ دیکھو رب فرماتا ہے اے ایمان والو اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو یا اللہ رسول سے آگے نہ بڑھو یہاں تمام جن وانس فرشتے سب ہی اس میں داخل ہیں اور سب پر حضور کا یہ ادب لازم ہے اور فرماتا ہے اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی ان پر درود بھیجو یہاں اٰمَنُوْا سے مراد جن وانس ہیں فرشتے نہیں کہ فرشتوں کا ذکر تو پہلے ہو چکا رب فرماتا ہے کہ اے ایمان والو تم پر جہاد فرض ہے اس میں صرف مومن انسان داخل ہیں کیونکہ یہ جہاد مومن جنات پر فرض نہیں اور نہ کبھی جنات غازی صحابہ کے دوش بدوش جہاد میں لڑے لہٰذا یہاں اٰمَنُوْا سے مراد مومن انسان ہیں کیونکہ آگے جہاد کا ذکر ہے جو صرف انسانوں پر فرض ہے۔ ایمان سے مراد اخلاص والا ایمان ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہے نفاق والا ایمان جس پر بعض شرعی احکام مرتب ہو جاتے ہیں مراد نہیں کیونکہ منافقین راہ الٰہی میں جنگ نہیں کرتے تھے وہ تو غنیمت کیلئے لڑائی میں شریک ہو جاتے تھے حقیقت ایمان نبی کو ماننا ہے توحید وغیرہ تو شیطان بھی مانتا ہے دین بدلتا ہے نبوت بدلنے سے عیسائیت یہودیت اسلام علیحدہ دین ہیں کیونکہ ان کے نبی علیحدہ ہیں۔ یُقَاتِلُوْنَ کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی کفار مرتدین وغیرہ اس میں باغیوں سے جنگ داخل نہیں کہ وہ کفار سے جنگ نہیں ہوتی نہ اسے جہاد کہا جاتا ہے اس لئے آگے مقابلہ میں کفار کا ذکر ہے یُقَاتِلُوْنَ دوام واستمرار کیلئے ہے یعنی جہاد کرتے رہیں گے سبیل اللہ سے مراد اللہ کے دین کی مدد ہے جو رب تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے یعنی مومن انسان ہمیشہ رضا الٰہی کیلئے جنگ کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے کس سے اصلی کفار سے یا مرتدین سے وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ۔ الَّذِیْنَ کی جو تحقیق ابھی ہو چکی اس کے مقابل یہاں ہے یعنی اس سے کافر انسان مراد ہیں اور کافر عام ہیں مشرکین ہوں یا اہل کتاب اصلی کافر ہوں یا مرتدین یہاں قتال سے مراد ہے مسلمانوں سے لڑنا نہ کہ آپس میں جنگ وجدال طاغوت کی تحقیق بارہا ہو چکی کہ اس کے معنیٰ ہیں سرکش اور حد سے نکل جانے والا اس سے مراد شیطان ہے شیطان کے راستہ سے مراد ہے کفر بے دینی جس سے شیطان خوش ہوتا ہے اور اس لڑائی کے ذریعہ وہ شیطان تک پہنچتے ہیں یعنی ہر قسم کے کافر انسان کفر کی حمایت میں مسلمانوں سے لڑتے ہیں جس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ف جزائیہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزا قاتلوا میں خطاب قیامت تک کے مسلمانوں سے ہے نہ کہ صرف صحابہ کرام سے اولیاء ولی کی جمع ہے بمعنیٰ دوست مددگار حمایتی یعنی جب معاملہ یہ ہے اور تمہارے جہاد و کفار کی جنگوں میں یہ فرق ہے تو اے مسلمانوں ان شیطان کے دوستوں حمایتیوں اور ابلیس کے پجاریوں سے ضرور جہاد کرو خیال رہے کہ یہاں شیطان سے مراد ابلیس ہے نہ کہ اس کی ذریت یعنی قرین وغیرہ اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا۔ یہ عبارت مسلمانوں کی ہمت بڑھانے ان سے وعدہ نصرت فرمانے کیلئے ہے چونکہ

اس کا مضمون ظاہر کے خلاف معلوم ہوتا تھا کہ کفار اکثر بڑے ساز وسامان سے آتے تھے مسلمان ان کے مقابل کمزور نظر آتے تھے اسلیئے اسے اِنَّ تاکید یہ سے شروع فرمایا کَیْدَ سے مراد کفار وشیاطین کے تمام ظاہری سامان اور اندرونی تدابیر ہیں کان دوام واستمرار کیلئے ہے یا بمعنی صَارَ ہے ضعیف سے اضافی ضعف مراد ہے یعنی رب تعالیٰ کی امداد کے مقابل یا مسلمانوں کے اخلاص کے مقابل یعنی اس میں بالکل تردد نہ کرو یہ بالکل حق ہے کہ شیطان کی تمام ظاہری و باطنی طاقت اللہ تعالیٰ کی امداد کے یا اے مسلمانو تمہارے اخلاص کے مقابل بہت ہی کمزور وضعیف تھی اور ہے اور رہے گی یا اس کا ہر داؤ رب تعالیٰ کی مدد کے مقابل کمزور ہوتا رہا ہے اور ہو جاتا ہے اور ہوتا رہے گا اس میں درحقیقت مسلمانوں کو آئندہ فتح مندی کفار کی شکست کا وعدہ ہے جو پورا ہوا۔

خلاصہ تفسیر مسلمانوں کے جہاد اور کفار کے جنگ وفساد میں فرق عظیم ہے مسلمان اگرچہ قوم مسلم کی حمایت کے لئے کفار سے جنگ کریں مگر ان کی جنگ ہمیشہ اللہ کی راہ میں ہوتی ہے ان کا اصل مقصد رب تعالیٰ کو راضی کرنا ہوتا ہے رہے کفار۔ وہ ہمیشہ کفر شرک بے دینی کی حمایت میں مسلمانوں سے لڑتے ہیں۔ شیطان اسی کا ذریعہ ہے اے مسلمانو جب تمہاری اور ان کی لڑائیوں میں اتنا فرق ہے تو ہمت کر وان شیاطین کے حامیوں مددگاروں سے جہاد کرو کفار کا حمایتی ابلیس ہے تمہارے والی مددگار ہم ہیں یقیناً ہماری امداد کے مقابل تمہارے اخلاص کے مقابل شیطان کی تمام تدابیر کمزور وضعیف ہیں اور رہیں گی دیکھ لو میدان بدر میں شیطان تو کفار مکہ کی حمایت کیلئے آیا اور فرشتے تمہاری مدد کیلئے آئے جب جنگ شروع ہونے لگی تو شیطان فرشتوں کو دیکھ الٹے پاؤں بھاگا اور بولا کہ جو میں دیکھ رہا ہوں تم نہیں دیکھتے میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور جنگ بدر میں جو نتیجہ ہوا تم نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا کہ تم تھوڑے کفار بہت تم نہتے کفار ہتھیار بند مگر غالب تم آئے بلکہ ان فریبیوں کی کمزوری اب بھی دیکھنے میں آتی ہے حرم مدینہ میں عصر سے عشاء تک وعظ ہوتے ہیں کہ حضور کے آگے ادب سے نہ کھڑے ہو وہاں ہاتھ نہ باندھو یہ شرک ہے مگر سامعین مواجہ شریف میں پہنچتے ہی یہ سب تعلیم بھول جاتے ہیں وہاں ہاتھ بھی باندھتے ہیں اور سب کچھ کرتے ہیں پاک پٹن شریف میں سال بھر شرک وکفر کے وعظ ہوتے ہیں مگر بابا صاحب کا بہشتی دروازہ محرم میں کھلتے ہی سال بھر کی یہ کوشش ختم ہو جاتی ہے ابوجہل اور ابولہب کی تمام کوششیں حضور کے ایک معجزہ دکھا دینے پر فنا ہو جاتی تھیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جہاد تا قیامت جاری رہے گا کبھی منسوخ نہ ہوگا جیسا کہ یُقَاتِلُوْنَ کی دوام واستمرار سے معلوم ہوا۔ جہاد کہ وجہ کفار کی موجودگی ہے کفار تو قیامت تک رہیں گے تو جہاد بھی تا قیامت ہے جو لوگ جہاد کو منسوخ مانتے ہیں وہ اس آیت کریمہ سے عبرت لیں۔ **دوسرا فائدہ**: جہاد اس جنگ کا نام ہے جو کفار سے ہو باغی مسلمانوں سے جنگ جہاد نہیں کہلاتی اس لئے حضرت علیؓ نے امیر معاویہ وعائشہ صدیقہ کے ساتھ جنگ کی حالت میں اپنے سپاہیوں کو حکم دیا

تھا کہ اپنے مقابل کے کسی بھاگتے ہوئے سپاہی کا پیچھا نہ کیا جاوے ان کے مال نہ لوٹے جاویں انہیں قید نہ کیا جاوے اور فرمایا کہ یہ ہمارے بھائی ہیں جو ہمارے خلاف بغاوت کر بیٹھے یہی اعلان امیر معاویہ کی طرف سے اپنے سپاہیوں میں تھا اس کی تحقیق ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو یہ فائدہ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا** سے حاصل ہوا۔ باغیوں سے جنگ درحقیقت اصلاح ہوتی ہے۔ **تیسرا فائدہ**: انشاء اللہ مسلمان اگر اخلاص سے جہاد کریں تو بفضلہ تعالیٰ کفار پر فتح پائیں گے جیسا کہ **كَانَ ضَعِيْفًا** سے معلوم ہوا۔ مسلمان اپنی غلطی سے شکست کھاجاتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ**: کفر واسلام میں کبھی اتفاق واتحاد نہیں ہوسکتا اگر کبھی ہوا تو عارضی ہوگا اور اس میں کفار کی چال ہوگی لہٰذا بجائے ان کی خوشامد کرنے کے مسلمانوں کو قوت پیدا کرنی چاہیے جیسا کہ **قَاتِلُوْٓا** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: سارے کفار مسلمانوں کے مقابل ایک ہیں اگرچہ ان کے آپس میں کتنے ہی اختلاف ہوں یہ فائدہ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا** کے اطلاق سے معلوم ہوا اس کا تجربہ اب بھی ہورہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو متفق ہونے متفق رہنے کی توفیق دے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: یہاں قرآن کریم فرمارہا ہے کہ شیطان کا فریب کمزور ہے مگر دوسرے مقام پر فرماتا ہے **اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ** (یوسف:۲۸)۔ تم عورتوں کا فریب بہت بڑا ہے آیات میں تعارض ہے نیز فرعونی جادوگروں کے متعلق فرماتا ہے۔ **وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ** (اعراف:۱۱۶) اور فرماتا ہے **وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ** (ابراھیم:۴۶)۔ ان کے مکر سے پہاڑ ٹل جاویں۔ ان آیات میں موافقت کیونکر ہو۔ **جواب**: یہاں شیطان اور شیطانی لوگوں کے فریب کو اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے مقابل کمزور فرمایا گیا ہے اور وہاں عورتوں کے فریب کو مردوں کے مقابل عظیم فرمایا نیز جادوگر اپنے خیال میں بڑا ہی جادو پیش کررہے تھے مگر ان کی کمزوری ایسی ظاہر ہوئی کہ صرف ایک عصاء موسوی کے مقابل سب کا جادو فیل ہوکر رہ گیا یا ان آیات میں ظاہر کا ذکر ہے اور یہاں حقیقت کا بیان بمعنیٰ بظاہر ابلیس اور ابلیسیوں کے مکر بہت بڑے ہیں مگر حقیقت میں کمزور جیسے پانی کا بلبلا جس کا دکھلاوا بہت ہے مگر حقیقت کچھ نہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے جس میں باطل کو پانی کے اوپر کا کوڑا اور جھاگ فرمایا گیا ہے اور حق کو موتی جھاگ وکوڑا دیکھنے میں بہت مگر موتی قیمت میں زیادہ۔

دوسرا اعتراض: اگر شیطان کا فریب کمزور ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد قوی اور شیطان کفار کا مددگار ہے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا حامی تو مسلمان کفار کے مقابل بارہا شکست کیوں کھاجاتے ہیں۔ **جواب**: یا اخلاص کی کمی سے یا اپنی کسی غلطی سے اگر فوج اپنے ہتھیار استعمال ہی نہ کرے اور شکست کھاجاوے تو اس کی اپنی غلطی ہے اخلاص اور توکل علی اللہ مسلمانوں کا وہ ہتھیار ہے جو کفار کے پاس نہیں۔

تیسرا اعتراض: کفار ہمیشہ شیطان کی حمایت میں نہیں لڑتے وہ کبھی ملک گیری کیلئے بھی لڑتے ہیں پھر یُقَاتِلُوْن

دوام کے لحاظ سے کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: کفار جب بھی مسلمانوں سے لڑیں گے تو اسلام کا مقابلہ کفر کی حمایت کا ارادہ کرینگے جیسا کہ عموماً دیکھا گیا ہے اور اگر ملک کی خاطر ہی لڑیں تو بھی ملک لے کر کیا کریں گے کفر کی اشاعت یہ تو مسلمانوں پر نفس امارہ کی مار ہے کہ ملک حاصل کر کے اسلام کی اشاعت میں کوشش نہیں کرتے بلکہ اسلام کو مٹانے اسے تبدیل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں جیسا کہ آج ہندوستان اور پاکستان کے حالات دیکھنے سے معلوم ہو رہا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ قدیم ہے تو اس کی مدد حمایت بھی قدیم جب وہ کسی خاص جماعت کی مدد کرتا ہے تو دائمی مدد فرماتا ہے شیطان فانی ہے تو اس کی امداد بھی فانی دیکھ لو اللہ کے بندے اگرچہ زندگی فقر و فاقہ میں گزاریں مگر ان کا ذکر جمیل ان کے بعد بھی زمانہ بھر میں رہتا ہے یہ ہے اللہ کی مدد اور جابر بادشاہ اگرچہ زندگی شان وشوکت سے گذاریں مگر ان کے مرتے ہی ان کا نام بھی مر جاتا ہے بلکہ ان پر دائمی لعنت رہتی ہے یہ ہے شیطان کی مدد صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس وشیطان کتے کی طرح ہیں کہ اگر تو خود ان کا مقابلہ کرے تو تیرے کپڑے پھاڑ دیں اور اگر مالک سے فریاد کرے تو وہ انہیں تجھ سے چھوڑا دے نفس وشیطان ہمارے مقابل کمزور نہیں۔ رب کے سامنے کمزور ہیں ان کی شر سے بچنے کے لئے اللہ کی امان رسول کے سایہ میں رہو اسی لئے فرمایا گیا خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (النساء: ۲۸)۔ احمد ابن سہیل فرماتے ہیں کہ مومن کے دشمن چار ہیں: ایک دنیا اور اس کا ہتھیار مخلوق سے زیادہ خلط ملط ہے اس سے بچاؤ مخلوق سے کنارہ کشی ہے۔ دوسرے شیطان اس کا ہتھیار شکم سیری ہے اور اس سے بچاؤ بھوکا رہنا ہے۔ تیسرے نفس امارہ اس کا ہتھیار زیادہ سونا ہے اس سے بچاؤ جاگنا رب کی یاد کرنا ہے۔ چوتھے ہوئی اس کا ہتھیار زیادہ بولنا ہے اس سے بچاؤ زیادہ خاموشی ہے جب بندہ نفس کی ظلمتوں سے چھٹکارا پا کر نورانی بن جاتا ہے تو شیطان اس سے بھاگنے لگتا ہے دیکھو حضرت عمر سے شیطان بھاگتا ہے۔ بڑا جہاد فی سبیل اللہ اپنے نفس سے جہاد ہے نفس سے مجاہدہ روح و دل کی قوت کا ذریعہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَیْدِیَكُمْ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ
کیا نہ دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کے کہا گیا ان سے کہ روکو ہاتھوں کو اپنے اور قائم کرو
کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کہا گیا اپنے ہاتھ روک لو اور نماز قائم رکھو
وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ
نماز کو اور دو زکوٰۃ پس جب لازم کیا گیا اوپر ان کے جہاد تو اچانک ایک گروہ ان میں سے
اور زکوٰۃ دو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں

يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ج وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ
ڈرتے ہیں لوگوں سے مثل ڈرنے اللہ سے یا زیادہ اس سے خوف اور کہا انہوں نے اے رب ہمارے کیوں
بعضے لوگوں سے ایسا ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرے یا اس سے بھی زائد اور بولے اے رب ہمارے
كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ج لَوْلَا اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ط قُلْ مَتَاعُ
لازم کیا تو نے ہم پر جہاد کیوں نہ مہلت دی تو نے ہم کو تھوڑی میعاد تک آپ فرمادو کہ
تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا تھوڑی مدت تک ہمیں اور جینے دیا ہوتا تم فرمادو کہ
الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ج وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى قف وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾
سامان دنیا تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے واسطے اسکے جو پرہیز گار ہو اور نہ ظلم کیے جائیں گے وہ ڈورے برابر
دنیا کا برتنا تھوڑا ہے اور ڈر والوں کے لئے آخرت اچھی تم پر تاگے برابر ظلم نہ ہوگا

تعلقات

اس آیت کریمہ کا گذشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ شیطان جنگ میں کفار کی حمایت کرتا ہے اور اس کی حمایت کمزور ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ شیطان مسلمان غازیوں کو بہکاتا ہے مسلمان اس سے آگاہ رہیں اس کے بہکانے میں نہ آجاویں یعنی شیطان کے ایک فریب کا ذکر پچھلی آیت میں تھا کفار کو جنگ پر ابھارنا اور اس کے دوسرے فریب کا ذکر اس آیت میں ہے یعنی مسلمانوں کو بزدل کرنا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب کئی طرح دی گئی تھی اب جہاد کی متعلق شکوک رفع فرمائے جارہے ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں جہاد کا حکم تھا اب وقت جہاد کا تذکرہ ہے کہ تمام عبادات کی طرح جہاد کے لئے بھی کوئی وقت ہے اور اس کی کچھ شرطیں۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں مجاہدین کو فرمایا گیا کہ تمہارا مقابل ابلیس ہے جو کمزور وضعیف ہے اب مسلمانوں کے دلوں سے جہاد کی ہیبت دفع کی جارہی ہے کہ جہاد ڈرنے کی چیز نہیں یہ تو بڑی اعلیٰ نعمت ہے۔

شان نزول

عام مفسرین نے فرمایا کہ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف زہری مقداد ابن اسود کندی قدامہ ابن مظعون حجمی۔ سعد ابن ابی وقاص وغیرہم صحابہ کرام نے کفار مکہ کی طرف سے بہت ایذا تکالیف برداشت کیں مگر جب ان کی اذیتیں حد سے بڑھ گئیں تو ان حضرات نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم کو اجازت دی جاوے کہ ہم بھی ان موذی کفار سے کچھ بدلہ لیں ان سے جنگ کریں کہ ان کی تکالیف برداشت سے باہر ہورہی ہیں سرکار نے فرمایا ابھی مجھے رب تعالیٰ کی طرف اسکی اجازت نہیں ملی ابھی صبر کرو نمازیں پڑھو زکوٰۃ دو۔ بعد ہجرت جب جہاد کا حکم ہوا اور جنگ بدر کا موقعہ آیا تو بعض حضرات بشری

فطرت کے تقاضے سے کچھ گھبرانے سے لگے اس موقعہ پر ان کی تسلی کیلئے یہ آیات نازل ہوئیں (کبیر، خازن، خزائن، صاوی، روح المعانی و بیان مدارک وغیرہ) مگر تفسیر کبیر نے ترجیح اسے دی کہ یہ آیت منافقین کے متعلق اتری جو حضور ﷺ کے مدینہ پاک پہنچنے پر اپنا جوش ایمانی ظاہر کرنے کو اجازت جہاد مانگتے تھے پھر جب جہاد فرض ہو گیا تو بغلیں جھانکنے اور بہانہ بنانے لگے اور اسکی دلیل یہ دی کہ آگے ارشاد ہو رہا ہے۔ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ الخ (النساء: ۷۸) کہ اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہتے ہیں یہ رب تعالیٰ کی طرف سے اور اگر کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں یہ آپ کی طرف سے اور ظاہر ہے کہ ایسی گستاخی حضرات صحابہ کرام نہیں کر سکتے تھے یہ جرأت تو منافقین ہی کو تھی بہر حال اس آیت میں دونوں قرینے موجود ہیں۔ یہ بھی کہ یہ آیت حضرات صحابہ کرام کے متعلق ہو اور یہ بھی کہ یہ منافقین کے متعلق ہو لہٰذا آیت کی دو تفسیریں ہوں گی فقیر کے نزدیک دوسرا قول قوی ہے کہ یہ آیت کریمہ منافقین کے متعلق ہے کیونکہ زکوٰۃ بعد ہجرت ۲ھ ہجری میں فرض ہوئی اگر یہ سوال قبل ہجرت مکہ معظمہ میں ہوا تھا۔ تو حضور انور انہیں یہ کیوں فرماتے کہ نماز قائم کرو زکوٰۃ دیئے جاؤ زکوٰۃ تو اس وقت آئی ہی نہ تھی زکوٰۃ کے متعلق دیکھو درمختار شروع کتاب الزکوٰۃ اور مدارج النبوۃ وغیرہ لہٰذا اس آیت پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ حضرات صحابہ کرام پر کوئی طعنہ ہو سکتا ہے۔

تفسیر اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ ظاہر یہ ہے کہ تَرٰی میں خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے اور رویت سے مراد آنکھ کا دیکھنا ہے نہ کہ صرف دل میں غور کرنا چونکہ رویت میں انتہاء کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے اس کے بعد اِلٰی لایا گیا یعنی اے محبوب کیا آپ کی نظر ان تک نہ پہنچی ضرور پہنچی ہے استفہام انکاری ہے اور تعجب دلانے کیلئے ہے اگر یہ آیت کریمہ صحابہ کرام کے متعلق اتری ہے تو اَلَّذِيْنَ سے مراد وہ ہی صحابہ ہیں ورنہ منافقین مراد قِيْلَ لَهُمْ میں حضور ﷺ کا فرمان مراد ہے مگر تَرٰی کی طرح قُلْتَ مخاطب کا صیغہ ارشاد نہ ہوا کیونکہ وہ فرمان عالی صرف حضور ﷺ کا نہ تھا بلکہ رب تعالیٰ کا بھی تھا اسی طرح کہ لب و زبان حضور کی تھی اور فرمان عالی شان رب تعالیٰ کا لہٰذا قِيْلَ فرمانا مناسب ہوا یعنی ہماری طرف سے انہیں کہا گیا اس طرح کہ ہم نے آپ کی زبان و دہان سے یہ فرمان انہیں سنایا۔ كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ۔ كُفُّوْا۔ كَفٌّ سے بنا بمعنی رکنا یا روکنا یہاں بمعنی روکنا ہے چونکہ جہاد میں جنگ و قتال ہوتے ہیں جو ہاتھ کا کام اس لئے اَيْدِيَكُمْ فرمایا گیا اور ہو سکتا ہے کہ اَيْدِيَ سے نفس و ذات مراد ہو یعنی ابھی اپنے ہاتھ یا اپنی ذات کو جہاد سے روکو۔ ابھی جہاد کرنا ممنوع ہے۔ جس پر ثواب نہیں بلکہ گناہ ہے كُفُّوْا امر ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اگر اس میں خطاب صحابہ سے ہے تو معنی ہوں گے یوں ہی نماز قائم کئے رہو۔ زکوٰۃ دیئے جاؤ کیونکہ وہ حضرات پہلے ہی سے نمازی اور سخی تھے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ (احزاب: ۱) اور اگر روئے سخن منافقین سے ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ چونکہ تم نے کلمہ پڑھ لیا ہے لہٰذا نماز بھی قائم کرو اور زکوٰۃ بھی دیا کرو کہ تم شرعی طور پر مسلمان ہو چکے ہو جو ہم نے ابھی عرض کیا وہ

خیال میں رہے کہ زکوٰۃ بعد ہجرت ۲ھ ہجری میں فرض ہوئی (درمختار) لہٰذا یہ جواب قبل ہجرت مکہ معظمہ میں صحابہ کرام کو نہیں ہو سکتا نماز قائم کرنے کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ علماء کے ہاں نماز ہمیشہ پڑھنا صحیح وقت پر پڑھنا صحیح طریقہ سے پڑھنا نماز قائم کرنا اور صوفیاء کے ہاں ان تین چیزوں کے ساتھ چوتھی شرط ہے دل لگا کر پڑھنا ان چار صفتوں سے نماز قائم ہوتی ہے قلب و قالب دونوں کی نماز چاہئے تخم اگر صرف زمین کے اوپر ہو جڑ زمین کے اندر نہ پھیلے تو درخت قائم نہیں ہوتا۔ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ ف تعقیبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ جہاد سے پہلے فرض ہو چکی تھی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ فرض ہوتے ہی بہت جلد جہاد فرض ہو گیا کیونکہ ف تعقیب بلا تراخی کیلئے آتی ہے بمعنی فرض والزام ہے یعنی فرض کیا گیا لازم کیا گیا عَلَيْهِمُ کی ضمیر یا صحابہ کرام کی طرف ہے یا ان منافقین کی طرف کیونکہ منافقین ظاہری کلمہ پڑھنے کی وجہ سے احکام شرعی کے مکلّف تھے۔ قتال سے مراد یا مطلقاً جہاد ہے کہ اس کی فرضیت کا حکم اسلام میں آ گیا یا بدر کی جنگ مراد جبکہ اسباب جہاد جمع ہونے کی وجہ سے جہاد لازم ہو گیا۔ خیال رہے کہ ہجرت سے پہلے نبوت کے گیارھویں سال نماز فرض ہوئی معراج کی شب اور زکوٰۃ جہاد، روزہ ۲ھ ہجری میں مدینہ منورہ میں فرض ہوئے۔ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً یہ جملہ فَلَمَّا کی جزا کے قائم مقام ہے اِذَا قائم مقام ف فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ کی ضمیر اگر صحابہ کی طرف ہے تو مطلب یہ ہے کہ وہ تمام حضرات نہ ڈرے جو جہاد کی اجازت مانگتے تھے بلکہ ان میں سے بعض لوگ اور اگر مرجع منافقین ہیں تو مطلب یہ ہے کہ تمام منافقین نے خوف گھبراہٹ ظاہر نہ کیا بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے اور دوسرے گروہ نے ایسا مضبوط تقیہ کیا کہ دل کے خوف کو ظاہری علامات سے بالکل ظاہر نہ ہونے دیا۔ يَخْشَوْنَ کا مفعول مطلق خشیۃ پوشیدہ ہے وہ ہی مشبہ بہ ہے اور خَشْيَةِ اللّٰهِ میں خَشْيَةِ کی اضافت مفعول کی طرف ہے اس کا فاعل پوشیدہ ہے اَوْ یا عاطفہ ہی ہے یا بمعنی بل یعنی جہاد فرض ہونے پر ان منافقین میں سے ہلکے درجہ کے منافق کفار مکہ سے ایسے ڈرنے لگے جیسے مومن اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اگر مومن صحابہ مراد ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ فطری طبعی غیر اختیاری خوف انہیں کفار سے ایسا ہو گیا جیسے خدا تعالیٰ سے ہونا چاہئے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ خوف باعث طعنہ نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے خوف ہوا تھا۔ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ اگر یہاں توجہ کرم مسلمانوں کی طرف ہے تو قَالُوْا سے مراد ہے ان کا اعلانیہ یہ قول اور اَلْقِتَالَ سے مراد یا مطلقاً جہاد ہے یا بدر کا جہاد یعنی یہ حضرات حکم جہاد سن کر کہنے لگے کہ خدایا تو نے اتنی جلد ہم پر جہاد کیوں فرض فرما دیا یا بدر میں جہاد کیوں لازم ہو گیا ابھی تو ہم مدینہ منورہ پہنچ کر سنبھلے بھی نہیں ہیں اور اگر منافقین مراد ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے منہ سے تو کچھ نہ کہا دل میں بولے کہ خدایا جہاد کیوں فرض ہو گیا یہ تو ہمارا نفاق ظاہر کر دے گا۔ لَوْلَا اَخَّرْتَنَا اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ط یہ جملہ بھی قَالُوْا کا دوسرا مفعول ہے چونکہ یہ مستقل علیحدہ کلام ہے اس لئے درمیان میں واؤ نہ لایا گیا اس میں بھی وہ ہی دو احتمال

ہیں ایک یہ کہ یہ مخلصین کا قول ہو اور اَجَلٍ قَرِیۡبٍ سے مراد تھوڑی مدت ہو یعنی ابھی کچھ روز اور جہاد فرض نہ ہوتا تا کہ ہم کچھ تگڑے ہو کر قوت پیدا کر لیتے یہ کلام رب پر اعتراض کے لئے نہیں بلکہ حکمت دریافت کرنے کو ہے جیسے فرشتوں نے خلیفۃ اللہ کی خبر پا کر عرض کیا تھا۔ اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا (بقرہ:۳۰) اور اگر منافقین کا قول ہے تو اَجَلٍ قَرِیۡبٍ سے مراد ان کی اپنی موت کا وقت ہے اور یہ کلام اسلام یا رب تعالیٰ پر اعتراض کیلئے ہے یعنی جہاد کیوں فرض ہوا یہ تو بری چیز ہے جہاد نہ ہوتا تا کہ ہم کو اپنی موت کے وقت تک مہلت ملتی اور ہم اپنی طبعی موت مرتے نہ کہ میدان جنگ میں۔ قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡیَا قَلِیۡلٌ قُلۡ میں خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے متاع کے معنیٰ ہیں برتنے کی چیز یعنی جو برت کر چھوڑ دی جاوے کہ برتنے والا چلا جاوے چیز ویسے ہی رہ جاوے متاع دنیا سے مراد دنیا کی تمام نعمتیں ہیں کہ یہ تمام مل کر بھی آخرت کی ایک نعمت سے کہیں کم ہیں کہ یہ سب فانی ہیں اور آخرت کی نعمت باقی پھر یہ تمام آفتوں مصیبتوں سے مخلوط آخرت کی نعمتیں خالص یہ تمام نعمتیں مشکوک کہ نہ معلوم ہم انہیں برتیں یا نہ برت سکیں آخرت کی نعمتیں یقینی ہمارے استعمال کے لئے نیز دنیا قانونی جگہ ہے یہاں ہر چیز قانون کے تحت ملتی ہے اور اس پر حساب بھی ہے آخرت دوستوں کے لئے محبت کی جگہ جہاں کسی چیز کا حساب نہیں دوکان پر کھانا قانونی ملتا ہے حساب سے دعوت میں محبت سے ملتا ہے بلا حساب دوکان پر کھانا خریدار کی شان کے مطابق ملتا ہے دعوت میں گھر والے کی شان کے لائق دنیا تمہاری قابلیت کے لائق دی گئی آخرت رب کی شان کے لائق۔ خیال رہے کہ دنیا وہ ہے جو ماں کے پیٹ اور قبر کے پیٹ کے درمیان ہو یعنی پیدائش سے مرتے وقت تک یہ بھی خیال رہے کہ قرآن کریم میں جب حضور سے قل فرمایا جاتا ہے تو کبھی اس کا تعلق رب تعالیٰ سے ہوتا ہے جیسے قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِکَ الۡمُلۡکِ (آل عمران:۲۶) ہم سے یوں کہو کہ اے اللہ اے ملک کے مالک اس اس قل فرمانے کی حکمت یہ ہے کہ۔

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی　　　اتنی ہے گفتگو تری اللہ کو پسند

بلا تشبیہ اپنے پیارے بچے سے باتیں کہلوا کر سنتے ہیں کہ اس کے منہ کی بات پیاری معلوم ہوتی ہے کبھی روئے سخن، کفار سے ہوتا ہے جیسے قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ (کافرون:۱) وہاں کفار پر غضب کا اظہار ہے کہ ہم ان بے ایمانوں سے کلام کرنا نہیں پسند فرماتے تم فرما دو لَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ (آل عمران:۷۷) اور کبھی روئے سخن مسلمانوں سے ہوتا ہے جیسے قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِهِمۡ (نور:۳۰) وہاں حضور کے توسل کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ محبوب تم ہمارے اور مومنوں کے درمیان برزخ کبریٰ ہو جو ہم کو ان سے کہنا ہو تو ہم تم سے کہیں تم ان سے کہو یوں ہی جب انہیں کچھ ہم سے کہنا ہو تو یہ تم سے کہیں تم ہم سے عرض کرو بلا تشبیہ عدالت میں وکیل حاکم اور مدعی مدعیٰ علیہ کے درمیان برزخ ہوتا ہے یہاں اگر روئے سخن منافقین سے ہے تو قل سے ان لوگوں پر اظہار غضب ہے اور اگر روئے سخن صحابہ سے ہے تو بیان توسل ہے۔ وَالۡاٰخِرَةُ خَیۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی آخرت سے مراد یا تو جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں یا دنیا کے

بعد کا زمانہ جس میں برزخ حشر اور بعد قیامت سب ہی داخل ہیں اَتْقٰی سے مراد ہے ہر مومن یا پرہیزگار مومن یعنی پرہیزگاروں مومنوں کے لئے آخرت دنیا سے کہیں خیر و بہتر ہے۔ خیال رہے کہ آخرت ہر مومن کے لئے دنیا سے خیر ہے اور متقی مومن کے لئے خالص خیر کہ وہاں تکلیف کا شائبہ بھی نہیں اور کافر کیلئے آخرت دنیا سے زیادہ خطرناک اس لئے ارشاد ہوا کہ دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے کافر کیلئے جنت۔ وَ لَاتُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ابن کثیر، حمزہ کسائی کی قرأۃ میں ی سے ہے لَایُظْلَمُوْنَ اس کا نائب فاعل وہ ہی ہیں جن کا ذکر ابھی اَلَمْ تَرَاِلَی الَّذِیْنَ میں ہوا یا سارے انسان ہیں یا ساری مخلوق باقی کے ہاں لَاتُظْلَمُوْنَ ت سے ہے اس صورت اس کا تعلق قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ سے ہے یعنی ان لوگوں سے فرمادو کہ سامان دنیا تھوڑا ہے اور فرمادو کہ تم پر مطلقاً ظلم نہ کیا جاوے گا فتیل کی تحقیق پہلے ہو چکی کہ یہ فَتْلٌ سے بنا بمعنی بٹنا فتیل بٹا ہوا دھاگہ ڈور اصطلاح میں کھجور کی گٹھلی کے گڑھے میں جو باریک چھلکا دھاگے کی طرح ہوتا ہے اسے فتیل کہتے ہیں عرب میں کسی چیز کی انتہائی کمی بیان کرنے کے لئے اس کا ذکر فرمایا جاتا ہے یعنی تم لوگ رب کے ہاں اس دھاگے کے برابر بھی ظلم نہ کئے جاؤ گے۔

خلاصۂ تفسیر

گذشتہ تفسیر سے پتہ لگا کہ اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں ہم اس کے مطابق ان دونوں تفسیروں کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔

پہلی تفسیر: اے محبوب ﷺ آپ نے اپنے ان مہاجر صحابہ کو ملاحظہ نہ فرمایا جو مکہ معظمہ میں تو کہا کرتے تھے ہم کو جہاد اور کفار سے لڑنے کی اجازت دیجئے اور ہم ان سے آپ کی زبان پر فرماتے تھے کہ نہیں اپنے ہاتھ روکو ان کی ایذائیں برداشت کرو۔ اس وقت تم صرف نمازیں قائم کرو زکوٰۃ دو کہ نماز و زکوٰۃ نفس کے ساتھ جہاد ہے اور جہاد بالنفس جہاد بالکفار سے مقدم ہے اس کے بعد کفار سے بھی جہاد کر لینا حکم آجانے پر پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا اور غزوۂ بدر کی طرف چلنے کا انہیں حکم دیا گیا تو ان میں سے سب تو نہیں بعض حضرات طبعی کمزوری اور فطرت بشری کی بنا پر کفار سے ایسے ڈرنے لگے جیسا قوی الاعتقاد مومن اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کہ اس کی ممنوعات کے قریب نہیں جاتے بلکہ اس سے بھی زیادہ ان کے دل میں خوف کفار ہو گیا اور گھبراہٹ میں کہنے لگے کہ خدایا ابھی اتنی جلدی تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض فرمایا ابھی تو ہم نے مدینہ میں آکر چین کا سانس بھی نہ لیا اور کچھ مدت تک مہلت کیوں نہ دی کہ ہم قوت وطاقت پکڑ جاتے پھر جہاد فرض ہوتا اس میں حکمت کیا ہے اے محبوب آپ انہیں تسلی دے دو اور فرمادو کہ جہاد سے خوف کیسا وہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ تم شہید ہو کر دنیاوی زندگی اور یہاں کے ساز و سامان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے تو یقین کر لو کہ دنیا فقط برتنے کا سامان ہے وہ بھی بہت تھوڑا اور فانی اور پرہیزگاروں کے لئے آخرت دنیا سے بہتر ہے کیونکہ دنیا فانی ہے آخرت باقی دنیا مشکوک ہے آخرت یقینی دنیا آفتوں سے مخلوط ہے آخرت خالص دنیا قانون کی جگہ ہے آخرت محبت کی جگہ دنیا پابندیوں کی جگہ ہے آخرت آزادی کی جگہ دنیا میں تمہاری ہر خواہش پوری نہیں کی جاتی

آخرت میں جو چاہو گے ملے گا کیونکہ دنیا میں شیطان شکاری کا جنگل ہے اس لئے یہاں پابندی ہے کہ تم شکار نہ ہو جاؤ وہاں شکاری کوئی نہ ہوگا لہٰذا آزادی ہوگی۔ دنیا میں دل کے ساتھ نفس بھی ہے جو بری چیزیں بھی چاہتا ہے۔ آخرت میں نفس نہ ہوگا لہٰذا وہاں تمہاری ہر خواہش پوری کی جاوے گی نیز دنیا میں ہر چیز غیب ہے آخرت میں ہر چیز شہادت گویا دنیا فراق کی جگہ ہے آخرت وصال کی جگہ ان وجوہ سے آخرت دنیا سے بہتر ہے۔

سنا ہے قبر میں دیدار ہوگا بے حجابانہ کفن کو پھاڑ کر اٹھیں گے مردے اپنے مدفن میں

خیال رکھو کہ تم پر کسی قسم کا معمولی سے معمولی ظلم نہ ہوگا کہ تمہاری نیکیاں بلاوجہ برباد ہو جاویں یا تم کو جرم سے زیادہ سزا دے دی جاوے لہٰذا اعمال صالحہ میں جلدی کرو۔

دوسری تفسیر: اے محبوب ﷺ کیا آپ نے ان منافقین مدینہ کو نہ دیکھا جو اپنا نفاق چھپانے کے لئے جہاد فرض ہونے سے پہلے آپ سے تقاضے کرتے تھے کہ حضور ہم کو جہاد کی اجازت دیجئے تاکہ ہم خدمتِ اسلام میں اپنی جانوں کی قربانی کریں تو آپ ان سے فرما دیتے تھے کہ تم نماز و زکوٰۃ میں تو سستی کرتے ہو تم پر یہ آسان سی عبادتیں بھاری ہیں اور جہاد کی آرزو کرتے ہو نماز تو قائم کرو زکوٰۃ تو دو ابھی جہاد سے ہاتھ روکو پھر جب عنقریب ہی جہاد فرض ہو گیا ان کے دلوں میں کفار کا خوف اتنا زبردست پیدا ہو گیا جتنا کہ مسلمانوں کے دلوں میں خوف خدا زبردست ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کہ مسلمانوں کو رب کے خوف کے ساتھ اس سے رحمت کی امید بھی ہے انہیں کفار سے خالص اور نرا خوف ہے اور لگے اسلام پر اعتراض کرنے کہ ہماری زندگی میں جہاد کیوں فرض ہو گیا ہمارے بعد ہوا ہوتا فرما دو کہ تم دنیا کے دلدادہ ہو جو بہت تھوڑی ہے اگر تم مخلص مومن متقی بن جاؤ تو آخرت تمہارے لئے دنیا سے کہیں بہتر ہے اور تم پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جاوے گا۔ تمہاری کوئی نیکی برباد نہ ہوگی۔

فائدے

اس آیہ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: زکوٰۃ کی فرضیت جہاد کی فرضیت سے پہلے ہے جیسا کہ **فَلَمَّا** کی ف سے معلوم ہوا اور چاہئے بھی یہ تھا کہ نماز و زکوٰۃ میں اپنے نفس کی اصلاح ہے اور جہاد میں دوسروں کی اصلاح اپنی اصلاح دوسروں کی اصلاح سے پہلے ہونا ضروری ہے نیز نماز میں رب تعالیٰ کی تعظیم ہے اور زکوٰۃ میں مخلوق پر مہربانی جہاد میں دوسروں پر سختی ہے یقیناً وہ دونوں چیزیں جہاد سے پہلے ہونی چاہئیں۔ **دوسرا فائدہ**: قوی یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ منافقین کے متعلق اتری ہے کیونکہ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ جہاد کا مطالبہ زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد ہوا تھا اور زکوٰۃ بعد ہجرت ۲ھ میں فرض ہوئی ہجرت سے پہلے زکوٰۃ تھی ہی نہیں بلکہ اس وقت تک صرف نماز تھی نماز میں بھی جمعہ۔ عیدین بعد ہجرت ہوئی۔

تیسرا فائدہ: نماز زکوٰۃ جہاد سے افضل ہے یہ بھی **فَلَمَّا** کی ف سے اشارۃً معلوم ہوا کہ ف تعقیب کیلئے ہے جس کی معنی ہیں پیچھے ہونا جہاد زکوٰۃ سے رتبہ میں پیچھے ہے ہاں بعض سخت حالات میں جہاد نماز سے مقدم ہو جاتا ہے

حضور علیہ السلام نے غزوۂ خندق میں جہاد کی وجہ سے چند نمازیں قضا فرمادیں۔ **چوتھا فائدہ** : مخلوق سے خوف خلاف ایمان نہیں جیسا کہ اس آیت کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات اس قدر خوف کفار کے باوجود مومن صحابی رہے مگر یہ خوف ایذا کا ہے نہ کہ خوف اطاعت جیسا کہ سانپ سے خوف ہر مومن کو ہوتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے عصا کے سانپ بن جانے پر اس سے خوف فرمایا اور فرعون وہامان وغیرہ سے آپ کے دل میں خوف ہوا۔ **پانچواں فائدہ** : اسلامی قوانین کی حکمتیں پوچھنا جب کہ سمجھنے کے لئے ہو۔ اعتراض کی غرض سے نہ ہو ایمان کے منافی نہیں یہ فائدہ بھی آیت کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کہ حضرات صحابہ نے عرض کیا **لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ** مگر رب تعالیٰ نے ان کی فہمائش فرمادی اظہار غضب نہ فرمایا فرشتوں نے خلیفۃ اللہ کے تقرر پر رب تعالیٰ سے ان کے تقرر کی حکمت پوچھی یہ ان کی شان کے خلاف نہ ہوا۔ **چھٹا فائدہ** : دنیا کتنی بھی زیادہ ہو مگر آخرت یعنی جنت کے مقابل بہت تھوڑی ہے، قلیل یعنی کم دو قسم کا ہے بذات خود کم یعنی حقیقی تھوڑا جیسے ایک کا عدد کہ تمام عددوں سے کم ہے اور نسبتی تھوڑا یعنی اضافی کم جیسے ایک ہزار کہ یہ خود تو بہت بڑا عدد ہے مگر ایک لاکھ سے کم ہے دنیا ہر طرح کم ہے۔ حقیقتاً بھی کم کہ یہ فانی ہے جنت باقی یہ مصیبتوں سے گھری ہوئی ہے جنت ان سے صاف یہ مشکوک ہے نہ معلوم ہم اس سے فائدہ اٹھاسکیں یا نہیں کل ہی فنا ہو جائیں جنت کی نعمتیں یقینی اور دنیا نسبتاً بھی کم یعنی جنت کی نعمتوں کے مقابلے میں بھی کم کیونکہ جنت قیمتی مسلم شریف نے حضرت مستورابن شداد سے روایت کی فرمایا نبی علیہ السلام نے کہ دنیا آخرت کے مقابل ایسی ہے جیسے کوئی اپنی انگلی دریا میں ڈالے جس سے وہ بھیگ جاوے تو جو نسبت انگلی کی اس تری کو سمندر سے ہوگی وہ ہی نسبت دنیا کی آخرت سے ہے (خازن) نیز جنتی حور کی مانگ کی لڑی کا ایک موتی اور جنتی نہروں کی تہ کی بجری کا ایک موتی تمام دنیا کے خزانوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ **ساتواں فائدہ** : مومن کے لئے آخرت دنیا سے کہیں بہتر ہے مگر کافر کیلئے آخرت سے کہیں زیادہ آرام دہ ہے کہ وہ یہاں آرام سے ہے پھر دوزخ میں مصیبت اٹھائے گا جیسا کہ **لِمَنِ اتَّقٰى** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** : رب تعالیٰ کسی کو بغیر جرم سزا نہ دے گا کہ اسے یہاں ظلم فرمایا گیا رب تعالیٰ ظلم سے پاک ہے لہٰذا کفار کے ناسمجھ بچے جو لڑکپن میں فوت ہو گئے دوزخی نہیں۔ **نواں فائدہ** : منافقین پر جہاد بہت بھاری ہے وہ اس سے بہت ہی گھبراتے ہیں جان چراتے ہیں جیسا کہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا لہٰذا مرزا قادیان نبی ولی تو کیا مومن بھی نہ تھا کہ وہ جہاد سے بہت ہی ڈرتا تھا۔ جہاد کو اس ڈر سے منسوخ مانتا تھا اسی ڈر سے حج کو نہ گیا۔ **دسواں فائدہ** : منافقین کے دل میں اللہ کا خوف کم ہوتا ہے انسانوں کا خوف زیادہ یہ فائدہ بھی اس آیت کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **گیارھواں فائدہ** : مومن رب کے احکام بغیر چون و چرا مان لیتا ہے مگر منافق عمل تو کرتا نہیں جرح زیادہ کرتا ہے یہ کیوں ہوا کیسے ہوا رب تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے یہ فائدہ بھی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ منافقین اعتراضاً کہتے تھے۔ لِمَ

كُتِبَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۔ **بارھواں فائدہ**: منافقین پر ظاہری کلمہ گوئی کی وجہ سے شرعی احکام نماز روزہ جہاد وغیرہ فرض ہو جاتے ہیں۔ جن کا انہیں حکم دیا جاتا ہے اور نہ کرنے پر عتاب ہوتا ہے یہ فائدہ بھی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ منافقوں سے فرمایا گیا نماز قائم کرو زکوٰۃ دو پھر وہ خود بھی کہتے تھے۔ خدایا تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اگر یہ آیت مہاجرین صحابہ کے متعلق نازل ہوئی جیسا کہ پہلی تفسیر سے معلوم ہوا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نہ نماز پڑھتے تھے نہ زکوٰۃ دیتے تھے دیکھو ان سے کہا جا رہا ہے نماز قائم کرو زکوٰۃ دو اگر یہ حضرات پہلے ہی سے یہ عبادات کرتے ہوتے تو انہیں یہ حکم کیوں ہوتا (روافض)۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ آپ ہر رکعت میں پڑھتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ خدایا ہم کو سیدھی راہ کی ہدایت دے تو کیا آپ گمراہ ہیں جو ہدایت کی دعا کر رہے ہیں۔ جیسے آپ اپنے متعلق کہیں گے کہ یہ استقامت کی دعا ہے یعنی ہم کو سیدھی راہ پر قائم رکھ ایسے ہی یہاں استقامت کا حکم ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں نماز قائم کرنے سے مراد ہے لوگوں میں نماز قائم کرنا، پھیلانا اور لوگوں میں زکوٰۃ دینے کا چرچا کرنا یعنی کفار کی تبلیغ سے پہلے مسلمانوں کو پختہ مسلمان بناؤ۔ وہ حضرات ہمارے لئے ہدایت کے تارے ہیں۔

دوسرا اعتراض: اَوْ عربی میں شک کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے رب تعالیٰ شک سے پاک ہے پھر اس نے یہاں اَوْ کیوں فرمایا اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً۔ **جواب**: یہاں اَوْ بمعنی بَلْ ہے یا بمعنی واؤ اور اگر شک کیلئے ہو تو یہ شک سامعین بندوں کے لحاظ سے ہے نہ کہ رب تعالیٰ کی نسبت سے جیسے رب تعالیٰ نے فرمایا اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ (صافات: ۱۴۷)۔ یعنی اے مسلمان اگر تو منافقوں کا ڈر خوف دیکھے تو کہے کہ یہ تو اتنا ڈرتے ہیں جتنا مومن خدا سے ڈرتے ہیں یا اس سے زیادہ ڈرتے ہیں (تفسیر کبیر)۔

تیسرا اعتراض: اگر یہ آیت کریمہ صحابہ کرام کے متعلق ہے جیسا کہ عام مفسرین نے فرمایا تو معلوم ہوگا کہ حضرات صحابہ کرام بہت بزدل تھے ان کے دل میں خوف خدا کم تھا کفار سے خوف زیادہ تھا۔ **جواب**: یہ غلط ہے اگر واقعی یہ آیت ان بزرگوں کے متعلق ہے تو یہ خوف فطرت بشری سے تھا۔ خدا سے خوف مع امید کے ہوتا ہے ان کفار سے خوف ناامیدی کے ساتھ تھا نیز یہ خوف ایذا تھا جیسا سانپ سے ڈر پھر یہ خوف بھی اولاً تھا بعد میں ان ہی حضرات نے کفار سے بڑے بڑے مقابلے کئے بدر میں تین سو تیرہ ایک ہزار کے مقابل معرکہ آرا ہو گئے جنگ یرموک میں چالیس ہزار صحابہ سات لاکھ عیسائیوں کے مقابل آئے اور چند روز میں فاتح بنے یہ وہ ہی حضرات تھے آپ نے کون سی بہادری دکھائی۔ جو ان پر اعتراض کر رہے ہو۔ رب تعالیٰ کا ان سے یہ خطاب انہیں جوش دلانے بہادر بنانے کے لئے ہے نہ کہ ان کی برائی کے لئے۔

چوتھا اعتراض: اگر یہ آیت صحابہ کرام ہی کے متعلق ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات خدا تعالیٰ پر اعتراض

کرتے تھے اسلامی احکام سے ناراض تھے دیکھو رب تعالیٰ نے ان کا کلام نقل فرمایا۔ لِمَا کَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ اور رب تعالیٰ پر اعتراض کفر ہے۔ **جواب:** اس صورت میں یہ کلام اعتراض کے لئے نہیں بلکہ حکمت دریافت کرنے کے لئے ہے کہ جہاد میں طاقت وقوت شرط ہے ہم ابھی مدینہ منورہ میں نووارد ہیں ہم میں طاقت آئی نہیں جہاد کیسے کریں گے۔ یہ سوال تو فرشتوں نے بھی کیا تھا خلیفۃ اللہ کے تقرر کے وقت۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظلم پر قادر تو ہے مگر کرے گا نہیں کیونکہ اس نے اپنی تعریف یہ فرمائی کہ ہم بندوں پر ظلم نہیں کرتے اور تعریف جب ہی ہوتی ہے جب کہ برائی کر سکے مگر نہ کرے جو برائی پر قادر ہی نہ ہو تو اس کی تعریف کیسی۔ گونگے کی تعریف نہیں ہوگی کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا نامرد کی تعریف نہیں ہوتی کہ وہ زنا نہیں کرتا (معتزلہ)۔ **نوٹ:** یہ اعتراض معتزلہ کی طرف سے تفسیر کبیر نے یہاں نقل فرمایا آج فضلاء دیوبند یہ ہی اعتراض مسئلہ امکان کذب کے متعلق کرتے ہیں۔ **جواب:** یہ قاعدہ ہی غلط ہے کہ تعریف کیلئے قدرت علی الجرم ضروری ہے ورنہ رب تعالیٰ کی تعریف یہ بھی کی جاتی ہے لَمْ یَزِلْ وَلَا یَزَالُ حَیًّا قَیُّوْمًا سَمِیْعًا بَصِیْرًا اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ سمیع ہے بصیر ہے قیوم ہے تو کیا کہو گے کہ وہ مرنے گونگا بہرا اندھا ہو جانے پر قادر تو ہے مگر ایسا ہوگا نہیں۔ نعوذ باللہ۔ جیسے موت وغیرہ عیوب الوہیت کے خلاف ہیں ایسے ہی ظلم جھوٹ بھی الوہیت کے منافی ہیں رب تعالیٰ ان سے پاک ہے۔

تفسیر صوفیانہ

روح انسانی عالم انوار کا پرندہ ہے جو اس جسم کے قفس میں مقید کر دیا گیا ہے مگر یہ چڑیا اس پنجرے پر ایسی عاشق ہوگئی کہ اپنا وطن بھول گئی اب اس پنجرے سے نکلنا نہیں چاہتی چونکہ راہ حق میں جہاد وشہادت اس پنجرے کی قید سے اسے آزادی ملنے کا ذریعہ ہے تو بجائے خوش ہونے کے جہاد وشہادت سے گھبراتی ہے اس لئے کہتی ہے کہ مولیٰ تو نے جہاد کیوں فرض کیا مجھے اس قفس میں رہنے دے یہ تمام گھبراہٹیں اس ناجائز عشق ومحبت کا نتیجہ ہیں جو اسے قفس سے ہو گیا امام قشیری فرماتے ہیں کہ ہم میزبان اپنے مہمان کی خاطر تواضع خوب کرتے ہیں مگر سامان خاطر کو قلیل اور تھوڑا ہی کہتے ہیں لیکن اگر مہمان تھوڑا ہدیہ پیش کر دے تو اسے اپنے کرم سے بہت تصور کرتے ہیں رب العالمین نے ہم کو خود تو دنیا کا مالک بنایا پھر فرمایا کہ یہ بہت تھوڑی ہے لیکن اگر ہم صدق دل سے ایک پیسہ اس کی راہ میں خرچ کریں تو اسے کثیر قرار دے کر کرم وبندہ نوازی سے بخوشی قبول فرماتا ہے یہ ہے اس مولیٰ کریم کا انتہائی کرم جب دنیا خسیس ہے تو اس کا طالب اخس خسیس ہے یعنی بد سے بدتر۔ مبارک ہے وہ جو اس خسیس وقلیل دنیا کو آخرت اور رضاء مولیٰ سے وابستہ کر دے تاکہ یہ خسیس شریف بن جاوے اور قلیل کثیر ہو جاوے۔ قطرہ دریا سے مل کر دریا بن جاتا صفر عدد سے مل کر دس گناہ کر دیتا ہے یوں ہی دنیا آخرت سے مل کر دس گنا کر دیتی جس کے پاس جتنا بڑا عدد ہے اس کی دنیا اسی قدر اس کو زیادہ کرے گی۔ دنیا عقبیٰ سے مل کر نعمت لازوال ہو جاتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے برادر بے نہایت در گہے است ہر کجا کہ میرسی باللہ بایست!

مشائخ فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے آخرت کو دار الجزاء بنایا اور دنیا کو دار العمل کیونکہ ہمارے عمل تھوڑے ہیں جو چھوٹی سی دنیا میں سما جاتے ہیں مگر اس کی جزاء بہت ہی زیادہ ہے جو دنیا میں سما نہیں سکتی بڑی چیز کے لئے برتن بھی بڑا چاہیئے نیز رب تعالیٰ کی جزاء و سزا خالص ہے دنیا میں نہ راحت خالص نہ تکلیف خالص۔ خیال رہے کہ بعض کی نیکیاں قبول ہوتی ہیں۔ بعض کی رد۔ قبولیت کی علامت دنیا میں قائم کر دی گئی ہے۔ اس کا ظہور آخرت میں ہوگا قبولیت کی علامتیں تین ہیں۔ عبادات میں لذت آگے زیادتی کی توفیق اور ادا کی ہوئی عبادت پر شکر جس شخص کو یہ تین نعمتیں میسر ہوں انشاء اللہ اس کی عبادات قبول اب پڑھو یہ آیت کریمہ۔ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر نیکی کے آگے گہری گھاٹیاں ہیں جو ان گھاٹیوں کو خیریت سے طے کر گیا وہ متقی ہے۔ مجاہدہ نفس، مخالفت ھوئی، ترک دنیا پر صبر رب کی عبادات پر راحت و چین جسے یہ میسر ہے وہ متقی ہے اور متقی کی آخرت دنیا سے بہتر ہے۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ
جس جگہ بھی ہوؤ گے تم پالے گی تم کو موت اگر چہ ہوؤ تم مضبوط محلوں میں
تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آئے گی اگر چہ مضبوط قلعوں میں ہوؤ
وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ
اور اگر پہنچتی ہے ان کو بھلائی تو کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے اور اگر پہنچتی ہے ان کو برائی
اور انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور انہیں کوئی برائی پہنچے
يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ
تو کہتے ہیں یہ آپ کے پاس سے ہے تم فرمادو کہ سب کچھ اللہ کے پاس سے ہے پس کیا ہے اس
تو کہیں یہ حضور کی طرف سے ہے تم فرمادو سب اللہ کی طرف سے ہے تو ان لوگوں
الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾
قوم کو کہ نہیں قریب ہوتے کہ سمجھیں کوئی بات
کو کیا ہوا کوئی بات سمجھتے معلوم ہی نہیں ہوتے

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ بعض لوگ انسانوں سے بہت ڈرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے جہاد سے گھبراتے ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ ڈر محض بیکار بلکہ مضر ہے کیونکہ موت تو بہر حال آ کر رہے گی۔ پھر کفار سے ڈرنے جہاد

سے باز رہنے کا فائدہ کیا گویا ان کی ایک بیماری کا ذکر پہلے تھا اور اس کے علاج کا ذکر اب ہو رہا ہے کہ یہ خیال پکا لو کہ موت ضرور آوے گی تو تمہارے دل سے خوف کفار نکل جاوے گا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں منافقین کے ایک عیب کا ذکر تھا کفار سے خوف موت سے گھبراہٹ اب ان کے دوسرے عیب کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ سے بے خوفی اور اس کے محبوب ﷺ کو عیب لگانا اور کہنا کہ ان کے وجہ سے مصیبتیں آتی ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں منافقین کی بزدلی کا ذکر تھا اب ان کی حماقت و بے وقوفی کا تذکرہ ہے کہ یہ بے وقوف اس ذات کریم سے بد فالی لیتے ہیں جن کا وجود باجود کروڑ ہا نعمتوں کا ذریعہ ہے اور جن کا لقب رحمۃ العالمین ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں منافقین کے کچھ عیوب بیان ہوئے بزدلی رب تعالیٰ پر اعتراض وغیرہ اب ان تمام عیوب کی وجہ کا ذکر ہے۔ حضور ﷺ کو نہ پہچاننا حضور کے متعلق برے عقیدے رکھنا کہ تمام بے دینی کمزوری بے وقوفی ایک اسی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جو ان سے جدا ہوا ہزار ہا عیوب کا جامع بن گیا۔

شان نزول

منافقین و یہود نے شہداء اُحد کے متعلق کہا کہ اگر یہ لوگ ہمارا کہنا مانتے اور غزوہ احد میں نہ جاتے تو نہ مارے جاتے دل میں تو وہ لوگ ان کی شہادت پر خوش تھے مگر زبان سے اظہار افسوس کرتے ہوئے یہ کہتے تھے ان کی تردید میں اس آیت کا پہلا جز اَیۡنَ مَاتَکُوۡنُوۡا الخ نازل ہوئی (تفسیر خازن و روح وغیرہ) زمین مدینہ منورہ بہت سرسبز شاداب پھل فروٹ کا مخزن تھی۔ جب حضور سید عالم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ پاک میں رونق افروز ہوئے اور یہود مدینہ کو دعوت اسلام دی تو اکثر یہود نے سرکشی کرتے ہوئے حضور کی مخالفت پر کمر باندھ لی اور ان میں سے بعض لوگ تقیہ کر کے کلمہ پڑھ کر مسلمانوں میں گھس آئے اور طرح طرح سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے لگے۔ جس کی سزا میں کبھی وہاں وقت پر بارش نہ ہوتی کبھی پھل کم ہوتے جیسے کہ گذشتہ امتوں کا حال ہوتا رہا ہے تو مردود یہودی اور منافقین بولے کہ نعوذ باللہ ان صاحب (محمد رسول ﷺ) کے قدم آنے سے ہمارے ہاں کی خیر و برکت کم ہوگئی۔ یہ سب مصیبتیں ان کی آمد سے ہوئیں ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ الخ نازل ہوئی (تفسیر کبیر، خازن، مدارک، بیضاوی، روح المعانی و بیان وغیرہ)۔ خیال رہے کہ ایسی بکواس گذشتہ امتوں نے اپنے انبیاء کرام کے متعلق کی تھی۔ چنانچہ رب فرماتا ہے وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوۡا بِمُوۡسٰى وَمَنۡ مَّعَهٗ (اعراف: ۱۳۱) اور صالح علیہ السلام کی قوم کے متعلق ارشاد فرماتا ہے قَالُوا اطَّيَّرۡنَا بِكَ وَبِمَنۡ مَّعَكَ (نمل: ۴۷) ہر زمانہ کے کفار کی بکواس قریباً یکساں رہی اب بھی بعض کفار مسلمانوں کو منحوس کہتے ہیں بلکہ بعض جاہل مسلمان نمازی پرہیز گار متقی مسلمان کو منحوس اور ان کے نیک اعمال کو نحوست کہتے سنے گئے۔ یہ سب ان ہی شیاطین کا ترکہ ہے۔

تفسیر

اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا يُدۡرِكۡكُّمُ الۡمَوۡتُ ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ نیا اور علیحدہ جملہ ہے رب تعالیٰ کا مقولہ اور ہو سکتا ہے کہ یہ بھی گذشتہ آیت کے قُلۡ کا مفعول ہو۔ بحالت نصب ہو۔ اَیۡنَ حرف

استفہام ہے جو مکان کے متعلق سوال کے لئے آتا ہے بمعنی کہاں مگر جب اس کے ساتھ مَا تنکیریہ مل جاتا ہے تو بجائے استفہام مکانی کے شرط مکانی کے لئے استعمال ہوتا ہے بمعنی جہاں کہیں تَکُوْنُوْا کونٌ سے بنا بمعنی ہونا یا رہنا یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں اس میں خطاب ان ہی منافقین سے ہے جن کا قول پچھلی آیت میں نقل فرمایا گیا تھا جہاں کہیں سے مراد گھر۔ جنگل میدان جہاد اپنا بستر وغیرہ ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ خطاب ان منافقین سے ہے جو کہتے تھے کہ اگر شہداء احد ہمارے پاس رہتے اور میدان جہاد میں نہ جاتے تو نہ مارے جاتے بہر حال یہ کلام منافقین سے ہی ہے مخلص مومن تو پہلے ہی سے یہ عقیدہ رکھتے تھے (خازن) یُدْرِکْکُمْ۔ اَیْنَمَا کی جزا ہے ہے ادراک کے معنی ہیں پانا اس لئے علم کو ادراک کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ مجہول چیز پالی جاتی ہے موت سے مراد مطلقاً موت ہے۔ بستر پر پڑ کر یا میدان جہاد میں گھر میں ہو یا سفر میں موت کے معنی ہیں روح کا جسم سے نکل جانا اس کا مقابل ہے حیوٰۃ یعنی زندگی جسم میں روح کا رہنا ہلاکت اور فنا کے معنی ہیں نیستی اس کا مقابل ہے وجود یعنی ہستی یہ ہر مخلوق کو ہے لہٰذا موت و ہلاکت وفنا میں فرق ہے موت کی اقسام دوسرے پارہ میں بیان ہو چکے اور فوائد میں موت و ہلاکت کا فرق آوے گا۔ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ موت تمہارے پیچھے پیچھے پھر رہی ہے تم اس سے بھاگ کر بچ نہیں سکتے اگر چہ رزق بھی اپنے کھانے والے کو ڈھونڈتا ہے اور بندہ جہاں ہو وہاں پہنچتا ہے مگر چونکہ بندہ بھی رزق کو تلاش کرتا ہے موت کو تلاش نہیں کرتا بلکہ اس سے گھبراتا ہے اس لئے موت کے متعلق ہی یہ کلمہ یُدْرِکْکُمْ ارشاد ہوا اگر چہ کُمْ میں خطاب اس زمانہ کے منافقین و یہود سے ہے مگر اس میں تمام زمین و آسمان کے جاندار داخل ہیں کہ سواء جنت اور وہاں کی چیزوں حوروں وغیرہ کے سب کو موت وفنا ہے جنت اور جنتی چیزیں موت سے محفوظ ہیں۔ حتیٰ کہ وہاں کے پھل وغیرہ استعمال سے بھی فنا نہ ہوں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اُکُلُهَا دَائِمٌ (رعد:۳۵) جیسے دنیا میں ہوا دھوپ ہمارے استعمال سے فنا سے کم نہیں ہوتے وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ۔ وَ لَوْ کا واؤ وصلیہ ہے بمعنی اگر چہ کُنْتُمْ میں وہ ہی دو احتمال ہیں جو تَکُوْنُوْا میں تھے ہو و تم یا رہو تم بروج جمع ہے برج کی بمعنی ظہور اسی سے ہے تبرج بمعنی ظاہر ہونا باہر نکل کر اپنے کو ظاہر کرنا رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی (احزاب:۳۳) اے نبی کی بیویو اپنے کو لوگوں پر ظاہر نہ کرو باہر نہ نکلو۔ پچھلی جاہلیت کے ظہور کی طرح اب اونچی عمارت بلند قلعہ کو بھی برج کہتے ہیں کہ وہ بلندی کی وجہ سے دور سے نظر آتے ہیں سب پر ظاہر ہوتے ہیں آسمان کے بارہ حصوں کا نام بھی برج ہے وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ (البروج:۱) اور جَعَلَ فِی السَّمَاءِ بُرُوْجًا (فرقان:۶۱) یہاں قلعہ اور اونچے محل مراد ہیں۔ مُشَیَّدَةٌ۔ شَیْدٌ سے سے بنا بمعنی چونا گچ مشیدہ گچ کئے ہوئے مضبوط قلعے اسی سے ہے تشیید بمعنی پختہ کرنا پختہ بنانا بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد زمین کے مضبوط قلعے ہیں بعض نے کہا آسمان کے بروج امام سدی اور ربیع فرماتے ہیں کہ یہ آسمان دنیا میں محل ہیں (روح المعانی) یعنی اے جہاد سے ڈرنے والو یقین کر لو کہ تم جہاں کہیں رہو موت تم کو پا کر رہے گی اس

سے بچ نہیں سکتے اگر چہ تم زمین کے مضبوط او نچے قلعوں میں رہو یا آسمان کے برجوں میں پہنچ جاؤ پھر موت سے کیا ڈرنا ہے گھر پر بیمار رہ کر ایڑیاں رگڑ کر مرنے سے بہتر ہے جہاد میں شہادت کی موت مرنا وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ یہ جملہ نیا ہے جس میں منافقین اور یہود کے دوسرے عیب کا ذکر ہے حَسَنَةٌ سے مراد دنیا کی بھلائی ہے وقت پر بارش اچھی پیداوار۔ ارزاں نرخ وغیرہ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد جنگ میں فتح اور غنیمت کا حصول ہے مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے کہ شانِ نزول کے مطابق ہے يَقُوْلُوْا کا فاعل وہ ہی منافقین اور یہود ہیں جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے هٰذِهٖ سے اشارہ اس ہی حسنہ کی طرف ہے مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کا مقصد یہ ہے کہ یہ بھلائی براہ راست رب کی طرف سے ہے حضور ﷺ کا اس میں کوئی واسطہ نہیں اس لئے رب تعالیٰ نے ان کا یہ قول عیب کے سلسلہ میں بیان فرمایا ورنہ صرف اتنی بات تو سچی ہے یعنی اگر ان لوگوں کو کوئی بھلائی ارزانی، زیادہ پیداوار ہر وقت بارش وغیرہ پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ حضور کی اس میں کیا برکت ہے یہ تو رب نے بھیجی ہم کو مل گئی۔ ان کے مدینہ پاک آنے سے ہم کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے سَيِّئَةٌ سے مراد تکلیف یا تکلیف دہ چیز ہے جیسے بے وقت بارش یا خشک سالی یا گرانی پیداوار میں کمی۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد جنگ میں شکست پانا۔ زخمی ہو جانا شہادت پا جانا مگر پہلا قول قوی ہے عِنْدِكَ میں وہ حضور ﷺ سے خطاب کر رہے ہیں عِنْدِ سے ان کی مراد وجہ یا نحوست ہے یعنی اگر انہیں کبھی اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بے حیائی سے کہہ دیتے ہیں کہ اے رسول ﷺ یہ آپ کی وجہ آپ کے مدینہ منورہ تشریف لے آنے کے سبب سے ہے معاذ اللہ منہ۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ یہ ان یہود و منافقین کی آخری بکواس کا جواب ہے۔ كُلٌّ سے مراد ہر بھلائی برائی خوشی و غم آرام و تکلیف ارزانی گرانی وغیرہ ہے عند اللہ سے مراد اللہ کے ارادے اس کی ایجاد ہے یعنی ہر نیک آرام و تکلیف رب تعالیٰ کے ارادے اس کی مشیت سے ہے اگر چہ تکالیف میں تمہاری بدکاریوں کو دخل ہے اور آرام میں حضور ﷺ کی برکت شامل رب فرماتا ہے۔ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (شوریٰ:۳۰) جو مصیبت تم کو پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا وَجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَمَا كُنْتُ (مریم:۳۱)، رب تعالیٰ نے مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں بھی ہوں مرے دم قدم سے برکت ہوگی فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا۔ یہ کلام نیا ہے رب تعالیٰ کا اپنا مقولہ ہے قُلْ کے ماتحت نہیں فَمَا استفہام تعجب دلانے کیلئے ہے هٰۤؤُلَآءِ سے مراد منافقین و یہود ہیں کیونکہ یہ ایک ہی قوم تھے يَكَادُوْنَ كَوْدٌ سے بنا بمعنی قرب و نزدیکی۔ يَفْقَهُوْنَ فقہ سے بنا بمعنی سمجھ و عقل خصوصاً دینی سمجھ کو فقہ کہا جاتا ہے حدیث سے مراد یا تو رب تعالیٰ کا فرمان ہے یا حضور ﷺ کا فرمان حدیث حدث سے بنا بمعنی نو پید چیز اب بات کو حدیث کہتے ہیں کہ یہ ہمیشہ منہ سے نئی نکلتی رہتی ہے یعنی اس منافق و یہود قوم کو کیا ہو گیا کہ یہ جانوروں کی طرح کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں

ہوتے اپنی ہی کہے جاتے ہیں نہ قرآن سمجھیں نہ حضور کی حدیث یا نہ کسی کی بھلی بات ان کی عقل میں آئے یہ بالکل جانوروں کی طرح ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ (اعراف:۱۷۹)۔

خلاصۂ تفسیر اے منافقین و یہود تم غازیان و شہداء اُحد پر زبان ملامت کیوں دراز کرتے ہو اور کیوں کہتے ہو کہ اگر یہ لوگ میدان جنگ میں نہ جاتے تو شہید نہ ہوتے زندہ رہتے ہر شخص کی موت کا وقت موت کی جگہ مقرر ہے کوئی اس سے کسی تدبیر کسی حیلہ سے بچ نہیں سکتا تم جہاں کہیں رہو اپنے وقت پر تم کو موت ضرور پہنچے گی اگر چہ تم مضبوط قلعوں یا آسمان کے برجوں میں پہنچ جاؤ زندگی کیلئے کتنے ہی حفاظت کے سامان بنالو مگر مرو گے ضرور اے محبوب ﷺ ان منافقوں، یہودیوں کا کفر وعناد اور آپ سے حسد وانکار یہاں تک بڑھا ہوا ہے کہ جب انہیں کوئی دل خوش کن چیز میسر ہو جیسے ارزانی، فراخی، زیادتی پھل وغیرہ تو وہاں براہ راست میرا نام لے کر کہتے ہیں کہ یہ تو ہم کو رب کی طرف سے ملی حضور ﷺ کی برکت وغیرہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں حالانکہ آپ کے قدم کی برکت سے زمین مدینہ یثرب یعنی دارالوبا تھی وہ طیبہ و دارالشفاء بن گئی۔ یہاں کی آب وہوا میں تبدیلی ہوگئی مگر یہ اس کے منکر ہیں یہاں توحید کی آڑ لے کر کہتے ہیں کہ خدا نے ہم کو یہ نعمتیں دیں لیکن جب ان پر کوئی آفت آئے مثلاً وقت پر بارش نہ آئے یا پھل وغیرہ میں کمی ہو جاوے یا گرانی آجائے تو کہتے ہیں کہ یہ محمد مصطفےٰ ﷺ کی وجہ سے آئی جب سے مدینہ پاک میں تشریف لائے یہاں کی خیر و برکت اڑ گئی یا اگر غزوہ بدر میں فتح ہو جاوے تو کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے کرم سے ہوئی۔ حضور کی برکت اس میں شامل نہیں اور اگر جنگ احد میں مسلمانوں کو تکلیف پہنچ جاوے تو کہتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کی وجہ سے ہوئی نہ یہ ہم کو میدان احد میں لے جاتے نہ یہ نوبت آتی آپ ان کی تردید میں فرمادو کہ ہر خیر و شر، راحت و رنج، گرانی و ارزانی فتح و شکست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کے ارادہ سے سب کچھ ہوتا ہے اگر چہ اللہ کی نعمتوں میں اس کے مقبول بندوں کی برکت شامل ہوتی ہے اور اللہ کی بھیجی مصیبتوں میں تم لوگوں کی غلطیوں نافرمانیوں کو دخل ہوتا ہے ان بے وقوفوں کو کیا ہو گیا کہ اتنی ظاہر بات نہیں سمجھتے بلکہ سمجھنے کے قریب بھی نہیں ہوتے یہ تو جانوروں کی طرح ہیں جو صرف آواز سنتا ہے سمجھتا کچھ نہیں بلکہ ان سے بھی بدتر کہ جانور مالک کی آوازوں اشاروں پر عمل کر لیتے ہیں یہ اتنا بھی نہیں کرتے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کوئی زندہ موت سے بچ نہیں سکتا۔ اس کے متعلق کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی لہٰذا موت سے بچنے کی کوشش نہ کرو بلکہ موت کی تیاری کرو جتنا یہاں رہنا ہے اتنی یہاں کی فکر کرو اور جتنا آخرت میں رہنا ہے اتنی وہاں کی فکر کرو۔ **دوسرا فائدہ**: موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے اسی وقت اسی جگہ پہنچے گی لہٰذا اس کے خوف سے جہاد سے ڈرنا سخت غلطی ہے جیسا کہ یُدْرِکْکُّمْ سے معلوم ہوا جب جان جاتی ہی ہے تو بہتر ہے کہ راہ مولیٰ میں جاوے جب موت آنی ہی ہے

تو بہتر ہے کہ شہادت کے لباس میں آئے مہینوں، بیمار رہ کر بستر پر ایڑیاں رگڑ کر جان دینے سے بہتر ہے کہ اللہ کی راہ میں جان جائے جو پانچ منٹ میں فیصلہ کر دیتی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** منافق اور کافر اگر بظاہر اچھی اور درست بات بھی کہیں تو ان کی نیت فاسد ہی ہوتی ہے اور ان کی وہ بات عین کفر ہوتی ہے دیکھو بھلائی پہنچنے پر یہ لوگ اللہ کا نام لیتے تھے کہ یہ رب کی طرف سے ہے بات ٹھیک تھی مگر ان کی نیت خراب تھی وہ حضور کے توسل آپ کی برکتوں کے انکار کی نیت سے یہ کہتے تھے لہٰذا ان کے اس قول کو بھی رب تعالیٰ نے کفر قرار دیا قرآن کریم فرما رہا ہے کہ منافقین کہتے تھے کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں بات سچی کہتے تھے مگر رب تعالیٰ نے فرمایا **اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ** (منافقون:۱) یہ بڑے جھوٹے ہیں کیونکہ ان کی نیت خراب ہے زمانہ فاروقی میں ایک امام ہر رکعت میں ہر نماز میں سورۃ **عَبَسَ وَتَوَلّٰۤی** ہی پڑھا کرتا تھا۔ حضرت عمر نے اسے کافر قرار دیا اور قتل کرا دیا دیکھو تفسیر کبیر وغیرہ سورۃ **عَبَسَ** اس آیت کریمہ اور ان آیات سے موجودہ توحید یئے وہابی عبرت پکڑیں جو حضور ﷺ کے احسانات کا انکار کرنے کی نیت سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ہی نام لیتے ہیں ان کا یہ ہر وقت اللہ اللہ کرنا فریب ہے بیشک ہر نعمت رب تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے مگر ملتی ہے حضور ﷺ کے ہاتھ سے ان ہی کے دم قدم سے آفتیں ٹلتی ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ** (انفال:۳۳)۔ **چوتھا فائدہ:** موت یعنی جسم سے جان کا نکلنا ہر جاندار کے لئے ہے فرشتہ ہو یا جن یا انسان آسمان پر رہتا ہو یا زمین پر جیسا کہ **یُدْرِكْكُّمُ** کے عموم سے معلوم ہوا رب فرماتا ہے **كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ** (آل عمران:۱۸۵)۔ موت کا مقابل حیوٰۃ ہے یعنی جان کا جسم میں رہنا مگر فنا و ہلاکت یعنی نیستی ہر مخلوق کیلئے ہے ہر مخلوق جاندار ہو یا غیر جاندار لائق فنا ہے اس کا مقابل ہے وجود رب فرماتا ہے **كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ** (قصص:۸۸)۔ سواء ذات باری سب فانی الذات لائق فنا ہیں ان میں سے بعض چیزیں فانی بالفعل نہیں جیسے ارواح جنت و دوزخ اور وہاں کے سامان کہ یہ چیزیں اگرچہ لائق فنا ہیں مگر ان کو فنا نہیں رب فرماتا ہے **فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ** (الزمر:۶۸) تین چیزوں میں فرق کرنا ضروری ہے موت۔ امکانی فنا۔ فعلی فنا موت ہر فرشتہ جن و انس کو ہے امکانی فنا ہر ماسوی اللہ کو فعلی فنا یعنی مٹ جانا ارواح جنت دوزخ وغیرہ کے ماسوا کو ہے۔ **پانچواں فائدہ:** جمال مصطفوی ایک ہے مگر دیکھنے والی آنکھیں مختلف اس زمانہ پاک میں صدیقین تو کہتے تھے حضور کی تشریف آوری سے ہمارا یثرب مدینہ شریف بن گیا یہاں کی خاک شفا یہاں کی آب و ہوا علاج ہو گئے مگر منافقین و یہود یعنی زندیقین کہتے تھے کہ حضور کے قدم سے مدینہ کی برکتیں اڑ گئیں ہمارا عقیدہ تو یہ ہے۔

انسانیت کو فخر ہوا تیری ذات سے! بے نور تھا فرد کا ستارہ ترے بغیر (اعظم)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

کوئی جان بس کے مہک رہی کسی دل میں اس سے کھٹک رہی!
نہیں اس کے جلوے میں یک رہی کہیں پھول ہے کہیں خار ہے!

ہم نے عرض کیا ہے۔

طیبہ کی زینت ان ہی کے دم سے کعبہ کی رونق ان کے قدم سے
کعبہ ہی کیا ہے سارے جہاں میں دھوم ہے ان کی کون و مکاں میں

یعنی حضور کے دم قدم سے مدینہ کے باشندے آپس میں شیر وشکر ہو گئے حضور کے دم سے مدینہ تمام دنیا کا ملجا و ماوٰی بن گیا حضور کی وجہ سے مدینہ کی صدہا تاریخیں لکھی گئیں اور یہ تاریخی مقام ہو گیا حضور کی وجہ سے مدینہ کی تعریف میں ہزار ہا قصیدے لکھے گئے کسی شہر کو یہ عزت نہ ملی حضور کی وجہ سے مدینہ کی طرف تمام مخلوق کھنچنے لگی حضور کے قدم سے مدینہ کو مدینہ منورہ کہا جانے لگا یہ سب بہاریں ان کے دم قدم کی ہیں۔ **چھٹا فائدہ**: کسی مصیبت یا آفت کو حضور ﷺ کی طرف نسبت کرنا کہ ان کی وجہ سے یا ہم نے جو ان کی غلامی اختیار کی کہ ہم مسلمان ہو گئے اس سے یا نماز کی وجہ سے یہ آفات آئیں یہ کفر ہے دیکھو رب تعالیٰ نے اس قول کو یہود و منافقین کی کفریہ عبادات میں شمار فرمایا۔ مسلمانوں کو بہت احتیاط چاہیے بعض لوگ غلطی سے ایسی بیہودہ باتیں کہہ دیتے ہیں۔ **ساتواں فائدہ**: کافر و بے دین اگر چہ کتنا ہی عاقل ہو مگر اللہ کے نزدیک جانور سے زیادہ ناسمجھ ہے دیکھو یہود مدینہ اور منافقین اپنے کو بڑا عاقل سمجھتے تھے مگر رب تعالیٰ نے انہیں فرمایا **لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا**۔ مومن خواہ کتنا ہی سیدھا سادھا ہو مگر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عقلمند ہے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ معلوم ہوا کہ موت ہر جگہ پہنچ جاتی ہے اس سے کہیں امان نہیں تو حضرت عیسیٰ و ادریس علیہم السلام موت سے کیسے بچ گئے کہ وہ تو چہارم آسمان پر پہنچ گئے اور ادریس علیہ السلام جنت میں زندہ ہی داخل ہو گئے اور موت سے بچ گئے یہ عقیدے قرآن کریم کی اس آیت کی خلاف ہیں۔ **جواب**: وہ دونوں حضرات بھی موت سے نہیں بچے ادریس علیہ السلام تو موت پا کر پھر زندہ ہو کر جنت میں گئے اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے تشریف لا کر زمین پر چالیس سال رہ کر وفات پائیں گے کسی مسلمان کا ان دونوں بزرگوں کے متعلق یہ عقیدہ نہیں کہ انہیں موت نہیں جیسے آدم علیہ السلام جنت میں رہے پھر وہاں سے آ کر دنیا میں رہ کر انہوں نے وفات پائی۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ موت سب کے لئے ہے مگر تم لوگ انبیاء کو شہداء کو زندہ مانتے ہو۔ مسئلہ حیات النبی اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ **جواب**: موت یعنی روح کا جسم سے نکل جانا سب کے لئے ہے کوئی نبی ولی اس سے علیحدہ نہیں مگر موت بمعنی روح کا جسم کو چھوڑ دینا جس سے جسم بالکل بیکار بے حس بے شعور ہو کر

گل سڑ جاوے اللہ کے خاص بندوں کو نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے بَلْ اَحْیَاءٌ وَّ لٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (بقرہ:۱۵۴) اور فرماتا ہے فَلَا تَکُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ (السجدہ:۲۳)۔ آپ موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں شک نہ کریں اور فرماتا ہے وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَا (زخرف:۴۵)۔ اے محبوب گذشتہ رسولوں سے پوچھ لیں پتہ لگا کہ مقبول بندے بعد وفات زندہ ہیں ایک دوسرے سے ملاقات سلام و کلام کرتے ہیں۔ اس مسئلہ حیات النبی کی تحقیق ہماری کتاب درس القرآن اور مرآۃ شرح مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ملاحظہ فرماؤ۔

تیسرا اعتراض: جب کوئی شخص موت سے بچ نہیں سکتا موت اپنے وقت پر آنی ہی ہے تو چاہیئے کہ زندگی اور صحت کی حفاظت بھی نہ کی جاوے حالانکہ سارے مسلمان بلکہ بزرگانِ دین زندگی کی حفاظت کرتے رہے۔

جواب: زندگی صحت اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور اس کی نعمتوں کی قدر دانی کرنی لازم ہے حفاظت بھی قدر دانی کی ایک قسم ہے آیۃ کریمہ کا منشاء یہ ہے کہ زندگی کی محبت میں جہاد حج نماز وغیرہ نہ چھوڑ دے تمام اسباب حفاظت پر عمل کرے مگر جب جان کی قربانی اسلام پر کرنی پڑے تو اس سے دریغ نہ کرے رب تعالیٰ فرماتا ہے لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ (بقرہ:۱۹۵)۔ یہ ہے جان کی حفاظت کا حکم جان کی حفاظت اور چیز ہے اور جان کو اللہ رسول کے حکم پر قربان کر دینا دوسری چیز۔

چوتھا اعتراض: رب تعالیٰ نے یہاں یہود و منافقین کی ناجائز گفتگو کے سلسلہ میں اس کا بھی ذکر فرمایا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ یہ نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں یہ تو بالکل صحیح بات ہے پھر اس پر عتاب کیوں فرمایا۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر اور فائدوں میں گذر گیا کہ اس گفتگو سے ان کا منشا حمد الٰہی نہ تھا بلکہ حضور ﷺ کے برکات کا انکار تھا اس لئے یہ بات بھی کفر تھی دیکھو رب تعالیٰ منافقین کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ کہتے ہیں اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (بقرہ:۸) ہم اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لے آئے مگر ساتھ ہی فرماتا ہے۔ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ (بقرہ:۸)۔ یہ لوگ مومن نہیں کیوں اس لئے کہ آپ پر ایمان نہیں لائے جو حضور ﷺ کو چھوڑ کر سب کچھ مانے وہ کافر ہے جیسے ابلیس۔

پانچواں اعتراض: یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے اس میں ان یہود کی ایک بات کی تصدیق فرما دی پھر ان کا وہ کلام کفر کیوں ہوا۔ **جواب**: یہاں مسبب اسباب حقیقی کا ذکر ہے اسباب کی نفی نہیں یعنی حقیقتاً ہر خیر و شر رب تعالیٰ کی طرف سے اس کے ارادے سے ہے مگر عالم اسباب میں ہم پر آفات ہمارے گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں اور رحمتیں مقبول بندوں کے توسل سے وہ اس کے انکاری تھے لہٰذا کافر تھے غرضیکہ کلام ایک ہے مگر کلام والے کے اعتبار سے حکم مختلف۔

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ نے موت کی عمر موت کا مرض موت کا وقت اور موت کی جگہ ہم لوگوں سے مخفی رکھی ہے تاکہ ہم لوگ ہمیشہ اس کی تیاری کریں اور ہر سانس کو آخری سانس سمجھیں فرمایا نبی ﷺ نے کہ اکثر موت کو یاد کرتے رہو موت کی یاد دنیا میں شاغل ہونے آخرت سے غافل ہونے سے بچاتی ہے مگر غافل نفس کو دراز وعظ اور اعلیٰ الفاظ کی ضرورت ہے اس لئے قرآن کریم میں موت کا ذکر مختلف عنوانوں سے مختلف مقامات پر کیا گیا ہے۔ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

جہاں اے برادر نہ ماند بہ کس ‏ ‏ دل اندر جہاں آفریں بندو بس!

نہ برباد رفتے بہ ہر صبح و شام ‏ ‏ سریر سلیمان علیہ السلام

تو آخر ندیدی کہ برباد رفت ‏ ‏ خنک آنکہ شاد آمد و شاد رفت

یہاں رب تعالیٰ نے غافل بندوں سے فرمایا کہ اے اللہ کے بندو اضطراری موت سے پہلے موت اختیاری سے مرجاؤ۔ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا اگر تم نے اختیاری موت اختیار نہ کی تو گھاٹے میں رہو گے کہ موت اضطراری تو بہرحال تم کو پہنچے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں یعنی قوی جسموں میں ہو۔ ولہٰذا ان جسمانی قلعوں کی مضبوطی کی فکر میں ہر وقت نہ رہو مرنے سے پہلے وہاں کی تیاری کرو مگر ان غافل اندھے لوگوں کی غفلت کا یہ حال ہے کہ دنیا کی کوئی حالت انہیں بیدار نہیں کرتی آرام میں یہ تو کہتے ہیں کہ یہ رب نے دیا مگر رب کو راضی کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور مصیبتوں میں اپنے گناہوں پر نظر نہیں کرتے بے گناہ بندوں کے سر اس کا الزام لگاتے ہیں ایسے غافل کس طرح ہوشیار ہو سکتے ہیں اور کب نیند سے جاگ سکتے ہیں۔ رب تعالیٰ بیداری نصیب فرمادے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ آنکھ میں یہ نقص ہے کہ وہ دوسرے کا عیب دیکھتی ہے اپنا عیب اسے نظر نہیں آتا مگر دوسرے کا واقعی عیب دیکھتی ہے کسی کو عیب لگاتی نہیں۔ نفس میں یہ عیب ہے کہ اسے اپنے عیب نظر نہیں آتے بلکہ اپنے عیب خوبیاں معلوم ہوتے ہیں اور دوسرے کی خوبیاں اسے عیب نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی اصلاح بہت مشکل ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چشم بیند ہر کم و ہر بیش را ‏ ‏ لیک نتواند کہ بیند خویش را

ان منافقین و یہود پر ان کا نفس غالب تھا جس کی وجہ سے وہ مسلمانوں بلکہ اللہ کے محبوب ﷺ کو عیب لگاتے تھے کہ ہم پر تکالیف ان کی وجہ سے آتی ہیں حالانکہ رب تعالیٰ نے انہیں عیوب سے بری اور تمام صفات سے موصوف فرمایا مگر مومن کہتے تھے۔

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ کُلِّ عَیْبٍ ‏ ‏ کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءُ

آج جس شخص میں یہ عیب ہو کہ بے عیبوں کو عیب لگائے وہ تمام عیوب کا جامع ہو جاوے گا یہ آیت بہت سے کلمہ گو بے دینوں کے لئے باعث عبرت ہے۔

مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ
جو پہنچے تجھ کو کوئی بھلائی تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو پہنچے تجھ کو کوئی
اے سننے والے تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی
سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ ط وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ط وَ
برائی تو تیرے نفس کی طرف سے ہے اور بھیجا ہم نے آپ کو واسطے لوگوں کے پیغمبر اور
پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے اور اے محبوب ہم نے تمہیں سب لوگوں کے لئے رسول بھیجا
کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا (۷۹) مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج
کافی ہے اللہ گواہ جو فرمانبرداری کرے رسول کی پس بیشک اس نے فرمانبرداری کی اللہ کی
اور اللہ کافی ہے گواہ جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا
وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ط (۸۰)
اور جو منہ پھیرے تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر محافظ
اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچانے کو نہ بھیجا

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں منافقین اور یہود کے غلط عقائد کا ذکر تھا کہ وہ بلاؤں کو حضور علیہ السلام کی طرف نسبت کرتے ہیں اب اس آیت میں ان کی غلطی کی اصلاح فرمائی جا رہی ہے کہ دنیاوی مصیبتیں ہمارے محبوب کی وجہ سے نہیں بلکہ تمہاری اپنی بدعملیوں کی وجہ سے ہیں۔ ان کی برکت سے تم عذاب آنے سے بچے ہوئے ہو۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ ہر رحمت و زحمت اللہ کی طرف سے ہے جس سے شبہ ہوتا تھا کہ بندہ بے قصور ہے اب اس آیۃ میں یہ شبہ دور فرمایا جا رہا ہے کہ آفات و بلیات میں بندے کی اپنی بدعملی کو بھی دخل ہے وہ بے قصور نہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں عقیدہ اسلامیہ کا ایک رکن ذکر فرمایا گیا کہ خالق خیر و شر اللہ تعالیٰ ہے کہ فرمایا گیا کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اب اس آیت کریمہ میں عقیدے کے دوسرے رکن کا ذکر ہے کہ شر بندے کے کسب سے ہے خلق و کسب میں فرق فرمانے کیلئے یہ آیت کریمہ ارشاد ہوئی۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں واقعہ کا ذکر تھا کہ ہر خیر و شر رب کے حکم و ارادے سے ہے اب بندوں کو ادب کی تعلیم ہے کہ خیر کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کرو اور شر کو اپنی طرف کہ اس بارگاہ کا ادب یہ ہی ہے۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیت میں حمد الٰہی کا ذکر تھا اب

ان آیات میں نعت مصطفوی کا تذکرہ ہے کہ محبوب ہم ہر خیر وشر کے خالق ہیں اور تم ساری مخلوق کے رسول چونکہ حمد الٰہی بغیر نعت مصطفوی کے مکمل نہیں ہوتی اسی لئے حمد کے بعد نعت کا ذکر ہوا۔

شان نزول

ایک بار حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے رب تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی تو منافقین آپس میں بولے کہ یہ شرک کی تعلیم ہے حضور ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو اسی طرح خدا مان لیں جیسے عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مان لیا تب حضور ﷺ کی تائید اور ان مردودوں کی تردید میں یہ آیت کریمہ مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ الخ نازل ہوئی (خازن، روح المعانی، روح البیان وغیرھا) روح المعانی نے فرمایا کہ منافقین نے حضور ﷺ کو شرک کہا اور بولے کہ حضور فرماتے تو یہ ہیں کہ غیر خدا کی عبادت نہ کرو اور خود معبود بنا چاہتے ہیں۔

نوٹ

آج جو وہابیوں کو حضور ﷺ کی تعریف و تعظیم میں شرک نظر آتا ہے کہ حضور ﷺ کی تعریف پر شرک کے فتوے دیتے ہیں یہ بیماری آج کی نہیں بلکہ بڑی پرانی ہے یہ بیماری زمانہ نبوی میں منافقین کو بھی تھی جو وراثت کے طور پر ادھر منتقل ہوئی۔

ذکر روکے فضل کاٹے کا جویاں رہے　　　پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس بیماری سے بچائے حضور کی نعت تو مدار ایمان ہے کلمہ طیبہ کا دوسرا جزء ہے محمد رسول اللہ یہ حضور کی نعت ہی تو ہے۔

تفسیر

مَاۤ اَصَابَکَ مِنۡ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ: حق یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنا کلام ہے اَصَابَکَ میں خطاب عام انسان سے ہے نہ کہ حضور ﷺ سے مِنۡ جارہ مَا کا بیان ہے حَسَنَۃٍ سے مراد یا تو اُخروی راحت آرام وغیرہ ہیں یا دنیاوی نعمتیں مراد ہیں جیسے ارزانی وقت پر بارش صحت امیری وغیرہ مَا اَصَابَ الخ مبتداء ہے اور فَمِنَ اللّٰہِ اس کی خبر مِنۡ کے بعد ایک لفظ پوشیدہ ہے یعنی مِنۡ اِرَادَۃِ اللّٰہِ یا مِنۡ خَلۡقِ اللّٰہِ یا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ یا مِنۡ نِعۡمَۃِ اللّٰہِ یعنی اے عام انسان تجھے دنیا میں جو نعمت پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اللہ کے خلق اللہ کے فضل اللہ کی مہربانی سے ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہاں قل پوشیدہ ہو یعنی ان نعمتوں کے ملنے پر کہا کرو کہ یہ اللہ کی طرف سے اس کے کرم سے ہیں نہ کہ محض میرے اپنے کمال سے بعض مفسرین نے کہا کہ یہ عبارت گذشتہ جملہ کا بیان ہے اور یہ بھی منافقین کا مقولہ ہے جو رب نے نقل فرمایا۔ اَصَابَکَ میں خطاب حضور ﷺ سے ہے اور معنی یہ ہیں کہ وہ منافقین یہ بھی کہتے ہیں کہ اے محمد ﷺ آپ کو جو راحت وخوشی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو آپ کو رنج وغم مصیبت وبلا پہنچے وہ آپ کی ذات کی طرف سے ہے یعنی وہ آپ کو معصوم نہیں مانتے (خازن، روح المعانی) مگر یہ تفسیر بہت ہی بعید ہے بعض نے کہا کہ یہاں حسنہ سے مراد ہے نیک اعمال اور سیئہ سے مراد ہے برے اعمال مگر یہ بھی بعید ہے ورنہ یوں ارشاد ہوتا۔

وَمَا اَصَبْتَ مِنْ حَسَنَةٍ اور اَصَابَکَ نہ ہوتا۔ قوی تفسیر وہ ہی ہے جو ابھی عرض کی گئی وَ مَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ یہ عبارت پہلی عبارت پر معطوف ہے اور اس کی تفسیر بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کی گئی کہ یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے نہ کہ منافقین کا اور اس میں بھی عام انسان سے خطاب ہے نہ کہ حضور ﷺ سے اور سیئہ سے مراد یا دنیاوی بلائیں مصیبتیں تکالیف ہیں یا اخروی عذاب مراد جیسے قبر کی تنگی اندھیرا وغیرہ اور قیامت کی وحشت دہشت بعد قیامت دوزخ کی تکالیف چونکہ آخرت کی نعمتیں وعذاب یقینی ہیں اس لئے اَصَابَ فعل ماضی ارشاد ہوا اور مِنْ نَّفْسِکَ میں بھی ایک لفظ پوشیدہ ہے کسب یا ذنب یا شوم وغیرہ یعنی اے انسان جو تجھے آفت وبلا پہنچے وہ عموماً تیری اپنی بدکاری بدعملی اور اپنے کسب کے سبب سے ہے یعنی ہے تو وہ بھی رب تعالیٰ کے ارادے سے مگر تیرے اپنے کسب کی وجہ اور سبب سے اور ہوسکتا کہ یہاں بھی قل پوشیدہ ہو یعنی مصیبت آنے پر یہ کہا کرو یہ تیرے نفس کی طرف سے ہے یہ ہی بارگاہ الٰہی کا ادب ہے کہ بھلائی کو اس کی طرف نسبت کی جاوے اور برائی کو بندہ اپنی طرف نسبت کرے۔ وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا یہ مستقل علیحدہ جملہ ہے اور اَرْسَلْنَاکَ میں خطاب نبی ﷺ سے ہے، ہم لوگ دنیا میں صرف پیدا ہوئے اور حضور ﷺ پیدا بھی ہوئے اور بھیجے بھی گئے اسی لئے ہم صرف مخلوق ہیں اور حضور مخلوق بھی ہیں رسول بھی ہیں لِلنَّاسِ میں لام نفع کا ہے یعنی آپ کی رسالت لوگوں کے نفع کے لئے ہے کہ لوگ آپ کی اطاعت کر کے جنتی بنیں چونکہ جنت صرف انسانوں کیلئے ہے دوسری مخلوق کیلئے نہیں اس لئے بطور حصر انسانوں ہی کا ذکر ہوا کہ انسانوں ہی کے نفع کے لئے آپ رسول بنائے گئے جیسے رب تعالیٰ نے اپنے لئے فرمایا رَبِّ النَّاسِ مَلِکِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ (الناس:۳) حالانکہ وہ تمام مخلوق کا رب ملک اور الله ہے یا جیسے فرماتا ہے خَلَقَ لَکُمْ مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (بقرہ:۲۹) حالانکہ زمینی چیزوں سے سب مخلوق نفع اٹھاتی ہے۔ ناس سے مراد یا تو حضور کے زمانہ سے قیامت تک کے سارے انسان ہیں۔ عربی ہوں یا عجمی یورپ کے ہوں یا ایشاء کے اور یا از آدم علیہ السلام تا قیامت سارے انسان مراد ہیں جن میں حضرات انبیاء ان کی امتیں سب ہی داخل ہیں فقیر کے نزدیک یہ دوسری بات قوی ہے کہ حضور سب کے رسول ہیں بلکہ رسولوں کے بھی رسول ہیں اس لئے تمام رسولوں سے بھی حضور کی اطاعت کا عہد لیا گیا اور قیامت میں سب حضور کا منہ دیکھیں گے یعنی اے محبوب ہم نے آپ کو تمام لوگوں کا رسول بنا کر بھیجا۔ خیال رہے کہ لِلنَّاسِ میں الف لام استغراقی ہے اور لِلنَّاسِ کا لام خصوصیت کا نہیں لہٰذا آیت کریمہ کے یہ معنی نہیں کہ آپ صرف انسانوں کے رسول ہیں دیگر مخلوق کے رسول نہیں حضور ﷺ تمام خدائی کے رسول ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (فرقان:۱) لہٰذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں۔ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا اس جملہ کی تفسیر بارہا ہو چکی یہاں یا تو حضور کی نبوت پر رب کی گواہی مراد ہے یا بندوں کے نیک و بداعمال پر گواہی یا منافقین و یہود کی مذکورہ بکواس پر گواہی مراد یعنی اے محبوب تمہاری نبوت تمہاری سچائی پر الله کی گواہی کافی ہے کہ اس نے تمہارے معجزات قرآنی آیات گذشتہ کتابوں کی خبروں کے ذریعہ تمہاری نبوت ایسی ثابت فرمادی کہ کسی کو اس میں تامل کی گنجائش نہ

رہی یا اللہ تعالیٰ تمام بندوں کے ہر نیک و بد اعمال پر کافی گواہ ہے کہ اس کے فرشتے اور فرشتوں کی تحریر میں خود ان کے اعضاء ہاتھ پاؤں بلکہ زمین و آسمان ان کے اعمال پر گواہ ہیں یا ان منافقین و یہود کی بدتمیزی پر خود رب تعالیٰ گواہ ہے دوسرے گواہوں پر جرح ہو سکتی ہے مگر جب حاکم خود گواہ ہو تو اس پر جرح قدح کیسی وہ انہیں سخت سزا دے گا۔ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ یہ جملہ نیا ہے۔ حضور کی رسالت عامہ ثابت فرمانے کے بعد حضور کے مطاع مطلق ہونے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے گویا پہلے حضور کی عطا کا ذکر تھا اب اس کے شکریہ میں اطاعت واجب ہونے کا ذکر ہے یا رسالت عامہ کے بعد حضور کے استغناء کا ذکر ہے کہ سارا عالم تمہارا حاجت مند ہے تم سب سے مستغنی مَنْ سے مراد سارے انسان ہیں جو حضور کی امت ہیں جن کا ذکر لِلنَّاسِ میں ہو چکا اور ممکن ہے کہ اس سے مراد سارے جن و انس و فرشتے وغیرہ ہوں۔ دوسری توجیہ قوی ہے يُطِعِ اطاعت سے بنا جس کے معنی اور اطاعت و عبادت میں فرق بیان ہو چکا یہاں اطاعت سے مراد حضور کے احکام، اعمال، افعال غرضیکہ تمام چیزوں میں فرمانبرداری ہے کیونکہ اطاعت بغیر کسی قید کے ذکر ہوئی الرَّسُولَ سے مراد حضور ﷺ ہیں جیسا کہ ابھی پچھلی آیت سے معلوم ہو چکا یعنی جس انسان نے یا جس مخلوق نے ان رسول ﷺ کی کسی قسم کی فرمانبرداری کی اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ اطاعت و فرمانبرداری کی کیونکہ ان کے سارے کام و کلام رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے اس اطاعت کا تاکیدی حکم دیا۔ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَا اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا یہاں مَنْ سے مراد یا صرف انسان ہیں یا جن و انس کیونکہ سواء جن و انس کے کوئی بھی حضور کے حکم سے سرتابی نہیں کرتا تَوَلّٰى ولی بمعنی قرب سے بنا تَوَلّٰى کے معنی ہیں دور ہونا یا منہ پھیرنا حفیظ بمعنی محافظ ذمہ دار ہے۔ خیال رہے کہ مَنْ تَوَلّٰى کی جزاء پوشیدہ ہے اور فَمَا کی ف تعلیلیہ ہے۔ مَا اَرْسَلْنَا اس پوشیدہ جزاء کی علت ہے یعنی اے محبوب ﷺ جو کوئی آپ کی اطاعت سے منہ پھیرے تو آپ غم نہ کریں کیونکہ ہم نے آپ کو رسول بنایا ہے ہمارے احکام پہنچانے والا ان کے اعمال کا ذمہ دار نہ بنایا نہ آپ سے ان کے اعمال کے متعلق کچھ پوچھ گچھ ہوگی ہم نے جو معنی کئے اس سے یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ بعض مفسرین نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ جو آپ کے حکم سے منہ پھیرے آپ اس سے کچھ تعلق نہ رکھیں کیونکہ آپ ان کے ذمہ دار نہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ عبارت جہاد کی آیات سے منسوخ ہے کہ اب تو مخالفین و کفار پر فوج کشی ہوگی مگر فقیر کی تفسیر قوی ہے کیونکہ یہ آیت جہاد کے احکام آچکنے کے بعد کی ہے۔

خلاصہ تفسیر

اس آیت کی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس کے پہلے جملہ کی تین تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اے انسان آخرت میں جو بھلائی تجھے پہنچے گی وہ تیرے اعمال پر موقوف نہیں اللہ کے کرم سے ہوگی اور جو عذاب و مصیبت تجھے پہنچے وہ اللہ کے ظلم سے نہیں بلکہ تیری اپنی شامت اعمال سے ہے اللہ تعالیٰ وہاں کی نعمتیں تو بغیر اعمال کے بھی دے گا مسلمانوں کے چھوٹے بچے، دیوانہ لوگ اسلام لاتے ہی مرجانے والے بغیر عمل ہی جنت پائیں گے اور عاملین کو بھی عمل سے کہیں زیادہ نعمتیں ملیں گی نیز اعمال کی توفیق و قبولیت اس کے کرم سے ہے مگر وہ تم کسی کو بغیر گناہ سزا نہ

دے گا۔ وہاں کی سزا جرموں کی وجہ سے ہوگی دوسرے یہ کہ دنیا میں جو نعمت تجھے ملے تو کہا کر کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تکلیف تجھے پہنچے تو کہا کر یہ میرے نفس کی طرف سے ہے کہ اسی کا نام ادب ہے، تیسرے یہ کہ اے انسان تو یقین رکھ کہ جو کچھ نعمت وراحت وخوشی تجھے پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہوتی ہے لہٰذا تو ہر نعمت کا شکر یہ ادا کیا کر اور جو مصیبت و بلا تجھ پر نازل ہوتی ہے وہ عام طور پر تیری بدعملیوں وشامت نفس کی وجہ سے ہوتی ہے کہ تو گناہ و غلطی کر لیتا ہے۔ اسی کی وجہ سے تجھ پر آفت آجاتی ہے چنانچہ ترمذی نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ انسان کو جو چھوٹی بڑی تکلیف پہنچتی ہے وہ عموماً اس کے گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ تو بہت کچھ معاف فرمادیتا ہے اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کی جو معمولی سی تکلیف تجھے پہنچے وہ تیرے گناہ کی وجہ سے ہے اور اے محبوب ﷺ یہ فرمان لوگوں کیلئے ہے آپ کے لئے نہیں کیونکہ ہم نے تو آپ کو تمام ہی لوگوں کا رسول بنا کر بھیجا۔ آپ لوگوں کی اصلاح کیلئے تشریف لائے اگر آپ ہی معاذ اللہ گناہ کرنے لگیں تو لوگوں کو گناہ سے کیسے بچائیں اللہ تعالیٰ آپ کی نبوت پر کافی گواہ ہے اس لئے اس نے آپ کے معجزات قرآنی آیات دوسری کتابوں کی تصریحات سے آپ کی نبوت ثابت فرمادی یا اللہ تعالیٰ تمام بندوں کے ہر نیک وبد اعمال پر گواہ ہے یا یہود ومنافقین جو آپ کی مخالفت کرتے رہتے ہیں رب تعالیٰ اس کا مشاہدہ فرما رہا ہے انہیں سخت سزا دے گا۔ خیال رکھو رسول اللہ ﷺ کو رب تعالیٰ سے اتنا خصوصی قرب ہے کہ جس نے ان کے اقوال، اعمال، افعال میں اطاعت کی اس نے براہ راست اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جو کوئی آپ سے منہ موڑے تو آپ غمگین نہ ہوں کیونکہ آپ ان کے رسول ہیں آپ کا کام ہے پیغام پہنچانا راہ دکھانا عمل کرانا آپ کے ذمہ نہیں نہ آپ سے اس کے متعلق کچھ سوال ہوگا پہنچانا آپ کے ذمہ ہے توفیق دینا پھر حساب لینا ہمارا کام ہے۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: ہر خیر وشر رب تعالیٰ کی طرف سے ہے مگر خیر اس کے فضل سے ہے اور شر اس کے عدل سے شر میں ہماری بدعملیوں کو ضرور دخل ہے جیسا کہ مِنۡ نَفۡسِکَ سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ کو جو تکالیف پہنچتی ہیں وہ معاذ اللہ ان کے گناہوں کی وجہ سے نہیں ہوتیں وہ تو معصوم یا محفوظ ہیں بلکہ وہ امتحان ترقی درجات کے لئے ہوتی ہیں یہ فائدہ بھی مِنۡ نَفۡسِکَ کے ک خطاب سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: حضور ﷺ کی نبوت سے ساری مخلوق خصوصاً انسانوں کو بہت بڑا دائمی فائدہ پہنچا جیسا کہ لِلنَّاسِ کے لام سے معلوم ہوا کہ لام نفع کا ہے حضور کی نبوت سے انسانوں نے ایمان، عرفان، ولایت، مجاہدہ، مشاہدہ غوثیت وقطبیت وغیرہ نعمتیں تو دنیا میں حاصل کیں اور جنت، حور وقصور رضاء رب غفور آخرت میں حاصل کریں گے۔ دوسری مخلوق کو صرف ایمان کی دولت حضور سے ملی کامل نفع صرف انسان نے اٹھایا۔ **چوتھا فائدہ**: حضور ﷺ سارے اگلے پچھلے انسانوں کے رسول ہیں حضرات انبیاء ہوں یا ان کی امتیں جیسا کہ لِلنَّاسِ کے عموم یا الف لام استغراقی سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: حضور ﷺ کی اطاعت

مطلقاً واجب ہے ان کا حکم سمجھ میں آئے یا نہ آئے قرآنی آیات کے خلاف ہو یا موافق کسی مسلمان کو اس میں چون و چرا کرنے کی گنجائش نہیں بحکم قرآنی مسلمان مرد کو چار بیویاں کرنا درست ہے مگر فاطمہ زہرا کی موجودگی میں حضرت علی کو دوسرا نکاح کرنا حرام رہا۔ کیوں اس لئے کہ انہیں حضور نے اس سے منع فرمادیا ہر معاملہ میں دو مردوں کی گواہی بحکم قرآن ضروری ہے مگر حضرت خزیمہ کی ایک گواہی دو گواہیوں کی برابر ہوگئی کیوں اس لئے کہ حضور نے ایسا ہی فرمادیا یہ ہے **مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ** کی شرح اس کیلئے ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ کا مطالعہ فرماؤ۔ **چھٹا فائدہ**: حضور ﷺ معصوم مطلق ہیں کہ آپ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر حکم ہر کام کی پیروی کرنے کا حکم دیا اور ان کی ہر اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا اگر آپ سے کوئی گناہ ہوتا تو اس میں آپ کی اطاعت رب کی ناراضگی کا باعث ہوتی نہ کہ رب کی اطاعت (تفسیر کبیر)۔ **ساتواں فائدہ**: حضور ﷺ تمام صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں اور رب کی صفت غناو بے نیازی بھی ہے حضور اس صفت کے بھی مظہر ہیں جیسے تمام انسان اگر نافرمان ہو جاویں تو رب تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں ایسے ہی تمام مخلوق کے کفر سے حضور کا کوئی نقصان نہیں جیسا کہ **فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ** الخ سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور قرآن مجید پر عمل صرف حضور کی پیروی سے ہو سکتے ہیں اور براہ راست نہ کوئی رب کی اطاعت کرسکتا ہے نہ قرآن پر عمل کرسکتا ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ اللہ کے سارے فرائض وضو، نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ حضور کے بیان سے معلوم ہوئے ورنہ ہمیں خبر نہ تھی کہ کونسی عبادت کیسے کریں اور نہ ان پر عمل ہم سے ممکن تھا اسی لئے حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ (خازن کبیر وغیرہ) **ضروری نوٹ**: خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت حضور کی اطاعت نہیں۔ مگر حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے یہ فرق بہت خیال میں رکھنا چاہئے۔ حضور رب تعالیٰ کے فرمانوں کے شارح ہیں۔ **نواں فائدہ**: ہمیشہ انسان خیر کو رب کی طرف نسبت کرے اور شر کو اپنی طرف اگرچہ خالق سب کا رب تعالیٰ ہی ہے مگر ادب اس بارگاہ کا یہ ہی ہے جیسا کہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ**: کسی مصیبت پر رب تعالیٰ کی شکایت نہ کرے بلکہ توبہ استغفار کرے۔ حضرت ابوبکر صدیق کے دانت میں سات سال درد رہا کبھی کسی سے اس کا ذکر نہ کیا حتیٰ کہ حضور سے بھی نہ کہا ایک بار جبریل امین نے رب تعالیٰ کی طرف سے عرض کیا یا رسول اللہ سات برس سے صدیق دانت کے درد میں مبتلا ہیں آپ ان کی مزاج پرسی فرماویں تب حضور نے حضرت صدیق سے فرمایا کہ تم نے مجھ سے بھی اس کا ذکر نہ کیا بولے کہ حبیب کی طرف سے آئے ہوئے تحفہ پر شکایت کیا کرنا یہ ہے اس آیت پر عمل (روح البیان)۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے پتہ لگا کہ صرف حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے تو کیا قرآن کی اطاعت اللہ کی اطاعت نہیں۔ **جواب**: قرآن کی اطاعت بغیر حضور کے سمجھائے ناممکن ہے نیز پانچ فی صدی احکام قرآن نے دیئے وہ بھی ایسے گول مول کہ بغیر حضور کی تعلیم کے ناقابل عمل ہیں اس لئے قرآن پر عمل حضور کی اطاعت پر مبنی ہے۔

دوسرا اعتراض: جب صرف حضور کی اطاعت رب تعالیٰ کی اطاعت ہے تو تم اماموں ولیوں کی اطاعت کیوں کرتے ہو۔ **جواب**: حضور کی اطاعت کے لئے ان کی اطاعت کی جاتی ہے کہ ان کی تعلیم کی روشنی میں سرکار کے فرمان سمجھیں اور ان پر عمل کریں تم بھی ماں باپ استاد حاکم حکیم کی اطاعت کرتے ہو حضور کی اطاعت کے ماتحت۔

تیسرا اعتراض: یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کے خلاف ہے کیونکہ وہاں فرمایا گیا تھا **کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ** ہر خیر و شر اللہ کی طرف سے ہے اور یہاں ارشاد ہوا کہ شر بندے کی طرف سے۔ **جواب**: اس کے جوابات ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ پچھلی آیت میں خلق و ارادے کا ذکر تھا اور یہاں رضا و کرم کا تذکرہ اسلئے وہاں فرمایا گیا تھا **مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ** اور یہاں ارشاد ہوا **مِنَ اللّٰہِ** یہاں **عِنْدِ** نہیں ہے کیونکہ **مِنَ اللّٰہِ** وہ چیزیں ہیں جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور **مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ** عام ہے رضاء کا کام ہو یا ناراضی کا ہر خیر و شر اللہ کے ارادے اس کے خلق سے تو ہے مگر اس کی رضا سے نہیں۔ ہماری عام آفتیں ہمارے کسب کے سبب سے ہیں کہ ہم گناہ کرتے ہیں تو رب تعالیٰ ہم پر آفات بھیجتا ہے یہ گناہ ان آفات کا سبب ہیں خلق شر رب کی طرف سے ہے اور کسب شر ہماری طرف سے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مصیبتیں آفتیں ہمارے گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں مگر حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ پر بھی آفات آتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ گنہگار وہ بھی ہیں۔ **جواب**: ہم پر مصیبتیں ہماری غلطیوں کی وجہ سے آتی ہیں جو ہمارے گناہوں کا کفارہ اور ذریعہ مغفرت بنتی ہیں۔ ان پر مصیبتیں بطور امتحان آتی ہیں جن پر صبر کرنے کی وجہ سے ان کے درجات بڑھتے ہیں نیز ان کا صبر و تحمل لوگوں کے لئے مثال و نمونہ بنتا ہے۔ ان کا صبر و تحمل بھی عملی تبلیغ ہے چنانچہ قرآن مجید میں گذشتہ انبیاء کرام کی مصیبتوں ان کے صبروں کا ذکر فرما کر ان کی تعریفیں فرمائی گئیں۔ **اِنَّهٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا** (اسراء:۳) وغیرہ آخر آج بھی چھوٹے ناسمجھ بلکہ شیرخوار بچوں پر بیماریاں، مصیبتیں آتی ہیں یہ ان کے گناہوں کی وجہ سے نہیں وہ تو گناہ کے قابل ہی نہیں بہرحال اس آیت میں ہم جیسے گنہگاروں کا ذکر ہے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیا کرام بلکہ حضور سید الانبیاء ﷺ بھی گناہ کرتے تھے کیونکہ یہاں دونوں جگہ **مَآ اَصَابَکَ** میں **کاف** خطاب ہے جس میں حضور ﷺ مراد ہیں اس لئے کہ آگے آرہا ہے **وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا** جب اس جگہ **کاف** خطاب میں حضور سے خطاب ہے تو **مَآ اَصَابَکَ** میں حضور سے ہی خطاب ہونا چاہئیے ورنہ ایک کلام میں انتشار ضمائر لازم ہوگا۔ یہ فصاحت کے بھی خلاف ہے اور اس صورت میں یہ عبارت گذشتہ عبارت سے بالکل بے تعلق ہو جاوے گی کہ وہاں عوام کی مصیبتوں کا ذکر اور یہاں حضور کی رسالت کا تذکرہ۔

نوٹ آج کل ایک فرقہ پیدا ہوا ہے جو حضرات انبیاء کرام کو فاسق بلکہ مشرک و کافر تک مانتا ہے اس کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔ **جواب**: یقیناً یہاں پہلے دو کافوں میں عوام سے خطاب ہے اور تیسرے **کاف وَاَرْسَلْنٰکَ** میں حضور سے خطاب اور انتشار ضمائر خلاف فصاحت وہاں ہوتا ہے جہاں اس سے کوئی فائدہ

نہ ہو مفید انتشار قرآن کریم میں بہت جگہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْبِکِ** (یوسف:۲۹)۔ دیکھو ایک ہی عبارت میں اعراض میں خطاب یوسف علیہ السلام سے ہے اور **اسْتَغْفِرِیْ** میں خطاب زلیخا سے یہاں فرمایا یہ گیا ہے کہ اے محبوب ہم عوام سے فرما رہے ہیں کہ انہیں مصیبتیں ان کی اپنی غلطیوں سے آتی ہیں۔ آپ تو اللہ کے رسول ہیں آپ گنہگار ہو سکتے ہی نہیں اگر پیغمبر بھی فاسق و مجرم ہوں تو فاسق کی مخالفت واجب ہوتی ہے اور نبی کی اطاعت لازم نبوت اور فسق جمع نہیں ہو سکتے ورنہ اجتماع ضدین ہوگا اس کی پوری بحث ہمارے کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں دیکھو۔

چھٹا اعتراض: اگر ہر مصیبت و تکلیف ہمارے اپنے گناہوں کی وجہ سے ہے تو بے گناہ بچوں دیوانوں اور نہایت نیک آدمیوں کو جنہوں نے کوئی گناہ نہ کیا ہو انہیں دنیاوی تکالیف کیوں پہنچتی ہیں معلوم ہوا کہ وہ پہلی جون میں گناہ کر چکے ہیں جن کی سزا اب مل رہی ہے (آریہ)۔ **جواب**: اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ابھی عرض کی گئیں پہلی دو تفسیروں پر تو یہ اعتراض ہے ہی نہیں تیسری تفسیر پر یہ اعتراض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں **مِنْ نَفْسِکَ** فرمایا گیا **مِنْ ذَنْبِکَ** نہ ارشاد ہوا گنہگاروں کو تکالیف گناہوں کی وجہ سے پہنچتی ہیں نیک کاروں کو بلندی درجات کیلئے کہ رب تعالیٰ جو درجہ انہیں عطا فرمانا چاہتا ہے اس کے لائق ان کی نیکیاں نہیں لہٰذا انہیں تکالیف دیتا ہے تاکہ وہ صبر کر کے یہ درجہ پالیں، بعض درجات صبر پر موقوف ہیں جیسے شہادت وغیرہ لہٰذا انہیں تکالیف بھیجی جاتی ہیں۔

ساتواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ صرف انسانوں کے نبی ہیں تمام مخلوق کے نبی نہیں جیسا کہ **لِلنَّاسِ** سے معلوم ہوا۔ **جواب**: ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ **للناس** کا لام نفع کا ہے خصوصیت کا نہیں چونکہ حضور ﷺ کی ذات بابرکات سے بہت زیادہ نفع انسان نے ہی پایا نیز انسان اصل مخلوق ہے باقی تمام اس کے تابع اسلئے صرف انسانوں کا ذکر فرمایا گیا ورنہ دوسری جگہ ارشاد ہوا **لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا** (فرقان:۱) اور ارشاد ہوا **وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ** (انبیاء:۱۰۷)۔ وہاں العالمین فرما کر ساری مخلوق کو شامل فرمالیا۔

آٹھواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ صرف موجودہ اور آئندہ انسانوں کے ہی رسول ہیں گذشتہ انسانوں کے رسول نہیں ہو سکتے۔ **جواب**: حق یہ ہے کہ حضور اگلے پچھلے موجودہ تمام انسانوں کے رسول ہیں گذشتہ نبیوں اور ان کی امتوں پر فرض تھا کہ حضور پر ایمان لاویں بلکہ سارے انبیاء کرام نے حضور سے ہی فیض لے کر لوگوں کو دیا جیسے رات میں تارے سورج سے نور لے کر زمین کو چمکاتے ہیں امام بوصیری فرماتے ہیں۔

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ کَوَاکِبُهَا ・ یُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَمِ

رسول کی اطاعت بقدر طاقت واجب ہوتی ہے معراج سے پہلے ایمان لانے والے حضرات پر صرف حضور کو رسول مان لینا کافی تھا نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ کوئی حکم نہیں آیا تھا لہٰذا ان پر عمل بھی نہ تھا یوں سمجھو کہ اسلام کے ابتدائی گیارہ سال ایسے گذرے ہیں کہ۔

کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی ان کی

دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا (سباء:۲۸)۔ اس کَآفَّةً لِّلنَّاسِ میں سارے اگلے پچھلے لوگ شامل ہیں۔ گذشتہ شریعتوں کے احکام تھے جو بواسطہ انبیاء کرام ان امتوں کو پہنچے جیسے چاند کی چاندنی، تاروں کی مختلف روشنیاں سورج ہی کا نور ہے جو ان واسطوں سے ہم کو ملتا ہے۔ اب بھی بچے کیلئے ماں کا دودھ حلال ہوتا ہے جوان کیلئے حرام ہے۔ حضور کی رسالت کے احکام ہیں جو مختلف وقتوں میں جاری ہیں نیز قادری چشتی نقشبندی سہروردی اسی طرح شافعی، حنفی، مالکی، حنبلی لوگوں پر حضور ہی کے احکام جاری ہیں۔ احکام کا اختلاف زمانہ قوم سے ہے۔

نواں اعتراض: یہاں رب نے فرمایا وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا اللہ تعالیٰ حضور کا گواہ ہے دوسری جگہ فرمایا یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا (احزاب:۴۵)۔ نبی اللہ کے گواہ ہیں اس میں دور لازم آتا ہے نیز حضور نے تو اللہ تعالیٰ کی گواہی دی کہ فرمایا اَشْهَدُ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مگر رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کہاں دی اور کیسے دی۔ **جواب**: اللہ تعالیٰ حضور کی نبوت رسالت وغیرہ اوصاف حمیدہ کا گواہ ہے اور حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے گواہ پھر دور کیسا جہت بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے نیز اللہ تعالیٰ نے حضور کی نبوت پر آپ کے معجزات قرآنی آیات دیگر آسمانی کتب کی آیات قائم فرمائیں۔ یہ ہی رب تعالیٰ کی گواہی ہے۔ یونیورسٹی کا سرٹیفکیٹ گواہی ہے مسجد کے منبر ومحراب اس کے مسجد ہونے کے گواہ ہیں علامات وحالات گواہی دیا کرتے ہیں غرضیکہ رب تعالیٰ کی گواہی بالکل حق ودرست ہے۔ جس میں شک وشبہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو حضور کے صحابہ ازواج پاک کی بھی گواہی دی ہے دیکھو حضرت مریم ویوسف علیہ السلام کو تہمت لگی تو بچوں سے گواہی دلوائی مگر حضور کی زوجہ پاک جناب عائشہ کو تہمت لگی تو خود گواہی دی کہ سورۂ نور میں ان کی پاک دامنی کی بہت سی آیات نازل فرمادیں۔ یہ ہے رب تعالیٰ کی گواہی۔

دسواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اس کے برعکس یوں نہ فرمایا گیا کہ جس نے اللہ کی اطاعت کی اس نے رسول کی اطاعت کی۔ **جواب**: چند وجہ سے ایک یہ کہ رب تعالیٰ غیب الغیوب ہے جسے کسی نے آج تک نہ دیکھا۔ سوا حضور ﷺ کے اور حضور ﷺ شاہد ومشاہد ہیں غائب کی اطاعت شاہد کے ذریعہ ہوسکتی ہے دیکھو رب کو سجدہ کرنا ہو تو کعبہ کی طرف کرو کہ رب غیب ہے کعبہ مشاہد یونہی رب کی اطاعت کرنا ہو تو حضور کی اطاعت کرو حضور کعبہ ایمان ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضور کی اطاعت اقوال، اعمال وافعال ہر چیز میں کی جاوے گی۔ خدا تعالیٰ کی اطاعت اقوال واحکام میں بھی نہیں ہوسکتی کہ وہ مجمل ہیں جب حضور شرح کریں تو ان پر عمل ہو۔ تیسرے یہ کہ رب تعالیٰ کے ہاں اجمال ہے حضور کے ہاں شرح تفصیل۔ متن کی سمجھ شرح سے ہوتی ہے اجمال پر عمل تفصیل کے بعد ہوتا ہے یہ آیت تو منکرین حدیث کے لئے موت ہے کہ وہ انکار حدیث بھی کرتے ہیں پھر اللہ کی اطاعت کا دعویٰ بھی یعنی کعبہ کا انکار بھی کرتے ہیں کعبہ سے منہ پھیرے ہوئے بھی ہیں اور پھر خدا کو سجدہ بھی کر لیتے ہیں اب تک یہ معمہ ہماری سمجھ میں نہ آیا۔

گیارھواں اعتراض: جیسے ہمارے گناہ مصیبتوں کا ذریعہ ہیں ایسے ہی ہماری نیکیاں رحمتوں کا ذریعہ ہیں۔

کہ احادیث شریفہ اور آیات قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ بھلائی رب کی طرف سے ہے اور شر تمہاری طرف سے۔ **جواب**: اس لئے کہ ہم کو نیکیوں کی توفیق ملنا رب کی طرف سے ہے اور گناہ ہماری اپنی طرف سے نتیجہ وہ ہی ہوا کہ خیر رب کی طرف سے ہے اور شر ہماری طرف سے۔

تفسیر صوفیانہ ہم اور ہماری ذات بیماریوں کا سرچشمہ اور گناہوں کا مرکز ہے ہم سے جب ہوگا تب گناہ و قصور ہی ہوگا رب تعالیٰ کا کرم فضل و انعام کا سرچشمہ ہے۔ جب وہ کرم کرے تو ہم کچھ نیکیاں کرلیں زمین سے سانپ، بچھو، کیڑے مکوڑے خاردار درخت ہی نکلتے ہیں ہاں کوئی شخص اس میں اچھے تخم بودے تو بار دار درخت بھی نکل پڑتے ہیں اسی لئے ارشاد ہوا کہ خیر رب کی طرف سے ہے اور شر تمہاری طرف سے ہم نے عرض کیا ہے۔

اے کریم از ما خطا از تو عطا — اے رحیم از ما جفا از تو وفا

کار ما بدکاری و شرمندگی — کار تو ستاری و بخشندگی!

جب ہمارا حال یہ ہے کہ ہم برائیوں بدکاریوں کے سرچشمہ ہیں تو ضرورت تھی کہ کوئی ایسا برزخ کبریٰ ہم میں تشریف لائے جو ہمارے نفوس کی زمین میں عبادات ریاضات کی کاشت فرمادے اور اسی برزخ کبریٰ کا نام رسول ہے فرمایا گیا۔ اے محبوب ان زمینوں میں اچھی کاشت کرنے کے لئے ہم نے آپ کو بھیجا عام لوگ مخصوص زمین کی کاشت کر سکتے ہیں مگر حضور ﷺ کی وہ ہستی ہے جنہوں نے سارے انسانوں اگلے پچھلے موجودہ آدمیوں کے دلوں میں ایسی اعلیٰ کاشت فرمائی کہ سبحان اللہ تا قیامت علماء اولیاء صالحین کی پیداوار اسی کاشت کا نتیجہ ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ فانی فی اللہ باقی باللہ قائم مع اللہ ہیں آپ اللہ کے خلیفہ ہیں کہ آپ کی بیعت اللہ کی بیعت ہے آپ کا کنکر پھینکنا رب کا پھینکنا ہے اور اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کا خلیفہ ہے کہ سرکار نے خود فرمایا کہ دجال کہ آمد پر **اللہ خلیفتی علیٰ اُمتی** اللہ تعالیٰ میری امت پر میرا خلیفہ ہے۔ اس لئے جس نے حضور کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی جب اصحاب کہف کا کتا ان بزرگوں کی اطاعت کی وجہ سے جنت تک پہنچ سکتا ہے تو حضور کی اطاعت کر کے انسان کیوں نہ جنتِ قرب تک پہنچیں۔

حمد بے حد مر رسول پاک را! — آنکہ ایماں داد مشتِ خاک را

اے کعبہ را زیمن قدوم تو صد شرف — دلے مردہ راز مقدم پاک تو صد صفا

بطحیٰ ز نور طلعت تو یافتہ فروغ — یثرب زخاک پائے تو با رونق و بہا

ان کے دم سے خاک مدینہ زمین مدینہ پر بہار ہوگئی ان کے قدم سے مزدلفہ و عرفات کے خشک میدانوں میں رونق لگ گئی تو ان کی نظر سے ہمارے اجڑے ہوئے دل کیوں آباد نہ ہوں گے بہرحال یہ آیت کریمہ نعمت مصطفوی کا بہترین گلدستہ ہے اس کی شرح حضور کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ مجھ جیسے مجہول انسان سے ناممکن ہے۔

خم زلف و رُخت راشرح دادن — شب باید دراز و ماہتابے
کہاں میں اور کہاں یہ نگہت گل — نسیم صبح تیری مہربانی

صوفیا فرماتے ہیں کہ اطاعت خدا وہ ہی ہے جو اطاعت رسول ہو عبادات اور عادت میں فرق حضور کی اطاعت سے ہے اعلیٰ درجہ کا کام اگر اطاعت رسول سے خالی ہو تو بیکار ہے جیسے بغیر مکھن کا دودھ یا بغیر تخم کا بادام اور اگر بظاہر برا کام اطاعت رسول کے لئے ہو تو عبادت ہے دیکھو کفار کے صدقہ و خیرات جاہل مسلمانوں کے خلاف سنت اعمال جو بظاہر اچھے معلوم ہوں جیسے رات بھر نوافل اور بغیر جماعت نماز وغیرہ طلوع و غروب کے وقت نماز کہ بظاہر یہ اچھی چیزیں ہیں مگر اطاعت رسول سے خالی ہیں لہٰذا عبادات نہیں اور حضور کے بلانے پر نماز کو چھوڑ کر حاضر ہو جانا بظاہر برا ہے مگر چونکہ اطاعت رسول ہے لہٰذا عبادت ہے۔ حضور کی نقل خدا کو پیاری ہے

وَ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ز فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ
اور کہتے ہیں فرمانبرداری پھر جب باہر جاتے ہیں تمہارے پاس سے تو ان میں سے ایک گروہ رات
اور کہتے ہیں ہم نے حکم مانا پھر جب تمہارے پاس سے نکل کر جاتے ہیں تو ان میں ایک گروہ جو
مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ط وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ج فَاَعْرِضْ
میں سوچتے ہیں اس کے سوا جو آپ فرماتے ہیں اور اللہ لکھ رہا ہے وہ جو سازشیں کرتے ہیں تو منہ پھیرو
کہہ گیا تھا اس کے خلاف رات کو منصوبے گانٹھتا ہے اور اللہ لکھ رکھتا ہے ان کے رات کے منصوبے تو اے محبوب
عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٨١﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ
ان سے اور بھروسہ کرو اللہ پر اور کافی ہے اللہ کارساز کیا پس نہیں سوچتے وہ
تم ان سے چشم پوشی کرو اور اللہ کافی ہے کام بنانے کو تو کیا غور نہیں کرتے
الْقُرْاٰنَ ط وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿٨٢﴾
قرآن کو اور اگر ہوتا وہ اللہ کے سوا غیر کے پاس سے تو البتہ پاتے وہ اس میں بڑا اختلاف
قرآن میں اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** : پچھلی آیت میں اسلامی اہم عقیدے کا بیان تھا کہ خیر کو رب تعالیٰ کی طرف سے سمجھو شر کو اپنی طرف سے اب منافقین کی بد باطنی کا ذکر ہے کہ وہ ان باتوں کو ظاہری طور پر تو مان لیتے ہیں دل سے نہیں مانتے گویا عقیدے کا ذکر

پہلے تھا انکار کرنے والوں کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ذکر تھا کہ اے محبوب آپ کی نبوت و رسالت کے ہم گواہ ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہماری گواہی کے باوجود ضدی لوگ انکار کیے ہی جائیں گے گویا گواہی کا ذکر پہلے تھا اور ضدی لوگوں کے قبول نہ کرنے کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے آپ کو تمام لوگوں کا رسول بنا کر بھیجا اب ارشاد ہے کہ اس رسالت عامہ کا ثبوت ہماری کتاب قرآن مجید ہے گویا نبوت کا دعویٰ پہلے تھا اس کا ثبوت اب دیا جا رہا ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں منافقین کی بری حرکات کا ذکر تھا۔ اب ارشاد ہے کہ آپ ان کی پرواہ نہ کریں آپ کا چاند چمکتا ہی رہے گا۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیت میں اطاعت رسول کو اطاعت خدا قرار دیا گیا تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ اطاعت رسول وہ ہے جو دل سے ہو محض زبانی اطاعت یا بے دلی کی عملی اطاعت اطاعت خدا نہیں۔

شان نزول منافقین مدینہ حضور ﷺ کی مجلس پاک میں حاضر ہوتے تو کہتے کہ حضور ہم بالکل فرمانبردار ہیں جو آپ حکم دیں ہم ماننے کو تیار ہیں مگر گھروں میں جا کر اس کے خلاف باتیں کرتے۔ ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن)۔

تفسیر وَ یَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ یہ علیحدہ جملہ ہے یَقُوْلُوْنَ کا فاعل وہی منافقین ہیں جن کا تذکرہ اوپر سے چلا آرہا ہے طَاعَةٌ مرفوع ہے کہ یا تو امرنا یا شاننا وغیرہ پوشیدہ مبتدا کی خبر ہے یا مبتدا ہے جس کی خبر پوشیدہ ہے یا منصوب ہے اَطَعْنَا فعل پوشیدہ کا مفعول مطلق جیسے اہل عرب کہا کرتے ہیں سَمْعاً وَّطَاعَةً یعنی یہ منافقین آپ سے عرض کرتے ہیں کہ ہمارا کام تو آپ کی اطاعت ہی کرنا ہے یا ہم تو آپ کی اطاعت ہی کریں گے۔ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ یہ منافقین کی تصویر کا دوسرا رخ ہے بَرَزُوْا بنا ہے بُرُوْزٌ بمعنی خروج سے اسی لئے میدان کو براز کہا جاتا ہے کہ انسان گھر سے نکل کر وہاں جاتا ہے عِنْدِكَ سے مراد ہے آپ کی مجلس پاک سے نکل جانا اور وہاں پہنچ جانا جہاں نہ آپ ہوں نہ آپ کا کوئی مخلص صحابی یعنی جب یہ آپ کی مجلس شریف سے نکل کر باہر جاتے ہیں جہاں کوئی مومن مخلص صحابی موجود نہ ہو تو بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ یہ عبارت اِذَا گذشتہ کی جزا ہے بَيَّتَ تبیتٌ کا ماضی ہے جس کا مادہ ہے بیتٌ بمعنی گھر یا بیت بمعنی نظم یا قصیدے کا ایک شعر تبیت اور بیات کے معنی ہیں رات کے وقت دشمنی کا قصد کرنا یا اس کی تدبیریں سوچنا چونکہ اہم مشورے و تدبیریں رات کی یکسوئی میں ہی کیے جاتے ہیں۔ اسلئے ہر اہم تدبیر سوچنے یا اہم دشمنی کرنے کو بیات یا تبیت کہہ دیتے ہیں۔ رب فرماتا ہے يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا (اعراف: ۹۷) اور اگر بیت بمعنی شعر سے بنا ہے تو چونکہ شعر سوچا جاتا ہے اس لئے بمعنی سوچنا ہوگا طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ سے مراد منافقین کا ایک ٹولہ ہے چونکہ منافقوں کے سرداروں کا کام تھا سوچنا عوام منافقین کا کام تھا ان کے مشوروں پر عمل کرنا اس لئے یہاں طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ ارشاد ہوا غَيْرَ بمعنی سواء ہے اَلَّذِىْ سے مراد ہے وہ گفتگو یا کلام تَقُوْلُ یا

صیغہ واحد مؤنث ہے جس کا فاعل وہی جماعت منافقین ہے یا صیغہ واحد مذکر حاضر جس کا فاعل حضور ﷺ ہیں یعنی آپ کی مجلس سے باہر جا کر ان منافقین کا ایک گروہ سرداراس کے خلاف تدبیریں سوچتے ہیں جو آپ سے کہہ کر گئے تھے کہ فرمانبرداری کا وعدہ کیا تھا اور نافرمانی کی تدبیریں سوچتے ہیں یا آپ جو حکم دیتے ہیں اس کی مخالفت کی سازشیں کرتے ہیں کہ کس تدبیر سے آپ کے حکم کی خلاف ورزی بھی کرلیں اوران کا نفاق بھی ظاہر نہ ہو۔ **وَاللّٰہُ یَکْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ** یہ نیا جملہ ہے جس میں ان کی سازشوں کا انجام بیان فرمایا گیا **یَکْتُبُ** سے مراد یا تو ان کے نامہ اعمال میں لکھنا ہے یا قرآن کریم میں لکھ دینا اگرچہ نامہ اعمال لکھنا فرشتوں کا کام ہے اور قرآن مجید لکھنا کاتبین وحی صحابہ کا کام مگر چونکہ یہ دونوں جماعتیں اللہ کی مقبول جماعتیں ہیں اس لئے اس تحریر کو رب تعالیٰ نے اپنا کام قرار دیا **مَا** مصدریہ ہے یا موصولہ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ساری سازشوں کو یا جو کچھ وہ سوچتے ہیں اس سب کو ان کے نامہ اعمال میں لکھ کر محفوظ فرما رہا ہے تا کہ انہیں کل قیامت میں اس کی سزا دی جاوے یا قرآن کریم میں لکھ رہا ہے تا کہ وہ بدنام ہوں اور ان کی منافقت کا پردہ چاک ہو جاوے **فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ** یہاں ف جزائیہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزاء اعراض سے مراد یا تو ان کا پردہ چاک نہ کرنا ہے یا ان پر جہاد نہ فرمانا پہلی صورت میں یہ حکم منسوخ ہے کہ بعد میں حضور ﷺ کو انہیں رسوا فرما دینے کا حکم دیدیا اور حضور نے انہیں نام بنام لوگوں پر ظاہر فرما دیا دوسرے معنی پر یہ حکم محکم ہے منسوخ نہیں کہ منافقین پر تلوار کا جہاد نہیں ہوا یعنی جب اللہ تعالیٰ خود ہی انہیں سزا دے گا تو اے محبوب آپ ان کی طرف توجہ نہ فرماؤ انہیں ان کے حال پر رہنے دو آپ اللہ پر بھروسہ کرو ان کی تمام تدبیریں بیکار ہوں گی آپ کا دین ترقی کرے گا۔ **وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا** یہ پچھلے حکم کی علت ہے وکیل کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں کہ جسے کام سپرد کیا جاوے جو کسی کے کام کا ذمہ دار بن جاوے وہ وکیل ہے جس کے معنی ہیں کارساز یعنی اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے جب وہ حامی ہے تو کوئی کیا کر سکتا ہے **اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ** یہ نیا جملہ ہے جس میں منافقین کے نفاق کا علاج بیان ہوا کہ اگر یہ منافقین قرآن کریم میں غور و فکر کریں تو آپ کو سچا رسول مان لیں نیز پچھلی آیت میں منافقوں کی بری فکروں کا ذکر تھا اب انہیں اچھی فکر کی ہدایت دی جا رہی ہے کہ تم اسلام کے خلاف فکریں کرنے کی بجائے قرآن کی حقانیت میں تدبر و غور کیا کرو۔ **یَتَدَبَّرُوْنَ** تدبر کا مضارع ہے جس کا مادہ ہے دبر بمعنی پیچھے اسی لئے پیٹھ کو دبر کہتے ہیں کہ وہ جسم کا پچھلا حصہ ہے رب فرماتا ہے **وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ** (طور:۴۹) اور فرماتا ہے **مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰی** (معارج:۱۷) تدبیر اور تدبر کے معنی ہیں کاموں کے پیچھے یعنی انجام میں غور کرنا نتائج میں فکر کرنا اس کا فاعل وہ مذکور منافقین ہیں یعنی ان کے نفاق کی وجہ ہے آپ کو دل سے نبی نہ ماننا اور اس نبی نہ ماننے کی وجہ سے قرآن کریم میں غور و فکر نہ کرنا تو یہ لوگ قرآن کریم میں سوچ بچار غور و خوض کیوں نہیں کرتے خیال رہے کہ اچھی سوچ و فکر ذہن میں دماغ کی عبادت ہے چند چیزیں سوچنا عبادت ہے اپنے گناہ سوچنا کہ اس سے توبہ کی توفیق ملتی ہے رب تعالیٰ کے انعام سوچنا کہ اس سے شکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ حضور کے کمالات سوچنا کہ اس سے ایمان کامل

ہوتا ہے قرآن کے فضائل سوچنا کہ اس سے عرفان ملتا ہے۔ قرآن کے متعلق گیارہ چیزیں سوچنا چاہئیں۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ قرآن کریم کی چند صفات میں غور کرنا چاہئے ایک اس کی فصاحت وبلاغت میں کہ ایسا فصیح وبلیغ کلام ہے کہ اس کے مقابلہ سے دنیا بھر کے فصیح وبلیغ عاجز ہیں دوسرے اس کی غیبی خبروں میں اس نے گذشتہ حالات آئندہ واقعات کی صدہا خبریں دیں جو ہو بہو درست نکلیں۔ تیسرے اس میں اختلاف نہ ہونے میں چوتھے اس کی کشش وجذبہ میں کہ بغیر سمجھے پڑھا جاوے پھر بھی تڑپا دیتا ہے جیسا کہ بعض قاریوں کی تلاوت کے وقت دیکھا گیا ہے ورنہ کوئی کتاب کوئی کلام بغیر سمجھے لطف نہیں دیتا۔ پانچویں اس کے پرانا نہ ہونے میں کہ ہمیشہ پڑھو مگر پرانا نہیں ہوتا ورنہ اعلیٰ سے اعلیٰ کلام بار بار پڑھنے سے پرانا ہو کر بے لطف ہو جاتا ہے۔ چھٹے اس کے حفظ ہو جانے میں کہ کوئی دنیاوی ودینی کتاب حفظ نہیں ہوتی مگر قرآن کریم اتنی بڑی کتاب بچوں تک کو حفظ ہو جاتی ہے۔ یہاں تیسری بات کا ذکر فرمایا گیا غیر اللہ میں فرشتے جن وانس وغیرہ سب ہی داخل ہیں یعنی اگر یہ قرآن مجید کلام الٰہی نہ ہوتا کسی فرشتے یا جن وانسان یا حضور ﷺ کا اپنا کلام ہوتا تو لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا یہ جملہ لَوْ مذکورہ کی جزاء ہے وَجَدُوْا کا فاعل یا تو وہ مذکورین منافقین ہیں یا تمام لوگ فِيْهِ کا مرجع قرآن مجید ہے اختلاف سے مراد تناقض وتفاوت ہے یہ ہی سیدنا عبداللہ ابن عباس کا قول ہے یعنی اس کی عبارتوں کا یکساں نہ ہونا بعض آیات فصیح ہوتیں بعض غیر فصیح اور اس کے احکام وخبریں آپس میں متناقض ومخالف ہوتیں کہ کہیں کچھ کہتا اور کہیں اس کے خلاف جیسا کہ انسانوں کے کلام میں دیکھا جاتا ہے کہ بڑے سے بڑا عالم اگر کوئی موٹی ضخیم کتاب بنائے تو اس کے کلام میں یکسانیت نہیں ہوتی بعض کلام اعلیٰ ہوتا ہے بعض ادنیٰ پھر اسے یاد نہیں رہتا کہ میں پہلے کیا لکھ چکا ہوں خود ہی اپنے لکھے کے خلاف لکھ جاتا ہے قرآن کریم بہت بڑی کتاب ہے جس میں صدہا علوم جمع ہیں اور حضور ﷺ پر مختلف حالات میں اترا کوئی آیت گھر میں آرام فرماتے ہوئے آئی کوئی جنگ کے میدان میں پریشانی کی حالت میں اتری مگر کیا مجال کہ اس میں ذرہ بھر فرق تو ہو جاوے بالکل نہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ یہ محمد مصطفےٰ ﷺ کا بنایا ہوا اپنا کلام نہیں بلکہ رب تعالیٰ کا اتارا ہوا کلام ہے اور جب کلام اللہ تعالیٰ کا ہے تو جس پر یہ کلام آیا وہ بھی رسول برحق ہے یہ سوچیں اور اخلاص سے ایمان لائیں۔

خلاصۂ تفسیر یہ منافقین ایسے بدباطن ہیں کہ آپ کی مجلس پاک میں آپ سے اور آپ کے مخلص صحابہ سے نہایت معصومیت کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ حضور ہمارا کام صرف آپ کی اطاعت ہے ہم نے تو سواء آپ کی فرمانبرداری کے اور کچھ سیکھا ہی نہیں مگر جب آپ کی مجلس سے باہر جاتے ہیں اور آپس میں جمع ہوتے ہیں جہاں آپ اور آپ کے مخلص صحابہ نہ ہوں تو جو کچھ آپ سے کہہ گئے تھے اس کے خلاف تدبیریں سوچتے منصوبے گانٹھتے ہیں مگر سب نہیں بلکہ ان کے سردار باقی عام منافقین ان کی بتائی تدبیروں پر عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی یہ تدبیریں ان کے نامۂ اعمال یا قرآن کریم میں لکھ رہا ہے جس پر انہیں سزا دی جاوے گی یا آئندہ رسوا کیا جاوے گا اے

محبوب جب ہم ان کا انتظام فرما رہے ہیں تو آپ ان کی فکر نہ فرماویں ان سے چشم پوشی کریں ابھی ان کا پردہ چاک نہ کریں یا کبھی ان پر تلوار کا جہاد نہ فرماویں آپ تو اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ کریں وہ ہی اچھا کارساز ہے جب وہ آپ کا حامی ہے تو کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا یہ منافق لوگ بجائے سازشیں کرنے خفیہ تدبیریں سوچنے کے قرآن کریم میں تدبر اور غور و خوض کیوں نہیں کرتے اور جو وقت ان سازشوں میں گذارتے ہیں وہ اس نیک کام میں کیوں نہیں صرف کرتے اگر یہ قرآن مجید ہمارا کلام نہ ہوتا آپ کا بنایا ہوا ہوتا جیسا کہ ان کا خیال ہے تو اس قرآن میں انہیں یکسانیت اور روانیت اس درجہ کی نہ ملتی بلکہ دوسرے انسانی کلاموں کی طرح اس کی کوئی آیت اعلیٰ درجہ کی فصیح ہوتی کوئی غیر فصیح اسی طرح تمام کلام یکساں سچا اور غیر متعارض نہ ہوتا بلکہ اس میں کہیں کچھ ہوتا کہیں اس کے خلاف۔ خیال رہے کہ حضور ﷺ کے حالات بہت مختلف ہیں آپ کبھی غار حرا میں گوشہ نشین تارک الدنیا ہیں تو کبھی ملک حجاز کے بادشاہ کبھی تمام عرب آپ کا دشمن تو کبھی ہر طرف آپ کے غلام ہی غلام ہیں کبھی آپ شب ہجرت دشمنوں میں گھرے ہیں تو کبھی چاروں طرف آپ کے خدام و نیاز مند سر جھکائے بیٹھے ہیں کبھی مسجد میں امام اعظم ہیں تو کبھی میدان جنگ میں جرنیل اعظم ہیں کبھی عدالت کے فرائض انجام دے کر مقدمات طے فرما رہے ہیں تو کبھی گھر میں تشریف لے جا کر گھر کے کام کاج اپنے ہاتھ سے کر رہے ہیں کبھی شاہانہ شان سے قانون سازی کر رہے ہیں تو کبھی اپنے غلاموں کے ساتھ نہایت سادگی و تواضع وانکساری سے اس طرح بیٹھے ہیں کہ اجنبی آنے والا آپ کو پہچان بھی نہیں سکتا اب اگر قرآن کریم آپ کا بنایا ہوا ہوتا تو جیسے آپ کے مذکورہ حالات اس قدر مختلف ہیں قرآنی آیات بھی یوں ہی مختلف ہوتیں حضور کی مختلف حالتوں پر نظر ڈالو اور قرآن کریم کی یکسانیت میں غور کرو تو بے تامل کہنا پڑے گا کہ یہ کلام اللہ ہے مگر غور کی ضرورت ہے۔ کلام متکلم کی حالت کا آئینہ دار ہوتا ہے غضب کا کلام اور ہے رحم کا کلام کچھ اور گھبراہٹ کا کلام اور ہوتا ہے سکون کا کچھ اور قرآن کریم کی روشنی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کا کلام ہے جو گھبراہٹ و سکون طیش و عیش سے پاک ہے۔

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: قول و عمل میں مطابقت نہ ہونا کہ باتیں اچھی ہوں عمل اس کے خلاف منافقت کی علامت ہے جیسا کہ **غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہمارے اعمال اقوال سے بھی زیادہ اچھے ہوں۔ **دوسرا فائدہ**: حضور ﷺ کے فرمان عالی کے خلاف سوچنا منافقین کا عمل ہے ان کی اطاعت آنکھ بند کر کے کرنی چاہئے جیسا کہ **غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا جب کہ **تَقُوْلُ** واحد مخاطب کا صیغہ ہو۔ **تیسرا فائدہ**: اللہ کے مقبول بندوں کے کام درحقیقت اللہ تعالیٰ کے کام ہیں۔ دیکھو بندوں کے نامۂ اعمال لکھنا کاتبین اعمال فرشتوں کا کام ہے اور قرآن مجید لکھنا کاتب وحی ہونا خاص صحابہ کا عمل ہے مگر رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ** ان کی سازشیں اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے۔ **چوتھا فائدہ**: اللہ پر بھروسہ کرنے والے کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا اس کے مقابل تمام کی

تدبیریں بیکار ہیں جیسا کہ وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: قرآن کریم میں غور وفکر کرنا جس سے اس کی حقانیت معلوم ہو عبادت ہے جیسا کہ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ سے معلوم ہوا۔ علماء فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی ایک آیت تدبر وغور سے پڑھنا بغیر تدبر ہزار آیات پڑھنے سے افضل ہے ذکر قرآن۔ فکر قرآن نظر قرآن سب ہی عبادت ہے۔ **چھٹا فائدہ**: قرآن کریم کے معنی معلوم ہیں غیر معلوم نہیں جیسا کہ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ سے معلوم ہوا اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ معانی قرآن سواء نبی اور امام معصوم کے کوئی نہیں جانتا کیونکہ ایسا ہوتا تو منافقوں کو قرآن میں تدبر کرنے کا حکم نہ دیا جاتا (تفسیر کبیر)۔ **ساتواں فائدہ**: تقلیدی ایمان معتبر نہیں ایمان تحقیقی چاہیے یہ فائدہ بھی اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین کو حکم دیا گیا کہ قرآن کریم میں غور و خوض کر کے حضور سید عالم ﷺ کی نبوت پر ایمان لائیں (کبیر)۔ **آٹھواں فائدہ**: قرآن مجید حضور ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے یعنی اس کے اوصاف معلوم کر کے حضور کے اوصاف معلوم کرو۔ خیال رہے کہ قرآن معجزۂ رسول ہونے کی وجہ سے رسول کی دلیل ہے اور حضور ﷺ نبوت کی حیثیت سے قرآن کے کلام اللہ ہونے کی دلیل ہیں یعنی ہم نے دوسرے معجزات کی طرح قرآنی معجزہ کو دیکھ کر حضور کو نبی مانا اور حضور کے فرمانے سے کہ یہ قرآن جو ہم پڑھ رہے ہیں کلام الٰہی ہے ہم نے قرآن کو کلام الٰہی مانا حضور کا منہ زبان ولب قرآن وحدیث کی کان ہے اسی سے ہم نے قرآن سنا اسی سے حدیث سنی جسے انہوں نے قرآن کہا ہم نے اس قرآن مانا اور جسے حدیث بتایا ہم نے اسے حدیث مانا یہ مسئلہ قابل غور ہے بعض صحابہ نے نزول قرآن سے پہلے حضور کو نبی مان لیا تھا جیسے صدیق اکبر۔ خدیجۃ الکبریٰ بلکہ جیسے ورقہ بن نوفل ان کیلئے حضور کی ذات معجزہ تھی انہوں نے حضور کی ذات سے حضور کی نبوت مان لی۔ **نواں فائدہ**: قرآنی آیات آپس میں متعارض نہیں سب متفق ومتوافق ہیں اگر کہیں ہم کو اختلاف معلوم ہو تو یہ ہماری سمجھ کا قصور ہے علم کی کمی ہے قرآن میں اختلاف ہرگز نہیں جیسا کہ لَوَجَدُوْا فِیْہِ الخ سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ**: موجودہ انجیلیں کلام الٰہی نہیں بلکہ انسانی بناوٹی کتابیں ہیں کیونکہ ان میں اتنا اختلاف ہے کہ حضرت مسیح کے نسب تک میں اختلاف ہے کہیں ہے کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے اور خداوند ہیں کہیں ہے کہ وہ لعنتی تھے کہیں شریعت کی پیروی ضروری ہے کہیں ہے کہ شریعت لعنت ہے جس سے ہم کو مسیح نے چھڑایا (نیا عہد نامہ گلتیوں) دیکھو ہماری کتب ردعیسائیت وغیرہ اور دیکھو کتاب از بلا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ منافقوں کا ایک ٹولہ سازشیں کرتا ہے حالانکہ سارے ہی منافق سازشیں کرتے تھے۔ **جواب**: نہیں بلکہ ان کے سردار سازشیں کرتے تھے اور عوام منافق ان سوچی سازشوں پر عمل کرتے تھے لہٰذا یہ فرمان برحق ہے۔

دوسرا اعتراض: یہاں قرآن کریم نے فرمایا فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ ان سے چشم پوشی کرو مگر دوسری جگہ ارشاد ہے جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ (توبہ:۷۳)۔ اے محبوب کفار اور منافقوں پر جہاد کرو اور

ان پر خوب سختی کرو آیات میں تعارض ہے۔ **جواب**: یہاں اَعْرِضْ کے تین معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ آپ ان کی حرکتوں پر غم نہ کرو چشم پوشی کرو۔ دوسرے یہ کہ ان پر تلوار نہ اٹھاؤ چشم پوشی فرماؤ تیسرے یہ کہ ان کے راز فاش نہ کرو ان کا پردہ رہنے دو پہلے معنیٰ کی بنا پر یہ آیت محکم ہے۔ تیسرے معنی کی بنا پر یہ آیت جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ (توبہ:۷۳) سے منسوخ ہے لہٰذا دونوں آیتوں میں تعارض نہیں غم وفکر نہ کرنا اور ہے اور ان پر جہاد کرنا کچھ اور نیز کفار پر تلوار سے جہاد ہوا۔ منافقین پر تلوار سے جہاد کبھی نہ ہوا۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو قرآن مجید میں غور وفکر اجتہاد اور اس سے مسائل کا استنباط کرنا چاہئے مگر تم کہتے ہو کہ سواء علماءِ مجتہدین کے قرآن سے اجتہاد کوئی نہ کرے کسی کو کسی شخص کی تقلید درست نہیں ہر شخص قرآن وحدیث میں غور کرے۔ **جواب**: قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت میں غور اس کی دلکش جاذبیت میں نظر وفکر جس سے ایمان تازہ ہو جائے سب کریں مگر اس سے مسائل کا استنباط عوام اور جہلا نہ کریں ورنہ دین برباد ہو جاوے گا اگر جاہل آدمی علم طب میں غور کر کے علاج شروع کر دے تو لوگوں کی جان لے گا اور اگر قرآن مجید میں غور کر کے مسائل نکالے گا تو لوگوں کے ایمان برباد کرے گا ہر شخص کا غور علیحدہ ہے سمندر کی سطح سب لوگ دیکھیں اور اس سے رب تعالیٰ کی قدرت کے قائل ہوں مگر ہر شخص اس میں غوطے لگا کر موتی نکالنے کی کوشش نہ کرے ورنہ جان کھوئے گا۔ مجتہدین قرآن وحدیث سے مسائل نکالیں صوفیاء کرام اس کے اسرار معلوم کریں علماء غور کر کے احکام کی حکمتیں معلوم کریں۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں اختلاف نہیں مگر بہت سی آیات دوسری آیات کے خلاف ہیں دیکھو رب فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (انعام:۱۰۳) اللہ تعالیٰ کو آنکھیں نہیں پا سکتیں۔ مگر دوسری جگہ فرماتا ہے اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (قیامۃ:۲۳) بعض لوگ اپنے رب کو دیکھیں گے ایک جگہ فرماتا ہے لَا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ (رحمٰن:۳۹) کسی انس وجن سے اس کے گناہ کے متعلق پوچھ گچھ نہ ہوگی مگر دوسری جگہ فرماتا ہے لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ (حجر:۹۲) ہم تمام کفار سے سوال فرمائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ **جواب**: پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس قسم کے اختلاف ہماری کم فہمی سے ہیں قرآن کریم میں اختلاف نہیں چنانچہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں یہ آنکھیں خدا کو نہیں دیکھ سکتیں اور اس دوسری آیت کے معنی ہیں کہ جنت میں جنتی لوگ وہاں کی آنکھوں سے خدا کو دیکھیں گے یا کوئی خدا تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتا مگر اس کے جمال کے نظارے جنتی کریں گے ہم آسمان یا سمندر کو دیکھ تو لیتے ہیں مگر ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اس طرح پہلی آیت کے معنی یہ ہیں کہ قیامت میں ہر ایک کا کفر وایمان چہروں سے ظاہر ہوگا کوئی دوسرے سے اس کے ایمان وکفر کے متعلق دریافت نہ کرے گا اور دوسری آیت کے معنی ہیں کہ رب تعالیٰ ان کا حساب لے گا ان سے پوچھ گچھ اور پرسش فرمائے گا وغیرہ وغیرہ۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآنی آیات میں نسخ نہیں کیونکہ نسخ بھی ایک طرح کا اختلاف ہی ہے

پھر تم بعض آیات کو منسوخ کیوں مانتے ہو۔ **جواب**: اس کا جواب ہم تیسرے پارے میں نسخ کی بحث میں دے چکے ہیں کہ اختلاف اور چیز ہے نسخ دوسری چیز نسخ آیات ہمارے حالات کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے اگر طبیب بیمار کے حالات میں نظر فرما کر اپنے نسخے میں تبدیلی کرلے تو یہ اس کا کمال ہے اور اگر ایک ہی بیمار کو کبھی کوئی دوا بتادے کبھی کوئی تو یہ اسی کی جہالت ہے۔

چھٹا اعتراض: ہم نے حضور ﷺ سے قرآن کو پہچانا یا قرآن سے حضور کو یہاں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سے حضور کو پہچانا مگر بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سے قرآن کو پہچانا ان میں موافقت کیوں کر ہو۔ **جواب**: ایک حیثیت سے ہم نے قرآن سے حضور کو پہچانا اور دوسری حیثیت سے حضور سے قرآن کو مانا قرآن معجزہ ہے اور معجزے سے نبوت معلوم ہوتی ہے اس لئے حضور کو قرآن سے پہچانا قرآن کلام الٰہی ہے جسے جبریل لائے مگر ہم نے جبریل کو آتے لاتے سناتے نہ دیکھا سرکار نے فرمایا کہ یہ جو ہم اب پڑھ رہے ہیں یہ کلام الٰہی قرآن ہے ابھی جبریل امین آئے تھے یہ سنا گئے یہ بات ہم نے حضور سے مانی اور اس لحاظ سے ہم نے قرآن کو حضور سے مانا۔ مرغی انڈے سے ہے اور انڈا مرغی سے مگر دور نہیں جناب ہم نے ایک طرح تو خدا کو حضور سے پہچانا اور دوسری طرح خدا تعالیٰ سے حضور کو مانا کہ اس نے فرمایا محمد رسول اللہ یہ سوال و جواب بہت دلچسپ ہے اس کے متعلق بہت کچھ اس آیت کے ماتحت کہا جاچکا ہے **وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا** الخ (بقرہ:۲۳) اللہ تعالیٰ حضور کو گواہ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا** (النساء:۷۹) اور حضور اللہ تعالیٰ کے گواہ **اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا** (احزاب:۴۵)۔

تفسیر صوفیانہ حضور ﷺ سورج ہیں قرآن مجید اس سورج کی نورانی شعاعیں لوگوں کے دل مختلف ہیں سورج کی شعاعیں آئینہ میں پڑیں تو آئینہ جھلک جاتا ہے کہ اس میں صفائی اور قابلیت بہت ہے مخلصین صدیقین کے دلوں میں قرآنی شعاعیں پڑیں تو ان کا حال یہ ہوا کہ **فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا** (توبہ:۱۲۴) ان کے ایمان بڑھ گئے اور وہ پکار اٹھے **سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا** (نور:۵۱) مگر منافقین کے دل تاریک تھے وہ اس سورج کی ان شعاعوں کی وجہ سے جھلک نہ سکے انکے دل ھوٰی، ہوس، شہوت حرص وغیرہ غباروں سے سیاہ ہوچکے تھے تو ان کا حال وہ ہوا جو یہاں مذکور ہے کہ مجلس پاک میں کہتے تھے **طَاعَةٌ** اور پیچھے کرتے تھے سازشیں منہ سے بولتے تھے **سَمِعْنَا** دل سے کہنے سے **عَصَيْنَا** ان پر عذاب الٰہی آیا اور فرمادیا گیا کہ محبوب ان پر غم نہ کرو تم سورج ہو مگر ان کے دل سیاہ ارشاد باری ہورہا ہے اگر میرے بندے قرآن کریم کے معجزات، انوار، ہدایات، نظم آیات کمال فصاحت جمال بلاغت الفاظ کی روانی معانی کی جولانی اسرار کی بیانی میں غور کرتے تو اس قرآن میں ہر بیماری کی دوا ہر مرض سے شفاء ہر آنکھ کیلئے جلا ہر دل کے لئے صفا ہر چہرے کی روشنی ہر ذہن کی زکاوت پاتے اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے یہ ہے قرآن کریم کی حقانیت کی دلیل مولانا فرماتے ہیں۔

چوں تو در قرآنی حق بگریختی ۔۔۔ باروانے انبیاء آموختی!

ہست قرآن حالہائے انبیاء ۔۔۔ ماہیان بحر پاک کبریا!

در بخوانی و نہ ء قرآں پذیر انبیاء واولیاء را دیدہ گیر!

جیسے دنیا کا سمندر جہاز کے ذریعہ طے کر کے بیت اللہ تک پہنچتے ہیں ویسے ہی قرآن کا سمندر کسی شیخ کامل کے جہاز کے ذریعے طے کر کے قرب خاص رب العالمین تک پہنچتے ہیں خدا تعالیٰ قرآن سے ہم کو نفع بخشے (آمین)۔ (از روح البیان مع زیادت)۔

وَاِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ
اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی بات امن یا ڈر کی تو شائع کر دیتے ہیں اس کو
اور جب ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں
وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ
اور اگر لوٹاتے وہ اسے طرف پیغمبر کے اور طرف امر والوں کے اپنے میں سے تو جان لیتے اس کو
اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے
الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
وہ لوگ جو اجتہاد کرتے ہیں اس کو ان میں سے اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ تعالیٰ کا تمہارے اوپر اور مہربانی اس
یہ بعد میں کاوش کرنے والے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی
لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ
کی تو تم پیروی کرتے شیطان کی سوا تھوڑوں کے تو جنگ کرو اللہ کی راہ میں نہیں تکلیف دیئے جاتے تم
تو تم ضرور شیطان کے پیچھے لگ جاتے مگر تھوڑے تو اے محبوب اللہ کی راہ میں لڑو تم تکلیف نہ دئے جاؤ گے
اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ
مگر اپنی ذات کی اور رغبت دو مسلمانوں کو قریب ہے کہ اللہ روک دے سختی
مگر اپنے دم کی اور مسلمانوں کو آمادہ کرو قریب ہے کہ اللہ کافروں کی سختی
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾
ان کی جنہوں نے کفر کیا اور اللہ بہت سختی والا ہے اور سخت عذاب والا
روک دے اور اللہ کی آنچ سب سے سخت تر ہے اور اس کا عذاب سب سے کڑا

تعلقات

ان آیتوں کا گذشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں منافقین کے ان عیوب کا ذکر تھا جن کا تعلق ان کی ذات سے تھا اب ان کے وہ عیوب بتائے جا رہے ہیں جن کا تعلق قوم مسلم سے ہے یعنی ہر قسم کی خبروں کا مسلمانوں میں پھیلا دینا جس سے قوم و ملک و ملت کو نقصان پہنچے گویا لازم عیب کے بعد متعدی فساد کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں حکم تھا کہ قرآن کریم میں غور کرو اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس کے ظاہر میں غور کرو باریک و دقیق احکام میں تم خود غور نہ کرو بلکہ انہیں اہل علم کے سپرد کرو۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں منافقین کی دانستہ سازشوں کا تذکرہ تھا اب بعض ضعفاء مومنین کی نادانستہ غلطیوں کا ذکر ہے یعنی ہر بات بغیر تحقیق شائع کر دینا جس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں دلائل سے اسلام اور قرآن کی حقانیت ثابت فرمائی گئی کہ اگر قرآن اللہ کا کلام نہ ہوتا تو اس میں اختلاف ہوتا اب اپنے محبوب ﷺ کو جہاد کا تاکیدی حکم ہے فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ کیونکہ محض دلائل سے بہت کم لوگ مانتے ہیں قوت و طاقت سے بہت جلد سیدھے ہو جاتے ہیں غرضیکہ ایک نوعیت کی تبلیغ پہلے تھی دوسری نوعیت کی اب۔

شان نزول

(۱) نبی کریم ﷺ لشکرِ اسلام کو جہاد کیلئے بھیجتے تھے میدان جنگ سے ان کے غلبہ یا مغلوبیت فتح و شکست کی خبریں آتی تھیں جس کا تذکرہ بارگاہ رسالت میں ہوتا تھا وہاں منافقین بھی ہوتے تھے۔ ضعفاء اور سیدھے مومنین بھی اہل علم وفقہاء بھی تو منافقین شرارت کے طور پر اور ضعفاء مومنین سیدھے پن سے یہ خبریں لوگوں میں پھیلا دیتے تھے جس سے مسلمانوں کے راز فاش ہو جاتے تھے اور بسا اوقات ان رازوں کے فاش ہو جانے سے نقصان کا خطرہ بھی ہوتا تھا تب ان منافقین یا ضعفاء اور سیدھے مومنین کے متعلق پہلی آیت وَاِذَا جَآءَهُمْ الخ نازل ہوئی (تفسیر خازن، جلالین وغیرہ)۔

(۲) غزوہ احد کے موقعہ پر ابوسفیان نے احد سے واپس ہوتے وقت حضور ﷺ سے عرض کیا تھا کہ اگلے سال ہماری آپ کی جنگ مقام بدر صغریٰ میں ہوگی جسے حضور نے منظور فرما لیا تھا یہ واقعہ ذی قعدہ میں ہوا تھا سال کے بعد حضور ﷺ نے مشورۃً مسلمانوں کو بدر صغریٰ کی طرف چلنے کو فرمایا یہ مشورہ بعض لوگوں پر گراں و بھاری گذرا جس پر دوسری آیت فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ نازل ہوئی اور حضور ﷺ ستر صحابہ کرام کی چھوٹی سے جماعت لے کر موقعہ پر تشریف لے گئے ابوسفیان کی وہاں پہنچنے کی ہمت نہ پڑی اور یہ حضرات نہایت خیر و خوبی سے صحیح سلامت خوب نفع کما کر واپس ہوئے (تفسیر خازن، کبیر، خزائن العرفان جلالین وغیرہ) غرضیکہ ان دو آیتوں کے شانِ نزول مختلف ہیں۔

تفسیر

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ: یہ علیحدہ جملہ ہے جس میں منافقین کے دوسرے عیب یا ضعفاء مومنین کی نادانستہ غلطی کا ذکر ہے اِذَا یا دوام ظرف کیلئے ہے بمعنی جب کبھی اور جَآءَ دوام حالت کیلئے ہے بمعنی آتی کیونکہ یہ واقعہ صرف ایک بار نہ ہوا تھا بلکہ بار بار ہوا تھا هُمْ کا مرجع یا تو وہی

منافقین ہیں جن کا تذکرہ پہلے سے ہورہا ہے یا سیدھے سادھے مسلمان جو جنگی نزاکتوں کا احساس نہیں رکھتے جیسا کہ شان نزول کی دو روایتوں سے معلوم ہوا۔ اَمۡرٌ سے مراد میدان جنگ سے آئی ہوئی خبر ہے۔ جس کا تذکرہ بارگاہ رسالت میں ہوتا تھا اور یہ حضرات سن لیتے تھے یا امر سے مراد آئندہ کے متعلق وہ جنگی مشورے ہیں جو حضور ﷺ اپنے صحابہ سے خفیہ طور پر کرتے تھے جو کبھی ان لوگوں کو معلوم ہوجاتے تھے مِنۡ جارہ ہے کائنا یا ثابتۃً پوشیدہ کے متعلق ہے جو امر کا حال ہے اَمۡن سے مراد سلامتی۔ فتح غنیمت ہے اور خوف سے مراد مسلمان لشکروں کا کسی وقت اتفاقاً شکست کھاجانا ہے جس سے خوف پیدا ہوسکتا ہے یا حضور ﷺ کا آئندہ کے متعلق کسی اطمینان بخش خبر کا تذکرہ فرمانا یا تشویش وفکر کا اظہار فرمانا غرضیکہ اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں۔ امن سے مراد مطمئن کرنے والی خبر اور خوف سے مراد خوفناک چیز اَذَاعُوۡا بِہٖ۔ یہ عبارت اِذَا کی جزا ہے اور اَذَاعُوۡا سے مراد حال استمراری ہے اس کا مصدر اَذَاعَۃٌ ہے مادہ ذَیۡعٌ اذاعت کے معنی ہیں بہت زیادہ اشاعت کرنا خوب پھیلانا اذاعت میں اشاعت سے زیادہ مبالغہ ہے کہ اشاعت کہتے ہیں صرف اپنوں میں خبر پھیلانا اور اذاعت کے معنی ہیں اپنوں پرایوں سب میں خبر پھیلانا جیسے اشتہار کی خبر اشاعت ہے اور ریڈیو پر اعلان جو ہر ملک میں سنا جاوے اذاعت ہے چونکہ اَذَاعُوۡا میں تحدیث واخبار کے معنی شامل ہیں اسی لئے بعد ب لائی گئی اس کا فاعل بھی یا تو وہ ہی منافقین ہیں جو ھم ضمیر کا مرجع تھے یا ضعفاء مومنین یعنی جب کبھی ان منافقین کو کوئی امن وراحت یا خوف وخطر کی خبر مل جاتی ہے گذشتہ یا موجودہ حالات کے متعلق یا آئندہ کے مشوروں کے متعلق تو فوراً لوگوں میں شائع کردیتے پھیلا دیتے ہیں حالانکہ یہ اشاعت خطرناک ہے کہ فتح کی خبر سے کفار تیاری کرلیتے ہیں اور وہ چوکنے ہوجاتے ہیں اور شکست کی خبر سے مسلمانوں کے دل ٹوٹ جاتے ہیں۔ وَلَوۡ رَدُّوۡہُ اِلَی الرَّسُوۡلِ وَاِلٰۤی اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡہُمۡ یہ اس غلطی کی اصلاح ہے سمجھانے اور فہمائش کے لئے اگر مگر سے بیان فرمایا صاف حکم نہ دیا مقصود اصلاح ہے رَدُّوۡا کا فاعل وہی منافقین یا ضعفاء مومنین ہیں ہٗ کا مرجع وہ ہی خوف ہے رد کرنے سے مراد یا تو حضور ﷺ اور اہل علم سے پوچھ لینا ہے کہ یہ خبر ہم شائع کریں یا نہ کریں یا خاموش رہ کر انتظار کرنا ہے کہ خود حضور ﷺ اور علماء صحابہ اسے شائع فرمادیں اُولُوالۡاَمۡرِ سے مراد یا تو فقہاء صحابہ ہیں جو سیاسیات سے خبردار ہیں یا جہاد کرنے والی فوجوں کے کمانڈر سپہ سالار ہیں اگر روئے سخن ضعفاء مومنین کی طرف ہے تو مِنۡہُمۡ کے معنی بالکل ظاہر ہیں کہ وہ حضرات بھی مومن ہیں اور فقہا صحابہ بھی اور اگر روئے سخن منافقین سے ہے تو مِنۡہُمۡ فرمانا ظاہر کے اعتبار سے ہے کیونکہ منافقین اپنے کو مسلمان کہتے تھے اور قومی لحاظ سے مسلمانوں میں شمار ہوتے تھے بہرحال مِنۡہُمۡ کی مِن تبعیضیہ ہے یعنی اگر یہ شائع کرنے والے لوگ ان جیسی خبروں کے متعلق خاموش رہتے اور انہیں حضور ﷺ اور سمجھ دار صحابہ کے سپرد کردیتے انتظار کرتے کہ یہ حضرات ان خبروں کو شائع فرماتے ہیں یا نہیں۔ لَعَلِمَہُ الَّذِیۡنَ یَسۡتَنۡۢبِطُوۡنَہٗ مِنۡہُمۡ یہ عبارت لَوۡ کی جزا ہے الَّذِیۡنَ سے مراد یا تو حضور ﷺ اور خاص صحابہ کرام ہیں یا صرف خاص صحابہ یَسۡتَنۡۢبِطُوۡنَ استنباط سے بنا جس کا مادہ ہے نَبۡطٌ اور نبط کنوئیں کا وہ پہلا پانی ہے جو

کنواں کھودنے پر نمودار ہوتا ہے استنباط کے معنی ہیں وہ پہلا پانی نکالنا اب اصطلاح شریعت میں قرآن وحدیث سے باریک مسائل کا نکالنا ہے جسے فقہاء تخریج یا استخراج کہتے ہیں مِنْهُمْ کا مرجع وہ عام حضرات ہیں یعنی اگر یہ لوگ ایسی خبریں پھیلانے میں جلد بازی نہ کرتے اہل سیاست حضرات کے سپرد کر دیتے تو جو صحابہ مسائل کے نکالنے پر قادر ہیں وہ جان لیتے کہ یہ خبر پھیلانے کے لائق ہے یا نہیں یہ جلد باز لوگ ان بزرگوں کو سوچنے کا موقعہ نہیں دیتے فوراً پھیلا دیتے ہیں جس سے جنگی راز آؤٹ ہو جاتے ہیں۔ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ نحو جاننے والے جانتے ہیں کہ لَوْ کسی خبر کی تعلیق کے لئے آتا ہے اور وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں جزاول موجود ہو اور دوسرا جز نہ ہو، جیسے لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے یعنی چونکہ علی ہیں اسلئے عمر ہلاک نہ ہوئے یہاں بھی یہ ہی ہے فضل ورحمت قریباً ہم معنی ہیں مگر اکثر فضل وہ نعمت ہے جو استحقاق سے زیادہ دی جاوے اور رحمت وہ نعمت ہے جو بلا استحقاق عطا ہو مزدور کو اجرت سے زیادہ دیا یہ زیادتی فضل ہے فقیر کو خیرات دی یہ رحمت ہے یہاں اللہ کے فضل سے مراد قرآن مجید ہے اور اللہ کی رحمت سے مراد حضور ﷺ ہیں یا اسکے برعکس کہ اللہ کے فضل سے مراد حضور ﷺ ہوں اور رحمت سے مراد قرآن مجید بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ کا فضل بھی حضور ہیں۔ رب فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (جمعہ:۲) حتیٰ کہ فرمایا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (حدید:۲۱) یہاں حضور کو فضل اللہ فرمایا گیا اور دوسری جگہ ارشاد ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء:۱۰۷) یہاں حضور کو رحمت فرمایا گیا (روح البیان) بعض نے فرمایا کہ اللہ کا فضل حضور اور قرآن ہیں اور ان کی اطاعت کی توفیق ملنا اللہ کی رحمت (خازن) بعض نے فرمایا کہ خبروں کو حضور ﷺ کی طرف پھیرنا اللہ کا فضل ہے اور اُولُو الْاَمْرِ کی طرف پھیرنا اللہ کی رحمت لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ یہ عبارت لَوْ کی جزاء ہے اتباع کے معنی بارہا بیان ہو چکے کسی کے پیچھے چلنا بغیر سوچے سمجھے اس کی پیروی کرنا یہاں شیطان کی اتباع سے مراد اپنی ضعیف رائے پر عمل کرنا کفار ومنافقین کی پیروی کرنا ہے یا کفر وشرک اختیار کرنا۔ خیال رہے کہ یہاں اِلَّا قَلِيْلًا کے استثناء میں چھ احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ اتَّبَعْتُمْ کے فاعل سے مستثنیٰ ہے اور معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ قرآن ومحبوب ﷺ کو مبعوث نہ فرماتا تو تم سب کفر وشرک اختیار کر کے شیطان کے پیرو ہو جاتے۔ سواء تھوڑوں کے کہ وہ شرک نہ کرتے ان کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم بخشی ہے جیسے قیس ابن ساعدہ، عمرو ابن نفیل، ورقہ بن نوفل بلکہ جیسے حضرت ابوبکر صدیق جنہوں نے ظہور اسلام سے پہلے بھی نہ کبھی کفر وشرک کیا نہ شراب پی۔ نہ زنا وغیرہ کے قریب گئے بلکہ نہ کبھی جھوٹ بولا۔ دوسرے یہ کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں تبلیغ اسلام نہ پہنچے اور وہ توحید کے معتقد ہوں پھر یہ بھی اتَّبَعْتُمْ کے فاعل سے مستثنیٰ ہے مگر منقطع تیسرے یہ کہ اَذَاعُوْا کے فاعل سے مستثنیٰ ہے یعنی سب لوگ خفیہ خبریں شائع کر دیتے سوا بعض کے چوتھے یہ کہ عَلِمَهُ کے فاعل سے مستثنیٰ ہے پانچویں یہ کہ وَجَدُوْا کے فاعل سے مستثنےٰ ہے۔ چھٹے یہ کہ لَاتَّبَعْتُمْ میں خ[illegible] ہے مگر پہلی توجیہ نہایت قوی ہے اس کو

عام مفسرین نے لیا خلاصہ یہ ہے کہ اس جملہ کی چھ تفسیریں ہیں پہلی تفسیر قوی باقی ضعیف (تفسیر صاوی واز کبیر وغیرہ) بعض عشاق کا خیال ہے کہ فضل ربانی شریعت ہے اور رحمت ربانی طریقت اور اِلَّا قَلِيۡلُ عشاق ہیں۔ مطلب یہ ہے اگر شریعت وطریقت دنیا میں نہ آتی اور علماء وصوفیا کا سلسلہ قائم نہ ہوتا تو عام لوگ شیطان کے پیرو بن جاتے مگر مستان شراب الست پھر بھی اس ملعون سے محفوظ رہتے کہ وہ شیطان کے شکار کے لائق ہیں ہی نہیں۔ فَقَاتِلۡ فِیۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفۡسَكَ ف جزائیہ ہے اس کی شرط پوشیدہ یعنی اگر دوسرے لوگ جہاد میں سستی کریں تو آپ اکیلے ہی جہاد کرو قَاتِلۡ سے مراد یا تو تمام جہاد ہیں خواہ کہیں ہوں یا کبھی ہوں اور اس میں خطاب حضور ﷺ سے ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہاں قتال سے مراد وہ خاص جہاد ہو جس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی یعنی بدر صغریٰ جو غزوہ احد سے ایک سال بعد ہوا۔ لَا تُكَلَّفُ تکلیف سے بنا مکلف کرنا فرض فرمانا۔ نَفۡسَكَ سے مراد حضور ﷺ کی ذات بابرکات ہے یعنی اے محبوب ﷺ بدر صغریٰ میں آپ ضرور جہاد کرو یہ آپ پر فرض عین ہے۔ دوسرے لوگ جائیں یا نہ جائیں۔ فقیر کے نزدیک یہ ہی تفسیر زیادہ قوی ہے۔ وَحَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ یہ حضور ﷺ کو دوسرا حکم ہے حرض تحریض سے بنا جس کا مادہ حَرَضٌ ہے بمعنی قریب الہلاک چیز جو کسی گنتی شمار میں نہ آئے رب فرماتا ہے حَتّٰى تَكُوۡنَ حَرَضًا (یوسف:۸۵) تحریض کے معنیٰ ہیں حرض یعنی بیکاری کا دور کرنا۔ باب تفعیل سلب مادہ کیلئے ہے یعنی بیکار چیز کو باکار کردینا اب اصطلاح میں کسی چیز کی خوبیاں بیان کر کے اس کی رغبت دینے کو تحریض کہتے ہیں یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں یعنی آپ اس جہاد کی مسلمانوں کو صرف رغبت دیں ان پر زور نہ دیں جو صحابہ اس جہاد میں جائیں انہیں بہت ثواب ملے گا جو نہ جائیں وہ گنہگار نہیں۔ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّكُفَّ بَاۡسَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا یہ عبارت گذشتہ مضمون کی گویا علت ہے۔ عَسٰی امید دلانے کیلئے آتا ہے مگر رب تعالیٰ کا امید دلانا یقین پر مبنی ہوتا ہے يَكُفَّ كَفٌّ سے بنا بمعنی روکنا باس بمعنی سختی مگر یہاں مراد ہے جنگ لڑائی اَلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سے مراد یا تو سارے کفار ہیں یا ابوسفیان اور ان کی جماعت جنہوں نے بدر صغریٰ میں جنگ کا وعدہ کیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ ابوسفیان اور ان کی جماعت کے دلوں میں ایسی ہیبت ڈال دے گا کہ ان میں مقابلہ کرنے کی جرأت ہی نہ ہوگی اللہ تعالیٰ ان کفار کی جنگ کو روک دے گا وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاۡسًا وَّ اَشَدُّ تَنۡكِيۡلًا یہ عبارت عَسَى اللّٰهُ الخ کی گویا علت ہے اَشَدُّ بَاۡسًا کے معنیٰ ہیں بہت سختی فرمانے والا تَنۡكِيۡلَ نَكۡلٌ سے بنا بمعنی روک دینا اس لئے قید کو نکال کہتے ہیں کہ اس میں ملزم کو ایک جگہ روک دیا جاتا ہے اور عبرتناک سزا کو نکال کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے دوسروں کو نافرمانی سے روک دیا جاتا ہے یعنی اگر اس وقت جنگ ہوتی تو کفار بڑی مار کھاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی ومددگار ہے اللہ بہت سختی والا اور بہت عبرتناک سزا دینے والا ہے اس کی مار کون جھیل سکتا ہے۔

خلاصہ تفسیر

گذشتہ تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کی چند تفسیریں ہیں ہم ان میں سے صرف ایک تفسیر عرض کرتے ہیں جو زیادہ قوی ہے اے محبوب ﷺ ان منافقوں کی بد باطنی کا یہ حال ہے

کہ جب انہیں کوئی خفیہ واہم خبر مسلمانوں کی فتح شکست کے متعلق مل جاتی ہے یا تو اس طرح کہ میدان جہاد سے کوئی خبر آتی ہے جسے یہ سن لیتے ہیں یا اس طرح کہ آپ کسی سے جنگ کے متعلق اہم مشورہ کرتے ہیں اور انہیں پتہ چل جاتا ہے تو یہ لوگ بغیر سمجھے بوجھے فوراً لوگوں میں یہ خبریں پھیلا دیتے ہیں حالانکہ ان خبروں کی اشاعت مصلحت کے خلاف ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی فتح کی خبر سے کفار آئندہ کے لئے چوکنے ہو جاتے ہیں اور ان کی شکست کی خبر سے کفار کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں مسلمان گھبرا جاتے ہیں اگر یہ لوگ اس قسم کی خبروں کو آپ کے اور اہل عقل صحابہ کرام کے سپرد کر دیا کریں جنہیں سیاسیات کی پوری سمجھ ہے اور دل میں سوچ لیا کریں کہ یہ حضرات چاہیں تو شائع کریں چاہیں شائع نہ کریں ہم کو ان کی اشاعت سے کیا غرض تو یقیناً مجتہدین صحابہ جن کو استنباط مسائل کا ملکہ ہے وہ جان لیتے کہ کونسی خبر اشاعت کے قابل ہے کونسی اشاعت کے لائق نہیں خیال رکھو کہ اگر تم پراے لوگو اللہ کا فضل اللہ کا رحم نہ ہوتا اور تم میں ہمارے محبوب ﷺ تشریف نہ لاتے تم پر قرآن نہ اترتا تو تم سارے کے سارے شیطان کی پیروی کر کے مشرک و کافر ہو جاتے سوا بعض مخصوص حضرات کے جو پھر بھی توحید پر قائم رہتے شرک و کفر نہ کرتے جیسے ابوبکر صدیق۔ ورقہ ابن نوفل، قیف ابن ساعدہ وغیرہ اے محبوب اگر لوگ اس جہاد بدر صغریٰ میں جاتے ہوئے گھبرائیں اور اس جہاد پر آمادہ نہ ہوں تو آپ اکیلے ہی یہ جہاد کریں اس جہاد کو صرف آپ پر فرض کیا جاتا ہے آپ ضرور تشریف لے جائیں ہاں صحابہ کرام کو اس جہاد کی رغبت دیں۔ ان پر جہاد فرض نہیں جو جائے گا ثواب پائے گا جو نہ جائے گا گنہگار نہ ہوگا بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس موقعہ پر کفار مکہ ابوسفیان وغیرھم کی جنگ روک دے کہ ان کی ہمت ہی آپ سے جنگ کرنے کی نہ پڑے اللہ تعالیٰ بہت سختی فرمانے والا ہے اور اس کا عذاب بہت ہی کڑا ہے اگر کفار اس موقعہ پر آپ کے مقابل آجاتے تو سخت عذاب پاتے اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ پورا فرمایا کہ حضور ﷺ صرف ستر صحابہ کو لے کر میدان بدر صغریٰ میں پہنچے ابوسفیان اور ان کی جماعت کو آنے کی ہمت ہی نہ ہوئی یہ مسلمان بہت نفع کما کر رب تعالیٰ کو راضی کر کے بخیر وخوبی مدینہ طیبہ واپس ہوئے اللہ سچا ہے اس کے سارے وعدے سچے۔ اس کے علاوہ ان آیتوں کی اور تفسیریں بھی ہیں مگر اسی تفسیر سے یہ آیت بالکل واضح اور بے غبار ہے۔

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: ہر خبر پھیلا دینا کبھی فساد وخرابی کا باعث بن جاتا ہے کوئی خبر بغیر سمجھے بوجھے نہ پھیلانی چاہئے۔ **دوسرا فائدہ**: صحابہ کرام میں حضرات خلفاء راشدین اور عبداللہ ابن عباس، ابن مسعود وغیرھم بڑی شان کے مالک ہیں جنہیں رب تعالیٰ نے یہاں اولوالامر بھی فرمایا اور مجتہد لائق استنباط قرار دیا۔ **تیسرا فائدہ**: ہر شخص صاحب اسرار نہیں ہوتا یہ نعمت اللہ تعالیٰ کسی کسی کو دیتا ہے جب تمام صحابہ میں سے بعض حضرات صاحب اسرار ہوئے تو ماوشما کس شمار میں ہیں۔ **چوتھا فائدہ**: قرآن وحدیث پر براہ راست ہر شخص عمل نہ کرے بلکہ انہیں مجتہدین ائمہ پر پیش کرے ان سے

سمجھ کر عمل کرے ورنہ گمراہ ہو جاوے گا کیونکہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ان خوف و امن کی خبروں سے زیادہ اہم ہیں جن کے متعلق یہاں یہ ارشاد ہوا۔ جب وہ خبریں علماء پر پیش کی جانی ضروری ہیں تو آیات و احادیث بھی علماء مجتہدین سے سمجھنا لازم لہٰذا اس سے مسئلہ تقلید ثابت ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: کوئی صحابی گمراہ نہیں کسی صحابی نے کبھی شیطان کی پیروی نہ کی کیونکہ سب پر اللہ کا فضل و رحمت تھا جیسا کہ **لَوْ لَا** الخ سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: تمام صحابہ درجے میں یکساں نہیں بعض بہت ہی استقامت والے ہیں جیسے حضرت ابوبکر صدیق وغیرہ کہ یہ حضرات اسلام سے پہلے بھی بری باتوں سے محفوظ رہے جیسا کہ **اِلَّا قَلِيْلًا** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: حضور علیہ السلام اللہ کے فضل سے بڑے بہادر شجاع اور بڑے جرنیل اعظم جنگ کے فن کے بڑے ماہر ہیں کہ رب تعالیٰ نے آپ اکیلے کو میدانِ جہاد میں جانے کا حکم دیا یہ حکم اسی کو دیا جاتا ہے جس میں یہ صفات علی وجہ الکمال موجود ہوں۔
آٹھواں فائدہ: بدر صغریٰ میں جنگ کے لئے جانا سب پر فرض نہ تھا جو حضرات وہاں گئے بڑے ثواب کے مستحق ہوئے جو نہ گئے ان پر کوئی گناہ نہیں جیسا کہ **حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ** سے معلوم ہوا۔ اگر سب پر فرض ہوتا تو صرف ترغیب نہ دی جاتی بلکہ تاکیدی حکم اور نہ جانے والوں پر وہ عتاب ہوتا جو غزوہ تبوک سے رہ جانے والوں پر ہوا تھا۔
نواں فائدہ: اللہ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو علم غیب بخشا اور جنگ کے انجام سے خبردار فرمایا اس سے حضور کے ثواب میں کمی نہیں ہوئی جیسا کہ **عَسَى اللّٰهُ** الخ سے معلوم ہوا کہ رب نے وعدہ فرما لیا کہ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ کفار مکہ کو جنگ سے روک دے گا۔ مگر پھر بھی جانے والوں کو ثواب ملا اس سے موجودہ وہابی عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ اگر حضور کو انجام کار معلوم ہو تو پھر آپ کو جہاد کا ثواب کیسا۔ **دسواں فائدہ**: جہاد کبھی فرض عین ہوتا ہے کبھی فرض کفایہ غزوہ تبوک فرض عین تھا اور غزوہ بدر صغریٰ فرض کفایہ اسی لئے غزوہ تبوک میں بلاوجہ نہ جانے والوں پر عتاب ہوا یہاں نہ ہوا۔ **گیارھواں فائدہ**: حضور علیہ السلام کی تشریف آوری اور قرآن کریم کا نزول اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور اس کا فضل ہے جس میں ہمارے کسب کو مطلقاً دخل نہیں جیسا کہ **لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ** کی دو تفسیروں سے معلوم ہوا۔

رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود
حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

لہٰذا ان نعمتوں کا شکریہ ہم پر لازم ہے۔ **بارھواں فائدہ**: حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے سارے عرب مشرک نہ تھے ان میں سے بعض لوگ توحید بلکہ دین ابراہیمی پر باقی تھے جیسا کہ **اِلَّا قَلِيْلًا** کی تفسیر سے معلوم ہوا چنانچہ حضور کے والدین کریمین بلکہ تمام دادے دادیاں مومن موحد تھے۔ ورقہ ابن نوفل، بحیرہ راہب وغیرھم کا مومن ہونا تو بخاری و مسلم کی احادیث سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے نور کی امانت کیلئے جن پاک پیٹوں پاک پیٹھوں کو منتخب فرمایا وہ تمام موحد مومن تھے اس کی بحث پہلے پارہ کی تفسیر میں گذر چکی۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہو کہ حضرات صحابہ نا قابل اعتبار لوگ تھے کہ حضور ﷺ کے راز آؤٹ کر دیا کرتے تھے ان سے حضور کو تکلیف ہی پہنچی اور اسلام کو نقصان ہی ہوا (روافض)۔ **جواب**: تفسیر اور شان نزول سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت میں منافقین کی حرکتوں کا ذکر ہے یا ان سادہ لوح سیدھے سادھے مسلمانوں کا تذکرہ ہے جو سیاسیات سے بے خبر تھے اگر سارے صحابہ ایسے تھے تو اسی آیت میں جو اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ یا یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ اس سے کون مراد ہے۔ حضرات صحابہ میں ایسے اولی الامر اور مجتہدین حضرات بھی تھے جن کی یہاں تعریف فرمائی گئی۔

دوسرا اعتراض: اگر یہ آیت منافقین کے متعلق ہے تو اہل علم اور مجتہدین صحابہ مِنْهُمْ کیوں فرمایا گیا۔ وہ تو منافقین سے بالکل جدا تھے۔ **جواب**: ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ منافقین قومی و جماعتی لحاظ سے مسلمانوں میں شامل رہتے تھے ان پر شرعی اسلامی احکام جاری تھے۔ ان کی ظاہری کلمہ گوئی کی وجہ سے انہیں نماز باجماعت کے لئے مسجدوں میں آنے جہادوں میں شریک ہونے کی اجازت تھی۔ ان وجوہ سے مِنْهُمْ فرمایا گیا۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بے نیاز ہیں کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر تم پر اللہ کی رحمت و فضل نہ ہوتا تو تم شیطان کے پیروکار بن جاتے سواء تھوڑوں کے معلوم ہوا وہ تھوڑے اللہ کے فضل کے بغیر ہی شیطان سے الگ ہیں حالانکہ عقیدے کا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی بھی بغیر اللہ کی رحمت کے شیطان سے نہیں بچ سکتا۔ **جواب**: یہاں اللہ کے فضل و رحمت سے مراد حضور ﷺ اور قرآن مجید ہے مطلب یہ ہے کہ اگر یہ دو ہستیاں دنیا میں نہ آتیں تو بہت کم لوگ شیطان کی اتباع سے بچتے اور وہ کم لوگ وہ تھے جن پر اللہ کی مہربانی تھی کہ اپنی عقل سلیم کے ذریعہ کفر سے متنفر تھے چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی بعض حضرات شرک سے بچے رہے مگر ان کا یہ بچنا رب تعالیٰ کے فضل سے ہی ہوا جیسے حضرت ابوبکر صدیق۔ حضور کے والدین کریمین اور ورقہ ابن نوفل، بحیرہ راہب وغیرہ اور اگر یہاں اللہ کے فضل و رحمت سے مراد اس کی مہربانی توفیق خیر ہو تو اِلَّا قَلِیْلًا کا تعلق لَا تَّبَعْتُمْ سے نہ ہوگا بلکہ یا اَذَاعُوْا سے تعلق ہوگا یا لَعَلِمَهٗ سے پھر آیت کریمہ کا مطلب ہی کچھ اور ہوگا۔ جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا (تفسیر کبیر)۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور کے حکم سے سرکشی کرتے تھے آپ کے حکم پر جہاد کے لئے نہیں نکلتے تھے تب ہی تو حکم ہوا کہ آپ اکیلے ہی جہاد کو جائیں اگر وہ حضرات تابع فرمان ہوتے تو اس حکم کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی اور تعجب ہے کہ بدر صغریٰ میں صرف ستر صحابہ ہی حضور کے ساتھ جہاد کو روانہ ہوئے باقی سب نے حضور کا ساتھ چھوڑ دیا۔ **جواب**: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر وہ حضرات ایسے باغی و سرکش تھے تو انہیں رب تعالیٰ نے مومنین کیوں فرمایا کہ ارشاد ہوا وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ

حضور سے بغاوت و سرکشی تو کفر ہے نیز ان پر وہ عتاب کیوں نہ ہوئے جو غزوہ تبوک سے رہ جانے والے منافقین پر ہوئے تھے کہ سورۂ توبہ میں ان پر بہت ملامت کی گئی اور تین مخلص مسلمان جو اس جہاد سے رہ گئے تھے ان کا مکمل بائیکاٹ فرمایا گیا یہاں بدر صغریٰ سے رہ جانے والوں پر نہ کوئی عتاب ہے نہ ان کا بائیکاٹ۔ جواب تحقیقی تو یہ ہے کہ یہاں **فَقَاتِلْ** میں صرف بدر صغریٰ کا جہاد مراد ہے یہ صرف حضور پر فرض ہوا۔ مسلمانوں پر فرض نہ ہوا ان کیلئے مستحب رہا اس لئے فرمایا گیا کہ مومنوں کو اس جہاد میں شرکت کی رغبت دو یعنی تاکیدی حکم نہ دو جو حضرات حضور کے ساتھ گئے وہ بڑے اجر کے مستحق ہوئے جو نہ گئے وہ گنہگار نہ ہوئے اور اس کی وجہ بھی اس آیت میں بتادی گئی کہ فرمایا گیا اللہ تعالیٰ کفار مکہ کو وہاں پہنچنے سے روک لے گا یعنی جہاد کی نوبت ہی نہ آوے گی۔ جب اللہ تعالیٰ ان رہ جانے والوں کو مومن فرمائے ان پر کوئی عتاب نہ کرے تو تم عتاب کرنے والے کون ہو اگر وہ حضرات سرکش باغی تھے تو بدر و حنین فتح مکہ کے معرکے کس جماعت نے سر کئے اور عہد فاروقی میں جنگ قادسیہ و یرموک کنہوں نے جیتیں۔

پانچواں اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ **عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ** الخ اور عَسیٰ شک کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ تو علیم و خبیر ہے اسے شک کیسا۔ **جواب:** عَسیٰ وعدے کیلئے ہے اور کریم کا وعدہ یقینی ہوتا ہے یا شک دلانے کے لئے ہے یعنی مسلمان اس کی امید رکھیں بالکل یقین نہ کریں اپنی طرف سے جنگ کی تیاری پوری پوری کریں ان کو اس پر ثواب ملے گا۔

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ نے بعض مخصوص بندوں کو صاف دل کا کامل عقل روشن دماغ بخشا اور ان پر اپنی خاص تجلی ڈالی جس کی وجہ سے ان کے دل و دماغ و عقل تک شیطان نہیں پہنچ سکتا اور انہیں گمراہ نہیں کرسکتا۔ ان کے لئے پھر نور نبوت پہنچنا نور علیٰ نور ہوتا ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہ آپ نزول قرآن اور بعثت رسول اللہ ﷺ سے پہلے ہی طیب و طاہر صاف و ستھرے تھے کہ آپ کبھی شرک بت پرستی فسق و فجور کے قریب نہ گئے اس لئے عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں **لَمْ اَعْقِلْ اَبَوَيَّ اِلَّا وَهُمَا يَدِيْنَانِ الدِّيْنَ** یعنی میں نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے ماں باپ کو دین اسلام پر پایا پھر ان کے لئے حضور کی صحبت آپ کی ہمراہی سونے پر سہاگہ نور پر نور ہوئی۔ اگر بفرض محال قرآن نہ بھی ہوتا حضور کی بعثت نہ بھی ہوتی تب بھی حضرت صدیق شیطان سے محفوظ رہتے ابوبکر صدیق مظہر رسول خدا ہیں کہ رسول بھی گمراہی گناہ و فسق سے دائمی محفوظ صدیق بھی ان عیوب سے دائمی محفوظ حضور کی وفات کے بعد منکرین زکوٰۃ پر حضرت صدیق نے جہاد کرنا چاہا بعض صحابہ نے اس ارادہ میں آپ کی موافقت نہ کی تو آپ تن تنہا زرہ پہن کر ہتھیار باندھ کر جہاد کے لئے چل پڑے پھر سب آپ کے ساتھ گئے۔ یہ ہے **لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ** کا ظہور اور یہ ہے شان فنافی الرسول کا ثبوت اب بھی بعض حضرات اولیاء مظہر صدیق اکبر ہیں حضور ﷺ کا فضل اور اس کی رحمت ہیں کہ باقی نعمتوں کے حصول میں ہمارے کسب کو دخل ہے مگر اس نعمت میں ہمارے کسب کو

دخل نہیں محض عطاء ذوالجلال ہے دیکھو دانہ پانی اللہ کی نعمت ہے مگر اس میں ہمارے کسب کو دخل ہے مگر دھوپ بارش وہ نعمتیں ہیں جو محض عطیہ پروردگار ہیں۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور کا سر مبارک برکت سے آنکھیں حیا سے کان شریف عبرت سنے زبان ذکر سے ہونٹ تسبیح سے چہرہ انور رضا سے سینہ اخلاص سے دل شریف رحمت سے سینہ شفقت سے ہاتھ سخاوت سے بال شریف جنت کے سبزے سے تھوک مبارک جنت کے شہد سے بنائے گئے اور آپ مخلوق کو خالق کی طرف سے بطور تحفہ دیئے گئے اس لئے آپ کا جسم شریف زمین پر رکھا گیا عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر نہ اٹھالیا گیا کیونکہ آپ کے جسم پاک سے عالم کا نظام قائم ہے۔

سرمایہ سعادت عالم محمد است　　　مقصود از طینت آدم محمد است

اس لئے حضور کو فضل اللہ اور رحمۃ اللہ فرمایا گیا صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے علم قرآن ہر سینہ میں نہیں اس کے لئے خاص سینے چنے گئے ہیں ایسے ہی اسرار دین ہر سینہ میں نہیں اس کے لئے بھی مخصوص سینے ہیں صاحب اسرار ہونا بہت مشکل ہے مسلمان یا تو صاحب اسرار بنے یا کسی صاحب اسرار کا غلام بنے۔ اس آیۃ کریمہ میں اسی کی تاکید ہے (از روح البیان)۔ فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ میں اشارہ اس طرف ہے کہ طلب حق میں کوشش کرو شیطان سے جنگ کروائے مومن اس جہاد کی تکلیف صرف تم کو دی جاتی ہے تمہارے سارے جواب تمہارے نفس کی طرف سے ہیں تو اس نفس کو چھوڑ دو دوسرے مسلمانوں کو بھی اس جہاد نفس کی رغبت دو، مولانا فرماتے ہیں۔

اندریں رہ می تراش و می خراش!　　　تا دمِ آخر دے فارغ مباش!

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں　　　ماند خصمے زاں بتر اندر دروں

کشتن ایں کارِ عقل و ہوش نیست　　　شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست

سہل شیرے داں کہ صفہا بشکند　　　شیر آنست آنکہ خود را بشکند

مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا ۚ وَ
جو کوئی سفارش کرے گا سفارش اچھی تو ہوگا واسطے اس کے حصہ اس سے اور
جو اچھی سفارش کرے اس کے لئے اس میں سے حصہ ہے اور
مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ
جو کوئی سفارش کرے گا سفارش بری تو ہوگا اس کے لئے حصہ اس سے اور ہے
جو بری سفارش کرے اس کے لئے اس میں سے حصہ ہے اور اللہ ہر

اللّٰہُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا
اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا اور جب تم سلام کیے جاؤ کوئی سلام تو جواب
چیز پر قادر ہے اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس
بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ
سلام دو اچھا اس سے یا وہ ہی لوٹا دو بے شک ہے اللہ اوپر ہر چیز کے
سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہ ہی کہہ دو بے شک اللہ ہر چیز پر حساب
حَسِیْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ
حساب والا اللہ نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا ضرور جمع کرے گا وہ تم کو قیامت کے دن
لینے والا ہے اللہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں وہ ضرور تمہیں اکٹھا کرے گا قیامت کے دن
لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾ ع
نہیں ہے کوئی شک اس میں اور کون سے زیادہ سچا اللہ سے بات میں
جس میں کچھ شک نہیں اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں حضور کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس ترغیب پر آپ کو بڑا ثواب ملے گا کیونکہ یہ ترغیب بھی شفاعت حسنہ کی ایک قسم ہے جس پر ثواب کا وعدہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ترغیب جہاد کا حکم تھا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر مسلمان اس ترغیب کو قبول نہ کریں تو آپ کا کوئی حرج نہیں اور اگر قبول کرلیں تو آپ کا نفع ہے کہ پھر جہاد کرنے والے وہ ہیں اور جہاد کرانے والے آپ نیکی کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے کرانے والے کو بھی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ لوگوں کو جہاد کی رغبت دو اب فرمایا جا رہا ہے کہ جو مخلص مومن اس ترغیب میں آپ سے تعاون کرے وہ بڑا ثواب پاوے گا اور جو منافق اس ترغیب میں رکاوٹ ڈالے شفاعت سیئہ کرے وہ عذاب میں گرفتار ہوگا۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں جہاد کی ترغیب کا ذکر تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ جو کوئی مفلس و نادار غازی کی سفارش کر کے کسی امیر شخص سے سامان جہاد دلوا دے اسے بڑا ثواب ہوگا اور جو بری سفارش کر کے مجاہد کی ہمت توڑے اسے جہاد سے روکے وہ سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیت میں جہاد کا اور تیاری جہاد کا حکم دیا گیا تھا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر تم کو اے غازیو کفار کی طرف سے صلح کی پیش کش

ہو تو تم صلح کا جواب اعلیٰ درجہ کی مصالحت سے دو ان کی طرح تم بھی صلح پر راضی ہو جاؤ۔ رب فرماتا ہے وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (انفال:۶۱)۔ **چھٹا تعلق**: پچھلی آیت میں جہاد کا حکم دیا گیا تھا اب جہاد کے متعلق ایک اعلیٰ قانون بیان ہو رہا ہے کہ اگر دوران جہاد میں کوئی شخص اپنا اسلام ظاہر کرنے کیلئے تم کو سلام وتحیت کرے تو تم اس پر بدگمانی کر کے اسے قتل نہ کرو بلکہ اس سے بہتر جواب سلام دو یا اس کی طرح ہی اور اس کو بھائی سمجھو رب فرماتا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء:۹۴)۔ **ساتواں تعلق**: پچھلی آیات میں اولاً جہاد کا ذکر ہوا پھر اس آیت میں سلام کرنے والے نومسلم سے سلام قبول کر لینے اور اس کے قتل سے باز آجانے کا حکم دیا گیا۔ آخری آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ پرانے مسلمانوں اور نومسلموں کو قیامت وجنت میں جمع فرما دے گا تو کوئی پرانا مسلم اپنے نومسلم بھائی کو ذلیل نہ جانے نیز دنیا میں ہر مومن عدل وانصاف کرے کہ رب تعالیٰ قیامت میں عدل فرما دے گا بہرحال یہ آیات گذشتہ جہاد کی آیات سے پورا پورا تعلق رکھتی ہیں بے جوڑ نہیں۔

تفسیر

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً پہلے اپنے محبوب کو جہاد کی رغبت دینے کا حکم دیا اب اس ترغیب کے فائدے بتائے جا رہے ہیں کہ یہ ترغیب جہاد شفاعت حسنہ ہے جس کا ثواب شفاعت کرنے والے کو ضرور ملتا ہے مَنْ سے مراد ہر مومن ہے خواہ کسی درجہ کا ہو حتیٰ کہ حضور ﷺ بھی اس عموم میں داخل ہیں کفار ومنافقین اس سے خارج کہ نیک اعمال کا ثواب صرف مومن کو ملتا ہے، يَّشْفَعْ شَفَاعَةً کا مضارع ہے شَفَاعَةً شَفِيع سے بنا بمعنی جوڑا وتر کا مقابل رب فرماتا ہے وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (فجر:۳) سفارش کو شفاعت اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے مشفوع لہٗ اکیلا نہیں رہتا شفیع بھی اس کے ساتھ ہو جاتا ہے اس کا معاون ومددگار ہو کر۔ اسی سے ہے حق شفع۔ اب اصطلاح میں شفاعت کے معنی ہیں سَوَالُ الْخَيْرِ لِلْغَيْرِ یعنی اپنے غیر کے لئے خیر کا سوال شفاعت کی بہت نوعیتیں ہیں بندے کی شفاعت اللہ تعالیٰ سے خواہ جرم معاف کرانے کے لئے یا درجے بڑھوانے کے لئے۔ بندے کے حق میں رب سے دعاء خیر۔ اسی لئے روح البیان نے یہاں فرمایا کہ یہ درود شریف کی تلاوت بھی شفاعت کی ایک قسم ہے یعنی حضور کو دعائیں دینا۔ اسی طرح بندے کی بندے سے شفاعت یا قصور معاف کرانے کے لئے یا اس کا کام نکلوانے کے لئے یا اسے کچھ دلوانے کے لئے یہ سب شفاعت کی قسمیں ہیں۔ شفاعت حسنہ ہر جائز شفاعت ہے جو شرعاً ممنوع نہ ہو چنانچہ قاتل کی شفاعت اولیاء مقتول سے یا وہ معاف کر دیں یا دیت لے لیں مقروض کی شفاعت قرض خواہ سے کہ یا تو معاف یا قرض کم کر دے یا مقروض کو مہلت دے دے حتیٰ کہ چور کی شفاعت مال والے سے کہ اس کا مقدمہ عدالت اسلامیہ میں نہ لے جائے سب جائز شفاعتیں ہیں۔ شفاعت حسنہ میں داخل مگر حدود الٰہی میں شفاعت کہ زانی کو حد نہ لگائی جاوے یا جب چور کا مقدمہ عدالت میں پہنچ جاوے تو شفاعت کہ اس کا ہاتھ نہ کٹے۔ شفاعت سیئہ یعنی ناجائز شفاعت ہیں غرضیکہ حقوق میں شفاعت حسنہ ہے حدود میں شفاعت سیئہ تفسیر بیضاوی نے فرمایا کہ مسلمان بندے کیلئے پس پشت دعا کرنا شفاعت

حسنہ ہے تفسیر کبیر نے فرمایا کہ لوگوں کو جہاد و نیک اعمال کی رغبت دینا شفاعت حسنہ ہے اس لئے یہاں ترغیب جہاد کے بعد اسی شفاعت کا ذکر ہوا غرضیکہ شفاعت حسنہ میں بہت وسعت ہے۔ يَكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا یہ عبارت مَنْ مذکورہ کی خبر بمعنی جزاء ہے مِنْهَا میں لفظ ثواب پوشیدہ ہے یعنی جو مسلمان کسی کیلئے اچھی و جائز سفارش و شفاعت کرے تو اس کو اس کام کے ثواب کا حصہ لگے گا نَصِيْبٌ کی تنوین تعظیم کیلئے ہے یعنی بڑا حصہ ملے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کیلئے پس پشت دعا کرتا ہے تو فرشتہ اس کیلئے دعا کرتا ہے کہ الٰہی اسے بھی یہ دے یہ ہے نَصِيْبٌ مِّنْهَا کی تفسیر۔ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً یہ عبارت پہلے جملہ کے مقابل ہے۔ یہاں من میں عام غافل مسلمان، منافقین، کفار سب شامل ہیں۔ شفاعت سیئہ سے مراد شفاعت حسنہ کے مقابل تمام ناجائز سفارشیں ہیں۔ جتنے احتمالات شفاعت حسنہ میں عرض کئے گئے اس کے مقابل اتنے ہی احتمالات شفاعت سیئہ میں ہیں کسی مسلمان کیلئے بلاوجہ بددعا کرنا حدود الٰہیہ میں سفارش کر کے مجرم کو چھڑانے کی کوشش کرنا لوگوں کو اچھی باتوں سے روکنا اسی طرح برے کاموں کی رغبت دینا سب ہی اس میں شامل ہیں خیال رہے کہ ایسے شفاعت فرمانا مشاکلت کی بنا پر ہے ورنہ یہ شفاعت نہیں شفاعت تو کہتے ہیں غیر کے لئے خیر مانگنا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے فرمایا گیا۔ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (شوریٰ:۴۰) (از صاوی) اس میں چغل خوری۔ فساد پھیلانا بھی داخل ہے۔ يَكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا یہ عبارت دوسرے مَنْ کی خبر بمعنی جزاء ہے۔ کفل سے مراد گناہ کا حصہ ہے۔ خیال رہے کہ عربی میں کفل بھی حصہ کو کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ (حدید:۲۸) رب تم کو اپنی رحمت کے دو حصے دے گا مگر اکثر کفل وہ حصہ کہلاتا ہے جس میں اعتماد و ذمہ داری ہو اسی لئے ضامن و ذمہ دار کو کفیل کہا جاتا ہے اور پرورش کرنے والے کو کافل۔ حضور فرماتے ہیں کہ جنت میں ہم اور کافل یتیم دو ملی ہوئی انگلیوں کی طرح ہوں گے نیز کفل بعیر اونٹ کا وہ کمبل ہے جو اس کی پشت پر ڈال کر سواری کی جاوے کہ اس کمبل سے اس کی پیٹھ کی حفاظت ہوتی ہے (تفسیر کبیر) اظہار اہمیت کے لئے یہاں کفل ارشاد ہوا مگر تفسیر روح المعانی نے اس کے برعکس یہ فرمایا کہ نصیب زیادتی والا حصہ ہے اور کفل بغیر زیادتی کا حصہ لہٰذا آیت میں ارشاۃ فرمایا گیا کہ اچھی شفاعت والے کو اس کے اجر کا حصہ مع زیادت ملے گا اور بری شفاعت والے کو گناہ کا حصہ تو ملے گا مگر زیادت نہ ہوگی۔ یہ رب کریم کا کرم ہے وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا یہ عبارت گذشتہ دونوں حکموں کی تاکید ہے كَانَ دوام و استمرار کے لئے ہے۔ مقیت قوت سے بنا بمعنی روزی جو مخلوق کی بقا کا ذریعہ ہے قوت کی جمع اقوات ہے رب فرماتا ہے وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا (حٰمٓ السجدہ:۱۰)۔ اب استعمال میں مقیت بمعنی قادر بھی آتا ہے اور بمعنی حفیظ و علیم بھی کیونکہ روزی رساں وہ ہی ہوسکتا ہے جو قادر حفیظ و علیم ہو مطلب یہ کہ ہم اچھی شفاعت والے کو اس کا ثواب کا حصہ دیں گے اور بری شفارش والوں کو ان کا عذاب کا حصہ دیں گے کیونکہ ہم روزی رساں قادر و علیم ہیں ہر ایک کا حصہ اسے پہنچانا ہم پر کچھ مشکل نہیں۔ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ یہ نیا جملہ ہے اس کا تعلق پہلی آیت سے معلوم ہو چکا کہ سلام کرنا بھی ایک قسم کی

شفاعت وسفارش ہے اس لئے شفاعت حسنہ کے بعد سلام وجواب کے احکام بیان ہوئے نیز اسے جہاد سے بھی قوی تعلق ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا لہٰذا جہاد کی آیات کے بعد اس کا ذکر مناسب ہوا حُیِّیْتُم بِتَحِیَّۃٍ سے بنا بمعنی حیاک اللہ کہنا عرب بوقت ملاقات کہا کرتے تھے حیاک اللہ اللہ تمہیں زندہ رکھے اس کہنے کا نام تحیت ہے اسلام نے اس کے بجائے کہلوایا السلام علیکم تم پر سلامتی نازل ہو اسلامی سلام اس تحیۃ سے زیادہ شاندار ہے کیونکہ بغیر سلامتی زندگی وبال ہوتی ہے زندگی وہ ہی اچھی جو سلامتی کے ساتھ ہو لہٰذا لمبی زندگی کی دعا سے سلامتی کی دعا بہتر ہے۔ اب تحیت بمعنی سلام آتا ہے نمازی کہتا ہے اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ رب فرماتا ہے تَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلَامٌ (یونس: ۱۰) یہ خطاب مسلمانوں سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس خطاب میں حضور ﷺ بھی داخل ہوں تب تو یہ آیت ہم گنہگاروں کے لئے بڑی ہی حوصلہ افزا ہے حُیِّیْتُم میں ایک عبارت پوشیدہ ہے امر من اخیکم السلم یعنی اے مسلمانوں جب تم کو تمہارے بھائی مسلمان کی طرف سے سلام کہا جاوے اور اے محبوب ﷺ جب آپ کو آپ کے غلام تا قیامت سلام عرض کریں تو فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَآ اَوْرُدُّوْھَا یہ عبارت اِذَا کی جزاء ہے اس میں خطاب تمام مسلمانوں سے ہے بلکہ حضور نبی کریم ﷺ بھی اس خطاب میں داخل ہوں تو عجب نہیں یہاں حَیُّوْا کے معنی ہیں۔ جواب سلام دو۔ مِنْھَا کا مرجع سلام کرنے والے کا سلام ہے یعنی تم اس کے سلام کا جواب اس سے اچھا دو کہ جواب میں الفاظ زیادہ کر دو کہ وہ کہے السلام علیکم تو تم کہو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور اگر وہ کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو تم کہو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ اور اگر وہ کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ تو تم کہو وعلیکم السلام کیونکہ برکاتہٗ سے آگے کوئی کلمہ نہیں جو جواب میں شامل کیا جاوے اس طرح حدیث شریف میں وارد ہے رُدُّوْھَا کے معنی یہ ہیں کہ جو الفاظ سلام کہنے والے نے کہے وہ ہی تم کہہ دو کہ وہ کہے السلام علیکم تو تم بھی کہہ دو وعلیکم السلام اس میں ہم غلاموں کو بشارت عظمٰی ہے کہ ہم جب حضور پر سلام عرض کریں گے انشاء اللہ اعلیٰ درجہ کو جواب پائیں گے ہمارے سلام حضور کی دعائیں لینے کا بہانہ ہیں۔ خیال رہے کہ بہتر جواب دینا مستحب ہے اور برابر کا جواب دینا واجب (جلالین) یہ بھی خیال رہے کہ مسلمان کے سلام کا جواب دینا ضروری ہے کافر کے سلام کا جواب کچھ اور طریقہ سے دیا جاوے گا جیسا کہ ہم عرض کریں گے۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا یہاں بھی کَانَ دوام استمرار کیلئے ہے حَسِیْبًا بمعنی محاسب ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہر چیز پر نگہبان اور اس کا محاسب ہے ہر ایک کا بدلہ حساب سے دے گا۔ تم جیسا سلام وجواب کرو گے اس حساب سے اس کا ثواب پاؤ گے۔ اس جملہ کی تین تفسیریں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا تم سے حساب لے گا۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ تم کو ہر چیز کا ہر عمل کا حساب عطا فرماوے گا کہ ہر ایک کو بقدر عمل جزا دے گا کمی نہ کرے گا۔ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز حساب سے تم کو دی ہے پہلی دو تفسیروں میں اس جملہ میں آخرت کا ذکر ہے تیسری تفسیر میں دنیا کا ذکر ہے یہ حساب قانونی ہے جن پر کرم ہے انہیں بے حساب دے گا جیسے ہمارے حضور۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اس جملہ کی تفسیر بارہا ہو چکی ہم عرض کر چکے ہیں کہ اللہ وہ

جو لائق عبادت، ہو وہ وہی ہے جو غنی و بے نیاز ہو دوسرے اسکے حاجت مند ہوں وہ سب سے بے نیاز اَللّٰہُ الصَّمَدُ لہٰذا اگر چہ بندے کو بھی اللہ کے نام و کام عطا ہوتے ہیں مگر بند محتاج ہے لہٰذا بندہ ہے رب بے نیاز ہے لہٰذا اِلٰــهَ ہے۔ بندہ سمیع، بصیر، علیم، رحیم، رؤف وغیرہ ہے بعض بندے علم و قدرت والے ہیں مردوں کو زندہ کرتے بیماروں کو شفا بخشتے ہیں۔ ہواؤں بارشوں پر ان کا قبضہ ہے دور و نزدیک سے سنتے دیکھتے ہیں جیسا کہ قرآنی آیات اس پر شاہد ہیں مگر ہیں بندے کیونکہ وہ ان صفات میں رب کے محتاج ہیں اس کی عطا سے انہیں یہ سب صفات ملیں اور ان کی یہ تمام صفات رب کے قبضہ میں ہیں لہٰذا وہ بندے ہیں اِلٰــه نہیں اللہ تعالیٰ اپنی ان تمام صفات میں مستقل ہے بے نیاز ہے لہٰذا وہ اِلٰــهَ ہے مدار الوہیت بے نیازی ہے جو کسی بندے کو بے نیاز مانے وہ مشرک ہے اور جو رب تعالیٰ کو نیاز مند مانے وہ مشرک ہے جیسے کفار عرب لہٰذا آیت کریمہ کے معنی ہوئے نہیں ہے کوئی لائق عبادت نہیں ہے کوئی صمد غنی بے نیاز سواء ذات پروردگار کے باقی جو اس کے سواء ہے وہ اس کا بندہ ہے لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اس میں خطاب سارے بندوں سے ہے اِلٰی بمعنی فی ہے اور ہوسکتا ہے کہ اِلٰی انتہا کے لئے ہو یعنی تم کو تمہاری قبروں سے اٹھا کر میدان محشر تک جمع فرمادے گا یا ابھی تم دنیا میں متفرق ہو کوئی جھونپڑی میں ہے کوئی کوٹھی میں کسی کی زبان کچھ ہے کسی کی کچھ مگر مرنے کے بعد سے قیامت تک تم سب جمع رہو گے جسے عالم برزخ کہتے ہیں لَا رَيْبَ فِيْهِ اس قیامت میں یا اس جمع ہونے جمع رہنے میں یا اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے میں کوئی شک و تردد نہیں کیونکہ تمام نبیوں تمام کتابوں نے قیامت کی بھی خبر دی اور اس دن سن کے جمع ہونے کی بھی اور سچوں کی خبر میں تردد نہیں ہوتا اسی طرح اللہ کے ایک ہونے کی بھی خبر ان سب نے دی نیز عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ سب چیزیں حق ہوں کیونکہ ہر مالک اپنے غلاموں سے اپنی نعمتوں کا حساب لیتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی ضرور حساب لے گا نیز ہر کثرت کی انتہا وحدت پر ہے درخت کے تمام پتوں شاخوں کی انتہا ایک جڑ پر انسانی اعضاء کی انتہاء ایک دل پر ملک کی رعایا کی انتہا ایک بادشاہ پر تو چاہئے کہ عالم کی کثرت بھی ایک ذات واحد پر ہو لہٰذا ہمارے ان تمام مذکورہ احکام پر عمل کرو اس لئے ان احکام کے بعد قیامت وغیرہ کا ذکر فرمایا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا من سوال انکاری کیلئے ہے اَصْدَقُ، صِدْقٌ کا اسم تفضیل ہے بمعنی بہت سچا مَنْ مقابلہ کیلئے حَدِيْثًا اَصْدَقُ کی تمیز ہے یعنی خود سوچ لو کہ اللہ سے بڑھ کر سچی بات والا کون ہے اس سچے نے قیامت وغیرہ کی خبر دی ہے تو یقیناً قیامت آنے والی ہے اور وہاں حساب کتاب ہونے والا ہے لہٰذا بجائے قیامت پر بحث کرنے کے وہاں کی تیاری کرو۔

خلاصہ تفسیر

جو مسلمان کسی کی اچھی جائز نیک سفارش کرے یا کسی کو اچھا مشورہ دے تو اسے نیک سفارش اچھا مشورہ دینے کی وجہ سے اس کی نیکی میں یا اس کے اجر میں حصہ ملے گا اور جو بری بات کی سفارش کرے یا کسی کو برا مشورہ دے یا فساد پھیلانے کی کوشش کرے تو اس کو برائی یا برائی کے عذاب میں حصہ ملے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ ہر ایک کو اس کے ہر عمل کا ثواب و عذاب دے سکتا ہے اور ہر نیکی و گناہ میں سے ہر حقدار کو اس

کے حق کی بقدر حصہ دے سکتا ہے اور جب تم کو کسی طرف سے سلام کیا جاوے خواہ کیسا ہی سلام ہو تو تم اس کو اس کے سلام سے بڑھ چڑھ کر جواب دو کہ اگر وہ کہے السلام علیکم تو تم کہو علیکم السلام ورحمۃ اللہ اور اگر وہ کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ تم کہو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہ یہ اچھا جواب ہے یا اس کو ویسا ہی جواب دے دو کہ جو الفاظ وہ کہے وہ ہی تم بھی جواب میں کہہ دو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لے گا اور ہر ایک کو بقدر عمل وجزا وسزا دے گا لہٰذا تمہارے سلام وجواب کا اجر برباد نہ جاوے گا۔ خیال رکھو کہ اللہ کے سواء کوئی لائق عبادت نہیں وہ تم سب کو قیامت میں جمع فرمائے گا یا بعد موت تم سب کو قیامت تک جمع رکھے گا قیامت کے آنے اور اس جمع فرمانے میں کوئی شک وتردد نہیں کیونکہ یہ اللہ کی دی ہوئی چیز ہے جو اس نے تمام نبیوں کی معرفت اور تمام آسمانی کتب وصحیفوں میں اور قرآن کریم میں خبر دی اور خود سوچ لو کہ اللہ سے بڑھ کر سچی بات والا کون ہو سکتا ہے جب وہ سچا ہے تو قیامت بھی برحق ہے اور وہاں ہونے والے واقعات بھی سچے ہیں ان میں تردد نہ کرو بلکہ اس کی تیاری کرو کوئی عقلمند برسات کے متعلق بحث نہیں کرتا بلکہ اس کی تیاری کرتا ہے۔

اسلامی سلام

اس آیت کریمہ میں شفاعت اور سلام دو چیزوں کا ذکر ہے شفاعت کی تحقیق اس کے اقسام اس کے اہل کا ذکر تیسرے پارے آیۃ الکرسی کی تفسیر میں عرض کئے گئے یہاں سلام کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

اسلامی سلام کی فضیلت

ہر ملت ہر دین بلکہ ہر قوم نے اپنی ملاقات کے لئے کچھ الفاظ وطریقے مقرر کر لئے ہیں چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کہتے تھے۔ حیاک اللہ۔ اللہ تجھے زندہ رکھے۔ ہندو کہتے ہیں رام رام جواب دیتے ہیں۔ ستیارام۔ آریہ کہتے ہیں نمستے۔ عیسائی کہتے ہیں گڈ مارننگ، سکھ کہتے ہیں جے گرو۔ مجوسی صرف منہ پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں۔ پارسی کلمہ کی انگلی اٹھا دیتے ہیں بعض نادان مسلمان کہلانے والے کہتے ہیں یا علی مدد۔ مگر ان تمام طریقوں اور سلاموں میں اسلامی سلام بہت ہی موزوں اور بامعانی ہے کیونکہ حیاک اللہ میں صرف زندگی کی دعا ہے مگر السلام علیکم میں دین ودنیا کی سلامتی کی دعا اور ظاہر ہے کہ سلامتی کی دعا زندگی کی دعا سے زیادہ جامع ہے اور زیادہ اچھی بھی کہ اس کے معنی ہیں تم دنیا میں اور مرتے وقت قبر میں حشر میں ہر جگہ ہر آفت سے سلامت رہو نیز بغیر سلامتی کے زندگی عذاب ہوتی ہے۔ بہت لوگ مصیبت کی زندگی پر موت کو ترجیح دیتے ہیں۔ خودکشی کر لیتے ہیں باقی رام رام اور نمستے یا جے گرو یا علی مدد بالکل مہمل وبے معنی الفاظ ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بارہ موقعہ میں مومن پر سلام آنے کا ذکر فرمایا (۱) ازل میں رب نے بندوں پر سلامتی اتاری اس لئے اس نے اپنا نام سلام رکھا یعنی بندوں کو سلامتی دینے والا (۲) نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔ اِهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ (ھود:۴۸)۔ (۳) فرشتوں کی زبانی سلام کہلوایا تَنَزَّلُ

الْمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ مِنْ کُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ (قدر:۵)۔ یعنی اے محبوب آپ کی وفات کے بعد آپ کی امت بربادنہ ہوگی کیونکہ انہیں فرشتے سلام کرتے رہیں گے۔ (۴) موسیٰ علیہ السلام کی معرفت سلام بھیجا کہ فرمایا۔ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (طٰہٰ:۴۷)۔ (۵) حضور ﷺ کی معرفت سلام بھیجا۔ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (نمل:۵۹)۔ (۶) محبوب ﷺ کو حکم دیا کہ اپنی امت کو سلام فرماؤ کہ فرمایا وَ اِذَا جَآءَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ (انعام:۵۴)۔ (۷) امت محمدیہ کو سلام کرنے کا حکم دیا کہ فرمایا اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَآ (النساء:۸۶)۔ (۸) ملک الموت علیہ السلام کی معرفت سلام بھیجا کہ فرمایا اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ (نحل:۳۲)۔ (۹) پاک ارواح کے ذریعہ سلام بھیجا کہ فرمایا فَسَلٰمٌ لَّکَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ (واقعہ:۹۱)۔ (۱۰) رضوان خازن جنت کے ذریعہ سلام فرمایا کہ ارشاد ہوا وَقَالَ لَھُمْ خَزَنَتُھَا سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ (زمر:۷۳)۔ (۱۱) جنت میں داخلے کے وقت فرشتوں سے سلام کہلوایا یَدْخُلُوْنَ عَلَیْھِمْ مِنْ کُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ (رعد:۲۴)۔ (۱۲) خود بلاواسطہ سلام فرمایا سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (یٰس:۵۸)۔ سلام کی عظمت کی وجہ سے حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام پر ابتداز زندگی میں اور بقاء زندگی اور انتہائی زندگی میں سلام نازل ہوئے کہ ان تینوں وقتوں میں سلامتی کی سخت ضرورت ہوتی ہے چنانچہ فرمایا وَسَلٰمٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَ یَوْمَ یَمُوْتُ وَ یَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا (مریم:۱۵)۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا (مریم:۳۳)۔ اس سلام کی عظمت کی وجہ سے ہم مسلمانوں کو نبی ﷺ پر درود و سلام کا حکم دیا کہ فرمایا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (احزاب:۵۶)۔ (تفسیر کبیر)

سلام کا طریقہ

مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب آدم علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو فرمایا دیکھو وہ فرشتوں کی جماعت بیٹھی ہے وہاں جاؤ انہیں سلام کرو اور ان کے جواب میں غور کرو وہ تمہاری اولاد کا سلام و جواب ہوگا چنانچہ آدم علیہ السلام وہاں گئے اور کہا السلام علیکم وہ سب بولے علیک السلام ورحمۃ اللہ علماء فرماتے ہیں کہ سلام اگر چہ ایک آدمی کو کرے مگر علیکم ضمیر جمع استعمال کرے کہ ہر شخص کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں۔ کاتبین اعمال اور محافظین ان کو بھی سلام ہو جاوے چنانچہ وہ بھی جواب دیتے ہیں ترمذی و ابوداؤد نے حضرت عمران ابن حصین سے روایت کی کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا السلام علیکم حضور نے جواب دیا اور فرمایا دس (۱۰) پھر دوسرا آیا عرض کیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ جواب دیا اور فرمایا بیس (۲۰) پھر

تیسرا حاضر ہوا بولا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ جواب دیا اور فرمایا (۳۰) چاہیئے یہ کہ بلند آواز سے سلام کرے تا کہ سامنے والا سن لے۔ جواب فوراً دینا چاہیئے اگر دیر سے جواب دے گا تو وہ جواب نہ ہوگا (تفسیر خازن) مگر مجبوراً کچھ دیر لگا سکتا ہے۔

سلام کا حکم

سلام کرنا سنت کفایہ ہے کہ اگر جماعت میں سے ایک نے سلام کرلیا سب کی طرف سے ادا ہو گیا۔ اگر کسی نے نہ کیا تو سب سنت کے تارک ہوئے اور سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے کہ اگر جماعت میں سے ایک نے جواب دے دیا تو سب کا فرض ادا ہو گیا اور اگر کسی نے جواب نہ دیا تو سب فرض چھوڑنے کے گنہگار ہوئے یہ ہی حال چھینک کے جواب کا ہے کہ جماعت میں سے ایک جواب دیدے سب کی طرف سے سنت ادا ہو گئی۔ خیال رہے کہ سلام کرنا سنت ہے۔ جواب دینا فرض مگر زیادہ ثواب سلام کرنے کا ہے کہ سلام کرنے والے کو نوے نیکیوں کا ثواب ہے جواب دینے والے کو دس کا دیکھو وقت نماز سے پہلے وضو کرنا سنت ہے وقت آجانے پر فرض یوں ہی وقت سے پہلے قرض ادا کرنا سنت ہے وقت پر ادا کرنا واجب مگر ان سنتوں کا ثواب فرض واجب سے زیادہ ہے (صاوی وخازن)۔

سلام کرنے کے آداب

سنت یہ ہے کہ سوار پیدل کو چلنے والا بیٹھے ہوئے کو تھوڑی جماعت بڑی جماعت کو اور چھوٹی عمر والا بڑی عمر والے کو سلام کرے اور جب دو گذرتے ہوئے آدمی ملاقات کریں تو سلام سے ابتداء کرنے والا زیادہ ثواب پائے گا۔ بوقت ملاقات پہلے سلام کرے پھر کلام چھوٹے بچوں پر گذرو تو انہیں بھی سلام کرو کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے مسجد وغیرہ میں عورتوں کی جماعت پر گذرو تو انہیں سلام کر سکتے ہو اگر فتنہ کا خوف نہ ہو ابوداؤد نے حضرت اسماء بنت یزید سے روایت کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ ہم عورتوں پر مسجد میں گزرے تو آپ نے سلام کیا اکیلی بوڑھی عورت کو سلام کرنا سنت ہے۔ اجنبی جوان عورت کو سلام کرنا ممنوع ہے کہ اس سے فتنہ کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہے، عورتیں آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں ان کے وہ ہی احکام ہیں جو مردوں کے آپس میں ہیں (خازن)۔ جب اپنے گھر میں آؤ تو اپنے بیوی بچوں کا سلام کرو کہ اس سے اتفاق واتحاد ہوتا ہے۔ رزق میں برکت ہوتی ہے۔ جب خالی گھر میں جاؤ تو یوں سلام کرو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ۔ جب مسجد میں داخل ہو تو کہو بسم اللہ والسلام علیٰ رسول اللہ۔ عام قبرستان میں جاؤ تو یوں سلام کرو۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارُ قَوْمِ الْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْأَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَةَ۔ جب اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دو تو یوں سلام کرو۔ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ بِمَا کُنْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ جب شہداء کے مزار پر حاضری دو تو یوں سلام کرو۔ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ جب حضور انور ﷺ کے روضۂ انور پر حاضری نصیب ہو تو وہ سلام عرض کرو جو ہم نے اپنے سفر نامہ میں مع ترجمہ عرض کئے ہیں۔

دور سے آئے ہیں پردیسی غلام عرض کرنے کو غلامانہ سلام!

سلام کے بقیہ طریقہ شامی وعالمگیری وغیرہ میں دیکھو۔

سلام منع کب ہے

جو شخص پیشاب یا پاخانہ یا صحبت کررہا ہو۔ اسے سلام کرنا ممنوع ہے ایسے ہی نماز پڑھتے ہوئے کو یوں ہی جو غسل کررہا ہو۔ ننگا ہو تو اسے سلام کرنا ممنوع ہے اور اگر تہبند باندھے نہار ہا ہے تو سلام جائز یوں ہی کافر کو بدمذہب کو۔ فاسق کو اور جو فسق کررہا ہو بلا ضرورت سلام کرنا ممنوع ہے۔ یوں ہی جو کھانا کھارہا ہو۔ سورہا ہو دینی سبق پڑھا رہا ہو اسے سلام ممنوع ہے خطبہ کے وقت اذان یا تکبیر کی حالت میں سلام ممنوع ہے۔ اس کے بقیہ احکام عالمگیری وغیرہ میں دیکھو۔ خیال رہے کہ سلام اسے کیا جاوے جو سلام سنتا بھی ہو جواب دے سکتا بھی ہو جواب دیتا بھی ہو تو جو سلام سنتا نہ ہو۔ جیسے سوتا ہوا یا غائب یا بہرا اسے سلام کرنا ممنوع ہے اور جو سلام سنتا تو ہو مگر جواب نہ دے سکتا ہو جیسے نماز یا استنجے یا صحبت میں مشغول اسے سلام کرنا ممنوع ہے یوں ہی جو سلام سنتا بھی ہو جواب دے سکتا بھی ہو مگر جواب دیتا نہ ہو اسے بھی سلام کرنا ممنوع ہے۔ جیسے خطبہ وعظ۔ درس وتدریس میں مشغول شخص یہ قاعدہ ضرور خیال رہے بہت مفید ہے۔

نبی ﷺ کو سلام

یوں تو حضور ﷺ پر قریباً ہر حالت میں صلوٰۃ وسلام بھیجنا چاہیئے مگر جمعہ کے دن جمعہ کی رات۔ روزانہ صبح وشام مسجد میں آتے جاتے وقت حضور کے روضۂ مطہرہ کی زیارت کے وقت اذان کے بعد تکبیر کہتے وقت۔ دعا کے اول آخر اور بیچ میں حج وعمرہ میں تلبیہ کے بعد وضو کے وقت اذان کی آواز کے وقت وعظ کہتے وقت درس خطبہ نکاح کے وقت ہر اہم کام کرتے وقت حضور کا نام لیتے یا لکھتے وقت صلوٰۃ وسلام بہت ہی بہتر ہے (شامی)

دور سے حضور کو سلام

یہ عقیدہ رکھو کہ امتی کہیں ہو حضور سے کتنی ہی دور ہو جب التحیات میں یا کسی اور وقت سلام عرض کرتا ہے تو حضور ﷺ بنفس نفیس اس کا سلام خود سنتے ہیں اس لئے نمازی کو چاہیئے کہ التحیات میں سلام کے وقت معراج کے سلام کی نقل کی نیت نہ کرے بلکہ خود سلام کرنے کی نیت کرے (شامی) بلکہ یہ سمجھے کہ حضور ﷺ اس کا سلام خود سن رہے ہیں اور جواب دے رہے ہیں (مدارج النبوۃ، واشعۃ ومرقات وغیرہ) کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضور ﷺ دور کا سلام نہیں سنتے وہ جو روایت میں ہے کہ جو میری قبر انور پر سلام عرض کرتا ہے تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جو دور سے سلام عرض کرتا ہے تو مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔ اس سے لازم یہ نہیں کہ آپ دور کا سلام سنتے نہیں بلکہ دور والے کا سلام سنتے بھی ہیں اور پہنچایا بھی جاتا ہے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بندوں کے اعمال دعائیں پہنچائی جاتی ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں کہ رب تعالیٰ ان چیزوں سے بے خبر ہے دیکھتا سنتا نہیں بلکہ وہابیوں کے پیشوا ابن قیم نے اپنی کتاب جلاء الافہام مطبوعہ ادراۃ الطاہرۃ المنیز یہ مصر

صفحہ ۳۷ پر بحوالہ طبرانی ایک حدیث نقل کی:

قَالَ الطَّبَرَانِیُ حَدَّثَنَا یَحْیَی ابْنِ اَیُّوبَ الْعَلَّاف حَدَّثَنَا سَعِیْدُ ابْنِ اَبِیْ مَرْیَمْ خَالِدُ ابْنِ زَیْدٍ عَنْ زَیْدٍ عَنْ سَعِیْدِ ابْنِ اَبِیْ هَلَالٍ عَنْ اَبِیْ الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَکْثِرُوْا الصَّلٰوةَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلٰئِکَةُ لَیْسَ مِنْ عَبْدٍ یُّصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا بَلَغَنِیْ صَوْتُهٗ حَیْثُ کَانَ قُلْنَا وَ بَعْدَ وَفَاتِکَ قَالَ وَ بَعْدَ وَفَاتِیْ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ

طبرانی نے فرمایا ہم کو یحییٰ ابن ایوب علاف نے خبر دی انہیں سعید ابن مریم نے انہوں نے خالد ابن زید سے روایت کی انہوں نے سعید ابن ابی ہلال سے انہوں نے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم مجھ پر جمعہ کے دن زیادہ درود شریف پڑھا کرو کہ وہ حاضری کا دن ہے جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں کوئی ایسا بندہ نہیں جو مجھ پر درود پڑھے مگر اس کی آواز مجھ کو پہنچ جاتی ہے وہ جہاں بھی ہو ہم نے عرض کیا کہ حضور آپ کی وفات کے بعد فرمایا میری وفات کے بعد بھی۔ اللہ نے زمین پر حرام فرمادیا کہ وہ انبیاء کرام کے جسم کھائے

یہ حدیث ابن قیم نے بغیر تردید اور بغیر کسی جرح کے نقل کی معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے ورنہ ابن قیم حدیث بغیر جرح نقل نہ کرتے لہٰذا ہر مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اکثر صلوٰۃ و سلام پڑھا کرے انشاء اللہ وہاں سے جواب ملتا رہے گا۔

کفار کے سلام کا جواب

کفار کو بلا ضرورت شدیدہ سلام کرنا ممنوع ہے مگر جب کوئی کافر مسلمان کو سلام کرے تو مسلمان اس کے جواب میں کہہ دے وعلیکم کہ وہ اکثر السام علیکم کہتے ہیں یعنی تم پر موت پڑے جیسا کہ حدیث شریف میں صراحۃً وارد ہے اس کے متعلق بہت احادیث آئی ہیں دیکھو تفسیر خازن وغیرہ۔

مسئلہ

کفار کو ہدایت کی دعا دینا جائز ہے اور جب کوئی کافر کسی مسلمان پر احسان کرے تو مسلمان اسے ضرور دعا دے دے ایک یہودی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا دودھ دوہ دیا تو آپ نے دعا دی اَللّٰهُمَّ جَمِّلْهُ خدایا تو اسے جمال عطا فرما تو ستر سال کی عمر تک اس کے بال سفید نہ ہوئے (روح البیان) کفار کے ساتھ کھانا پینا میل و محبت کے طور پر حرام ہے ضرورۃً یا تالیف قلب کے لئے جائز ہے وہ بھی کبھی کبھی (روح المعانی)۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: نیکی کرنا بھی ثواب ہے نیکی کرانا بھی اور نیکی کا مشورہ دینا بھی اور نیکی میں امداد کرنا بھی ثواب ہے جیسا کہ **شفاعۃ حسنہ** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: مظلوم کو ظلم سے چھڑانے کیلئے سفارش کرنا یوں ہی قصور مند کو صاحب حق

سے معافی دلانے کیلئے سفارش کرنا ثواب ہے یہ بھی شفاعت حسنہ کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: ظالم کو چھوڑانے مظلوم کو پھنسانے شرعی حدود سزائیں معاف کرانے کے لئے سفارش کرنا حرام ہے یہ **شفاعت سیئہ** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: سلام کرنا سنت ہے سلام کا جواب دینا فرض جیسا کہ **فَحَيُّوْا** سے معلوم ہوا کیونکہ یہ صیغہ امر ہے اور امر وجوب کیلئے آتا ہے۔ **پانچواں فائدہ**: جو سلام نہ سنے یا جواب نہ دے سکے یا جواب نہ دے اسے سلام کرنا ممنوع ہے یہ فائدہ بھی **فَحَيُّوْا** امر سے حاصل ہوا کیونکہ سلام کے بعد جواب دینا فرض ہے اور جواب دینا ان تین باتوں پر موقوف ہے۔ **چھٹا فائدہ**: حضور ﷺ ہر امتی کا سلام سنتے بھی ہیں جواب دے سکتے بھی ہیں اور جواب دیتے بھی ہیں یہ فائدہ بھی **فَحَيُّوْا** الخ سے حاصل ہوا۔ ورنہ آپ کو دور سے سلام کرنا ممنوع ہوتا۔ **ساتواں فائدہ**: حضور کو اکثر صلوٰۃ و سلام کرتے رہنا چاہئیے کیونکہ سلام کا جواب دینا فرض ہے تو یہ ناممکن ہے کہ حضور کو کوئی سلام کرے اور آپ جواب نہ دیں آپ فرض کیسے ترک فرما سکتے ہیں اس سے مسئلہ حیات النبی۔ حاضر ناظر ہونا سب کچھ ثابت ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**: مسلمان مردے سنتے ہیں خصوصاً قبر پر حاضر ہونے والے کا سلام سنتے جواب دیتے ہیں یہ فائدہ بھی **حَيُّوْا** سے حاصل ہوا کیونکہ سلام کا جواب دینا فرض ہے اور قبرستان جا کر مردوں کو سلام کرنا سنت ہے اگر وہ جواب نہ دیتے ہوتے تو ان کو سلام کرنا ممنوع ہوتا۔ **نواں فائدہ**: سلام کے لئے کوئی لفظ مقرر نہیں جس طرح جس لفظ سے سلام کیا جاوے السلام علیکم۔ سلام علیکم۔ علیک السلام وغیرہ اس کا جواب دینا ضروری ہے یہ فائدہ **بِتَحِيَّةٍ** کے نکرہ ہونے سے حاصل ہوا۔ قرآن مجید میں مختلف الفاظ سے سلام کا ذکر ہے۔ **فَقَالُوْا سَلٰمًا** (حجر:۵۲)۔ **سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ** (زمر:۷۳) وغیرہ۔ ہاں سنت یہ ہے کہ السلام علیکم سے سلام کرے اور وعلیکم السلام سے جوب دے۔ **دسواں فائدہ**: سلام بڑی اہم نیکی ہے کہ بعد موت تمام نیکیاں بند ہو جاتی ہیں۔ مگر سلام و جواب بعد موت قبر و حشر جنت میں ہوتا رہے گا۔ مردے آپس میں ایک دوسرے سے ملتے وقت سلام کرتے ہیں۔ فرشتے سلام کرتے ہیں رب کی طرف سے اہل جنت کو سلام ہوگا۔ **سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ** (یس:۵۸)۔ یہاں **فَحَيُّوْا** اور **اَوْ رُدُّوْهَا** میں زندے مردے۔ امتی انسان و فرشتے سب ہی سے خطاب ہے اور سب کو جواب سلام دینے کا حکم ہے۔ **گیارھواں فائدہ**: عموماً مسلمان میلاد شریف، فاتحہ، نماز جمعہ کے بعد حضور ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں یہ بہت ہی اچھا عمل ہے مسجد نبوی شریف میں ہر نماز کے بعد سلام پڑھایا جاتا ہے یہ درحقیقت حضور سے دعائیں لینے کی تدبیر ہے اگر ہمارے سلام کے جواب میں حضور فرما دیں وعلیکم السلام تو انشاء اللہ ہم دین و دنیا میں سلامت رہیں۔ حضور یقیناً جواب سلام دیتے ہیں کہ یہ حکم قرآنی ہے۔

بارھواں فائدہ: کوئی درود سلام سے خالی نہ چاہئیے کہ درود شریف سے اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور سلام سے حضور کی دعائیں ملتی ہیں درود ابراہیمی بجز نماز دوسری جگہ ناقص ہے کیونکہ درود ابراہیمی میں سلام نہیں نماز میں

چونکہ التحیات میں سلام ہو چکا اس لئے یہ درود وہاں کامل ہے نماز کے علاوہ میں سلام ہو نہیں چکا اس لئے وہاں درود ابراہیمی ناقص ہے۔

تفسیر صوفیانہ

نیکی و گناہ ایسی چیزیں ہیں کہ اپنے میں بہت کو لے لیتی ہیں نیکی کرنے والا کرانے والا اس کا مشورہ دینے والا اس میں امداد دینے والا نیکی میں شریک ہیں یہ ہی حال گناہ کا ہے لہٰذا حضور ﷺ کو ہر ساعت بے شمار ثواب پہنچ رہا ہے کہ جو بھی جو نیکی کر رہا ہے۔ حضور کی شفاعت حسنہ سے کر رہا ہے سلام ہی وہ نعمت ہے جس کے ذریعہ زندے مردوں سے امتی نبی سے بلکہ بندے اللہ تعالیٰ سے ملتے ہیں جو چاہے کہ حضور ﷺ ہر وقت میری طرف متوجہ رہیں وہ ہمیشہ حضور کو سلام کیا کرے کہ اس سے سرکار ہمیشہ اس کی طرف متوجہ رہیں گے یہ نہ خیال کرو کہ سرکار اعلیٰ علیین میں ہیں ہم زمین میں ہیں پھر توجہ پاک کیسے ہوگی سورج چوتھے آسمان پر ہے مگر اس کی شعاعیں زمین پر ہر وقت پہنچتی رہتی ہیں اور یہاں صدہا کرشمے کرتی رہتی ہیں۔ حضور ﷺ دائمی زندہ ہیں بحیات کامل سرکار فرماتے ہیں کہ جو مسلمان مجھ کو سلام عرض کرتا ہے تو رب تعالیٰ میری روح کو رد فرما دیتا ہے حتیٰ کہ میں اسے جواب دیتا ہوں اور ظاہر ہے کہ ہر آن لاکھوں سلام حضور کو ہوتے رہتے ہیں تو ہر وقت ہی روح پاک جسم سے متصل رہتی ہے روح محمدی جسم پاک سے متصل رہتی ہے اور شعور و ادراک و احساس روح پاک سے قائم حضور روح عالم ہیں روحِ محمدی عالم کے ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ میں ساری ہے اس لئے ہر جگہ سے آپ پر سلام ہو رہا ہے۔ حضرت عطار فرماتے ہیں۔

خواجہ کز ہرچہ گویم بیش بود — در ہمہ چیزے ہمہ در پیش بود
وصف او درگفت چوں آید مرا — چوں عرق از شرم خوں آید مرا
او فصیح عالم و من لال او — کے توانم داد شرح حال او
وصف او کے لائق ایں ناکس است — واصف او خالق عالم بس است
انبیاء از وصف او حیراں شدہ — سر شناساں نیز سرگرداں شدہ

صوفیاء فرماتے ہیں کہ قیامت تین ہیں۔ قیامت صغریٰ یہ ہر شخص کی اپنی موت ہے جو مر گیا اس کی قیامت تو آ گئی قیامت وسطیٰ وہ صور کا پہلا نفخہ جب سب فنا ہو جائیں گے قیامت کبریٰ وہ تمام کا زندہ ہونا ہے۔ سب کا اجتماع قیامت کبریٰ میں ہوگا۔ مثنوی میں ہے۔

ساز اسرافیل روزے نالہ را! — جاں دہد بوسیدۂ صد سالہ را!
ہیں کہ اسرافیل وقت اند اولیاء — مردہ را زیشان حیاتست و نما

بزرگان دین کے آستانہ قیامت کا منظر ہیں کہ وہاں پہنچ کر سب غریب و امیر یکساں ہو جاتے ہیں آج اس کا نظارہ مدینہ منورہ میں کرو جہاں شاہ و گدا ایک کر دیئے جاتے ہیں (تفسیر روح البیان) یہ دنیا کے محشر ہیں اس سے اس قیامت کا پتہ

لگالو۔ صوفیاء کرام کے نزدیک عزت تین قسم کی ہے۔ عزت شیطانی، عزت نفسانی، عزت رحمانی، عزت شیطانی وہ ہے جو کفر و فسق کی بنا پر ملے جیسے جواریوں شرابیوں کافروں کے سرغنہ اپنی جماعتوں میں عزت والے ہوتے ہیں۔ عزت نفسانی وہ ہے جو مال درجہ عہدہ وغیرہ سے ہے۔ عزت رحمانی وہ ہے جو نیک اعمال کی وجہ سے ملے جیسے حضرات انبیاء اولیاء صلاحین کی عزت پہلی دو عزتیں عذاب ہیں جن کے متعلق رب فرماتا ہے اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ (بقرہ:۲۰۶) اور تیسری عزت رحمت ہے جسکے متعلق رب فرماتا ہے وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (منافقون:۸)۔ یوں ہی تکبر تین قسم کا ہے۔ تکبر شیطانی جو حضرات انبیاء اولیاء مقبولین بارگاہ کے مقابلہ میں ہو کہ نبی ولی کچھ نہیں ہیں ان سے ہم افضل ہیں۔ شیطان نے کہا تھا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ (اعراف:۱۲) اور کہا تھا خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (اعراف:۱۲)۔ تکبر نفسانی وہ ہے جو مسلمان بھائی کے مقابلہ میں ہو کہ مسلمانوں سے اپنے کو اونچا جانے تکبر رحمانی وہ ہے جو کفار کے مقابلہ میں ہو خصوصاً جہاد کے وقت پہلا تکبر کفر ہے۔ دوسرا تکبر حرام ہے۔ تیسرا تکبر عبادت ہے لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ بالکل حق ہے مگر قیامت میں عزت رحمانی والے ممتاز ہوں گے۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ
پس کیا حال ہے تمہارا منافقوں کے متعلق دو گروہ ہو گئے اور اللہ نے انہیں لوٹا دیا اس وجہ سے جو انہوں نے کیا
تو تمہیں کیا ہوا کہ منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو گئے اور اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا ان کے کوتکوں کے سبب
اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ
کیا ارادہ کرتے ہو تم یہ کہ ہدایت دو اس کو جسے گمراہ کر دیا اللہ نے اور وہ کہ گمراہ کر دے اسے اللہ
کیا یہ چاہتے ہو کہ اسے راہ دکھاؤ جسے اللہ نے گمراہ کیا اور جسے اللہ گمراہ کرے
فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾
پس ہرگز نہ پاؤ گے تم واسطے اس کے راستہ
تو ہرگز اس کے لئے راہ نہ پاؤ گے

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ بری شفاعت کرنے والے یعنی مسلمانوں کو بہکانے والے کو گناہ میں حصہ ملے گا اب اس کے مصداق کا ذکر ہے کہ بعض منافقین مسلمانوں سے علیحدہ رہ کر کفار سے میل رکھتے ہیں بلکہ مسلمانوں کو بہکانے کی کوشش کرتے ہیں یہ کافر مطلق ہیں ان پر ویسا ہی جہاد کرو جیسا کھلے کافروں پر کرتے ہو غرضیکہ اجمالی حکم کے بعد

تفصیلی حکم کا بیان ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: گذشتہ پچھلی آیات میں ذکر ہوا تھا کہ منافقین آپ کے ساتھ جہاد میں جانے سے ہچکچاتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ تمہارے مقابل کفار کی امداد کرتے ہیں تو تمہارے ساتھ جہاد میں کیا شریک ہوں گے یعنی منافقین کا ایک عیب بیان فرمانے کے بعد ان کا دوسرا عیب بیان ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیۃ میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو برزخ میں قیامت تک جمع فرمائے گا یا قیامت میں اٹھتے وقت جمع فرمائے گا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ اجتماع قیامت کے اول وقت ہوگا آج دنیا میں مسلمانوں کو کفار اور ایسے منافقین سے علیحدہ رہنا چاہیے گویا اجتماع کے ذکر کے بعد افتراق کا ذکر ہے۔

شان نزول اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق مفسرین نے سات روایات نقل فرمائیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کریمہ منافقین مدینہ عبداللہ ابن ابی وغیرھم کے متعلق آئی جو احد میں جا کر واپس لوٹ آئے مگر یہ روایت اس آیت کے مضمون کے بالکل خلاف ہے کہ یہاں ان کے قتل کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ عبداللہ ابن ابی وغیرہ قتل نہ کئے گئے نیز ان کو ہجرت کی ترغیب دی گئی یہ لوگ ہجرت کیسے کرتے وہ تو رہتے ہی تھے مدینہ پاک میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کریمہ قبیلہ عرینہ کے متعلق نازل ہوئی جو مدینہ میں آئے پھر مرتد ہو گئے اور قتل کر دیئے گئے مگر آیت کا مضمون اسکے بھی خلاف ہے کیونکہ ان کے متعلق صحابہ کرام کا اختلاف نہ ہوا نیز جب وہ اسی دن شام سے پہلے ہی گرفتار کر لئے گئے اور انکے ہاتھ پاؤں کٹوا کر تپتے میدان میں ڈلوا دیئے گئے جہاں سسک سسک کر وہ مرے پھر انکی ہجرت کے کیا معنیٰ لہٰذا فقیر ان تمام روایتوں کو چھوڑتا ہے اور صرف چار روایتیں لیتا ہے جو مضمون آیۃ کے بالکل موافق ہیں۔

(۱) بعض لوگ مدینہ منورہ آئے بظاہر مسلمان ہو کر یہاں رہنے سہنے لگے کچھ روز بعد بارگاہ رسالت میں عرض کرنے لگے کہ مدینہ پاک کی آب و ہوا ہمارے موافق نہیں ہم کو اجازت دی جاوے کہ ہم میدان بدر کی طرف کوچ کر جاویں تاکہ وہاں تندرست رہیں انہیں اجازت دی گئی یہ لوگ خانہ بدوشوں کی طرح جگہ جگہ ٹھہرتے ہوئے بدر پہنچے پھر وہاں کچھ رہ کر اور آگے بڑھ گئے حتیٰ کہ بڑھتے بڑھتے مکہ معظمہ پہنچ گئے اور کفار مکہ سے مل گئے جب ان کے مکہ معظمہ پہنچنے کی خبر مدینہ پاک میں آئی تو صحابہ کرام نے ان کے متعلق بحث کی بعض نے فرمایا کہ وہ لوگ مسلمان ہیں مخالفت آب و ہوا کی وجہ سے وہاں پہنچ گئے ہیں وہ کلمہ گو تھے ہم کو ان کے متعلق شک نہ کرنا چاہیے اور اگر کسی جنگ میں وہ ہمارے قابو آ جائیں تو انہیں قتل نہ کرنا چاہیے بعض نے فرمایا کہ یہ لوگ پہلے منافق تھے نفاق سے کلمہ پڑھ گئے تھے اب شرعی مرتد ہیں کہ کھلے کافر بن گئے اگر ان کے دل میں ایمان ہوتا تو دار اسلام سے نکل کر دار کفر میں کیوں پہنچ جاتے اس موقع پر یہ آیات کریمہ نازل ہوئی جس میں اس دوسری جماعت کی تائید کی گئی (روح البیان، تفسیر بیضاوی، تفسیر مدارک، خازن وغیرہ)

(۲) ایک قوم مدینہ منورہ میں آکر مسلمان ہوئی کچھ روز رہ کر عرض گذار ہوئے کہ ہماری زمین مکانات اطراف مکہ معظمہ میں ہیں اجازت دی جاوے کہ ہم وہاں جا کر پھر آباد ہو جاویں پھر بغیر اجازت حاصل کئے ہوئے۔ وہاں چلے

گئے ان کے متعلق صحابہ کرام میں مذکورہ بحث ہوئی تب یہ آیت نازل ہوئی جس میں اس جماعت کی حمایت فرمائی گئی جو انہیں مرتد واجب القتل مانتے تھے (تفسیر خازن)

(۳) بعض لوگ مکہ معظمہ میں بظاہر ایمان لے آئے تھے مگر باوجود قدرت کے وہاں سے ہجرت نہ کرتے تھے بلکہ موقعہ پڑنے پر وہ مسلمانوں کے مقابل کفار مکہ کی حمایت کرتے تھے یا اس حمایت پر مجبور ہوتے تھے ان کی خبریں مدینہ پاک میں آتی رہتی تھیں تو صحابہ کرام ان کے متعلق رائے زنی فرماتے تھے کوئی انہیں مومن کہتا کوئی کافر کہتا ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر کبیر وخازن) فقیر کے نزدیک یہ روایات قوی ہیں کہ آیت کریمہ کے مضمون کے موافق ہیں

(۴) بعض لوگ مکہ معظمہ سے مہاجر بن کر مدینہ پاک پہنچے یہاں کلمہ گو ہو گئے پھر یہ بہانہ بنا کر مکہ معظمہ لوٹ گئے کہ ہم اپنے سامان لینے جا رہے ہیں تا کہ وہاں سے سامان لا کر یہاں تجارت کریں پھر وہاں سے نہ آئے حضور نے ان کے قتل کا حکم دیا (روح المعانی)۔

تفسیر فَمَالَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ۔ ف جزائیہ ہے اور یہ کلمہ پوشیدہ کی جزاء یعنی جب ان مردودوں کی غداری بے وفائی تم پر عیاں ہو گئی تو پھر تمہیں کیا ہو گیا۔ مَا استفہامیہ ہے اور استفہام تعجب دلانے کے لئے ہے لَكُمْ میں خطاب سارے صحابہ سے ہے اگر چہ ان کی ایک جماعت کی حمایت فرمائی گئی فِي الْمُنَافِقِيْنَ سے پہلے صِرْتُمْ یا كُنْتُمْ یا اَصْبَحْتُمْ فعل پوشیدہ ہے فِي الْمُنَافِقِيْنَ اس کے متعلق ہے فِئَتَيْنِ اس کی خبر ہے اس جملہ کی کچھ ترکیبیں بھی ہو سکتی ہیں مگر یہ ترکیب آسان بھی ہے زیادہ ظاہر بھی فِئَتَيْنِ فِئَةٌ کا تثنیہ ہے بمعنی لوٹنا و رجوع کرنا اب چھوٹی جماعت کو بھی فِئَةٌ کہہ دیتے ہیں اس کی تحقیق بارہا ہو چکی ہے الْمُنَافِقِيْنَ میں الف لام عہدی ہے اور ان سے وہ ہی منافق مراد ہیں جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے اگر چہ وہ اس وقت مرتد ہو کر ظاہر کافر بن چکے تھے مگر انہیں پہلی حالت کے لحاظ سے منافق فرمایا گیا یعنی اے جماعت صحابہ تم کو کیا ہو گیا کہ تم ان منافقوں کے متعلق دو جماعتیں بن گئے جو پہلے منافق تھے۔ نفاق سے کلمہ پڑھتے تھے پھر بعد میں کفار دوستی قومی غداری مدینہ منورہ سے بھاگ جانے کی وجہ سے کھلے کافر بن گئے وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا۔ یہ جملہ حال ہے اور اس کا واؤ حالیہ ہے یا منافقین سے حال ہے یا لَكُمْ کی ضمیر مخاطب سے حال اَرْكَسَ کا مادہ رَكْسٌ ہے رَكْسٌ کے معنی لوٹانا۔ اوندھا کرنا بمعنی نکسٌ گمراہ کرنا بکھیرنا متفرق کرنا۔ ہلاک کرنا یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں هُمْ سے مراد وہ ہی منافقین مرتدین ہیں جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی بِمَا كَسَبُوْا میں مَا یا تو مصدریہ ہے یا موصولہ کسب سے مراد ان کے ظاہری بد اعمال ہیں کفار سے مل جانا مسلمانوں اور نبی ﷺ سے تعلق منقطع کر لینا یعنی تم تو ان بد نصیبوں کے متعلق آپس میں جھگڑ رہے ہو حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی بد عملیوں کی وجہ سے انہیں کفر کی طرف لوٹا دیا۔ گمراہ کر دیا۔ ان کی جماعت کے ٹکڑے اڑا دیئے انہیں ہلاک کر دیا پھر تمہاری یہ بحث بیکار ہے اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ۔

یہ جملہ نیا ہے اس کا استفہام اظہار ناپسندیدگی کے لئے ہے اور تُرِیْدُوْنَ میں خطاب ان مسلمانوں سے ہے جو انہیں مومن کہتے تھے ان کے ایمان پر گویا مناظرے کرتے تھے اَنْ تَهْدُوْا جملہ ہو کر تُرِیْدُوْنَ کا مفعول ہے اور مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ تَهْدُوْا کا مفعول یعنی کیا تم ان مناظروں کے ذریعہ انہیں ہدایت دے دینا چاہتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر چکا کیا تمہارے ان مناظروں سے وہ ہدایت پر آ جائیں گے ہرگز نہیں وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ۔ یہ جملہ گذشتہ جملہ کی وجہ کا بیان ہے مَنْ سے مراد سارے جن وانس ہیں اور اضلال سے مراد ہے اس کی حرکتوں کی وجہ سے دل میں گمراہی پیدا کر دینا۔ سبیل اگرچہ ہر خیر وشر راستہ کو کہتے ہیں مگر اکثر رب تک پہنچانے والے راستہ کو کہا جاتا ہے لَنْ تَجِدَ میں خطاب یا تو حضور ﷺ سے ہے یا ان مسلمانوں سے جو ان کے ایمان کے متعلق بحث کرتے تھے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے یعنی جس شخص کو خواہ وہ کوئی ہو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو تم اس کے لئے اللہ تک پہنچنے والا راہ نہ پاؤ گے جس پر اسے لگا کر رب تک پہنچا دو۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ تک پہنچنے کا صرف اور صرف ایک راستہ ہے باقی سارے راستے بند ہو چکے وہ راستہ حضور ﷺ کی اتباع و پیروی ہے۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا — تواں یافت جز در پئے مصطفٰے

حضور کو چھوڑ کر کتنی ہی عبادات ریاضات کرو رب تک نہ پہنچ سکو گے۔

خلاصۂ تفسیر

اے مسلمانو تمہیں ہو کیا گیا کہ تم ان منافقوں کے متعلق جو پہلے منافقت سے کلمہ پڑھ گئے تھے پھر اسلام سے پھر کر شرعاً مرتد ہو گئے تم دو گروہ ہو گئے کہ تم میں سے بعض ان کی ظاہری کلمہ گوئی سے دھوکہ کھا کر اب بھی انہیں مسلمان کہہ رہے ہو تم تو ان کے متعلق آپس میں جھگڑ رہے ہو مگر اللہ نے انہیں خود ان کی غداری، بدعہدی، بے وفائی، محبت کفار حب وطن شوق کاروبار کی وجہ سے ادھر ہی لوٹا دیا جدھر سے وہ آئے تھے اس طرح کہ انہیں کھلا کافر بنا دیا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ دلائل سے ان کا ایمان ثابت کر کے ان کے ایمان پر مناظرہ کر کے انہیں ہدایت دے دو جنہیں اللہ تعالیٰ کافر و گمراہ کر چکا یہ ناممکن ہے یقین رکھو کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کے لئے راہ ہدایت تم ہرگز نہ پاؤ گے وہ غداری کا راستہ کبھی اختیار نہیں کر سکتا۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: مرتد کی سزا قتل ہے دیکھو یہ لوگ جنہیں مرتد قرار دیا گیا ان کے قتل کے متعلق صحابہ میں اختلاف ہوا تو رب تعالیٰ نے اس جماعت کی حمایت فرمائی جو ان کے قتل کے قائل تھے۔ **دوسرا فائدہ**: مسلمانوں کے مقابل کفار سے ساز باز کرنے والا اگرچہ کلمہ ہی پڑھتا ہو۔ قتل کا مستحق ہے کہ وہ ملک وقوم وملت کا غدار ہے۔ **تیسرا فائدہ**: محض ظاہری ایمان کے بعد کفر کا ظاہر ہونا ارتداد ہے یعنی جو پہلے شرعاً مسلمان مان لیا گیا پھر اس نے کفر ظاہر کیا تو وہ مرتد ہے دیکھو منافق درحقیقت چھپے کافر تھے مگر بظاہر مسلمان مانے گئے تھے۔ اس لئے کفر ظاہر کرنے پر مرتد مانے گئے۔ **چوتھا**

فائدہ: ہر کلمہ پڑھ لینے والا مومن نہیں جب اس سے علامات کفر ظاہر ہوں تو وہ مرتد ہے اگر چہ اپنے کو مسلمان ہی کہتا رہے دیکھو یہ منافقین کلمہ کے انکاری نہ ہوئے تھے مگر ان کے ارتداد کا حکم دیا گیا۔ **پانچواں فائدہ**: کفار سے محبت کبھی کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ **چٹھا فائدہ**: کفار و مرتدین کی حمایت بری ہے ان کی مخالفت ضروری ہے دیکھو رب تعالیٰ نے ان کی حمایت کرنے والوں پر عتاب فرمایا۔ **ساتواں فائدہ**: اگر ہم کسی کافر کو دلائل سے مسلمان ثابت بھی کر دیں تو ہمارے دلائل سے وہ مسلمان نہ بن جاوے گا۔ اسلام و ایمان تو اس کے اپنے اخلاص سے میسر ہوگا۔ جیسا کہ اَتُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَهۡدُوۡا الخ سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**: بعض بدعملیاں کفر وارتداد کا ذریعہ بن جاتی ہیں بلکہ بعض بدعملیاں دل پر کفر کی مہر لگ جانے کا ذریعہ بن جاتی ہیں جیسا کہ بِمَا کَسَبُوۡا سے معلوم ہوا۔ اس لئے اس قسم کے اعمال سے بہت دور رہنا لازم ہے۔ **نواں فائدہ**: جسے رب تعالیٰ گمراہ کر دے اس کے لئے ہدایت کے سارے دروازے بند ہیں۔ وہ کسی طرح ہدایت نہیں پا سکتا جیسا کہ فَلَنۡ تَجِدُوۡا الخ سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ**: خوش نصیب حضور سے دور رہتے ہوئے بھی ہدایت لے لیتے ہیں۔ بدنصیب لوگ حضور کے پاس آ کر خدمت میں رہ کر بھی ہدایت نہیں پاتے دیکھو اویس قرنی یمن میں رہ کر مومن متقی بن گئے اور یہ بدنصیب منافقین مدینہ منورہ آ کر حضور کو دیکھ کر حضور کی صحبت میں رہ کر بھی بے دین رہے کہ پہلے منافق بنے پھر مرتد ہوئے شیطان نورخانہ میں ملائکہ کے پاس رہ کر بھی ابلیس ہی رہا صحبت ضرور تاثیر رکھتی ہے مگر اس تاثیر کے حاصل کرنے کے لئے قابلیت چاہیے بہر حال یہ آیت کریمہ بہت ہی عبرت ناک ہے ہر مسلمان اس سے سبق لے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: جب یہ لوگ مرتد ہو چکے تھے تو انہیں رب العالمین نے منافقین کیوں فرمایا منافق اور ہیں مرتدین کچھ اور۔ **جواب**: انہیں پہلی حالت کے لحاظ سے منافقین کہا گیا جسے اہل عرب مَاکَانَ کہتے ہیں یعنی جو جہاں رہتے ہوئے منافقین تھے اگر چہ وہ اب مرتدین ہو چکے۔

دوسرا اعتراض: مرتد وہ ہوتا ہے جو پہلے مسلمان ہو پھر کافر بن جاوے یہ منافق جب پہلے ہی منافق تھے اسلام میں داخل ہی نہ ہوئے تھے تو انہیں مرتد کیوں قرار دیا گیا اور وَاللّٰهُ اَرۡکَسَهُمۡ کیسے صادق ہوا۔ **جواب**: منافقین شرعاً مسلمان ہوتے ہیں حقیقتاً کافر اس لئے ان پر بہت سے اسلامی احکام جاری ہو جاتے ہیں کہ وہ قتل نہیں ہوتے نماز جہاد میں شریک ہوتے ہیں۔ اس ظاہری اسلام کی وجہ سے ان کا کفر ظاہر ہونے پر ان کو مرتد کہا جاتا ہے ارتداد کے لئے شرعی اسلام ضروری ہے نہ کہ حقیقی اسلام۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا وَاللّٰهُ اَرۡکَسَهُمۡ رب نے انہیں اوندھا کر دیا جب رب نے ہی انہیں اوندھا کر دیا تو ان کا اپنا کیا قصور ہے پھر وہ دنیاوی اور اخروی سزا کے مستحق کیوں ہیں۔ **جواب**: آپ نے پوری آیت نہ پڑھی آگے ارشاد ہوا بِمَا کَسَبُوۡا یعنی ان کی بدکاریوں کی وجہ سے انہیں رب نے اوندھا کیا۔ اس کسب کی

وجہ سے وہ گنہگار ہوئے جیسے ہم نے کسی کے تلوار ماری۔ رب نے اسے موت دے دی تو موت رب کی طرف سے ہوئی مگر سبب موت یعنی قتل ہماری طرف سے ہوا لہٰذا ہم قتل کے مجرم ہیں۔

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ جسے خدا گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا لہٰذا ان کا ایمان ناممکن ہے پھر انہیں تبلیغ احکام تبلیغ اسلام کیوں کی جاتی ہے۔ **جواب**: آیت کا مطلب ہے کہ جسے رب تعالیٰ گمراہ رکھنا چاہے تو تم رب تعالیٰ کا مقابلہ کر کے اسے ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اگر کسی گمراہ کو رب تعالیٰ ہماری تبلیغ سے ہدایت دیدے تو ہدایت تو رب تعالیٰ دے گا مگر ثواب ہم کو بھی مل جاوے گا۔ مبلغ کو تبلیغ کا ثواب ضرور ملتا ہے سامنے والا ہدایت پائے یا نہ پائے طبیب مریض کا علاج مرتے دم تک کرتا ہے مریض اگر مر بھی گیا تو طبیب کو دوا کی قیمت اور فیس ضرور ملے گی۔

پانچواں اعتراض: ان صحابہ میں سے جن حضرات نے ان مرتدین کو مومن جانا وہ کافر ہوئے یا نہیں کیونکہ کافر کی حمایت کرنا بھی تو کفر ہے رضا بالکفر کفر ہے۔ **جواب**: کفر کو ایمان سمجھنا کفر ہے ان حضرات نے ان مرتدین کو گذشتہ کلمہ گوئی کی وجہ سے نیک گمانی کرتے ہوئے مومن سمجھا وہ سمجھے کہ یہ لوگ اس پرانے ایمان پر قائم ہیں کسی دنیاوی ضرورت کی وجہ سے کفار کے پاس چلے گئے ان کے کسی کفریہ عقیدے کو ایمان نہ کہا لہٰذا یہ لوگ نیک گمان کرنے والے ہیں نہ کہ کفر کو ایمان سمجھنے والے۔

تفسیر صوفیانہ

جیسے پرندہ دو بازوؤں سے اڑتا ہے ہم دو پاؤں سے چلتے ہیں گاڑی دو پہیوں پر حرکت کرتی ہے ایسے ہی ایمان کے بھی دو بازو ہیں۔ جن سے مومن اڑ کر بارگاہ الٰہی تک پہنچتا ہے ایک بازو ہے مومنوں سے محبت دوسرا بازو بے ایمانوں سے عداوت و نفرت جس میں ان دونوں چیزوں میں سے ایک کی کمی ہو وہ مومن نہیں۔ دیکھو ان منافقین نے کفار سے محبت کی تو رب نے فرمایا وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا جیسے کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں آسکتیں ایسے ہی ایک دل میں دو محبتیں نہیں رہ سکتیں محبت اخیار اور محبت اشرار آپس میں ضدیں ہیں اور اجتماع ضدین ناممکن ہے جو چاہتا ہے کہ رب کی بارگاہ تک پہنچے وہ اپنا دل محبت اغیار سے پاک کرے ناپاک جسم مسجد میں نہیں آسکتا ایسے ہی ناپاک دل مسجد قرب میں نہیں پہنچ سکتا ناپاکوں کی محبت دل کو ناپاک کر دیتی ہے رب تعالیٰ ہمارے دلوں کو اپنی محبت سے بھر دے تاکہ اس میں دوسری جگہ ہی نہ رہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جیسے غذاؤں اور دواؤں کی تاثیریں مختلف ہیں کوئی غذا دوا مقوی دل ہے کوئی مقوی دماغ کوئی مقوی اعصاب ایسے ہی نیک اعمال کی تاثیریں مختلف ہیں چنانچہ نماز روزہ وغیرہ مقوی عرفان ہیں اور اللہ والوں سے محبت مقوی ایمان اور جیسے بعض دوائیں مضر ہیں بعض مہلک ایسے ہی مقبولین سے بے تعلق ہو جانا ہلاکت ایمان کا باعث ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے اَرْكَسَهُمْ کی کیا وجہ فرمائی بِمَا كَسَبُوْا ان کی بدعملی یعنی حضور سے تعلق توڑ لینا نیز

حضور ﷺ سے منہ موڑ کر کعبہ شریف پہنچ جانا وہاں حاضر رہنا خدا تعالیٰ کی پھٹکار کا باعث ہے دیکھو وہ منافقین حضور کو ناراض کر کے مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے رب تعالیٰ نے اسے پھٹکار فرمایا کہ ارشاد کیا اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اور ہر چیز اس کی دوکان اس کی منڈی سے ملتی ہے۔ گوشت کی دوکان سے کپڑا نہیں ملتا کپڑے کی منڈی میں زیور نہیں حاصل ہوتا اس طرح ایمان ملنے کی دوکان ایمان کی منڈی حضور کا آستانہ ہے ایمان نہ قرآن سے ملتا ہے نہ کعبہ سے نہ مسجد سے یہ صرف حضور سے ملتا ہے ہم کسی کافر کو قرآن یا نماز پڑھا کر کعبہ میں بھیج کر مسلمان نہیں بناتے کلمہ پڑھا کر مسلمان کرتے ہیں جس میں اللہ رسول کا نام ہے اس لئے یہاں ارشاد ہوا۔ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ یہاں کلمہ نماز روزہ کعبہ کا ذکر نہ ہوا بلکہ ہجرت کر کے حضور کے آستانہ پر حاضری کا ذکر ہوا۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا
تمنا کرتے ہیں وہ کہ کاش کافر ہو جاؤ تم جیسے وہ کافر ہو گئے تو تم برابر ہو جاؤ پس
وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ کہیں تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو تم سب ایک ہو جاؤ تو ان میں
تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط فَاِنْ
نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست حتیٰ کہ ہجرت کریں وہ اللہ کی راہ میں پس اگر
کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ جب تک اللہ کی راہ میں گھر بار نہ چھوڑیں پھر اگر
تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ص وَلَا
منہ پھیریں وہ تو انہیں گرفتار کرو اور جہاں پاؤ انہیں قتل کرو اور نہ
وہ منہ پھیریں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو اور ان میں
تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٨٩﴾ لا اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى
بناؤ ان میں سے کسی کو دوست نہ مددگار سوا ان کے جو پہنچ جائیں ایسی
کسی کو دوست نہ ٹھہراؤ نہ مددگار مگر وہ جو ایسی قوم سے علاقہ رکھتے
قَوْمٍ م بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ
قوم تک کہ تمہارے اور ان کے درمیان وعدہ ہے یا آئیں وہ تمہارے پاس کہ تنگ ہوں سینے ان کے
ہوں کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے یا تمہارے پاس یوں آئے کہ ان کے دلوں میں سکت نہ رہی

اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ
اس لئے کہ جنگ کریں تم سے یا جنگ کریں اپنی قوم سے اور اگر چاہتا اللہ تو مسلط کر دیتا ان کو
کہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں اور اللہ چاہتا تو ضرور انہیں تم پر قابو دیتا تو
عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا
تم پر تو ضرور جنگ کرتے وہ تم سے پس اگر الگ رہیں وہ تم سے کہ نہ لڑیں تم سے اور پیش
وہ بیشک تم سے لڑتے پھر اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور نہ لڑیں اور
اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾
کریں تمہاری طرف صلح کو تو نہیں بنائی اللہ نے واسطے تمہارے ان پر کوئی راہ
صلح کا پیغام دیں تو اللہ نے تم کو ان پر کوئی راہ نہ رکھی

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں بعض مسلمانوں کی سادگی کا ذکر تھا کہ وہ منافقوں کے مرتد ہو جانے کے باوجود ان کی پچھلی کلمہ گوئی سے دھوکہ کھا کر انہیں مسلمان ہی سمجھتے جا رہے ہیں اس آیت کریمہ میں کفار کی عیاری و مکاری کا تذکرہ ہے کہ وہ ایسے پکے کافر ہو چکے ہیں کہ خود ان کا ایمان چھیننے کی فکر میں ہیں مقصد یہ ہے کہ ان سے ہوشیار رہو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو ان مرتدین منافقین کے ایمان سے مایوس فرمایا گیا تھا اب اس مایوسی کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ کفر میں اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ خود تو مسلمان کیا ہوتے تم کو اپنی طرف کھینچنے کی فکر میں ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ جسے اللہ گمراہ کر دے اسے ہدایت کوئی نہیں دے سکتا اب اس گمراہ کر دینے کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں بلا وجہ یا دشمنی سے گمراہ نہیں کر دیا بلکہ ان کی اس بدعملی کی وجہ سے ان پر پھٹکار پڑی کہ وہ گمراہ گر ہو چکے ہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں مذکورین منافقین کے کفر وارتداد کا ذکر ہوا کہ وہ سب مرتد ہو چکے اب ان کے احکام بیان ہو رہے ہیں کہ ان میں سے بعض واجب القتل ہیں کہ جہاں ملیں انہیں مار دو اور بعض واجب القتل نہیں ان سے تعرض نہ کرو مگر دوستی کسی سے نہ کرو۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ تم مذکورین منافقین کی کلمہ گوئی سے دھوکہ نہ کھاؤ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ اخلاص سے کلمہ پڑھتے تمہارے پاس نہ آئے تھے بلکہ تمہیں کافر کرنے کے لئے تم سے مل گئے تھے ان کی یہ کلمہ گوئی مسلمانوں کو بہکانے کے لئے تھی۔

تفسیر وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا ۔ وَدُّوْا۔ وُدٌّ سے بنا بمعنی پسند کرنا چاہنا محبت کرنا حبٌ اور وُدٌّ دونوں قریباً ہم معنیٰ ہیں مگر حب ہر محبت و پسندیدگی کو کہا جاتا ہے اور وُدٌّ اس پسندیدگی کو جس کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش بھی کی جاوے اس کا فاعل وہ ہی مذکور منافقین ہیں جن کا ذکر پہلی آیت میں ہو چکا۔ وَدُّوْا ماضی یا استمرار کیلئے ہے یا گذشتہ حال بیان کرنے کیلئے یعنی وہ چاہتے تھے چاہتے ہیں چاہتے رہیں گے جیسے كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا یا وہ جب کلمہ پڑھتے ہوئے تمہارے ساتھ تھے۔ تب انہوں نے تمہیں کافر کرنا چاہا تھا لَوْ حرف شرط نہیں بلکہ بیان اور بیان تمنا ہے بمعنی کاش کہ تَكْفُرُوْنَ میں خطاب تمام صحابہ سے ہے خصوصاً ان بزرگوں سے جو ان منافقوں کو مسلمان سمجھے ہوئے تھے كَفَرُوْا کے معنیٰ ہیں وہ کافر تھے یا وہ کافر ہو گئے لہٰذا اس جملہ کے دو معنیٰ ہو گئے یعنی وہ اب چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح مرتد ہو جاؤ جیسے وہ مرتد ہو گئے یا جس زمانے میں وہ تمہارے پاس تھے کلمہ پڑھتے تھے تب بھی وہ چاہتے تھے کہ ان کی طرح تم بھی کافر ہو جاؤ وہ کلمہ پڑھ کر تم کو لینے آئے تھے یہ کلمہ گوئی محض دھوکہ و فریب تھا۔ خیال رہے کہ كَمَا كَفَرُوْا کا مَا مصدریہ ہے اور كَفَرُوْا بمعنی مصدر ہو کر كُفْرًا محذوف کی صفت ہے اور ہو سکتا ہے کہ مَا موصولہ ہو اور كَفَرُوْا اس کا صلہ فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً ۔ حق یہ ہے کہ یہ جملہ يَكْفُرُوْنَ پر معطوف ہے اور ف عاطفہ اور یہ دونوں جملہ مل کر وَدُّوْا کا مفعول ہے تمنا کا جواب نہیں ورنہ تَكُوْنُوْا نصب کی حالت میں ہوتا اور یہاں نون اعرابی نہ آتا تَكُوْنُوْنَ میں خطاب ان ہی صحابہ سے ہے جو ان منافقوں کو اب بھی مسلمان سمجھے ہوئے تھے کے بعد بِهِمْ یا مَعَهُمْ پوشیدہ ہے یعنی وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کافر ہو جاؤ اور تم اور وہ دین میں برابر ہو جاؤ تم میں ان میں کفر و اسلام کا فرق نہ رہے فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ ۔ یہ عبارت ایک پوشیدہ مضمون کی جزا ہے اِذَا كَانَ حَالُهُمْ كَذٰلِكَ ۔ لَا تَتَّخِذُوْا میں خطاب سارے صحابہ کرام کو ہے اولیا ولی کی جمع ہے بمعنی دوست۔ قریب مددگار چونکہ تَتَّخِذُوْا جمع میں تمام صحابہ کرام سے خطاب تھا اس لئے اولیاء کو جمع لایا گیا ورنہ واحد مناسب تھا (روح) یعنی جب ان کا حال یہ ہے تو اے محبوب کے صحابہ ان میں سے کسی کو دوست یا اپنا قریبی یا اپنا مددگار نہ بناؤ یا نہ سمجھو نہ زبان سے انہیں دوست کہو نہ ان کے ساتھ دوستوں کا برتاؤ کرو لَا تَتَّخِذُوْا میں یہ سب صورتیں داخل ہیں خیال رہے کہ اصلی کافر کے ساتھ اداء حقوق اخلاق اچھے معاملات سب درست ہیں مگر مرتد کے ساتھ یہ سب کچھ حرام ہے اس کے لئے یا اسلام یا قتل ہے۔ باقی دلی دوستی و محبت سب سے حرام ہے یعنی راز دار بنانا انہیں خیر خواہ سمجھ کر ان کے مشوروں پر عمل کرنا رب فرماتا ہے۔ لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ (آل عمران:۱۱۸) خیال رہے کہ جیسے دشمن جان و مال سے الگ رہنا انہیں دشمن جاننا تنگ نظری نہیں بلکہ اپنی احتیاط و حفاظت ہے یوں ہی دشمن ایمان سے بچنا تنگ نظری نہیں بلکہ احتیاط ہے۔ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یہ عبارت لَا تَتَّخِذُوْا کی انتہا ہے حتیٰ کے بعد يُؤْمِنُوْا پوشیدہ ہے يُهَاجِرُوْا ہجرت سے بنا بمعنی چھوڑنا جدا ہونا۔ فراق اسی سے ہے هجر اور هجران ہجرت اصطلاح

شریعت میں تین معنی میں آتا ہے اللہ کی راہ میں ترک وطن یعنی دارالحراب سے دارالاسلام آجانا تا کہ وہاں عبادات کی آزادی ہو۔ حضور انور ﷺ کے ساتھ جہاد کیلئے روانہ ہو جانا گناہ چھوڑ دینا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مہاجر وہ جو اللہ رسول کی منع فرمائی باتوں کو چھوڑ دے مگر یہ لفظ پہلے معنی میں استعمال ہوتا ہے رب فرماتا ہے مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ (توبہ:۱۱۸)۔ یہاں بھی اسی معنی میں ہے سبیل اللہ سے مراد رضاء الٰہی ہے۔ بعض مفسرین نے یہ آیات منافقین مدینہ عبداللہ ابن ابی وغیرھم کے متعلق مانی ہیں وہ یہاں ہجرت کے آخری دو معنی کرتے ہیں مگر یہ بالکل خلاف ظاہر ہے یعنی ان لوگوں کو ہرگز دوست نہ بناؤ حتیٰ کہ اخلاص سے ایمان قبول کرلیں اور رضاء الٰہی کے لئے مدینہ منورہ ہجرت کر آئیں کہ یہ ہجرت ان کے ایمان کی دلیل ہے۔ خیال رہے کہ جیسا گناہ ویسی توبہ اور جیسا کفر اس کے مقابل ویسا ہی ایمان ہے توحید یا رسالت کے منکر کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کرو مگر مرزائی کو ختم نبوت کا اقرار کرا کے اور مرتد رافضی کو صحابہ کرام کا ثنا خواں بنا کر مسلمان بناؤ کہ وہ کلمہ تو پہلے ہی پڑھتے ہیں ان لوگوں کا گناہ و کفر حضور کی خدمت سے بھاگ جانا تھا۔ اسلئے ان کا ایمان اب پھر حضور کے قدموں میں آجانا ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا حَتّٰى يُهَاجِرُوْا۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ یہ ان مرتد منافقین کا دوسرا حکم ہے تَوَلَّوْا کا فاعل وہ ہی منافقین ہیں۔ اس تَوَلَّوْا کے بعد ایک عبارت پوشیدہ ہے۔ عَنِ الْاِيْمَانِ وَالْهِجْرَةِ خُذُوْا۔ اَخْذٌ سے بنا بمعنی قید کر لینا غلام بنا لینا یا قتل کے لئے گرفتار کرنا دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں کہ آگے قتل کا ذکر ہو رہا ہے۔ حَيْثُ عموم مکان کے لئے ہے۔ وجدان سے مراد ہر طرح پانا ہے خواہ جنگ و جہاد میں ہو یا ویسے ہی وہ قابو آ جائیں یعنی اگر وہ لوگ ایمان و ہجرت سے منہ پھیریں تو تم انہیں جہاں بھی پاؤ حل میں یا حرم شریف میں انہیں پکڑ لو اور قتل کر دو کیونکہ ان کا حکم دوسرے مشرکوں کافروں کی طرح ہے۔ انکی گذشتہ کلمہ گوئی سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ خیال رہے کہ تَوَلَّوْا میں تین احتمال ہیں اگر یہ مرتد اسلام سے منہ پھیریں یا ہجرت سے منہ پھیریں یا میرے محبوب کی غلامی سے منہ پھیریں۔ تیسرے معنی بہت لذیذ ہیں کہ حضور سے پھرنے والا خواہ کلمہ پڑھے نمازیں پڑھے مگر مومن نہیں وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا یہ ان مرتدین کا دوسرا حکم ہے مِنْهُمْ سے پہلے اَحَدًا پوشیدہ ہے اسی لئے وَلِيًّا اور نَصِيْرًا واحد فرمایا گیا ولی کے معنی دوست ہیں یا قریبی نصیر کے معنی ظاہری مددگار یعنی ان لوگوں سے بالکل علیحدہ رہو نہ ان میں سے کسی کو اپنا دوست سمجھو نہ کسی سے جہاد وغیرہ میں مدد لو کہ یہ تمہارے دشمن ہیں۔ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ ۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ۔ اس استثناء کا تعلق وَاقْتُلُوْهُمْ سے ہے نہ کہ لَا تَتَّخِذُوْا سے کیونکہ ان حالات میں ان منافقوں مرتدوں کو قتل نہ کیا جاوے گا مگر ان سے دوستی ہرگز نہ ہوگی الَّذِيْنَ سے مراد وہ ہی مرتدین منافقین ہیں جن کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے۔ يَصِلُوْنَ کے معنی ان سے معاہدہ کر لیں ان سے تعلق قائم کر لیں۔ قوم سے مراد بنی سلمہ ہیں حضور ﷺ نے ہلال ابن عویمر اسلمی سے معاہدہ فرمایا تھا کہ ہلال نہ حضور کی مدد کریں نہ حضور کے مقابل کفار کی امداد کریں اور جو شخص یا جو قوم ہلال کے پاس

پناہ لے لے اسے امان ہے اس عبارت میں اسی معاہدہ کی طرف اشارہ ہے بعض نے کہا کہ اس قوم سے مراد بنی مدلج ہیں بعض نے فرمایا کہ قوم سے مراد بنی بکر ابن زید ہیں بعض نے فرمایا بنی خزاعہ ہیں ہوسکتا ہے کہ ساری ہی وہ قومیں مراد ہوں جن سے حضور علیہ السلام نے مذکورہ معاہدہ کر لیا تھا یعنی یہ تمام مرتدین منافقین واجب القتل ہیں مگر ان میں سے جو بھی کسی اس قوم سے مل جاوے اس سے معاہدہ کرے جن سے تم معاہدہ کر چکے ہو کہ جو تم سے ملے اسے بھی امان ہے ایسے مل جانے والے کو نہ قید کرو نہ قتل کیونکہ عہد پورا کرنا اسلامی فریضہ ہے۔ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ یہ ان منافقین کے بچاؤ کی دوسری صورت ہے۔ حصر کے معنی ہیں تنگی یا علیحدگی اسی سے ہے حصور نکاح سے علیحدہ رہنے والا یا عورتوں سے دل تنگ اَوْ بمعنی واؤ ہے اس جملہ کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ جَآءُوْكُمْ معطوف ہے بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ پر یا معطوف ہے يَصِلُوْنَ پر پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان مرتدین کو بھی قتل نہ کرو جو اس قوم سے مل جائیں جو تمہارے پاس آ کر معاہدہ کر گئے ہیں کہ ہم نہ آپ سے لڑیں گے نہ اپنی قوم سے بلکہ غیر جانبدار رہیں گے اور جو ہمارے ساتھ مل کر غیر جانبدار بن جاوے وہ بھی امان پائے گا گویا پچھلے جزء میں پرانے معاہدین سے مل جانے کا ذکر تھا اور اس جز میں نئے معاہدین کا تذکرہ ہے کہ جو آئندہ تمہارے معاہد بنیں ان سے یہ مرتد مل جاویں تو انہیں قتل نہ کرو۔ حضرات انبیاء کرام میثاق کے دن کے معاہد ہیں حضرات اولیاء بعد کے معاہد ہم جیسے گنہگار دونوں جگہ پہنچ کر اللہ کے عذاب سے بچ سکیں گے انشاء اللہ۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہیں کہ اگر وہ مرتدین منافقین تمہارے پاس آ کر تم سے عہد کرلیں کہ ہم نہ آپ سے جنگ کریں گے نہ آپ کی حمایت میں اپنی قوم سے تو بھی ان سے جنگ نہ کرو پہلی صورت میں یہ جملہ محکم ہے دوسری صورت میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ خبر منسوخ ہے کیونکہ اب ایسی قوم کفار سے جنگ جائز ہے جو ہم سے لڑنا نہ چاہے لڑنا نہ چاہنا اور ہے اور نہ لڑنے کا معاہدہ کچھ اور (تفسیر خازن، روح المعانی، کبیر وغیرہ) تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں اور یہ آیت منسوخ ہی ہے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ یہ جملہ معترضہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے ایک خاص کرم کا ذکر ہے۔ سلط بنا ہے تسلیط سے بمعنی قابو دے دینا ان میں جرأت و ہمت پیدا کر دینا یعنی اے مسلمانو یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر خاص کرم ہے کہ اس نے ان منافقین مرتدین کے دل میں تمہارا رعب تمہاری ہیبت پیدا فرما دی کہ وہ تمہارے مقابلہ کی ہمت نہیں کرتے بلکہ تم سے صلح کی درخواست کرتے ہیں تمہاری خوشامدیں کرتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ ان کو جرأت دے دیتا تو وہ ضرور تمہارے مقابلہ میں آ جاتے اور تم کو ان سے جنگ کرنا پڑتی تم اس کی اس نعمت کا شکر ادا کرو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اونٹ، ہاتھی بلکہ شیر و چیتے کے دل میں تمہارا رعب ڈال دیا ہے تو وہ تم سے ڈرتے بلکہ تمہاری اطاعت بھی کر لیتے ہیں مگر مکھی، مچھر، جوں، کھٹمل کے دل میں تمہارا رعب نہیں تو وہ تم سے نہیں ڈرتے بلکہ تم کو پریشان کرتے ہیں یہ رعب اللہ کی رحمت ہے فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ظاہر یہ ہے کہ یہ گذشتہ مضمون کا اعادہ نہیں

بلکہ ایک نئی صورت کا ذکر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر یہ کفار تم سے جنگ نہ کریں جنگ سے علیحدہ رہیں اور تم سے معاہدہ کرنا چاہیں تم سے صلح کی درخواست کریں تو فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا تو تم کو اللہ تعالیٰ نے ان سے جنگ کرنے کی کوئی راہ نہ دی اور ان کی صلح کی پیش کش کو قبول کرلو یہ حکم بھی یقیناً منسوخ ہے اب سلطان اسلام پر ضروری نہیں کہ کفار کی جانب سے پیش کردہ صلح کو قبول ہی کرے مصلحت دیکھے تو قبول کرلے ورنہ رد کردے اور یہاں تو مرتدین کا ذکر ہے مرتد سے صلح ناممکن ہے۔ اس کے لئے یا اسلام ہے یا قتل۔

خلاصہ تفسیر

اے مسلمانو تم تو اپنے سیدھے پن سے ان مرتدین کی گذشتہ کلمہ گوئی سے دھوکہ کھارہے ہو اور انہیں مسلمان سمجھے بیٹھے ہو۔ ان کا تو یہ حال ہے کہ پہلے ہی کلمہ پڑھ کر تمہارے ساتھ اس لئے شامل ہوئے تھے کہ تم میں گھل مل کر تم کو کافر بنالیں یا اب وہ اس تمنا و آرزو میں ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کافر ہو جاؤ تو تم اور وہ کفر میں برابر ہو جاؤ لہٰذا ہوشیار رہو انہیں اس وقت تک دوست نہ جانو جب تک کہ وہ ایمان لا کر اخلاص کے ساتھ مدینہ پاک کی طرف ہجرت نہ کریں کہ یہ اخلاص والی ہجرت ان کے ایمان کی دلیل ہوگی اگر وہ ایمان و ہجرت سے منہ موڑیں اس طرف توجہ نہ کریں تو تم آئندہ انہیں جہاں بھی پاؤ حل میں یا حرم میں جنگ کی حالت میں یا اس کے علاوہ انہیں پکڑو اور مار دو نہ انہیں دوست بناؤ نہ مددگار یعنی ان سے کسی کام میں مدد نہ لو خصوصاً جہاد وغیرہ دوسری عبادات میں البتہ تین صورتیں وہ ہیں جن سے ان مرتدین کی جانیں بچ سکتی ہیں ایک یہ کہ جن کفار سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے کہ وہ نیوٹرل غیر جانبدار ہیں اور جو ان کی پناہ میں پہنچ جاوے اسے تمہاری طرف سے امان ہو اگر یہ مرتدین ان کی امان لے لیں تو یہ بچ جاویں گے۔ دوسری صورت یہ کہ کوئی کافر قوم آئندہ تم سے یہ ہی معاہدہ کرے کہ وہ غیر جانبدار رہے گی اور اس کی امان میں آنے والا امن پاجاوے گا۔ یہ مرتدین ان کی پناہ میں پہنچ جاویں تم سے بچ جاویں گے تیسری یہ کہ مرتدین خود تم سے غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ کرلیں اور تم سے صلح کرلیں ان تین صورتوں میں تم کو ان کے قتل کی اجازت نہیں رہی۔ چوتھی صورت کہ وہ مرتدین ان تین تدبیروں میں سے کچھ بھی نہ کریں تو وہ جہاں پائے جائیں قتل کردیئے جاویں۔

نوٹ

تفسیر روح المعانی وغیرھم کے قول میں یہ تمام صورتیں منسوخ ہو چکیں اب مرتد بہر حال قتل ہوگا۔ اس کے بچنے کی صرف یہ صورت ہے کہ وہ دوبارہ اخلاص سے مسلمان ہو جاوے اور تمام مفسرین کے نزدیک تیسری صورت یقیناً منسوخ ہے کہ مرتد سے صلح ہرگز درست نہیں حضور ﷺ نے مسلیمہ کذاب اور اس کے متبعین سے صلح نہ کی۔ حضرت صدیق اکبر نے زکوٰۃ کے منکرین اور مسلیمہ کذاب کے متبعین پر صرف جہاد کیا ان کے دل میں ان مردودوں سے صلح کرنے کا وہم بھی نہ آیا حضرت صدیق اکبر کی زندگی پاک اس آیت کی زندہ جاوید بولتی تفسیر ہے رضی اللہ عنہ غرضکہ قرآن مجید کو سمجھو ان حالات کی روشنی میں۔

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کسی مسلمان کو کافر بنانے کی کوشش کرنا یا کافر بنانا کفر ہے جیسا کہ وَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ سے معلوم ہوا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ جو کسی عورت کا نکاح توڑوانے کے لئے اسے کافر ہو جانے کی تلقین کرے تو عورت کافر بنے یا نہ بنے یہ تلقین کرنے والا کافر ہو گیا اس مسئلہ کا ماخذ یہ آیت بھی ہو سکتی ہے۔ **دوسرا فائدہ**: اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے نہ اس کیلئے جزیہ ہے نہ غلام بنانا یا اسلام ہے یا قتل جیسا کہ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ سے معلوم ہوا کیونکہ یہاں مرتدین کا ذکر ہے اسلئے ارشاد ہوا وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ۔ رب تعالیٰ دوسرے مقام پر مرتدین کے متعلق فرماتا ہے تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ (فتح:۱۶) بلکہ گذشتہ دینوں میں بھی مرتد کی سزا قتل تھی چنانچہ قرآن کریم نے بچھڑے کے پجاری یہودیوں کے متعلق خبر دی کہ ان سے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا فَتُوْبُوْا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ (بقرہ:۵۴)۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن سے مرتد کی سزا قتل ثابت نہیں ہوتی وہ یہ تین آیات دیکھیں۔ خیال رہے کہ یہاں حضور کے زمانہ کے مرتدین کا ذکر ہے اور تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ (فتح:۱۶) میں زمانہ صدیقی کے مرتدین مسلیمہ والوں کا تذکرہ ہے اور فَتُوْبُوْا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ (بقرہ:۱۶) میں زمانہ موسوی کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ ہمیشہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ **تیسرا فائدہ**: کافر، مرتد، بدمذہب کو دوست بنانا حرام ہے اگرچہ وہ بے دین کلمہ ہی پڑھتا ہو جیسا کہ فَلَا تَتَّخِذُوْا سے معلوم ہوا اس کے متعلق صریح آیات بھی آئی ہیں۔ **چوتھا فائدہ**: مومن کافر برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ قوم ملک خاندان پیشہ میں برابر ہوں ہاں کافر کافر برابر ہیں جیسا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: اگر کوئی کلمہ گو علامت کفر اختیار کرے تو کافر ہو گا اور جہاد کے موقعہ پر مار دیا جاوے گا جیسا کہ فَاِنْ تَوَلَّوْا الخ سے معلوم ہوا کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر یہ کلمہ گو منافق ہجرت نہ کریں تو انہیں مار دو جہاں پاؤ کیونکہ اس زمانہ میں باوجود قدرت کے ہجرت نہ کرنا علامت کفر تھی اسے کفر قرار دیا گیا۔ خیال رہے کہ علامت کفار کچھ اور ہے اور علامت کفر کچھ اور علامت کفار مسلمان کو اختیار کرنا حرام ہے علامت کفر اختیار کرنا کفر ہے۔ ہیٹ علامت کفار ہے اور چوٹی جنیؤ علامت کفر۔ **چھٹا فائدہ**: کفار کو دوست بنانا حرام ہے اگرچہ وہ ہمارے قرابتدار اور ہم قوم ہم ملک ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ لَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ سے معلوم ہوا۔ رب فرماتا ہے وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ الخ (مجادلہ:۲۲)۔ **ساتواں فائدہ**: کفار سے دینی کاموں میں مدد لینا بلا ضرورت ممنوع ہے جیسا کہ وَلَا نَصِيْرًا سے معلوم ہوا ہاں ضرورت کے موقع کا اور حکم ہے۔ **آٹھواں فائدہ**: جو معاہدے کفار سے کئے گئے ہیں وہ بھی ضرور پورے کئے جاویں۔ بدعہدی کسی سے جائز نہیں جیسا کہ اِلَّا الَّذِيْنَ الخ سے معلوم ہوا کہ رب نے فرمایا اگر یہ مرتدین ان لوگوں کی پناہ لے لیں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا تو انہیں نہ مارو دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ (اسراء:۳۴)۔ **نواں فائدہ**: مرتد کو تبلیغ اسلام ضرور کی جاوے اور اسے دوبارہ مسلمان ہو جانے کا موقعہ دیا جاوے۔ اسکے قتل میں جلدی نہ کی جاوے جیسا کہ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا الخ سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ**:

حربی کفار اور مرتد ہر جگہ ہی قتل کیے جا سکتے ہیں انہیں کوئی جگہ قتل سے بچا نہیں سکتے جیسا کہ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ سے معلوم ہوا۔ **گیارھواں فائدہ**: مسلمانوں کی قوت ایمانی کفار کے دلوں میں رعب کا سبب بن جاتی ہے اور یہ رعب اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جیسا کہ وَلَوۡشَاءَ اللّٰهُ الخ سے معلوم ہوا مولانا فرماتے ہیں۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

لوگ اپنی ہیبت لوگوں کے دلوں میں قائم کرنے کے لئے بڑے ظلم وستم ڈھاتے ہیں اور صد ہا جائز ناجائز تدبیریں کرتے ہیں لیکن اگر سچے پکے مسلمان متبع سنت بن جاویں تو انشاء اللہ ان کی ہیبت انسان تو کیا جانوروں کے دلوں میں بھی واقع ہو جاوے اور وہ دنیا پر بادشاہت کریں۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ! کہ گردن نہ پیچد زحکم تو ہیچ!

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بہت سے کفار سے مسلمان محبت دوستی رکھ سکتے ہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ انہیں دوست و مددگار نہ بناؤ مگر ساتھ ہی فرمادیا اِلَّا الَّذِیۡنَ یَصِلُوۡنَ الخ اِلَّا نے اس حکم کو توڑ دیا۔ **جواب**: تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اِلَّا کا تعلق لَا تَتَّخِذُوۡا سے نہیں بلکہ اس کا تعلق ہے وَاقۡتُلُوۡهُمۡ سے اور معنی یہ ہیں کہ ایسے لوگ جہاں ملیں انہیں قتل کر دو سوا ان چند صورتوں کے ورنہ یہ آیت اس آیت کریمہ کے خلاف ہوگی لَا یَتَّخِذِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡكٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ (آل عمران: ۲۸)۔

دوسرا اعتراض: مرتد کو قتل کرنا بڑا ظلم ہے ملک میں دینی آزادی چاہئے۔ **جواب**: جی ہاں سلطنت، ملک و قوم کے باغیوں کو قتل کرنا بڑا ظلم ہے قانونی آزادی چاہئے جبکہ آج مہذب حکومتیں باغیوں کو نہیں چھوڑتیں تو اگر اسلام حکومت ربانی کے باغیوں کو قتل کرائے تو کیا حرج ہے۔ اسلام نے اصلی کفار کو آزادی دی ہے مرتد کی رعایت نہیں۔

تیسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے پہلے تو فرمایا فَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ اَوۡلِیَآءَ یعنی اولیاء کو جمع فرمایا اور پھر فرمایا وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا یعنی ولی واحد فرمایا اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: اس کی بہت وجہیں ہو سکتی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ پہلی جگہ قوم کفار مراد ہے اور دوسری جگہ شخص کافر یعنی پہلی جگہ حکم یہ ہے کہ کسی کافر قوم کافر قبیلے کو دوست نہ بناؤ اور دوسری جگہ مطلب یہ ہے کہ کسی کافر شخص کو دوست و مددگار نہ بناؤ لہٰذا وہاں جمع ہی مناسب تھی یہاں واحد ہی موزوں ہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرتد کو غلام و لونڈی و قیدی بنایا جا سکتا ہے رب تعالیٰ نے فرمایا فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ مگر فقہاء فرماتے ہیں کہ مرتد کو صرف قتل ہی کیا جاوے گا نہ اسے غلام بنایا جاوے نہ قیدی فقہاء کا یہ فتویٰ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب**: یہاں پکڑنے سے مراد ہے قتل کرنے کے لئے پکڑنا نہ کہ غلام بنانے یا قیدی کرنے کے لئے رب تعالیٰ مرتدین کے متعلق فرماتا ہے تُقَاتِلُوۡنَهُمۡ اَوۡ یُسۡلِمُوۡنَ (فتح: ۱۶)۔ ہاں مرتد کو چند

روز قید رکھنا تاکہ وہ غور وخوض کرے شاید پھر مسلمان ہو جاوے جائز ہے نیز مرتدہ عورت کو قتل نہ کیا جاوے اسے قیدی رکھا جاوے گا ہو سکتا ہے کہ یہاں **فَخُذُوْهُمْ** سے یہ آخری دو صورتیں مراد ہوں۔

پانچواں اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا۔ **حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** ایمان کا ذکر نہ ہوا اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: اس زمانہ میں ہجرت یعنی اللہ کے لئے وطن چھوڑنا علامت ایمان تھی مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان لاویں اور ہجرت بھی کریں جس سے ان کا مومن ہونا ثابت ہو جاوے تب ان سے محبت و دوستی کرو بعض لوگوں نے **يُهَاجِرُوْا** کے معنی کئے ہیں کفر چھوڑ دیں اسلامی جہادوں میں شریک ہوں یا گناہ چھوڑ دیں مگر یہ تمام معنی ظاہر کے خلاف ہیں۔

چھٹا اعتراض: اس آیت میں تکرار بے فائدہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہاں ان کے قتل سے بچنے کی تین صورتیں مذکور ہیں ایک یہ کہ تمہارے معاہدے والی قوم سے مل جاویں۔ دوسرے یہ کہ ان کے دل تنگ ہو جاویں کہ تم سے جنگ کرنے کی ہمت نہ کریں۔ تیسرے یہ کہ تم سے وہ الگ رہیں نہ تم سے لڑیں نہ اپنی قوم سے دوسری اور تیسری صورت میں فرق کوئی نہیں یہ محض بے فائدہ تکرار ہے۔ **جواب**: ہم نے خلاصہ تفسیر میں اس کے فرق کی طرف اشارہ کر دیا ہے پہلی صورت یہ ہے کہ مرتدین ہمارے پرانے حلیفوں سے مل جاویں دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی کافر قوم ہم سے آج معاہدہ کرے اور یہ مرتدین ان سے مل جاویں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مرتدین خود ہم سے معاہدہ کرلیں کہ ہم غیر جانبدار رہیں گے ان تینوں صورتوں میں وہ ہمارے قتل سے بچ جاویں گے لہذا مضمون مکرر نہیں۔

ساتواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مرتد کو قتل نہ کیا جاوے صرف اس ہی مرتد کو قتل کیا جاوے جو ہم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو یا ہمارے دشمنوں سے مل جاوے غرضکہ ارتداد کی وجہ سے قتل کرنا اس آیت کے خلاف ہے (مرزائی) مولوی محمد علی صاحب مرزائی نے یہاں اس کو بہت زور سے بیان کیا ہے۔ **جواب**: ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ یہ حکم بالاتفاق منسوخ ہے۔ اب ہر مرتد کو قتل کیا جاوے گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے مرتدین کے متعلق **تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ** (فتح:۱۶)۔ نیز حضرت ابوبکر صدیق نے منکرین زکوٰۃ اور مسیلمہ کذاب کی قوم سے صلح کرنے کا خیال بھی نہ فرمایا بلکہ ان مرتدین پر لشکرکشی کی منکرین زکوٰۃ تو توبہ کر کے مسلمان ہو گئے اور تلوار صدیقی سے بچ گئے۔ مسیلمہ کذاب کے لوگ تہ تیغ کر دیئے گئے مرتدین کو قتل نہ کرنا بڑے فتنوں کا باعث ہے جب ملکی قومی غداروں کو گولی ماردی جاتی ہے انہیں غداری کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تو یہ لوگ تو ایمانی اسلامی غدار ہیں ہاں مرتدین اپنے بچاؤ کے لئے اس قسم کے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

غافل دنیا دار گویا طریقت کے مرتد و کفار ہیں۔ نفس و شیطان راہ مار ڈاکو ہیں۔ طالبین مولیٰ مومن دیندار ہیں یہاں طالبین مولیٰ سے خطاب ہے کہ تم ان غافلین طالبین دنیا کو

دوست و مددگار نہ بناؤ جب تک کہ وہ حرص، شہوت، حب دنیا سے ہجرت کر کے تمہارے موافق نہ ہو جاویں اگر ایسا نہ کریں تو تم مجاہدہ کی تلوار سے ان پر جہاد کرو انہیں اپنا دوست نہ سمجھو یہ تمہارے پورے دشمن ہیں صوفیائے فرماتے ہیں کہ جب مرتدین کفار معاہدہ والی قوم کی پناہ لے لیں تو قتل سے بچ جاتے ہیں تو اگر گنہگار خطا کار کسی ایسے مقبول بندوں کی پناہ لے لیں۔ جن کا رب تعالیٰ سے معاہدہ امن ہے تو وہ بھی عذاب الٰہی سے امان پا جاویں گے۔ امن والوں کی پناہ میں آجانا امان پالینے کا ذریعہ ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ** (انفال:۳۳)۔ یہ کفار ہیں تو عذاب کے قابل مگر رب انہیں عذاب نہ دے گا کیونکہ ان میں آپ ہیں۔ غرضکہ مقبولوں کا مکان دارالامان ہے نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ** (النساء:۶۴) (تفسیر کبیر) اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو! کہ رستہ میں ہیں جا بجا تھانہ والے!

جب خطا کار بچہ پر باپ ناراض ہو جاوے تو وہ بچہ سیدھا باپ کے پاس نہیں آتا بلکہ باپ کے کسی دلی دوست کے پاس پہنچتا ہے اس کے دامن کی آڑ میں باپ کے پاس آتا ہے وہ دوست پہلے اس کا قصور معاف کراتا ہے پھر بچہ کو پیش کرتا ہے ہم مجرم بھگوڑے بندے حضور کے دامن سے لپٹ کر بارگاہ الٰہی تک پہنچیں۔ ابوسفیان فتح مکہ کے دن حضرت عباس کے دامن میں چھپ کر ہی حضور کے پاس پہنچے اور قتل سے امان پائی۔ ایمان نصیب ہوا۔ دولہا برات کے دن اکیلا نہیں جاتا عزیزوں، دوستوں بلکہ اپنے کمیوں کو ساتھ لے جاتا ہے۔ سامنے والے بھی جانتے ہیں کہ دولہا اکیلا نہیں آویگا اس لئے وہ سب کے لئے کھانا پکاتے ہیں حضور قیامت کے دولہا ہیں کروڑوں براتی حضور کے ساتھ جنت میں جائیں گے غرضکہ مرتدین شریعت اور ہیں مرتدین طریقت اور جو کوئی اپنا ایمان محفوظ رکھنا چاہے وہ اغیار سے محبت نہ رکھے ان کے خلاف جہاد کرتا رہے ہاں جب نفس امارہ سرکشی چھوڑ دے تمہارے مقابل ہتھیار ڈال دے تو اس سے جنگ نہ کرو بلکہ اسے اپنا معاون بنالو۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا
عنقریب پاؤ گے تم دوسروں کو جو چاہتے ہیں کہ مطمئن کریں تم کو اور مطمئن کریں
اب کچھ اور تم ایسے پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امان میں رہیں
قَوْمَهُمْ ط كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ج فَاِنْ لَّمْ
اپنی قوم کو جب کبھی لوٹائے جائیں طرف فتنہ کے اوندھے ہو جاتے ہیں ان میں پس اگر نہ الگ
اور اپنی قوم سے بھی امان رہیں جب کبھی ان کی قوم انہیں فساد کی طرف پھیرے تو اس پر اوندھے گرتے ہیں پھر اگر

يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْآ اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْا اَيْدِيَهُمْ

رہیں تم سے اور نہ پیش کریں طرف تمہارے صلح کو اور نہ روکیں اپنے ہاتھوں کو

وہ تم سے کنارہ نہ کریں اور صلح کی گردن نہ ڈالیں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں

فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ وَاُولٰٓئِكُمْ

تو پکڑ لو ان کو اور قتل کرو ان کو جہاں کہیں پاؤ تم ان کو اور یہ ہی لوگ ہیں کہ

تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو یہ ہیں جن

جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾ ع

بنایا ہم نے واسطے تمہارے ان پر اختیار کھلا

پر ہم نے تمہیں صریح اختیار دیا

ع ۱۲ ۹

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں ان منافقین کا ذکر تھا جو ایک بار کلمہ پڑھ کر پھر مرتد ہو گئے۔ اب ان لوگوں کا ذکر ہے جن کا وطیرہ ہی یہ ہے کہ کبھی مسلمان ہو گئے کبھی کافر۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ان کفار کا ذکر تھا جن کو قتل کرنا ممنوع ہے اب ان کفار کا ذکر جن کو قتل کرنا جائز بلکہ ضروری ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ان کفار کا ذکر تھا جو صحیح ارادے سے مسلمانوں سے صلح کریں اب ان کفار کا ذکر ہے جو دھوکہ دینے کے لئے بری نیت سے مسلمانوں سے صلح کریں کہ ان پچھلے کافروں کے احکام کچھ نرم تھے ان کفار کے احکام بہت سخت ہیں۔

شان نزول

سیدنا عبداللہ ابن عباس و مجاہد فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں قبیلہ بنی اسد اور قبیلہ غطفان اور بنی عبدالدار کے کچھ لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے پاس آتے تو کلمہ پڑھتے اور کہتے کہ ہم بھی تمہاری طرح مسلمان ہیں۔ جن چیزوں پر تم ایمان لائے ان پر ہی ہم ایمان لائے اور جب اپنی قوم کے پاس جاتے تو کہتے کہ مسلمان سانپ بچھوؤں کی طرح خطرناک ہیں بھلا ہم ان کے ساتھ ہو سکتے ہیں ہم تو پہلے بھی تم میں سے تھے اب بھی تم سے ہیں اور آئندہ بھی تم میں ہی رہیں گے ان کا یہ ہی طریقہ تھا ہمیشہ یہ ہی کرتے تھے اور اسے اپنی پالیسی و عقلمندی سمجھتے تھے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کو ان سے ہوشیار رہنے کا حکم دیا گیا اور اجازت دی گئی کہ ان کو تم قتل کر سکتے ہو (خازن، خزائن، روح المعانی وغیرہ)

تفسیر

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ اس میں خطاب مسلمانوں سے ہے۔ سَتَجِدُوْنَ کے معنی ہیں تم ظاہر ظہور پالو گے یعنی ان کی حرکتیں تم پر کھل جائیں گی ورنہ مسلمانوں کو ان کے متعلق شبہ تو پہلے سے

ہی تھا اسلئے یہاں تَعْلَمُوْنَ نہ فرمایا تَجِدُوْنَ فرمایا وجدان علم سے عام ہے کیونکہ آنکھ سے دیکھ کر کان سے سن کر زبان سے چکھ کر ہاتھ سے چھو کر جان لینا علم ہے مگر تجربہ و آزمائش سے جاننا وجدان ہے ہو سکتا ہے کہ وجدان علم سے بعد ہو کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں کو جیسا سنا تھا یا جیسا جانا تھا ویسا پایا گویا نہ جاننے پر مرتب ہوتا ہے۔ آخَرِیْنَ سے مراد ہے گذشتہ آیت میں ذکر کئے ہوئے مرتدین کے علاوہ دوسرے لوگ کیونکہ وہ لوگ اور قوم سے تھے یہ لوگ دوسری قوم اسد و غطفان سے۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْکُمْ وَیَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ۔ یُرِیْدُوْنَ ارادہ سے بنا یہاں بمعنی کوشش کرنا ہے مضارع دوام و استمرار کے لئے ہے یعنی اسی کوشش میں رہتے ہیں۔ یَاْمَنُوْا امن سے بنا بمعنی مطمئن کرنا یا مطمئن رہنا یا امان میں رہنا یہاں یا پہلے معنی میں ہے یا تیسرے معنی میں کُمْ میں خطاب ان سارے مسلمانوں سے ہے اور قَوْمَهُمْ سے مراد ان کی اپنی قوم ہے اگرچہ ان کی قومیں تین تھیں۔ اسد، غطفان اور بنی عبدالدار کیونکہ ان میں سے بعض اسد سے تھے بعض غطفان سے اور بعض عبدالدار سے لیکن چونکہ کفر و شرک میں سب ایک تھے اس لئے قوم واحد ارشاد ہوا۔ اقوام جمع نہ فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ لفظ قوم بڑا وسیع ہے ہم ملک۔ ہم پیشہ، ہم زبان قبیلہ خاندان اور ہم مذہب سب پر بولا جاتا ہے۔ حضرات انبیاء کرام جو کفار سے فرماتے تھے یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (اعراف: ۶۵) اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو وہاں قوم سے مراد نسبی خاندانی ملکی قوم ہے نہ کہ مذہبی قوم یہاں بھی یا تو قوم سے مراد ان کے اپنے خاندان و قبیلہ والے ہیں یا ان کے ہم مذہب کیونکہ وہ حقیقۃً کافر ہی تھے اس لئے مسلمان ان کے ہم مذہب نہ تھے بلکہ کفار تھے یعنی یہ لوگ کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ تم سے بھی امان میں رہیں اور اپنے ہم مذہب کفار سے بھی یا تم کو بھی اپنی طرف سے مطمئن کر دیں اور اپنی قوم کو بھی مطمئن رکھیں یا تمہاری طرف سے بھی مطمئن رہیں اور اپنی قوم کی طرف سے بھی۔ کُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا پہلے ان کے اقوال کا ذکر تھا اب ان کے اعمال کا یہ سَتَجِدُوْنَ کا ظہور ہے کُلَّمَا دوام و استمرار کے لئے ہے رُدُّوْٓا بمعنی دُعُوْا ہے (تفسیر خازن) یا اپنے ہی معنی میں ہے یعنی واپس کرنا لوٹانا فتنہ سے مراد یا تو کفر و شرک ہے یا نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں سے جنگ کرنا یا انہیں ایذا پہنچانا اُرْكِسُوْا کا مادہ رَكْسٌ ہے بمعنی اوندھے منہ گر جانا اندھا دھند کسی طرف چل پڑنا بغیر سوچے سمجھے بغیر نتیجہ میں تامل کرے کچھ کام کر بیٹھنا یعنی یہ بدنصیب جب کبھی اپنی قوم کی طرف سے مسلمانوں سے جنگ کرنے کیلئے بلائے جاتے ہیں تو نہ تو یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم مسلمانوں سے کیا کہہ چکے ہیں نہ یہ سوچتے ہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا بغیر کچھ سوچے سمجھے اندھا دھند جنگ میں شریک ہو جاتے ہیں تمہارے مقابل آ جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ ان لوگوں کو بھی سنبھل جانے کا ایک اور موقعہ دیتا ہے کہ فرماتا ہے فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ یہاں تین شرطوں پر ان کے قتل کی اجازت دی گئی ہے یہ پہلی شرط ہے يَعْتَزِلُوْا بنا ہے اعتزال سے بمعنی یک طرف ہو جانا الگ رہنا یہاں مراد ہے مسلمانوں سے لڑنے سے الگ رہنا یعنی اگر وہ اپنا رویہ نہ بدلیں اور تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے علیحدگی اختیار نہ کریں دوسری شرط یہ ہے وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ يُلْقُوْا معطوف ہے يَعْتَزِلُوْا پر لَمْ کے تحت ہے اس لئے اس کا نون

اعرابی گر گیا سلم بمعنی صلح ہے یعنی اور اگر تمہارے سامنے صلح پیش نہ کریں اس طرح کہ گذشتہ حرکتوں پر نادم ہو کر تم سے معافی چاہیں اور آئندہ کیلئے وعدہ کریں کہ ہم کبھی تم لوگوں کے مقابل نہ آئیں گے **یَکُفُّوْا اَیْدِیَهُمْ** یہ تیسری شرط ہے **یَکُفُّوْا** بھی معطوف ہے **یَعْتَزِلُوْا** پر اور لم کے ماتحت ہے اور **کَفٌّ** سے بنا بمعنی روکنا یعنی اپنے ہاتھ تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے نہ روک لیں یعنی قولی صلح کے ساتھ عملی صلح نہ کرلیں تو **فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ** یہ جملہ گذشتہ شرطوں کی جزا ہے **خُذُوْا** کے معنی پہلے عرض کئے گئے کہ یہاں اس سے مراد قتل کیلئے پکڑنا قید کرنا ہے نہ کہ غلام بنانے کیلئے **حَیْثُ** عموم مکان کیلئے ہے بمعنی جہاں کہیں **ثَقِفْتُمُوْا** **ثَقْفٌ** سے بنا بمعنی پانا قادر ہونا **هُمْ** کا مرجع وہ ہی لوگ ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے یعنی اگر یہ کام وہ نہ کریں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ انہیں قتل کرو ان کے قتل کی تم کو عام اجازت ہے۔ **وَ اُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا** یہ جملہ پہلے حکم کی گویا علت و وجہ ہے سلطان بمعنی دلیل وغلبہ آتا ہے یہاں بمعنی اجازت و اختیار ہے مبین کے معنی ہیں کھلا صریح اختیار یعنی اس لئے ان کا قتل و پکڑ دھکڑ جائز ہے کہ ہم نے تم کو ان لوگوں کے پکڑنے مارنے کی صاف اجازت دیدی اب تم ان پر سختی کرنے میں بالکل مجرم نہیں۔

خلاصہ تفسیر

اے مسلمانو تم یہاں بہت قسم کے دشمنوں میں گھرے ہوئے ہو ایک تو تمہارے دشمن وہ لوگ تھے جن کا ذکر ابھی ہو چکا دوسرے تمہارے چھپے دشمن وہ بنی اسد، غطفان بنی عبدالدار کے لوگ ہیں جن کی حالت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ تمہاری طرف سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم کی طرف سے بھی کہ تم سے انہیں کچھ کھٹکا ہو نہ اپنی کافر قوم سے وہ ظاہری کلمہ پڑھ کر تمہیں مطمئن کر جاتے ہیں اور پھر اپنی قوم میں جا کر تم کو برا کہہ کر اسلام سے بیزاری ظاہر کر کے انہیں مطمئن کرتے رہتے ہیں مگر ان کا عمل یہ ہے کہ تم کو مطمئن کر کے جاتے ہیں لیکن اگر ان کی قوم ان کو تم سے لڑنے کی دعوت دے تو اندھا دھند اسے قبول کر کے تمہارے مقابل آجاتے ہیں ان کے دل میں نہ یہ خیال آتا ہے کہ ہم مسلمانوں سے کیا کہہ چکے ہیں نہ یہ سوچتے ہیں کہ ہماری اس بدعہدی کا نتیجہ کیا ہوگا۔ ان کے متعلق ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ آئندہ اگر یہ لوگ تم سے لڑائی کرنے سے نہ بچیں اور تمہارے پاس آ کر گذشتہ پر ندامت آئندہ صلح نہ کریں اور تمہارے ساتھ لڑنے بھڑنے سے ہاتھ نہ روکیں تو پھر ہماری طرف سے تم کو بھی اجازت ہے کہ جہاں کہیں تم کو ملیں انہیں پکڑو اور مارو تم پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کفار چار قسم کے ہیں۔ ذمی کفار جو مسلمانوں کی رعایا ہوں۔ مستامن وہ کفار جو ہمارے ملک میں چند روز کے لئے امن لے کر آویں وہ حربی کفار جو ان دونوں قسموں سے نہ ہوں مگر ان سے کچھ مدت کے لئے ہماری صلح ہوگئی ہو وہ حربی کفار جن سے ہماری نہ کوئی صلح ہے نہ معاہدہ آخری قسم کے کفار کا قتل جائز ہے پہلی تین قسم کے کفار کا قتل حرام ہے۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: مومن و کفار دونوں کو خوش رکھنے کی کوشش کرنا دو طرفہ ملتے جلتے رہنا منافقت ہے اور ایسا شخص منافق ہے یہ سب

کیلئے خطرناک ہے۔ **دوسرا فائدہ** :منافق سے اگر کوئی علامت کفر پائی جاوے خصوصاً جہاد میں کفار کی مدد کرنا مسلمانوں کی مخالفت کرنا تو اس کا قتل جائز ہے کہ اب وہ کھلا کافر مایا مرتد ہو گیا جیسا کہ فَخُذُوْهُمْ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ** : اس آیت نے تمام ان آیات کو منسوخ فرمادیا جن میں کفار سے نرمی چشم پوشی بے توجہی کر لینے کا حکم تھا یہ آیت محکم ہے تا قیامت اس پر عمل ہے جو اسے نا قابل عمل مانے اور جہاد کو منسوخ قرار دے وہ کافر ہے جہاد اسلام کا دائمی حکم ہے یہ فائدہ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** : محترم مہینوں یعنی رجب، شوال، ذیقعد۔ ذی الحجہ میں جہاد حرام ہونا بھی اس آیت سے منسوخ ہو گیا۔ اب ہر وقت کفار سے جہاد درست ہے یہ فائدہ بھی حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: حربی کفار و منافقین کو اوّلاً سمجھانا بلکہ انہیں سنبھل جانے کا اور موقعہ دینا بہتر ہے تا کہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم کو درست ہو جانے کا موقعہ نہ دیا گیا یہ فائدہ فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ الخ سے حاصل ہوا غرضکہ اسلام میں بہت فراخدلی سے کام لیا گیا ہے۔ **چھٹا فائدہ**: جن کفار سے ہماری صلح غیر جانبداری پر ہوگئی ہو یعنی انہوں نے ہم سے غیر جانبدار رہنے کا وعدہ کر لیا ہو تو جب تک وہ اس عہد پر قائم رہیں ان سے جنگ نہ کی جاوے یہ فائدہ بھی فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْكُمْ جس سے معلوم ہوا کہ جو کافر دونوں فریق مومن و کافر کو راضی کرنے کا ارادہ بھی کرے لائق قتل ہے حالانکہ یہ تو ارادہ غداری ہے نہ کہ غداری پھر اس پر قتل کی اجازت کیسی حدیث شریف میں ہے کہ ارادہ خیر تو خیر ہے جس پر ثواب مل جاتا ہے مگر ارادہ شر شر نہیں اس پر عذاب نہیں یہ آیت اس حدیث کے خلاف ہے۔ **جواب**: تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ یہاں ارادہ کے لغوی معنی مراد نہیں یعنی ابھی تک کام نہ کرنا صرف کام کرنے کا ارادہ کرنا بلکہ یہاں بمعنی کوشش ہے مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں فریق مومن کافر کی چاپلوسی کرتے رہتے ہیں۔ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ دونوں فریق ہم سے راضی رہیں۔ خیال رہے کہ خیال گناہ پر پکڑ نہیں مگر ارادہ گناہ پر پکڑ ہے فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ جب دو مسلمان ایک دوسرے کو قتل کرنے کیلئے نکل آویں ان میں سے ایک مارا جاوے تو قاتل و مقتول دونوں دوزخی ہیں۔ پوچھا گیا کہ قاتل تو دوزخی ہونا ہی چاہئے مقتول کیوں دوزخی ہے فرمایا وہ بھی قتل کرنے ہی کے ارادے سے نکلا تھا اس کا داؤ نہ چلا نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ ارادہ کفر بھی کفر ہے۔ بہر حال ارادہ گناہ اور ہے خیال گناہ کچھ اور۔

دوسرا اعتراض : جب بنی اسد و بنی غطفان کے کچھ لوگوں کی غداری دیکھی جا چکی تو انہیں قتل کرنا چاہئے تھا انہیں اور موقع کیوں دیا گیا کہ ارشاد ہوا فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ الخ موذی کو ایذا سے پہلے قتل کر دینا چاہئے۔

جواب :یہ اسلام کی فراخ دلی اور تعلیم اخلاق ہے کہ پہلے ان کو وارننگ دی گئی کہ تمہاری طرف سے بے وفائیاں بہت ظاہر ہو چکیں اب بھی درست ہو جاؤ ورنہ مارے جاؤ گے۔ رب تعالیٰ بڑے سے بڑے مجرم کو توبہ اپنی اصلاح

کر لینے کا موقع دیتا ہے وہ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ جو ہوا ہمارے ماں باپ سے زیادہ ہم پر مہربان ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا اُرْکِسُوْ فِیْھَا وہ اس فتنہ میں اوندھے گرائے جاتے ہیں معلوم ہوا کہ وہ اوندھے گرائے گئے خود نہ گرے تو پھر وہ مجرم کیوں ہوئے۔ **جواب:** عربی بلکہ اردو میں بھی کسی کام میں بہت جلدی کرنے کو اوندھا گرایا جانا کہہ دیا جاتا ہے جیسے خود کودنا تو سوچ سمجھ کر مہلت سے ہوتا ہے مگر کوئی دھکیل دے تو اچانک گرنا ہوتا ہے ایسے ہی بہت جلد کوئی کام کر بیٹھنا گویا اوندھا گرایا جانا ہے یا یہ کہو کہ وہ نفس پرستی میں ایسے اندھے ہو گئے کہ بغیر انجام سوچے ایسے کام کر بیٹھتے ہیں گویا اپنے نفس امارہ اور برے دوستوں کے ہاتھ میں ہیں۔ جدھر وہ لے جاتے ہیں ادھر جاتے ہیں علماء فرماتے ہیں کہ قدر یعنی تقدیر ایسی ہے جیسے نقاش کے ذہن میں کوئی نقشہ اور قدر ایسی ہے جیسے اس ذہنی نقشہ کو پنسل سے کاغذ پر کھینچ دینا اور ہمارا عمل ایسا ہے جیسے نقاش کے شاگرد کا اس پنسل کے نقش پر رنگ بھرنا اسے اصل صورت دے دینا یہ شاگرد اس نقشہ کے کھینچنے میں مختار بھی ہے اور اپنے استاذ کا دست نگر بھی ایسے ہی بندہ نہ تقدیر سے مستغنی ہے نہ بالکل بے قصور اس مثال سے بہت سے اعتراضات اٹھ جاتے ہیں۔

اِذَا مَا الالٰہ قَضٰی امرہ — فـانت لما قد قضاہ السبب

تفسیر صوفیانہ

ہمارے نفوس امارہ وہ اسدی وغطفانی منافق ہیں جو روح و دل کو بھی راضی رکھنا چاہتے ہیں اور شیاطین و برے ساتھیوں کو بھی اے مسلمانو اس منافق کی چال سے بے خبر نہ رہنا اولاً تدبیر کرو کہ نفوس امارہ ٹھیک ہو جاویں لیکن اگر کسی تدبیر سے یہ اپنی حالت نہ بدلیں تو انہیں مجاہدہ و ریاضات کی تلوار سے اس طرح قتل کر دو پھر وہ تمہارے مقابلہ میں آنے کی ہمت نہ کر سکیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مجاہدہ کفار آسان ہے مگر مجاہدہ نفس امارہ بہت مشکل ہمارا جسم میدان جہاد ہے۔ قلب و روح مومن ہیں۔ نفس و شیطان کفار ہر وقت ان کی جنگ لگی ہوئی ہے مبارک ہے وہ جو اس جہاد میں کامیاب رہے یہ فتح مندی ہماری بہادری سے نہیں بلکہ رب تعالیٰ کے کرم سے ہے۔ مولانا فرماتے ہیں

گر بہ پرانیم تیر۔ آں نے زماست — ما کمان و تیر اندازش خداست

ایں نہ جبر۔ ایں معنی جباری است — ذکر جباری برائے زاری است

زاری باشد دلیل اضطرار — خجلت باشد دلیل اختیار

غرض یہ ہے کہ مرتے وقت تک ہمیشہ یہ جہاد کرتے رہو اور رب تعالیٰ سے فتح مندی کی دعائیں مانگتے رہو۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ

اور نہیں ہے درست کسی مومن کو یہ کہ قتل کرے کسی مسلمان کو مگر غلطی سے اور قتل کردے

اور مسلمان کو نہیں پہنچتا کہ مسلمان کا خون کرے مگر ہاتھ بہک کر اور جو کسی مسلمان کو

مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى

کسی مسلمان کو غلطی سے تو آزاد کرنا ہے ایک گردن مسلمہ کا اور خون بہا ہے سپرد کیا ہوا طرف

نادانستہ قتل کرے تو اس پر ایک مملوک مسلمان آزاد کرنا ہے اور خون بہا کہ مقتول

اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ

گھر والوں اس مقتول کے مگر یہ کہ صدقہ کردیں وہ پس اگر ہو وہ مقتول ایسی قوم سے جو دشمن ہے تمہاری

کے لوگوں کو سپرد کی جاوے مگر یہ کہ وہ معاف کردیں پھر اگر وہ اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ

حالانکہ وہ خود مومن ہو تو آزاد کرنا ہے گردن مومنہ کا اور اگر ہو اس قوم

اور خود مسلمان ہے تو صرف ایک مملوک مسلمان کا آزاد کرنا اور اگر وہ اس قوم میں ہو کہ

قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ

سے کہ درمیان تمہارے اور درمیان ان کے عہد ہے تو خون بہا ہے سپرد کیا ہوا طرف گھر والوں اس کے

تم میں ان میں معاہدہ ہے تو اس کے لوگوں کو خون بہا سپرد کی جاوے

وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ

اور آزاد کرنا ہے گردن مومنہ کا پس جو نہ پائے تو روزے ہیں دو ماہ کے

اور ایک مسلمان مملوک آزاد کرنا تو جس کا ہاتھ نہ پہنچے وہ لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے

مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا حَكِـيْمًا ﴿۹۲﴾

مسلسل توبہ اللہ کی طرف سے اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا

یہ اللہ کے یہاں اس کی توبہ ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

تعلقات اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کفار کی اجازت دی تھی اب اس جہاد کے متعلق کچھ غلطیوں کی تلافی کا ذکر ہو رہا ہے کہ اگر جہاد میں مسلمانوں کے ہاتھوں کوئی مسلمان غلطی سے مارا جاوے تو اس کا کفارہ کیا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ان لوگوں کا ذکر تھا جن کو قتل کر دینا جائز ہے اب ان کا ذکر ہے جن کا قتل کرنا حرام ہے یعنی قتل مومن کہ اگر یہ قتل حرام سرزد ہو جاوے تو کیا حکم ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار کو عمداً قتل کرنے کے احکام کا تذکرہ تھا اب اس آیت میں مومن کو شبہ و غلطی سے قتل کرنے کے احکام کا ذکر ہے غرضکہ قتل حلال کے بعد قتل حرام کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں مرتدین کے قتل میں احتیاطوں کا ذکر تھا اگر وہ فلاں فلاں کام کر لیں تو انہیں قتل کرنے کی کوئی راہ نہیں اب مسلمانوں کے قتل میں سخت احتیاطوں کا ذکر ہے کہ جب مرتدین و کفار کے قتل میں اتنی احتیاط ہے تو مومن کے قتل میں کتنی احتیاط ہونی چاہئے۔

شان نزول اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روائتیں ہیں (۱) عیاش ابن ربیعہ جو ابو جہل ابن ہشام اور حارث ابن ہشام کے ماں شریکے یعنی سوتیلے بھائی تھے حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں مسلمان ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے پھر کفار کے خوف سے مدینہ منورہ پہنچ گئے عیاش کی والدہ کو عیاش سے بڑی محبت تھی اس نے ابو جہل و حارث سے کہا جو اس کے بیٹے تھے کہ جب تک میں عیاش کو نہ دیکھوں نہ کچھ کھاؤں نہ پیوں نہ سایہ میں بیٹھوں اسے بلا کر لاؤ۔ یہ دونوں یعنی ابو جہل و حارث نے اپنے ساتھ حارث ابن زید ابن ابی امیہ کو لے لیا یہ تینوں مدینہ منورہ پہنچے اور انہوں نے عیاش کو پالیا ان سے ماں کا حال بیان کر کے انہیں خدا تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہا کہ گھر چلو اور ماں کی جان بچاؤ اور ہم اللہ تعالیٰ کو ضامن دیتے ہیں کہ تم کو دین کی آزادی دیں گے۔ جو دین چاہو اختیار کرو عیاش نے ان کی بات مان لی اور ان کے ساتھ روانہ ہو گئے حدود مدینہ سے باہر نکل کر ان تینوں نے عیاش کی مشکیں باندھ دیں اور ہر ایک نے سو سو کوڑے انہیں مارے اور قیدی کی شکل میں مکہ معظمہ لائے ان کی ماں بولی کہ جب تک تم اسلام نہ چھوڑ دو تم کو نہ کھلاؤں گی نہ سایہ میں رکھوں گی چنانچہ یہ یوں ہی بندھے ہوئے بھوکے پیاسے دھوپ میں ڈال دیئے گئے آ کر جب جان سے تنگ آ گئے تو بظاہر کفر اختیار کر لیا۔ حارث ابن زید نے بطور طعنہ کہا کہ اگر اسلام جھوٹا دین تھا۔ تو تم اتنے روز تک گمراہ رہے اور اگر سچا دین ہے تو تم اب گمراہ ہو گئے عیاش بولے کہ یہ دونوں ابو جہل و حارث ابن ہشام تو میرے سوتیلے بھائی مجھے جو چاہیں کہیں تم ہمارے معاملہ میں دخل دینے والے کون اللہ کی قسم جب بھی میں تم کو اکیلا پاؤں گا قتل کر دوں گا ادھر حضور ﷺ نے مدینہ پاک کی طرف ہجرت فرمائی موقعہ پا کر عیاش مسلمان ہو کر مدینہ منورہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حارث ابن زید بھی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ حارث ابن زید کے اسلام کی خبر عیاش کو نہ تھی مسجد قبا شریف کے پاس عیاش نے حارث کو اکیلا دیکھا تو قتل کر دیا لوگوں

نے عیاش سے کہا کہ یہ تم نے کیا کیا یہ تو مسلمان ہو چکے تھے تب ان کو بہت افسوس ہوا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن، روح المعانی، تفسیر کبیر، خزائن العرفان وغیرہ)

(۲) حضرت ابوالدرداءؓ ایک لشکر میں تشریف لے گئے آپ دوران سفر میں استنجاء کے لئے گئے تو ایک شخص کو دیکھا جو بکریاں چرا رہا تھا آپ نے اس کو قتل کرنا چاہا اس نے کلمہ پڑھا آپ سمجھے کہ یہ بکریاں بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے اسے قتل کر دیا بکریوں پر قبضہ کر لیا اس کے بعد یہ واقعہ بارگاہ رسالت میں عرض کیا حضور ﷺ نے ناراضی کا اظہار فرمایا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں کفارہ اور دیت کا حکم دیا گیا (تفسیر روح المعانی وکبیر)

(۳) حضرت عروہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ غزوۂ احد میں خذیفہ ابن یمان حضور ﷺ کے ساتھ تھے غازیان احد نے حضرت یمان کو مشرک سمجھ کر گھر لیا اور قتل کرنے لگے۔ حضرت حذیفہ کہتے رہے کہ یہ تو میرے والد ہیں کسی نے نہ سنا اور انہیں قتل کر دیا حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ اللہ تمہیں بخشے تم نے ایک بندہ مومن یعنی میرے باپ کو قتل کر دیا پھر یہ واقعہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوا۔ حضور کو بہت افسوس ہوا اور اس واقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر)۔

تفسیر

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا یہ مستقل علیحدہ جملہ ہے قتل حرام کے احکام بیان فرمانے کیلئے۔ مَا كَانَ نفی دوام کیلئے اور لِمُؤْمِنٍ سے پہلے جائزاً یا لائقاً پوشیدہ ہے یہ کان کی خبر مقدم ہے اور اَنْ يَّقْتُلَ بمعنی مصدر ہو کر كَانَ کا اسم مؤخر اس قتل سے مراد قتل ناحق ہے یعنی کسی مسلمان کو ناجائز تھا نہ جائز ہے نہ جائز ہوگا کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا اِلَّا خَطَـًٔا کی بہت تفسیریں ہیں۔ آسان تفسیر یہ کہ اِلَّا معنی لٰكِنْ ہے اور خَطَـًٔا سے پہلے اَنْ يَّقْتُلَ پوشید ہے خَطَـًٔا حال ہے اور فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ اس عبارت کی گویا خبر (خازن) یعنی لیکن اگر مومن کو خَطَـًٔا قتل کر دیا تو اس پر کفارہ غلام آزاد کرنا ہے اور دیت ادا کرنا تفسیر روح المعانی نے اِلَّا خَطَـًٔا کی اور پانچ چھ ترکیبیں کی ہیں مگر یہ ترکیب آسان ہے قتل خطا کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کافر یا شکاری جانور کو گولی مار رہا تھا کہ کوئی مسلمان آدمی زد میں آ کر مارا گیا یہ خطا فی الفعل ہے دوسرے یہ کہ کسی مسلمان کو حربی کافر سمجھ کر قتل کر دیا بعد میں پتہ لگا کہ یہ مسلمان ہے۔ یہ خطا فی الارادہ ہے۔ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا پچھلے جملہ میں تو یہ بتایا گیا تھا کہ مومن کو عمداً قتل کرنا سخت گناہ اور عذاب الٰہی کا سبب ہے ہاں اگر خَطَـًٔا قتل ہو جاوے تو وہ جرم نہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ قتل جرم تو نہیں مگر پھر بھی اس پر کفارہ و دیت ہے۔ مَنْ سے مراد مسلمان آدمی ہے قتل سے مراد خَطَـًٔا قتل ہے جو ناحق ہو مُؤْمِنًا سے مراد مطلق مومن ہے متقی ہو یا گنہگار مرد ہو یا عورت بچہ ہو یا جوان یا بوڑھا خطاء سے مراد ہر خطا ہے خواہ خطاء فی الفعل ہو یا خطاء فی الارادۃ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ یہ عبارت مَنْ کی خبر ہے اس سے پہلے علیه یا يَجِبُ علیه پوشیدہ ہے تحریر کے معنی ہیں حُرّ یعنی کامل کر دینا ہے عربی میں ہر عزت والے کو حر کہتے ہیں رخسار کے حسن کو حرالوجہ کہتے ہیں پرندہ آزاد کر دینے کو احرار الطیر کہا جاتا ہے۔ لکھنے کو تحریر اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے کاغذ کی عزت بڑھ جاتی ہے۔ رقبہ گردن کو کہتے ہیں مگر

اس سے مراد پورا انسان ہوتا ہے۔ جز بول کر کل مراد لیتے ہیں چونکہ رَقَبَۃ مونث تھا اس لئے مُؤْمِنَۃٍ بھی مونث ارشاد ہوا مُؤْمِنَۃٍ سے مراد مطلق مسلمان غلام ہے خواہ پرانا مسلمان ہو یا نیا یعنی خطاً قاتل پر ایک تو کفارہ واجب ہے وہ کفارہ کیا ہے مومن غلام کو آزاد کر دینا خواہ غلام کو آزاد کرے یا لونڈی کو چونکہ اس قاتل نے ایک مومن کو موت کے گھاٹ اتارا ہے اس لئے اسے چاہیے کہ ایک مردہ کو زندگی بخشے غلام ہونا موت ہے آزاد کرنا اسے زندگی بخشنا ہے اور دوسرے وَدِیَۃٌ مُّسَلَّمَۃٌ اِلٰٓی اَھْلِہٖ ۔دیت وَدْیٌ سے بنا بمعنی بہنا اسی لئے جنگل کو وادی کہتے ہیں کہ وہاں بارش میں عموماً پانی بہتا ہے۔ وَدْیٌ کا واو گرا کر اس کے عوض آخر میں ت لگا دی گئی اب اصطلاح شریعت میں دیت خون مسلم کا وہ مالی معاوضہ ہے جو مقتول کے وارثوں کو دیا جاوے چونکہ یہ مال خون بہانے کے عوض میں ہوتا ہے اسلئے اسے عربی میں دیت اور فارسی میں خون بہا کہتے ہیں۔ مُسَلَّمَۃٌ فرما کر یہ بتایا کہ دیت میں ضروری ہے کہ مقتول کے وارثوں کو خون بہا کا مالک بھی کر دیا جاوے اور قبضہ بھی دے دیا جاوے اَھْلِہٖ سے مراد مقتول کے تمام وارث قرابت دار ہیں۔ خواہ ذی فرض ہوں جیسے بیوی ماں وغیرہ یا عصبہ جیسے بیٹا بھائی وغیرہ۔ لفظ اہل تین معنی میں آتا ہے اولاد بیویاں حق دار یعنی وارث قرابت دار یہاں تیسرے معنی میں ہے قرآن کریم میں زیادہ تر بیویوں کو اہل فرمایا گیا۔ جیسے فَقَالَ لِاَھْلِہِ امْکُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا (طٰہٰ:۱۰) یا جیسے وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِکَ (آل عمران:۱۲۱) یا جیسے رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ (ھود:۷۳) جو کہتے ہیں کہ اہل صرف اولاد ہے وہ یہاں اِلٰٓی اَھْلِہٖ میں اہل کے کیا معنی کریں گے وغیرہ یعنی خطاء قتل کرنے والا اس خون کے عوض مقتول کے وراثوں کو مال دے جو انہیں سپرد کر دیا جاوے جسے وہ آپس میں میراث کی طرح تقسیم کر لیں۔ خیال رہے کہ اگر مقتول کا وارث کوئی نہ ہو تو بیت المال میں یہ دیت رکھی جاوے جیسے کہ میت کے متروکہ مال کا حکم ہے کہ اگر اس کا وارث نہ ہو تو اس کا مال بیت المال کا ہے اور اس قتل خطا کی دیت قاتل کے عصبہ وارث دیں گے اور اس کی مدت تین سال ہوگی چونکہ قتل خطا میں شریعت کی بھی حق تلفی ہے کہ محترم جان کا قتل ہے اور بندوں کی بھی حق تلفی کہ مقتول کی بیوی بیوہ ہوگئی بچے یتیم ہو گئے اس لئے اس کی سزائیں بھی دو ہوئیں شرعی حق تلفی کا کفارہ غلام آزاد کرنا جو حق اللہ ہے کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتا اور بندوں کی حق تلفی کی سزا دیت یعنی خون بہا دینا جو حق العباد ہے جسے وہ حق دار آپس میں بقدر حق تقسیم کر لیں گے۔ سبحان اللہ کیسا عدل و انصاف ہے۔ اِلَّآ اَنْ یَّصَّدَّقُوْا اس عبارت کا تعلق صرف دیت سے ہے کفارہ سے نہیں۔ یَصَّدَّقُوْا اصل میں یَتَصَدَّقُوْا تھا باب تفعل کا مضارع ت کو ص سے بدل کر ص میں ادغام کر دیا تصدیق کے معنی ہیں صدقہ خیرات کرنا یہاں معاف کرنا مراد ہے چونکہ اس معافی میں صدقہ کا ثواب ملتا ہے اسلئے اسے صدقہ فرمایا گیا جیسے ہر نیکی کو صدقہ فرمایا گیا ہے یَصَّدَّقُوْا کا فاعل اہل مقتول ہیں چونکہ وہ اہل وارثوں کی جماعت تھی اس لئے اسے جمع فرمایا گیا یعنی قاتل پر دیت دینا واجب ہے لیکن اگر مقتول کے ورثاء معاف کر دیں تو دیت واجب نہیں صرف کفارہ یعنی غلام آزاد کرنا واجب ہوگا۔ اَنْ یَّصَّدَّقُوْا جمع فرما کر اشارۃً یہ بھی بتایا کہ اگر سارے وارث معاف کر دیں تو دیت معاف ہوگی اور اگر بعض وارث معاف

کریں تو ان کا حصہ معاف ہو گا ساری دیت معاف نہ ہوگی بخلاف قصاص کے کہ اگر قصاص ایک وارث بھی معاف کردے تو معاف ہو جاوے گا۔ یہاں تک تو اپنی قوم مسلم کے مسلمان مقتول کے قتل کا حکم تھا اب اس مقتول کا حکم بیان ہو رہا ہے جو خود تو مسلمان ہو مگر اس کی قوم کافر ہو فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ یہ قتل خطاء کی تیسری صورت ہے یہاں كَانَ کا اسم وہ ضمیر ہے جس کا مرجع مقتول خطاء ہے قوم عدو سے مراد حربی کفار ہیں جن سے مسلمانوں کی نہ صلح ہے نہ معاہدہ نہ وہ ہمارے ملک میں ذمی بن کر رہتے ہیں نہ وہ عارضی امن لے کر ہمارے ملک میں آئے وَهُوَ مُؤْمِنٌ کے معنی یہ ہیں کہ وہ مقتول خطأ مومن ہے اگر اس قاتل مومن کو اس کے اسلام کا پتہ نہ لگا وہ سمجھا کہ یہ کافر ہو گا کیونکہ وہ کافروں کے ملک میں رہتا تھا کافروں ہی کی قوم سے تھا یعنی اگر خطأ مقتول تو کفار حربی کی قوم سے تھا مگر خود مومن تھا اس کے ایمان کا اس قاتل کو پتہ نہ چلا اس لئے اس نے کافر سمجھ کر اسے قتل کر دیا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ یہ اس قتل خطا کی جزاء ہے یعنی اس صورت میں صرف کفارہ قاتل پر واجب ہو گا ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کر دینا۔ دیت وخون بہا ادا کرنا لازم نہیں کیونکہ خون بہا یا دیت مقتول کے وارث لیتے ہیں جو وراثت کی طرح آپس میں تقسیم کرتے ہیں اور کفار مومن میت کے وارث نہیں ہو سکتے اختلاف دین وارثہ سے مانع ہے اسی لئے دیت واجب نہیں کہ اسے لینے والا کوئی نہیں نیز بندوں کی حق تلفی جب ہوتی جبکہ تلف کی ہوئی چیز حق ہو اور بندہ حقدار ہو۔ کسی مسلمان کی شراب گرادی سور مار دیا طبلہ سارنگی توڑ دی۔ تو ضمان نہیں کہ یہ چیزیں حق نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت توڑ دے تاوان واجب نہیں ہوا کہ یہ چیزیں کسی کا حق نہ تھیں اور کافر حربی حقدار نہیں کہ مسلمانوں پر ان کا حق نہیں گائے بھینس کے بچے ذبح کر کے کھالیتے ہیں۔ ان جانوروں کی حق تلفی نہیں اس لئے اس قتل میں حق العبد نہیں لہٰذا دیت نہیں نیز اگر یہ قتل واجب کر دیا کرے تو لوگ جہاد کرنا چھوڑ دیں گے کیونکہ جہاد میں بہت دفعہ غازیوں کے ہاتھوں کفار کے ملک میں رہنے والے مسلمان شہید یا قتل ہو جاتے ہیں پھر تو جہاد ناممکن ہو جاوے گا بہر حال اس قتل میں دیت نہیں صرف کفارہ ہے۔ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ۔ یہ قتل خطا کی تیسری صورت ہے یہاں كَانَ کا اسم خطأ مقتول ہے جو کہ کافر ہے یہ ہی احناف کا مذہب ہے میثاق سے مراد دائمی یا عارضی مصالحت ہے یعنی اگر مقتول ہو تو کافر مگر ایسی کافر قوم کا ایک فرد ہو جن سے تمہارا معاہدہ ہے یا اس طرح کہ وہ قوم تمہارے ذمی بن کر تمہارے ملک میں رہتی ہے یا وہ قوم امان لے کر عارضی طور پر تمہارے ملک میں آئی ہو اور ان کا ایک آدمی شبہ سے مسلمان کے ہاتھوں مارا گیا تو اس کی جزاء یہ ہے کہ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ کہ یہ قاتل اس کافر مقتول کے وارثوں کو پوری دیت جو مسلمان مقتول کی ہوتی ہے وہ ادا کرے اور ساتھ ہی ایک مسلمان غلام آزاد کرے۔ خیال رہے کہ یہاں دیت کا ذکر پہلے ہے غلام آزاد کرنے کا ذکر بعد میں جس سے اشارۃً بتایا جا رہا ہے کہ اس مقتول کی دیت بہت جلدی فوراً ادا کرو غلام بعد میں بھی آزاد کرتے رہنا تا کہ تم پر عہد کی مخالفت کا الزام نہ آوے نیز اگر وہ کافر قوم جلد اپنے وطن کو لوٹ جاوے تو پھر دیت کون لے گا چونکہ کافر کافر کا وارث ہوتا ہے اس لئے اس مقتول کی دیت اسی کے وارثوں کو دلوائی گئی لہٰذا مذہب احناف بہت

قوی ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہاں ذمی یا مستامن قوم کا مومن مقتول مراد ہے مگران پر سوال یہ ہے کہ اس کی دیت کون لے گا۔ کافر مومن کا وارث نہیں پھر دیت کسے دی جاوے فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ یہ ایک اور صورت ہے مَنْ سے مراد قاتل ہے اور لَمْ یَجِدْ کا مفعول غلام و لونڈی ہے نہ کہ دیت وہ تو بہر حال ادا ہی کرنا ہوگی کیونکہ قتل خطا کی دیت قاتل کے عصبہ وارثوں پر ہوتی ہے جو چندہ کر کے اسے دیں یعنی جو قاتل کفارہ کے لئے نہ تو غلام پائے نہ اس کی قیمت جس سے غلام خرید کر آزاد کرے تو اس پر واجب ہے کہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے بیچ میں افطار نہ کرے گا (یعنی روزہ نہ چھوڑے) اگر بلا عذر بیچ میں افطار کر لیا تو از سر نو روزے رکھے اور اگر عذر سے کوئی روزہ رہ گیا تو بقیہ روزے پورے کرے (روح المعانی وغیرہ) اور اگر بغیر روزے رکھے قاتل فوت ہو گیا تو اس کا ولی روزوں کا فدیہ دے ہر روزے کی عوض آدھا صاع یعنی سوا دو سیر گندم (روح) تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ یہ کفارہ واجب ہونے کا مفعول لَهٗ ہے توبۃ شرع پوشیدہ فعل کا مفعول ہے۔ مِّنَ اللّٰهِ تَوْبَةً کا حال یعنی یہ غلام آزاد کرنا غلام نہ ہونے کی صورت میں دو ماہ کے روزے اس لئے مشروع ہوئے کہ تمہاری اس غلطی سے توبہ ہو جائے یہ حکم اللہ تعالیٰ طرف سے ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا کان کے متعلق بارہا عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ دوام استمرار کیلئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہمیشہ تک علم و حکمت والا ہے اس کے احکام میں صدہا حکمتیں ہیں لہٰذا اس نے جو قتل خطا کی اس صورتوں میں یہ احکام جاری فرمائے اس میں اس کی صدہا حکمتیں ہیں خواہ تمہاری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں کیونکہ حکیم کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا لہٰذا تم اس میں بحث نہ کرو بلکہ اس پر عمل کرو۔

خلاصۂ تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قتل خطاء کی تین صورتیں بیان فرمائیں اور ان تینوں کے احکام تفصیل وار ارشاد فرمائے۔ ایک یہ کہ مسلم قوم کا مسلم آدمی مسلمان کے ہاتھ خطاء مارا جاوے دوسرے یہ کہ کفار حربی قوم کا مسلمان آدمی مسلمان کے ہاتھوں خطاء مارا جاوے تیسرے یہ کہ ذمی یا مستامن کفار قوم کا کافر آدمی مسلمان کے ہاتھوں خطاء مارا جاوے لہٰذا ارشاد ہوا کہ مسلمان کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کسی مومن کو عمداً قتل کرے مومن کے تو معنی ہیں امان دینے والا امان دلانے والا جب اس کے نام میں امان ہے تو کیسے ہو سکتا ہے نام تو اس کا ہو مومن اور اس کا کام ہو قتل و غارت گری ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کو خطأ قتل کر دے کہ اس کے ہاتھوں کوئی ارادہ یا فعل کی خطاء سے مارا جاوے اس قتل خطا کا حکم یہ ہے کہ اگر مسلمان قوم کا مسلمان آدمی اس سے خطأ مارا گیا تو وہ قاتل بطور کفارہ ایک مومن غلام یا لونڈی کو آزاد کرے تاکہ حق اللہ ضائع ہونے کا گناہ معاف ہو جاوے اور ساتھ ہی مقتول کے وارثوں کو خون بہا سو اونٹ اگر یہ نہ ملیں تو ایک ہزار اشرفیاں دے جسے وہ وارثین آپس میں مقتول کی میراث کی طرح تقسیم کر لیں کہ اس خون بہا سے مقتول کا قرض بھی ادا کر دیں اور اس کے ذی فرض و عصبہ وارثوں کو بھی بقدر حصہ دیں۔ ہاں اگر مقتول کے وارث لوگ خون بہا معاف کر دیں یا کل یا بعض تو ان کی اپنی مرضی کیونکہ خون بہا ان کا اپنا حق ہے جسے وہ معاف کر سکتے ہیں لیکن اگر مقتول تو مومن تھا مگر اس کی قوم کافر حربی تھی وہ مسلمان کے ہاتھوں جہاد وغیرہ میں مارا گیا تو اس کی جزا صرف ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے اس میں دیت نہیں کیونکہ دیت

میت کے وارثوں کو ملتی ہے اس مقتول کا وارث کوئی تھا ہی نہیں کہ کفار مومن کے وارث نہیں ہوتے اور اگر مقتول کافر قوم کا کافر ہی فرد تھا مثلاً ذمی یا مستامن تھا جو مسلمان کے ہاتھوں خطاءً مارا گیا تو اس کی جزاء یہ ہے کہ یہ قاتل بہت جلد اس کی دیت اس کے وراثوں کو ادا کرے جسے وہ آپس میں بطور میراث بانٹ لیں اور خلاف معاہدہ حرکت صادر ہو جانے کی وجہ سے کفارہ کے طور پر ایک مومن غلام یا لونڈی آزاد کرے ہاں اگر اسے غلام نہ ملے نہ اس کی قیمت اس کے پاس ہو کہ خرید کر آزاد کر دے تو یہ قاتل اس لونڈی غلام کی عوض دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے کہ بیچ میں بالکل افطار کرے (یعنی روزہ نہ چھوڑے) مگر اسے دیت تو بہر حال دینا ہوگی وہ کسی صورت سے معاف نہیں ہو سکتی یہ احکام تمہارے لئے بطور توبہ رب کی طرف سے ہیں ان پر ضرور عمل کر کے اپنی عاقبت درست کر لو جان لو کہ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے اس کے کام علم و حکمت پر مبنی ہیں لہٰذا بغیر چون و چرا قبول کر لو بجائے بحث کرنے کے عمل کرو۔

قتل کی صورتیں

قتل کی تین صورتیں ہیں، قتل عمد، قتل شبہ عمد، قتل خطا اور ان کے الگ الگ احکام ہیں۔ قتل عمد یہ ہے کہ قاتل قتل کے ارادے سے ایسے ہتھیار سے قتل کرے جو قتل کے لئے بنایا ہو جیسے چاقو، چھتری، تلوار وغیرہ اس قتل میں بعض صورتوں میں قصاص واجب ہوتا ہے یا دیت مغلظہ جو فوراً قاتل اپنے مال سے ادا کرے۔ قتل شبہ عمد یہ ہے کہ انسان بارادۂ قتل کسی ایسے ہتھیار سے قتل کرے جو قتل کیلئے بنا نہیں۔ جیسے چھڑی پچی چھوٹا پتھر نازک جگہ پر مار کر ہلاک کر دے اس میں قصاص نہیں بلکہ دیت مغلظہ ہے جو قاتل کے وارثوں پر تین سال تک ادا کرنی واجب ہوگی۔ قتل خطاء اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شکار یا مشرک کو مار رہا تھا کہ مسلمان کے لگ گئی اور وہ ہلاک ہو گیا اسے خطاء فی الفعل کہتے ہیں یا کسی مسلمان کو کافر حربی سمجھ کر قتل کر دیا اسے خطاء فی الارادہ یا خطاء فی القصد کہتے ہیں اس میں قاتل کے عصبہ وارثوں پر دیت خفیفہ تین سال میں ادا کرنا لازم ہے خیال رہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لاٹھی غلیل سے مارنا یا گھونسہ تھپڑ یا گلا گھونٹ کر ہلاک کرنا قتل عمد نہیں قتل عمد میں قتل کے لئے بنایا ہوا ہتھیار ضروری۔

دیت کا بیان

خون ناحق کا معاوضہ مالی جو بعض صورتوں میں واجب ہوتا ہے اسے دیت کہتے ہیں۔ دیت دو قسم کی ہے دیت مغلظہ۔ دیت خفیفہ۔ دیت مغلظہ یہ ہے کہ قاتل کی طرف سے مقتول کے وارثوں کو سو اونٹ اس طرح دیئے جاویں کہ ان میں تیس حقہ، تیس جذعہ اور چالیس خلفہ یعنی حاملہ اونٹنیاں ہوں۔ حقہ و جذعہ کے معنی ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے یہ دیت مغلظہ عمد میں واجب ہوتی ہے جبکہ مقتول کے وارثین قصاص معاف کر دیں دیت لینے پر راضی ہو جاویں یہ دیت

مغلظہ قاتل اپنے مال سے فوراً ادا کرے گا۔ قتل شبہ عمد میں بھی یہ ہی دیت مغلظہ ہے مگر یہ دیت قاتل کے عصبہ وارثوں پر واجب ہوگی جو تین سال میں قسط وار ادا کریں گے۔ دیت خفیفہ یہ ہے کہ قاتل کی طرف سے مقتول کے وارثوں کو بیس بنت مخاض یعنی ایک سالہ اونٹنیاں اور بیس بنت لبون یعنی دو سالہ اونٹنیاں اور بیس ابن لبون یعنی دو سالہ اونٹ اور بیس حقہ یعنی تین سالہ اونٹنیاں اور بیس جذعہ یعنی چار سالہ اونٹنیاں ادا کی جاویں یہ بھی سو ہوئیں مگر پانچ حصہ میں منقسم ہو کر۔ یہ دیت خفیفہ قتل خطا کی صورت میں قاتل کے عصبہ وارثوں پر تین سال کے عرصہ میں واجب ہوتی ہے۔ ہر سال تہائی دیت اگر قاتل اونٹ نہ پائے تو ایک ہزار اشرفیاں یا دس ہزار درہم ادا کرے ہم احناف کے ہاں مقتول مسلمان ہو یا ذمی کافر یا مستامن کافر اور کافر ذمی خواہ اہل کتاب سے ہو یا مجوسی یا مشرک ہو سب کی دیت یکساں ہے اور اگر مسلمان ان کفار میں سے کسی کو عمداً قتل کر دے تو مقتول کے ورثاء قصاص لے سکتے ہیں۔ یہ مذہب احناف ہے۔ امام شافعی کے ہاں کافر کے بدلہ مومن کو قتل نہیں کر سکتے اور ان کے ہاں ذمی کافر اگر اہل کتاب ہے تو اس کی دیت تہائی ہے یعنی ۳۳ اونٹ اور اگر مجوسی یا مشرک ہے تو اس کی دیت پانچواں حصہ یعنی بیس اونٹ نیز امام اعظم کے ہاں عورت و مرد بچہ جوان سب کی دیت یکساں ہے ان مسائل میں فریقین کے دلائل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو یا یہاں اس آیت کی تفسیر کے تحت تفسیر کبیر میں ملاحظہ فرماؤ کچھ دلائل تفسیر خازن میں بھی مذکور ہیں۔

کفارہ قتل کی تفصیل

قتل کا کفارہ ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور یہ غلام یا لونڈی خود قاتل اپنے اپنے مال سے آزاد کرے اس کا بوجھ وارثوں پر نہ ہوگا۔ یہ کفارہ تین صورتوں میں واجب ہوتا ہے مسلمان کو خطاءً قتل کر دیا تو یہ کفارہ بھی دے اور دیت بھی ادا کرے۔ حربی کافر قوم کے مسلمان آدمی کو مار دیا تو صرف کفارہ ادا کرے ذمی یا مستامن کافر کو خطاءً قتل کر دیا تو یہ کفارہ بھی دے اور دیت بھی ادا کرے۔ خیال رہے کہ اگر غلام نہ ملے یا نہ مل سکے تو قاتل اس کے عوض دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا۔ یہ قرآنی مسائل خوب خیال میں رہیں شاید کبھی اللہ تعالیٰ اسلام کا راج قائم فرما دے تو یہ مسائل کام آئیں گے خدا تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقہ ہم کو اسلام کا راج دکھاوے۔

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دیدہ دانستہ ظلماً قتل مومن کی شان بلکہ مومن کے نام کے خلاف ہے مومن تو ہے وہ ہی جو دنیا میں امن و امان قائم کرے جیسا کہ مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ کی تفسیر سے معلوم ہوا مگر آج مسلمان دوسرے اسلامی سبقوں کی طرح اس سبق کو بھی بھول گئے۔ بات بات پر مسلمان مسلمان کو ظلماً قتل کر دیتے ہیں رب تعالیٰ ہم کو یہ بھولا ہوا سبق یاد دلا دے آمین۔ **دوسرا فائدہ:** ظلماً قتل بہرحال سخت برا ہے مگر مومن کو قتل کرنا بہت ہی برا جیسا کہ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا فرمانے سے معلوم ہوا۔ **تیسرا**

فائدہ: خطأً قتل بمقابلہ عمداً قتل کے ہلکا ہے اسلئے خطأً قتل میں قصاص نہیں۔ عمداً قتل میں قصاص ہے جیسا کہ **وَمَنْ قَتَلَ** الخ سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: خطأً قتل میں حق اللہ بھی ہے اور حق العبد بھی۔ حق اللہ کی معافی کے لئے کفارہ دے اور حق العبد کی معافی کے لئے قصاص یا دیت وغیرہ۔ **پانچواں فائدہ**: مقتول کے ورثاء دیت معاف کر سکتے ہیں کہ وہ ان کا اپنا حق تھا مگر کفارہ معاف نہیں کر سکتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جیسا کہ **اِلَّآ اَنْ یَّصَّدَّقُوْا** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: مقتول کے ورثاء دیت کا مال بطور میراث آپس میں تقسیم کریں بلکہ اس دیت سے پہلے مقتول کا قرض ادا کریں پھر تہائی سے وصیت پھر تقسیم میراث کی ذی فرض اور عصبہ وغیرہ تمام ورثاء کو دیں۔ صرف عصبہ کا حق نہیں جیسا کہ **مُسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖ** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: مومن کے قتل عمد میں کفارہ نہیں صرف قصاص یا دیت ہے دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں قتل خطاء میں کفارہ کا ذکر فرمایا۔ خطاء کی شرط سے معلوم ہو رہا ہے کہ کفارہ میں قتل خطاء چاہئے۔ امام شافعی کے ہاں قتل عمد میں بھی کفارہ ہے یہ آیت امام اعظم کی دلیل ہے۔ **آٹھواں فائدہ**: قتل خطاء میں غلام مومن ہی آزاد کیا جا سکتا ہے۔ کافر غلام آزاد نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ **رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ** سے معلوم ہوا۔ دوسرے کفاروں میں کافر غلام بھی آزاد کر سکتے ہیں کہ وہاں غلام میں مومن کی قید نہیں نابالغ غلام جس کا ماں یا باپ مسلمان ہو دوسرا کافر اس کو یہاں کفارہ قتل میں آزاد کر سکتے ہیں کہ نابالغ بچہ ماں باپ میں سے مسلمان کے تابع ہو کر مسلمان مانا جاتا ہے۔ **نواں فائدہ**: جو مسلمان حربی کافروں میں رہتا ہو اور اپنا لباس وضع قطع کفار کی سی رکھے۔ اس کو دھوکہ سے قتل کر دینے میں قصاص نہیں جیسا کہ **مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ** سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ**: جس مسلمان کے رشتہ دار کافر حربی ہوں۔ اس کے قتل خطاء سے صرف کفارہ واجب ہے دیت نہیں کیونکہ دیت مقتول کے ورثاء کو بطور میراث ملتی ہے اور کافر قرابتدار کو مومن کی میراث ملتی نہیں۔ یہ فائدہ **وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ** سے حاصل ہوا۔ **مسئلہ**: اگر کوئی کافر حربی اسلام لے آیا مسلمان غازی کو اس کے ایمان کی خبر نہ ہوئی۔ اس نے اس نو مسلم کو یہ سمجھ کر قتل کر دیا کہ یہ حربی کافر ہے تو اس قتل سے صرف کفارہ واجب ہوگا۔ دیت یا قصاص نہیں۔ **گیارھواں فائدہ**: ذمی و مستامن کافر کا خون و مال مثل مسلمان کے خون و مال کی طرح محفوظ ہے جو مسلمان کو خطاءً قتل کرنے کی سزا ہے وہ ہی ذمی و مستامن کو خطاءً قتل کرنے کی سزا یعنی کفارہ دینا اور دیت اس کے وارثوں کو ادا کرنا جیسا کہ **وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ** الخ سے معلوم ہوا۔ جب قتل خطاء کا یہ حکم ہے تو قتل عمد کا بھی حکم برابر ہوگا کہ مسلمان کو عمداً قتل کرنے سے قصاص ہے تو ذمی و مستامن کافر کو قتل عمد کرنے سے قصاص ہوگا۔ اسی طرح جیسے مسلمان کا مال چوری کرنے سے چور کا ہاتھ کٹے گا یوں ہی اس کافر کا مال چرانے سے بھی چور کا ہاتھ کٹے گا یہ آیت کریمہ احناف کی دلیل ہے۔ **بارھواں فائدہ**: ہر جرم کی توبہ علیحدہ ہے جیسا جرم ویسی توبہ دیکھو قتل خطاء بھی جرم ہے مگر اس کی توبہ کیلئے صرف منہ سے توبہ توبہ کہہ دینا کافی نہیں بلکہ اس کی توبہ کیلئے کفارہ اور دیت لازم ہے جیسا کہ **تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ** سے معلوم ہوا۔ **تیرھواں فائدہ**: رب تعالیٰ کے احکام بلا

چون وچرا مان لینا چاہئیں خواہ ہماری سمجھ میں آویں یا نہ آویں یہ فائدہ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا سے حاصل ہوا۔ جب تم لائق حکیم کی دوا بلا بحث کھا لیتے ہو یہ سمجھتے ہوئے کہ حکیم قابل ہے تو رب تعالیٰ تو احکم الحاکمین ہے اس کے احکام بھی مان لو۔ **چودھواں فائدہ:** مرد وعورت دونوں کی دیت یکساں ہے جیسا کہ اس آیت کے عموم سے معلوم ہوا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خطاءً قتل جائز ہے دیکھو رب نے فرمایا وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً یعنی مسلمان کو جائز نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے مگر خطاءً اِلَّا گذشتہ کلام کی نفی یا ثبوت کو توڑنے آتا ہے تو اِلَّا خطاءً سے گذشتہ گناہ نفی ہوگئی۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے کہ لِمُؤْمِنٍ سے پہلے جَائِزٌ اَوْ پوشیدہ نہیں بلکہ لَائِقًا یا مُنَاسِبًا پوشیدہ ہے اور یہاں اِلَّا بمعنی لٰكِنَّ ہے۔ آیت کے معنی یہ ہوئے کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا مسلمان کے لائق نہیں ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ خطاءً اس سے قتل واقع ہو جاوے یہ خطاءً قتل شان مومن کے خلاف نہیں۔

دوسرا اعتراض: یہاں دو قتل یعنی قتل مومن خطاءً اور قتل ذمی خطاء میں کفارہ اور دیت دونوں کیوں واجب ہوئے صرف ایک چیز کافی ہونا چاہئے تھی۔ جیسے چوری میں صرف ہاتھ کٹوایا جاتا ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ قتل خطاء میں اللہ تعالیٰ کی حق تلفی بھی ہے اور بندے کی بھی کہ اس نے اللہ کے بندے کو ناحق مارا اور ان ورثاء کے عزیز کو ناحق قتل کیا اللہ کی حق تلفی کے لئے کفارہ واجب ہوا اور ان بندوں کی حق تلفی کی وجہ سے دیت واجب ہوئی۔ چور سے بھی علاوہ ہاتھ کاٹنے کے توبہ کرائی جاتی ہے مگر وہ توبہ زبانی ہوتی ہے اور یہاں توبہ عملی یعنی کفارہ ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر کفارہ میں مسلمان غلام ہی آزاد کیا جاوے گا جیسے کفارہ ظہار یا قسم و روزے کا کفارہ کیونکہ قرآن مجید نے یہاں رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فرمایا اور قسم وظہار وغیرہ کے کفارہ بھی کفارہ ہیں۔ تو جو اس کفارہ کا حکم ہے وہ ہی ان کفاروں کا حکم ہوگا (شافعی) یہ امام شافعی کی انتہائی دلیل ہے ان کے ہاں ہر کفارہ میں صرف مسلمان غلام آزاد ہوسکتا ہے۔ **جواب:** قرآن مجید کی ہر آیت پر عمل فرض ہے جو آیت مطلق ہو اس کے مطلق پر عمل کرو اور جو آیت مقید ہو اس کے مقید پر عمل کرو چونکہ بقیہ کفاروں میں ارشاد ہوا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ وہاں مُؤْمِنَةٍ کی قید نہیں لہٰذا وہاں اسطرح عمل کرو اور یہاں مُؤْمِنَةٍ کی قید ہے تو یہاں مومنہ غلام ہی آزاد کرو کسی آیت کو دوسری آیت کی وجہ سے مقید نہ کرو۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دیت ہر قسم کی خود قاتل ہی دے۔ اس کے وارثوں پر دیت واجب کرنا ظلم ہے کہ قتل تو کرے کوئی اور سزا بھگتیں کوئی (ابوبکر اصم وخوارج)۔ **نوٹ:** یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ خوارج کا مذہب یہ ہے کہ دیت خود قاتل کے مال سے ہوگی خواہ قتل عمد کی دیت ہو یا قتل خطا کی۔ **جواب:** جب وارث قرابت دار اس کے مرجانے پر اس کا مال بطور میراث لیتے ہیں تو اسکے مار ڈالنے یا قتل کر دینے کی صورت میں اس کی دیت بھی دیں نفع لیتے ہیں تو نقصان بھی برداشت کریں اسلئے قرآن کریم نے یہاں وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهَا۔

دیت مقتول کے وارثوں کو دو یہ نہ فرمایا کہ قاتل اپنے مال سے دے۔

پانچواں اعتراض: جب قتل خطا کا کفارہ یعنی غلام خود قاتل کے مال سے ادا ہوتا ہے اور قتل عمد کی دیت خود قاتل کے مال سے ادا کی جاتی ہے تو چاہئے کہ قتل خطا کی دیت بھی خود قاتل کے مال سے ہو (خوارج)۔ **جواب**: یہ قیاس نص کے مقابل ہے جب حدیث شریف نے ان دونوں دیتوں میں فرق فرما دیا تو ہم کو قیاس کر کے اس نص کی مخالفت جائز نہیں۔ قرآن کو خود صاحب قرآن ﷺ ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں کفارہ توبہ ہے اور توبہ خود مجرم پر کرنی واجب ہے اس لئے کفارہ قاتل کے مال سے ہوا۔ دیت حق العباد کا ادا کرنا ہے اور حق العباد دوسرا بھی ادا کر سکتا ہے میرا قرض میرا دوست یا وارث ادا کر سکتا ہے۔

چھٹا اعتراض: اگر قاتل کو ایسی آسانی دی گئی تو لوگ قتل پر دلیر ہو جائیں کہ قاتل قتل کرے اور اس پر صرف دو ماہ کے روزے ہوں اس کے رشتہ دار دیت دیں تو وہ قتل کیوں نہ کرے گا۔ **جواب**: یہ رعایت خطاء میں ہے قتل عمد میں کوئی رعایت نہیں۔ قتل عمد میں یا تو قاتل کو قتل کیا جاوے گا یا اس کے مال سے دیت دلوائی جائے گی پھر قتل زیادہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا آج تو قتل خطاء پر کوئی سزا ہی نہیں۔ دن رات گاڑی موٹر ریل سے دب کر شکار پر فائر کرنے سے لوگ قتل ہوتے رہتے ہیں۔ موجودہ قانون ان قاتلوں سے کچھ نہیں کہتا۔ بہت کیا تو دو چار سو جرمانہ کر کے خود حکومت نے لے لئے یا قاتل کو دو چار ماہ کی قید کر دی۔ اسلام پر اعتراض کرنے سے پہلے خود اپنے گریبان میں منہ ڈالو۔

ساتواں اعتراض: قتل خطا کی دیت قاتل کے وارثوں پر واجب کرنا دوسری آیات کے خلاف ہے رب فرماتا ہے لَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (انعام:۱۶۴)۔ کوئی نفس دوسرے نفس کا گناہ نہیں اٹھاتا اور فرماتا ہے لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا (انعام:۱۶۴) اور فرماتا وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (بقرہ:۲۸۶) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ گناہ کوئی کرے اور بھرے کوئی (خوارج)۔ **جواب**: تمہاری پیش کردہ آیات میں گناہ کا ذکر ہے گناہ واقعی کسی کا دوسرے پر نہیں پڑتا یہاں دیت وارثوں پر واجب کی گئی ہے نہ کہ گناہ دیت کا وجوب اس لئے ہے کہ یہ وارث اس کا مال بھی تو میراث میں لیتے ہیں مر جائے تو مال لو اور مار دے تو مال دو۔

آٹھواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قتل خطاء میں کفارہ توبہ کیلئے واجب ہوا توبہ گناہ سے ہوتی ہے۔ خطا کار تو گنہگار ہے ہی نہیں پھر توبہ کیسی۔ **جواب** قتل خطاء قدرے بے احتیاطی سے ہو جاتا ہے اس بے احتیاطی میں گناہ کا شائبہ ہے اگر احتیاط سے کام کرتا تو یہ خطاء صادر نہ ہوتی اور انسانی خون بہت قیمتی ہے اس میں احتیاط ضروری ہے دیکھو جو نماز سے سو جائے تو اس پر قضا واجب ہے اور اگر سوتا رہ جانا اپنے قصور سے ہو تو رات کو بلا وجہ زیادہ جاگے تو توبہ بھی لازم ہے۔

تفسیر صوفیانہ قتل مومن ہمیشہ سے ہر دین میں حرام رہا کسی دین میں یہ جرم جائز نہ ہوا۔ دیکھو فرمایا گیا مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا کبھی کسی دین میں مسلمان کو مسلمان کا قتل لائق نہ تھا۔

جب مومن کا قتل دنیاوی حرام ہوا تو اپنے کو جرم و گناہ کر کے عذاب الٰہی کا مستحق بنالینا گویا اپنے کو قتل ناحق کرنا ہے یہ بھی سخت جرم ہے جیسے خطاً قتل کر دینے پر کفارہ بھی ادا کرتا ہے اور دیت بھی ایسے ہیں جو شخص رب تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے کو خطاء قتل کرے وہ اس جرم کا کفارہ بھی دے کہ اسکے عوض کوئی نیکی کرے اور خون بہا بھی دے کہ اپنے کو سزا خود دے لے جو شخص اس کفارہ وسزا کا عادی ہو جاوے تو انشاء اللہ آئندہ گناہ کرنا چھوڑ دے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس کا تزکیہ مال خرچ کرنے سے بھی ہوتا ہے اور ترک دنیا سے بھی بھوک پیاس سے بھی اور مجاہدات سے بھی مگر مال کا خرچ ترک دنیا کے ذریعہ تزکیہ پر مقدم ہے بھوک پیاس سے تزکیہ اس کے بعد ہے کہ رب نے فرمایا **فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ** سالک کا پہلا قدم ترک دنیا ہے دوسرا قدم ترک نفس و ترک صفات نفس ہے مگر یہ نعمت رب کے کرم سے ملتی ہے محض اپنی کوشش سے نہیں ملتی۔

داد حق را قابلیت شرط نیست　　　بلکہ شرط قابلیت داد حق!

دوسرے کا قتل تو کبھی کبھی ہوتا ہے مگر اپنے کو قتل اکثر کرتے رہتے ہیں لہٰذا اپنے قتل کا قصاص و دیت و کفارہ ہمیشہ ادا کرتے رہنا چاہئے۔

وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيۡهَا
اور جو قتل کرے کسی مومن کو جان کر ارادۃً پس سزا اس کی دوزخ ہے بہت رہے گا اس میں
اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں
وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا ﴿۹۳﴾
اور اللہ کا غضب ہے اس پر اور لعنت کی اس نے اور تیار کیا اس کے لئے عذاب بڑا
اس میں رہے اور اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لئے تیار رکھا ہے بڑا عذاب

تعلقات

اس آیت کا تعلق پچھلی آیت سے چند طرح ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں قتل خطا کی سزا کا ذکر تھا اب قتل عمد کے نتیجہ کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں قتل خطا کی دنیاوی سزا کا ذکر تھا اب قتل عمد کی اُخروی سزا کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار کے قتل کے احکام ذکر فرمائے گئے اب مومن کے قتل کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

شان نزول

مقیس ابن صبابہ کنانی اور اس کے بھائی ہشام ابن صبابہ مدینہ منورہ میں مسلمان ہو گئے کچھ دن کے بعد مقیس نے اپنے بھائی ہشام کو قبیلہ بنی نجار کے محلہ میں قتل شدہ پایا مقیس حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اپنے بھائی ہشام کے قتل ہو جانے کی خبر دی نبی ﷺ نے ایک شخص کو جو بنی فہر کے قبیلہ سے تھا۔ مقیس کے ساتھ بنی نجار کے پاس بھیجا کہ حضور ﷺ حکم دیتے ہیں کہ اگر تمہیں قاتل کا پتہ ہو تو اسے

مقیس کے حوالے کردو تا کہ اس سے قصاص لیا جاوے اور اگر تمہیں قاتل کا پتہ نہ ہو تو تم سب مل کر ہشام کی دیت ایک سو اونٹ مقیس کو دیدو جب بنی نجار کو یہ پیغام پہنچا تو انہوں نے صدق دل سے کہا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا۔ ہم کو قاتل کا پتہ نہیں البتہ ہم دیت دیئے دیتے ہیں چنانچہ انہوں نے سو اونٹ مقیس کے حوالہ کئے۔ مقیس اور وہ رسول اللہ ﷺ کا قاصد فہری مدینہ کی طرف واپس ہوئے۔ مقیس کے دل میں بدی آئی اس نے فہری کو قتل کیا اور دیت کے اونٹ لے کر مرتد ہو کہ مکہ معظمہ بھاگ گیا اور خوشی میں یہ شعر گاتا ہوا بھاگا۔

قتلت بہٖ فھرا و حملت عقلہٗ سواۃ بنی النجا ارباب قارع

وادرکت ثاوی و اضجعت موسدا وکنت الی الاوثان اول راجع

یعنی میں نے فہری کو قتل بھی کر دیا اور اپنے بھائی کی دیت بھی بنی نجار کے سرداروں سے لے لی مجھے اپنا بدلہ خوب مل گیا اور اب میں اپنے بتوں کی طرف رجوع کرنے میں اول ہوتا ہوں جب یہ خبر حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا اس واقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی حضور ﷺ نے جب مکہ معظمہ فتح فرمایا تو چند شخصوں کے متعلق اعلان فرمایا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جاویں ان میں یہ مقیس بھی تھا چنانچہ مقیس خاص غلاف کعبہ سے لپٹا ہوا قتل کر دیا گیا (تفسیر خازن، روح المعانی و روح البیان وغیرہ)

تفسیر وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں مَنْ سے مراد سارے عاقل انسان ہیں۔ مرد ہوں یا عورت بالغ ہوں یا نابالغ ہوش مند مومن ہوں یا کافر کیونکہ آگے جو سزا مذکور ہے وہ ان میں سے ہر قاتل کو ملے گی ہاں جو دیوانگی یا جنوں میں کسی کو قتل کرے وہ اس سزا کا مستحق نہیں کہ اس کا قتل عمداً قتل نہیں اور ہو سکتا ہے کہ مَن میں جنات بھی داخل ہوں یعنی جو جن وانس کسی مسلمان کو قتل کرے وہ اس سزا کا مستحق ہے فرشتے اس میں داخل نہیں کہ حضرت ملک الموت کا تو کام موت دینا ہے۔ يَّقْتُلْ سے مراد مطلقاً جان لے لینا ہے دھار دار ہتھیار سے ہو یا لاٹھی پتھر سے یا گولی گولے سے گلا گھونٹ کر ہو یا زہر دے کر یا زہر دلوا کر ہتھیار اور غیر ہتھیار کا فرق قصاص میں ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی اس مقرر کردہ سزا میں مُؤْمِنًا سے مراد ہر مسلمان ہے بچہ ہو یا بوڑھا عورت ہو یا مرد عاقل ہو یا دیوانہ اپنا ہو یا غیر مُتَعَمِّدًا میں تین باتیں ملحوظ ہیں ایک یہ کہ قاتل اس کے قتل کا ارادہ کرے دوسرے یہ کہ قاتل کو اس مقتول کے ایمان کی خبر ہو کہ یہ مومن ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ قتل ظلماً ہو۔ قاتل جانتا ہو کہ یہ شخص شرعاً قتل کا مستحق نہیں صرف نفسانی جوش سے اسے قتل کرے اگر ان قیود میں سے کوئی قید نہ پائی گئی تو اس قتل پر وہ سزا مرتب نہ ہو گی۔ جو آگے آ رہی ہے اور مُتَعَمِّدًا کی ان قیود سے بہت سی قسم کے اعتراضات خود بخود اٹھ جائیں گے ان قیود کے بغیر قتل عمد بنتا نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وجوب قصاص کیلئے جو عمد شرط ہے اس عمد کے معنی اور ہیں ارادہ قتل ہونا خاص ہتھیار سے قتل کرنا اور اخروی عذاب کے لئے دوسرے معنی کا عمد ضروری ہے جو یہاں بیان کئے گئے فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ یہ عبارت مَنْ مبتدا کی خبر ہے چونکہ من میں شرط کے معنی تھے اس لئے خبر میں ف آئی جزا سے مراد یہاں سزاء ہے۔ جس کا قاتل مستحق ہے ہٗ کا مرجع مَنْ ہے یعنی قاتل جہنم سے مراد مطلقاً دوزخ ہے وہاں

کا کوئی سابقہ ہو خیال رہے کہ جزاء مقرر ہونا اور ہے اور جزاء مقررہ کا دینا کچھ اور یہاں سزا مقرر ہونے کا ذکر ہے۔ سزا دینے کا ذکر نہیں یعنی ہمارے ہاں قانون میں ایسے قاتل کی سزا دوزخ ہے یہ قانون کا ذکر ہے لہٰذا یہ آیت کریمہ عفو و کرم کی آیات و احادیث کے خلاف نہیں جیسے اِلَّا مَنْ تَابَ وَ آمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحاً (مریم: ۶۰) یا جیسے وَ یَغْفِرُ مَادُوْنَ ذَالِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء: ۴۸) یا جیسے سرکار کا فرمان کہ جو مرتے وقت لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ مرے وہ جنتی ہے اگرچہ چور و زانی ہو کہ یہ آیت قانون کی ہے اور وہ آیات و احادیث رحم و کرم کی خٰلِدًا فِیْهَا یہاں خٰلِدًا ایک پوشیدہ فعل کے فاعل کا حال ہے یمکث یا یدخل۔ خَالِدًا خُلُوْد سے بنا بمعنی دراز ٹھہرنا یا بہت مدت تک رہنا۔ اگر اسکے ساتھ اَبَدًا بھی مذکور ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ رہنا وہاں سے کبھی نہ نکلنا اور اگر اَبَدًا کا ذکر نہ ہو تو مطلقاً دراز مدت رہنے کے معنی میں ہوتا ہے خواہ ہمیشہ رہنا ہو یا بہت عرصہ تک رہ کر نکل جانا (از تفسیر بیضاوی و صاوی) یہاں خَالِدًا میں دونوں احتمال ہیں اگر قاتل کافر تھا یا اس قتل کی وجہ سے کافر ہو گیا کہ قتل مومن حلال جان کر کیا یا اسے مومن ہونے کی وجہ سے قتل کیا تو خَالِدًا کے معنی ہوں گے ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا اور اگر یونہی نفسانی شرارت سے قتل کیا ہے تو اس کے معنی ہوں گے۔ بہت عرصہ وہاں رہنے والا فِیْهَا کی ضمیر کا مرجع جھنم ہے یعنی یہ مومن کا قاتل وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا یا بہت عرصہ رہے گا یہ تقریر خیال میں رہے وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ یہ عبارت خَالِدًا پر معطوف ہے چونکہ خَالِدًا پوشیدہ عبارت سے مل کر پورا جملہ تھا اس لئے اس جملہ کا عطف اس پر جائز ہوا۔ غضب سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا اس سے بدلہ لینا خیال رہے کہ رب تعالیٰ کا غضب کافر پر خالص ہو گا جس میں رحمت کا کوئی شائبہ نہ ہو اور گنہگار مسلمان پر رحمت سے مخلوط غضب ہو گا۔ یہاں اگر روئے سخن کافر قاتل سے ہے تو پہلی قسم کا غضب مراد ہے اور اگر گنہگار مومن قاتل سے ہے تو دوسری قسم کا غضب مراد غضب یا بمعنی ماضی ہے یا بمعنی مستقبل یعنی یہ قاتل اللہ کے غضب میں آ گیا یا آ جاوے گا وَلَعَنَهٗ یہ عبارت غَضِبَ اللّٰهُ پر معطوف ہے لعنت بمعنی پھٹکار یا رحمت سے دور کر دینا یہاں بھی دو احتمال ہیں یا لَعَنَ ماضی ہے یا بمعنی مستقبل یعنی اللہ تعالیٰ نے قاتل ظالم پر دنیا میں پھٹکار فرما دی یا آخرت میں پھٹکار فرما دے گا اور اسے اپنی رحمت سے دور رکھے گا۔ یہاں بھی یہ ہی خیال رہے کہ کافر پر لعنت اور قسم کی ہے۔ دوزخی گنہگار مومن پر لعنت دوسری قسم کی یہاں لعنت میں دونوں احتمال ہیں اگر کافر قاتل مراد ہے تو کفر والی لعنت اور اگر مسلمان قاتل مراد ہے تو دوسری قسم کی لعنت قاتل پر دنیاوی غضب و لعنت یا تو مخلوق کا اس پر پھٹکار کرنا اس سے نفرت کرنا ہے جیسے یزید۔ حجاج، فرعون نمرود وغیرہ پر اب تک ملامت ہو رہی ہے یا نیک اعمال کی توفیق نہ ملنا ہے اور برے اعمال کی طرف دل کا رجحان ہے جیسے بعض غذائیں دل یا معدہ یا جگر کو ضعیف کرتی ہیں ایسے ہی بعض بدعملیاں دل کو سخت کرتی ہیں وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا یہ چوتھی سزا ہے اور جملہ معطوف ہے لَعَنَهٗ پر اَعَدَّ کے معنی ہیں تیار فرما دیا سزا اَعَدَّ کا ماضی لَهٗ کا مرجع وہ ہی قاتل ہے عذاب عظیم سے وہ سزا مراد ہے جو کسی کے اندازے اور وہم گمان میں نہ آ سکے یعنی اس قاتل کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑا ہی عذاب تیار کر رکھا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں نہ آ سکے۔

خلاصہ تفسیر

خیال رکھو کہ جو باہوش انسان مومن ہو یا کافر کسی مسلمان کو ظلماً وناحق کسی طرح کسی ذریعہ کسی ہتھیار سے قتل کر دے حالانکہ اس کا یہ قتل دانستہ طور پر یہ جانتے ہوئے ہو کہ میں ظلماً قتل کر رہا ہوں یہ شخص قتل کے لائق نہیں تو اس قتل کی قانونی سزا ہمارے ہاں دوزخ ہے قانون یہ ہے کہ وہ شخص اس قتل کی وجہ سے دوزخ میں جاوے۔ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہے اگر کافر ہے۔ یا وہاں بہت عرصہ تک رہے اگر گنہگار مومن ہے ایسے ظالم قاتل پر اللہ تعالیٰ کا غضب وغصہ ہے یا ہوگا یار ہے گا اور اس پر اللہ کی لعنت ہے یا ہوگی یار ہے گی اور ایسا قاتل دوزخ میں ایسے سخت عذاب کا مستحق ہے جو عذاب عظیم یعنی بہت بڑا عذاب ہے کہ کسی کے وہم وگمان میں نہ آسکے۔

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: دانستہ طور پر مومن کو ظلماً قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے اس آیت کی بنا پر فرمایا کہ کفر وشرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ظلماً قتل ہے چنانچہ امام احمد ونسائی نے حضرت امیر معاویہ سے مرفوعاً روایت کی کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ ہر گناہ بخشا جا سکتا ہے سوا اس کے جو کفر پر مر جاوے یا جو مومن کو عمداً قتل کرے اور ابن منذر ابن عدی بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو کسی مسلمان کے ظلماً قتل پر آدھی بات سے بھی مدد کرے تو قیامت میں اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا آیِسٌ مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ یہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے حضرت براء ابن عازب سے روایت ہے فرمایا نبی ﷺ نے دنیا کا ہلاک ہو جانا ایک مسلمان کے قتل سے آسان تر ہے اگر تمام زمین وآسمان کی مخلوق ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جاوے تو اللہ تعالیٰ سب کو دوزخ میں ڈال دے۔ اصبہانی نے حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ فرمایا نبی ﷺ نے اگر تمام جن وانس ایک مومن کے قتل پر جمع ہو جاویں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو دوزخ میں اوندھے منہ جھونک دے (روح المعانی)۔

دوسرا فائدہ: اگر ایک مومن کو بہت سے لوگ مل کر قتل کر دیں یا ایک قتل کرے۔ دوسرے قتل میں مدد دیں تو سب ان مذکورہ سزاؤں کے مستحق ہیں جیسا کہ مَنْ يَّقْتُلْ کے عموم واطلاق سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: جس قتل کی یہ سزائیں مذکور ہوئیں وہ وہ قتل ہے جو دانستہ طور پر ظلماً ہو۔ خطاء اجتہادی سے قتل کرنا اس میں داخل نہیں لہٰذا صحابہ کرام کی آپس کی جنگوں میں جو مسلمان قتل ہوئے ان کے قاتلوں کا نہ یہ حکم ہے نہ ان کی یہ سزا جیسا کہ مُّتَعَمِّدًا کی قید سے معلوم ہوا کہ وہ قتل خطاء اجتہادی کی وجہ سے ہوئے لہٰذا وہ قتل عمد نہیں بلکہ قتل بالشبہ ہیں۔ حضرت علی نے سمجھا کہ امیر معاویہ اور ان کے ساتھی باغی ہیں ان کا قتل حلال ہے رب فرماتا ہے فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللهِ (حجرات:۹) بغاوت والی جماعت کو قتل کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے اور امیر معاویہ وعائشہ صدیقہ نے خیال فرمایا کہ حضرت علی جناب عثمان کے خون کا بدلہ لینے میں سستی کر رہے ہیں۔ ہم کو خون عثمان کے قصاص کا مطالبہ کرنے کا حق ہے انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا (الاسراء:۳۳)۔ یہ تھا جانبین کو شبہ لہٰذا وہ قتل عمدانہ تھے جیسے کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کافر جانتے ہوئے قتل کر دے تو وہ قتل بالشبہ ہے ایسے ہی جو بادشاہ کسی کو باغی جانتے ہوئے قتل کر دے تو وہ بھی

قتل بالشبہ ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔ **چوتھا فائدہ**: اللہ تعالیٰ کا عدل اور ہے فضل کچھ اور قانون اور ہے قدرت کچھ اور یہاں قانون کا ذکر ہے اور وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ (النساء:۴۸) میں رحم و کرم و قدرت کا ذکر ہے جیسا کہ فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ سے معلوم ہوا۔ دیکھو یہاں یہ نہ فرمایا کہ ہم ایسے ظالم قاتل کو جہنم میں بھیجیں گے بلکہ فرمایا اس کی سزا دوزخ ہے یعنی یہ سزا دینا نہ دینا ہمارے عدل و فضل پر موقوف ہے۔ **پانچواں فائدہ**: ظالم قاتل کو بمقابلہ دوسرے گنہگار دوزخیوں کے عذاب بھی سخت ہوگا اور اس کی دوزخ میں رہنے کی مدت بھی زیادہ یہ فائدہ خَالِدًا سے اور عَذَابًا عَظِيْمًا سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: اس آیت سے اشارۃً معلوم ہوا کہ فاسق گنہگار مسلمان پر بغیر نام لئے عمومی طور پر لعنت کر سکتے ہیں جیسے کہا جاوے ظالم قاتل پر لعنت یا جھوٹے پر لعنت مگر نام لے کے لعنت کرنا صرف کافر پر درست ہے دوسرے پر نہیں جیسے کہ لَعَنَهٗ سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: جو ظالم قاتل قتل سے توبہ کر کے اور وارثوں کو قصاص یا دیت دے کر یا ان سے معاف کرا کر مرے تو انشاء اللہ اس سزا سے بچ جاوے گا۔ جب کفر سے شرک سے توبہ ہو سکتی ہے تو قتل تو اس سے کم جرم ہے اس سے بھی توبہ ہو سکتی ہے اور اگر بغیر توبہ و قصاص مر جاوے تو اس کا معاملہ رب تعالیٰ کے سپرد ہے چاہے تو کل قیامت میں اپنا حق خود معاف فرما دے اور مقتول سے اسکا حق معاف کرا دے اور چاہے تو اسے یہ سزا دے یہ فائدہ سے فَجَزَآؤُهٗ سے حاصل ہوا کہ هٗ کا مرجع قاتل ظالم ہے (روح البیان)۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں وَغَضِبَ اللّٰهُ کا عطف خَالِدًا فِيْهَا پر کیونکر درست ہوا خَالِدًا مفرد ہے اور غَضِبَ اللّٰهُ جملہ ہے اور جملہ کا عطف مفرد پر جائز نہیں۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گذر چکا کہ خَالِدًا فِيْهَا ایک پوشیدہ جملہ کا حال ہے اور غَضِبَ اللّٰهُ اس جملہ پر معطوف لہٰذا جملہ کا جملہ پر عطف ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جناب امیر معاویہ اور حضرت عائشہ صدیقہ اور ان دونوں کے مددگار صحابہ سب دوزخی اور غضب الٰہی کے مستحق ہیں کہ انہوں نے جنگ صفین و جنگ جمل میں ہزارہا مسلمانوں کو قتل کیا۔ **جواب**: اس کے دو جواب ہیں: ایک الزامی، ایک تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو معاذ اللہ حضرت علی بھی اس آیت کی زد میں آجائیں گے کہ ان کے ہاتھوں بھی ان جنگوں میں بہت مسلمان قتل ہوئے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں قتل عمد کی یہ سزائیں بیان ہوئیں وہ قتل عمد نہ تھے قتل خطاء تھے جس کی وجہ فریقین کا اجتہاد تھا۔ حضرت علی مجتہد برحق تھے دوسرے حضرات مجتہد خاطی قتل خطا کی یہ سزائیں جو یہاں مذکور ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا جنتی ہونا نص قرآن سے ثابت ہے رب فرماتا ہے۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ (انفال:۷۴) اور حضرت علی کا جنتی ہونا آیات قرآنیہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے وہ حضرات اس آیت کی زد میں ہرگز نہیں آسکتے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض گنہگار مسلمان بھی دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے مگر تمہارا عقیدہ

ہے کہ سواء کفار کے دوزخ میں ہمیشگی کسی کو نہیں دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے ظالم قاتل کیلئے فرمایا خَالِداً فِیْهَا تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے (معتزلہ)۔ خیال رہے کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ فاسق آدمی نہ مسلمان ہے نہ کافر اس کیلئے دوزخ میں ہمیشگی ہے اور خوارج کہتے ہیں کہ فاسق آدمی کافر ہے وہ کفر کی وجہ سے دوزخ میں ہمیشہ رہے گا ان دونوں فرقوں کا یہ اعتراض ہے ان کی دلیل یہ ہی آیت ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے چند جوابات ہیں ایک یہ کہ یہاں مَنْ یَّقْتُلْ میں کافر قاتل مراد ہے جیسا کہ اس کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مقیس ابن صبابہ کے متعلق نازل ہوئی جو قاتل بھی تھا اور مرتد بھی اور اس ارتداد پر فتح مکہ کے دن قتل ہوا۔ دوسرے یہ کہ یہاں قتل مومن سے مراد ہے اسے حلال جان کر قتل کرنا مُتَعَمِّدًا کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں اس صورت میں وہ قاتل کافر ہوا اور دوزخ میں ہمیشہ رہے گا۔ تیسرے یہ کہ یہاں مومن کو اس لئے قتل کرنا مراد ہے کہ وہ مومن کیوں ہے کیونکہ کفر سے رضا بھی کفر ہے اور ایمان سے ناراضی بھی کفر یعنی مومن کی ذات سے ناراضی حد درجہ فسق ہو سکتی ہے مگر مومن کے ایمان سے یا اس کے ایمانی کام سے ناراضی خالص کفر ہے کسی عالم کو تبلیغ اسلام کی وجہ سے قتل کر دینا نمازی کو نماز کی وجہ سے قتل کر دینا یہ کفر ہے۔ چوتھے یہ کہ یہاں خلود سے مراد ہے بہت عرصہ تک رہنا ہے کیونکہ یہاں خلود کے ساتھ ابداً نہیں فرمایا گیا جیسا کہ کفار کے لئے ارشاد ہوا خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا اور گنہگار مسلمان دوزخ میں بہت عرصہ تک رہ سکتا ہے چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں۔ اَلْاَیَّامُ الْخَوَالِدُ۔ خیال رہے کہ بعض علماء نے اس آیت کو سورہ فرقان کی آیت سے منسوخ مانا ہے اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا (فرقان: ۷۰) مگر یہ درست نہیں کیونکہ یہ آیت کریمہ سورۂ فرقان کی اس آیت سے چھ ماہ بعد نازل ہوئی لہٰذا اس سے وہ تو منسوخ ہو سکتی ہے۔ یہ منسوخ نہیں ہو سکتی (خازن وروح وغیرہ) اگر اس آیت کی یہ توجیہیں نہ کی جاویں۔ تو یہ آیت دوسری آیات کے بھی خلاف ہوگی اور احادیث صحیحہ کے بھی خلاف۔ پانچویں یہ کہ یہاں قتل کی قانونی سزا کا ذکر ہے سزا دینے نہ دینے کا تذکرہ نہیں دوسری آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کے سواء کسی کو دوزخ میں ہمیشگی کی سزا نہ دے جاوے گی قانون اور ہے قانون کا اجراء کچھ اور چھٹے یہ کہ یہ فرمان ڈرانے دھمکانے کے لئے ہے تا کہ لوگ قتل سے باز رہیں۔

چوتھا اعتراض: ظالم قاتل کی توبہ قبول ہے یا نہیں بعد توبہ وہ اس سزا سے بچ جاوے گا یا نہیں اگر توبہ قبول نہیں ہے تو اسلام کی اس عقیدے اور ہندوؤں آریوں کے عقیدوں میں کیا فرق ہوا وہ بھی کہتے ہیں کہ مجرم کی معافی نہیں سزا ضرور ملے گی اور اگر توبہ قبول ہے تو کلام الٰہی میں جھوٹ لازم آیا کہ اس نے خبر تو دی سزا کی مگر بعد میں معاف کر دیا۔ **جواب**: توبہ قبول ہے رب فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (الزمر: ۵۳)۔ جب شرک و کفر سے توبہ ہو جاتی ہے تو یہ قتل ان سے کہیں ہلکا ہے اور اس توبہ قبول فرمالینے سے کلام میں جھوٹ لازم نہیں آتا کہ قوانین کی آیات جملے خبر یہ ہیں ہی نہیں۔ سب انشاءات ہیں۔ انشاء میں جھوٹ نہیں ہو سکتا جیسے کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ (بقرہ: ۱۸۳) یا لِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ (آل عمران: ۹۷) کہ صورتاً خبر ہیں معنی انشاء نیز وعید کی آیات رب تعالیٰ کے ارادے پر

موقوف ہیں۔ اگر چاہے سزا دے چاہے نہ دے فرماتا ہے وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ (النساء:۴۸) رب تعالیٰ کفر کے سواء جس مجرم کو چاہے گا بخش دے گا اس ایک آیت نے تمام وعید کی آیتوں کو معلق کر دیا نیز وعدہ پورا نہ کرنا جھوٹ ہے وعید پوری نہ کرنا مہربانی و کرم ہے مہربانی کمال ہے جھوٹ یا عیب نہیں۔

پانچواں اعتراض: مَنْ يَّقْتُلْ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی کسی مسلمان کو قتل کرے وہ دوزخی ہو حالانکہ قاتل کو قتل زانی کو سنگسار کیا جاتا ہے باغی و خارجی کو تہ تیغ کیا جاتا ہے تو کیا یہ سزا دینے والے بھی دوزخی ہیں۔

جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہاں قتل سے مراد ظلماً قتل ہیں اور ظلماً بھی وہ کہ قاتل بھی اسے ظلماً سمجھتا ہو۔ اسلئے مُتَعَمِّدًا کی قید لگائی گئی اگر کسی دلیل سے قاتل قتل کو جائز سمجھتا ہے تو وہ قتل خطاء ہے عمداً نہیں قصاص و رجم کی صورت میں قتل واجب ہے حرام نہیں یہ بات بالکل واضح ہے۔

چھٹا اعتراض: رب تعالیٰ نے یہاں جہنم کے داخلہ کے بعد غضب و لعنت کا ذکر کیوں فرمایا یہ دونوں چیزیں جہنم کے ذکر میں آ گئی تھیں۔ **جواب**: دوزخ میں جانا اور ہے وہاں غضب و لعنت کا ہونا کچھ اور بہت سے گنہگار دوزخ میں جائیں گے مگر وہاں غضب و لعنت کے مستحق نہ ہونگے انہیں گناہوں کے میل سے پاک فرمانے کے لئے دوزخ میں بھیجا جائے گا یا دوزخ میں وہاں کی تکالیف کے سواء اور سزائیں دینا غضب و لعنت ہے جیسے جنت کی نعمتیں اعمال کی جزا ہیں اور وہاں دیدار الٰہی رب تعالیٰ کا خاص فضل ہے یا غضب و لعنت سے مراد ہے دنیا میں اللہ تعالیٰ کا غضب و لعنت تو دوزخ کا داخلہ بعد قیامت اور غضب و لعنت دنیا و برزخ کا عذاب۔

ساتواں اعتراض: اگر قاتل سے قصاص یا دیت لے لی گئی یا مقتول کے ولیوں نے معاف کر دیا تو کیا پھر بھی اسے یہ سزائیں ملیں گی جو یہاں مذکور ہیں۔ **جواب**: تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ قتل میں تین جرم ہوتے ہیں۔ مقتول پر ظلم، مقتول کے وارثوں کو ایذا دینی، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، قصاص یا دیت دوسرے جرم کا عوض ہے یعنی مقتول کے وارثوں کی ایذا یا جرم ۱ اور ۳ کا معاملہ آخرت میں ہوگا (روح البیان)۔

تفسیر صوفیانہ

قلب فطری طور پر مومن ہے نفس فطری کافر ان دونوں میں ذاتی عداوت ہے قلب کی زندگی نفس کی موت ہے اور نفس کی زندگی دل کی موت ہے۔ کافر کے نفوس زندہ ہیں دل مردے اسی لئے ان زندوں کو رب نے مردہ فرمایا مومن کا دل زندہ ہے نفس مردہ اس لئے رب نے وفات یافتہ شہیدوں کو زندہ فرمایا یہاں وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا الخ میں دل و نفس کی طرف اشارۃً کہ جو شخص اپنے مومن دل کو جان بوجھ کے قتل کر دے کہ نفس امارہ کی پیروی میں لگ جاوے۔ جس کے زہر سے دل مر جاوے تو اس کی سزا دائمی دوزخ ہے ایمان و نیک اعمال وہ تلواریں ہیں جن سے نفس امارہ قتل ہوتا ہے۔ دنیا میں پھنسا و آخرت سے غفلت وہ زہر قاتل ہے جس سے دل مر جاتا ہے اس دل کے قاتل کیلئے طبیعت کے دوزخ میں ہمیشگی ہے اور اس پر اللہ کا غضب ہے کہ پھر اسے بارگاہ قدس سے دور کر دیا جاوے گا اور

اس پر اللہ کی لعنت ہے کہ پھر اسے توفیق خیر نہیں ملتی جب اللہ کرم کرتا ہے تو اپنے کسی مقبول بندے سے نسبت دے دیتا ہے اور جب غضب فرماتا ہے تو مقبولوں سے دور کر دیتا ہے۔ ذرہ زمین پر رہتے سورج کی نسبت سے چمک جاتا ہے۔

ذرہ ہر روئے زمیں افتادہ بود! آفتابے آمد و روشن نمود!!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے بعض غذائیں دل جگر معدے کو کمزور کرتی ہیں۔ ایسے ہی بعض بدعملیاں دل کو سخت کر دیتی ہیں قتل مومن قاتل کے دل کو سخت کر دیتا ہے یہ ہے قاتل پر رب کا غضب ولعنت اور سختی قلب تمام گناہوں اور محرومیوں کی جڑ ہے سخت لوہا کوٹنے سے کچھ نہیں بنتا لوہا آگ میں نرم کر کے کچھ بنایا جاتا ہے آٹا پانی سے نرم ہو کر روٹی وغیرہ بنتا ہے۔ زمین نرم ہو کر قابل کاشت ہوتی ہے یوں ہی دل نرم ہو کر اللہ کی رحمت کے قابل ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے جب تم سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کر لیا کرو
اے ایمان والو جب تم جہاد کو چلو تو تحقیق کر لو
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ
اور نہ کہا کرو اس سے جو پیش کرے تمہاری طرف سلام کہ نہیں ہے تو مومن
اور جو تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں
تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ
تلاش کرتے ہو تم سامان زندگانی دنیا کا تو نزدیک اللہ کے غنیمتیں ہیں
تم جیتی دنیا کا اسباب چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بہتیری غنیمتیں
كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ
بہت اس ہی طرح تھے تم پہلے پس احسان کیا اللہ نے تم پر
ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا تو تم
فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾
تو تحقیق کر لیا کرو بے شک اللہ ہے اس پر جو کرتے ہو تم خبردار
پر تحقیق کرنا لازم ہے بیشک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں قتل خطاء اور قتل عمد میں فرق بیان کیا گیا تھا۔ قتل خطا کے احکام کچھ ہلکے بیان ہوئے تھے اب قتل خطاء کے متعلق ضروری احکام بیان ہو رہے ہیں کہ تحقیق مومن میں کوتاہی نہ کرنا اگر تم کوتاہی سے خطا کر گئے تو تم سخت مجرم ہو گئے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں قتل عمد پر سخت سزا کا ذکر ہوا اب قتل عمد کی ایک اور صورت بیان ہو رہی ہے کہ علامت ایمان ہوتے ہوئے کسی کو محض شبہ کی بنا پر قتل کر دیا جاوے تحقیق نہ کی جاوے یہ بھی گویا قتل عمد کی ہی ایک شاخ تصور ہو گی۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں قتل خطا کے بعد توبہ کا ذکر فرمایا گیا تھا جس پر شبہ ہو سکتا تھا کہ خطا تو گناہ ہی نہیں پھر اس پر توبہ کیسی اب اس آیت میں توبہ کی گویا وجہ بیان ہو رہی ہے کہ خطا کی وجہ تمہارا تحقیقات میں کوتاہی کرنا ہوتا ہے۔

شان نزول

اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں (۱) علاقہ فدک میں کفار کی ایک قوم آباد تھی بنی مرہ ابن عوف اس قوم میں صرف ایک صاحب ایمان لائے تھے مرداس ابن نہیک ان کے سواء اس قوم میں کوئی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے فدک پر جہاد کرنے کو ایک جماعت بھیجی جن کا افسر غالب ابن فضالہ لیثی کو مقرر فرمایا جب یہ لشکر اسلام فدک کے قریب پہنچا تو تمام قوم بھاگ گئی مگر مرداس نہ بھاگے وہ مطمئن تھے کہ میں تو مسلمان ہو چکا ہوں مجھ سے کوئی کچھ نہ کہے گا مگر چونکہ انہیں بھی یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ لشکر مسلمانوں کا نہ ہو کسی اور قوم کا ہو یہ اپنی بکریاں اور اونٹ لے کر قریبی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے جب لشکر اسلام اس جگہ پہنچا اور لشکر سے نعرہ تکبیر بلند ہوا تو مرداس کو بہت خوشی ہوئی اور یہ بھی مع اپنی بکریوں کے نعرہ تکبیر لگاتے پہاڑ سے اترے اُترتے وقت پڑھ رہے تھے۔ لَاۤ اِلٰــهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور مسلمانوں سے کہا السلام علیکم میں مومن ہوں۔ اس لشکر میں اسامہ ابن زید بھی تھے یہ سمجھے کہ یہ ہے تو کافر اپنی جان و بکریاں بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ ہم کو سلام کرتا ہے حضرت اسامہ نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریوں و اونٹ پر قبضہ کر لیا جب یہ لشکر مدینہ منورہ پہنچا تو حضرت اسامہ نے یہ ماجرہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا حضور ﷺ کو بہت صدمہ ہوا آپ بار بار فرماتے تھے کہ تم نے اسے مال کے لالچ میں قتل کیا۔ حضرت اسامہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے حق میں دعاء مغفرت فرما دیں فرمایا اے اسامہ تم اس کے کلمہ کا کیا علاج کرو گے۔ حضرت اسامہ کو بہت سخت رنج و غم ہوا آخر حضور ﷺ نے بہت دیر کے بعد ان کے لئے دعا مغفرت فرمائی اور فرمایا یہ بکریاں مرداس کے بال بچوں کو واپس کر دو اور ایک غلام آزاد کرو۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر، خازن، خزائن العرفان، روح المعانی و بیان وغیرہ)

(۲) محلم ابن جثامہ اور عامر ابن اضبط میں زمانہ جاہلیت میں کچھ عداوت تھی محلم مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آ گئے اور عامر اپنی قوم میں رہے مگر مسلمان یہ بھی ہو گئے تھے ایک موقعہ پر محلم اور عامر کی ملاقات ہو گئی عامر نے اپنا اسلام ظاہر کرنے کے لئے محلم کو سلام کیا محلم نے اسی قدیمی دشمنی کی بنا پر اس کے سلام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انہیں قتل کر دیا یہ خبر حضور ﷺ کو ہوئی آپ ناراض ہوئے محلم نے دعاء مغفرت کی درخواست کی حضور نے فرمایا تیرے لئے دعا نہ کروں گا ایک

ہفتہ کے اندر محلم فوت ہوگیا اسے دفن کیا گیا تو زمین نے اسے نکال پھینکا بارہا دفن کیا گیا مگر زمین نے اسے ہر بار پھینک دیا تب حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ زمین تو مشرک و کافر کو بھی اپنے میں لے لیتی ہے مگر رب تعالیٰ نے چاہا کہ تم کو دکھائے کہ قتل مومن کتنا خطرناک گناہ ہے اس لئے یہ واقعہ ظاہر فرمایا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر) پھر اس محلم کی نعش پہاڑ کے دامن میں رکھ کر پتھروں سے ڈھک دی گئی (کبیر وروح)

(۳) یہ آیت حضرت مقداد ابن اسودؓ کے متعلق نازل ہوئی جن کا واقعہ حضرت اسامہ ابن زید کی طرح ہوا تھا آخر انہوں نے بھی توبہ کی مقتول کی بکریاں اس کے بچوں کو واپس کیں اور ایک غلام آزاد کیا (کبیر)۔

(۴) یہ آیت کریمہ حضرت ابوالدرداءؓ کے متعلق نازل ہوئی، جنہوں نے ایک نو مسلم شخص کو اس کے کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کر دیا تھا یہ ہی سمجھ کر کہ یہ جان و مال بچانے کیلئے یہ سب کچھ کر رہا ہے (روح المعانی وغیرہ) مگر ان روایات میں کچھ تعارض نہیں ہوسکتا ہے کہ یہ چند واقعات یکے بعد دیگرے قریب قریب ہوئے ہوں تب یہ آیت آئی ہو (کبیر)۔

تفسیر یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۔ اگرچہ اس آیت کریمہ کا نزول خاص صحابہ کرام کے متعلق ہوا مگر حکم سب کو عام ہے اسی لئے اس ندا میں سارے مسلمانوں سے خطاب ہے۔ صحابی ہوں یا دوسرے غازی ہوں یا کوئی اور ضَرَبْتُمْ ضرب سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں ہلانا جنبش دینا اصطلاح میں اس کے معنی ہیں مارنا کہ مارتے وقت ہاتھ ہلائے جاتے ہیں سفر کرنا کہ اس میں انسان ہاتھ پاؤں چلتے وقت ہلاتا ہے مثال بیان کرنا کہ بیان کے وقت ہونٹ و زبان ہلتے ہیں یہاں دوسرے معنی یعنی سفر کرنا مراد ہیں۔ اِذَا شرطیہ ہے۔ سَبِیْلِ اللّٰهِ سے مراد ہر وہ راستہ ہے جو رضا الٰہی کے لئے طے کیا جاوے جیسے مسجد کا راستہ دینی مدرسے کا راستہ حج وعمرہ کا راستہ بزرگوں سے ملاقات کرنے کا راستہ جہاد کا راستہ یہاں آخری معنیٰ مراد ہیں یعنی میدان جہاد کا راستہ مراد ہے یعنی اے مسلمانو جب تم راہ خدا میں جہاد کے لئے سفر کرو فَتَبَیَّنُوْا یہ جملہ اِذَا کی جزا ہے ہماری قرأت میں ہے فَتَبَیَّنُوْا بیان سے ہے بعض قرأتوں میں ہے۔ فَتَثَبَّتُوْا ثبوت سے (مدارک وغیرہ) یعنی معاملہ کا بیان یا اس کا ثبوت طلب کیا کرو یعنی تحقیق کر لیا کرو تثبیت اور تبیین قریباً ہم معنی ہیں۔ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا یہ دوسرا حکم ہے جو فَتَبَیَّنُوْا کو واضح کر رہا ہے اگرچہ مرداس نے کلمہ بھی پڑھا تھا اور سلام بھی کیا تھا مگر یہاں کلمہ پڑھنے کا ذکر نہ فرمایا یہ بتانے کے لئے کہ صرف اسلامی سلام کرنے پر بھی احتیاط کیا کرو اس نے تو کلمہ بھی سنایا تھا۔ سلام سے مراد اسلامی سلام ہے جو ملاقات کے وقت کیا جاتا ہے یعنی السلام علیکم کفار عرب کا سلام تھا۔ اِنْعَمْ صَبَاحًا۔ یا حَیَّاكَ اللّٰهُ جیسے آج بعض قوموں کا سلام ہے گڈ مارننگ یا آداب علماء فرماتے ہیں کہ یہاں سلام پیش کرنے سے مراد علامت اسلامی کا پایا جانا ہے ہماری قرأت میں مُؤْمِنًا میم کے کسرہ سے ہے بمعنی مسلمان بعض قرأت میں مُؤْمَنًا میم کے فتح سے ہے یعنی امان یافتہ یعنی بحالت جہاد وغیرہ جو مستور الحال تم کو اسلامی سلام کرے اپنا اسلام ظاہر کرنے کے لئے تو بلا دلیل یہ نہ کہہ دو کہ تو مسلمان نہیں یا تجھ کو امان نہیں

تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا یہ جملہ نیا ہے اس کا تعلق لَاتَقُوْلُوا سے نہیں ورنہ نون اعرابی نہ آتا۔ تَبْتَغُوْنَ بَغْیٌ سے بنا بمعنی چاہنا تلاش کرنا یہاں دونوں معنی درست ہیں عرض اصطلاح میں روپیہ پیسہ کے علاوہ دوسرے سامان کو کہتے ہیں یعنی روپیہ پیسہ ثمن وقیمت ہے باقی چیزیں عرض وسامان عرض کے معنی ہیں عارضی چیز جس کے لئے بقا نہ ہواس لئے منطقی وعلم کلام والے غیر مستقل چیز کو عرض کہتے ہیں مستقل فی الموجود کو جوہر دنیاوی زندگی وہ ہے جو دو قبروں کے درمیان ہو یعنی ماں کے پیٹ اور قبر کے غار کے بیچ یعنی اے غازیو تم نے اس وقت مرداس کے قتل میں جلدی اس لئے کی کہ تم دنیاوی سامان یعنی اس کی بکریوں کی خواہش رکھتے تھے کہ یہ قتل ہو جاوے تو اس کا یہ مال غنیمت بن جاوے دنیا یا تو دَنُوٌّ بمعنی قرب بنا یا دَنَاءَۃٌ بمعنی حقارت سے بنا یعنی قریب الفنا یا حقیر چیز جس چیز میں نیت کا اخلاص نہ ہو وہ دنیا ہے اور جو اخلاص کے ساتھ ہو وہ دین ہے چونکہ اس موقعہ پر ان غازیوں کا ارادہ یہ ہو گیا تھا اس لئے اس مال کو حیات دنیا کا عرض فرمایا۔ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے اِنْ كُنْتُمْ شَائِقِیْنَ لِلْغَنَائِمِ۔ عِنْدَ اللّٰهِ سے مراد یا اللہ کا قبضہ ہے یا آخرت میں اللہ کے ہاں۔ غنائم جمع غنیمت کی ہے۔ غنیمت وہ مال جو بہ آسانی حاصل ہو جہاد میں کفار سے چھینے ہوئے مال کو اسی لئے غنیمت کہتے ہیں کہ وہ یک دم بغیر ہمارے کمائے ہوئے حاصل ہو جاتا ہے۔ یہاں غنائم سے مراد یا تو وہ غنیمت کے مال ہیں جو آئندہ خصوصاً عہد فاروقی میں مسلمانوں کو عطا ہونے والے تھے یا آخرت کے ثواب پہلی صورت میں کثیرہ سے مراد ہیں تعداد و مقدار میں زیادہ۔ دوسری صورت میں کثیرہ سے مراد ہے دائمی ولازوال اور ہو سکتا ہے کہ ان غنیمتوں کو ہی کثیرہ بمعنی لازوال نعمت فرمایا گیا ہو کہ جو مال رضاء الٰہی کے لئے حاصل اور خرچ کیا جاوے وہ دنیا نہیں بلکہ عین دین ہے۔ فاروقی غنیمتیں وفتوحات عین دین ہیں یعنی اگر تم کو غنیمت کا شوق ہے تو مت گھبراؤ اللہ کے قبضہ میں بہت غنیمتیں ہیں جو تم کو آئندہ عطا ہونے والی ہیں تم جلدی کیوں کرتے ہو یا ان غنیمتوں میں دل کیوں لگاتے ہو اللہ کے ہاں دائمی لازوال جنت کی نعمتیں ہیں جو تمہارے نامزد ہو چکی ہیں۔ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یہ علیحدہ جملہ ہے جس میں دوسری طرح ان غازیوں کو سمجھا کر ان کی تسلی کی گئی یہاں ان غازیوں کو مرداس سے تشبیہ دی گئی کیونکہ ان غازیوں میں اکثر حضرات کفر سے اسلام میں آئے تھے اور بعض تو وہ بھی تھے جو بحالت جنگ مسلمان ہوئے تھے۔ ذٰلِكَ کا اشارہ مرداس کی طرف ہے كُنْتُمْ میں خطاب ان غازیوں سے ہے اور قَبْلُ سے مراد ان بزرگوں کے اسلام لاتے وقت کی حالت ہے یعنی اس سے پہلے جب تم مسلمان ہوئے تھے تو تمہارا بھی وہ ہی حال تھا جو اس وقت مرداس کا تھا کہ تم نے کلمہ پڑھا اور ہمارے محبوب نے تم پر اسلام کے احکام جاری فرما دیئے۔ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فتعقیبیہ ہے مَنَّ اور نعمت دونوں کے معنی بلا معاوضہ عطیہ۔ اجرت وقیمت کا مقابل مگر نعمت ہر انعام وعطیہ کو کہتے ہیں اور مَنَّ عالیشان عطیہ کو کہا جاتا ہے۔ جس کا احسان جتایا جاوے۔ اللہ فرماتا ہے لَاتُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی (بقرہ:۲۶۴)۔ اللہ تعالیٰ نے تین نعمتوں کے لئے خصوصیت سے مَنَّ ارشاد فرمایا حضور کی تشریف آوری لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ

فِیۡھِمۡ رَسُوۡلًا (آلعمران:۱۶۴)۔ایمان کی توفیق ملنا بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ ھَدٰکُمۡ لِلۡاِیۡمَانِ (حجرات:۱۷) اور حضور کی بارگاہ میں قبولیت جس کا ذکر یہاں ہے مَنَّ اللّٰہُ یعنی اللہ کے احسان سے مراد یا تو اسلام لاتے وقت ان کی کلمہ خوانی کا اعتبار فرمالینا ہے دل کی گہرائی کی تلاش نہ فرمانا ہے یا بعد میں ان حضرات کا اسلام مشہور کر دینا ہے جس سے دنیا والے ان کو صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ مسلمان گر ماننے لگے ان دونوں صورتوں میں اللہ کے احسان سے مراد رسول اللہ ﷺ کا احسان ہے کیونکہ اس وقت ان کی کلمہ گوئی کا اعتبار بھی حضور نے ہی کیا تھا اور بعد میں ان حضرات کے ایمان کی شہرت ان کے فضائل کا بیان وغیرہ حضور ہی کی طرف سے ہوا حضور کا احسان اللہ کا احسان ہے لہٰذا یہ نسبت بالکل درست ہے یعنی تم پر اللہ نے احسان فرمایا کہ تمہارے مسلمان ہوتے وقت صرف تمہاری کلمہ گوئی کا اعتبار کرلیا گیا کوئی اور تفتیش نہ کی گئی نہ تم پر کوئی شبہ کیا گیا یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے محبوب کا تم کو قبول فرمالینا تمہیں اپنی جماعت میں لے لینا تم پر اللہ کا بڑا احسان ہے کیونکہ اس قبولیت سرکار کی وجہ سے تمہاری دین دنیا میں عزت ہوگئی رب تعالیٰ نے اعلیٰ چیزیں حقیروں میں رکھی ہیں تا کہ حقیروں کی عزت ہو جاوے دودھ جیسی نعمت جانور بھینس کے تھن میں رکھی تا کہ بھینس کی عزت ہو جاوے مشک اور شہد ہرن و مکھی میں رکھی تا کہ ان جانوروں کی عزت افزائی ہو جاوے سونا چاندی پتھروں میں موتی کڑوے پانی کی سیپ میں رکھے تا کہ ان کا احترام بڑھ جاوے یوں ہی ایمان جیسی نعمت ہم گنہگاروں کے دلوں میں رکھی تا کہ اس سے ہم ناقدروں کی قدر ہو جاوے دودھ کی وجہ سے انسان اشرف الخلق بھینس کی خدمت کرتا ہے ایمان کی وجہ سے فرشتے مردِ مومن کی خدمت کرتے ہیں۔ فَتَبَیَّنُوۡا یہ اس حکم کا دوبارہ ذکر ہے جو پہلے دیا جاچکا ہے بار بار ایک حکم دینا تاکید کیلئے ہے یعنی آئندہ تحقیق کرلیا کرو بلاوجہ کسی کو کافر نہ کہہ دیا کرو اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی نومسلم کے اسلام کا اعتبار نہ کیا کرو بلکہ اس کے اسلام کی تحقیقات کیا کرو کہ یہ مطلب آیۂ کریمہ کے منشاء کے خلاف ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا یہ جملہ بظاہر وعید عتاب ہے یعنی اللہ تعالیٰ خبر دار ہے تمہاری اس قسم کی کوتاہیوں پر لہٰذا آئندہ ایسی جلدی اور تحقیق میں کوتاہی نہ کرنا اور ہوسکتا ہے کہ یہ وعدہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ اس مرد اس کے قتل پر نہ دنیا میں تم پر پکڑ فرمائے گا کہ تم پر قصاص فرض فرمادے نہ آخرت میں کہ تم کو قتل مومن کی سزا دے کیونکہ اسے تمہارے اعمال تمہاری نیتوں تمہارے ارادوں کی خبر ہے وہ جانتا ہے کہ تم سے جو کچھ ہوا غلطی سے ہوا۔ کان دوام و استمرار کیلئے ہے یعنی رب تعالیٰ کو تمہارے ہر کام کی ہمیشہ سے خبر ہے۔ وہ پہلے بھی جانتا تھا کہ تم سے یہ کام ہوں گے تمہارے اعمال آئندہ مسلمانوں کے لئے نمونہ ہیں تمہاری غلطیاں آئندہ کیلئے ذریعہ اصلاح ہیں۔

خلاصۂ تفسیر

اے مسلمانوں جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے جایا کرو تو ہر بات کی تحقیق کرلیا کرو کسی کام میں جلدی نہ کیا کرو اور خیال رکھو کہ بحالت جہاد اگر کوئی شخص تم کو اسلامی سلام پیش کرے یعنی تم سے کہے السلام علیکم یا اور طرح اظہار اسلام کرے اور اس پر کوئی کفر یا دھوکہ دہی کی علامت موجود نہ ہو تو تم بلاوجہ نہ کہہ دیا کرو کہ تو دل سے مومن نہیں صرف زبان سے کلمہ پڑھ کر دھوکہ دے رہا ہے تم اس جلدی میں دنیاوی سامان یعنی مال غنیمت چاہتے

ہو۔ اگر تم کو غنیمت کا اتنا شوق ہے تو گھبراؤ مت اللہ کے قبضہ میں بہت غنیمتیں ہیں وہ تم کو آئندہ اتنی غنیمتیں عطا فرمائے گا کہ تمہارے گھر دولت سے بھر جائیں گے۔ جلدی نہ کرو انتظار کرو خلافت فاروقی کا زمانہ آ رہا ہے جب روم و ایران کے سونے چاندی کے ڈھیر مدینہ میں پہنچیں گے اور شاہزادے و شاہزادیاں تمہارے لونڈی غلام بنیں گے۔ خیال رہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد بہت غنیمتیں زمانہ فاروقی میں ہی آئیں کہ حضور کے زمانہ میں اب جو فتح مکہ ہوئی اس میں غنیمت بالکل نہ لی گئی مکہ والوں کو عام معافی دے دی گئی غزوہ حنین میں بھی بہت زیادہ غنائم نہ آئیں لہٰذا اس سے مراد فاروقی غنیمتیں ہیں اس میں اشارۃً خلافت کی خبر دی گئی ہے اس کی حقانیت کا ذکر کیا گیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے ہاں دائمی غنیمتیں ہیں جو تم کو آخرت میں عطا ہوں گی تم اپنی گذشتہ حالت میں غور کرو کہ جو حال آج مرداس کا تھا۔ اس سے پہلے تمہارا بھی وہی حال تھا کہ تم کفر سے جب ایمان میں آئے تو تم نے اظہار ایمان کے لئے کلمہ ہی تو پڑھا تھا اللہ رسول نے تم پر احسان فرمایا کہ تمہاری اس کلمہ گوئی کا اعتبار فرمالیا تمہارے متعلق کوئی شک و شبہ نہ کیا گیا پھر تمہارا ایمان مشہور فرما دیا کہ دلوں میں تمہارا اعتبار بیٹھ گیا تو تم بھی نو مسلمانوں پر بلا وجہ بدگمانی نہ کرو تحقیق کر لیا کرو خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سارے کاموں کی خبر ہے آئندہ ایسی جلدی سے کام نہ کرنا ورنہ تم کو سزا دی جاوے گی یا اللہ کو تمہارے کام تمہارے ارادے کی خبر ہے وہ جانتا ہے کہ تم سے اس وقت غلطی ہو گئی تمہاری نیت بری نہ تھی اس لئے تم پر کوئی عتاب نہ فرمایا گیا۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جس شخص میں ایمان کی علامت ہو کفر کی علامت موجود نہ ہو اسے کافر نہ کہو یہ قید ضرور خیال رہے کہ اس میں علامت کفر موجود نہ ہو یہ مطلب نہیں کہ ہزار ہا کفر کرے کفر کی علامات موجود ہوں صرف السلام علیکم کہہ دے تو اسے کافر نہ کہو۔ دیکھو حضور کے زمانہ پاک میں منافقین کلمہ پڑھتے تھے نمازیں پڑھتے تھے مگر ان کے باوجود رب نے فرمایا **اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ** (منافقون: ۱)۔ **دوسرا فائدہ**: جو مسلمان کافروں میں رہتا ہو اس کے اسلام کی لوگوں کو خبر نہ ہو تو اس کے قتل سے دیت وغیرہ لازم نہ ہوگی نہ قصاص دیکھو حضرت اسامہ ابن زید پر اس قتل کی وجہ سے نہ قصاص واجب ہوا نہ کفارہ۔ **تیسرا فائدہ**: خطاء اجتہادی معاف ہے اگرچہ مجتہد کتنی ہی بڑی خطا کرے دیکھو حضرت اسامہ نے خطاء اجتہادی میں مرداس کا قتل بھی کر دیا رب تعالیٰ نے ان پر کوئی عتاب نہ فرمایا بلکہ نہایت کرم سے ان کو سمجھا دیا لہٰذا حضرت امیر معاویہ و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما میں سے کسی کو برائی سے یاد نہ کرنا چاہیئے کہ ان کے درمیان جو کچھ ہوا خطا اجتہادی سے ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: جس شخص میں علامات کفر موجود ہوں جن سے اس کا کفر معلوم ہوتا ہو تو اس کی کلمہ گوئی یا سلام کرنا بالکل معتبر نہیں اسے کافر ہی کہا جاوے گا جیسا کہ **فَتَبَیَّنُوْا** سے معلوم ہوا اگر ہر کلمہ گو کو اندھا دھند مسلمان کہہ دیا جایا کرے تو **فَتَبَیَّنُوْا** کے کیا معنی ہوں گے۔ یہ فائدہ ضرور خیال میں رہے۔ **پانچواں فائدہ**: انسان اپنی اصل کبھی نہ بھولے ہمیشہ اپنا گرا وقت یاد رکھے جیسا کہ **كَذٰلِكَ كُنْتُمْ** سے معلوم ہوا۔

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو جائز ہے جہازوں میں اڑو چرخ پہ جھولو
پر ایک سخن بندۂ مسکیں کا رکھو یاد اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

چھٹا فائدہ: تفسیر روح المعانی نے یہاں فرمایا کہ مجبور کا ایمان قبول ہے کیونکہ بظاہر یہ شخص یعنی مرداس مجبوراً اسلام ظاہر کر رہا تھا مگر اس کا ایمان قبول ہوا۔ خیال رہے کہ بچہ کا ایمان قبول ہے مگر بعد ایمان اس کا ارتداد معتبر نہیں ہاں جب بالغ ہو کر کافر ہوگا تب اسے مرتد مانا جاوے گا اس لئے اسلامی گمراہ فرقے جن کی گمراہی حد کفر تک پہنچ گئی انہیں مرتد مانا جاتا ہے جیسے قادیانی چکڑالوی وغیرہ کہ ان کے چھوٹے بچے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں مگر پھر اپنے عقائد باطلہ مان کر کافر نہیں ہوتے پھر جب بالغ ہو کر اپنے کفریہ عقیدے مانتے ہیں تو اب مرتد ہوتے ہیں۔ یوں ہی منافق جب کفر کا اظہار کرے تو مرتد ہوگا کہ اس کو قتل کیا جاوے گا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے اس منافق کو قتل فرما دیا تھا جو حضور کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا تھا کیونکہ اس کا نفاق والا ایمان شرعاً معتبر تھا شریعت میں اسے مسلمان مان لیا گیا تھا پھر کفر کا اظہار ارتداد ہے۔

مسئلہ: اگر جہاد وغیرہ میں کوئی عیسائی یا یہودی کہہ دے کہ میں ایمان لاتا ہوں یا میں مومن ہوں یا کہے کہ حضور ﷺ رسول اللہ ہیں اس سے وہ مسلمان نہ ہوگا کیونکہ وہ اپنے عقائد کو ایمان سمجھتا ہے اور بعض عیسائی یہودی حضور ﷺ کو عرب کا رسول مانتے ہیں بلکہ ضروری ہے کہ وہ صاف کہے میں نے اپنا فلاں دین چھوڑ دیا اسلام قبول کر لیا (تفسیر کبیر و روح البیان وغیرہ) صرف کلمہ پڑھنا مشرکین کا ایمان ثابت کرے گا۔ علامہ شامی نے اس کی بہت نفیس تفصیل فرمائی ہے کہ کسی کافر کو کیسے مسلمان کیا جاوے عیسائی یہودی تو حیدئے قادیانی وغیرہ صرف کلمہ پڑھ دینے سے مسلمان نہ ہوں گے کہ وہ تو پہلے بھی کلمہ پڑھتے تھے **لا الٰہ الا اللہ** تو عیسائی یہودی مرزائی ہو کر بھی کہتے تھے۔

ساتواں فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت حق ہے اور آپ کے زمانہ کی غنیمتیں حق تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جیسے کہ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا رب تعالیٰ نے ان غنیمتوں کو **عند اللہ** فرمایا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر اسلامی سلام کرنے والا آدمی مومن ہے جو سلام کرے اسے کافر نہ کہو تو آج تم مرزائیوں، چکڑالویوں، بہائیوں وغیرھم کو مرتد کافر کیوں کہتے ہو وہ تو سلام کرتے ہیں۔ **نوٹ**: مولوی محمد علی لاہوری مرزائی نے بہت شد ومد سے یہ اعتراض اس آیت کے ماتحت اپنی تفسیر بیان القرآن میں کیا ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی، دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم بھی مرزا کے مخالفین کو کافر کیوں کہتے ہو سلام اسلامی تو وہ بھی کرتے ہیں تم غیر مرزائیوں کا جنازہ نہیں پڑھتے انہیں اپنے مخصوص وطن ربوہ میں رہنے نہیں دیتے۔ جو وہاں غلطی سے رہ پڑے تو تمہارے ہاتھوں اس کی جان محفوظ نہیں ہوتی اس وقت تم یہ آیت کیوں بھول جاتے ہو۔ جواب تحقیقی اس آیت کریمہ میں دے دیا گیا ہے کہ پہلے فرمایا گیا فَتَبَيَّنُوا اے غازیو تحقیق کر لیا کرو مطلب واضح ہو گیا کہ جو شخص ہم کو اسلامی سلام کرے اور اس پر علامت کفر کوئی

موجود نہ ہو تو اسے بلاوجہ کافر نہ کہو لیکن اگر تحقیق سے اس کا کفر معلوم ہو جاوے تو وہ لاکھ سلام کرے کلمہ پڑھے نمازیں پڑھے بے دین ہو گا یہاں فَتَبَيَّنُوْا میں یہ ہی فرمایا گیا جب ہم کسی کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ مرزا کو نبی مان رہا ہے نماز پنجگانہ کا منکر ہے۔ قرآن مجید میں تحریف کا قائل ہے یا بہائی ہے کہتا ہے کہ یہ قرآن بہاء اللہ نے منسوخ کر دیا تو پھر صرف سلام کر دینے سے مومن کیسے ہو جاوے گا۔ حضور کے زمانہ میں منافقین کلمہ، نماز، سلام سب پر عامل تھے مگر بے دین مانے گئے۔

دوسرا اعتراض: قرآن مجید کی اس آیت کی وجہ سے مسلمانوں کے ہاتھ بندھ گئے اور کسی کافر کو قتل کے تمام راستہ بند ہو گئے۔ جہاد میں ایک کافر صدہا مسلمانوں کو تہ تیغ کر دے جب مسلمانوں کے ہاتھ چڑھے تو سلام کر دے یا کلمہ پڑھ دے اب مسلمان اسے نہیں مار سکتا پھر یہاں سے بچ کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دے ابھی پاکستان بنتے وقت دو لاکھ مسلمان کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے مگر پاکستانی ہندو کلمہ پڑھ کر بچ گئے پھر موقعہ پا کر بھارت روانہ ہو گئے۔ اپنی جان مال سب محفوظ لے گئے اس قانون کا یہ نتیجہ ہے اس قانون سے مسلمانوں کی جانیں غیر محفوظ ہو گئیں مگر کفار کے جان و مال محفوظ ہو گئے (بعض پاکستانی نادان)۔ **جواب**: یہ قانون بالکل درست ہے مسلمان اس کے سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں تو نقصان اٹھاتے ہیں یہاں ایک لفظ تَبَيَّنُوْا میں سب کچھ سمجھا دیا گیا ہے بتایا یہ گیا کہ کافر کے سلام یا کلمہ پڑھ لینے پر تحقیق کر لو کہ یہ اخلاص سے کام کر رہا ہے یا دھوکہ دینے کے لئے اگر دھوکہ دینے کے لئے کر رہا ہو تو نہ اس کے کلمہ کا اعتبار کرو نہ سلام کا اسے فوراً قتل کر دو ہاں اگر اخلاص کی علامت موجود ہو دھوکہ دہی یا کفر کی کوئی علامت نہ ہو تو بلاوجہ اس پر بدگمانی نہ کرو کہ اس صورت میں کفار کے ایمان لانے کی کوئی صورت نہ رہے گی اور مقصود ہے کفار کو ہدایت دینا لیکن اگر علامت کفر موجود ہے کہ ایک کافر فریب دینے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے اور فکر میں ہے کہ کب موقع ملے کب کفار سے جا ملوں یا بار بار کلمہ پڑھ کر مومن اور بعد میں کافر ہوتا رہتا ہے تو اسے مار دو کہ علامت کفر موجود ہے قرآن کریم تو فرما رہا ہے کہ جو کافر موقعہ ملنے کے باوجود مسلمان نہ ہو مسلمانوں میں رہے سہے مگر کافر ہے پھر اسلامی فتح کے وقت جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ لے تو اس کا یہ ایمان قبول نہیں رب فرماتا ہے قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (السجدہ:۲۹)۔ چنانچہ خاص فتح مکہ کے دن بنی کنانہ قوم بھاگی حضرت خالد ابن ولید نے ان کا تعاقب کیا وہ گھبرا کر کلمہ پڑھنے لگے حضرت خالد نے ان کے کلمہ کا اعتبار نہ فرمایا سب کو قتل کر دیا (خزائن و تفسیر نور العرفان) یہ تھا اس آیت پر عمل فہم قرآن بہت ضروری ہے پاکستان بنتے وقت مسلمانوں کی اپنی غلطی تھی۔

تیسرا اعتراض: یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا كَذٰلِكَ كُنْتُمْ تم بھی پہلے ایسے ہی تھے یہ بات تو درست نہیں کیونکہ یہ غازی بحالت جنگ تلوار کے نیچے ایمان نہ لائے تھے بلکہ سکون کی حالت میں مومن ہوئے تھے۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گذر گیا کہ بعض ان میں سے ایسی مجبوری میں ایمان لائے تھے اور اگر تمہارا بیان درست ہو تو تشبیہ صرف اس میں دی جا رہی ہے کہ پہلے تم کافر تھے کلمہ پڑھ کر ہی مومن بنے تمہارے کلمہ گوئی کا اعتبار کیا گیا تم پر بدگمانی

نہ کی گئی۔تشبیہ کے لئے اتنی مشارکت کافی ہے۔

تفسیر صوفیانہ ذکر الٰہی تین قسم کے ہیں ذکر لسانی، ذکر جنانی، ذکر روحانی، ذکر لسانی یعنی زبان سے کلمہ پڑھنا یہاں کے عذاب یعنی تلوار اسلامی سے بچاتا ہے مگر ذکر جنانی آخرت کے عذاب سے بچائے گا اور ذکر روحانی معرفت رحمانی کے دروازے تک پہنچائے گا انسان کو چاہیئے کہ صرف ذکر لسانی پر قناعت نہ کرے بلکہ آگے بڑھے اگرچہ یہ ذکر بھی یہاں کی سزا سے بچالیتا ہے۔

حکایت ایک چور چوری کرنے کسی گھر میں گھسا مال لے کر نکلا تو لوگ جاگ گئے شور مچ گیا محلہ والوں نے اس کا پیچھا کیا یہ چور لوگوں کو آتے دیکھ کر مسجد میں گھس گیا مال تو دروازۂ مسجد پر پھینکا اور خود بے وضو ہی نماز پڑھنے لگا لوگ بھی مسجد میں گھس آئے مال پر تو قبضہ کرلیا مگر چور کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگنے لگے جب اس بے وضو نمازی نے سلام پھیرا تو اس سے پوچھا کہ ملا جی تم نے چور دیکھا ہے، یہ بولا نہیں آخرکار لوگ واپس ہو گئے ادھر لوگ لوٹے ادھر اس چور کا دل لوٹ گیا رو کر بولا مولیٰ بے وضو پڑھی تھی جھوٹی پڑھی تھی تو یہاں کی پکڑ سے بچ گیا اگر میں سچی نماز پڑھتا تو تیرا کتنا کرم ہوتا یہ کہہ کر خوب رویا توبہ کی سچا مسلمان بن گیا انسان جیسا جئے گا ویسے ہی مرے گا اور جیسا مرے گا ویسے ہی اٹھے گا۔یہاں مشائخ کرام سے خطاب ہے کہ اے راہ الٰہی طے کرنے والے مسافرو جب تم یہ راستہ طے کر رہے ہو اور تمہارا ایمان، ایقان اور ایوان احسان اور احسان عیان اور عیان غیب بن جاوے اور غیب عیاں ہو جاوے غائب شہادۃ اور شہادت شہود پھر شہود مشہود ہو جاوے اس حال میں تمہیں کوئی مرید ملے تو اس پر بلاوجہ طالب صادق نہ ہونے کا الزام نہ لگاؤ جو تمہارا دامن پکڑے تم کو اطاعت کا سلام کرے تو اس کا سلام استسلام قبول کرلو اسے اپنے ساتھ لے لو اس سے نرم گفتگو کرو تم منتہی ہو وہ مبتدی تم بھی مبتدی تھے ہم نے تم کو قبول کیا تم بھی ہر طالب پر کاذب ہونے کی بدگمانی نہ کرو تم غنیمت معنوی چاہتے ہو۔ ہمارے پاس بہت غنیمتیں ہیں اگر تم اپنے ساتھ لاکھوں کو ہمارے دروازے پر لے آؤ تو ہمارے خزانوں میں کمی نہیں تمہارا حصہ تم کو پورا پورا دیں گے (از روح البیان)۔صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جو مال حرام ذریعہ سے آوے وہ دوزخ کا ایندھن ہے اس کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا (النساء:۱۰) اور جو مال حلال ذریعہ سے آوے مگر اس میں نیت رضا الٰہی کی نہ ہو وہ مال عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ہے جو بہت جلد فنا ہو جاوے گا اور جس مال کے حاصل کرنے خرچ کرنے میں محض رضا الٰہی مقصود ہو وہ مال باقیات صالحات سے ہے اس کے لئے فنا نہیں دیکھو مرداس کی یہ بکریاں جو حاصل کی گئیں منشاء الٰہی کے مطابق نہ تھیں انہیں رب تعالیٰ نے عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فرمایا اسی طرح علم ہے کہ کوئی علم حجاب ہے کوئی علم معرفت ہے اللہ تعالیٰ بہت خیر عطا فرماوے۔

لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ

نہیں برابر ہیں بیٹھ رہنے والے مسلمانوں میں سے سواء تکلیف والوں کے

برابر نہیں وہ مسلمان کہ بے عذر جہاد سے بیٹھ رہیں

وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ

اور جہاد کرنے والے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے بزرگی دی

اور وہ کہ راہ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں

اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ

اللہ نے جہاد کرنے والوں کو اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے بیٹھ رہنے والوں پر

اللہ نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کا درجہ بیٹھنے والوں

دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ

درجہ کی اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے اچھی چیز کا اور بزرگی دی اللہ نے

سے بڑا کیا اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور اللہ نے جہاد والوں کو

الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ

جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑے ثواب سے بہت درجے اس کی طرف سے

بیٹھنے والوں پر بڑے ثواب سے فضیلت دی اس کی طرف سے درجے

وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۹۶﴾

۱۳ ع ۱۰

اور معافی اور رحمت اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

اور بخشش اور رحمت اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دی پھر جہاد کے متعلق کچھ احکام فرمائے کہ بحالت جہاد بغیر تحقیق کسی کلمہ گو کو قتل نہ کریں اب جہاد کے کچھ فضائل و مسائل بیان ہو رہے ہیں جہاد کے حکم کے بعد متعلقات جہاد کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں مجاہدین کو بہت احتیاط کا حکم دیا گیا تھا کہ کسی کو بغیر تحقیق قتل نہ

کریں جس سے احتمال تھا کہ لوگ جہاد ہی چھوڑ دیں یہ سمجھ کر کہ جہاد میں اس قسم کی غلطیاں ہو جانے کا ہر وقت احتمال ہے نہ ہم جہاد کریں نہ ایسی غلطیاں ہم سے صادر ہوں لہٰذا اب جہاد کے فضائل فرما کر بتایا جا رہا ہے کہ واقعی جہاد میں مشقت بھی ہے احتیاط بھی لازم ہے مگر جہاد کے فضائل بھی تو بہت ہیں یہ فضائل وفوائد مفت تو نہیں ملتے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں غازی صحابہ کو ان کی غلطی پر متنبہ فرمایا گیا تھا اب جہاد کے فضائل بتا کر فرمایا جا رہا ہے کہ جہاد ایسی اعلیٰ عبادت ہے اسے ان جیسی غلطیوں سے بچاؤ تاکہ ثواب کامل پاؤ (تفسیر کبیر)۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں بعض مجاہدین کی ایک غلطی کا ذکر تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ اگرچہ مجاہد سے غلطیاں صادر ہو جاویں مگر وہ بیٹھ رہنے والوں سے افضل واعلیٰ ہے ان غلطیوں کی وجہ سے اس کا درجہ نہیں گر جاتا عالم سے اگر غلطی ہو جاوے تب بھی وہ غیر عالم سے افضل ہے۔

شان نزول

(۱) غزوۂ بدر کے موقعہ پر بعض صحابہ کرام غزوہ میں شریک ہوئے بعض نہیں ہوئے مدینہ منورہ میں ہی بیٹھے رہے ان دونوں جماعتوں کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(۲) غزوۂ تبوک میں تمام صحابہ کرام شریک ہوئے مگر حضرت کعب ابن مالک ہلال ابن امیہ۔ مرارہ ابن لوی نہ شریک ہوئے جن پر بعد میں عتاب ہوا پھر معافی ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ اگرچہ ان تینوں بزرگوں کی معافی تو ہوگئی مگر درجہ انہی کا زیادہ ہے جو اس جہاد میں گئے مگر پہلی روایت زیادہ قوی ہے جیسا کہ تاریخ دانوں پر مخفی نہیں حتیٰ کہ بخاری شریف حضرت عبداللہ ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں یوں روایت ہے **هُمُ الْقَاعِدُوْنَ عَنْ بَدْرٍ** (روح المعانی)

روایت

حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے مجھے یہ آیت لکھوائی آپ کی ران میری ران پر تھی آپ بول رہے تھے میں لکھ رہا تھا کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر مجھ میں جہاد کی قوت ہوتی تو ضرور جہادوں میں شریک ہوتا اسی حالت میں حضور ﷺ پر وحی آئی اور آپکی ران شریف اس قدر بھاری ہوگئی کہ مجھے خوف ہوا کہ میری ران ٹوٹ جاوے گی اور یہ لفظ **غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ** نازل ہوا پہلے اس آیت میں یہ لفظ نہ تھا (بخاری، خازن وغیرہ) اس واقعہ سے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم صحابی کی شان کا پتہ لگا کہ رب تعالیٰ نے ان کی عرض ومعروض پر اپنی آیت میں ترمیم فرمادی اور حکم میں قید لگادی ہمارے حضور کی خواہش مبارک پر تو مسلمانوں کا قبلہ ہی بدل دیا اور سارے نظام اسلام میں تبدیلی فرمادی۔

تفسیر

لَايَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ **يَسْتَوِي** **اِسْتِيَاءٌ** سے بنا جس مادہ **سَوِيٌّ** ہے بمعنی برابری ویکسانیت برابری مقدار کی بھی ہوتی ہے درجہ کی بھی یہاں درجے کی برابری

مراد ہے۔جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے کیونکہ تمام صحابہ ایمان صحابیت وغیرہ میں تو برابر ہیں ہاں درجات میں مختلف ہیں جیسے تمام نبی نبوت میں یکساں مگر درجات میں مختلف رب فرماتا ہے۔تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بقرہ:۲۵۳) لَا يَسْتَوِي مضارع ہے جس میں حال واستقبال دونوں زمانوں کا احتمال ہے اور دوام کی بھی گنجائش یہاں تینوں احتمال درست ہیں یعنی نہیں برابر ہیں یا نہیں برابر ہوں گے یا نہ تو اب دنیا میں برابر ہیں نہ آخرت میں برابر ہوں گے کہ غازیوں کے درجہ دنیا۔برزخ اور قیامت و جنت میں غیر غازیوں سے بڑے ہیں اَلْقَاعِدُوْنَ سے مراد جہاد میں شرکت نہ کرنے والے ہیں بلا عذر اور یہ ذکر اس وقت کا ہے جب جہاد فرض عین نہ ہو گیا ہو یا جب کہ جہاد میں روانہ ہونے کا سرکاری حکم نہ ہوا ہو جیسے غزوۂ بدر میں تھا لیکن اگر جہاد فرض عین ہو گیا تھا تب تو بلا وجہ بیٹھ رہنے والے عتاب وسزا کے مستحق ہوں گے لہٰذا آیت واضح ہے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ میں مِنْ بیانیہ ہے جس نے قَاعِدُوْنَ کا بیان کر دیا۔خیال رہے کہ سستی سے غزوات میں شرکت نہ کرنے والے صحابہ تو قاعدون ہیں اور منافقت کی بنا پر جہاد سے جان چرانے والے منافقین مخلفون کہلاتے ہیں رب فرمایا ہے فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ (توبہ:۸۱) خلاف رسول اللہ اور جنہیں خود حضور انور ﷺ مدینہ منورہ چھوڑ جاویں وہ نہ قاعدون ہیں نہ مخلفین بلکہ وہ متروکین یا مجلسین ہیں یہاں روئے سخن۔پہلی جماعت کی طرف ہے ان حضرات کو مومنون فرما کر اشارۃً فرما گیا کہ یہ حضرات اس بیٹھ رہنے کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہو گئے پکے مومن ہی رہے کہ ان کا رشتہ غلامی حضور انور سے قائم ہے قرآن کریم نے دوسری جگہ کلمہ گویوں کو کافر و منافق فرمایا اور گنہگاروں کو مومن قرار دیا معلوم ہوا کہ ایمان کا مدار حضور سے رشتہ غلامی قائم رہنے پر ہے یا یہ بتانا مقصود ہے کہ ہم مخلصین منافقوں کا ذکر نہیں کر رہے ہیں بلکہ قاعدین مومنون کا ذکر فرما رہے ہیں۔فعل ایک ہے یعنی جہاد میں نہ جانا مگر نتیجے مختلف ہیں جیسی نیت ویسا انجام غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ ہماری قرأۃ میں غَيْرُ مرفوع ہے کہ یا تو یہ قَاعِدُوْنَ کی صفت ہے یا اس سے بدل،نافع،ابن عامر و امام کسائی کی قرأت میں غَيْرَ منصوب ہے کہ یہ قَاعِدُوْنَ سے حال ہے یا مستثنیٰ ہے اور مستثنیٰ کا اعراب جوف استثناء یعنی غَيْرُ پر آ گیا۔بعض قرأتوں میں غَيْرِ جر سے ہے الْمُؤْمِنِيْنَ کی صفت یا اس کا بدل (روح المعانی وتفسیر کبیر) لہٰذا اس عبارت کی چھ ترکیبیں اور ساتھ ہی چھ تفسیریں ہیں اُولِيْ ذُوْ کی جمع بغیر لفظہ ہے ضرر کے معنی ہیں نقصان و تکلیف نقصان خواہ اندھا پن یا لولا لنگڑا پن یا کسی اور بیماری کی وجہ سے ہو یا تیاری نہ کرنے کی بنا پر یعنی وہ بیٹھ رہنے والے غازیوں کے برابر نہیں جو ضرر والے نہ ہوں رہے مجبور و معذور وہ اپنی صدق نیت کی وجہ سے غازیوں کے برابر ہیں۔وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ یہ عبارت القَاعِدُوْنَ پر معطوف ہے۔مجاہدین سے مراد یا تو کفار سے جنگ کرنے والے ہی ہیں یا ہر قسم کے جہاد کرنے والے بعض جہاد گھر میں رہ کر بھی ہوتے ہیں خصوصاً زمانہ صحابہ کرام میں کہ جن لوگوں کو مدینہ منورہ میں چھوڑا جاتا تھا یا جو حضور کی خدمت کی وجہ سے سرایا اور جہادوں میں نہ جاتے تھے مدینہ پاک میں رہ کر حضور

کی خدمات انجام دیتے تھے وہ بھی مجاہدین ہی تھے۔ غزوہ بدر میں عثمان غنی کو اور غزوہ تبوک میں جناب علی مرتضٰی کو حضور انور نے مدینہ پاک میں چھوڑا وہ بھی مجاہدین ہی میں شمار ہوئے۔ حتیٰ کہ عثمان غنی کو بدر کی غنیمت سے حصہ دیا گیا اَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے یعنی غیر معذورین بلاوجہ جہاد سے بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں و جانوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں مجاہدین بڑی شانوں کے مالک ہیں۔ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً یہ جملہ گذشتہ جملہ لَا يَسْتَوِي کا بیان ہے اور یہاں الْقٰعِدِيْنَ سے وہ ہی بلاعذر جہاد میں نہ جانے والے حضرات مراد ہیں درجہ کی تنوین تعظیم کی ہے اور درجہ سے مراد جنس درجہ ہے نہ کہ فرد درجہ لہٰذا مجاہد بہت درجوں غیر مجاہد سے افضل ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں نہ جہاد کرنے والوں پر ایسے بڑے درجہ سے بزرگی دی ہے جو مخلوق کے وہم و گمان سے وراء ہے یہ درجہ خاص قسم کا ہے جو مجاہدوں کو غیر مجاہدوں پر حاصل ہے اور درجہ ایمان و تقویٰ نہیں کہ اس میں تو یہ دونوں برابر ہیں۔ وَ كُلًّا وَّ عَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى یہ علیحدہ جملہ ہے جس میں بتایا یہ گیا ہے کہ ان غازیوں اور غیر معذور جہاد سے رہ جانے والوں میں فرق تو ہے مگر جنتی سب ہیں كُلًّا سے مراد تمام صحابہ کرام ہیں غازی ہوں یا غیر غازی معذور ہوں یا غیر معذور كُلًّا منصوب ہے وَعَدَ کا مفعول مقدم ہے اس کے مقدم ہونے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ حُسْنٰى احسن کا مؤنث ہے بمعنی اچھی چیز اگر چہ اچھی چیز میں دین و دنیا کی ساری بھلائیاں داخل تھیں دنیا میں نیک اعمال کی توفیق مرتے وقت ایمان قائم رہنا حساب قبر میں آسانی و کامیابی قیامت میں چھٹکارا پل صراط سے بخیریت گذر جانا جنت کا داخلہ مگر عام مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں حسنیٰ سے مراد جنت ہے کہ اس میں باقی بھلائیاں خود بخود ہی آجاتی ہیں جنت میں وہ ہی جاوے گا جو دنیا میں نیک کار مرتے وقت مومن قبر میں کامیاب حشر میں نجات یافتہ وغیرہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کرام سے جنت کا وعدہ فرمالیا خواہ وہ غازی ہوں یا گھر میں بیٹھنے والے معذور ہوں یا غیر معذور صحابیت اللہ کی بڑی نعمت ہے مگر یہ وعدہ عامہ صرف صحابہ سے ہے۔ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا یہ جملہ ان جنتیوں میں فرق مراتب بیان فرمانے کے لئے ارشاد ہوا۔ جن کا ذکر ابھی گذرا یہاں قاعدین سے مراد معذور صحابہ ہیں جو عذر کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو سکے تھے لہٰذا یہ جملہ مکرر نہیں فَضَّلَ تفضیل سے بنا بمعنی بزرگی و فضیلت دینا باب تفعیل مبالغہ کیلئے ہے یعنی بہت بزرگی دی مجاہدین سے مراد وہ ہی صحابہ مجاہدین ہیں جو غزوہ بدر یا غزوہ تبوک میں شامل ہوئے جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اَجْرًا عَظِيْمًا۔ يُؤْتُوْنَ فعل پوشیدہ کا مفعول بہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان مجاہدین کو غیر مجاہدین پر بہت زیادہ فضیلت بخشی کہ انہیں قاعدین سے کہیں زیادہ ثواب دیا جاوے گا جو تمہارے وہم و گمان میں نہیں آسکتا کیونکہ ان معذورین کے پاس اخلاص، اچھی نیت ارادہ تو ہے مگر جہاد کا عمل نہیں اور مجاہدین کے پاس اخلاص وغیرہ کے ساتھ جہاد کے اعمال مصیبتیں جھیلنا زخم کھانا بھوک پیاس برداشت کرنا وغیرہ نیک اعمال بھی ہیں

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً درجات اجر عظیم کا بدل یا صفت ہے مِنْهُ کی ضمیر حق تعالیٰ کی طرف ہے مغفرت سے مراد خطاؤں، گناہوں کی معافی ہے اور رحمت سے مراد اعمال کے اجر سے زیادہ رب تعالیٰ کے عطیے ہیں یہ درجات ستر (۷۰) یا سو (۱۰۰) ہیں ہر دو درجوں کے درمیان وہ فاصلہ ہے جو آسمان و زمین کے درمیان ہے جیسا کہ احادیث شریفہ میں وارد ہے چونکہ بعض غازی شہید بھی ہو جاتے ہیں اور شہادت کو نبوت سے بہت ہی قرب ہے کہ نبی کی نیند وضو نہیں توڑتی اور شہید کی موت غسل نہیں توڑتی اور نبی کے فضلات امت کے لئے پاک ہیں اور شہید کا خون پاک ہے اس لئے یہاں وہ ہی لفظ درجات ارشاد ہوا جو نبوت کے لئے ارشاد ہوا ہے وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (بقرہ: ۲۵۳)۔ خیال رہے کہ درجات کی جمع کثرت بتا رہی ہے اور تنوین عظمت ظاہر کر رہی ہے یعنی بہت سے اور بڑے بڑے درجے یعنی غازیوں کو غیر غازیوں پر بہت درجوں بلند کیا جاوے گا رب تعالیٰ ان کے سارے گناہ خطائیں بخش دے گا اور انہیں ان کے اعمال صالحہ سے زیادہ عطیہ خسروانہ کے طور پر ایسی رحمتیں عطا فرمائے گا جو تمہارے وہم و خیال میں نہ آسکیں۔ خیال رہے کہ یہاں مغفرت سے مراد وہ بخشش ہے جو غیر مجاہدین کو تمام نیکیوں کے ذریعہ میسر نہ ہو سکے وہ غازیوں کو جہاد کی برکت سے نصیب ہوگی (روح المعانی) وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا یہ عبارت گذشتہ مضمون کی تاکید کرتی ہے چونکہ ابھی مغفرت رحمت کا ہی ذکر ہوا۔ اس لئے یہاں رب تعالیٰ کی صفت غفاری و رحمت کا بیان ہوا یعنی اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے جب ایسا غفور رحیم مغفرت و رحمت کا وعدہ فرما رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ مغفرت و رحمت کس درجہ کی ہوگی فعل کی بڑائی فاعل کی عظمت سے معلوم ہوتی ہے۔

خلاصہ تفسیر

اے محبوب ﷺ کے صحابیو یا اے مسلمانو تم جہاد کے متعلق گذشتہ پابندیوں کو سن کر جہاد چھوڑ نہ بیٹھنا خیال رکھو کہ جہاد اللہ کی بڑی نعمت ہے خیال رکھو کہ جو لوگ معذور نہ ہوں اور جہاد سے بیٹھ رہیں وہ اور اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرنے والے کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ خواہ یہ غیر مجاہدین کتنے ہی نیک اعمال کریں مگر غازیوں کے درجوں کو نہیں پہنچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے مال و جان سے راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کو بلا وجہ جہاد نہ کرنے والوں پر بہت ہی فضیلت دی ان کا درجہ بہت ہی اونچا فرمایا جہاں تک یہ غیر مجاہدین کسی عمل سے نہیں پہنچ سکتے ہاں یہ بات ضروری ہے کہ رب تعالیٰ نے سارے صحابہ سے جنت کا وعدہ فرما لیا غازی ہوں یا غیر غازی ان میں دوزخی کوئی نہیں سب جنتی ہیں پھر یہ بھی خیال رکھو کہ معذور غیر مجاہد جو عذر کی وجہ سے جہاد نہ کر سکیں وہ اگرچہ اپنے اخلاص نیک نیتی نیک ارادوں کی وجہ سے غازیوں کی برابر تو ہو گئے اور وہ بھی حکماً غازی مانے گئے انہیں غازیوں جیسا ثواب دیا گیا مگر پھر بھی غازیوں کے درجے ان سے بھی اونچے ہیں کہ ان کے پاس صرف نیت و ارادہ ہے اور غازیوں کے پاس نیت و ارادہ کے ساتھ ساتھ جہاد کا عمل بھی ہے اس زیادتی کی وجہ سے ان کے درجہ بھی زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان غازیوں کو بہت اجر بہت درجے خاص مغفرت مخصوص رحمت عطا فرما کر ان کو غیر مجاہدین سے

بہت اونچا کر دیا کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے۔ ایسی شان والا غفور رحیم جس سے مغفرت و رحمت کا وعدہ فرمالے تو سوچ لو کہ وہ مغفرت و رحمت کیسی ہوگی اور یہ رحمت و مغفرت والے کس شان کے مالک ہوں گے۔ مسلم شریف نے حضرت جابر سے روایت کی کہ ہم ایک جہاد میں حضور کے ساتھ تھے فرمایا مدینہ منورہ میں بعض وہ لوگ ہیں جو مدینہ میں رہتے ہوئے تمہارے ساتھ ہیں وہ ہیں جنہیں مرض نے روک لیا ہے۔ بخاری شریف نے حضرت انس سے روایت کی فرماتے ہیں میں غزوہ تبوک میں حضور ﷺ کے ہمراہ تھا فرمایا کہ معذور لوگ مدینہ میں رہ گئے ہیں۔ ہم جس جنگل و پہاڑی میں گئے وہ ہمارے ساتھ ہی تھے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں عذر نے روک لیا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں۔ اسلام کا اور درجہ ہے ہجرت کا دوسرا درجہ جہاد کا اور درجہ حضرت ابن زاہد فرماتے ہیں کہ مومن کے سات درجے ہیں، جن میں یہ لوگ متفاوت رہتے ہیں ابن محیریز فرماتے ہیں کہ مجاہد و غیر مجاہد کے درمیان ستر درجوں کا فاصلہ ہے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ تیز گھوڑا ستر سال میں طے نہ کر سکے (تفسیر خازن وغیرہ)

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جہاد مال کا بھی ہے جان کا بھی زبان کا بھی قلم کا بھی ان میں سے ہر ایک کے علیحدہ درجے ہیں جیسا کہ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ سے معلوم ہوا۔ جیسا موقعہ ہو ویسا ہی جہاد ہے۔ **دوسرا فائدہ**: غیر مجاہد مسلمان کتنی ہی نیکیاں کرے مجاہد مسلمان کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جیسا کہ لَا يَسْتَوِي سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: معذور مسلمان جو کسی مجبوری کی وجہ سے جہاد نہ کر سکے اور اس کا دل جہاد کیلئے بیقرار ہو وہ کل انشاء اللہ مجاہدوں کے ساتھ اٹھے گا جیسا کہ غیر اُولِي الضَّرَرِ سے معلوم ہوا۔ یہ ہی حال ہر نیکی کا ہے خیرات کرنے والا امیر و تمنا خیرات رکھنے والا فقیر انشاء اللہ محشر میں ساتھ ہوں گے۔ **چوتھا فائدہ**: اس برابری کے باوجود پھر بھی مجاہد کا درجہ غیر مجاہد سے اونچا ہی ہوگا کہ اس کے پاس اخلاص نیت ارادہ بھی ہے عمل جہاد بھی اور معذور کے پاس عمل نہیں جیسا کہ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: سارے صحابہ عادل ہیں ان میں کوئی فاسق نہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے سب سے جنت کا وعدہ فرمالیا۔ فاسق سے جنت کا وعدہ نہیں ہوتا جو تاریخ ان حضرات میں سے کسی کا فسق ثابت کرے وہ جھوٹی ہے۔ قرآن مجید سچا ہے جیسا کہ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: کوئی غیر صحابی مسلمان کتنا ہی بڑا عالم عامل ہو۔ صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ ان بزرگوں سے وعدہ جنت ہو چکا ہم سے نہیں ہوا یہ بھی كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الخ سے معلوم۔ **ساتواں فائدہ**: صحابہ کرام کے سواء کسی سے خصوصی طور پر جنت کا وعدہ نہیں ہوا یہاں وعدہ اور اوصاف کی بنا پر ہے وہاں وعدہ انکی ذات سے ہو چکا ہے جیسا کہ كُلًّا کو وَعَدَ اللّٰهُ پر مقدم فرمانے سے معلوم ہوا۔ صحابیت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ **آٹھواں فائدہ**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رب تعالیٰ کو ایسے محبوب و پیارے ہیں کہ ان کے عرض و معروضات پر رب تعالیٰ قرآنی احکام میں ترمیم فرما دیتا ہے۔ دیکھو حضرت عبداللہ

ابن ام مکتوم کی عرض پر یہاں غَیۡرُ اُوۡلِی الضَّرَرِ کا اضافہ فرما کر حکم قرآنی میں ترمیم فرمادی۔ جیسا کہ اس کے شان نزول اور تفسیر سے معلوم ہوا۔ حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق بہت سے احکام قرآنی آئے ان کے برکت سے روزوں کی راتوں میں بیویوں سے صحبت درست ہوئی اور کیوں نہ ہو کہ یہ حضرات اس نازنین محبوب ﷺ کے خدام ہیں جن کی رضا کے لئے کعبہ کو قبلہ بنایا گیا۔ جن کی محبوبہ زوجہ عائشہ صدیقہ کے عصمت کی گواہی خود رب تعالیٰ نے دی جن کے خدام کی مقربیت کا یہ حال ہے تو خود محبوب ﷺ کن منزلوں کن درجوں کے مالک ہوں گے۔ ﷺ۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: غَیۡرُ اُوۡلِی الضَّرَرِ بقاعدہ نحوی نکرہ ہے کیونکہ غیر معرفہ کی طرف مضاف ہو کر بھی نکرہ رہتا ہے تو یہ اَلۡقَاعِدُوۡنَ معرفہ کی صفت کیسے ہو گیا معرفہ کی صفت معرفہ چاہئے۔ **جواب**: غَیۡرُ اُوۡلِی الضَّرَرِ اَلۡقَاعِدُوۡنَ کا بدل ہے اور نکرہ معرفہ کا بدل ہو سکتا ہے رب فرماتا ہے۔ بِالنَّاصِیَةِ نَاصِیَةٍ کَاذِبَةٍ (العلق:۱۶) اگر صفت ہو جب بھی درست ہے کیونکہ اَلۡقَاعِدُوۡنَ میں الف لام عہد ذہنی ہے اور الف لام عہد ذہنی معرفہ نہیں کرتا لہٰذا اَلۡقَاعِدُوۡنَ بھی نکرہ ہے اور غَیۡرُ اُوۡلِی الضَّرَرِ بھی نکرہ۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں دو جگہ ارشاد ہوا۔ فَضَّلَ اللّٰہُ الۡمُجَاهِدِیۡنَ الخ دو جگہ ایک مضمون لانے کی کیا ضرورت تھی ایک ہی جگہ کافی تھا۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گذر گیا کہ پہلی جگہ اَلۡقَاعِدُوۡنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو بلا عذر جہاد سے بیٹھ رہیں اور دوسری جگہ اَلۡقَاعِدُوۡنَ سے مراد وہ حضرات ہیں جو عذر و مجبوری کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کر سکیں لہٰذا یہ مضمون مکرر نہیں۔

تیسرا اعتراض: یہاں پہلی جگہ ارشاد ہوا عَلَی الۡقَاعِدُوۡنَ دَرَجَةً دوسری جگہ ارشاد ہوا دَرَجَاتٍ مِّنۡهُ بیان میں یہ اختلاف کیوں ہے۔ **جواب**: پہلی جگہ درجہ سے مراد جنس درجہ ہے جنس میں درجہ کے بہت انواع و افراد داخل ہیں۔ دوسری جگہ درجات سے مراد درجے کے افراد ہیں وحدت جنسی ہے اور کثرت فردی لہٰذا ان دونوں میں فرق نہیں یا کہو کہ مجاہدین کو غیر معذور لوگوں پر بہت درجہ بندگی حاصل ہے اور معذورین پر ایک درجہ عظمت ہے۔ اس صورت میں ترتیب ہو گی کہ پہلے قاعدین سے مراد معذورین ہوں گے اور دوسرے قاعدین سے مراد غیر معذور لوگ جو جہاد میں شرکت نہ کریں یا یہ کہو کہ پہلی جگہ دنیاوی فضیلت مراد ہے اور دوسری جگہ اُخروی فضیلت مراد یعنی مجاہدین کو غیر مجاہدین پر دنیا میں تو ایک بزرگی ہے مگر آخرت میں بہت سی بزرگیاں خصوصی مغفرت و رحمت وغیرہ یا یہ کہو کہ پہلی جگہ مجاہدین سے مراد کفار کے مقابل تلوار سے جہاد کرنے والے ہیں انہیں بیٹھ رہنے والوں پر ایک درجہ فضیلت ہے یعنی غنیمت یا شہادت اور دوسری جگہ مجاہدین سے مراد شیطان و نفس امارہ سے جہاد کرنے والے ہیں ان مجاہدوں کو غیر مجاہدوں پر بہت درجہ فضیلت حاصل ہے اس لئے اس جہاد کو جہاد اکبر فرمایا گیا ہے کفار سے جہاد آسان ہے اور کبھی کبھی ہوتا ہے مگر نفس نا ہنجار سے جہاد بہت مشکل ہے اور ہر وقت ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ غازی صحابہ حضور کے بغیر

جہاد کرتے تھے ان کو قاعدین پر ایک درجہ فوقیت تھی اور جو حضور کے ساتھ جہاد میں شرکت کرتے تھے ان کو صدہا درجہ قاعدین پر فوقیت ہوتی تھی حضور کے ساتھ کی عبادات علیٰحدہ عبادات سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ جب مدینہ پاک مسجد نبوی کی ایک نیکی کا پچاس ہزار گنا ثواب ہے۔ صرف حضور انور کی قبر اطہر کے قرب کی وجہ سے تو جو سجدے حضور انور کے ساتھ ادا ہوئے ان کی عظمتوں کا کیا پوچھنا اچھوں کی ہمراہی کا ثواب تمام ثوابوں سے زیادہ ہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی شیر خدا جناب صدیق اکبر و عمر فاروق سے افضل ہیں کیونکہ یہاں ارشاد ہوا کہ مجاہد غیر مجاہد سے اعلیٰ ہے اور حضرت علی نے بمقابلہ صدیق اکبر جہاد زیادہ کئے ہیں تو وہ حضرت صدیق سے افضل ہوئے (شیعہ)۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ پھر تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے بھی افضل ہونے چاہئیں کہ علی مرتضیٰ نے حضور ﷺ سے زیادہ جہاد کئے کہ حضور کے ساتھ بھی جہادوں میں جاتے تھے اور بہت دفعہ حضور آپ کو جہاد میں بھیج دیتے تھے خود نہ جاتے تھے۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق ان جہادوں میں ضرور شریک ہوئے جن میں حضور تشریف لے گئے۔ جن میں حضور تشریف نہ لے گئے ان میں خود حضور نے جناب صدیق کو اپنی صحبت و خدمت میں رکھا۔ یہ صحبت و خدمت ان کے لئے جہاد کی شرکت سے کہیں افضل تھی۔ اس آیت میں ان قاعدین کا ذکر ہے جو سستی کی بنا پر جہاد میں نہ جائیں افضلیت تو حضور کی رضا جوئی سے ملتی ہے حضرت علی مرتضیٰ غزوہ تبوک کے موقعہ پر مدینہ منورہ رکھے گئے دوسرے حضرات غزوہ میں گئے اس سے علی مرتضیٰ کی فضیلت میں کوئی فرق نہ آیا کہ آپ مدینہ پاک میں رہ کر جہاد میں شریک رہے حضور چاہیں تو گھر کو میدان جہاد بنا دیں چاہیں تو میدان جہاد کو گھر کر دیں ساری بہار ان کی رضا کی ہے۔ تیسرے یہ کہ خلافت صدیقی و فاروقی کے زمانہ میں بہت جہاد ہوئے اور علی مرتضےٰ کے زمانہ میں کفار سے کوئی جہاد نہ ہوا جیسا کہ تاریخ دان حضرات پر ظاہر ہے لہٰذا پھر بھی وہ دونوں حضرات افضل رہے۔ چوتھے یہ کہ حضرت صدیق اکبر مدینہ پاک میں رہ کر بھی مجاہد رہتے تھے تبلیغ دین کی خدمات برابر کرتے رہتے تھے آپ کی تبلیغ سے حضرت عثمان، طلحہ، زبیر، سعد ابن ابی وقاص، عثمان ابن مظعون جیسے شاندار اصحاب ایمان لائے یہ تمام حضرات حضرت صدیق اکبر کے مسلمان بنائے ہوئے ہیں۔ خیال رہے کہ عشرہ مبشرہ جو قطعی جنتی ہیں وہ کل دس ہیں۔

ده یار بہشتی اند قطعی بوبکر و عمر علی و عثمان

سعد است و سعید بوعبیده طلحہ زبیر عبدالرحمٰن

اس مبارک جماعت کے اکثر و بیشتر حضرات ابوبکر صدیق کی کوشش سے اسلام لائے ہیں۔

وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

اے ابوبکر تیرے نعلین کی خاک پر ہماری جانیں قربان ہم سیاہ گنہگاروں کو بھی اپنے دامن میں لے لے۔

تو ہے آزاد سقر سے ترے بندے آزاد ہے یہ سالک بھی ترا بندۂ بے زر صدیق

نوٹ: یہ سوال اس کے یہ جوابات اسی مقام پر تفسیر کبیر نے ذکر فرمائے اور یہاں بہت نفیس تقریر فرمائی رحمۃ اللہ علیٰ مصنفہٖ۔

پانچواں اعتراض: قرآن کریم میں یہاں ارشاد ہوا۔ اَلْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ یعنی مال کا ذکر جان کے ذکر سے پہلے ہوا۔ مگر دوسرے مقام پر ارشاد ہوا اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (توبہ:۱۱۱) کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جان و مال جنت کے عوض خرید لیں وہاں جان کا ذکر مال سے پہلے ہوا اس کی فرق کی کیا وجہ ہے؟ **جواب**: وہاں اس آیت میں رب تعالیٰ کی خریداری کا ذکر ہے اور خریدار ہمیشہ اعلیٰ چیز پہلے لینا چاہتا ہے۔ ادنیٰ چیز اس کے تابع کر کے لیتا ہے اس لئے وہاں اعلیٰ چیز یعنی نفس مومن کا ذکر پہلے تھا مال مومن کا ذکر بعد میں ہوا یہاں تاجرین یعنی مجاہدین کا ذکر ہے جو رب کے ہاتھ اپنے سودے بیچ رہے ہیں اور ہمیشہ تاجر اپنی معمولی چیز پہلے فروخت کرتا ہے۔ اعلیٰ چیز بعد میں وہ کہتا ہے کہ اعلیٰ چیز تو نکل ہی جاوے گی پہلے ادنیٰ کو نکالو اس لئے یہاں اموال کا ذکر پہلے ہے جو ادنیٰ ہے اور نفس مومن کا ذکر بعد میں جو اعلیٰ ہے دونوں جگہ پر یہ ترتیب نہایت ہی موزوں و مناسب ہے (تفسیر کبیر)۔

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کو نبوت میں اور حضرات اولیاء اللہ کو ولایت میں برابری دی مگر ان کے درجات مختلف رکھے بعض غنی ہیں، بعض اغنیٰ بعض کبیر ہیں بعض اکبر تارے سارے نورانی ہیں مگر چاند زیادہ نورانی پھر سورج سب سے زیادہ نورانی کہ اس کے طلوع ہوتے ہی تمام تارے و چاند چھپ جاتے ہیں۔ یوں ہی جنت مشترک جگہ ہے جہاں واصلین، بالغین، طالبین، منقطعین، معذورین، عام مومنین وقاعدین وغیرھم سب ہی ہوں گے مگر واصلین اور مقام پر ہیں اور قاعدین دوسرے مقام پر ہوں گے۔ یہ حضرات برابر نہیں۔ مولانا جامی فرماتے ہیں۔

اے کمند بدن چو طفل صغیر ماند در دست خواب غفلت اسیر
پیش ازاں کت اجل کند بیدار گر نمردی ز خواب سر بردار
انما السائرون کل رواح یحمدون سریٰ لدی الاصباح

اس میدان میں سبقت ہم سے ہے نہ کہ قدم سے اس جماعت میں داخل ہو جاؤ مجاہدین بنو یا قاعدین انشاء اللہ بخشے جاؤ گے رب نے وعدہ فرمایا کُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى زندگی کی دو بڑی نعمتیں ہیں صحت و فراغت جو لوگ دنیا کے جھگڑوں میں پھنسے ہوئے ہیں وہ صوفیاء کی اصطلاح میں اُولِی الضَّرَرِ یعنی بیمار ہیں اور جو دنیا سے فارغ ہیں وہ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ ہیں جسے اللہ تعالیٰ صحت بھی دے فراغت بھی پھر وہ مجاہدہ نہ کرے تو وہ بڑے خسارہ میں ہے۔

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد میں جان و مال کا ذکر تو فرمایا مگر دل کا ذکر نہ کیا یہ نہ فرمایا کہ دلوں سے جہاد کرنے والے۔ اس کی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ جہاد جان و مال سے ہوتا مگر دل کے لئے ہوتا ہے چوروں کا ہتھیاروں سے مقابلہ کرتے ہیں۔ دولت بچانے کیلئے لہٰذا دل بچانے کے لئے جان و مال سے جہاد چاہئے۔ دوسرے یہ کہ اپنی چیز خرچ کی جاتی ہے نہ کہ دوسرے کی امانت رب تعالیٰ نے ہم کو اپنے جان و مال کا مالک کر دیا لہٰذا وہ جہاد میں خرچ کئے جاویں مگر ہمارے دل رب کی تجلی گاہ ہیں۔ اس کی امانت ہیں ہم اسے نہ جہاد میں خرچ کر سکیں نہ کسی اور کو اس میں بسا سکیں یہ کاشانہ یار ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ہم سے جنت کے عوض ہمارے جان و مال خریدے مگر دل نہ خریدا کیونکہ وہ تو ہے ہی اس کا ہمارا ہے ہی نہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ
بے شک وہ لوگ کہ موت دی انہیں فرشتوں نے ظلم کرتے ہوئے جانوں پر اپنی بولے فرشتے
وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے ان سے فرشتے
كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ
کس میں تھے تم وہ بولے تھے ہم کمزور کئے ہوئے زمین میں بولے فرشتے کیا نہ تھی
کہتے ہیں تم کاہے میں تھے کہتے ہیں ہم زمین میں کمزور تھے کہتے ہیں کیا اللہ کی
تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ
اللہ کی زمین فراخ تا کہ ہجرت کر جاتے تم اس میں یہ ہی
زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے تو ایسوں کا
مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ
لوگ ہیں کہ ٹھکانہ ان کا دوزخ ہے اور برا ہے وہ ٹھکانہ سوا ان کے جو کمزور کر دیئے گئے
ٹھکانہ جہنم ہے اور بہت بری جگہ پلٹنے کی مگر وہ جو دبالئے گئے
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً
مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو کہ طاقت نہیں رکھتے کسی تدبیر
مرد اور عورتیں اور بچے جنہیں نہ کوئی تدبیر بن پڑے

وَّلَا یَھْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِکَ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّعْفُوَ
کی اور نہ ہدایت پائیں راستہ کی پس یہ ہی لوگ ہیں کہ قریب ہے کہ معاف کر
نہ راستہ جانیں تو قریب ہے ایسوں کو اللہ معاف
عَنْھُمْ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾
دے اللہ انہیں اور ہے اللہ معاف فرمانے والا بخشنہار
فرمائے اور اللہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں جہاد کی تاکید فرمائی گئی تھی۔ اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی تاکید فرمائی جا رہی ہے ہجرت جہاد کے لئے ایسی ضروری ہے جیسے وضو نماز کے لئے کفار کے ملک میں رہ کر مسلمان کبھی جہاد نہیں کر سکتے پہلے مہاجر بنیں پھر مجاہد جیسا کہ صحابہ کرام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات مدینہ منورہ میں پہنچ کر مجاہد بنے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ان کے فضائل کا ذکر تھا جو جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اب اس آیت میں ان لوگوں کی برائی کا تذکرہ ہے جو جہاد سے بیٹھ رہیں اور کفار کے ملک میں دب کر رہنے سہنے پر راضی ہو جاویں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ مجاہدین کے گناہ خطائیں قصور جہاد کی برکت سے معاف ہو جاتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ جو کوئی قادر ہوتے ہوئے ہجرت نہ کرے اس کی نیکیاں ضبط ہو جاتی ہیں۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ تمناء جہاد بھی بڑی نیکی ہے کہ جو مجبور و معذور مسلمان جہاد کی آرزو کرے اللہ اس پر بھی فضل فرماتا ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ جہاد نہ کرنا اس کی آرزو بھی نہ رکھنا کفار کے ملک میں دب کر رہنے پر راضی رہنا رب تعالیٰ کا عذاب ہے تاکہ مسلمان پہلی نیکی کریں اور اس دوسرے گناہ سے بچیں۔

شان نزول

اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روایات ہیں (۱) طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ کچھ لوگ مکہ معظمہ میں مسلمان ہو گئے تھے جب حضور ﷺ اور دیگر مہاجرین نے ہجرت کی تو انہوں نے وطن و گھر بار کی محبت میں ہجرت نہ کی ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(۲) ابن جریر نے حضرت ضحاک سے روایت کی کہ بعض لوگ مکہ معظمہ میں ایمان لائے مگر مدینہ پاک ہجرت کر کے نہ آئے۔ جنگ بدر میں کفار مکہ کے ساتھ مسلمانوں کے مقابل آگئے اور مسلمانوں کے ہاتھ مارے گئے یہ منافقین کی ہی ایک قسم تھی ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی

(۳) حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ قیس ابن فاکھہ ابن مغیرہ حارث ابن زمعہ ابن اسود، قیس ابن ولید ابن

مغیرہ اور ابو العاص ابن منبہ ابن حجاج اور علی ابن اُمیہ ابن خلف وغیرھم کے متعلق نازل ہوئی جو مکہ معظمہ میں ایمان لے آئے تھے پھر حضور علیہ السلام کی ہجرت فرمانے کے بعد مرتد ہو گئے اور کفار مکہ کے ساتھ جنگ بدر میں مسلمان کے مقابل آئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے (تفسیر روح المعانی وتفسیر کبیر وروح البیان وجلالین وغیرہ) خیال رہے کہ اوّلاً اسلام میں ہجرت فرض تھی جو کوئی بغیر وجہ ہجرت نہ کرتا وہ سخت گنہگار ہوتا تھا بلکہ اس کا اسلام بھی ناقابل قبول تھا فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا (روح البیان) حضور نے فتح مکہ کے دن اعلان فرمادیا کہ **لاھجرۃ بعد الیوم** اب اس کے بعد ہجرت نہیں یعنی مکہ معظمہ سے مدینہ پاک کی طرف ہجرت نہیں۔ اب بھی اگر خدا نہ کرے کہیں ایسے حالات پیدا ہو جائیں جو فتح مکہ سے پہلے مکہ معظمہ کے تھے تو اب بھی بشرط قدرت ہجرت فرض ہے۔

تفسیر **اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ** چونکہ اس آیت کا مضمون یعنی ہجرت نہایت اہم تھا اس کی اہمیت ظاہر فرمانے کے لئے اسے اِنَّ سے شروع فرمایا گیا کیونکہ بوقت ضرورت ہجرت ایسی ہی لازم ہوتی ہے جیسے نماز و روزہ اس لئے کہ کفار کے ملک میں رہ کر مسلمان کوئی دینی کام آزادی سے نہیں کر سکتے اور فرض کا موقوف علیہ بھی فرض ہوتا ہے جیسے نماز کا موقوف علیہ وضو بھی فرض ہے یا یہاں ایک وہم دور فرمانے کے لئے اِنَّ ارشاد ہوا۔ شائد کوئی کہتا کہ مکہ معظمہ ہمیشہ سے متبرک مقام ہے نیز یہاں کعبہ، زمزم، مقام ابراہیم وغیرہ ہیں لہٰذا یہاں سے ہجرت نہ کرنی چاہئے فرمایا گیا اِنَّ بےشک یہاں سے ہجرت نہ کرنے والے ظالم ہیں کیونکہ ڈھانچہ مکہ معظمہ میں ہے روح یعنی حضور انور مدینہ پاک میں یا برات یہاں ہے۔ دولھا مدینہ منورہ میں **اَلَّذِیْنَ** سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکہ معظمہ میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے تھے پھر بلا عذر ہجرت نہ کر کے مجرم ہو گئے۔ خواہ مرتد ہو گئے یا منافق یا جنگِ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے غرضیکہ یہاں روئے سخن کفار کی طرف نہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے **تَوَفّٰا** یا تو ماضی مطلق باب **تفعل** کا ہے یا مضارع ہے کہ اس کی پہلی ت تخفیف کیلئے اڑا دی گئی اصل میں **تَتَوَفّٰا** تھا ہمارا ترجمہ اس کو ماضی مان کر ہے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ترجمہ اسے مضارع مان کر ہے یہ **توفی** سے بنا بمعنی وفات یا موت دینا قرآن کریم میں وفات تین معنی میں استعمال ہوا ہے موت جیسے یہاں ہے نیند رب فرماتا ہے **یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ** (انعام: ۶۰) اور پورا کرنا یا پورا لینا رب فرماتا ہے **وَاِبْرٰھِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰٓی** (نجم: ۳۷) اور فرماتا ہے **یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ** (آل عمران: ۵۵) اس آیت میں بمعنی موت ہے **ھُمْ** کا مرجع **اَلَّذِیْنَ** ہے اور **مَلٰٓئِکَۃُ** سے مراد یا تو حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں کہ وہ اگرچہ اکیلے ہیں مگر ان کا احترام بہت ہے ان کا احترام عظمت دکھانے کے لئے جمع کا لفظ ارشاد ہوا یا اس سے مراد حضرت عزرائیل بھی ہیں اور ان کے معاون و مددگار فرشتے بھی جو جان نکالتے وقت ان کے ساتھ تشریف لاتے ہیں (کبیر، خازن)۔ خیال رہے کہ یہ معاون و مددگار فرشتے کل چھ ہیں جو ہر شخص کی قبض روح کے وقت ملک الموت علیہ السلام کے ساتھ جاتے ہیں۔ مومن کی روح ایک قسم کے تین فرشتے ساتھ میں قبض کرتے ہیں یا قبض کرنے کے بعد لے لیتے ہیں اور کافر کی روح دوسری قسم کے

تین فرشتے قبض کرتے ہیں (روح المعانی وخازن وغیرہ) جمہور مفسرین کا قول یہ ہی ہے کہ یہاں ملائکہ سے مراد صرف حضرت عزرائیل ہیں (روح المعانی) قرآن کریم میں موت دینے کو کہیں رب تعالیٰ کے طرف نسبت کیا گیا جیسے اَللّٰہُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا (الزمر:۴۲) اور کہیں فرشتوں کی طرف جیسے یہاں کیونکہ محبوب بندوں کا کام رب کا کام ہے اور رب کا کام بندوں کا کام ہے لہٰذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور نے ہم کو ایمان عرفان دیا ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَالُوْا فِیْمَ یہ عبارت تَوَفّٰھُمْ کی ضمیر ھُمْ سے حال ہے چونکہ ظَالِمِیْ کی اضافت اَنْفُسْ کی طرف بقاعدہ نحوی اضافت لفظی ہے اس لئے یہ نکرہ ہے اور نکرہ حال ہوسکتا ہے ظلم سے مراد یا تو کفر ونفاق ہے جیسا کہ شان نزول نمبر۲ ونمبر۳ سے معلوم ہوا یا گناہ ہے یعنی ہجرت نہ کرنا جیسا کہ شان نزول نمبر۱ سے معلوم ہوا قرآن کریم میں کفر وشرک کو بھی ظلم فرمایا گیا ہے اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان:۱۳) اور گناہ کو بھی جیسے فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ (فاطر:۳۲) اَنْفُسْ نفس کی جمع ہے بمعنی ذات یا جان ھُمْ کا مرجع وہ ہی اَلَّذِیْنَ ہے جو پہلے مذکور ہوا یعنی وہ کلمہ گو مکہ کے باشندے جو باوجود قدرت کے مہاجر نہ بنے جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مرتد یا منافق ہو کر مارے گئے یا جو مکہ معظمہ میں تارک ہجرت ہوتے ہوئے مرے جب فرشتوں نے ان کی جان قبض کی اس حال میں کہ وہ اپنے نفس پر ظالم تھے مرتد یا منافق تھے یا سخت گنہگار تھے قَالُوْا فِیْمَ کُنْتُمْ یہ عبارت یا تو اِنَّ کی خبر ہے یا اس کی خبر فَاُولٰٓئِکَ ہے یہ جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں لایا گیا قَالُوْا کا فاعل وہ جان نکالنے والے فرشتے ہیں فِیْمَا میں ما سے مراد حالت ہے یا جماعت یعنی ان فرشتوں نے ان مرنے والوں سے پوچھا کہ تم کس حال میں تھے یا کس جماعت میں تھے تم کفار کے ساتھ کیوں رہے یا جنگ بدر میں مسلمانوں کے مقابل کیوں آئے۔ قَالُوْا کُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ۔ یہ عبارت فرشتوں کے سوال مذکورہ کا جواب ہے جس میں معذرت بھی ہے اور اس مجبوری کا اظہار بھی جس کی وجہ سے انہوں نے ہجرت نہ کی یا وہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے مقابل آئے کُنَّا میں اپنی زندگی کے زمانہ کا ذکر ہے۔ مُسْتَضْعَفِیْنَ باب استفعال کا اسم مفعول ہے یہاں استفعال مبالغہ کے لئے ہے اس کے معنی ہیں بہت ہی کمزور ومجبور اَلْاَرْضِ سے مراد زمین مکہ معظمہ ہے یعنی ہم نہ تو مکہ معظمہ میں رہ کر اپنے دین کے ارکان ادا کرسکے نہ وہاں سے ہجرت ہی کرسکے یا بہت ہی کمزور جس کمزوری کی وجہ سے وہ مجبوراً جنگ بدر میں مسلمانوں کے مقابل لائے گئے ورنہ وہ یہاں آنے پر تیار نہ تھے قَالُوْٓا اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُھَاجِرُوْا فِیْھَا یہ فرشتوں کا تردیدی جواب ہے یہ گفتگو ان ہی فرشتوں کی ہے جو جان نکالنے آئے ہوں اَلَمْ میں استفہام انکاری وتوبیخی ہے اَرْضُ اللّٰہِ میں زمین کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف خلقت اور ملکیت کی ہے نہ کہ رہنے بسنے کی اس سے مراد یا حبشہ کی زمین ہے یا تمام وہ زمین جہاں رہ کر آزادی سے اسلام پر قائم رہا جاسکے یا اَرْضُ اللّٰہِ سے مراد خطۂ مدینہ ہے کہ اگرچہ ساری زمین اللہ کی مخلوق ہے مگر جہاں اللہ کے محبوب رہتے بستے ہیں وہ اللہ کے ملنے اللہ کی رحمت کی زمین ہے جس محل میں بادشاہ کے زن وفرزند بسیں وہ بادشاہ کا گھر ہے کہ بادشاہ وہاں ہی رہتا ہے وہاں ہی ملتا ہے اگرچہ نوکروں

چاکروں کے کو اثر بھی بادشاہ ہی کی ملک ہیں لہٰذا یہاں اَرْضُ اللّٰہِ سے مراد مدینہ منورہ ہے کہ یہاں اللہ کی رضا و رحمت ہے واسعۃ وسعۃ سے بنا بمعنی فراخی و گنجائش یعنی تمہارا یہ عذر نا قابل توجہ ہے کیا اللہ کی مملوکہ مقبوضہ زمین گنجائش والی فراخ نہ تھی جہاں تم ہجرت کر کے چلے جاتے اور وہاں آزادی سے اللہ کی عبادت کرتے ضرور گنجائش تھی تم نے محض وطن گھر بار مال اولاد کی محبت میں ہجرت نہ کی یا یہ معنی ہیں کہ کیا اللہ کی زمین یعنی مدینہ منورہ وسیع نہ تھی جو باوجود چھوٹی بستی ہونے کے لاکھوں مہاجرین حجاج اور ہم جیسے گنہگاروں کو سنبھال لیتی ہے کہ وہاں کوئی بے گھر بے زر بے زور بے سہارا نہیں رہتا ہے۔

مدینہ کے خطے خدا تجھ کو رکھے! غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

نیز زمین مدینہ میں خوبی ہے کہ وہ سب کو فیض دے دیتی ہے کسی کی برائی سے متاثر نہیں ہوتی جیسے سمندر ناپاکوں کو پاک تو کر دیتا ہے مگر خود ناپاک ہوتا ہے نہ گدلا یا دھوپ کہ ناپاک زمین کو پاک تو کر دیتی ہے مگر خود ناپاک نہیں ہوتی یہ ہے زمین مدینہ کی روحانی وسعت حدیث شریف میں زمین مدینہ کو بھٹی فرمایا گیا جیسے بھٹی گندے لوہے کو صاف و پاک کر دیتی ہے مگر خود گندی نہیں ہوتی ایسے ہی زمین مدینہ ہے بہر حال زمین مدینہ جسمانی وسعت والی بھی ہے اور روحانی وسعت والی بھی اس لئے اسے وَاسِعَۃً فرمایا گیا لہٰذا فَاُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ ظاہر یہ ہے کہ ف جزائیہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزاء ماوا کے معنی ہیں ٹھکانہ اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب منافقین و مرتدین سے ہے کہ دوزخ کفار ہی کا ٹھکانہ ہوتا ہے نہ کہ گنہگار مسلمانوں کا یعنی جب ان مرنے والوں اور فرشتوں کی گفتگو یہ ہوگی اور یہ مرنے والے لاجواب و خاموش ہو جائیں گے تو ان کا ٹھکانہ دوزخ قرار دیا جاوے گا کہ قبر میں دوزخ ان کے پاس پہنچے گا اور بعد قیامت وہ دوزخ میں رہیں گے وَسَآءَتْ مَصِیْرًا۔ مَصِیْر کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں لوٹنے کی جگہ یعنی دوزخ بری پلٹنے کی جگہ ہے سَآءَتْ فعل ذم ہے اور ھِیَ اس کا فاعل ممیز مَصِیْرًا اس کی تمیز اور ایک پوشیدہ ضمیر ھِیَ سَاءَتْ کا مخصوص بالذم اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ یہ عبارت اُولٰٓئِکَ الخ سے مستثنیٰ منقطع ہے مُسْتَضْعَفِیْنَ سے مراد واقعی کمزور اور لاچار لوگ ہیں جو ہجرت کرنے پر قادر نہ تھے خواہ مرد ہوں جیسے عیاش ابن ابی ربیعہ۔ سلمہ ابن ہشام اور ولید ابن ولید وغیرہم یا عورتیں ہوں جیسے حضرت امّ ہانی اور لبابہ بنت حارث یعنی امّ الفضل جو عبداللہ ابن عباس کی والدہ ہیں یا چھوٹے مجبور بچے جیسے خود عبداللہ ابن عباس وغیرہم کہ یہ حضرات کسی طرح ہجرت کرنے پر قادر نہ تھے کیونکہ لَایَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَۃً وَّلَایَھْتَدُوْنَ سَبِیْلًا یہ ان کی ضعف و کمزوری کا بیان ہے حیلہ سے مراد ہجرت کا سامان سواری توشہ و تندرستی وغیرہ ہے اور سَبِیْلًا سے مراد ہے مدینہ منورہ یا حبشہ کا راستہ جہاں ہجرت کر کے جانا چاہئے تھا یعنی وہ مجبور لوگ نہ تو اپنے پاس سامان سفر ہی پاتے ہیں نہ ان کو مدینہ پاک وغیرہ اسلامی ملکوں کے راستہ ہی کا پتہ ہے تاکہ وہاں پیدل ہی پہنچ جاویں نہ کوئی انہیں رہبر میسر ہے جو راستہ بتاوے فَاُولٰٓئِکَ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْھُمْ۔ ف تفصیل یا تعقیب کی ہے اولٰٓئِکَ سے اشارہ انہی مجبوروں معذوروں کی طرف ہے عَسٰی امید دلانے کے لئے ہے اور کریم کا امید دلانا

بھی وعدہ ہوتا ہے **عفو** سے مراد یا تو ہجرت نہ کرنے کا گناہ معاف فرمانا ہے یا مجبوراً جنگ بدر میں لائے جانے کا گناہ پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں اگرچہ دوسرے معنی کی بھی گنجائش ہے یعنی ایسے مجبور معذور لوگوں کے متعلق امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معافی دیدے **وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا** یہ جملہ **عَسَى اللّٰهُ** الخ کی دلیل ہے جیسے مضمون کا ذکر ہو چکا ہو اس قسم کی رب تعالیٰ کی صفات پر آیت کا ختم فرمانا مناسب ہوتا ہے چونکہ ابھی معافی کا ذکر تھا اس لئے یہاں عفو و مغفرت پر آیت ختم فرمائی گئی **عفو** اور **مغفرت** دونوں قریب المعنیٰ ہیں جن میں مختلف طرح فرق کیا جاتا ہے چھوٹے گناہ معاف فرمانا **عفو** ہے بڑے گناہ معاف فرمانا مغفرت دنیا میں معاف فرمانا **عفو** ہے آخرت میں پکڑ نہ فرمانا مغفرت ہے بالکل معاف کر دینا **عفو** ہے گناہ چھپالینا کہ اس پر کسی کو اطلاع نہ ہو مغفرت یقینی گناہ معاف فرما دینا **عفو** ہے اور مشکوک و مشتبہ گناہ بخش دینا مغفرت۔ بغیر توبہ کئے معاف فرما دینا **عفو** ہے توبہ قبول فرما کر معاف فرما دینا مغفرت بہر حال **عفو** اور **غفور** مکرر نہیں یعنی ان تمام معافیوں کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر

اے مسلمانو جیسے جہاد اسلام کا بڑا اہم فریضہ ہے کہ ضرورت کے وقت ہر قادر پر جہاد لازم ہے ایسے ہی دارالکفر سے ہجرت کر جانا اور وہاں جا کر رہنا جہاں اسلامی آزادی ہو فرض ہے جو لوگ قادر ہوتے ہوئے بھی ہجرت نہیں کرتے یا جن مکہ والوں نے کلمہ پڑھ لیا اور باوجود قادر ہونے کے ہجرت نہ کی اسی حال میں ان کو موت آگئی یا مسلمانوں کے مقابل آئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں مر گئے ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب فرشتے ان کی جان نکالنے آتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے کفر پر یا اسلام میں یا تم کس قوم سے تھے کافر قوم سے یا مسلم قوم سے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تھے تو مسلمان مگر زمین کفر میں مجبوراً رہتے بستے تھے اسی لئے احکام اسلام پر عمل نہ کر سکے یا اس لئے کفار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابل مجبوراً لائے گئے فرشتے کہتے ہیں تم جھوٹے ہو تم مجبور نہ تھے کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم کسی اسلامی ملک میں یا امان کی جگہ چلے جاتے وہاں رہ کر آزادی سے اسلامی کام کرتے تم نے محض مال اولاد گھر بار وطن کی محبت میں ہجرت نہ کی اس جواب پر یہ لوگ خاموش ہو جاتے ہیں ایسے بہانہ بازوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور تم کو خبر ہی ہے کہ دوزخ تو بہت ہی بری جگہ ہے ہاں مجبور معذور مرد عورتیں بچے جن کے پاس نہ تو سامان سفر تھا کہ وہ ہجرت کر جاتے نہ انہیں کسی اسلامی ملک مدینہ منورہ حبشہ وغیرہ کا راستہ ہی معلوم تھا کہ وہاں پیدل پہنچ جاتے ایسے معذوروں کے متعلق امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معافی دیدے وہ بڑا ہی غفور رحیم ہے معافی دینا بخشنا اس کی عادت ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں اور میری والدہ ام الفضل انہی مجبوروں میں تھے جن کا یہاں استثناء فرمایا گیا مسلم بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ فجر کی دوسری رکعت کے رکوع سے جب سر اٹھاتے تو دعا کرتے الٰہی ولید ابن ولید، سلمہ ابن ہشام، عیاش ابن ربیعہ اور دیگر مکہ میں پھنسے ہوئے ضعیف مسلمانوں کو نجات دے الٰہی مضر قبیلہ پر سخت پکڑ فرما ان پر یوسف

علیہ السلام کے زمانہ کی قحط سالی بھیج دے (تفسیر خازن) غرضکہ واقعی معذور ہونا اور چیز ہے اور اپنے کو معذور سمجھنا کچھ اور چیز واقعی معذور کی معافی ہے دوسروں کی پکڑ۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اگر اپنے وطن میں مسلمانوں کو مذہبی آزادی نہ ملے اور ان میں ہجرت پر قدرت ہو تو ایسی حالت میں وطن چھوڑ دینا وہاں سے ایسے ملک کی طرف چلا جانا جہاں مذہبی آزادی ہو فرض ہے جیسا کہ فرشتوں کی اس گفتگو اور حق تعالیٰ کے اس فرمان عالی سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: جو شخص ہجرت پر قادر نہ ہو اسے دارالکفر میں ہی رہنا اور بقدر طاقت اسلام پر عمل کرنا درست ہے اس پر اس کی پکڑ نہیں جیسا کہ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ الخ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: جان نکالنے کے لئے صرف حضرت عزرائیل علیہ السلام ہی میت کے پاس نہیں آتے بلکہ ان کے ساتھ ان کے مددگار معاون دوسرے فرشتے بھی آتے ہیں جیسا کہ اَلْمَلٰٓئِکَۃُ جمع فرمانے سے معلوم ہوا جیسے آج اپریشن کے وقت اپریشن کرنے والے ڈاکٹر کے ساتھ کمپونڈر نرسیں وغیرہ ہوتی ہیں جو ڈاکٹر کی امداد کرتی ہیں۔ **چوتھا فائدہ**: حضرت ملک الموت اور یہ فرشتے عالم کے ذرہ ذرہ میں حاضر و ناظر ہیں دیکھو بیک وقت ہزار ہا جگہ صدہا انسان و جانور مرتے ہیں مگر یہ فرشتے سب جگہ پہنچ کر جان نکالتے ہیں۔ ساری دنیا ان کے سامنے ایسی ہے جیسے کھانے والے کے آگے دسترخوان کہ جہاں سے چاہا لقمہ اٹھالیا لہٰذا حضور ﷺ کو حاضر ناظر ماننا کفر شرک نہیں۔ **پانچواں فائدہ**: جان نکالنے والے فرشتے جان نکالنے سے پہلے مرنے والے سے بات چیت بلکہ مناظرہ کرتے ہیں مجرموں سے غضب کا کلام کرتے ہیں مقبولوں سے رحمت کی گفتگو پھر جان نکالتے ہیں۔ غضب کے کلام کا یہاں ذکر ہے رحمت کے کلام کا اس آیت میں ذکر ہے یٰٓاَیَّتُہَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ الخ (فجر: ۲۷) **چھٹا فائدہ**: مکہ مکرمہ سے جب حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی تو فتح مکہ تک مسلمانوں کو بغیر سخت مجبوری مکہ معظمہ میں رہنا حرام ہو گیا اس لئے نہیں کہ وہاں اسلامی آزادی مسلمانوں کو میسر نہ تھی بلکہ اس لئے کہ مکہ کو اس وقت حضور نے چھوڑ دیا تھا ورنہ اسلامی آزادی نہ ہونا تو حضور کی ہجرت سے پہلے بھی تھا فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا دیکھو رب تعالیٰ نے اس زمانہ میں مکہ معظمہ میں رہنے والے مسلمانوں کو ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِہِمْ فرمایا حالانکہ اس وقت کعبہ معظمہ۔ سنگ اسود مقام ابراہیم زمزم منیٰ مزدلفہ سب کچھ مکہ معظمہ میں موجود تھا اور مکہ معظمہ وہ جگہ ہے جہاں کی ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے معلوم ہوا کہ حضور انور دولھا ہیں اور باقی کعبہ وغیرہ برات اور برات کی عزت دولھا کے دم سے ہے ایسے جس عالم کے پاس علم و عمل، قرآن و حدیث سب کچھ ہو مگر اس کے دل میں حضور کی عظمت و توقیر نہ ہو اس عالم سے دور بھاگنا لازم ہے۔ **ساتواں فائدہ**: ملک الموت اور ان کے مددگار فرشتوں کو انسانوں کے تمام نیک و بد اعمال کی خبر ہے جیسا کہ فرشتوں کی اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ ان فرشتوں کو خبر ہے کہ ان لوگوں پر ہجرت فرض تھی مگر انہوں نے نہ کی تب ہی تو اس مرنے والے پر یوں عتاب کر رہے ہیں

لہٰذا حضور ﷺ کو بھی ہمارے تمام نیک و بداعمال کی خبر ہے کیونکہ حضور ﷺ اعلم الخلق ہیں کیا تم کو نہیں خبر کہ حضور ﷺ نے دو قبروں کے متعلق خبر دی کہ ان قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے وجہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک چرواہا تھا پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچتا تھا۔ دوسرا چغل خور تھا حضور ہمارے دلوں کی راز سے خبردار ہیں۔

اے رخ تو صبح انوارِ دہور　　　چشم تو بینندۂ ما فی الصدور!

رب تعالیٰ کاتبین فرشتوں کے متعلق فرماتا ہے **یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ** (انفطار:۱۲)۔ کاتب تقدیر فرشتہ ماں کے پیٹ میں ہی بچے کی سعادت بدبختی اس کے اعمال، عمر وغیرہ لکھ جاتا ہے وہ سب کے ہر حال سے خبردار ہے۔

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے کام اس کے نیک بندوں کی طرف منسوب ہو سکتے ہیں۔ دیکھو موت دینا اللہ کا کام ہے فرماتا ہے **اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا** (الزمر:۴۲) مگر یہاں فرمایا گیا کہ فرشتے موت دیتے ہیں دوسری جگہ فرمایا ہے **قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ** (السجدہ:۱۱) ایک ہی لفظ یَتَوَفّٰی اللہ تعالیٰ کا بھی فعل قرار دیا گیا اور ملک الموت کا بھی اور ان فرشتوں کا بھی، دیکھو مردہ کو زندہ کرنا بیماروں کو شفا دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر جناب عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ باذن پروردگار میں مردے جلاتا ہوں میں اندھے، کوڑھے اچھے کرتا ہوں (قرآن مجید) لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضور ﷺ ہم کو ایمان عزت دیتے ہیں حضور باذن پروردگار ہم کو جنت دیں گے دوزخ سے بچائیں گے انہی کے رب کی قسم اللہ کی ہر نعمت سب کو انہی کے ہاتھوں ملتی ہے صحابہ کرام نے تو حضور سے جنت مانگی ہے کیا دنیا کی مال و دولت اولاد جنت سے بڑھ کر ہے۔

لاوَرب البیت جو جس کو ملا ان سے ملا　　　بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

نواں فائدہ: تقیہ کرنا یعنی ایمان چھپا کر کفار میں رہنا حرام ہے۔ تقیہ اسلام کے خلاف ہے اگر تقیہ کی کچھ حقیقت ہوتی تو فرشتے مکہ مکرمہ میں رہ جانے والوں پر یہ عتاب نہ کرتے بلکہ ان کی تعریف کرتے کہ تم نے اچھا کیا کہ تقیہ کر کے مکہ معظمہ میں رہے بلکہ خود حضور ﷺ اور مہاجرین مکہ معظمہ سے ہجرت نہ کرتے بلکہ وہاں ہی تقیہ کر کے رہتے لہٰذا اگر خلفاء ثلثہ کے زمانہ میں حجاز خصوصاً حرمین شریفین دارالکفر بن گئے تھے کہ وہاں قرآن کریم کی تحریف ہو رہی تھی خلافت غصب ہو چکی تھی تو حضرت علی مرتضیٰ پر واجب تھا کہ یا ان سے جہاد کرتے یا وہاں سے ہجرت کر جاتے ان کی خوشامدیں کر کے وہاں مدینہ پاک میں نہ رہتے جب علی مرتضیٰ حضرت معاویہ سے بغاوت کی بنا پر اور امام حسین یزید پلید سے فسق کی بنا پر جنگ کر سکتے تھے تو ان کو خلفاء ثلثہ سے بھی جنگ کرنا ضرور چاہئے تھا۔ **دسواں فائدہ**: جو معذور مسلمان دارالکفر سے ہجرت نہ کر سکیں کہ اور جگہ انہیں رہنے سہنے کی اجازت نہ ملے یا انہیں دارالاسلام کے راستہ کی خبر نہ ہو وہ ہجرت نہ کرنے سے گنہگار نہیں ہوگا جیسا کہ یہاں **اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ** الخ سے معلوم ہوا۔ **گیارھواں فائدہ**: گنہگار مسلمان بھی سزا کیلئے دوزخ میں جائیں گے اور بہت عرصہ کیلئے دوزخ کا ان کا ماویٰ وٹھکانا ہوگا جیسا

کہ اُولٰئِکَ الخ کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کیونکہ صرف معذوروں کا استثناء فرمایا گیا ہے۔ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ الخ غیر معذور مسلمان اس سزا میں داخل رکھے گئے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بہت سے فرشتے جان نکالتے ہیں کیونکہ ملٰئکہ جمع ارشاد ہوا ہے مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک فرشتہ جان نکالتا ہے رب فرماتا ہے قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ (السجدہ:۱۱) اور تیسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود رب تعالیٰ موت دیتا ہے کہ فرماتا ہے اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ (زمر:۴۲)۔ ان میں سے کونسی آیت درست ہے آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: تینوں آیات درست ہیں رب تعالیٰ حقیقۃً موت دینے والا ہے خالق زندگی و موت وہ ہی ہے حضرت ملک الموت یقیناً موت دیتے ہیں کہ جان قبض کرتے ہیں روح کو جسم سے کھینچ کر نکالتے ہیں ان کے مددگار فرشتے اس جان نکالنے میں ان کی مدد کرتے ہیں یہ تین آیتیں تین عمل کے متعلق ہیں۔ **لطیفہ**: اس زمانہ کے بعض نادان مفسرین نے کہا ہے کہ ایک ملک الموت تمام کی روحیں قبض نہیں کرتے بلکہ اس کام کے لئے فرشتوں کی ایک جماعت مقرر ہے جن کے حلقے اور امیر مقرر ہیں۔ ہر حلقہ کے الگ فرشتے اور ان نادانوں نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے اور انہیں یہ دردسری اس لئے کرنی پڑی تا کہ ملک الموت علیہ السلام کو تمام جہاں میں حاضر ناظر نہ ماننا پڑے کہ ایک فرشتہ سب جگہ کیسے پہنچتا ہے اور جانیں کیسے نکالتا ہے مگر ان بزرگوں نے یہ نہ سوچا کہ قرآن کریم دوسری جگہ فرمارہا ہے قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ (السجدہ:۱۱) وہاں ملک واحد ہے معلوم ہوا کہ ایک ہی فرشتہ سب کی جان نکالتا ہے نیز اگر ایک حلقہ میں بیک وقت چند لوگ مریں تو اس حلقہ کے فرشتے ان تمام جگہوں میں حاضر ناظر ہو گئے کہ انہوں نے بیک وقت اپنے حلقہ میں مختلف مقامات پر پہنچ کر جانیں نکالیں مثلاً ضلع گجرات پر جو فرشتے جان نکالنے کے لئے مقرر ہیں اگر ہمارے اس ضلع میں آج دوپہر بارہ بجے سرائے عالمگیر اور جلالپور جٹاں اور دریائے چناب میں لوگ مریں تو یہ فرشتے ایک ہی وقت میں ان مقامات پر موجود ہو گئے۔

دوسرا اعتراض: جب معذور و مجبور لوگ ہجرت نہ کرنے پر گنہگار ہی نہیں تو ان کے متعلق یہ کیوں فرمایا گیا کہ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْھُمْ ممکن ہے کہ اللہ انہیں معاف فرمادے معافی تو گناہ کی ہوتی ہے اور وہ گناہ گار نہیں پھر معافی کیسی۔ **جواب**: کبھی کوئی شخص حقیقۃً معذور نہیں ہوتا مگر غلطی سے اپنے کو معذور سمجھ لیتا ہے اور ہجرت نہیں کرتا اسکے گنہگار ہونے کا خطرہ ہے اس لئے یہ ارشاد ہوا پھر ہجرت کی اہمیت دکھانے کیلئے عَسَی اللّٰہُ فرمایا یعنی اسے اپنی مغفرت کا یقین نہ چاہئے صرف رب کے کرم سے امید ہی چاہیئے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت میں تَوَفّٰا اور قَالُوْا ماضی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گفتگو اور سزائیں صرف

مکہ معظمہ کے مسلمانوں سے متعلق ہیں آئندہ ہجرت نہ کرنے والوں کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔ **جواب**: تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یا تو یہ صیغے لفظاً ماضی ہیں معنی دوام استمرار کے لئے یا ماضی بمعنی مضارع ہیں اور اگر ماضی ہی ہوں تب بھی علت مشترک ہونے سے حکم بھی مشترک ہو جاتا ہے لہٰذا جو بھی بوقت فرضیت ہجرت بلا وجہ گھر میں بیٹھا رہے وہ اس عتاب وسزا میں داخل ہے۔ بہر حال آیت کریمہ نے غبار ہے۔

سعدیا حب وطن گرچہ حدیث است صحیح　　نتواں مُرد بسختی کہ من اینجا زادم

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جان نکالنے والے فرشتوں کو ہر انسان کے ہر نیک و بد اعمال بلکہ دلی احوال کی خبر ہے کہ وہ بہانہ باز معذوروں سے تو عتابانہ گفتگو کرتے ہیں اور واقعی معذورین سے یہ گفتگو نہیں کرتے تو فرشتوں اور خدا میں فرق کیا ہوا علم غیب تو خدا کی صفت ہے بندوں میں اس کا ماننا شرک ہے۔ **جواب**: کسی بندے میں خدا کا سا علم قدرت سمع بصر ماننا شرک ہے بے نیازی والا علم۔ حیات سمع بصر رب کی صفت ہے اور نیاز مندی والی یہ صفات بندوں کی صفات ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

جسمانی ہجرت تو کسی کسی پر کبھی فرض ہوتی ہے مگر روحانی ہجرت ہر مسلمان پر ہر وقت ضروری ہے وطن چھوڑنا جسمانی ہجرت ہے اور نفسانی خواہشات کا ترک حب دنیا اور دنیاوی دوستوں سے تعلق توڑنا ہجرت روحانی ہے اس کی طرف حضور سید عالم ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ مہاجر وہ ہے جو اللہ رسول کی نافرمانی چھوڑ دے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں جس کام میں اللہ رسول کی رضا نہ ہو وہ واجب الترک ہے اگرچہ کتنا ہی اعلیٰ معلوم ہوتا ہو دیکھو مکہ معظمہ میں کعبہ، سنگ اسود، مقام ابراہیم اور دیگر تمام متبرک چیزیں موجود تھیں مگر جب حضور ﷺ وہاں سے نکل گئے تو ان متبرکات کے باوجود مکہ میں رہنا شقاوت وظلم ہو گیا اور پھر جب حضور نے مکہ فتح فرمالیا تو مکہ میں رہنا سعادت ہو گیا کہ اب وہاں کی ایک عبادت ایک لاکھ کے برابر ہو گئی یہ حضور کے دم کی بہار ہے جس عالم کے سینہ میں علم اور ظاہر میں تقویٰ وغیرہ سب کچھ ہو مگر اسے حضور ﷺ سے عشق ومحبت نہ ہو وہ فتح مکہ سے پہلے والا مکہ ہے جس سے دور رہنا ضروری ہے ایسے لوگ جو روحانی ہجرت نہ کریں ان سے بوقت موت فرشتے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں ہم معذور تھے۔ حُب دنیا سے قطع تعلق نہ کر سکتے تھے تب فرشتے کہتے ہیں کیا دل کی زمین تنگ تھی تم نے نفس سے منتقل ہو کر دل کی دنیا کیوں نہ بسائی ایسے لوگوں کے لئے رب سے دوری کا دوزخ ہے اور یہ بڑی بری پلٹنے کی جگہ ہے یہ نہ سمجھو کہ ہجرت ختم ہو چکی تا قیامت یہ ہجرت باقی رہے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز حضور ﷺ سے خالی ہو جاوے اس کا چھوڑ دینا اس سے ہجرت کر جانا ضروری ہے جب مکہ معظمہ ان سے خالی ہو گیا تو اس کا چھوڑ دینا مسلمانوں پر فرض ہو گیا جب سجدہ نماز مسجد تلاوت، علم تصوف ان سے بے تعلق ہو جاوے تو اس سے کنارہ کشی ضروری ہے۔

گر بہ ادائے نماز تو نہ شوی بے نقاب ہست رکوعم حجاب ہست سجودم حجاب
مکہ سے جب مدینہ شہِ بحر و بر چلے کعبہ پکار اٹھا مجھے ویران کر چلے
آباد وہ ہی دل ہے کہ جس میں تمہاری یاد ہے جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ
اور جو کوئی ہجرت کرے اللہ کی راہ میں وہ پائے گا زمین میں جگہ بہت اور گنجائش
اور جو اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ کر نکلے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور گنجائش پائے گا
وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ
اور جو نکلے اپنے گھر سے ہجرت کرتا ہوا طرف اللہ اور اس کے رسول کے پھر پا لے اس کو
اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرتا پھر اسے موت نے آلیا تو
الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ ع
موت پس بے شک واقع ہو گیا ثواب اس کا اوپر اللہ کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے
اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو گیا اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں بلا عذر ہجرت نہ کرنے والوں پر عتاب تھا اب ہجرت کی رغبت دی جا رہی ہے ترھیب کے بعد ترغیب ہے بعض لوگ ڈر سے اطاعت کرتے ہیں۔ بعض لالچ سے ڈر والوں کے لئے پچھلی آیت تھی لالچ والوں کیلئے یہ آیت ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ترک ہجرت پر اخروی وبال کا ذکر تھا ان کو مرتے وقت اور مرنے کے بعد اس جرم کی یہ سزا ملے گی اب اس آیت میں ہجرت کے دنیاوی فوائد کا ذکر ہے کہ مہاجر انشاء اللہ آرام سے رہتا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ہجرت کے لئے فی سبیل اللہ کی قید لگائی گئی تھی کہ اس محض رضاء الٰہی مقصود ہونا چاہئے اب فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ہجرت میں دنیاوی نفع بھی مل جائے تو اس سے ثواب کم نہ ہوگا جبکہ مہاجر کی نیت میں اخلاص ہو۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں ان کا ذکر تھا جو ہجرت کر کے گھر سے نکلیں ہی نہیں اب ان کا ذکر ہے جو مہاجر ہو کر گھر سے نکل تو جائیں مگر منزل مقصود پر پہنچیں نہیں ابتداء نہ کرنے والوں کا ذکر پہلے تھا انتہا تک نہ پہنچے والوں کا ذکر اب ہے۔

شان نزول

اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں (۱) جب پچھلی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الخ نازل ہوئی تو کسی طرح یہ آیت مکہ معظمہ کے مسلمانوں نے سن لی ان سننے والوں میں حضرت جندع ابن ضمیرہ لیثی بھی تھے جب انہوں نے آیت سنی تو اپنے بچوں کو بلا کر فرمایا کہ مجھے ہجرت سے کوئی مانع موجود نہیں۔ میں صاحب مال بھی ہوں اور مدینہ منورہ کے راستہ سے خبر دار بھی ہاں بہت بوڑھا ہوں اونٹ پر بیٹھ نہیں سکتا تم مجھے اونٹ پر پالان رکھ کر اس میں سوار کرا دو اور اونٹ کو مدینہ پاک کی طرف ہانک دو اور مجھے ارحم الراحمین کے حوالہ کر دو اب میں مکہ معظمہ میں ایک رات بھی نہ گذاروں گا بچوں نے بہت کچھ منع کیا مگر آپ نہ مانے آخر کار ان کے لڑکوں نے ان کی ہدایت کے بموجب انہیں اونٹ پر سوار کر کے اونٹ کو مدینہ کی طرف ہانک دیا آپ پہلی منزل مقام تنعیم پر ہی پہنچے تھے کہ آپ کو موت کے آثار معلوم ہوئے آپ نے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا اور بولے کہ یہ ہاتھ میرا ہے اور داہنا ہاتھ اٹھایا بولے یہ ہاتھ جناب مصطفٰے ﷺ کا ہے الٰہی تو گواہ رہنا کہ میں ہجرت پر تیرے رسول سے بیعت کرتا ہوں یہ کہہ کہ وفات پا گئے جب وفات کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو صحابہ کرام کو بہت صدمہ ہوا بولے کاش کہ جندع مدینہ منورہ آ کر وفات پاتے انہوں نے ہجرت کی مگر پوری نہ کر سکے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح المعانی، خازن، روح البیان، صاوی)

(۲) ابن ابی حاتم نے حضرت زبیر سے روایت کی کہ خالد ابن حزام مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے حبشہ روانہ ہوئے راستہ میں انہیں سانپ نے کاٹ لیا۔ جس سے ان کی وفات ہوگئی ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح المعانی)

(۳) امام شعبی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ یہ آیت کریمہ اکتم ابن صیفی کے متعلق نازل ہوئی جو مسلمان ہو کر مدینہ پاک چلے راہ میں وفات پا گئے (روح المعانی)۔

تفسیر

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یہ جملہ نیا ہے اسلئے واؤ ابتدائیہ ہے مَنْ سے مراد ہر مسلمان ہے مرد ہو یا عورت بوڑھا ہو یا جوان کیونکہ کافر کی نہ ہجرت قبول نہ کوئی اور عمل يُّهَاجِرْ مہاجرت سے بنا بمعنی چھوڑنا یہاں وطن چھوڑنا مراد ہے پھر وطن چھوڑنا ملازمت کاروبار وغیرہ بہت سے دنیاوی کاموں کے لئے ہوتا ہے مگر ثواب اس وطن چھوڑنے کا ہے جو رب تعالٰی کو راضی کرنے کے لئے ہو کہ اپنے وطن میں عبادات کرنے کی آزادی نہ ہو کفار کا زور ہو تو ایسے مقام پر جا رہے جہاں آزادی سے رب کی عبادت اسلامی احکام پر عمل ہو صرف اس نیت سے ہجرت ہو اس لئے فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کی قید لگائی۔ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً یہ عبارت مَنْ مذکورہ کی خبر ہے۔ يَجِدْ متعدی بیک مفعول ہے مُرٰغَمًا اسم مفعول بمعنی ظرف ہے رغام سے بنا بمعنی مٹی اس لئے مٹی میں ناک رگڑنے کو رغم الانف کہتے ہیں۔ مراغم کی معنی ہوئے مٹی کی جگہ اصطلاح میں منزل یا ہجرت گاہ یا ٹھکانہ کو کہتے ہیں کہ وہ بھی زمین کا ایک حصہ ہی ہوتا ہے یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ مراغم سے مراد ہو وہ جگہ جہاں مہاجر پہنچے تو اس کے ہم وطن کفار کی ناک رگڑ جاوے وہ ذلیل ہو جاویں کہ وہ تو اس مہاجر کو پریشان

کرنا چاہتے تھے مگر یہ آرام کی جگہ میں آزادی سے رہنے لگا (کبیر و روح المعانی و بیان وغیرہ) کَثِیْرًا مُّرٰغَمًا کی صفت ہے اور سَعَةً مراغماً پر معطوف ہے اس سے مراد ہے وسعت رزق وغیرہ ظاہر یہ ہے کہ یہ وعدہ مہاجرین مکہ کیلئے تھا جو پورا ہو چکا یعنی جو مکہ میں مسلمان ہو جانے والا رضا الٰہی کے لئے ہجرت کرے گا۔ اس سے ہمارا وعدہ ہے کہ اسے اس زمین حجاز یا حبشہ وغیرہ میں بہت جگہ ملے گی اور وہاں اسے گنجائش بھی میسر ہوں گی ہم اسے پریشان نہ ہونے دیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مہاجرین مکہ بحمدہٖ تعالیٰ حبشہ یا مدینہ جا کر آرام سے رہے۔ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ یہ نیا جملہ ہے اسلئے واؤ ابتدائیہ ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ پہلے جملہ پر معطوف ہو اور واؤ عاطفہ ہو پہلے مہاجرین کو دنیاوی نفع کا وعدہ دیا گیا تھا اب ان سے اخری وعدہ فرمایا جا رہا ہے مَنْ سے مراد یا مہاجر مکی ہی ہیں یا عام مہاجر تا روز قیامت عربی میں بیت کوٹھڑی کو کہتے ہیں دار پورے گھر کو اور منزل پوری کوٹھی کو جس میں اصطبل اور نوکروں کے رہنے کے کواٹر وغیرہ سب ہوں یہاں بیت فرما کر یہ بتایا کہ انسان بارادہ ہجرت اپنی کوٹھڑی سے نکلنے پر گھر کے دروازے پر پہنچ کر ہی مہاجر ہو جاتا ہے جیسے حاجی بارادۂ حج گھر سے نکلتے ہی حاجی اور مقبول الدعا بن جاتا ہے اس لئے اس وقت ہی اس سے دعا کراتے ہیں۔ مُهَاجِرًا یَخْرُجُ کی ضمیر سے حال ہے اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اِلَى اللّٰهِ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پر اللہ اللہ کرنے کی آزادی حاصل کرنے جا رہا ہے تو گویا رب تعالیٰ ہی کی طرف جا رہا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (صفات:۹۹) اور وَرَسُوْلِهٖ اس کا عطف بیان ہو مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف رسول اللہ کی خدمت میں ہجرت کر کے جاوے دوسرے یہ کہ اِلَى اللّٰهِ برکت کے لئے ہے اصل میں اِلٰى رَسُوْلِهٖ تھا مطلب یہ ہے کہ ہجرت کر کے رسول اللہ کے پاس جاوے جو حقیقت میں اللہ کے پاس جانا ہے ان دونوں صورتوں میں اس سے مراد مہاجرین مکہ ہوں گے جو حضور ﷺ کی خدمت میں ہجرت کر کے حاضر ہوتے تھے اور ہوسکتا ہے کہ ہجرت اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ سے مراد ہو اللہ رسول کو راضی کرنے کے لئے ترک وطن کرنا تو یہ آیت تا قیامت سارے مخلصین مہاجرین کے لئے ہوگی تیسرے معنی زیادہ قوی ہیں کہ اگرچہ اس آیت کا شان نزول خاص ہے مگر الفاظ شریفہ عام ہیں۔ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ ۔ ثُمَّ محض عطف و تعقیب کے لئے ہے دیر و تراخی کی قید نہیں مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ یا منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے اسے موت آجاوے یا گھر کے دروازے پر یا جنگل میں خواہ پرانی بیماری و کمزوری کی وجہ سے موت آجاوے یا کسی فوری حادثہ سے غرضیکہ موت آنا سب کو شامل ہے۔ خیال رہے کہ یہ جملہ یَخْرُجْ پر معطوف ہے اور یُدْرِكْهُ کی ضمیر مَنْ کی طرف لوٹ رہی ہے یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فرما کر یہ بتایا کہ اسے موت پکڑے وہ موت کو نہ پکڑے خودکشی نہ کرے۔ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ یہ عبارت مَنْ یَّخْرُجْ کی خبر ہے چونکہ مَنْ میں شرط کے معنی تھے اس لئے یہاں خبر میں ف آئی وَقَعَ بمعنی ثَبَتَ یا بمعنی وَجَبَ یا بمعنی لَزِمَ ہے اَجْرُهٗ سے مراد ہجرت کا ثواب ہے یعنی تو یقیناً اس کی ہجرت کا ثواب اللہ ذمہ کرم پر

واجب ثابت لازم ہو گیا اور وہ شخص مہاجر بن گیا اس کی ہجرت قبول ہو گئی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز بذات خود لازم واجب نہیں مگر جب وہ کریم خود ہی اپنے کرم سے کسی کے لئے جزاء واجب و لازم فرمائے تو اس کا کرم ہے یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں اللہ کے وعدے سچے ہیں اس لئے آگے مغفرت و رحمت کا ذکر فرمایا کہ یہ واجب و لازم ہونا اس کریم و رحیم کی رحمت و کرم سے ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اس جملہ کے معانی بارہا بیان ہو چکے ہیں کہ کان دوام و استمرار کے لئے ہے غفور کے معنی ہیں گناہ بخشنے والا رحیم کے معنی ہیں بندوں پر رحمت و کرم فرمانے والا کہ انہیں بغیر ان کے حق کے کروڑوں نعمتوں سے نوازتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بخشنے والا مہربان ہے اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ اس مہاجر کے جو راستہ میں وفات پا جاوے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس پر وہ ہی مہربانیاں کرم نوازیاں کرے گا جو دوسرے مہاجرین پر فرماتا ہے دنیا و آخرت میں اس کا شمار مہاجرین میں ہو گا اور انہیں کل جنت میں مہاجرین کے درجہ میں رکھا جاوے گا اور ہجرت میں دیر لگانے کا جو گناہ اس پر تھا کہ یہ شخص اب تک وطن میں ہی رہا وہ بخش دے گا کیونکہ وہ غفور بھی ہے رحیم بھی کسی کام کا معاوضہ اجرت کہلاتا ہے معاوضہ کے ساتھ کچھ فاضل دے دینا فضل ہے اور بغیر کام عطیہ دینا رحمت ہے اللہ تعالیٰ بندوں پر رحیم ہے کہ دنیا و آخرت میں بغیر معاوضہ نعمتیں دیتا ہے۔

خلاصۂ تفسیر

اے مکہ کے مجبور و کفار میں پھنسے ہوئے مسلمانو ہمت کر کے ہجرت کرو ڈرو مت ہمارا وعدہ ہے کہ تم میں سے جو مسلمان اخلاص کے ساتھ رضاء الٰہی کے لئے مکہ مکرمہ سے ہجرت کرے گا وہ اللہ کی زمین میں بہت جگہ پاوے گا بے گھر اور آوارہ نہ پھرے گا اور رزق وغیرہ میں بہت گنجائش پاوے گا ہم اپنے فضل و کرم سے اسے غنی کر دیں گے یہ تو اس مہاجر کے لئے ہے جو ہجرت کر کے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاوے گا مگر جو مسلمان بہ ارادہ ہجرت اپنے گھر سے باہر قدم نکال دے اور اللہ رسول کی طرف روانہ ہو جاوے دل میں اخلاص ہو ارادہ درست ہو پھر اسے راستہ میں ہی موت آ جاوے اور جہاں جانا چاہتا تھا وہاں نہ پہنچ سکے تو اس کا اجر و ثواب اور ہجرت کا درجہ اللہ کے ذمہ کرم پر لازم واجب ہو چکا وہ مہاجر ہو گیا اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے وہ ارادہ و نیت کو دیکھتا ہے اس لئے اس شخص کے سارے گناہ معاف فرما دے گا اور اس پر بہت رحم و کرم فرمائے گا۔ خیال رہے کہ موت سب کے لئے ہے مگر کسی کو موت آتی ہے کسی کو پاتی ہے کسی کو پکڑتی ہے دشمن رسول کو پکڑتی ہے عام مومنوں کو آتی ہے اور جو اللہ رسول کی تلاش میں ہوں ان کی ڈھونڈھتی ہوئی پاتی ہے جیسے کسی محبوب چیز کو تلاش کر کے پا لیا جاوے گویا موت اور موت کے فرشتے ان کے مشتاق اور متلاش ہیں یوں ہی قیامت میں متقی لوگ وفد کی شکل میں بارگاہ الٰہی میں اس طرح حاضر ہونگے جیسے دوست سے ملا کرتے ہیں اور کفار دوزخ کی طرف ایسے ہانکے جائیں گے جیسے ذبح کے لئے جانور مذبح کی طرف يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا (مریم: ۸۶)۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** : اللہ کی راہ میں ہجرت بہت اعلیٰ عبادت ہے رب تعالیٰ نے اس پر بڑے اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے دیکھو ہمارا اسلامی سنہ ہجری کہلاتا ہے کہ یہ سنہ سید عالم ﷺ کی ہجرت شریف کی یادگار ہے قریباً سارے انبیاء کرام نے ہجرت فرمائی ہے ہجرت سنت انبیاء ہے۔ **دوسرا فائدہ** : اللہ تعالیٰ کے سارے وعدے سچے ہیں دیکھو اس نے مہاجرین سے وعدہ فرمایا کہ تم کو بہت زمین دی جاوے گی اور فراخی رزق عطا ہو گی یہ وعدہ جس شان سے پورا ہوا اس پر تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان مکہ معظمہ سے کس حالت میں مدینہ منورہ آئے اور پھر یہاں آ کر کس شان وشوکت کے مالک ہوئے۔ **تیسرا فائدہ** : ہجرت وہ ہی قبول ہے جو رضا الٰہی کیلئے ہو، بیوی زمین، پیسہ کمانے کی نیت سے ترک وطن اسلامی ہجرت نہیں اور نہ یہ شخص مہاجر ہے جیسا کہ یُهَاجِرُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ** : مسلمان مسافر تو بنتا ہے اپنی بستی سے نکل کر مگر مہاجر بن جاتا ہے اپنے دروازہ کی چوکھٹ سے قدم نکال کر جیسا کہ مِنْ بَیْتِهٖ سے معلوم ہوا یہ رب تعالیٰ کی بندہ نوازی ہے۔ **پانچواں فائدہ** : جو شخص کوئی نیک کام شروع کر دے مگر اسے مکمل نہ کر سکے تو اس نیکی کو ثواب مل گیا کوئی حفظ قرآن، علم دین سیکھنا شروع کر دے یا حج یا جہاد کو روانہ ہو جائے اور مر جاوے تو وہ حافظ، عالم، غازی بن گیا ابو یعلیٰ اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو حج کو روانہ ہوا یا عمرہ کو راستہ میں مر گیا تو تا قیامت ہر سال اسے حج وعمرہ کا ثواب ملے گا (روح المعانی) یہ اسلام کا قانون کلی ہے۔ **چھٹا فائدہ** : عبادات میں رضاء الٰہی کے ساتھ حضور کو راضی کرنے کی نیت کرنا شرک یا ریاء نہیں بلکہ اس سے عبادت کی تکمیل ہو جاتی ہے جیسا کہ مُهَاجِرًا اِلَی اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ سے معلوم ہوا۔ ہجرت اسلامی عبادت ہے مگر اس میں اللہ رسول کو راضی کرنے کی نیت کرنے کی ہدایت کی گئی لہٰذا نماز وروزہ حج وزکوٰۃ بلکہ ایمان واسلام وجہاد ہر عبادت میں اللہ رسول کو راضی کرنے کی نیت کرنی چاہئے رب فرماتا ہے وَاللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ (توبہ:۶۲)۔ بخاری شریف میں ہے وَمَنْ كَانَ هِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ الخ۔ **ساتواں فائدہ** : حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری رب تعالیٰ کے پاس حاضر ہونا ہے جیسا کہ مُهَاجِرًا اِلَی اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ جو حضور سے قریب ہے وہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہے جو حضور سے دور ہے وہ رب تعالیٰ سے دور ہے بلکہ جو حضور کا ہے وہ رب کا ہے جو حضور کا نہیں وہ رب کا نہیں ہم نے عرض کیا ہے۔

وہ رب کے ہیں رب ان کا ہے جو ان کا ہے وہ رب کا ہے
بے ان کے جو رب سے ملا چاہے دیوانہ ہے سودائی ہے!

اعتراضات

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ میں مہاجرین سے وعدہ فرمایا گیا کہ انہیں ہجرت کرنے پر بہت زمین بھی ملے گی اور بہت وسعت وگنجائش بھی مگر بارہا مہاجرین کو نہ

زمین ملتی ہے نہ گنجائش ایک بار ہندوستان سے بہت لوگ کابل گئے مگر وہاں سے سخت پریشان ہو کر لوٹے یہاں سے گھر بار فروخت کر گئے تھے جب لوٹے تو یہاں بھی پریشان رہے آج ہزار ہا بھارت کے مہاجر پاکستان میں خانماں برباد پھر رہے ہیں نہ انہیں زمین ملی نہ کوئی اور وسعت یہ وعدہ الٰہی پورا کیوں نہیں ہوتا۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہ وعدہ مہاجرین مکہ کے لئے تھا جو پورا ہو چکا وہ حضرات مدینہ منورہ میں آ کر کیسے پھلے پھولے وہ سب کو معلوم ہے۔ مَنۡ یُّهَاجِرۡ میں مَنۡ سے مراد اہل مکہ مومنین ہیں سارے مہاجرین سے یہ وعدہ نہیں جیسے جہادوں میں فرشتوں کا مسلمانوں کی مدد کے لئے آنا غزوۂ بدر و حنین کے لئے تھا ہمیشہ ہر جہاد اس امداد کا آنا لازم نہیں۔

دوسرا اعتراض: ان مہاجرین میں کیا خصوصیت تھی جو ان سے ایسے عظیم الشان وعدے کئے گئے دوسرے تا قیامت مہاجرین سے یہ وعدے کیوں نہیں عجیب معاملہ ہے کہ عمل ایک مگر عاملین کی جزاء میں فرق۔ **جواب**: اس فرق مراتب کی بہت وجہیں ہیں ایک یہ کہ وہ مہاجرین ہجرت کر کے حضور ﷺ کے پاس پہنچے آپ سے فیض پاتے تھے اب مہاجرین کو یہ نعمت میسر نہیں جیسے حضور کے پیچھے نمازیں پڑھنے والوں کی نمازیں ہماری نمازوں سے افضل ہیں ایسے ہی ان کی ہجرت ہماری ہجرت سے افضل دوسری یہ کہ وہ حضرات اسلام میں پہلے مہاجر تھے بعد کے مہاجرین ان کے نقش قدم پر چلنے والے اور نیکی ایجاد کرنے والوں کا ثواب دوسرے متبعین سے زیادہ ہوتا ہے بلکہ خود ان حضرات میں بھی بعض حضرات مہاجرین اولین تھے جنہوں نے حضور سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی انکا درجہ بہت اعلیٰ ہے جگہ جگہ قرآن کریم میں ان کے بڑے فضائل بیان ہوئے **وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ** (توبہ:۱۰۰) اس طرح فتح مکہ سے پہلے اسلام پر خرچ کرنے والوں کا ثواب بعد فتح خرچ کرنے والوں سے زیادہ **لَا يَسۡتَوِىۡ مِنۡكُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ وَ قٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعۡظَمُ دَرَجَةً** (حدید:۱۰): تیسرے یہ کہ ان کے جہاد ان کی ہجرتیں گویا اسلام کی بنیاد تھی۔ ہماری ہجرتیں و جہاد شاخیں اور ظاہر ہے کہ اسلام کی بنیاد کا درجہ شاخوں سے زیادہ ہوگا آج تمام جہان کے غازی مجاہد ایک غازی بدر، احد و حنین کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مہاجر کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ پر واجب و لازم ہے مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ رب تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں جیسا کہ علم کلام پڑھنے والوں پر ظاہر ہے تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے۔

جواب: وجوب و الزام دو طرح کا ہوتا ہے دوسرے کے زور و حکم سے کسی پر کچھ واجب و لازم ہو جانا جیسے ہم پر نماز و روزہ واجب ہے کیوں اللہ رسول کے حکم سے خود اپنے ذمہ کوئی چیز لازم کر لینا اپنی مہربانی سے جیسے کریم کسی کو بھیک دینے کا وعدہ فرمالے تو اب اس کے ذمہ یہ بھیک دینا لازم ہو گیا مگر اپنے آپ لازم کر لینے سے اللہ تعالیٰ پر پہلی قسم کا واجب کچھ نہیں دوسری قسم کا واجب ذمہ کرم پر بہت ہیں ہمارے عقیدے میں پہلی قسم کے وجوب کی نفی ہے آیت کریمہ میں دوسری قسم کے وجوب کا ثبوت لہٰذا ہمارا عقیدہ بھی درست ہے اور آیت کریمہ بھی بالکل صحیح ہے۔

تفسیر صوفیانہ

صوفیاء فرماتے ہیں کہ گناہ نفس کا وطن ہے اور نیک اعمال دل کا وطن گناہ تین قسم کے ہیں بظاہر نفع بخش جیسے جوا، سود، چوری، رشوت۔ دوسرے بظاہر لذیذ جیسے زنا، کھیل تماشہ وغیرہ تیسرے وہ جو نہ نفع ہیں نہ لذیذ نفس محض خباثت سے انہیں پسند کرتا ہے جیسے غیبت، قتل، چغلی، کینہ، حسد وغیرہ۔ جو کوئی نفس کے اس وطن یعنی گناہوں کو چھوڑ دے تو وہ دل کی زمین میں بڑی جگہ پاوے گا خیال رہے کہ اعلیٰ زمین میں خراب بیج بویا جاوے تو زہریلے خار دار درخت پیدا ہوتے ہیں اور اگر اچھا تخم بویا جاوے تو پھل پھول اگتے ہیں یوں ہی ترک گناہ کرنے والے کے دل میں غوثیت قطبیت کے پھل لگتے ہیں دل وہ شیشہ ہے جس میں سارا کارخانہ قدرت بلکہ خود کارخانہ دار بھی ہے مراغم جمع مرغم کی بمعنی جگہ و خانہ یعنی گناہ چھوڑنے والا اپنے دل میں بہت سے خانے پائے گا جیسے ایک گھر میں مختلف خانے ہوتے ہیں۔ اغیار خانہ بیٹھک، یار خانہ، آرام کمرہ، باورچی خانہ، موٹر خانہ، جانور خانہ، غسل خانہ ایسے ہی وہ دل میں رحمت خدا خانہ نبی خانہ ایمان خانہ عرفان خانہ نور خانہ پائے گا اور بڑی وسعت پاوے گا کہ اسے رحمت کی وسعتیں دعا کی قبولیتیں نماز میں لذتیں عطا ہوں گی خیال رہے کہ کسبی کمال کو فنا ہے وہبی کمال لازوال ہے جواجر رب تعالیٰ اپنے ذمہ لازم فرمالے اسے فنا و زوال نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا پہنایا ہوا کنگن بنیامین کے بھائی ان سے نہ چھین سکے ہر بار بنیامین کے بازو میں آجاتا تھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عطا فرمودہ ایمان و عرفان شیطان کیسے چھین سکتا ہے اس لئے ارشاد ہوا وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اس کا ثواب اللہ کے ذمہ لازم ہو چکا، کسبی ایمان، علم عبادات شیطان چھین سکتا ہے وہبی عطائی نہیں چھین سکتا اپنے کسی عمل کو اپنا کمال نہ جانو عطاء ذوالجلال مانو۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ہر غرض دینی کیلئے ترک وطن کرنا ہجرت اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ہے بلکہ دینی مقصد کے لئے سفر کرنا بھی عارضی ہجرت ہے۔ طلب علم، حج، جہاد، تلاش حلال روزی کیلئے سفر ہجرت اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ہے ان میں سے کسی کو راستہ میں موت آجاوے تو رب تعالیٰ وہاں ہی کسی مقبول بندے کی روح کے ذریعہ اس کی تکمیل کرا دیتا ہے۔ خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ قرآن مجید حفظ کرتے کرتے مر جائے تو رب تعالیٰ برزخ میں کسی مقبول کے ذریعہ اس کی تکمیل کر ادیتا ہے۔ یہ ہی حال طلب علم دین کا ہے اور یہ ہی حال حج و جہاد وغیرہ کا ہے ان کی تکمیل ان کے قبروں میں کرادی جاتی ہے بعض اہل کشف نے اسی کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ مگر یہ تکمیل مخلصین کے لئے ہے انسان کو چاہئے کہ طلب میں جیئے جستجو میں مرے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ان تمام ہجرتوں میں افضل ہجرت وہ ہے جو طلب مولیٰ میں نفس و نفسانیات سے روح و روحانیت کی طرف ہو جو اللہ کی طلب میں اپنے نفس کی بستی سے نکلے گا تو اسے روح، سر، خفی، واخفی کی بڑی وسیع بستیاں ملیں گی جہاں بڑے وسیع رزق کے پہاڑ ہیں۔ مومن کا قلب اتنا وسیع ہے کہ رب بھی اس قلب میں رہتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ مجھے نہ زمین لے سکے نہ آسمان میں مومن کے قلب میں رہتا ہوں۔ وہ میرا عرش ہے جو اس طلب میں نکلے پھر وہاں پہنچنے سے پہلے مر جاوے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر لازم ہو چکا کہ پہلے وہ خدا کا طالب تھا مگر اب رب

تعالیٰ اس کا طالب ہوتا ہے وہ رب کا مطلوب ومحبوب اللہ تعالیٰ وہ ہجرت نصیب فرماوے۔ یہ سفر بہت طویل ہے اس کے مسافر بہت کم (تفسیر روح البیان) بچہ اپنے ماں کے پیٹ میں سمجھتا ہے کہ یہ پیٹ ہی میری وسیع دنیا ہے وہاں اپنے کو بڑے عیش وآرام میں جانتا ہے وہاں سے آنا نہیں چاہتا قدرت جب اسے وہاں سے نکال کر زمین پر بھیجتی ہے تو روتا چیختا آتا ہے مگر یہاں اس دنیا کی وسعت کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اب تک میں قید خانے میں تھا دنیا تو یہ ہے ایسے ہی ہم اس دنیا کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ بڑی ہی لمبی چوڑی دنیا ہے یہاں سے آگے بڑھنا ہی نہیں چاہتے جسے اللہ تعالیٰ عالم روحانیت کی طرف ہجرت کی توفیق دیتا ہے تو وہ اس عالم کو دیکھ کر کہتا ہے کہ وہ اجسام والی دنیا تو جیل خانہ اور کالی کوٹھڑی تھی وسیع دنیا تو یہ ہے رب تعالیٰ اس عالم کی سیر نصیب کرے اب پڑھو یہ آیت کہ جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بڑی جگہ اور وہاں بہت گنجائش پائے گا وہ گنجائش والا عالم ہماری عقل وفہم سے وراء ہے حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

کارواں رفت تو در راہِ کمیں گاہ بخواب وہ کہ بس بے خبر از غلغل وچندے جرسی

بال بکشاء وصفیر از شجر طوبیٰ زن حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسی

یہ جہاں بلبل قلب کے لئے قفس وپنجرا ہے وہ جہان صحرا جو ادھر جانے کی کوشش کرے اور نہ پہنچے وہ بھی اجر وثواب سے محروم نہیں۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ
اور جب سفر کرو تم زمین میں تو نہیں ہے اوپر تمہارے کوئی گناہ کہ
اور جب تم زمین میں سفر کرو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے
تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ ﷺ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ط
کمی کرو بعض نمازوں میں اگر ڈرو تم کہ کافر تمہیں ایذاء دیں گے
پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذاء دیں گے
اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا (۱۰۱)
بے شک کفار ہیں تمہارے دشمن کھلے ہوئے
بے شک کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد اور ہجرت کا پرزور حکم دیا ان دونوں میں اکثر سفر کرنا پڑتا ہے لہٰذا اب سفر کے کچھ احکام بیان فرمائے تاکہ مجاہدین اور مہاجرین دوران سفر میں ان پر عمل کریں غلطی نہ کریں۔

دوسرا تعلق : پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے ہجرت فی سبیل اللہ کے اخروی فوائد اور وہاں کی رعاتیوں کا ذکر فرمایا تھا اب اس ہجرت کی دنیاوی رعاتیوں کا ذکر ہے کہ مہاجر اگر سفر کر کے ہجرت کرے تو دوران سفر میں اسے نماز میں یہ رعایت دی جاوے گی۔ **تیسرا تعلق** : پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ مہاجر ہجرت شروع کرتے ہی مہاجر بن جاتا ہے۔ اگرچہ منزل مقصود پر نہ پہنچے اب فرمایا جارہا ہے کہ مسافر سفر شروع کرتے ہی رعایت سفر کا مستحق ہو جاتا کہ اپنی بستی سے نکلتے ہی قصر نماز پڑھنے لگتا ہے غرضیکہ ہجرت کی رعاتیں بیان فرما کر سفر کی رعاتیوں کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے تا کہ یہ مسئلہ ذہن نشین ہو جاوے۔

تفسیر وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ یہاں اِذَا عموم ظرف کے لئے ہے بمعنی جب کبھی خواہ نزول قرآن کے زمانہ میں یا تاقیامت کسی اور وقت ضرب کے معانی ابھی کچھ پہلے بیان ہو چکے یہاں بمعنی سفر ہے۔ ضَرَبْتُمْ میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے کیونکہ کفار پر نہ نماز فرض ہے نہ ان کیلئے قصر وغیرہ مسلمانوں میں متقی گنہگار جائز سفر کرنے والے اور ناجائز سفر کرنے والے سب ہی داخل ہیں لہٰذا قصر نماز سفر حج میں بھی ہوگا اور بغاوت یا چوری ڈکیتی کے سفر میں بھی جیسے یہاں سفر ہجرت کی قید نہیں ایسے ہی سفر مباح کی بھی پابندی نہیں چونکہ عموماً سفر زمین ہی میں ہوتا ہے اس لئے فِی الْاَرْضِ فرمایا گیا ورنہ دریائی سفر ہوائی سفر پہاڑی سفر سب کے یہ ہی احکام ہیں جو یہاں ذکر ہو رہے ہیں یا یوں کہو کہ ان تمام بحری ہوائی سفروں میں مقصود ہوتا ہے زمین کا طے کرنا اس لئے فِی الْاَرْضِ فرمایا گیا غرضیکہ فِی الْاَرْضِ کا ذکر عموم سفر کے لحاظ سے اتفاقی ہے نہ کہ احترازی اور ہوسکتا کہ فِی الْاَرْضِ فرما کر یہ بتایا گیا ہو کہ قصر زمینی مسافت طے کرنے میں ہوگا نہ کہ پہاڑی یا فضائی مسافت طے کرنے میں لہٰذا اگر کوئی سو میل اونچا اڑ جاوے مگر رہے اپنے وطن کے مقابل یا اپنے وطن کے اونچے پہاڑ پر چڑھ جاوے وہ مسافر نہیں قصر نہیں کرسکتا فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ عَلَیْکُمْ میں ان ہی مسلمانوں سے خطاب ہے جن سے ضَرَبْتُمْ میں خطاب تھا جُنَاحٌ کے لغوی معنی ہیں۔ میلان رب فرماتا ہے وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (انفال: ۶۱) گناہ کو جناح اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں انسان اچھائی سے برائی کی طرف مائل ہوتا ہے تَقْصُرُوْا قصر سے بنا بمعنی کم کرنا اس کا مقابل ہے مدّ اس لئے بال کٹوانے کو تقصیر کہتے ہیں رب فرماتا ہے وَ مُقَصِّرِیْنَ لَاتَخَافُوْنَ (فتح: ۲۷) اور پستہ قد کو قیصر کہتے ہیں روکنے کو بھی قصر کہا جاتا ہے رب فرماتا ہے حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ (رحمٰن: ۷۲) محل کو قصر اس لئے کہتے ہیں کہ یہ غیروں کو داخل ہونے سے روکتا ہے۔ یہاں یہ تصریح نہیں کہ قصر سے مراد نماز کی رکعتیں کم کرنا ہیں یا نماز کے ارکان کم کرنا یا نماز کے بعض صفات کم کرنا احادیث صحیحہ نے بتایا کہ یہاں رکعات نماز کی کمی مراد ہے اگرچہ بعض حالات میں سفر میں ارکان نماز بھی کم کر دیئے جاتے ہیں کہ سخت ضرورت کے وقت سواری پر اشاروں سے نماز جائز کر دی جاتی ہے۔ قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ معاف کر دیئے جاتے ہیں مگر وہ کمی یہاں مراد نہیں اس کیلئے دوسری آیات ہیں جو اپنے مقام پر

آئیں گی مِنَ الصَّلٰوۃِ میں مِنْ تبعیضیہ ہے تَقْصُرُوْا کا مفعول شَیْئًا پوشیدہ ہے کیونکہ ہر نماز میں مسافر قصر نہیں کرتا بلکہ چار رکعات والی نماز میں ہی کرتا ہے جیسے نماز ظہر وعصر وعشا کہ ان میں بجائے چار کے دو رکعات فرض پڑھتا ہے نیز ان قصری نمازوں میں بھی صرف فرض نمازوں میں قصر ہوتا ہے وتر سنت نفل سب پورے پڑھے جاتے ہیں ان میں قصر مطلقاً نہیں ہوتا اسلئے یہاں مِنَ الصَّلٰوۃِ فرمایا مِنْ تبعیضیہ کے ساتھ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا چونکہ زمانہ نبوی میں اکثر سفر خطرناک ہوتے تھے کفار کا خوف ہر مسافر کو لگا رہتا تھا اس واقعہ کے بیان کے لئے یہ ارشاد ہوا غرضیکہ خوف کفار کی قید بیان واقعہ کے لئے اتفاقی ہے احترازی نہیں اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے بحالت امن بھی سفر میں قصر واجب ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے یَّفْتِنَکُمْ میں خطاب ان ہی مسافر مسلمانوں سے ہے جن سے خطاب ابھی عَلَیْکُمْ اور اَنْ تَقْصُرُوْا میں تھا فتنہ سے مراد ہے ایذاء پہنچانا کَفَرُوْا سے مراد ہر قسم کے حربی کفار ہیں اہل کتاب ہوں یا مشرکین یعنی اگر تمہیں خوف ہو کہ کفار تم کو نماز میں ستائیں گے کہ تم تو نماز میں مشغول ہو گے وہ تم پر حملہ کر دیں گے تو تم فرض نماز میں قصر کر لیا کرو تا کہ تم کو اداء نماز میں دیر نہ لگے اور کفار کو تم پر حملہ کرنے کا زیادہ موقعہ نہ ملے رہے نفل وسنت وہ تو تم سواری پر بھی پڑھ سکتے ہو اس لئے نہ اس میں کفار کے حملہ کا اندیشہ ہے نہ قصر کی ضرورت۔ اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا یہ اس گزشتہ مضمون کی گویا علت ہے کافرین جمع ہے اس لئے کَانُوْا جمع ارشاد ہو مگر چونکہ عَدُوًّا اسم جنس ہے جو ایک اور زیادہ سب پر بولا جاتا ہے اس لئے اَعْدَاءً جمع نہ فرمایا بلکہ عَدُوًّا واحد ہی ارشاد ہوا نیز کفار خواہ کسی قسم کے ہوں مسلمانوں سے سب کو عداوت ایک ہی قسم کی ہے گویا وہ نوعیت عداوت میں ایک ہی ہیں کہ سب دینی روحانی دشمن ہیں اگرچہ بعض نادان دشمن ہیں اور بعض دانا دشمن جب ہمارا کفار کا خدا رسول قرآن کلمہ نماز وغیرہ کچھ بھی ایک نہیں تو ان سے محبت کیسے ہو سکتی ہے۔ اسلئے بھی عَدُوًّا واحد آیا مُّبِیْنًا کے معنی ہیں کھلا ہوا ظاہر روشن یعنی کفار تمہارے کھلے ہوئے ظاہر دشمن ہیں وہ تمہاری ہر مشغولیت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں لہٰذا ان سے ہوشیار رہو۔ قصر نماز کی اس آیت کو کفار کی عداوت کے ذکر پر ختم فرما کر اشارۃً بتایا کہ قصر نماز تا قیامت اس لئے باقی رکھی کہ تم کو عداوت کفار یاد رہے طواف کا رمل ظہر وعصر کی نمازوں میں آہستہ قرأت اور سفر کا قصر اس عداوت کو یاد دلانے کیلئے ہے خیال رکھو کہ مسلمانوں کی آپس میں عداوت عارضی ہے دنیا میں یا بعد موت ختم ہو جاوے گی اور کفار سے دوستی عارضی ہے دنیا یا آخرت میں ختم ہو جاوے گی رب فرماتا ہے اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ (زخرف: ۶۷)۔ خونی محبتیں فانی ہیں دینی اسلامی محبتیں باقی ہیں۔

خلاصۂ تفسیر اے مسلمانو جب کبھی تم کسی مقصد کے لئے سفر کرو تو اس میں گناہ نہ سمجھو کہ بعض نمازوں میں قصر کر لیا کرو کہ چار رکعت والے فرض دو رکعت پڑھو باقی سنتیں نفل وتر وغیرہ پوری پڑھو اگر تم کو یہ خوف ہو کہ تمہاری دراز نمازوں کی مشغولیت میں کفار تم کو نقصان پہنچائیں گے ان کے یہ برے ارادے ہیں اس

لئے ہم نے نماز فرض میں تخفیف کردی کہ چار کے دو کردیئے باقی نوافل وغیرہ میں نہ سفر توڑنا پڑتا ہے نہ زمین پر اتر کر پڑھنا ہوتی ہیں لہٰذا وہ پوری پڑھو سواری پر چلتے چلتے پڑھو کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں اگر چہ کافر کسی قسم کا ہو مگر مسلمانوں کی دشمنی میں برابر ہے اس سے پر خطر رہو۔ خیال رہے کہ سفر میں نفل و سنت سواری پر بھی پڑھے جاسکتے ہیں مگر فرض نیچے اتر کر پڑھنا ضروری ہے یا اب کھڑی ریل میں پڑھ سکتے ہیں اس مسئلہ کی دلیل یہ ہی آیت کریمہ ہے اب جو لوگ چلتی ریل میں فرض نماز جائز کہتے ہیں اس آیت کریمہ کے خلاف کرتے ہیں اگر فرض چلتی سواری پر جائز ہوتے تو نہ قصر کا حکم ہوتا نہ اس قید کا کچھ فائدہ ہوتا کہ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الخ۔

سفر میں قصر

ساری امت کا اس پر اجماع ہے کہ سفر میں نماز کا قصر ہے یعنی چار رکعت فرض دو رکعت پڑھی جاویں گی اس میں اختلاف ہے کہ قصر جائز ہے یا واجب ہم احناف کے ہاں قصر واجب ہے حضرت عمر و علی و عبداللہ ابن عمر جابر ابن عبداللہ وابن عباس، خواجہ حسن بصری عمر ابن عبدالعزیز قتادہ امام مالک یہ ہی فرماتے ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ پہلے ہر نماز دو رکعت فرض ہوئی پھر نماز سفر تو اسی طرح دو رکعت رہی اور وطن کی نمازیں بڑھادی گئیں (مسلم بخاری) امام شافعی فرماتے ہیں کہ قصر جائز ہے مسافر کو اختیار ہے دو رکعت پڑھے یا چار مگر قصر افضل ہے (خازن) مگر مذہب حنفی نہایت قوی ہے اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم کا مطالعہ فرماؤ۔

ہر سفر میں قصر ہے

ہمارے احناف کے ہاں سفر خواہ مباح ہو جیسے تجارت نوکری سیر و تفریح کا سفر یا ثواب جیسے جہاد، حج طلب علم دین کا سفر یا گناہ جیسے چوری ڈکیتی کے لئے سفر ہر سفر میں قصر ہے مگر امام شافعی کے ہاں سفر گناہ میں قصر جائز نہیں احناف کا قول نہایت قوی ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے یہاں وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ مطلقاً فرمایا اس میں کوئی قید سفر جائز یا ثواب کی نہ لگائی معلوم ہوا کہ ہر سفر میں قصر ہے نیز جب مجرم مسافر موزوں پر مسح تین دن کر سکتا ہے اور سفر کی اس رعایت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے تو قصر کی رعایت سے فائدہ کیوں نہ اٹھائے نیز سفر بذات خود کوئی برا نہیں ہوتا وہ کام برا ہوتا ہے جو وہاں کیا جائے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص گھر سے نکلے چوری کے لئے مگر بعد میں اس سفر میں بجائے چوری کہ حج کر آئے یا اس کے برعکس گھر سے روانہ ہو حج یا جہاد کے لئے مگر بجائے اس کے ڈکیتی کر آئے ایسے سفر کے متعلق حضرت امام شافعی کیا فرمائیں گے۔ حضرت عمر گھر سے نکلے تھے حضور انور کو شہید کرنے مگر منزل مقصود پر پہنچ کر مومن صحابی ہو گئے فرعونی جادوگر اپنے گھروں سے آئے تھے جادو کرنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے مگر اس سفر کے ذریعہ انہیں ایمان مل گیا۔ دیکھو چلنے کی ابتداء کفر پر ہے انتہاء ایمان و عرفان پر موسیٰ علیہ السلام گئے تھے مدین سے مصر یہ سفر مباح تھا پھر راہ میں گئے تھے آگ لینے یہ چلنا بھی مباح تھا مگر اس سفر میں نبوت جیسی

نعمت مل گئی غرضیکہ سفر بذات خود برایا اچھا نہیں نتیجہ کا اعتبار ہے۔ بہرحال مذہب حنفی قوی ہے ہر سفر میں قصر واجب ہے۔

سفر کی مسافت

احناف کے ہاں سفر کی مسافت تین دن کی راہ ہے اس سے کم سفر میں قصر نہیں جو موجودہ سرکاری میلوں کے حساب سے تقریباً ستاون ۵۷ میل بنتے ہیں جو شخص ستاون میل کے ارادے سے گھر سے نکلے تو بستی چھوڑتے ہی قصر کرے اور واپسی میں داخل ہونے تک قصر کرتا رہے گا۔ امام شافعی کے ہاں چار برید یعنی سولہ فرسخ کے سفر میں قصر ہو جاتا ہے فرسخ ۳ میل کا کل ۴۸ میل ہوئے۔ میل ہاشمی معتبر ہے ہر میل چھ ہزار ہاتھ کا مگر مذہب حنفی بہت قوی ہے اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم کا مطالعہ فرماؤ۔

مدّت قیام

احناف کے نزدیک مسافر جس جگہ دوران سفر میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلے تو وہ وہاں عارضی مقیم ہو گیا اور اب وہاں رہتے ہوئے قصر نہیں کرسکتا نماز پوری پڑھے گا یہ حکم عارضی قیام کا ہے اپنے وطن میں اگر پانچ منٹ کے لئے بھی آوے تو مقیم ہو گا اور نماز پوری پڑھے گا بعض ائمہ کے ہاں دس دن قیام پر نماز پوری ہو جاتی ہے۔ مگر مذہب حنفی بہت قوی ہے۔ اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم کا مطالعہ فرماؤ۔

سفر میں نفل

اس پر علماء امت کا اتفاق ہے کہ قصر صرف فرض نماز میں ہے وہ بھی چار رکعت والی نمازوں میں فرض کے علاوہ دوسری تمام نمازیں سنت، نفل، وتر وغیرہ میں نہ قصر ہے نہ معافی۔ مگر اس زمانہ کے بعض آرام طلب مدعیان عمل بالحدیث اور مرزائی کہتے ہیں کہ سفر میں نفل بالکل معاف ہیں۔ دیکھو تفسیر بیان القرآن مصنفہ مولوی محمد علی مرزائی لاہوری مگر ان لوگوں کا یہ قول درست نہیں کیونکہ یہاں آیت کریمہ میں فرمایا گیا اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ مِنْ تبعیضیہ سے معلوم ہوا کہ نہ پوری نماز میں قصر ہے نہ ہر نماز میں صرف چار رکعت والی نمازوں میں صرف فرض میں قصر ہو گا نیز حضور سید عالم ﷺ اور تمام صحابہ کرام نے ہمیشہ سفر میں سنتیں وغیرہ پوری پڑھی ہیں ان حضرات کا یہ عمل اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں ملاحظہ فرماؤ غرضیکہ نماز سفر کا مسئلہ بڑا اہم اور پیچیدہ ہے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: یہاں آیت کریمہ میں فرمایا گیا فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ تم پر بعض نمازوں میں قصر کر لینے میں گناہ نہیں معلوم ہوا کہ قصر کرنا واجب نہیں بلکہ صرف مباح ہے یہ عبارت مباح ہونے پر دلالت کرتی ہے نہ کہ وجوب پر (شافعی)۔

جواب: یہ قاعدہ درست نہیں قرآن کریم میں یہ عبارت واجب و فرض کیلئے بھی بولی گئی رب فرماتا ہے فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِہِمَا (بقرہ:۱۵۸)۔ جو حج یا عمرہ کرے اس پر صفا مروہ دوڑنے میں گناہ نہیں حالانکہ صفا مروہ دوڑنا حج میں ہمارے ہاں واجب ہے امام شافعی کے ہاں فرض ہے نیز مباح یا مستحب کی پہچان یہ ہے کہ اس کے نہ

کرنے میں گناہ نہ ہو۔ کرنے میں گناہ نہ ہونا مباح مستحب فرض واجب سب کو شامل ہے۔

دوسرا اعتراض: حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے آخری دور میں مکہ معظمہ حج کے لئے پہنچ کر نمازیں پوری پڑھیں حالانکہ آپ وہاں مسافر تھے مہاجرین کو مکہ معظمہ میں دس دن سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت ہی نہ تھی یوں ہی حضرت عائشہ صدیقہ آخر عمر شریف میں سفر میں پوری نماز پڑھتی تھیں اگر قصر واجب ہوتا تو یہ حضرات پوری نمازیں کیوں پڑھتے (شافعی)۔ **نوٹ**: امام نووی نے یہ دلیل نہایت فخر سے شرح مسلم میں بیان فرمائی۔ **جواب**: ان بزرگوں کا عمل ہی بتا رہا ہے کہ سفر میں قصر مباح نہیں بلکہ واجب ہے کیونکہ ان کا عمل یہ نہ تھا کہ کبھی قصر پڑھ لیں کبھی پوری بلکہ جب انہوں نے قصر کی تو پوری کبھی نہ پڑھی اور جب پوری پڑھی تو قصر کبھی نہ کی عثمان غنی نے آخر خلافت میں مکہ معظمہ میں نکاح کر لیا تھا اور وہاں ہی مکان بنا کر اور بیوی صاحبہ کو رکھا تھا اب چونکہ آپ کا گھر بن گیا اگر پانچ منٹ کے لئے بھی آتے تو پوری نماز پڑھتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے آخر میں فرمایا کہ تمام مسلمان میری اولاد ہیں۔ میں یہ بحکم قرآن سب کی ماں ہوں جہاں جس کے گھر دس منٹ کے لئے بھی جاؤں میں مقیم ہوں۔ سب گھر میرے بچوں کے ہیں تو میرے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (روح المعانی، جاء الحق حصہ دوم) لہٰذا ان بزرگوں کا یہ عمل مذہب احناف کے خلاف نہیں۔ **نوٹ**: اس کے متعلق اور سوال و جواب ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں دیکھو۔

تیسرا اعتراض: حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اے مکہ والو چار برید سے کم میں قصر نہ پڑھو مکہ سے عسفان جتنی مسافت میں قصر ہے معلوم ہوا کہ سفر کی مسافت تین دن کا راہ نہیں بلکہ اس سے کم ہے (شوافع)۔

جواب: اس حدیث کی اسناد میں عبدالوہاب ابن مجاہد ہے وہ محدثین کے نزدیک سخت ضعیف ہے حتیٰ کہ سفیان ابن عینیہ اسے کاذب وجھوٹا کہتے ہیں لہٰذا یہ حدیث سخت ضعیف ہے احادیث صحیحہ میں ہے کہ مسافر کے لئے موزوں پر مسح کی مدت تین دن ہے اور فرمایا نبی ﷺ نے کہ عورت بغیر محرم تین دن کا سفر نہ کرے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسافت سفر تین دن کا راہ ہے (جاء الحق حصہ دوم و روح المعانی)۔

چوتھا اعتراض: احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ذوالحلیفہ پہنچ کر نماز قصر پڑھی حالانکہ ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے صرف تین میل دور ہے۔ معلوم ہوا کہ دو تین میل پر بھی قصر ہو جاتا ہے (غیر مقلد)۔ **نوٹ**: ان حضرات کے ہاں جو شخص اپنے کھیت پر یا جنگل سیر کے لئے جاوے وہ قصر کرے۔ **جواب**: اس وقت حضور ﷺ بارادہ حج مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے تھے۔ تب آپ نے ذوالحلیفہ پہنچ کر قصر نماز پڑھی یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے اور واقعی جو شخص دراز سفر کے ارادہ سے نکلے وہ بستی سے نکلتے ہی قصر پڑھے گا لہٰذا یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں۔

پانچواں اعتراض: کوئی شخص گناہ کے ذریعہ رحمت الٰہی کا مستحق نہیں ہو سکتا گناہ کیلئے سفر کرنا بھی گناہ ہے تو ایسے گنہگار مسافر کو قصر کی رعایت نہیں ملنی چاہیے صرف جائز سفر میں قصر درست ہے (شوافع)۔ **جواب**: یہ قاعدہ

غلط ہے گناہ کے ذریعہ احکام شرعیہ مرتب ہو جاتے ہیں چوری کی چھری سے جانور ذبح کیا حلال ہے چوری کے موزے پہن لئے اس پر مسح کر سکتا ہے گناہ اور چیز ہے قانون کچھ اور چیز نیز کسی سفر کے متعلق یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ گناہ ہے جیسا کہ تفسیر یں عرض کیا گیا۔

چھٹا اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ ایک سفر میں سیدنا عبداللہ ابن عمر نے کچھ لوگوں کو بعد نماز ظہر منزل پر سنتیں پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ اگر میں نے سنتیں پڑھنی ہوتیں تو فرض ہی پورے کیوں نہ پڑھ لیتا میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو سفر میں سنتیں پڑھتے نہ دیکھا معلوم ہوا کہ سفر میں صرف چار فرض کی بجائے دو فرض پڑھنے چاہئیں سنتیں نفل وغیرہ نہ پڑھنے چاہئیں (غیر مقلد)۔ **جواب**: اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ سفر میں جلدی ہو اور سنتیں نفلوں کے لئے سفر روکنا زمین پر باقاعدہ کھڑے ہو کر ادا کرنا مناسب نہیں بلکہ یہ چیزیں سواری پر ہی پڑھ لینا چاہئیں ان کے لئے سفر روکنا نہ چاہئے یہاں اہتمام پر انکار ہے نہ کہ نفل ادا کرنے پر ورنہ انہی عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بہت روایات ہیں کہ میں نے سفر میں رسول اللہ ﷺ کو سواری پر نفل پڑھتے دیکھا یا حضور نے ظہر کی سنتیں سفر و حضر کہیں نہ چھوڑیں۔

ساتواں اعتراض: تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے فرض بجائے چار کے دو فرمادیئے اور حضور ﷺ اپنی سنتوں میں رعایت نہ فرمائیں حضور تو رحمت عالم ہیں پھر رحم کیوں نہیں فرماتے (غیر مقلد)۔ **جواب**: حضور رحمۃ العالمین ہیں۔ اس لئے سنتیں کم نہیں فرماتے نماز رحمت ہے رحمت کا کم نہ ہونا ہی اچھا ہے فرض میں قصر کی وجہ ہم بیان کر چکے کہ فرض کے لئے سفر روکنا سواری سے اترنا پڑتا ہے سنت و نفل میں یہ پابندی نہیں سواری پر سفر کرتے ہوئے پڑھی جا سکتی ہیں اس لئے ان کے قصر کی ضرورت پیش نہ آئی۔

آٹھواں اعتراض: یہاں قرآن مجید نے قصر کے لئے خوف کفار کی قید لگائی۔ معلوم ہوا کہ امن کی حالت میں سفر میں قصر نہیں (داؤد اہل ظواہر)۔ **جواب**: قرآن کریم میں لفظ اِنْ تین موقعوں پر استعمال ہوا ہے۔ تہدید کے یعنی ڈرانے کے لئے جیسے **اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ثُمَّ کَفَرْتُمْ بِہٖ** (حٰم السجدہ:۵۲)۔ بیان حالت کے لئے جیسے **اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا** (نور:۳۳) جسے اتفاقی کہتے ہیں قید لگانے کے لئے جیسے **وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ** (آل عمران:۱۳۹) یہاں یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں چونکہ اس زمانہ میں عموماً سفر خطرناک ہوتے تھے اسی لئے اس کا ذکر فرمایا گیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ خوف نہ ہو تو قصر بھی نہ کرو رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَلَا تُکْرِھُوْا فَتَیٰتِکُمْ عَلَی الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا** (نور:۳۳) اگر تمہاری لونڈیاں زنا سے بچنا چاہیں تو انہیں زنا پر مجبور نہ کرو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر نہ بچنا چاہیں تو ان سے خوب زنا کراؤ یا فرماتا ہے کہ اگر تم گناہ کبیرہ سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ معاف فرمادیں گے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر گناہ کبیرہ سے نہ بچو گے تو چھوٹے گناہ بھی معاف نہ

ہوں گے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہم نے نہایت امن کے زمانہ میں منیٰ میں حضور کے ساتھ دو رکعتیں فرض پڑھے۔ حضرت عمر نے یہ ہی سوال نبی کریم ﷺ سے کیا تھا تو فرمایا یہ قصر اللہ کا صدقہ ہے اسے قبول کرو اگر مان بھی لیا جاوے اس وقت خوف کفار کی بناء پر سفر میں قصر تھا تو قصر کی ابتداء خوف کی بنا پر تھی مگر اس کا بقا مطلقاً ہے دیکھو طواف میں رمل کی ابتداء کفار مکہ کو مسلمانوں کی طاقت دکھانے کے لئے تھی مگر اب رمل کی بقاء مطلقاً ہے یوں ہی نماز ظہر و عصر میں آہستہ قرأت کی ابتداء کفار مکہ کے خوف کی بنا پر تھی مگر اس کی بقا مطلقاً ہے۔

نواں اعتراض: اس آیت کریمہ میں ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ کیوں فرمایا گیا بحری و ہوائی سفر میں قصر نہیں ہوتا۔
جواب: اہل عرب کے سفر عموماً زمین میں ہی ہوتے تھے۔ ہوائی جہاز اس زمانہ میں تھے ہی نہیں سمندری کشتیوں میں دراز سفر نہ ہوتے تھے نیز اب بھی سفر کا مبدا اور انتہا زمین ہی ہے کہ انسان زمین پر ہی رہتا ہے اور ہوائی سفر و بحری سفر میں بھی زمین طے کرنا مقصود ہوتی ہے اس لئے فِي الْأَرْضِ فرمایا گیا نیز فِي الْأَرْضِ فرما کر بتایا گیا کہ سفر میں زمین کی مسافت کا اعتبار ہے فضائی یا پہاڑ کی بلندی کی مسافت معتبر نہیں فضا میں بذریعہ راکٹ ہزار میل اونچے اڑ جاؤ مگر رہو اپنے شہر کے اوپر تو تم نہ مسافر ہو نہ وہاں قصر پڑھو گے نیز ضَرَبْتُمْ میں اشارۃً ارشاد ہے کہ زمین کی مسافت میں قدم کی رفتار معتبر ہے۔ موٹر، ریل یا ولی کی طی الارض معتبر نہیں اور زمین میں عام رہنے بسنے کی زمین کا لحاظ ہے ریتہ پتھریلا علاقہ کا اعتبار نہیں۔

دسواں اعتراض: یہاں فِي الْأَرْضِ مطلق ہے تین دن یا ان کی مسافت کی قید نہیں تو چاہئے کہ مطلقاً سفر میں قصر ہو جاوے اگرچہ ایک میل ہی کا ہو (غیر مقلد)۔ **جواب**: یہ آیت مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے جسے حضور ﷺ نے مفصل فرمایا کہ اتنے دراز سفر میں قصر ہے اس سے کم میں نہیں ورنہ پھر چاہئے کہ گھر سے مسجد تک جاؤ تو قصر پڑھو بلکہ کوٹھڑی سے گھر کے صحن میں آؤ تو قصر پڑھو کیونکہ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فرمایا ہے۔ جس کے معنی ہیں تم زمین میں چلو چلنا مسجد تک ہو یا گھر کی کوٹھڑی تک۔

گیارھواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا۔ کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں قاعدہ چاہتا تھا کہ أَعْدَاءً مُبِينًا فرمایا جاوے کہ كَانُوا جمع ہے تو عَدُوًّا واحد کیوں لایا گیا۔ **جواب**: عَدُوًّا اسم جنس ہے جو واحد و جمع سب پر بولا جاتا ہے یہاں جمع پر بولا گیا ہے چونکہ تمام کفار کی عداوت مسلمانوں سے یکساں طور پر ہے یعنی دینی ایمانی عداوت اس لئے عَدُوًّا ارشاد ہوا بہر حال آیت کریمہ واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ

دنیا میں مسلمان جب نیک اعمال خصوصاً نماز ادا کرتا ہے تو وہ گویا آخرت کی طرف سفر کرتا ہے اعمال صالحہ کرنا اپنے اصلی وطن کی طرف سفر کرنا ہے پردیس سے پردیس میں جانا ہے اتمام نماز یہ ہے کہ صرف فرائض پنجگانہ پر قناعت نہ کی جاوے بلکہ اشراق، چاشت، تہجد، اوابین وغیرہ بھی ادا کئے جاویں نماز کا قصر صوفیاء کے ہاں یہ ہے کہ فرائض پنجگانہ پر قناعت کی جاوے نفس و شیاطین ہمارے دشمن کفار

ہیں۔فرمایا جارہا ہے کہ جب تم بذریعہ ادا نماز سفر آخرت کرو اور تم پر نفس امارہ نیند، سستی، کمزوری وغیرہ واقع کر کے فتنہ میں مبتلا کر دے تو اس میں گناہ نہیں کہ تم ایسی مجبوری میں صرف فرائض پنجگانہ پر قصر یعنی کفایت کرلو اور نیند کی بے خودی میں نوافل نہ پڑھو کہ ممکن ہے اس نیند کی حالت میں تم پڑھو کچھ اور منہ سے نکلے کچھ اس کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ ہر شخص بقدر خوشی نوافل پڑھے نیند کے غلبہ پر آرام کرے صوفیاء فرماتے ہیں کہ شیطان کا فریب یہ بھی ہوتا ہے کہ مسلمان کو ایک دفعہ تو تمام رات نوافل پڑھوا دے اور دوسرے دن فرض پڑھنے کے قابل نہ رکھے بہترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جاوے اگرچہ تھوڑا ہو یہ آیت کریمہ اعمال میں میانہ روی کی تعلیم دے رہی ہے نفس و شیطان کھلے دشمن ہیں اگر یہ تم سے نفل عبادات کراتے ہیں تو اس میں بھی ان کی چال ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں اِنْ تَقْصُرُوْا میں ہم سے خطاب فرما کر یہ بتایا کہ نماز سفر میں قصر تمہاری طرف سے ہوگا کہ چار کی بجائے تم دو پڑھو گے۔ہماری طرف سے قصر یعنی کمی نہ ہوگی ہم ثواب چار رکعت کا دیں گے یا سفر میں حضر کی نماز کا ثواب بخشیں گے کیونکہ بیمار کو تندرستی کی عبادات کا ثواب ملتا ہے اور مسافر کو گھر کی عبادات کا ثواب عطا ہوتا ہے اور فرماتے ہیں کہ یہاں اِنْ خِفْتُمْ کے خطاب میں حضور ﷺ سے لے کر عوام مسلمان تک سب داخل ہیں حضرات انبیاء و اولیاء کی واردات مختلف ہیں کبھی ان پر بشریت کا ظہور ہوتا ہے تب ان کو بھوک پیاس خوف اور کفار سے خطرہ سب کچھ لاحق ہوتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے خوف کا اظہار فرمایا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی (طٰہٰ:۴۵)۔ حضور ہجرت کی شب غار ثور میں پردہ پوش ہوئے کبھی ان پر نورانیت کی جلوہ گری ہوتی ہے تو نہ انہیں غذا و پانی کی ضرورت ہوتی ہے نہ کسی سے خوف حضور کو غزوۂ حنین میں کفار نے گھیر لیا تو تن تنہا سب کو بھگا دیا کوئی خوف نہ فرمایا فرعونی جادوگر مومن ہو کر فرعون سے بولے فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ (طٰہٰ:۷۲) جو تجھ سے ہو سکے کر لے۔عیسیٰ علیہ السلام بغیر غذا صد ہا سال سے آسمان پر ہیں حضور صوم وصال میں متواتر کئی دن تک کھاتے پیتے نہ تھے یہ تھی نورانیت کی جلوہ گری یہاں اِنْ خِفْتُمْ میں حضور بھی داخل ہیں اور بشریت کے ظہور کا ذکر ہے۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ
اور جب ہو تم ان پھر قائم کرو ان کے لئے نماز کو تو چاہئے کہ کھڑا ہو ایک گروہ ان میں سے
اور اے محبوب جب تم ان میں تشریف فرما ہو پھر نماز میں ان کی امامت کرو تو چاہئے کہ ان میں ایک
مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ
ساتھ تمہارے اور وہ لئے رہیں ہتھیار اپنے پھر جب سجدہ کریں وہ تو ہو جائیں تمہارے پیچھے
جماعت تمہارے ساتھ ہو اور وہ اپنے ہتھیار لئے رہیں پھر جب وہ سجدہ کرلیں تو ہٹ کر پیچھے

وَرَآئِكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ

اور چاہئے کہ آجائے گروہ دوسرا جس نے نہ نماز پڑھی پس نماز پڑھیں وہ آپ کے ساتھ

ہو جائیں اور اب دوسری جماعت آئے جو اس وقت نماز میں شریک نہ تھی اب وہ تمہارے

وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ

اور لئے رہیں بچاؤ اپنا اور ہتھیار اپنے چاہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ کسی طرح

مقتدی ہوں اور چاہئے کہ اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں اور کافروں کی تمنا ہے

تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً

غافل ہو جاؤ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامانوں سے تو ٹوٹ پڑیں تم پر یک

کہ کہیں تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ تو ایک دفعہ تم پر

وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ

بارگی اور نہیں ہے گناہ اوپر تمہارے اگر ہو تم کو تکلیف بارش سے

جھک پڑیں اور تم پر مضائقہ نہیں اگر تمہیں مینہ کے سبب تکلیف ہو

اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ

یا ہو تم بیمار یہ کہ رکھ دو تم ہتھیار اپنے اور لئے رہو تم بچاؤ اپنا

یا بیمار ہو کہ اپنے ہتھیار کھول رکھو اور اپنی پناہ لئے رہو

اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾

بے شک اللہ نے تیار کیا ہے واسطے کافروں کے عذاب ذلت والا

بے شک اللہ نے کافروں کے لئے خواری کا عذاب تیار کر رکھا ہے

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں عام سفروں میں دی ہوئی رعایت کا ذکر تھا یعنی نماز کا قصر کرنا اس آیت کریمہ میں خاص سفر جہاد میں بحالت خوف دی ہوئی رعایت کا ذکر ہے یعنی نماز خوف کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں قصر رکعات کا ذکر تھا کہ مسافر سفر میں بجائے چار کے دو رکعت فرض ادا کرے اب خاص صورتوں میں نماز کے قصر

حالات قصر احکام کا ذکر ہے کہ نمازی مجاہد بحالت خوف نماز میں چل پھر بھی سکتا ہے ہتھیار وغیرہ بھی اٹھا سکتا ہے غرضیکہ ایک قسم کے قصر کا ذکر فرما کر دوسرے قسم کے قصر کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں مسافر کی اس رعایت کا ذکر تھا جس کا تعلق ہر مسافر سے ہے خوف ہو یا نہ ہو اب اس رعایت کا ذکر ہے جس کا تعلق بعض مسافروں سے ہے یعنی خوف ہر اس میں مبتلا مسافر۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں اس رعایت کا ذکر تھا جو اکیلے نماز پڑھنے والے مسافر سے بھی متعلق تھی اور باجماعت نماز پڑھنے والے مسافروں سے بھی اب خاص رعایت کا ذکر ہے جو صرف باجماعت نماز پڑھنے والے بعض مسافروں سے تعلق رکھتی ہے غرضیکہ عمومی رعایت کے بعد خصوصی رعایت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **پانچواں تعلق**: نماز تین طرح کی ہے گھر کی نماز سفر کی نماز ڈر کی نماز گھر کی نماز کا ذکر تو قرآن کریم میں بارہا کیا گیا ہے پچھلی آیت میں سفر کی نماز کا ذکر تھا اب ڈر کی نماز کا ذکر ہے۔

شان نزول

اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روایات ہیں ایک یہ کہ حضور سید عالم ﷺ اپنے غازی صحابہ کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں تشریف لے گئے جب میدان کارزار میں پہنچے وقت ظہر آیا تو حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کو نماز باجماعت پڑھائی بعد نماز مشرکین افسوس کرنے لگے کہ ہم نے بڑا اچھا موقعہ ہاتھ سے کھو دیا جب یہ لوگ سجدہ میں گئے تھے تو ایک دم ان پر حملہ کر دیتے کسی مسلمان کو سجدے سے اٹھنے ہی نہ دیتے تب کفار کے بوڑھے بولے کہ مت گھبراؤ ابھی کچھ دیر بعد مسلمانوں کی نماز عصر آ رہی ہے جو ان کو جان و مال و اولاد سے زیادہ پیاری ہے تیار رہو جب سجدہ میں جائیں تو ایک دم حملہ کر کے سب کو تہ تیغ کر دو۔ تب نماز عصر سے پہلے ہی یہ آیت کریمہ آئی جس میں نماز خوف پڑھنے کا طریقہ سکھایا گیا کہ مسلمان باجماعت نماز بھی پڑھ لیں اور کفار کے شر سے محفوظ بھی رہیں۔

(۲) دوسری یہ کہ حضور ﷺ مقام عسفان میں غازی صحابہ کرام کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ مشرکین سے مقابلہ تھا۔ اس وقت لشکر کفار کے جرنیل حضرت خالد ابن ولید تھے جو بعد میں مسلمان بنے سیف اللہ بنے اسلام کے جرنیل اعظم بنے وہاں یہ ہی مذکورہ واقعہ پیش آیا۔ حضرت خالد ابن ولید نے نماز ظہر دیکھ کر افسوس کیا اور نماز عصر میں مسلمانوں کو قتل کر دینے تدبیر کی تب ظہر اور عصر کے درمیان یہ آیت آئی (خازن، روح البیان، روح المعانی، کبیر وغیرہ)

(۳) تیسری یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی محارب اور بنی انمار پر حملہ کیا رب تعالیٰ نے فتح دی تمام کفار بھاگ گئے میدان میں ایک کافر نہ رہا سرکار ﷺ استنجا فرمانے لشکر سے دور نکل گئے تیز بارش آ گئی اور نبی کریم ﷺ تن تنہا ایک ببول کی جڑ میں بارش رکنے کے انتظار میں بیٹھ گئے خالی ہاتھ تھے لشکر سے کافی دور تھے اکیلے تھے ایک کافر غورث ابن حارث محاربی یہ موقع دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے بولا کہ خدا مجھے غارت کرے اگر میں اس وقت محمد مصطفےٰ ﷺ کو قتل نہ کروں یہ مع اپنی جماعت کے ایک پہاڑی کی چوٹی پر تھا تلوار لے کر اترا اور جب بالکل حضور انور کے سر مبارک کے پاس پہنچ گیا تو حضور نے اسے دیکھا یہ تلوار سونتے ہوئے تھا بولا اے محمد (ﷺ) اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ حضور نے فرمایا میرا اللہ مجھے بچائے گا پھر دعا کی

الٰہی مجھے غورث ابن حارث کے شر سے بچالے ابھی آپ کی دعا پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ غورث کے پاؤں میں زور کی لغزش ہوئی اوندھے منہ گرا اور اس کی تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا پڑی اب وہ تلوار نبی ﷺ نے اٹھالی اور اس کے سر پر کھڑے ہو کر فرمایا اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا وہ بولا کوئی نہیں فرمایا بول کیا کلمہ پڑھتا ہے بولا میں کلمہ تو نہیں پڑھتا۔ مگر آپ سے عہد کرتا ہوں کہ عمر بھر نہ تو آپ سے جنگ کروں گا نہ آپ کے دشمن کو جنگ میں مدد دوں گا آپ نے اسے چھوڑ دیا اور اس کی تلوار اسی کو دے دی وہ بولا اے محمد (ﷺ) آپ مجھ سے اچھے ہیں فرمایا میں اچھائی کے لئے ہی بھیجا گیا ہوں۔ جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا تو اس کے ساتھیوں نے اس سے کہا کہ تو نے ایسا موقعہ ہاتھ سے کیوں کھو دیا وہ بولا قسم خدا کی مجھے خبر نہیں مجھے کس نے گرادیا اور سارا ماجرا بیان کیا اسی وقت ان میں سے بہت لوگ مسلمان ہو گئے اس موقعہ پر آیت کریمہ کا آخری حصہ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ الخ نازل ہوا (خازن، روح المعانی، تفسیر صاوی وغیرہ) تفسیر صاوی نے فرمایا کہ غورث پھر اسی پہاڑی پر رہنے سہنے لگا اور حضور ﷺ نے یہ ساری پہاڑی مع اس جنگل کے غورث کے ساتھیوں کا عطا فرما دی یہ ہے ان کریم کی بندہ نوازی۔

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو تم ایسے رحمۃ اللعالمین ہو

تفسیر

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ ۔ كُنْتَ میں خطاب حضور نبی کریم ﷺ سے ہے اور فِيْهِمْ کی ضمیر غازیان صحابہ کرام کی طرف راجع ہے اِذَا ظرفیہ ہے جس میں شرط کے معنی شامل ہیں فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ یہ عبارت كُنْتَ الخ پر معطوف ہے ف عاطفہ ہے اقامت نماز سے مراد ہے نماز پڑھانے کا ارادہ کرنا لَهُمْ کا مرجع وہ ہی غازیان صحابہ ہیں اور صلوٰۃ سے مراد فرض نماز ہے یعنی اے محبوب ﷺ جب غازیان صحابہ کے ساتھ غزوہ میں آپ بھی تشریف فرما ہوں جنگ کی حالت ہو اور نماز کا وقت آجاوے آپ غازیوں کو نماز پڑھانا چاہیں دشمن کا خطرہ سخت ہو اور قوی اندیشہ ہو کہ آپ نماز میں مشغول ہوں تو کفار حملہ کر دیں اتنی شرطوں کا خیال رہے کہ یہ بھی یاد رہے کہ یہ حکم تاقیامت جاری ہے اور غازیوں میں علماء صلحاء کی موجودگی گویا حضور انور ﷺ ہی کی موجودگی ہے۔ جمہور صحابہ اور عام علماء مجتہدین کا یہ ہی مذہب ہے لہٰذا یہ آیت حضور انور ﷺ سے خاص نہیں اور یہ نماز خوف تاقیامت جاری ہے۔ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ یہ عبارت اِذَا کی جزاء ہے۔ مِنْهُمْ کا مرجع وہ غازی صحابہ ہیں مَعَكَ سے مراد نماز میں حضور ﷺ کے ساتھ ہونا ہے یعنی آپ ایسی خطرناک حالت میں غازیوں کی دو جماعتیں کر دیں ایک جماعت تو آپ کے ساتھ نماز میں کھڑی ہو جاوے اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل کھڑی رہے خواہ دشمن جانب قبلہ میں ہو یا کسی اور طرف کیونکہ اس آیت میں کوئی قید نہیں لگائی گئی۔ خیال رہے کہ مَعَكَ سے مراد نماز میں ہمراہی ہے نہ کہ جگہ میں کیونکہ مقتدی امام سے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ ساتھ نہیں کھڑے ہوتے ہاں نماز میں ساتھ ہوتے ہیں۔ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ یہ غازیوں کو دوسرا حکم ہے اور یہ عبارت فَلْتَقُمْ پر معطوف یاخُذُوْٓا کا فاعل یہ غازی لوگ ہیں یا دشمن کے مقابل کھڑے ہونے والے یا دونوں (خازن) اگر غازی لوگ فاعل ہیں تو اسلحہ یعنی ہتھیاروں سے مراد وہ ہتھیار ہوں گے جو ادائے

نماز میں رکاوٹ نہ بنیں جیسے تلوار، خنجر یا آج کل بندوق برین گن وغیرہ جو ہتھیار نماز نہ پڑھنے دیں وہ مراد نہیں جیسے اس زمانہ میں کمان تیر نیزے بھالے اور آج کل توپ وغیرہ (تفسیر روح المعانی) اور اگر لِیَاْخُذُوْآ کا فاعل دوسری جماعت ہے جو دشمن کے مقابل کھڑی ہے تو اسلحہ سے مراد عام ہتھیار ہیں کیونکہ وہ لوگ ابھی نماز میں نہیں انہیں رکوع سجدہ کرنا نہیں یعنی یہ نمازی لوگ یا وہ دشمن کے مقابل حضرات یا یہ دونوں جماعتیں اپنے ہتھیار لئے رہیں کیونکہ خطرہ قوی ہے خیال رہے کہ یہاں لِیَاْخُذُوْآ کے معنی ہیں لئے رہیں نہ یہ کہ اب نماز میں اٹھالیں۔ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَکُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِکُمْ یہ دوسرا حکم ہے جس کا تعلق ان نماز پڑھنے والی جماعت سے ہے سَجَدُوْا سے مراد رکعت اولیٰ کا دوسرا سجدہ ہے جس پر پہلی رکعت ختم ہو جاتی ہے وَرَآئِکُمْ سے مراد ہے نماز سے علیحدہ ہو جانا دشمن کے مقابل پہنچ جانا خواہ دشمن سامنے جانب قبلہ ہو یا دائیں یا بائیں یا پیچھے یعنی جب یہ گروہ جو آپ کے ساتھ نماز میں شامل ہے آپ کے ہمراہ دوسرا سجدہ رکعت اول کا کرے اور اگر نماز مغرب ہے جس میں قصر نہیں یا نماز خوف بحالت اقامت ہو رہی ہے پوری چار رکعتیں پڑھنا ہیں اور دوسری رکعت کا دوسرا سجدہ کرلیں تو نماز سے ہٹ کر پیچھے ہو جاویں دشمن کے مقابل پہنچ جائیں۔ وَلْتَاْتِ طَآئِفَۃٌ اُخْرٰی دوسرے گروہ سے وہ جماعت مراد ہے جو اب تک ہتھیار بند دشمن کے مقابل تھی تات سے مراد ہے دشمن کے مقابلہ سے ہٹ کر امام کے پیچھے آجانا چونکہ اس جماعت کا ذکر اس سے پہلے نہیں ہوا تھا۔ اس لئے طَآئِفَۃٌ نکرہ لایا گیا۔ لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَکَ کی لَمْ یُصَلُّوْا طَآئِفَۃٌ دوسری صفت ہے اس سے مراد ہے اب تک نماز میں شریک نہ ہوا اور فَلْیُصَلُّوْا مَعَکَ سے مراد ہے دوسری رکعت پڑھنا جو امام کی دوسری ہے اور انکی پہلی یا امام کی تیسری ہے اور انکی پہلی یہ جماعت مسبوق ہے۔ جیسے پہلی جماعت لاحق تھی یعنی رکعت اول یا بعض صورتوں میں رکعت دوم کا دوسرا سجدہ کرنے کے بعد پہلی جماعت تو دشمن کے مقابل چلی جائے اور اب دوسری جماعت آپ کے پیچھے آجاوے جنہوں نے اب تک نماز نہیں پڑھی ہے وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اسی طرح کہ آپ کی یہ رکعت دوم یا سوم ہے اور ان کی رکعت اول وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَھُمْ وَ اَسْلِحَتَھُمْ یہ اس دوسری جماعت کو دوسرا حکم دیا جارہا ہے وَلْیَاْخُذُوْا کا فاعل یہی دوسری جماعت ہے جو اب نماز میں شریک ہوئی حِذْرَھُمْ سے مراد ہے دفاع کا سامان جیسے ڈھال وغیرہ اور اسلحہ سے مراد ہے جارحانہ حملہ کرنے کے ہتھیار چونکہ پہلی رکعت میں کفار کو مسلمانوں کی نماز کا پتہ نہ لگا تھا کہ ایک جماعت ان کے مقابل تھی اب اسی جماعت کے جانے اور اس دوسری جماعت کے امام کے پیچھے آنے سے انہیں نماز کا پتہ لگ گیا۔ اب وہ ضرور حملہ کرنے چاہیں گے کیونکہ وہ نماز کے منتظر تھے اسی لئے یہاں ہتھیار کے ساتھ حِذْرَھُمْ کا ذکر بھی فرمایا ممکن ہے کہ اسی لِیَاْخُذُوْا کا فاعل دونوں جماعتیں ہی ہوں یعنی یہ دوسری جماعت والے یا دونوں اپنے دفاع کا سامان بھی ساتھ رکھیں اور ہتھیار بھی کہ اب خطرہ زیادہ ہے وَدَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِکُمْ وَ اَمْتِعَتِکُمْ یہ گزشتہ حکموں کی وجہ و حکمت کا ذکر ہے اور یہاں خطاب دونوں فریق سے ہے نماز پڑھنے

والوں سے بھی اور دشمن کے مقابلین سے بھی کَفَرُوْا سے مراد وہی کافر ہیں جن کی سازش کو ناکام بنانے کے لئے یہ آیت کریمہ آئی لَوْ بمعنی اِنْ ہے جس میں تمنا کے معنی شامل ہیں۔ اسلحہ سے مراد ہے ہتھیار جمع سلاح کی اور امتعۃ سے مراد ہے راشن وغیرہ کا دوسرا سامان جمع متاع کی چونکہ حضرات صحابہ کرام بحالت نماز دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر متوجہ الی اللہ جاتے تھے اس لئے یہاں نماز پڑھنے کو تَغْفُلُوْنَ فرمایا کفار کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے مسلمان نماز میں مشغول ہو جاویں تو ہم اپنا کام کریں رب تعالیٰ نے نماز پڑھنے کو تَغْفُلُوْنَ فرمایا لہٰذا اس جملہ پر یہ اعتراض نہیں کہ رب تعالیٰ نے صحابہ کی نماز کو غفلت کیوں فرمایا۔ خیال رہے کہ جب حضرات صحابہ کی خطرناک موقعوں کی نمازیں ایسی خشوع خضوع والی ہوتی تھیں تو امن کی حالت میں اطمینان والی نمازیں کیسی ہوتی ہوں گی اللہ تعالیٰ ان حضرات کے صدقہ میں ہم کو ایسی بے خبری و بے خودی کی نمازیں نصیب کرے۔ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْكُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً یہ عبارت لَوْ تَغْفُلُوْنَ کی جزاء ہے یَمِیْلُوْنَ میل سے بنا بمعنی جھکنا مائل ہونا یہاں مراد ہے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑنا مَیْلَةً وَّاحِدَةً سے مراد ہے اچانک حملہ کر دینا جس کا مسلمانوں کو وہم بھی نہ ہو یا تمام کفار کا مل کر حملہ بول دینا کہ مسلمان سجدے ہی میں قتل کر دیئے جائیں اور سر نہ اٹھا سکیں یعنی کفار کی آرزو تو یہ تھی کہ تم سب نماز میں مشغول ہو کر اپنے ہتھیاروں سامانوں سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر اچانک یک بارگی حملہ کر دیں جس سے تم سب مارے جاؤ اور تمہارا سامان ان کے قبضہ میں آجائے رب تعالیٰ نے ان کی یہ تدبیر بیکار کر دی۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ یہ دوسرا نیا حکم ہے جس میں ان غازیوں پر آسانی فرمائی جا رہی ہے اَذًى سے مراد تکلیف ہے اس کا بیان ہے مِنْ مَّطَرٍ چونکہ بارش میں بعض سامان جنگ بھیگ کر بھاری بھی ہو جاتا ہے اور بارش میں سامان لئے ہوئے نماز پڑھنا بہت مشکل بھی ہوتا ہے اور سخت بارش میں جنگ بھی عموماً نہیں ہوا کرتی اسی طرح غازی بیماری میں کمزوری کی وجہ سے بھاری ہتھیار لے کر نماز نہیں پڑھ سکتا حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف فرماتے ہیں کہ اسی غزوہ میں میں بیمار تھا۔ جب یہ نماز خوف پڑھی گئی تو میرے متعلق یہ رعایت دے دی گئی یعنی اگر تم کو اس حالت میں بارش کی تکلیف پیش آجاوے یا تم بیمار ہو تو تم کو ہتھیار کھول دینے کی اجازت ہے کہ اس سے تم کو نماز میں سخت تکلیف ہو گی۔ لَا جُنَاحَ فرما کر اشارۃً بتایا گیا کہ جو نمازی ایسی حالت میں بلا ہتھیار لئے امن کی سی نماز پڑھے وہ گنہگار ہے اس حالت میں ویسی ہی نماز پڑھو جیسی اللہ رسول بتائیں اور جیسی صحابہ کرام ادا فرمائیں کیونکہ نفس نماز، نفس روزہ، نفس حج و زکوٰۃ بذات خود عبادت نہیں عبادت تو ان کی اطاعت ہے اسی لئے بعض وقت روزہ نماز حرام ہو جاتی ہے۔ طلوع غروب کے وقت سجدہ حرام عید کے دن روزہ حرام لہٰذا امن کی حالت میں سکون کی نماز عبادت ہے اور ایسی خوف کی حالت میں بھاگ دوڑ اور بے اطمینانی کی نماز عبادت ہے ادا کا حکم ہو تو ادا عبادت ہے۔ قضا کا حکم ہو تو ادا حرام قضا واجب مگر خیال رکھنا کہ ایسی حالت میں ہتھیار تو کھول دو مگر وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ایسی حالت میں بھی اپنا سامان دفاع لئے رہو کہ بالکل نہتے نہ ہو جاؤ یہ جنگ کی

حالت میں سخت خطرناک ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا اس مضمون کا مقصد یہ ہے کہ ہمارا تم پر بڑا ہی کرم ہے کہ تم کو ایسے نازک موقعوں پر کفار سے بچاتے ہیں اور کفار پر ہمارا سخت غضب ہے کہ یہاں تمہارے ہاتھوں انہیں قتل کراتے ہیں کل بعد قیامت ان کو سخت عذاب دیں گے رسوائی والا لہٰذا تم جنگوں میں ہوشیار ہوتا کہ تمہارے ذریعہ کفار کو یہاں پٹوایا جاوے آگے عذاب کے فرشتے ان کی سزا کے لئے تیار ہیں شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

محال است چوں دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گذارد ترا!

خلاصۂ تفسیر

اے محبوب ﷺ جب جہاد میں غازی جانباز صحابہ کرام کے ساتھ آپ تشریف فرما ہوں اور وقت نماز آجاوے نماز بھی دو رکعت فرض کی ہوں جیسے فجر یا قصر سفر اور دشمن کے متعلق سخت خطرہ ہو کہ مسلمان نماز میں ہوں تو وہ لوگ حملہ کردیں گے تب آپ غازی صحابہ کی دو جماعتیں کردیں ایک جماعت تو آپ کے پیچھے صف بستہ ہو کہ نماز میں کھڑی جاوے اور یہ نمازی جماعت بھی نہتی نہ ہو بلکہ ہتھیار بند ہو کر نماز پڑھے اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل کھڑی رہے یہ بھی ہتھیار بند ہو کہ جب نمازی لوگ ہتھیار بند ہیں تو یہ لوگ بدرجہ اولیٰ ہتھیار بند چاہئیں جب یہ نمازی جماعت آپ کے ہمراہ ایک رکعت پڑھ لے اور اسی کا دوسرا سجدہ کرلے اور اگر نماز مغرب ہو یا چار فرض پڑھنے ہوں کہ اقامت کی حالت میں جہاد ہو تو یہ جماعت دو رکعت آپ کے پیچھے پڑھیں۔ پھر یہ نمازی لوگ تو ہٹ کے دشمن کے مقابل چلے جائیں اور دوسری جماعت جو اب تک دشمن کے مقابل تھی وہ آپ کے پیچھے صف بستہ نماز میں کھڑی ہو جاوے اور بقیہ نماز ایک رکعت یا چار فرض ہوں تو دو رکعت آپ کے پیچھے پڑھے مگر یہ لوگ بھی ہتھیار بند ہی رہیں اور دفاع کا سامان ڈھال وغیرہ بھی اپنے ساتھ رکھیں کیونکہ اب دشمن کا خطرہ زیادہ ہے کہ انہیں تمہاری اس نقل و حرکت سے تمہارے نماز میں مشغول ہونے کا پتہ لگ گیا ہے کفار نے تو چاہا تھا کہ تم نماز میں مشغول ہو کر اپنے ہتھیاروں اپنے دفاع وغیرہ سامانوں سے بے خبر ہو جاؤ تو تم پر اچانک یک بارگی حملہ بول کر تم پر ٹوٹ پڑیں۔ مگر اللہ نے ان کی اس تدبیر کو ناکام بنا دیا ہاں اگر اے نمازیو اس حالت میں تم کو بارش کی تکلیف ہو یا تم میں سے کوئی بیمار ہو جس سے پورے ہتھیار اور دفاع سامان اٹھا کر نماز نہ پڑھ سکے تو تم کو اس مجبوری میں ہتھیار کھول دینے کی اجازت ہے مگر دفاعی سامان پھر بھی اپنے ساتھ رکھنا چاہئے تاکہ تم دشمن سے محفوظ رہو اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے ذلت و خواری کا عذاب تیار رکھا ہے وہ چاہتا ہے کہ تم کو ان کے شر سے محفوظ رکھے اور دنیا میں تمہارے ہاتھوں سے آخرت میں فرشتوں کے ذریعہ انہیں سخت عذاب دے۔ خیال رہے کہ اس آیت میں ان دونوں جماعتوں کی اس رکعت کا تو ذکر فرما دیا گیا جو امام کے پیچھے پڑھی جاوے گی ان کی دوسری رکعت کا ذکر نہ فرمایا اسے حدیث شریف نے بتا دیا کہ امام جب دونوں جماعتوں کو ایک ایک رکعت پڑھا دے گا تو ان جماعتوں کی تو ایک ایک رکعت ہوگی امام کی دونوں رکعتیں ہو چکی ہوں گی لہٰذا امام تو سلام پھیر دے گا اور اب پہلی جماعت جو پہلی رکعت میں امام کے ساتھ تھی اپنی

آخری رکعت بغیر قرأت کے ادا کر کے سلام پھیر دے گی کیونکہ یہ لاحق ہے لاحق پر قرأت نہیں ہوتی پھر دوسری جماعت جس نے دوسری رکعت امام کے پیچھے پڑھی ہے وہ اپنی پہلی رکعت مع قرأت پڑھ کر سلام پھیر دے گی کیونکہ یہ مسبوق ہے اور مسبوق پر قرأت لازم ہے اس طرح ان دونوں جماعتوں کی نماز پوری ہو جاوے گی۔

نماز خوف

نماز خوف کے متعلق علماء امت و مجتہدین ملت و صحابہ کرام میں بڑا اختلاف ہے چنانچہ (۱) احناف میں سے امام ابو یوسف اور حسن ابن زیاد اور شوافع میں سے امام مزنی فرماتے ہیں کہ یہ نماز خوف حضور ﷺ کی خصوصیات سے تھی۔ آپ کے سوا کسی کو اس طرح نماز پڑھانے کا حق نہیں حضور کے بعد یہ نماز بھی دیگر نمازوں کی طرح پڑھی جاوے ان کی دلیل اس آیت کریمہ میں فَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر حضور انور موجود ہوں تو اسی طرح نماز پڑھیں اگر نہ ہوں تو اس طرح نماز نہیں ہو سکتی اور

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباس، جابر ابن عبداللہ و مجاہد کا قول ہے کہ نماز خوف ہو گی تو ہمیشہ ایسے خوف کے وقت مگر اس میں امام دو رکعتیں پڑھے گا اور غازی مقتدی صرف ایک ایک رکعت امام کے پیچھے پڑھ کر ہی سلام پھیر دیں گے وہ فرماتے ہیں کہ یہاں قرآن مجید میں ان کی ایک رکعت ہی کا ذکر ہے جو امام کے ساتھ پڑھی جاوے دوسری رکعت کا ذکر نہیں جو علیحدہ پڑھی جاوے نیز حدیث شریف میں ہے کہ نماز سفر دو رکعتیں ہیں۔ نماز خوف ایک رکعت

(۳) خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ امام پہلی جماعت کو بھی دو رکعت پڑھاوے اور دوسری جماعت کو بھی یعنی ایسی حالت میں امام دوبار نماز پڑھاوے ہر دفعہ دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دے امام بھی پیچھے والے بھی تمام

(۴) امام شافعی و سہل حثمہ فرماتے ہیں کہ امام پہلی جماعت کو ایک رکعت پڑھاوے پھر خاموش کھڑا رہے حتیٰ کہ یہ جماعت، دوسری رکعت اور التحیات پڑھ کر سلام پھیر کر دشمن کے مقابل چلی جاوے پھر دوسری جماعت امام کے پیچھے آجاوے انہیں امام دوسری رکعت پڑھاوے پھر امام التحیات میں خاموش بیٹھا رہے حتیٰ کہ یہ جماعت اپنی باقی ماندہ رکعت پڑھ لے پھر امام ان کے ساتھ سلام پھیر دے۔

(۵) سیدنا عبداللہ ابن مسعود اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان وہ ہے جو ابھی خلاصہ تفسیر کے آخر میں بیان ہوا کہ امام پہلی جماعت کو ایک رکعت پڑھاوے پھر یہ جماعت دشمن کے مقابل چلی جاوے دوسری جماعت امام کے پیچھے آجاوے انہیں امام دوسری رکعت پڑھاوے پھر امام تو التحیات پڑھ کر سلام پھیر دے اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل کھڑی ہو جاوے پہلی جماعت اپنی دوسری رکعت بطریق لاحق بغیر قرأت کے پڑھ کر سلام پھیرے اور دشمن کے مقابل کھڑی ہو جاوے پھر دوسری جماعت اپنی رکعت بطریق مسبوق قرأت کے ساتھ رکعت پوری کر کے سلام پھیر دے

غرضیکہ نماز خوف کے متعلق یہ پانچ قول ہیں چونکہ حضور علیہ السلام نے نماز خوف کئی بار پڑھائی ہے اور طریقہ اداء میں اختلاف رہا ہے اس لئے ائمہ دین میں اختلاف ہوا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور نے آخری نماز خوف جو پڑھائی وہ یہ ہی ہے جو ہم کہتے لہٰذا پچھلے طریقے منسوخ ہو گئے (از تفسیر کبیر و خازن)۔

نماز خوف کے حالات

خیال رہے کہ جو طریقہ نماز خوف کا ذکر ہوا وہ ہر حال میں ہے۔ خواہ دشمن جانب قبلہ میں ہو یا دائیں بائیں یا پیچھے لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر دشمن جانب قبلہ میں ہو تو تمام نمازی امام کے پیچھے نماز شروع کر دیں۔ قیام و رکوع سب ایک ساتھ کریں سجدہ کے وقت پہلی صفت سجدہ کرے دوسری صف کھڑی رہے دشمن کی نگرانی کرے دو سجدے ختم ہونے پر یہ آخری صف سجدہ کرے پھر آخری صف آگے بڑھ کر صف اول بن جاوے اور پہلی صف دوسری صف بن جاوے اور دوسری رکعت میں وہ ہی عمل ہو جو پہلی رکعت میں ہوا تھا پھر تمام غازیان ایک ساتھ سلام پھیریں مگر ہمارے ہاں صرف ایک ہی طریقہ نماز خوف کا ہے جو ابھی مذکور ہوا دشمن خواہ کدھر ہی ہو۔ **مسئلہ**: جب دشمن کا خطرہ بہت زیادہ ہو اس مذکور طریقہ سے نماز نہ پڑھی جا سکے تو امام شافعی کے ہاں گھوڑوں پر اور پیدل دوڑتے ہوئے فرض نماز اشاروں سے پڑھ لی جاوے ہمارے امام اعظم کے ہاں اس طرح نہ پڑھے بلکہ ایسی حالت میں نماز قضا کر دے بعد امن باقاعدہ پڑھے (خازن)

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: نماز بلکہ نماز کی جماعت بہت ہی اہم چیز ہے کہ ایسی خطرناک حالت میں بھی نہ نماز معاف ہوئی نہ جماعت بلکہ بہت کچھ فرق کر کے جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو امن و امان کی حالت میں بلا وجہ نماز چھوڑ دیتے ہیں یا بلا وجہ جماعت ترک کر دیتے ہیں اکیلے پڑھ لیتے ہیں۔ اللہ کا خوف چاہئے۔ رب تعالیٰ نماز با جماعت کی توفیق دے۔ **دوسرا فائدہ**: بعض موقعہ پر نماز میں چلنا پھرنا قبلہ سے منہ پھر جانا عمل کثیر وغیرہ سب جائز ہو جاتا ہے۔ دیکھو نماز خوف میں یہ تمام چیزیں جائز کر دی گئیں اسی طرح اگر کسی کا نماز میں وضو ٹوٹ جاوے تو وہ اس حالت میں جا کر وضو کرے نماز ہی میں رہے گا اسی طرح اگر کسی نمازی کو بحالت نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلائیں تو یہ نمازی اس حالت میں حضور کے پاس حاضر ہو جاوے جو کام کرائیں کر دے بازار بھیجیں ہو آوے مگر نماز ہی میں رہے گا کہ فارغ ہو کر بقیہ نماز پوری کرے رب تعالیٰ فرماتا اَسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ (انفال: ۲۴)۔ **تیسرا فائدہ**: نماز خوف ہتھیار لے کر ادا کرنی چاہئے اس ہتھیار بندی سے اس کی نماز میں خلل نہ ہوگا جیسا کہ وَلْيَاْخُذُوْا الخ سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: بحالت معذوری نماز خوف میں ہتھیار کھول دے مگر ڈھال وغیرہ بچاؤ کا سامان ضرور ساتھ رکھے جیسا کہ خُذُوْا حِذْرَكُمْ سے معلوم ہوا۔ حق یہ ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے اگر غازی زیادہ خطرہ محسوس نہ کرے تو ہتھیار کھول کر بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔ **پانچواں فائدہ**: حضرات صحابہ کرام بحالت نماز دنیاو

مافیھا سے بے خبر ہو کر متوجہ الی اللہ ہو جاتے تھے ان کی نماز نہایت استغراق کی تھی۔ جیسا کہ لَوْتَغْفِلُوْنَ الخ سے معلوم ہوا مگر یہ حضرات نمازوں میں دنیا سے تو غافل ہوتے تھے اللہ رسول سے غافل نہ ہوتے تھے دیکھو وفات شریف کے دن صحابہ کرام نے بحالت نماز دیکھ لیا کہ حضور نے دروازہ کھولا تبسم فرمایا گریہ فرمایا دیکھو نماز میں حضور کی جنبش تبسم۔ گریہ کو دیکھ رہے ہیں مکہ والی نمازوں میں کعبہ کو دیکھا جاتا ہے مدینہ والی نمازوں میں جناب مصطفےٰ کو دیکھا جاتا تھا۔

اداء دید سراپا نیاز تھی تیری کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری!

چھٹا فائدہ : اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر بڑا ہی مہربان ہے کہ انہیں دشمن سے بچاتا ہے دیکھو اس غزوہ میں دشمن نے کیسی خطرناک تدبیر سوچی مگر رب تعالیٰ نے بروقت مسلمانوں کو بچالیا رب تعالیٰ ہم کو بھی اپنی اطاعت کی توفیق دے۔

ساتواں فائدہ : اگر خطرہ اتنا قوی ہو کہ اس طرح بھی نماز پڑھنا ناممکن ہو جاوے تو نماز قضا کر دی جاوے مگر نماز معاف نہیں آج ہوائی جہازوں اور بم کی لڑائی ہے اب اگر بحالت جنگ یہ تدبیر نماز خوف کی کارگر نہ ہو تو قضا کر کے نماز پڑھی جاوے مگر نماز معاف نہیں بعض فوجیوں کو دیکھا گیا کہ جنگ کی حالت میں نماز معاف سمجھتے ہیں یہ غلط ہے بعض۔ بعض حاجی صاحبان نماز کی پرواہ نہیں کرتے بڑے افسوس کی بات ہے۔ جہاد میں خوف موت زیادہ ہے۔ اس وقت کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ **آٹھواں فائدہ** : اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کی خود حفاظت بلکہ پرورش فرماتا ہے بلکہ ان کی حفاظت کی خاطر اپنے قوانین میں ترمیم فرما دیتا ہے دیکھو یہاں حضرات صحابہ کرام کی حفاظت کے لئے نماز میں چلنا پھرنا کعبہ سے سینہ پھیرنا سب جائز کر دیا مَنْ کَانَ لِلّٰهِ کَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔ موسیٰ علیہ السلام کی پرورش خود رب نے فرمائی کہ انہیں کشتی سے بخیریت فرعون کے ہاں پہنچایا پھر فرعون دشمن کے گھر ان کی حفاظت کی فرمایا لِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ (طٰہٰ:۳۹)۔ **نواں فائدہ** : ہم پر حضرت صحابہ کا بڑا احسان ہے کہ ان کے طفیل ہم کو شرعی آسانیاں ملیں۔ ماں ہماری محسن ہے کہ رب کا دودھ اس کے پستان سے ہمیں ملا۔ حضرات صحابہ ہمارے محسن ہیں کہ ایسی آسانیوں کی آیات ان کے صدقہ اللہ نے ہمیں دیں۔

اعتراضات

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز خوف صرف حضور ﷺ ہی پڑھا سکتے تھے حضور کے بغیر نماز خوف اس طرح نہیں پڑھنی چاہئے۔ دیکھو فرمایا گیا وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ جب آپ ان میں ہوں تو اس طرح نماز پڑھائیں (امام ابو یوسف)۔ **جواب** : اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت میں یہ نہ فرمایا کہ اے محبوب نماز خوف صرف آپ پڑھیں آپ کے سوا کوئی نہ پڑھے جیسے زیادہ بیویوں کے متعلق فرمایا گیا۔ خَالِصَةً لَّکَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (احزاب:۵۰) لہٰذا نماز خوف حضور ﷺ کی خصوصیات سے نہ ہوئی۔ مسلمانوں کو حضور کی اتباع کا حکم ہے۔ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ (آل عمران:۳۱) سرکار فرماتے ہیں۔ صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ۔ جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا تم بھی

ویسے ہی نماز پڑھو۔ دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (توبہ:۱۰۳) اے محبوب آپ ان کے مالوں کی زکوٰۃ وصول فرماؤ تو کیا حضور کے بعد کسی پر زکوٰۃ فرض نہ رہی ضرور فرض ہے اب سلاطین اسلامیہ حضور کے نائب ہو کر زکوٰۃ اموال ظاہری وصول فرما سکتے ہیں ایسے ہی تا قیامت اسلامی حکام علماء حضور کے نائب ہیں وہ غازیوں کو نماز خوف پڑھا سکتے ہیں تیسرے یہ کہ حضور کے بعد صحابہ کرام نے نماز خوف پڑھی ہے پڑھائی ہے چنانچہ ابوداؤد، نسائی، ابن حبان وغیرھم نے حضرت ثعلبہ ابن زھدم سے روایت کی کہ ہم جنگ طبرستان میں سعید ابن عاص کے ساتھ تھے سعید ابن عاص نے دریافت کیا کہ تم میں سے کس نے حضور کے ساتھ نماز خوف پڑھی ہے۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا میں نے پھر انہوں نے نماز خوف کا طریقہ بتایا اور تمام حاضرین کو نماز خوف پڑھائی تمام صحابہ نے یہ نماز خوف پڑھی اور کسی نے اعتراض نہ کیا (روح المعانی و خازن) نیز حضرت علی مرتضیٰ نے لیلۃ الہریر میں اپنے ساتھیوں کو نماز خوف پڑھائی ایک موقعہ پر حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اپنے ساتھیوں کو نماز خوف پڑھائی ان واقعات میں عام صحابہ کرام موجود تھے کسی نے اعتراض نہ کیا (تفسیر خازن) چوتھے یہ کہ مشروط میں مقابل سے سکوت ہوتا ہے اس کی نفی نہیں ہوتی اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر حضور تشریف فرما ہوں تو نماز خوف پڑھائیں لیکن اگر موجود نہ ہوں تو نماز خوف نہ پڑھی جائے اس کا ذکر نہیں بلکہ اس سے سکوت ہے رب فرماتا ہے اگر تمہاری لونڈیاں زنا سے بچنا چاہیں تو انہیں زنا پر مجبور نہ کرو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر نہ بچنا چاہیں تو اس سے زنا کراؤ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز خوف صرف ایک رکعت پڑھنی چاہئے کہ یہاں فرمایا گیا کہ پہلے ایک جماعت آپ کے ساتھ نماز پڑھ لے بعد کو دوسری جماعت نیز حدیث شریف میں ہے کہ نماز سفر دو رکعت ہیں اور نماز خوف ایک رکعت یہ حدیث بھی ایک رکعت ہی بتا رہی ہے (ابن عباس)۔ **جواب**: یہاں جماعت کے ساتھ ایک رکعت پڑھنے کا ذکر ہے دوسری رکعت اکیلے پڑھی جاوے گی۔ اس کا ذکر یہاں نہیں۔ اسے سنت نے بیان فرمایا۔ نیز یہاں آیت میں تو ایک رکعت کا بھی ذکر نہیں ایک دو رکعت کا پتہ بھی حدیث شریف سے ہی معلوم ہوا۔ حدیث پیش کردہ کا مطلب بھی یہ ہی ہے کہ خوف کی حالت میں نماز با جماعت ایک رکعت ہے وہ حدیث اس آیت کی شرح ہے یہ ایک رکعت بھی ان نمازوں میں ہے جن کی دو رکعتیں پڑھی جاویں۔ جیسے فجر یا سفر میں قصر پوری چار رکعت والی نماز میں ہر جماعت دو رکعت جماعت سے ادا کرے گی دو اکیلے اور نماز مغرب پہلی جماعت دو رکعتیں پڑھے گی دوسری ایک رکعت یہ تمام تفصیل حدیث شریف نے بتائی۔

تیسرا اعتراض: نماز میں چلنا پھرنا کعبہ سے سینہ پھر جانا اور سارے عمل کثیر نماز توڑ دیتے ہیں۔ پھر نماز خوف میں یہ سب باتیں ہونے کے باوجود نماز ٹوٹتی کیوں نہیں یہ چیز خلاف قانون ہے۔ **جواب**: قانون وہ ہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ بنا دیں ہماری عقل کو دخل نہیں جب قرآن و حدیث نے نماز خوف میں یہ تمام کام جائز کر

دیئے تو اس نماز کے لئے یہ ہی قانون بن گیا ہم تم اس پر اعتراض کرنے والے کون ہیں۔ ہم تو حکم کے تابع ہیں نماز میں وضو جاتا رہے تو بھی چلنا پھرنا وضو کیلئے جانا سینہ کا کعبہ سے پھر جانا نماز نہیں توڑتا کسی کو نماز میں سلام کرلو تو نماز جاتی رہتی ہے مگر حضور کو سلام کرنا واجب ہے التحیات میں پڑھا جاتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ یہ ہے قانون کہ اور کو سلام کرو تو نماز نہ ہو مگر حضور کو سلام نہ کرو تو نماز نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ

جیسے نماز بدن جب خوف کی حالت میں پڑھی جاوے تو دشمن سے بچاؤ کا خیال رکھا جاتا ہے کہ بعض غازی نماز میں رہتے ہیں اور بعض دشمن کے مقابل ان دونوں کو نماز کا ثواب ملتا ہے اور دونوں نماز میں متصور ہوتے ہیں ایسے ہی دنیا میں رہ کر جب نماز عشق ادا کی جاوے تو دل و دماغ و روح اس نماز میں مشغول ہو کر کافر نفس دشمن شیطان سے غافل نہ ہو جائیں خطرہ ہے کہ وہ ہم کو غافل پا کر ہلاک کر دیں لہٰذا اس نماز کو بھی یوں ادا کرو دل رب کی طرف متوجہ ہو دماغ و روح ان کافروں سے مقابلہ کے لئے تیار رہے اور کبھی دماغ و روح یہ نماز پڑھیں اور دل و عقل ان موذیوں کا مقابلہ کرتے رہیں تب یہ نماز خیریت سے ادا ہوگی پھر ان سب پر لازم ہے کہ شریعت کے ہتھیار طریقت کی ڈھال اپنے ساتھ رکھیں شریعت جارحانہ حملہ کا ہتھیار ہے۔ طریقت دفاع کا سامان حضور غوث پاک پر عین نماز تہجد میں شیطان دشمن نے حملہ کیا کہ وہ ملعون خدا بن کر سامنے آ گیا تو آپ نے شریعت کے ہتھیار سے ہی اس کو ایسی شکست فاش دی جو آج تک اسے یاد ہوگی غرضیکہ سر کی نماز خوف تو کبھی کبھی ادا ہوتی ہے مگر نماز عشق ہمیشہ ہی نماز خوف کے طریقہ سے ادا کرنی چاہئے ہر مسلمان کو مرتے وقت تک اس موذی کا خوف چاہئے جب رحمت ربانی کی خاص بارشیں ہو رہی ہوں اس وقت اگر ہتھیار سے ہلکے ہو کر نماز پڑھو تو درست ہے مگر سامان دفاع سے جب بھی غافل نہ رہو۔

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی
پس جب پوری کر چکو تم نماز تو ذکر کرو اللہ کا کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور اوپر
پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کی یاد کرو کھڑے بیٹھے اور
جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ
کروٹوں اپنی کے پھر جب اطمینان میں ہو جاؤ تم تو قائم کرو نماز کو تحقیق نماز ہے
کروٹوں پر پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو حسب دستور نماز قائم کرو بے شک نماز مسلمانوں
كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ
اوپر مسلمانوں کے فرض وقت وقت کی ہوئی اور نہ سستی کرو تم قوم کی تلاش
پر وقت بندھا ہوا فرض ہے اور کافروں کی تلاش میں سستی

الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ

کرنے میں اگر ہو تم رنج پاتے تو بے شک وہ بھی رنج پاتے ہیں جیسے رنج پاتے ہو تم

نہ کرو اگر تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو انہیں بھی دکھ پہنچتا ہے

وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع ۱۵ / ۱۲

اور امید کرتے ہو تم اللہ سے وہ جو نہیں امید کرتے وہ اور ہے اللہ علم والا حکمت والا

اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں غازیوں کو میدان جہاد میں نماز با جماعت ادا کرنے کا تاکیدی حکم دیا گیا تھا اب انہیں بعد نماز اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ نماز کے بعد ذکر اللہ سے غافل نہ رہو۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں غازی مسلمانوں کا ظاہری ہتھیار جنگ اور بچاؤ کا سامان ساتھ رکھنے کا حکم دیا گیا اب ان ہی غازیوں کو روحانی ہتھیار اور سامان جنگ ساتھ رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ جنگ میں ذکر اللہ میں مشغول رہو یہ وہ ہتھیار ہے جو کفار کے پاس نہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں غازی مسلمانوں کو خطرناک حالت میں نماز خوف پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ حکم عارضی تھا۔ خطرہ جاتے ہی نماز اسی طرح پڑھو۔ جس طرح عام امان کی حالت میں پڑھی جاتی ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں اس حالت کا ذکر تھا جب مسلمان کے پیچھے کفار پڑے ہوں اور مسلمان خطرہ میں گھرے ہوں اب اس کے مقابل دوسری حالت کا ذکر ہے۔ جب مسلمان کفار کی تلاش میں نکلیں وَلَا تَهِنُوْا الخ غرضیکہ اپنا بچاؤ کرنے کے بعد دشمن کے تعاقب کرنے کا ذکر فرمایا جو اپنے بچاؤ کی ایک قسم ہے۔

شان نزول

غزوۂ احد شریف سے فارغ ہونے کے بعد حضور ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ نکلو کفار کا پیچھا کرو مبادا پھر لوٹ کر مدینہ منورہ پر حملہ نہ کر دیں تو حضرات صحابہ نے سخت زخمی ہونے کی شکایت کی تب دوسری آیت کریمہ وَلَا تَهِنُوْا الخ نازل ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کی ہمت بندھائی گئی اور کفار کی جرأت کا ذکر فرما کر ان حضرات کو دلیر کیا گیا (تفسیر خازن) تفسیر روح البیان نے اس آیت کا نزول بدر صغریٰ کے متعلق ذکر فرمایا تفسیر روح المعانی نے دونوں احتمال بیان فرمائے۔

تفسیر

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ چونکہ اگلا حکم نماز خوف ادا کر چکنے کے بعد کے متعلق ہے اس لئے ف تعقیبیہ داخل ہوئی۔ الصَّلٰوةَ سے مراد وہی نماز خوف ہے جس کا ذکر ابھی ابھی ہو چکا یہاں قضا بمعنی ادا ہے نہ کہ ادا کا مقابل ہو سکتا ہے کہ اسی ادا کو قضا سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ اس میں نماز کے سارے

شرائط پوری طور پر ادا نہ ہو سکے اور اطمینان کی نماز میں تمام شرائط پوری طور پر ادا ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کے متعلق آ رہا ہے۔ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور ہو سکتا ہے کہ یہاں قضا کے معنی ہوں حق پورا کر دینا رب تعالیٰ حضرت انس ابن نضر کی شہادت کے متعلق فرماتا ہے۔ مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ (احزاب:۲۳) چونکہ بحالت خوف ایسی نماز پڑھنے میں انسان بہ یک وقت غازی بھی ہوتا ہے نمازی بھی اس لئے وہ نماز کا حق ادا کر دیتا ہے کہ اگر چہ یہ نماز بے اطمینانی کی ہے اس میں چلنا پھرنا بھی مگر حقیقۃً حق نماز یہ ہی ادا کرتا ہے۔ شعر

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سایہ میں نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سایہ میں

قَضَیْتُمْ میں خطاب ان ہی غازیوں سے ہے جن کا ذکر ابھی ہو چکا یعنی اے غازیوں جب تم نماز خوف بطریق مذکورہ ادا کر چکو تو فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ یہ جملہ اذا شرطیہ کی جزا ہے لہٰذا یہ ف جزائیہ ہے اُذْكُرُوْا میں بھی خطاب ان ہی غازیوں سے ہے ظاہر یہ ہے کہ یہاں ذکر اللہ سے مراد تکبیر تہلیل درود شریف اور دیگر درود وظائف ہیں قیام وقعود وغیرہ سے مراد ہے ہر حالت کیونکہ انسان کی تین ہی حالتیں ہوتی ہیں۔ کھڑا ہونا، بیٹھنا، لیٹنا ان تینوں حالتوں کا ذکر فرما کر اشارۃً بتایا کہ بحالت جہاد نماز ادا کر کے ہر حالت میں ہر طرح اللہ کا ذکر کرو۔ جنگ کا نقشہ یہ ہو کہ تمہارے ہاتھ میں تلوار ہو اور زبان پر ذکر یار ہو خواہ مار رہے ہو یا مر رہے ہو۔ خواہ بھاگ رہے ہو یا بھگا رہے ہو۔ بعض صاحبوں نے فرمایا کہ یہاں ذکر اللہ سے مراد امن کے زمانہ کی نمازیں ہیں۔ قیام سے مراد ہے تندرستی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا قعود سے مراد ہے بیماری میں بیٹھ کر نماز ادا کرنا اور عَلٰى جُنُوْبِكُمْ سے مراد ہے، بہت سخت بیماری میں جب کہ بیٹھ بھی نہ سکو تو لیٹ کر نماز پڑھنا وہ اس کا مطلب یوں کرتے ہیں کہ جب تم خوف کی نمازیں پڑھ چکو اور زمانہ امن کا پاؤ تو تندرستی میں کھڑے ہو کر بیماری میں بیٹھ کر لاچاری میں لیٹ کر نماز پڑھو مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے کہ امن کی نمازوں کا ذکر تو آگے آ رہا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں کروٹ سے مراد مطلقاً لیٹنا ہے خواہ چت ہو کر ہو یا داہنی یا بائیں کروٹ پر غرضیکہ لیٹنے کی ایک صورت کا ذکر فرما کر تمام صورتیں مراد لیں جنوب جمع ہے جَنْبٌ کی بمعنی کروٹ و پسلیاں اور ہو سکتا ہے کہ فَاِذَا قَضَیْتُمْ اور فَاذْكُرُوا میں خطاب عام نمازیوں سے ہو یعنی نماز میں تو تم پر پابندی تھی کہ فلاں فلاں وقت نمازیں نہ پڑھو اور بحالت نماز بھی پابندیاں ہیں کہ قیام میں درود نہ پڑھو اور قعدہ میں قرآن نہ پڑھو جب نماز پڑھ چکو تو ہر حال میں ہر طرح ہر قسم کا ذکر اللہ کرو اب نماز کی پابندیاں جاتی رہیں۔ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ظاہر یہ ہے کہ ف تعقیبیہ ہے اور اطمینان سے مراد جنگی خوف کے بعد کا امن وامان ہے اور اقامت سے مراد ہے نماز کے تمام شرائط و ارکان فرائض و واجبات و سنن و مستحبات کے ساتھ نماز ادا کرنا کہ اقامت نماز کے ایک معنی یہ بھی ہیں درست طور پر نماز پڑھنا یعنی اے غازیو تم کو نماز میں چل پھر لینے وغیرہ کی اجازت صرف خوف کی حالت میں تھی پھر جب یہ خوف جاتا رہے اور تم امن وامان کی حالت پاؤ تو پہلے کی طرح نماز نہایت درست طور پر ادا کرو اور ہو سکتا ہے کہ یہاں

بھی نماز قائم کرنے سے مراد ہمیشہ نماز پڑھنا ہو یعنی اے مسلمانو صرف خوف وڈر میں ہی نماز محدود نہ کرو بلکہ بحالت امن بھی ہمیشہ نماز پڑھو یا مضبوط نماز پڑھو کہ ارکان نماز ظاہری اعضاء سے ادا ہوں اور خشوع وخضوع دل سے ادا ہو۔ بنیاد والی دیوار جڑ والا درخت مضبوط ہے ایسے ہی دل سے تعلق رکھنے والی نماز مضبوط ہے یا نماز کا رخ سیدھا کرو کہ نماز کسی بندے کیلئے نہ پڑھو اللہ رسول کیلئے پڑھو۔ خیال رہے کہ اَقِیْمُوْا صرف نماز کیلئے ارشاد ہوا روزہ زکوٰۃ حج وغیرہ کسی عبادت کے لئے اَقِیْمُوْا نہ فرمایا کیونکہ وہ عبادات کبھی کبھی ہوتی ہیں مگر نماز دن میں پانچ دفعہ نیز نماز بعد موت بھی ہوگی دوسری عبادات مرتے ہی ختم ہو جائیں گی نیز نماز کو ہم قائم کریں تو نماز ہم کو اور ہماری دوسری عبادات کو سیدھا کر دے گی کیونکہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا نماز کی اہمیت ظاہر فرمانے کے لئے اس جملہ کو اِنَّ سے شروع فرمایا گیا الصَّلٰوۃَ سے مراد نماز پنجگانہ ہے کہ یہ ہی فرض ہے نماز عید وغیرہ واجب ہے اَلْمُؤْمِنِیْنَ سے مراد سارے ہی مسلمان ہیں خواہ کسی درجہ کے ہوں۔ غوث ولی قطب۔ شاہ وگدا ہر مسلمان پر نماز فرض عین ہے کتاب بمعنی مکتوب ہے، بہت اہم ضروری فریضہ کو کتاب بمعنی مکتوب فرما دیا جاتا ہے اس سے مراد یا لوح محفوظ میں لکھی ہوئی یا قرآن مجید میں یا گذشتہ نبیوں کی کتابوں صحیفوں میں تحریر شدہ فریضہ مَوْقُوْتًا وقت سے بنا بمعنی وقتوں پر تقسیم کی ہوئی کہ ہر نماز اپنے وقت سے پہلے نہیں پڑھی جا سکتی اور اگر بعد وقت پڑھی جاوے تو قضا ہوتی ہے یعنی یقیناً نماز پنجگانہ سارے مسلمانوں پر پابندی وقت کے ساتھ فرض ہے کہ ہر نماز اس کے وقت مقررہ پر پڑھی جاوے۔ وَلَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ان ہی غازیوں کو یہ دوسرا حکم دیا جا رہا ہے تَهِنُوْا وَهْنٌ سے بنا بمعنی سستی یا کمزوری اِبْتِغَآءِ بغی سے بنا ہے نہ کہ بَغَاوَۃٌ سے بغی کے معنی ہیں تلاش وجستجو۔ بغاوت کے معنی ہیں۔ سلطان اسلام کی مخالفت اَلْقَوْمِ میں الف لام عہدی ہے اس سے مراد کفار مکہ ہیں یعنی ابوسفیان اور ان کے ساتھی دوسرے کفار۔ اگرچہ یہ حکم ان غازیوں کا تھا۔ مگر اس میں سبق تمام غازیان اسلام کو ہے جو تا قیامت باقی ہے یعنی اے مسلمانو ان کفار قوم کی تلاش وجستجو اور ان کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو۔ اِنْ تَکُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ کَمَا تَاْلَمُوْنَ یہاں اِنْ شرطیہ شک کے لئے نہیں کہ ان حضرات کو زخم وتکلیف تو یقیناً پہنچی تھی بلکہ شجاعت دلانے کو ہیں رغبت دینے کے موقعہ پر اگر وغیرہ بولا جاتا ہے۔ باپ اپنے بیٹے سے کہتا ہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کر۔ تَاْلَمُوْنَ اَلَمٌ سے بنا بمعنی رنج خواہ جسمانی تکلیف کی وجہ سے ہو یا روحانی تکلیف کی بنا پر اِنَّهُمْ میں هُمْ سے مراد وہ ہی قوم کفار ہے یعنی اے غازیو اگر تم کو ان جنگوں میں جسمانی یا روحانی درد پہنچتا ہے تو ان کفار کو بھی تو پہنچتا ہے یہ تکلیف تم میں ان میں مشترک ہے وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَ یہ مسلمان کی برتری کا ذکر ہے تَرْجُوْنَ رجاءٌ سے بنا بمعنی امید کرنا یعنی تم کو فتح وشکست دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی ان رحمتوں کی امید ہے جو کفار کو نہیں کہ تم اللہ کے دین کے لئے لڑتے ہو وہ محض ملک وقوم کیلئے نیز تم قیامت جنت دوزخ کے قائل ہو ان کا ان چیزوں پر ایمان ہی نہیں تو انہیں اجر وثواب کی امید کیسے ہو سکتی ہے لہٰذا تم ان سے بڑھ

چڑھ کر بہادری دکھاؤ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا اس عبارت میں مسلمانوں کو مطمئن فرمایا گیا کہ تم اپنی تکالیف یا شکست پر غم نہ کرو یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ان تمام میں اس کی صدہا حکمتیں ہیں کیونکہ وہ علیم بھی ہے حکیم بھی حکیم کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

خلاصہ تفسیر

اے غازیو جب تم نماز خوف مذکورہ طریقہ سے ادا کر چکو تو رب تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ ہو بلکہ ہر حال میں کھڑے بیٹھے لیٹے چلتے پھرتے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر طرح کا ذکر کرو کہ تم جنگ میں خطرناک حالات سے دوچار ہو اس وقت اللہ کا ذکر تمہارے لئے بہترین حفاظت ہے۔ یا اے نمازیو تم صرف نماز پر قناعت نہ کیا کرو بلکہ بعد نماز ہر حال میں اللہ کا ذکر کیا کرو کیونکہ اللہ کے ذکر میں تمہاری عزت ہے اللہ کا ذکر دلوں کا چین ہے اللہ کے ذکر سے اللہ کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے اور محبت سے اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اللہ کا ذکر زبانی بھی ہوتا ہے جنانی بھی ارکانی بھی سر سے پاؤں تک کے اعضاء کا ذکر علیحدہ ہے ہر قسم کا ذکر کر کے مکمل ذاکر بلکہ خود ذکر اللہ بن جاؤ۔ پھر اللہ کی ذات وصفات کا ذکر بھی ذکر اللہ ہے اور اس کے محبوبوں کا محبت سے ذکر بھی ذکر اللہ ہے اور اس کے دشمنوں کا نفرت سے ذکر بھی ذکر اللہ ہے تلاوت قرآن ذکر اللہ ہے حالانکہ قرآن کریم میں انبیاء اولیاء کا عزت سے ذکر بھی ہے اور فرعون وہامان کا اہانت سے ذکر بھی ہے پھر جب جنگ ختم ہو جاوے حالات نارمل اور پرسکون ہو جائیں تم امن سے ہو جاؤ تو ہمیشہ کی طرح نمازیں پڑھا کرو تمام شرائط وارکان ادا کر کے کہ نماز خوف کی آسانیاں ایک عارضی چیز تھیں یہ خیال رکھو کہ نماز تمام مسلمانوں پر اپنے اپنے وقت میں ادا کرنا فرض ہے بلکہ اہم فرض کوئی مسلمان کسی درجہ پر پہنچ کر نماز سے علیحدہ نہیں ہو سکتا اور اے غازیو بہادرو قوم کفار کے تعاقب ان کی طلب میں سستی نہ کرو فوراً نکلو ان کا پیچھا کرو تاکہ ان کو پلٹ کر تم پر دوبارہ حملہ کرنے کی ہمت نہ ہو سکے ہم جانتے ہیں کہ کل احد کی جنگ میں تم کو تکلیف پہنچی ہے مگر سوچو تو سہی کہ اگر تم کو تکلیف پہنچی ہے تو تمہارے دشمن کفار کو بھی تو تکلیف پہنچی اس تکلیف میں تم اور وہ مشترک ہوا اس کے ساتھ ہی تم کو اللہ تعالیٰ کے کرم سے وہ امیدیں ہیں جو کفار کو نہیں تم مار لو تو غازی مر جاؤ تو شہید لٹ جاؤ تو تمہارا روزہ لوٹ لاؤ تو عید تم تو ہر طرح نفع میں ہو لہٰذا تم کیوں سستی کرتے ہو جب کفار نہیں تھکتے تو تم کیوں تھکے جاتے ہو جان لو کہ اللہ تعالیٰ علم والا بھی ہے حکمت والا بھی اس کے تمام احکام علم وحکمت سے ہوتے ہیں۔ احد میں تم کو تکلیف پہنچنا ابو سفیان کا واپس ہو کر مدینہ پر دوبارہ چڑھائی کرنے کا ارادہ کرنا پھر یہ خبر تم تک پہنچنا پھر تمہارا اس زخم وتکلیف کی حالت میں مقابلہ کیلئے تیار ہو جانا یہ سب کچھ ہماری طرف سے ہے ان میں سے ہر کام میں ہماری صدہا حکمتیں ہیں۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جہاد جیسی خطرناک حالت میں بھی مسلمان کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہونا چاہئے۔ زبان ذکر اللہ سے تر رہے امن کی حالت میں تو بدرجہ اولیٰ اللہ کا ذکر ہر وقت چاہئے اللہ کے ذکر کی برکت سے بگڑے کام بن جاتے ہیں۔

مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔ **دوسرا فائدہ**: نماز با جماعت کے بعد ذکر اللہ تسبیح تہلیل درود شریف وغیرہ آہستہ یا بلند آواز سے کرنا رب تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ جیسا کہ **فَاذْكُرُوا اللّٰهَ** کی ف تعقیبیہ سے معلوم ہوا مسلمان بعد نماز ذکر بالجہر کرتے ہیں بالکل جائز ہے۔ اس کا ماخذ یہ آیت کریمہ ہے۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں بعد نماز اس قدر بلند آواز سے ذکر اللہ ہوتا تھا کہ محلہ گونج جاتا تھا۔ جیسا کہ مسلم وغیرہ کی احادیث سے ثابت ہے۔ ذکر بالجہر کی نفیس تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرماؤ یہاں **فَاذْكُرُوا اللّٰهَ** مطلق ہے جس میں ذکر بالجہر بھی شامل ہے۔ **تیسرا فائدہ**: ادا نماز کو قضاء کہنا درست ہے جیسا کہ **فَاِذَا قَضَيْتُمُ** سے معلوم ہوا لہٰذا ادا بہ نیت قضا اور قضاء بہ نیت ادا درست ہے۔ **چوتھا فائدہ**: ذکر اللہ ہر طرح ہر حال میں کرنا چاہئے کھڑے بیٹھے لیٹے پاک ناپاک ہر وقت ذکر اللہ کرو جیسا **قِيَامًا وَّقُعُوْدًا** الخ سے معلوم ہوا لہٰذا جنبی حائضہ نفاس والی عورتیں کلمہ شریف درود شریف پڑھ سکتی ہیں ناپاک آدمی کو صرف تلاوت قرآن مجید حرام ہے جبکہ بہ نیت تلاوت پڑھے لوگوں میں مشہور ہے کہ چلتے پھرتے درود شریف پڑھنا بیماری پیدا کرتا ہے غلط ہے درود شریف بیماریوں کا علاج ہے نہ کہ بیماری ہاں نجس جگہ پاخانہ وغیرہ میں ذکر اللہ حرام ہے۔ خیال رہے کہ بعضے ذکر اللہ ہر وقت کرنے کے ہیں جیسے کلمہ طیبہ۔ درود شریف، تسبیح وتہلیل وغیرہ اور بعض خصوصی ذکر خاص حالات میں کرنے کے ہیں۔ جیسے غم کی خبر پر انا للہ اور خوشی کی خبر پر الحمد اللہ ناگوار بات سن کر لاحول اور خوشی کی بات سن کر ماشاء اللہ وغیرہ۔ ذکر اللہ قرآن حضور کی نعت کبھی پرانے نہیں ہوتے عمر بھر پڑھو ہر بار نیا لطف دیتے ہیں۔ **پانچواں فائدہ**: بحالت امن نماز تمام شرائط وسنن کے ساتھ ادا کرنی چاہئے نماز میں چلنا پھرنا صرف خاص ضرورتوں میں ہی جائز ہے جیسے نماز خوف یا نماز میں وضو ٹوٹ جانے کی صورت میں جیسا کہ **فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ** الخ سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: نماز صرف مسلمانوں پر فرض ہے کفار پر نہیں نماز کی فرضیت کے لئے ایمان شرط ہے جیسا کہ **عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ** سے معلوم ہوا۔ اس لئے کافر جب مسلمان ہو تو اس پر زمانہ کفر کی نمازیں قضا کرنا واجب نہیں۔ **ساتواں فائدہ**: ہر نماز وقت پر پڑھنی چاہئے وقت سے پہلے نماز نہیں ہو سکتی اور وقت کے بعد قضا ہو گی یہ فائدہ **كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا** سے حاصل ہوا لہٰذا سفر حضر وغیرہ میں نمازیں جمع کرنا جائز نہیں۔ یہ جمع کرنا اس آیت کریمہ کے خلاف ہے دیکھو نماز خوف میں چلنے پھرنے کی اجازت دی گئی۔ مگر چند نمازیں بہ یک وقت پڑھ لینے کی اجازت نہیں دی گئی کہ رات گئے جب دو طرفہ جنگ بند ہو جائے تو تم آئندہ کل کی ساری نمازیں اکھٹی کر کے پڑھ لو اور کل دن پھر خوب جہاد کرو نماز کی فکر نہ رہے لہٰذا مذہب حنفی بہت قوی ہے۔ نمازوں کا جمع کرنا ہرگز درست نہیں اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں ملاحظہ کرو۔ خیال رہے کہ پانچ نمازیں فرض تین نمازیں واجب، وتر، فطر، اضحیٰ اور چار نمازیں نفل تہجد، اشراق، چاشت اور اوابین، ان کے اوقات شرعاً مقرر ہیں باقی اور نمازوں کے اوقات مقرر نہیں پھر وقت تین قسم کے ہیں وقت جواز۔ وقت مستحب وقت مکروہ چنانچہ نماز فجر کا وقت لو لگنے

سے طلوع آفتاب تک ہے اور ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے ہر چیز کا سایہ دوگنا ہونے تک سواء اصل سایہ کے اور عصر کا وقت اس وقت سے آفتاب ڈوبنے تک اور مغرب کا وقت غروب سے شفق غائب ہونے تک اور عشا کا وقت شفق غائب ہونے سے پو پھٹنے تک نماز وتر کا وقت فرض عشا کے بعد سے پو پھٹنے تک عیدین کا وقت طلوع سے بیس منٹ بعد سے دوپہر نصف النہار تک تہجد کا وقت عشاء پڑھ کر سو رہنے کے بعد سے پو پھٹنے تک اشراق کا وقت طلوع کے بیس منٹ بعد سے چہارم دن تک اور چاشت کا وقت چہارم دن سے دوپہر نصف النہار تک۔ **آٹھواں فائدہ**: نماز تمام فرائض سے اہم فریضہ ہے دیکھو بحالت سفر خصوصاً جہاد میں روزہ کی قضا کا حکم دے دیا گیا۔ مگر نماز کی قضا کی اجازت نہ دی گئی بلکہ نماز خوف پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ فرشتے صرف نماز پڑھتے ہیں کہ کوئی رکوع میں ہے کوئی سجدہ میں کوئی قیام میں کوئی قعدہ میں نماز کے سواء کوئی عبادت فرشتے نہیں کرتے نہ زکوٰۃ نہ حج وغیرہ غرضیکہ نماز عبادت مشترکہ ہے بلکہ تمام مخلوق نماز کے کچھ ارکان ضرور ادا کرتی ہے ہم اس کی تفصیل پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں یہ فائدہ **کِتٰباً** الخ سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ نماز پانچ وقت کی فرض ہے یہ پانچ وقت پانچ آیتوں سے ثابت ہیں ایک **حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ** الخ (بقرہ: ۲۳۸) دوسری آیت **اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ** الخ (الاسراء: ۷۸) تیسری آیت **فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ** الخ (روم: ۱۷) چوتھی آیت **اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ** الخ (ھود: ۱۱۴) پانچویں آیت **وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا** (قٓ: ۳۹) (تفسیر کبیر)۔ ان اوقات کی خصوصیت ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں۔ **نواں فائدہ**: مومن کا جہاد ملک گیری یا مال حاصل کرنے یا خدمت قوم کے لئے نہ ہونا چاہئے۔ صرف خدمت اسلام اور رضاء الٰہی کے لئے ہونا چاہئے کہ قومی ملکی جنگ تو کفار بھی کرتے ہیں مگر اس پر انہیں کسی اجر و ثواب کی امید نہیں اگر مسلمان بھی قومی ملکی جنگیں کریں گے تو انہیں بھی کسی ثواب کی امید نہ چاہئے۔ یہ فائدہ **وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰہِ** الخ سے حاصل ہوا۔

جنگ کافر فتنہ و غارت گری است　　　　جنگ مومن سنت پیغمبری است!

دسواں فائدہ: دوسری قوموں کے ذکر ان کی جرأتیں ہمتیں بیان کر کے مسلمان سپاہیوں کی ہمت بندھانا سنت الٰہیہ ہے دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے کفار مکہ کا ذکر فرمایا مومن غازیوں کو جوش دلانے کے لئے تاکہ ہم ان سے بڑھ چڑھ کر ہمت کریں۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومن کو اٹھتے بیٹھتے لیٹتے چلتے پھرتے اللہ کا ذکر چاہئے تو جو لوگ اٹھتے بیٹھتے یا رسول اللہ یا غوث وغیرہ کہتے ہیں وہ مشرک ہیں۔ **نوٹ**: یہ اعتراض مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مقام دنیا نگر پنجاب میں ایک مناظرہ کے موقعہ پر ہم

سے کیا تھا۔ **جواب**: اس اعتراض کے بہت جواب جو ہم نے تفصیل کے ساتھ مولوی ثناء اللہ صاحب سے بیان کئے تھے جاء الحق حصہ اول میں بہت مفصل بیان عرض کئے گئے ہیں یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ اللہ کے مقبول بندوں کا ذکر بھی بالواسطہ رب تعالیٰ ہی کا ذکر ہے یہاں ذکر اللہ مطلق ہے خواہ بلا واسطہ ذکر ہو یا بالواسطہ اٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھنا شرک کیسے ہوسکتا ہے نیز ذکر اللہ ہر حال میں کرنا چاہئے اس سے یہ مسئلہ کیسے ثابت ہوا کہ کسی اور کا ذکر شرک ہے صرف ونحو کا طالب علم اٹھتے بیٹھتے صیغوں کی گردانیں کرتا ہے۔ اٹھتے بیٹھتے **ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًوا** کہتا ہے کیا مشرک ہے۔ معاذ اللہ آیت کریمہ کا مقصد ہی کچھ اور ہے تم کہہ رہے ہو کچھ اور اس کے باقی جوابات جاء الحق میں دیکھو۔ خیال رہے کہ خالص اللہ کا ذکر کفار کا طریقہ ہے مومن کا ذکر توالوہیت ونبوت کا ملا کر ہے۔ کلمہ، نماز وغیرہ سب میں مخلوط ذکر ہے بجلی دو پاروں سے جلتی ہے۔ دل کی بجلی بھی الوہیت ونبوت کی پاور سے روشن ہوتی ہے مومن سنہری جالیوں کے جھروکوں سے کعبہ کو دیکھتا ہے۔ براہ راست کعبہ کو ابوجہل وابولہب بھی دیکھتے تھے۔ شعر

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو   واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے!

دوسرا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ جب امن میں ہو جاؤ تو نماز قائم کرو کیا امن کے سواء دیگر حالات میں نماز قائم نہ کرنا چاہئے یہ آیت **اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ** کے خلاف ہے۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں نماز قائم کرنے سے مراد تمام شرائط وسنن ومستحبات کے ساتھ نماز ادا کرنا ہے وہ واقعی امن میں ہی ہوسکتا ہے نماز خوف میں چلنے پھرنے کعبہ سے پیٹھ پھیر لینے کی بھی اجازت ہے وہاں آیت **اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ** میں نماز قائم کرنے سے مراد ہمیشہ پڑھنا درست پڑھنا دل لگا کر پڑھنا ہے لہٰذا آیات متعارض نہیں۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نماز اپنے وقت پر پڑھنا چاہئے مگر حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ سفر میں ظہر وعصر یوں ہی مغرب وعشاء ملا کر پڑھتے تھے وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب**: وہاں جمع صوری مراد ہے نہ کہ جمع حقیقی یعنی نماز ظہر آخر وقت میں اور نماز عصر اول وقت میں یوں ہی نماز مغرب آخر وقت میں اور نماز عشاء اول وقت میں پڑھتے تھے ہر نماز اپنے ہی وقت میں ہوتی تھی بظاہر مجتمع معلوم ہوتی تھی۔ اس کا مفصل جواب جاء الحق حصہ دوم میں ملاحظہ کرو۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز اپنے وقت میں چاہئے تو حجاج کرام حج کے دن عرفات میں عصر کی نماز ظہر کے وقت میں کیوں پڑھ لیتے ہیں۔ **جواب**: اس تاریخ میں حاجی کے لئے نماز ظہر پڑھتے ہی نماز عصر کا وقت آجاتا ہے آج اس کے لئے وقت عصر یہ ہی ہے جیسے نماز عشاء پڑھتے ہی نماز وتر کا وقت ہو جاتا ہے اور جس نے ابھی عشاء نہ پڑھی ہو اس کے لئے ابھی وتر کا وقت نہیں ہوا یوں ہی عشاء پڑھ کر سونے کے بعد جب آنکھ کھل جاوے تو وقت تہجد اس کے لئے ہو جاتا ہے مگر جس نے ابھی عشاء نہ پڑھی ہو وہ یا ابھی سویا نہ ہو اس کے لئے یہ وقت

تہجد نہیں اسی طرح غیر حجاج کے لئے یا جو حاجی ظہر بغیر جماعت ادا کرے اس کے لئے وقت عصر نہیں ہوا مگر جو حاجی جماعت سے ظہر پڑھ لے اس کے لئے وقت عصر ظہر پڑھتے ہی آ گیا یہ قاعدہ خوب اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔

پانچواں اعتراض: اگر نماز اپنے وقت پر پڑھنی چاہئے تو حضور ﷺ نے غزوہ خندق کے موقعہ پر پانچ نمازیں ایک وقت میں کیوں ادا کیں۔ **جواب**: اس دن خندق کھودنے میں اس قدر مشغولیت تھی کہ نمازیں پڑھنے کا موقعہ نہ ملا دشمن کا سخت خطرہ تھا مسلمانانِ مدینہ کے جان و مال غیر محفوظ ہو چکے تھے اس لئے حضور انور ﷺ نے اس دن چار نمازیں قضا اور ایک نماز ادا پڑھی اب بھی قضا نماز دوسری نماز کے وقت میں پڑھ لی جاتی ہے۔ یہ اوقات ادا نماز کے لئے ہیں قضا ہر وقت ہو سکتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اطاعت کی نمازوں کے لئے اوقات شرائط وغیرہ مقرر ہیں شرعی عبادات کی حدود ہیں کہ نمازیں دن رات میں پانچ روزے سال میں ایک ماہ زکوٰۃ سال میں ایک بار حج عمر میں ایک بار مگر عشق کے لئے وقت خاص نہیں وہ ہمیشہ ہر حال میں ادا ہوتی ہے رب تعالیٰ فرماتا **هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ** (معارج: ۲۳) ہمارے عشاق ہمیشہ نماز ہی میں ہیں تقسیم اوقات عابدوں کے لئے ہے اور سارے اوقات ذکر یار کے لئے وقف کر دینا عارفوں کے لئے ہے مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:

پنج وقت آمد نماز مومنوں	عاشقانش فی صلوٰۃ دائمون!
نیست زُرْ غِبًا وظیفہ ماھیاں	زانکہ بے دریا ندارد انس و جان!
ہیچ کس باخویش زرغبا نمود	ہیچ کس باخو نبویت یار بود
دردل عاشق بجز معشوق نیست	درمیاں شاں فارق وفاروق نیست!

خشکی کی مخلوق سمندر میں کبھی کبھی جاتی ہے مگر مچھلی ہمیشہ سمندر میں رہتی ہے۔ نماز شریعت میں سر کا سجدہ خاص وقت میں ہے نماز حقیقت میں دل کا سجدہ ہر وقت ہے۔ شعر

یہ کوچہ حبیب ہے صحن حرم نہیں	یاں سر رکھا تو سر کا اٹھانا حرام ہے
پینا حرام ہے نہ پلانا حرام ہے	البتہ پی کے ہوش میں آنا حرام ہے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب نے یہاں فرمایا۔ جب تم کو اطمینان ہو جائے تو نماز قائم کرو یعنی جب تم نفس و جان و مال سب کو رب کے حوالہ کر دو اور تمہیں ان سب سے فراغت نصیب ہو جائے تب تم نماز عشق ایسی قائم کرو کہ کبھی اس نماز سے فارغ نہ ہو یہ نماز کبھی ختم نہیں ہوتی۔ بیرون دل میں دوسروں کی محبت رہے تو رہے مگر اندرون دل میں صرف یار کی محبت ہو اور اس کے محبوبوں کی گھر کی بیٹھک میں یار و اغیار سب آ سکتے ہیں مگر خلوت خانہ میں سواء اپنے بال بچوں کے کوئی نہیں آتا اداء نماز کے لئے جسم کا وضو کرو قبولیت نماز کے لئے دل کا وضو کرو **لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ**

سُکَارٰی (النساء:۴۳) محبت دنیا کے نشہ میں نماز عشق کے قریب نہیں جا سکتے جسے اللہ تعالیٰ یہ نماز نصیب کر دے اس کی زندگانی کبھی ختم نہیں ہوتی اس کے لئے بقاء ہے۔ کسی عاشق نے کیا خوب فرمایا۔

میں مروں تو جگ مرے مرے میری بلا — سچے گر کا بالکا مرے نہ مارا جا!

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق — ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اللہ تعالیٰ کبھی وہ دائمی نماز نصیب فرمادے جس کا سلام کبھی نہیں پھرتا امام حسین نے کربلا کے میدان میں وہ دائمی نماز پڑھی جو تا قیامت ختم نہ ہوگی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب نے فرمایا قوم کی جستجو میں سستی نہ کرو یعنی ہر وقت اپنے نفس امارہ کے عیب تلاش کر کے اس کی اصلاح کرتے رہو۔ جب نفس طلب دنیا طلب شہوات طلب لذات میں نہیں تھکتا تو تم اس کی پکڑ میں کیوں سستی کرتے ہو حالانکہ نفس ونفسانیات کو ان طلبوں پر ثواب کی امید نہیں اور تم کو نفس کی پکڑ اس کی سزا پر بڑے اجر وثواب کی امید ہے لہٰذا نفس کی اصلاح سے کبھی غافل نہ رہو۔ خیال رکھو کہ ہمارے دشمن چند ہیں جو مرتے وقت تک ہمارے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ نفس امارہ، ابلیس اور اس کی ذریت، برے ساتھی خواہ گمراہ کن عالم ہوں یا بے دین پیر۔ یہ سب دشمن ہیں ایک قوم ہیں کبھی ان سے غافل نہ رہو آدم علیہ السلام نبی معصوم ہیں اور جنت جگہ محفوظ مگر ابلیس نے وہاں بھی داؤ مار دیا تو ہم کس طرح اس کے فریب سے بچ سکتے لہٰذا لَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ اس دشمن قوم کے فریبوں کی جستجو میں مرتے دم تک رہو۔

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ
بیشک ہم نے اتاری آپ کی طرف یہ کتاب ساتھ حق کے تاکہ فیصلہ کریں آپ درمیان لوگوں کے اس سے
اے محبوب بیشک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو
أَرٰىكَ اللّٰهُ ۚ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۚ
جو دکھائے آپ کو اللہ اور نہ ہوں آپ خیانت والوں کے لئے مقابل اور آپ بخشش مانگیں اللہ سے
جس طرح تمہیں اللہ دکھائے اور دغا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو اور اللہ سے معافی چاہو
إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ
بے شک اللہ بخشنے والا مہربان اور نہ جھگڑا کریں آپ ان لوگوں کی طرف سے جو
بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور ان کی طرف سے نہ جھگڑو جو

يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿١٠٧﴾
خیانت کرتے ہیں اپنی جانوں سے یقیناً اللہ نہیں پسند فرماتا اسے جو ہو بہت بڑا خائن مجرم
اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے ہیں بیشک اللہ نہیں چاہتا کسی بڑے دغاباز گنہگار کو

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار سے جہاد کرنے کی تاکید فرمائی گئی تھی اور جہاد میں چوکنے رہنے کا حکم دیا تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ تو جہاد کا حکم تھا لیکن اگر کافر کا مقدمہ تمہارے ہاں آجاوے تو عدل وانصاف کرو کفار پر جہاد کرو ان پر ظلم نہ کرو اگر مقدمہ میں مسلمان جھوٹا ہو کافر سچا تو مسلمان کی رعایت نہ کرو کافر کے حق میں فیصلہ کرو میدان جہاد کے احکام بیان فرمانے کے بعد اسلامی عدالت کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں عبادات درست کرنے کا حکم دیا گیا تھا کہ کسی حال میں نماز نہ چھوڑو اب معاملات ٹھیک رکھنے کی تاکید فرمائی جا رہی ہے کہ کسی حال میں عدل وانصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں بہت سے شرعی احکام بیان ہوئے اب فرمایا جا رہا ہے یہ تمام احکام سب پر واجب العمل ہیں۔ نبی کو بھی حق نہیں کہ ان میں ردوبدل کرے کسی اور کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ غرضیکہ احکام کا ذکر پہلے تھا ان پر عمل کی تاکید اب فرمائی جا رہی ہے۔

شان نزول

قبیلہ انصار میں ایک شخص تھا۔ بشر اس کا لقب تھا طعمہ ابن ابیرق خاندان بنی ظفر سے تھا بڑا منافق اور چور عادی چالباز وہ ایک رات اپنے پڑوسی قتادہ ابن نعمان کے گھر میں گھس گیا وہاں سے ایک تھیلہ چرایا جس میں آٹا بھی تھا اور زرہ بھی تھیلہ پھٹا ہوا تھا جس سے آٹا گرتا ہوا گیا طعمہ یہ تھیلہ ایک یہودی زید ابن سمین کے ہاں اپنی امانت کر کے رکھ آیا۔ صبح کو اس تھیلہ کی تلاش ہوئی طعمہ پر شبہ کیا گیا اس پوچھا گیا وہ قسم کھا گیا کہ نہ میں نے تھیلہ چرایا ہے نہ مجھے اس کے متعلق کچھ خبر قتادہ کے گھر والوں نے گرے ہوئے آٹے کے ذریعہ چوری کا کھوج لگایا چونکہ آٹا یہودی کے گھر تک گرتا ہوا گیا تھا اس لئے یہ لوگ یہودی کے گھر پہنچے اور اس کے گھر سے تھیلہ برآمد کر لیا یہودی کو پکڑ لیا یہودی بولا کہ یہ تھیلہ آج رات طعمہ میرے گھر اپنی امانت کر کے رکھ گیا ہے یہودیوں کی ایک جماعت نے اس واقعہ کی گواہی دی یہ مقدمہ بارگاہ نبوی پاک ﷺ میں پیش ہوا طعمہ کے تمام عزیز و اقارب نے پرزور طریقہ سے طعمہ کی حمایت کی اور یہودی کو سخت سزا دینے کا مطالبہ کیا کہ مال برآمد ہوا یہودی کے گھر سے چور وہ ہی ہے اسی نے چوری بھی کی پھر چوری کا انکار بھی کیا پھر ایک بندہ مسلمان یعنی طعمہ کو چوری کا بہتان بھی لگایا یہ تین سزاؤں کا مستحق ہے طعمہ کے ان عزیزوں قریبوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ جس طرح ہو سکا طعمہ کو چھوڑائیں گے یہودی کو پھنسائیں گے تاکہ اپنی قوم رسوا نہ ہو چونکہ طعمہ مسلمان ہے اور اس کے مقابل یہودی اس لئے فیصلہ طعمہ کے

حق میں ہوگا۔ حضور سید عالم ﷺ نے فریقین کا بیان سن کر کوئی فیصلہ نہ فرمایا اور طعمہ کے گواہوں پر کوئی خاص جرح بھی نہ کی کیونکہ بظاہر یہودی ملزم بن چکا تھا اس کے گھر سے مال برآمد ہو چکا تھا اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئیں جن میں طعمہ اور اس کے ساتھیوں کی تکذیب کی گئی اور یہودی اور اس سے گواہوں کی تصدیق فرمائی گئی چنانچہ بارگاہِ رسالت سے یہودی کے حق میں فیصلہ ہوا طعمہ کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا طعمہ یہ سن کر اسلام سے مرتد ہو گیا اور مکہ معظمہ پہنچ کر کفار سے مل گیا کفار مکہ نے اسے بہت عزت و محبت سے رکھ لیا وہاں اس نے ایک کافر حجاج ابن علاط کے گھر رات کو نقب لگائی تا کہ گھر میں گھس کر چوری کرے وہ نقب لگا رہا تھا کہ دیوار کا ایک پتھر اس کے سر پر گرا جس سے وہ سخت زخمی ہو گیا صبح کو کفار مکہ کو پتہ لگا تو انہوں نے اسے مکہ معظمہ سے نکال دیا یہ مردود ایک مسافروں کے قافلہ میں گیا اور بولا میں مسافر بھوکا ہوں تمہارے ساتھ سفر کرنا چاہتا ہوں انہوں نے اسے ساتھ لے لیا رات کے وقت اس نے ایک مسافر کی چوری کی قافلہ والوں نے اسے پکڑ لیا اور پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا غرضیکہ طعمہ مرتد ہو کر اس طرح ہلاک ہوا۔

قسم خدا کی نہ وہ اٹھ سکا قیامت تک کہ جس کو تو نے نظر سے گرا کے چھوڑ دیا

(تفسیر خازن، روح البیان، تفسیر کبیر، تفسیر صاوی، خزائن العرفان وغیرہ) ان آیات کے شان نزول کے متعلق اور بھی روایات ہیں مگر یہ روایت قوی ہے۔

تفسیر

اِنَّـآ اَنۡـزَلۡنَـآ اِلَيۡکَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ چونکہ ان آیات کا مضمون بہت اہم ہے اس لئے انہیں اِنَّآ حرف تاکید سے شروع فرمایا گیا کیونکہ اس آیت میں حضور ﷺ کی رسالت عامہ کا ذکر بھی ہے جس کے کفار منکر تھے اور آپ کی حکومت عامہ کا ذکر بھی لِتَحۡـكُـمَ بَيۡنَ النَّاسِ اور آپ کے عمومی اختیار کا ذکر بھی۔ بِمَآ اَرٰىکَ اللّٰهُ جن دونوں کے کلمہ گو بھی منکر ہیں۔ ان کے انکار کی وجہ سے اِنَّ تاکیدی ارشاد ہوا۔ حضور ﷺ پر قرآن کریم کا نزول کئی بار ہوا۔ ہر سال ماہ رمضان میں جبریل امین پورا قرآن شریف حضور کو سنا جاتے تھے یہ نزول ایک دم تھا پھر ۲۳ سال میں حسب موقعہ آیات نازل ہوتی رہتی تھیں یہ آہستگی سے نزول تھا پہلے نزول کے لحاظ سے اَنۡزَلۡنَآ فرمایا جاتا ہے دوسرے نزول کے لحاظ سے نَزَّلۡنَا یہاں پہلے نزول کے لحاظ سے اَنۡزَلۡنَآ فرمایا گیا ہے۔ اگرچہ حضور پر قرآن لانے والے جبریل علیہ السلام ہیں مگر چونکہ یہ لانا رب تعالیٰ کے حکم سے تھا اس لئے اَنۡـزَلۡنَآ فرمایا کہ ہم نے اتارا نیز حضور کے کان شریف پر الفاظ قرآن کا نزول بواسطہ جبریل ہوتا تھا مگر معانی قرآن کا نزول حضور کے دماغ شریف پر رموز و اسرار قرآن کا نزول دل مبارک پر احکام قرآن کا نزول زبان مبارک پر بلا واسطہ جبریل رب تعالیٰ کی طرف سے ہوا اس لئے اَنۡـزَلۡنَـآ ارشاد ہوا۔ اِلَيۡکَ میں خطاب حضور ﷺ سے ہے کہ نزول قرآن کے منتہیٰ حضور ہی ہیں۔ خیال رہے کہ حضور نزول قرآن کے منتہیٰ ہیں اور تبلیغ قرآن کے مبتدا یعنی مخلوق کو قرآن آپ سے ملا ہے۔ شعر:

مبتدا منتہیٰ سلامٌ علیک

یہاں چونکہ نزول کا ذکر ہے لہٰذا اِلَیۡکَ ارشاد ہوا۔ حضور ایمان عرفان۔ قرآن رحمت رحمان فیضان کے مبتدا و منتہیٰ ہیں کہ سب کو جو ملا ان سے ملا خیال رہے کہ اِلَیۡکَ میں اِلٰی کے معنی طرف بھی ہو سکتے ہیں اور تک بھی یعنی ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف اتاری کہ نزول قرآن کا مطمح نظر آپ ہیں جیسے نمازی کا رخ کعبہ کی طرف ہوتا ہے۔ ایسے ہی قرآن کا رخ تمہاری طرف ہے کہ تم عربی ہو لہٰذا قرآن عربی جب تک تم مکی رہے تب تک آیات قرآنیہ اترنے والی مکی ہوئیں اور جب تم مدنی ہو گئے تب آیات قرآنیہ جو نازل ہوئیں مدنی کہلائیں۔ تم نے چاہا کہ کعبہ قبلہ اسلام بنے تو قرآن نے فرمایا فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰهَا (بقرہ:۱۴۴) یا ہم نے کتاب تم تک اتاری کہ نزول قرآن کے منتہیٰ تم ہو الکتاب میں الف لام عہدی ہے اس سے مراد قرآن شریف ہے قرآن شریف کے ۳۲ بتیس نام ہیں ایک نام کتاب بھی ہے جیسا کہ الٓمّٓ کے شروع میں ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ (بقرہ:۲) کی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ خیال رہے کہ حضور مطلوب قرآن ہیں۔ دوسرے انبیاء بھی طالب کتاب تھے اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کتاب لینے طور پر گئے اور چلہ کر کے لائے اور حضور کے بستر میں گھر میں سفر میں قرآن آیا۔ حضور کی زبان میں آیا۔ کیوں نہ ہو کہ حضور اللہ کے محبوب و مطلوب ہیں۔ بِالۡحَقِّ یا تو اَنۡزَلۡنَاۤ کے متعلق ہے یا ثَابِتًا کے متعلق ہو کر الکتاب کا حال یا الکتاب کی صفت اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ تیسری توجیہہ کے مطابق ہے ہمارا ترجمہ پہلی توجیہہ کے موافق ہے حق کے تین معنی ہیں سچ و درست غیر زائل یعنی ثابت و مضبوط، غیر منسوخ، حکمت یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں قرآن سچا بھی ہے۔ نا قابل نسخ بھی کہ اب کوئی نبی کوئی کتاب نہ آوے گی، جو اسے منسوخ کرے اور حکمت والا بھی کہ اس کا کوئی فرمان عبث اور حکمت سے خالی نہیں نیز اس کا حضور پر نازل ہونا حق ہے ایسی کتاب کے لئے ایسے شاندار رسول لائق تھے یعنی اے محبوب ﷺ ہم نے یہ قرآن آپ پر سچائی کے ساتھ اتارا کہ اس کا ہماری طرف سے چلنا بھی حق ہے۔ جبریل امین کا لانا بھی حق آپ کا لینا بھی حق یا اے محبوب ہم نے سچی کتاب آپ پر اتاری لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ یہ جملہ اَنۡزَلۡنَاۤ کے متعلق ہے۔ تَحۡكُمَ حکم سے بنا بمعنی فیصلہ فرمانا لوگوں پر احکام نافذ کرنا النَّاسِ سے مراد سارے ہی انسان ہیں کافر ہوں یا مومن یا منافق کیونکہ قرآنی عبادات صرف مسلمانوں کے لئے ہیں مگر قرآنی معاملات تمام انسانوں کے لئے بلکہ قرآنی عقائد جن و انس سب کے لئے یہاں معاملاتی فیصلے مراد ہیں۔ حضور ﷺ کی حکومت تو جن و انس فرشتے جانور چاند و سورج وغیرہ تمام ممالک الٰہی پر ہے کہ حضور کے حکم سے چاند پھٹا سورج لوٹا کنکروں لکڑیوں نے کلمہ پڑھا مگر قرآنی حکم صرف انسانوں پر جاری ہیں۔ یہاں تَحۡكُمَ سے قرآنی حکم جاری فرمانا مراد ہے اس لئے النَّاسِ فرمایا گیا لِلۡعٰلَمِيۡنَ نہ فرمایا نبوت و حکومت و رحمت کیلئے لِلۡعٰلَمِيۡنَ ارشاد ہوا لِيَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِيۡنَ نَذِيۡرًا (فرقان:۱) اور رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (انبیاء:۱۰۷) تَحۡكُمَ مخاطب کا صیغہ فرما کر بتایا گیا کہ حکم تو قرآن ہے مگر حاکم حضور ہیں قرآن حاکم نہیں نیز یہ بتایا کہ قرآن سے فیصلہ کرانا صرف حضور انور کا کام ہے اور کوئی صرف قرآن سے فیصلہ نہیں کر سکتا قرآنی فیصلے حضور ﷺ کی

تعلیم روشنی میں کرے گا۔ اسی لئے لِیَحْکُمَ جمع غائب نہ فرمایا اَرٰکَ کا اَرَاءَةٌ سے بنا جس کا مادہ رُوْیَةٌ ہے رویت کے معنی ہیں دیکھنا جاننا پہچاننا یہاں بمعنی پہچاننا ہے یا دیکھنا۔ اَرٰکَ اللّٰهُ آپ کو دکھائے یا اللہ آپ کو پہچان کرائے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ترجمہ دکھانے کے مطابق ہے چونکہ خفیہ چیز علامات سے مثل دیکھی ہوئی کے ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اسے دکھانا فرمانا بالکل درست ہے یعنی قرآن مجید اس لئے آپ پر اتارا کہ آپ لوگوں کے درمیان وہ فیصلہ کریں جو رب تعالیٰ آپ کو مثل محسوس کے سکھاوے پہچان کراوے۔ وَلَا تَكُنْ لِلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا اس میں بظاہر خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے مگر فہمائش سارے اسلامی حکام وکلاء علماء مفتیان مشائخ بلکہ تمام مسلمانوں سے ہے۔ لَا تَكُنْ نہی استمرار کے لئے ہے یعنی نہ ہوں نہ بنیں نہ رہیں۔ خَآئِنِیْنَ جمع ہے خائن کی جس کا ماخذ خیانت ہے۔ امانت کے مقابل خائن بمعنی امانت مارنے والا اس سے مراد طعمہ اور اس کے تمام ہم قوم ہیں جو اس کے حمائت میں تھے لِلْخَآئِنِیْنَ میں لام اجل کا ہے یا صلہ کا خَصِیْم خصومت سے بنا بمعنی مقابلہ یا کسی کی حمایت یعنی اس کے دشمن سے مقابلہ یعنی اے محبوب ﷺ آپ کبھی بھی چوروں اور چوروں کے حامیوں مددگاروں کے حمایتی نہ بنیں ہمیشہ فیصلہ حق کریں۔ اگرچہ کافر ہی کے حق میں ہو اور کسی کلمہ گو کے خلاف ہی ہو۔ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یہ دوسرا حکم ہے اس میں بھی خطاب نبی ﷺ سے ہے اور فہمائش مسلمانوں کو یعنی اے محبوب ﷺ تعلیم امت کے لئے ہمیشہ دعاء مغفرت کیا کریں تاکہ مسلمان یہ دعا آپ سے سیکھیں یا طعمہ کی قوم والوں کے لئے دعاء مغفرت کریں جنہوں نے قومی پچھ میں طعمہ کو چور جانتے ہوئے اس کی حمایت کی مگر ہیں یہ سب مسلمان ان کے لئے دعا فرمادیں۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا اس آیت کی تفسیر بارہا کی جا چکی ہے کہ كَانَ استمرار کے لئے ہے غَفُوْرٌ معنی گناہ بخشنے والا رحیم معنی مہربانی کرنے والا یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ گناہ بخشنے والا بندوں پر مہربان ہے۔ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اس حکم میں بھی خطاب حضور والا سے ہے اور فہمائش سب کو تُجَادِلْ تُجَادِلُ سے بنا بمعنی جھگڑنا جدال خصومت سے عام ہے۔ خصومت خاص حمایت کو کہتے ہیں جو وکیل یا حاکم بااختیار شخص کرے جدال عام حمایت کو جو کوئی بھی کرے یہاں بھی الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ سے مراد وہ ہی طعمہ کے حمایتی لوگ ہیں چونکہ ہر گناہ میں گنہگار اپنی نفس کی خیانت بھی کرتا ہے۔ اس پر ظلم بھی لہٰذا یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ فرمانا بالکل درست ہے ہمارے نفس اللہ کی امانتیں ہیں نفس کے متعلق شرعی احکام بھی رب تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ اس لئے اس کی خلاف ورزی خیانت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا یہ ان تمام احکام کی علت ہے لَا یُحِبُّ سے مراد ہے ناراض ہونا غضب فرمانا یہ مقصد نہیں کہ یہ لوگ نہ ہمارے محبوب ہیں نہ مردود خوان خیانت کا مبالغہ ہے۔ اَثِیْمًا اثم بمعنی گناہ کا صفت مشبہ یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ بڑے خائن عادی گنہگار سے سخت ناراض ہے تو جو ان کی حمایت کرے گا اس سے بھی ناراض ہوگا کیونکہ دشمن کا دوست بھی دشمن ہوتا ہے جیسے دوست کا دوست بھی دوست ہوتا ہے اور دشمن کا دشمن بھی اپنا دوست ہوتا ہے۔

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی تین صفات عالیہ کا ذکر فرمایا آپ کا صاحب کتاب رسول ہونا اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ آپ کا رب تعالیٰ کی طرف سے تمام انسانوں کا حاکم مطلق ہونا۔ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ آپ کا رب کی طرف سے ماذون ومختار ہونا بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ یہ آیت حضور کی صفات عالیہ کی مظہر ہے چنانچہ ارشاد ہوا۔ اے محبوب ﷺ ہم نے آپ پر یہ سچا قرآن اس لئے اتارا ہے کہ آپ لوگوں کے فیصلے اس کے مطابق کریں جو اللہ تعالیٰ آپ کو دکھاوے سمجھاوے خواہ بذریعہ وحی یا بذریعہ دلائل یا بذریعہ کشف یا بذریعہ اجتہاد یا خواب۔ جس طرح بھی آپ حقیقت حال کو پہنچیں اس کے مطابق فیصلہ کریں کبھی چوروں اور چوروں کے حامی خائنوں کے حمایتی نہ بنیں ان کی طرف سے دوسروں سے خصومت نہ کریں۔ ہاں یہ حمایتی لوگ ہیں تو مسلمان اگرچہ قومی حمایت میں طعمہ کی طرفداری کر بیٹھے ان کے لئے دعا مغفرت کریں اور اوران کو آئندہ کے لئے تاکید فرمادیں کہ ایسی حرکت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بخشنے والا مہربان ہے کہ کیسا ہی گنہگار اس کی بارگاہ میں آجاوے وہ نکالتا نہیں نیز آئندہ اس قسم کے خائنوں کی طرف سے جو اپنے نفس کے متعلق خیانت کرتے ہیں۔ کسی سے جھگڑا نہ کریں کہ اس میں ان کی ظاہری حمایت ہے۔ یقین فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ خیانت گروں عادی مجرموں کو سخت ناپسند کرتا ہے تو جو ان مردودوں کی حمایت کرے گا یا ان کی طرف سے لوگوں سے جھگڑے گا وہ بھی اسی زد میں آجاوے گا۔ اسلئے آپ ہمیشہ حق فیصلہ کریں اگرچہ حق کافر کی جانب ہو اور کسی کلمہ گو کے خلاف ہو۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضور ﷺ خلق کے حاکم ہیں جیسا کہ لِتَحْکُمَ سے معلوم ہوا اور حاکم بااختیار بھی جیسا کہ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ سے معلوم ہوا کہ حضور وحی کشف اپنی رائے عالی سے فیصلہ فرمانے کے مختار ہیں۔ اَرٰکَ اللّٰہُ میں رائے عالی بھی داخل ہے۔
دوسرا فائدہ: حضور کے کشف الہام خواب رائے سب اللہ کے طرف سے ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز شیطان کی طرف سے نہیں یہ فائدہ بھی اَرٰکَ اللّٰہُ سے حاصل ہوا اگر حضور کا فیصلہ کسی کیلئے قرآن کے خلاف بھی ہو جاوے تو حق ہے حضرت کعب ابن مالک کے بائیکاٹ کے زمانہ میں سلام جواب سلام ان کو اپنی بیوی سے صحبت سب کچھ منع کر دی گئی حالانکہ مسلمان کو سلام کرنا سنت ہے سلام کا جواب فرض ہے۔ بیوی حلال ہے یہ ہے حضور کا اختیار اور یہ ہے بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ کا ظہور۔ **تیسرا فائدہ**: اللہ تعالیٰ عموماً اپنے بندوں کی پہلے جرم پر پکڑ نہیں فرماتا وہ ستار عیوب بارہا بندے کے عیب چھپاتا ہے جب بندہ اس کی ستاری سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ تو اس کو رسوا کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ طعمہ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہ منافق بڑا پرانا چور تھا اس دفعہ اس کی چوری پکڑی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوئی چور پکڑا گیا آپ نے اس کے ہاتھ کاٹ ڈالنے کا حکم دیا چور کی ماں روتی ہوئی حاضر ہوئی بولی یہ اس کی پہلی چوری ہے اسے معافی دے دیں۔ آئندہ نہ کرے گا آپ نے فرمایا تو جھوٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو پہلے جرم پر

نہیں پکڑتا (روح البیان خازن وغیرہ)۔ **چوتھا فائدہ**: چوریا کسی اور مجرم کی حمایت کرنا اسے چھوڑانے کی کوشش کرنا جرم ہے کہ اس سے ملکی نظام خراب ہوتا ہے۔ شریعت کی حدیں ٹوٹتی ہیں۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے طعمہ کے حمائیتوں کو خائنین یعنی خیانت مجرمانہ کرنے والا قرار دیا۔ **پانچواں فائدہ**: مجرم کی وکالت کرنا اسے چھوڑانا چھوڑانے کی کوشش کرنا یا حاکم وقت کا اسے چھوڑ دینا حرام ہے جیسا کہ **وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا** سے معلوم ہوا۔ اس سے وکلاء عبرت پکڑیں جو دانستہ طور پر مجرموں کے حمایت کرتے انہیں چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں نیز وہ حکام بھی عبرت پکڑیں جو دانستہ طور پر مجرموں کو چھوڑ دیتے ہیں شعر:

نکوئی بابداں کردن چناں است — کہ بدکردن بجائے نیک مرداں

چھٹا فائدہ: قرآن مجید قانون الٰہی ہے اور حضور ﷺ یہ قانون چلانے والے نافذ فرمانے والے ہیں۔ آپ ڈاکیہ کی طرح صرف پہنچانے والے نہیں آپ حاکم مطلق ہیں جیسا کہ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: حضور ﷺ تمام انسانوں کے حاکم مطلق ہیں خواہ آپ کے زمانہ کے لوگ ہوں یا بعد کے تا قیامت جیسا کہ بَيْنَ النَّاسِ کے عموم سے معلوم ہوا۔ آپ کے بعد کے مفتیان شرع سلاطین اسلامیہ حکام حضور کے نوکر چاکر حضور کے نائب ہیں ان کے فیصلے حضور ﷺ کے ہی فیصلے ہیں۔ **آٹھواں فائدہ**: حضور ﷺ کے اپنے فیصلے قطعاً درست وصحیح ہوتے تھے جیسا کہ **بِمَآ اَرٰكَ اللّٰهُ** سے معلوم ہوا۔ آپ کے فیصلے رب تعالیٰ کی مدد سے ہوتے تھے۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے وہ ہی فیصلہ کیا ہے۔ جو مجھے رب تعالیٰ نے دکھایا بتایا کیونکہ یہ شان تو حضور ﷺ ہی کی تھی کہ آپ حق تعالیٰ کے دکھانے بتانے پر فیصلہ فرماتے تھے۔ حضور عالی کی رائے بھی نہایت ہی درست ہوتی تھی کہ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی تھی۔ ہماری رائے درست بھی ہوسکتی ہے۔ غلط بھی (تفسیر کبیر وخازن)۔ **نواں فائدہ**: تمام صحابہ گناہوں سے معصوم یا محفوظ نہیں ان سے گناہ سرزد ہو جاتے تھے مگر رب تعالیٰ انہیں گناہ پر قائم نہیں رکھتا دنیا میں انہیں توبہ کی توفیق دیتا ہے جس سے ان کی بخشش ہو جاتی ہے۔ دیکھو طعمہ کے حمایتی لوگوں نے غلطی کی مگر معافی بھی ہوگئی کہ اپنے محبوب سے فرمایا گیا۔ ان کے لئے دعا مغفرت فرماؤ لہٰذا تمام صحابہ عادل ہیں ثقہ ہیں مغفور ہیں۔ **دسواں فائدہ**: گناہ کتنا ہی بڑا ہو مگر اس سے انسان کافر نہیں ہوتا۔ کفر فساد عقیدے سے آتا ہے۔ دیکھو طعمہ کے حمائتیوں سے یہ بڑا گناہ سرزد ہوا مگر رب تعالیٰ نے انہیں کافر قرار نہ دیا بلکہ محبوب ﷺ کو ان کے حق میں دعاء مغفرت کا حکم دیا۔ **گیارھواں فائدہ**: حضور ﷺ کے فیصلے وحی الٰہی یا نور نبوت پر مبنی ہوتے تھے اسلئے اٹل تھے جن کی اپیل نہ ہوسکتی تھی بعد کے حکام وقاضیوں کے فیصلے ایسے نہیں لہٰذا ان کی اپیل ہوسکتی ہے کہ ان کے فیصلہ صرف گواہیوں پر ہوتے ہیں۔ گواہی جھوٹی بھی ہوسکتی ہے یہ فائدہ **بِمَآ اَرٰكَ اللّٰهُ** سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہو کہ حضور ﷺ کو اجتہاد کرنے کا حق نہ تھا صرف وحی الٰہی کی پیروی کرنا آپ پر لازم تھی آپ پر ضروری تھا کہ صریحی نص سے فیصلے کریں پھر تم اجتہاد کیوں جائز کہتے ہو۔ دوسری جگہ رب فرماتا ہے اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ (یونس:۱۰) میں صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں اب بھی ہم لوگوں کو صرف وحی کی پیروی چاہئے نہ کہ اماموں مجتہدوں کی (غیر مقلد وہابی)۔ **جواب**: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر حدیث بھی ختم ہوئی چکڑالوی کہہ سکتے ہیں کہ حضور ﷺ کو صرف قرآن کی پیروی کا حکم تھا اب تم نے حدیث کہاں سے نکال لی اور جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ جو اللہ آپ کو دکھائے اس سے فیصلہ فرماویں دکھانا عام ہے۔ خواہ قرآن نازل فرما کر بتادے یا الہام وکشف سے آپ کو اصل حقیقت پر مطلع کردے یا اجتہاد سے آپ کو خبردار فرمادے یا خواب سے یا رائے سے اگر صرف وحی یا قرآن کی پیروی آپ پر لازم ہوئی تو اتنی بڑی عبارت کیوں فرمائی جاتی بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ آپ کی پیش کردہ دوسری آیت میں بھی وحی سے مراد عام ہے۔ خواہ وحی جلی ہو یعنی قرآن یا وحی خفی ہو یعنی حضور کا الہام واجتہاد۔ نبی کا اجتہاد تو بڑی چیز ہے نبی کی خواب بھی وحی ہوتی ہے ابراہیم علیہ السلام نے ذبح فرزند کا خواب ہی تو دیکھا تھا اس خواب کی بنا پر فرزند کو ذبح کرنے کی تیاری فرمائی حالانکہ بے قصور بچے کی جان لینا کسی شریعت میں جائز نہیں آپ کی خواب نے وہ شرعی حکم کو منسوخ کردیا۔ خضر علیہ السلام نے اپنے کشف کی بنا پر ایک بے قصور بچے کو جان سے ماردیا حضور کے اجتہاد بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ میں داخل ہیں۔

دوسرا اعتراض: اگر حضور انور کو ہر طرح فیصلہ فرمالینے کا حق ہے خواب رائے اور اجتہاد سے تو حضور کے بعض فیصلوں پر عتاب الٰہی کیوں آئے اور وہ فیصلے غلط کیوں ہوئے۔ دیکھو بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا حضور کا اجتہادی فیصلہ تھا جو غلط ہوا اور اس پر عتاب آیا (دیوبندی)۔ **جواب**: وہ فیصلہ غلط نہ تھا اسی لئے فدیہ میں لیا ہوا مال حلال رہا اور آئندہ کیلئے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا درست رہا۔ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً (محمد:۴)۔ وہاں عتاب اس پر ہے کہ آپ نے یہ فیصلہ خود کیوں کیا رب سے کیوں نہ کرایا تاکہ آپ پر اعتراض نہ ہوتا اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔

تیسرا اعتراض: حضور فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی کی تیز زبانی پر اس کے حق میں فیصلہ کردوں تو وہ شی اس کے لئے حلال نہ ہوجاوے گی۔ معلوم ہوا کہ آپ کے فیصلے غلط بھی ہوجاتے ہیں۔ **جواب**: اس فرمان کا مقصد ہے تاقیامت حکام کے لئے مثال قائم فرمادینا کہ حاکم کے خلاف حق فیصلے جیتنے والے فریق کو وہ شی حلال نہ کردیں گے ایک ہے حضور انور کا فیصلہ فرمانا بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ سے یہ اور چیز ہے اور ایک ہے غلط بیانی جھوٹی گواہی قائم کرکے حضور سے اس گواہی پر شرعی فیصلہ لے لینا اس کی نوعیت کچھ اور ہے یہ ہے حکام کے لئے مثال قائم فرمانا یہ خلاف واقعہ ہوسکتا ہے۔ نور نبوت اور

رائے عالی سے جو فیصلہ ہوگا وہ من اللہ ہوگا۔ یہ بھی خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام کی خطاء اجتہادی بھی رب کی طرف سے ہوتی ہے۔ جس میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ تمام دنیا کا ظہور حضرت آدم علیہ السلام کی ایک خطاء کا نتیجہ ہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ گناہوں سے معصوم نہیں۔ حضور نے یہاں طعمہ کے حق میں فیصلہ کر دیا تھا۔ جس کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور آخر میں حضور کو معافی مانگنے توبہ کرنے کا حکم دیا گیا کہ ارشاد ہوا وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ (بعض نئے بے دین)۔ **جواب**: اس قسم کے اعتراضات کے جوابات ہم نے اپنی کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں دیدیئے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہاں وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ میں یا تو خطاب ہے طعمہ سے کہ وہ اپنی اس چوری کی معافی رب تعالیٰ سے مانگے یا خطاب ہے طعمہ کے ہر حمائتی سے کہ اے حمائتی تو اپنی اس غلط حمایت کی رب سے معافی مانگ یا خطاب ہے نبی ﷺ سے اور مطلب یہ ہے کہ اے محبوب آپ طعمہ کے حمائتیوں کے لئے دعا مغفرت کریں تا کہ آپ کی شفاعت سے ہم ان کے گناہ معاف فرما دیں اور اگر یہ ہی مان لو کہ اس کے معنی یہی ہیں کہ آپ اپنے لئے معافی مانگیں تو مطلب ظاہر ہے کہ استغفار پڑھا کریں تا کہ لوگوں کے لئے استغفار پڑھنا سنت ہو جائے اور لوگوں کو رب تعالیٰ سے معافی مانگنا آ جاوے۔ شرعی لحاظ سے یہودی ملزم ہو چکا تھا کہ مال کا سراغ یعنی آٹے کا نشان۔ پھر مال کا اس کے گھر سے نکل آنا پھر طعمہ کی برادری جو مسلمان تھی اس کا طعمہ کی برات کی گواہی دے دینا فتوے و فیصلے کے لئے کافی دلائل تھے اگر حضور انور ان دلائل کی بنا پر طعمہ کے حق پر فیصلہ فرما بھی دیتے تو شرعاً گناہ نہ ہوتا کیونکہ شریعت کے احکام ظاہر پر ہوتے ہیں مگر رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اس سے بھی بچا لیا اور آئندہ کے لئے ارشاد فرما دیا کہ آپ صرف گواہوں و علامات پر فیصلے نہ کیا کریں یہ فیصلے دوسرے حکام کے لئے ہیں۔ آپ حاکم بھی ہیں ہمارے نبی بھی کھلی چھپی باتیں جاننے والے بھی لہٰذا یہ آیت کریمہ حضور کی اعلیٰ درجہ کی نعت ہے جو مجھ جیسے بے علم گنہگار کے بیان سے باہر ہے۔ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور نے طعمہ کے حق میں فیصلہ دیا بلکہ آگے آنے والی آیات سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور نے بالکل ایسا فیصلہ نہ فرمایا ارشاد ہو رہا ہے وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ (النساء:۱۱۳) نیز اگلی آیات بتا رہی ہیں کہ طعمہ کی حمایت انصار نے کی تھی نہ کہ حضور انور نے ارشاد ہو رہا ہے هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ الخ (النساء:۱۰۹)۔

پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ خائن تھے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے انہیں خائن فرمایا لہٰذا ہمارا یہ قول درست ہے کہ حضرت صدیق و فاروق نے علی مرتضی کے حق کی خیانت کی کہ خلافت خود سنبھال لی جو حضرت علی کا حق تھا (روافض)۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں مراد خیانت سے کسی کا حق مارنا کسی پر ظلم کرنا نہیں بلکہ اپنی قوم کی بیجا حمایت کرنا ہے چونکہ یہ بھی شرعاً ممنوع ہے اسی لئے اسے خیانت فرمایا گیا ہر گناہ خیانت ہے یعنی حق تعالیٰ کی امانت کے خلاف آدم علیہ السلام نے عرض کیا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (اعراف:۲۳)

حضرت یونس علیہ السلام نے دعا کی اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (انبیاء:۸۷) اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی (طٰہٰ:۱۲۱) کیا تم ان آیات کی بنا پر ان حضرات انبیاء کو ظالم۔ عاصی، غاوی کہہ سکتے ہو اگر کہو گے تو پورے بے ایمان بنو گے۔ اگر حضرت صدیق و فاروق خائن غاصب ظالم تھے تو ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے علی مرتضی کون ہوں گے خدا کے لئے صحابہ کی دشمنی میں حضرات اہل بیت پر تبرا نہ کرو۔ قرآن کریم میں خیانت ظلم۔ ضلال، عصیان خطاء کو بھی فرمایا جاتا ہے۔ فعل کے معنی فاعل کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ آنکھ بیٹھ گئی، دل بیٹھ گیا، دوکان بیٹھ گئی، زید بیٹھ گیا۔ تیر نشانہ پر بیٹھ گیا ان سب میں بیٹھ جانا ایک ہے۔ مگر اس کے معنی مختلف رب تعالیٰ قرآن کی سچی سمجھ دے قرآن کریم میں خود رب تعالیٰ کیلئے ایسے الفاظ آئے ہیں۔ جن کے ظاہری معنی صریح کفر ہیں مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہُ (آل عمران:۵۴)۔ یُخَادِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ (النساء:۱۴۲) وغیرہ غرضیکہ فہم قرآن چیز دوسری ہے۔

تفسیر صوفیانہ

حضور ﷺ نزول انعام الٰہیہ کے منتہیٰ ہیں۔ تقسیم انعامات کے مبداء رب نے یہاں فرمایا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ۔ اِلٰی انتہاء کے لئے آتا ہے آپ وہ برزخ کبریٰ ہیں جہاں ابتداء انتہا جمع ہیں۔ شعر:

مخزن اسرار علاّ الغیوب — برزخ بحرین امکان و وجوب

قرآن کا بھیجنے والا بھی حق لانے والا بھی حق لینے والا بھی حق اور خود قرآن بھی حق اس لئے ارشاد ہوا بِالْحَقِّ قرآن ہر طرح حق ہے۔ شعر:

نور آیا نور لایا نور پر نورانی رات — اس لئے رمضان کا سارا مہینہ نور ہے!

فرمایا جارہا ہے کہ محبوب تم منتہاء قرآن ہو تم سراپا حق ہو تم قرآن کے جائے نزول ہو۔ جو سراپا حق ہے۔ طعمہ باطل ہے اس کے اعمال باطل حق و باطل کا اجتماع ناممکن لہٰذا تمہارے منہ سے کوئی کلمہ ایسا نہ نکلنے پائے۔ جس میں باطل کی طرف میلان ہو۔ تمہاری زبان حق کی کان ہے اس زبان سے حق ہی نکلے گا ہم نے تم کو تمام جہان کا حاکم برحق بنا کر بھیجا دنیا کی کوئی طاقت تمہیں حق سے مائل نہ کر سکے آپ کے فیصلے صرف گواہیوں صرف علامات صرف نشانات سے نہ ہوں بلکہ اس حق سے ہوں جو آپ کے سینۂ پرنور میں جلوہ گر ہے۔ اگر آپ نے بھی ان خبروں پر فیصلے فرمائے تو آپ میں اور دوسرے حکام میں فرق کیا ہوگا اوروں کے فیصلے کاغذوں پر لکھے جاتے ہیں۔ تمہارے فیصلے لوح محفوظ کی تحریر ہیں۔ دوسرے حکام اپنے فیصلوں کے خود ذمہ دار ہیں۔ تمہارے فیصلوں کے ہم ذمہ دار ہیں کہ زبان تمہاری ہوتی ہے۔ کلام ہمارا لہٰذا تمہارے فیصلے ہمارے فیصلے ہیں صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیاوی حکام میں اور حضور ﷺ کی حکومت میں چند طرح فرق ہے ایک یہ کہ ان حکام کے اختیارات محدود ہیں۔ دیوانی کا جج پھانسی کا حکم نہیں دے سکتا اور سیشن جج دیوانی کے فیصلے نہیں کر سکتا مگر حضور کی عدالت سے چھوٹے بڑے حکم جاری ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ دیگر حکام کے فیصلے

قانون کے ماتحت ہوتے ہیں۔ مگر حضور کے فیصلوں سے قانون بنتے ہیں۔ حضور قانون کے بادشاہ ہیں۔ تیسرے یہ کہ دیگر حکام اپنے خصوصی علم پر فیصلہ نہیں کر سکتے گواہ وشاہد پر کرتے ہیں۔ حضور ﷺ اپنے خصوصی علم پر بھی فیصلہ فرما سکتے ہیں لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ اور بِمَآ اَرٰكَ اللّٰهُ سے یہ مسائل بخوبی حل ہوتے ہیں۔ گواہی وشہادت پر فیصلے شریعت ہیں اور حکام کی تعلیم کے لئے علم خصوصی پر فیصلے طریقت ہیں اور حضور کی خصوصیات سے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تہمت پر تحقیقات فرمانا شریعت ہے اور طعمہ ابن ابیرق پر ہاتھ کاٹنے کا حکم دینا حالانکہ چوری کا ثبوت یہودی پر تھا یہ ہے طریقت رب تعالیٰ نے شیطان کو بغیر سجدہ کے انکار کے مردود نہ کیا اور قیامت میں مجرموں کو بہت تحقیق وتفتیش کے بعد سزا دے گا یہ ہے شریعت حضرت خضر علیہ السلام نے محض اپنے علم پر بچے کو قتل کر دیا حالانکہ وہ ناکردہ گناہ تھا یہ ہے طریقت بِمَآ اَرٰكَ اللّٰهُ طریقت کا سرچشمہ ہے بلکہ آپ کے بعض خدام سے جو اس کی طرف میلان ظاہر ہوا ان کے لئے بھی دعاء مغفرت فرما دیں کہ آپ کی شفاعت سے ہم گنہگاروں کو بخشتے ہیں۔

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ممانعتیں حضور ﷺ کو اس لئے نہیں کہ حضور گناہ تک نہ پہنچیں وہ تو خدا تک پہنچے ہوئے ہیں گناہ تک کیسے پہنچیں گے بلکہ اس لئے ہیں کہ گناہ حضور تک نہ پہنچیں اور ہم کو ممانعتیں اس لئے ہیں کہ ہم گناہ تک نہ پہنچیں۔ جیسے پرندہ کے آس پاس پنجرے کی تیلیاں اس لئے ہیں کہ پرندہ نکل کر فضاو ہوا میں نہ پہنچے اور فانوس پر چمنی اس لئے ہے کہ ہوا اس کے نور یا بتی تک نہ پہنچے گناہ تک ہمارا جانا اور ہے اور ہم تک گناہ کا پہنچنا کچھ اور ہم تماشہ دیکھنے گانا سننے کہیں جائیں تو ہم گناہ تک گئے لیکن اگر ہم مسجد یا گھر میں ہیں اور گانے کی آواز ہم تک آئے ہم اس سے لذت لیں یا ہمارے دروازے پر تماشہ آجائے جس سے ہم لطف اندوز ہوں تو گناہ ہم تک پہنچا اللہ کے فضل سے نہ تو نبی گناہ تک پہنچتے ہیں اور نہ ان ممانعتوں کی برکت سے گناہ نبی ﷺ تک پہنچے ہیں۔ اگر ان کے سامنے گانا تماشہ ہو تو انہیں اس کا لطف نہیں آتا غصہ آتا ہے اسے وہ مٹانے کی کوشش فرما کر ثواب پاتے ہیں یہاں حضور ﷺ کو یہ ممانعتیں اسی نوعیت کی ہیں غرضیکہ شریعت کی حدود ہمارے لئے حفاظتی قفس کی تیلیاں ہیں حضور کے لئے حفاظتی چمنی۔

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ
چھپ جاتے ہیں وہ لوگوں سے اور نہیں چھپ سکتے وہ اللہ سے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہے
لوگوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے اور اللہ ان کے پاس ہے
اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ
جبکہ راتوں میں سوچتے ہیں غیر پسندیدہ باتیں اور ہے اللہ اس کو گھیرے جو وہ کام
جب دل میں وہ بات تجویز کرتے ہیں جو اللہ کو ناپسند ہے اور اللہ ان کے کاموں کو

مُحِيطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا قف
کرتے ہیں آگاہ رہو تم وہ ہو کہ ان کی طرف سے جھگڑتے ہو زندگانی دنیاوی میں
گھیرے ہوئے ہے سنتے ہو جو تم ہو دنیا کی زندگی میں تو ان کی طرف
فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾
پس کون ہے جو جھگڑے گا اللہ سے ان کی طرف سے قیامت کے دن یا کون ان کا کارساز ہوگا
سے جھگڑتے ہو تو ان کی طرف سے کون جھگڑے گا اللہ سے قیامت کے دن یا کون ان کا وکیل ہوگا

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں طعمہ اور اس کے حامیوں کی خیانت کا ذکر تھا۔ طعمہ کا چوری کرنا حامیوں کا اس کی چوری کو چھپانا اب ان خیانتوں کے عبث و بیکار ہونے کا تذکرہ ہے کہ یہ لوگ ایسی حرکتوں سے گنہگار تو ہو جاتے ہیں مگر فائدہ کچھ نہیں اٹھاتے گناہ بے فائدہ کرتے ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں طعمہ اور اس کی قوم کی خطاؤں کا ذکر تھا اب ان خطاؤں کی وجہ کا تذکرہ ہے کہ یہ گناہ ان لوگوں سے اس لئے ہو جاتے ہیں کہ انہیں یہ خیال نہیں رہتا کہ ہماری ان تدبیروں کے وقت رب تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں مذکورہ لوگوں کے گناہوں کا ذکر تھا یعنی طعمہ کا چوری کرنا قوم کا اسے چھپانا اب اس کے بیکار ہونے کا ذکر ہے کہ اللہ سے یہ جرم نہ چھپ سکیں گے۔

شان نزول

جب طعمہ ابن ابیرق کا مقدمہ عدالت عالیہ مصطفویہ میں پیش تھا تحقیقات جاری تھیں تو ایک دن رات کے وقت طعمہ اور اس کی قوم والے بنی ظفر کسی جگہ جمع ہوئے طعمہ نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ معاملہ قوم کی عزت و ذلت کا ہے اگر میں چور ثابت ہو گیا تو ساری قوم کی رسوائی ہوگی اس لیے میں حضور ﷺ کے سامنے اپنی بے گناہی کی قسم کھا جاؤں گا یہودی بھی قسم کھائے گا چونکہ میں کلمہ گو مسلمان ہوں اور یہودی کھلا کافر ہے۔ حضور ﷺ میری قسم قبول فرمائیں گے یہودی کی قسم قبول نہ کریں گے نیز یہودی کی قوم اس کی بے گناہی پاک دامنی کی گواہی دے گی تم لوگ میری عصمت و پاکدامنی و نیک چلن کی گواہی دے دینا چونکہ تم لوگ مسلمان ہو۔ یہودی کے گواہ کفار بارگاہ رسالت میں تمہاری گواہی قبول ہوگی کفار کی گواہی رد ہوگی اس تدبیر سے اپنی قوم کی عزت رہ جائے گی یہ بھولے بھالے مسلمان طعمہ کی اس عیاری میں آ گئے اور اس کی بتائی تدبیر پر عمل پیرا ہوئے رب تعالیٰ نے نہ چاہا کہ حضور ﷺ کو اس قسم کا دھوکہ دیا جا سکے اس نے یہ آیت نازل فرما کر سرکار عالی کو سارے واقعہ کی اطلاع دے دی اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کی اس سازش کا تذکرہ ہے۔ (تفسیر خازن)

تفسیر يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ ظاہر یہ ہے کہ جملہ مستقل ہے اسے گزشتہ جملے سے ترکیبی تعلق کوئی نہیں بعض نے فرمایا کہ یہ جملہ مَنْ كَانَ خَوَّاناً الخ کا حال ہے لہٰذا نصبی حالت میں ہے مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے يَسْتَخْفُوْنَ استخفاء سے بنا جس کا مادہ خَفِيٌّ ہے بمعنی چھپنا پوشیدہ ہونا یہاں شرم کے باعث چھپنا مراد ہے باب استفعال میں آ کر کوشش یا مبالغہ کے معنیٰ پیدا ہو گئے اس کا فاعل وہ طعمہ اور اس کی قوم کے بھولے مسلمان ہیں جو طعمہ کے چکمہ میں آ گئے تھے النَّاسِ سے مراد عام اہل مدینہ ہیں جس میں حضور انور ﷺ داخل نہیں کیونکہ یہ لوگ جانتے تھے کہ حضور انور ﷺ پر یہ حقیقت چھپی نہ رہے گی اولاً تو ان کی نگاہ نبوت ظاہر و باطن کو دیکھتی ہے۔ جیسے نگاہ عیسوی گھر میں کھائے بچائے کھانے کو دیکھتی تھی دوسرے رب تعالیٰ اس حرکت سے خبردار ہے وہ بذریعہ وحی حضور کو مطلع فرمادے گا ان کا مقصد یہ تھا کہ حضور مسلمانوں کے پردہ پوش ہیں ہماری مکاری ظاہر نہ فرمائیں گے اور ہم کو رسوا نہ ہونے دیں گے شرعی قائدے کے مطابق ہماری گواہی طعمہ کی قسم پر اعتبار کریں گے یہودی اور اس کے ساتھی کفار کی گواہیوں اور قسم کا اعتبار نہ فرمائیں گے یہاں قانون سے کام لیں گے اسی لئے انہوں نے یہ حرکت کی یعنی طعمہ اور اس کے ہم قوم مسلمان عام اہل مدینہ سے شرم و حیا کرتے ہوئے چھپنے کی کوشش کرتے ہیں یا کریں گے یا ان لوگوں سے بہت ہی چھپتے ہیں۔ کسی طرح ظاہر نہیں ہونے دیتے وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ پہلے جملہ میں ان کی کوشش کا ذکر تھا اس جملہ میں حقیقت حال کا تذکرہ ہے لفظ اللہ سے مراد یا تو رب تعالیٰ کی ذات عالی ہے یا یہاں رسول پوشیدہ ہے جیسا يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ (بقرہ:۹) میں بعض کے نزدیک يُخَادِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ مراد ہے یہاں استخفاء سے مراد یا چھپ جانا ہے یا چھپنے کی کوشش کرنا ہے یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے یا اس کے رسول سے نہیں چھپ سکتے یا یہ لوگ اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول سے چھپنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں۔ شرم کی وجہ سے لوگوں سے چھپنے کی کوشش میں ہیں۔ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ یہ جملہ یا تو علیحدہ ہے یا يَسْتَخْفُوْنَ کے فاعل سے حال اور واؤ حالیہ ہے هُوَ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اور ہو سکتا کہ اس کا مرجع رسول ﷺ ہوں کہ حضور انور مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (احزاب:۶)۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے معیت زمانی بھی ہوتی ہے۔ مکانی بھی، رتبی بھی، کرم کی بھی، غضب کی بھی، علم کی بھی قدرت کی بھی قرآن کریم میں لفظ مع تمام ہمراہیوں کیلئے استعمال ہوا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (ھود:۶۶) میں اور قسم کی معیت ہے اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (انفال:۴۶) میں دوسری قسم کی معیت و ہمراہی ہے۔ یہاں معیت سے مراد علم و قدرت کی ہمراہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مکانی و زمانی معیت سے پاک ہے کہ وہ جگہ وقت سے پاک یا غضب و غصہ و ناراضی کی ہمراہی مراد ہے۔ اذ ظرفیہ ہے معیت کا ظرف يُبَيِّتُوْنَ ہے جو بنا ہے تَبْيِيْتٌ سے بمعنی رات میں مشورے کرنا رات میں کسی پر حملہ کرنا شب خون مارنے کو بھی تَبْيِيْتٌ کہا جاتا ہے کہ اس میں دشمن پر رات میں حملہ ہوتا ہے یہاں رات میں تدبیر سوچنے کے معنی میں ہے چونکہ انہوں نے

رات ہی میں تدبیریں سوچی تھیں رب تعالیٰ نے اسی ہی کا ذکر فرمادیا۔ مَا اسم موصول ہے اور یُبَیِّتُوْنَ کا مفعول ہے لَا یَرْضٰی۔ مَا کا صلہ ہے اور مِنَ الْقَوْلِ مَا کا بیان یَرْضٰی کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے یا اس کے رسول ﷺ یَرْضٰی کے بعد بہ پوشیدہ ہے چونکہ وہ تدبیریں کلام گفتگو کے ذریعہ سوچی گئی تھیں اس لئے ان تدبیروں کو قول فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت نظر اس وقت بھی ان کے ساتھ تھی جبکہ وہ ناپسندیدہ باتوں سے رات میں تدبیریں سوچ رہے تھے تدبیریں کر رہے تھے وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا یہ اللہ تعالیٰ کی وسعت علم وقدرت کا بیان ہے مَا یَعْمَلُوْنَ سے سارے اعمال مراد ہیں بدنی ہوں یا قولی یا قلبی محیط احاطہ سے بنا بمعنی گھیر لینا اپنے میں لے لینا یہاں علم وقدرت کا احاطہ مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بذات خود محیط نہیں وہ مکان سے پاک ہے اس لئے روح المعانی وغیرہ نے محیط بمعنی حفیظ لیا یعنی اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت ان کے سارے کھلے چھپے بدنی قولی دلی اعمال کو گھیرے ہوئے ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اگر وہ لوگ اس بات کا خیال رکھتے تو ایسی حرکتوں کی ہمت وجرأت نہ کرتے بعض جرموں کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے۔ آخرت میں بھی جیسے چوری، زنا، ارتداد وغیرہ کہ ان کی دنیاوی سزا ہاتھ کٹنا رجم اور قتل ہے۔ آخرت کی سزا دوزخ مگر دنیاوی سزا دنیاوی حکام کے ذریعہ دلوائی جاتی ہے۔ اُخروی سزا کا براہ راست رب تعالیٰ فیصلہ کرے گا۔ اس لئے دنیا میں گواہی، وکالت، قسم وغیرہ حکام کے سامنے ہوتی ہے اب تک دنیاوی سزا سے بچانے کی غلط تدبیروں کا ذکر ہوا اب اُخروی سزا کا ذکر ہے۔ جہاں یہ تدبیریں کارگر نہ ہوں گی اس لئے اس مضمون کے بعد ارشاد ہوا۔ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ یہ فرمان عالی اظہار ناراضی کے لیے ہے ھا حرف تنبیہ اَنْتُمْ میں خطاب طعمہ کی قوم سے ہے ھٰٓؤُلَآءِ اسم اشارہ اَنْتُمْ کی خبر ہے اَنْتُمْ سے مراد ہے ان کی ذات اور ھٰٓؤُلَآءِ سے اشارہ ہے ان کے حال یا وصف کی طرف جس کا ذکر جَادَلْتُمْ میں ہے یعنی اے قوم طعمہ خبردار ہو جاؤ مطلع رہو تم ہی وہ لوگ ہو یا ایسے لوگ ہو سبحان اللہ ناراضی کے ساتھ کرم بھی ہے کہ رب نے اَنْتُمْ کہہ کر پکارا کافر، ظالم، فاسق وغیرہ کہہ کر نہ پکارا کہ اس جرم حمایت کی وجہ سے ان حضرات کا رشتہ غلامی حضور سے ٹوٹا نہیں۔ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ یہ ھٰٓؤُلَآءِ کا بیان ہے جَادَلْتُمْ جدال سے بنا جس کا مادہ ہے۔ جَدْلٌ بمعنی قوت وطاقت اس لئے شکرہ کو اجدل کہتے ہیں یعنی بڑا طاقتور شکاری پرندہ قوی جھگڑے کو جدال اور معمولی جھگڑے کو خصومت کہتے ہیں۔ یہاں جدال سے مراد جنگ وغیرہ نہیں بلکہ طعمہ کی طرف سے مقدمہ کی جھوٹی پیروی کرنا ہے اور اس یہودی کے مقابلہ میں جھگڑا کرنا یا یہودی کی قوم سے قانونی لڑنا اگرچہ طعمہ اکیلا تھا مگر چونکہ اس ایک کی حمایت سارے منافقوں کی در پردہ حمایت تھی اس لئے عَنْهُمْ میں ضمیر جمع ارشاد ہوئی نیز اگر اس موقعہ پر طعمہ کامیاب ہو جاتا تو آئندہ منافقوں کو چوری وغیرہ جرموں پر جرأت ہو جاتی اس لئے اس اکیلے کی حمایت سارے بدمعاشوں منافقوں کی حمایت تھی اس لئے عَنْهُمْ فرمایا حَيٰوةِ الدُّنْيَا سے مراد یہ ظاہری زندگی ہے جو مرنے پر ختم ہو جاتی ہے یعنی اے قوم طعمہ کے بھولے مسلمانو تم جیتے جی تو طعمہ وغیرہ منافقین کی طرف سے ان کے مقابلوں سے

لڑ رہے ہو۔ جھگڑ رہے ہو۔ صرف دنیاوی زندگی تک تمہارے یہ جھگڑے ہیں خیال رہے کہ اللہ کے ماسوی کا نام ہے عالم اس کی بہت قسمیں ہیں عالم انوار، عالم ارواح، عالم امکان، عالم اجسام جن میں سے عالم اجسام خصوصاً سفلیات کا نام ہے دنیا۔ زندگی تین قسم کی ہے دنیاوی زندگی، برزخی زندگی اور اُخروی زندگی جن میں سے دنیاوی زندگی بہت چھوٹی ہے۔ برزخی زندگی جو مرنے سے قیامت تک ہے وہ اس سے بڑی اور اُخروی زندگی جو قیامت سے ابدالاباد تک ہے وہ بہت ہی بڑی چونکہ دنیاوی زندگی کام کی ہے برزخی زندگی کام کے بعد آرام کی اور اُخروی زندگی کام کے انعام کی رب تعالیٰ کریم ہے اس لئے اس نے کام کا وقت بہت چھوٹا رکھا آرام کا وقت بہت دراز اور انعام کا وقت ابدالاباد تیز دنیاوی زندگی مصیبتوں سے گھری ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ (بلد:۴) وہ دونوں زندگیاں مقبولوں کے لئے آزادی کی اس لئے یہ زندگی بہت چھوٹی رکھی گئی لہٰذا اسے اچھے کاموں میں خرچ کرو۔ فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰہَ عَنْھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یہاں بھی جدال سے وہ ہی مراد ہے پیروی کرنا حمایت کرنا یعنی جب قیامت کے دن یہ ہی طعمہ کا مقدمہ بارگاہ الٰہی میں پیش ہوگا جہاں دودھ کا دودھ ہے پانی کا پانی تو ان کی حمایت میں رب کی بارگاہ میں کون پیش ہوگا۔ جب اللہ کی بارگاہ میں تم ان کی حمایت قیامت میں نہیں کر سکتے تو رسول اللہ کی عدالت میں ان کی حمایت کیوں کرتے ہو۔ اَمْ مَّنْ یَّکُوْنُ عَلَیْھِمْ وَکِیْلًا یہ ام عاطفہ ہے مَنْ سے وہ ہی عام حمایتی مراد ہیں۔ جو مَنْ یُّجَادِلُ اللّٰہَ میں مَنْ سے مراد تھے وَکِیْلًا کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں جس کو اپنا مقدمہ یا اپنا کام سپرد کر دیا جاوے وہ وکیل ہے اسی لئے حمایتی کو کارساز کو وکیل کہا جاتا بلکہ کارمختار کو بھی وکیل کہا کرتے ہیں۔ وکیل بمعنی طرف دار انسان کی صفت ہے اور بمعنی کارساز رب تعالیٰ کی صفت ہے رب تعالیٰ کا نام وکیل ہے اسی معنی سے یہاں دونوں معنی درست ہیں کہ کفار کے لئے نہ حضور طرف دار نہ رب تعالیٰ کارساز۔ مسلمانوں کے لئے دونوں نعمتیں حاصل ہیں۔ یعنی کل قیامت میں ان کا حمایتی وکیل کون ہوگا یعنی کوئی نہیں لہٰذا یہاں دنیا میں بھی ان کی حمایت چھوڑ دو۔

خلاصہ تفسیر

یہ طعمہ اور اس کے ہم قوم بنی ظفر لوگوں سے شرم کرتے ہوئے اصل واقعہ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں یہ سب کچھ تدبیریں اسی سلسلے میں ہیں مگر وہ کسی طرح اللہ سے یا اس کے رسول ﷺ سے نہیں چھپا سکتے وہ رب تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہے۔ جب وہ رات کی اندھیروں میں جمع ہو کر بری تدبیریں اور بری باتیں سوچتے ہیں۔ اس کے علم اس کی قدرت سے کہاں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت تو اس کے سارے ظاہری خفیہ جسمانی زبانی جنانی اعمال کو گھیرے ہوئے ہے۔ گھرا ہوا گھیرے ہوئے سے کیسے نکل سکتا ہے۔ خبردار رہو اے طعمہ کی قوم والے بھولے بھالے مسلمانو تم دنیاوی زندگی میں تو طعمہ وغیرہ منافقین کی طرف سے طعمہ کے مخالفوں سے لڑتے جھگڑتے ہو اور ان کی جھوٹی حمایت کرتے ہو۔ سوچو تو کل جب طعمہ کا مقدمہ قیامت میں بارگاہ الٰہی میں پیش ہوگا۔ تو کس میں طاقت ہے کہ رب کے سامنے اس کی جھوٹی حمایت کر سکے اور کون ہے جو طعمہ کا وکیل بن سکے

لہٰذا دنیا میں ایسی ناجائز کوششیں کر کے گنہگار نہ بنو۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** یہ آیت کریمہ تقویٰ و طہارت کی اصل ہے اگر انسان یہ خیال رکھے کہ میرا کوئی حال اللہ تعالیٰ سے چھپا نہیں وہ مجھے ہر وقت دیکھ رہا ہے تو گناہ کرنے کی ہمت نہ کرے جیسا کہ **لَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** کوئی شخص رسول ﷺ سے چھپا نہیں ہر شخص کے ہر حال سے حضور خبردار ہیں دیکھو یہاں **یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ** فرمایا یہ نہ فرمایا **اَیَسْتَخْفُوْنَ مِنْکَ** یعنی وہ لوگوں سے چھپتے ہیں یہ نہیں کہ وہ آپ سے چھپتے ہیں حضور کا ذکر اپنے ساتھ فرمالیا **لَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ** اگر یہ عقیدہ پختہ ہو جاوے کہ حضور میرا ہر حال دیکھ رہے ہیں تو گناہ پر کبھی دلیری نہ کرے۔ رب فرماتا **اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا** (احزاب:۴۵) اور فرماتا ہے **اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ** (احزاب:۶) حضور نے دو قبروں پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ان دونوں مردوں کو عذاب قبر ہو رہا ہے کیونکہ یہ چرواہا تھا پیشاب سے نہ بچتا تھا اور یہ دوسرا چغل خور تھا معلوم ہوا کہ ہر شخص کے ہر عمل سے واقف ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے خلاف سازش ان کے خلاف گفتگو سے رب تعالیٰ سخت ناراض ہوتا ہے جیسا کہ **لَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ** سے معلوم ہوا لہٰذا ان مقبولوں کی حمایت ان کی محبت کی گفتگو سے رب تعالیٰ راضی ہے اسی طرح کفار کی حمایت سے رب ناراض ہے ان کی مخالفت سے رب راضی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** قیامت کے دن کوئی کسی کافر و منافق کی شفاعت نہ کر سکے گا جیسا کہ **فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ** سے معلوم ہوا ان شاء اللہ مومن کی شفاعت بھی ہوگی اور اسکی طرف سے جھگڑا بھی جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے **عَنْهُمْ** کی قید نے لطف دے دیا۔ قیامت کا اول وقت ظہور عدل کا ہے اس وقت کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا جب حضور ﷺ کے ہاتھوں شفاعت کبریٰ ہو جاوے گی دروازہ شفاعت کھل جاوے گا تو ظہور فضل ہوگا پھر شفاعت صغریٰ مسلمانوں کی بہت طرف سے ہوگی مگر کفار منافقین اب اس حالت میں بھی وکالت شفاعت سے محروم ہوں گے یہاں اسی کا ذکر ہے۔ **پانچواں فائدہ:** قیامت میں کفار و منافقین کا وکیل و حامی کوئی نہیں مسلمانوں کے وکیل بھی ہوں گے حامی بھی جیسا کہ **عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا** سے معلوم ہوا کیونکہ کفار و منافقین کے احوال سے مومنین کے احوال جداگانہ ہوں گے۔ **چھٹا فائدہ:** گناہ سے انسان کافر نہیں ہو جاتا اگرچہ کیسا ہی سنگین ہو دیکھو منافقین کی حمایت اور بارگاہ رسالت میں ان کی بحث و تمحیص جسے **جَادَلْتُمْ** فرمایا گیا اپنی قوم کی بیجا طرف داری بری چیزیں ہیں مگر اس کے باوجود طعمہ کے وہ حمایتی مسلمان ہی رہے۔ انہیں کافر نہ کہا گیا یہ فائدہ **جَادَلْتُمْ** سے حاصل ہوا۔

اعتراضات **پہلا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کفار منافقین مجرمین کے ساتھ ہے مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا** (نحل:۱۲۸) اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے ان دونوں میں کون سی آیت درست ہے آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** دونوں آیتیں

درست ہیں اللہ تعالیٰ رحم وکرم سے متقیوں کے ساتھ ہے۔غضب وقہر سے کفار ومنافقین کے ساتھ ہے اور علم وقدرت کے لحاظ سے سب کے ساتھ ہے۔نصرت ومدد کے لحاظ سے صابرین کے ساتھ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (بقرہ:۱۵۳) یہاں ناراض وغضب کے لحاظ سے ہمراہی مراد ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس وقت ان کے ساتھ تھا جب وہ ناپسندیدہ سازشیں کر رہے تھے تو کیا دوسرے وقت ان کے ساتھ نہیں تھا فرمایا گیا اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَالَا یَرْضٰی الخ۔ **جواب**: سوال و جواب میں لفظ ہی اور بھی کا فرق ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسی ناپسندیدہ باتوں کے وقت بھی رب تعالیٰ ان کے ساتھ ہے لہٰذا انہیں رب سے ڈرنا چاہئے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت میں کوئی کسی کی طرف سے رب سے نہ جھگڑ سکے گا مگر حدیث پاک میں ہے کہ کچا بچہ اپنے ماں باپ کی شفاعت میں رب سے جھگڑے گا یہ آیت اس حدیث کے خلاف ہے۔

جواب: حدیث شریف میں ناز ونیاز کا جھگڑا مراد ہے جیسے نازنین بچے اپنے ماں باپ سے ضد کر کے لڑ جھگڑ کر اپنی بات منوا لیتے ہیں کچا بچہ اس قسم کا جھگڑا رب سے کرے گا اسکا یہ جھگڑا بھی رب کو پیارا ہوگا رب تعالیٰ فرماتا ہے۔قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِهَا (مجادلہ:۱)۔اللہ نے اس بی بی کا کلام سن لیا جو اپنے خاوند کے متعلق آپ سے جھگڑ رہی ہیں۔سبحان اللہ محبوبوں کے جھگڑے بھی پیارے۔کسی پنجابی شاعر نے کیا خوب کہا شعر:

وقت اخیری سجنا آجا تو نیڑے نیڑے دکھڑے میں کنوں دساں جھگڑے ہیں میرے تیرے

اور یہاں دوسری قسم کا جھگڑا مراد ہے دھوکے دینے کے لئے کفار کی سفارش کے لئے جھگڑنا وہاں کس کی مجال ہے۔جو رب کی بارگاہ میں اس قسم کی باتوں میں دم بھی مار سکے شعر:

نہ بر حرف او جائے انگشت کس ہمہ تا بعش مرغ ومور ومگس

یہ بہر حال جھگڑوں کی نوعیتیں جداگانہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہر شخص کے ساتھ ایسے ہیں۔جیسے جسم میں جان یا آنکھوں میں نظر کہ ہر کام جان کرتی ہے مگر نظر نہیں آتی ہر چیز کو نظر دیکھتی ہے مگر خود دکھائی نہیں دیتی شعر:

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظریوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جاں
ہیں مجھ میں ولیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے!

خود چھپے ہوئے ہیں مگر ہر ذرے میں جلوہ دکھا رہے ہیں۔مولانا فرماتے ہیں۔شعر:

اے خفی الذات محسوس العطاء انت کالماء و نحن کالرحیٰ!
انت کالریح و نحن کالغبار یختفی الریح و غیراہ جھار!

مجرم و بدکار اس اندھے چور کی طرح ہیں جو کسی کے گھر میں چوری کرے خود اندھا ہو مالک اور اس کے خدام اسے چوری کرتے دیکھ رہے ہوں اور اس کے اندھے پن و حماقت پر ہنس رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کے رسول اس کے فرشتے ہمارے ہر حال کو دیکھ رہے ہیں۔ ہم اپنے اندھے پن سے انہیں بے خبر جان کر خوب گناہ کر رہے ہیں یہ آیت کریمہ ہم کو جگا رہی ہے کہ فرما رہی ہے وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ ان کی رات کی سازشوں کے وقت اللہ یا اللہ کا رسول ان کے ساتھ ہے یہ بھی خیال رہے کہ برے ارادے بری نیت سے کلمہ پڑھنا قرآن مجید کی تلاوت، نماز، درود وغیرہ عبادات بھی رب کے ہاں ناپسندیدہ ہیں کہ طعمہ وغیرہ کی تمام باتوں کو ناپسندیدہ فرمایا گیا مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ۔ اگر چہ ان لوگوں نے اس مجلس میں اللہ رسول کا نام بھی لیا ہوگا۔ مگر سب ناپسندیدہ ہوا کہ ان کی نیت حضور علیہ السلام کو مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی تھی بری نیت سے تعمیر کی ہوئی مسجد کو مسجد ضرار قرار دیا گیا بری نیت سے کلمہ پڑھنے کو دھوکہ بازی فرمایا گیا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قیامت میں جب حضرات انبیاء کرام نفسی نفسی کہیں گے تو ہم مجرم گنہگار وہاں کیا کریں گے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ شعر:

دراں روز کز فعل پرسند و قول — اولوالعزم را دل بلرزد ز ہول!

بجائے کہ دہشت خورند انبیاء — تو عذر گنہ را چہ داری بیا!

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم مجرم گنہگار بندے مرنے سے پہلے توبہ کر لیں۔ ذرہ ذرہ حقوق عباد، حقوق شرعی، حقوق الٰہیہ ادا کر کے مریں ابھی فرصت ہے اسے غنیمت جانیں ہم جو کچھ کر رہے ہیں۔ رب تعالیٰ و رسول و فرشتے دیکھ رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں شعر:

ارے مجرم بے پرواہ دیکھ — سر پہ تلوار ہے کیا ہونا ہے

لے وہ حاکم کے سپاہی آئے — صبح اظہار ہے کیا ہونا ہے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اپنے برے کاموں کو اچھا ثابت کرنے کی کوشش کرنا اپنے نفس کی وکالت کرنا اسے اچھا سمجھنا بھی اس آیت کریمہ میں داخل ہے۔ اپنے عیب فوراً تسلیم کر لو بہانہ نہ بناؤ توبہ کرو۔ وہ مدینہ کا منافق طعمہ مر گیا ہم میں سے ہر ایک کے اندر طعمہ موجود ہے۔ جو چوری کر کے بہانہ بناتا رہتا ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ
اور جو گناہ کرے اور ستائے اپنی جان کو پھر معافی مانگ لے اللہ سے پائے گا
اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے

اللّٰہَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنۡ یَّکۡسِبۡ اِثۡمًا فَاِنَّمَا یَکۡسِبُہٗ

اللہ کو بخشنے والا مہربان اور جو کمائے گناہ تو اس کے سوا نہیں کہ کماتا ہے اسے

والا مہربان پائے گا اور جو گناہ کمائے تو اس کی کمائی اس کی

عَلٰی نَفۡسِہٖ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنۡ یَّکۡسِبۡ خَطِیۡٓئَۃً

اپنی جان پر اور ہے اللہ علم والا حکمت والا اور جو کمائے خطا

جان پڑے اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور جو کوئی خطا یا

اَوۡ اِثۡمًا ثُمَّ یَرۡمِ بِہٖ بَرِیۡٓئًا فَقَدِ احۡتَمَلَ بُہۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۱۱۲﴾ ع ۱۶

یا گناہ پھر لگادے اسے کسی بے گناہ پر تو بے شک اٹھایا اس نے بہتان اور کھلا گناہ

گناہ کمائے پھر اسے کسی بے گناہ پر تھوپ دے اس نے ضرور بہتان اور کھلا گناہ اٹھایا

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق تھا۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں طعمہ اور اس کے ہم قوم مسلمانوں پر اظہار ناراضی فرمایا گیا تھا اب ان کو توبہ و استغفار کی دعوت دی جارہی ہے کہ توبہ کرلو ہم بخش دیں گے۔ **دوسرا تعلق**: بعض لوگ ڈر سے اطاعت کرتے ہیں بعض لوگ امید لالچ سے قرآن کریم تمام خلقت کے لئے آیا اس میں ہر قسم کے لوگوں کو تبلیغ ہے لہٰذا ڈر پچھلی آیات میں سنایا گیا تھا امید و لالچ ان آیات میں دی جارہی ہے تاکہ پہلی قسم کے لوگ ان آیات سے سبق لیں دوسری قسم کے لوگ ان آیات سے رجوع الی اللہ کریں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں طعمہ اور اس کے حمایتیوں کی خطاؤں کا ذکر تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہر خطا کار اپنی خطا کا ذمہ دار ہوگا اس کا بوجھ دوسرے پر نہ پڑے گا لہٰذا مجرم کو توبہ میں جلدی کرنا چاہئے۔

شان نزول

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیات کریمہ طعمہ ابن ابیرق کو توبہ کی طرف مائل کرنے کے لئے نازل ہوئیں۔ جس نے چوری بھی کی جھوٹ بھی بولا بے قصور یہودی کو بہتان بھی لگایا اور حضور ﷺ کو دھوکہ دینا بھی چاہا غرضیکہ چار گناہ کئے وہ بھی حضور انور کی موجودگی میں بعض نے فرمایا کہ یہ آیات کریمہ طعمہ کی قوم کے متعلق نازل ہوئیں جنہوں نے طعمہ جیسے مجرم و خطا کار کی غلط حمایت کی مجرم کی حمایت بھی جرم ہے بعض مفسرین کا فرمان ہے کہ یہ آیات تا قیامت تمام گنہگاروں کے متعلق ہیں کہ اگرچہ نزول کا سبب خاص ہے مگر اس کی عبارت عام ہے (تفسیر خازن)۔

تفسیر

وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ یَظۡلِمۡ نَفۡسَہٗ ظاہر یہ ہے کہ مَنۡ سے مراد ہر گنہگار انسان ہے کافر ہو یا مومن جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے معصوم و محفوظ انسان اس سے علیحدہ ہیں یَعۡمَلۡ میں

بڑی وسعت ہے کب عمل کرے کہاں عمل کرے کتنے عمل کرے اگر دن بھر میں ہزار گناہ کرے تب بھی مایوس نہ ہو کہ اس کی رحمت ہمارے گناہوں سے زیادہ۔ سُوْٓءً یہ وہ برائی ہے جو دوسرے کو غمگین کرے جس کا اثر دوسرے پر پڑے کہ سُوْٓءً رنج و غم کو کہتے ہیں اور ظلم سے مراد ہر وہ گناہ ہے جسکا تعلق اپنی ذات سے ہے دوسرے پر اثر نہیں پڑتا لہٰذا بہتان جھوٹی قسم کھا کر دوسرے کو پھنسانا سوءً ہے اور شراب خواری ترک نماز وغیرہ ظلم ہے طعمہ کا چوری کرنا یہودی کو بہتان لگانا سُوْٓءً تھا اور جھوٹی قسم کھانا کہ میں نے چوری نہیں کی ظلم ہے بعض نے فرمایا کہ بد عملی سُوْٓءً ہے اور بدعقیدگی شرک کفر وغیرہ ظلم ہے رب فرماتا ہے اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان:۱۳) بعض نے فرمایا ہر گناہ صغیرہ سُوْٓءً ہے اور ہر گناہ کبیرہ ظلم غرضیکہ سُوْٓءً و ظلم میں کئی طرح فرق ہے یعنی جو شخص بھی معمولی گناہ کرے یا بڑا گناہ کرے یا جو شخص بد عملی کرے یا بدعقیدگی یا جو کوئی حق العبد مارے یا حق اللہ تلف کرے۔ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یہ عبارت یَعْمَلُ پر معطوف ہے اور مَنْ کا صلہ ثُمَّ فرما کر بتایا گیا کہ پرانے گناہ سے بھی توبہ ہو سکتی ہے پرانے سے پرانا مجرم بھی ہماری کرم نوازی سے مایوس نہ ہو۔ اگر بجائے ثُمَّ کے واؤ یا ف ارشاد ہوتی تو معلوم ہوتا کہ گناہ کے ساتھ یا اس سے متصل ہی چاہئے ثُمَّ نے توبہ کے وقت میں بڑی وسعت دے دی۔ نماز، روزہ حج وغیرہ کے اوقات تنگ اور محدود ہیں مگر رب کریم نے توبہ کا وقت بہت فراخ رکھا کہ ساری زندگی اس کا وقت ہے۔ استغفار زبان سے معافی مانگنے کو کہتے ہیں اور توبہ دل کی شرمندگی و ندامت اور آئندہ باز رہنے کے ارادہ کو کہا جاتا ہے۔ یہاں استغفار بمعنی توبہ ہے کیونکہ بغیر دل کی توبہ کے صرف زبان سے استغفار پڑھ لینا مذاق و دل لگی ہے۔ یہاں استغفار فرما کر یہ بتایا کہ دلی توبہ کے ساتھ زبان سے معافی مانگنا بھی چاہئے کہ یہ بھی ایک عبادت ہے خیال رہے کہ جیسا گناہ ویسی توبہ چاہئے حقوق اللہ کی توبہ صرف شرمندگی و ندامت آئندہ عہد کر لینا ہے حقوق شرعیہ سے توبہ کے لئے قضاء یا کفارہ ضروری ہے نمازیں رہ گئی ہیں تو قضا کرے روزہ توڑا ہے کفارہ دے اور حقوق العباد سے توبہ کے لئے اداء حقوق ضروری ہے کسی کا قرض مارا ہے تو پہلے ادا کرے کسی کو گالی دی ہے تو پہلے اس سے معافی چاہے پھر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کے الفاظ ادا کرے آنکھ سے آنسو بہائے یہ ہے استغفار صحیح یہاں صحیح و مقبول توبہ ہی مراد ہے ان دو لفظوں میں مسائل کے دریا بہہ رہے ہیں۔ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا یہ عبارت مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءً کی جزاء ہے یَجِدِ کے معنی یا تو یہ ہیں کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو پائے گا یا مطلب یہ ہے کہ دنیا ہی میں اس کی مغفرت و رحمت پائے گا۔ اس طرح کہ گناہوں خطاؤں کی وجہ سے جو دنیاوی مصیبتیں آفتیں آ گئی تھیں وہ استغفار کی برکت سے دور ہو جائیں گی یا دنیا میں اور مرتے وقت قبر میں حشر میں ہر جگہ رب کو غفور رحیم پائے گا۔ یہ تیسرے معنی بہت وسیع ہیں۔ ہر جگہ اس کے لائق و مناسب مغفرت و رحمت ہو گی۔ غفور سے مراد ہے بہت بخشنے والا رحیم سے مراد ہے بہت مہربانی فرما کر بہت کچھ رحمتیں دینے والا کہ توبہ کرنے والے کو بجائے سزا دینے کے انعامات و الطاف کریمانہ سے نوازتا ہے یعنی وہ توبہ کرنے والا دنیا میں یا آخرت میں یا ہر جگہ دنیا قبر و حشر میں اللہ کو بخشنے والا بھی پائے گا اور

مہربان کریم بھی کہ وہ کریم توبہ کے عوض اسے بہت رحمتیں بخشے گا۔ توبہ ایک ہے مگر اس کے عوض و بدلے دو ہیں گناہ کی معافی عطاء بے مثال وَمَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا یہاں بھی مَنْ عام ہے۔ جس میں ہر گنہگار داخل ہے مومن ہو یا کافر حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ اس میں داخل نہیں کیونکہ حضرات انبیاء گناہوں سے معصوم ہیں اور یہ خاص اولیاء اللہ محفوظ اور یہاں ذکر ہے کسب گناہ کا یَكْسِبْ سے مراد کسبی گناہ ہیں یعنی اعضاء ظاہری سے کئے ہوئے چونکہ دل و دماغ کے برے خیالات و وہم معاف ہیں۔ ان پر پکڑ نہیں اس لئے یَّعْمَلْ نہ فرمایا یَكْسِبْ فرمایا نیز خطاء و بھول چوک کی غلطیاں معاف ہیں اس لئے یَكْسِبْ ارشاد ہوا کسب ارادی کام کو کہا جاتا ہے خیال رہے کہ نیکی اگر بلا ارادہ بھی صادر ہو جاوے تو اس پر ثواب مل جاتا ہے جیسے کسی کے کنوئیں سے کسی پیاسے کا پانی پی لینا یا کھیت سے چڑیوں جانوروں کا کچھ کھالینا، کسی کی روشنی میں کسی کا نماز یا قرآن مجید پڑھ لینا مگر گناہ کے لئے ارادہ و عمد کی قید ہے یہ اس کریم کی کرم نوازی ہے۔ اس لئے یہاں یَّعْمَلْ یا یصدر کی بجائے یَكْسِبْ فرمایا۔ اثم سے مراد ہر گناہ ہے چھوٹا ہو یا بڑا تفسیر کبیر نے فرمایا کہ کسب وہ کام ہے جو نفع حاصل کرنے یا نقصان دفع کرنے کیلئے کیا جاوے۔ اسی لئے رب تعالیٰ کے اعمال کو کسب نہیں کہتے یعنی جو کوئی کسی قسم کا گناہ کرے کبھی کرے۔ فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ یہ عبارت مَنْ یَّكْسِبْ کی جزاء ہے۔ خیال رہے کہ اس جملے کے تین معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص کوئی چھوٹا بڑا گناہ کرے تو وہ گناہ اس کی ذات پر ہی پڑے گا کسی کو اس کا عذاب بخش نہیں سکتا۔ نیکی کا ثواب بخشا جائز ہے گناہ کا عذاب بخشا جائز نہیں، دوسرے یہ کہ جو شخص گناہ کبیرہ کرے وہ اس کے نفس پر لازم ہے بغیر توبہ معاف نہیں ہوتا۔ صغیرہ گناہ نیکیوں وغیرہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ جو شخص گناہ کرے اس کا اخروی وبال اسی پر ہے اس کے جرم میں دوسرے لوگ گرفتار نہیں کیونکہ علیٰ ضرر و نقصان کے لئے آتا ہے۔ یہاں ضرر آخرت مراد ہے یعنی عذاب اور آخرت کی سزا دنیاوی نقصان مراد نہیں کہ دنیا میں کبھی کسی کے گناہ کا وبال دوسروں پر بھی پڑ جاتا ہے یعنی وہ شخص اس کسب جرم سے اپنا نقصان کر رہا ہے کہ اس کا گناہ خود اس پر ہی پڑے گا۔ دوسرے پر نہ پڑے گا۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا یہ عبارت انتہائی اظہار غضب کیلئے ہے یعنی مجرم حاکم کے قہر سے جب ہی بچ سکتا ہے کہ یا تو حاکم بے خبر ہو یا مجبور و عاجز کہ مجرم کو پکڑ نہ سکے اللہ تعالیٰ نہ بے خبر ہے نہ مجبور لہٰذا اس کی پکڑ سے بچنے کی کوئی صورت نہیں بجز اس کے کہ اس کی بارگاہ میں سچی توبہ کی جاوے ہاں وہ حکمت والا ہے کہ جلدی نہیں پکڑتا اس مہلت و ڈھیل میں اس کی لاکھوں حکمتیں ہیں۔ وَمَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓئَةً اَوْ اِثْمًا یہاں تیسرے قسم کے لوگوں کا ذکر ہے۔ جو خود قصور کر کے دوسروں کے سر تھوپ دیں یہاں بھی مَنْ سے عام انسان مراد ہیں۔ یَكْسِبْ کی تحقیق ابھی ہو چکی خطاء سے مراد یا گناہ صغیرہ ہیں یا غلطی سے صادر ہو جانے والے گناہ اور اثم سے مراد یا گناہ کبیرہ ہیں یا عمداً کئے ہوئے گناہ یا خطاء سے مراد لازم گناہ ہیں جس کا اثر دوسرے پر نہ پڑے صرف کرنے والے پر رہے اور اثم سے مراد متعدی گناہ جس کا اثر دوسرے پر بھی پڑے یا خطاء سے مراد زرہ کی چوری

ہے اور اثم سے مراد جھوٹی قسم ہے جیسا کہ طعمہ سے ہوا (خازن)۔ ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْئًا یہ عبارت یَکْسِبْ پر معطوف ہے اور مَنْ کا صلہ یَرْمِ رَمْیٌ سے بنا بمعنی پھینکنا مارنا نشانہ بنانا یہاں گناہ کو تیر سے تشبیہ دی گئی اور بہتان لگانے کو تیر مارنے سے بِهٖ کا مرجع وہ ہی خطایا گناہ ہے بَرِیْئًا براۃ سے بنا بمعنی دور ہونا علیحدہ ہونا بیزار ہونا یہاں مراد ہے بے گناہ کہ وہ اس گناہ سے دور تھا یعنی پھر اپنا کیا ہوا گناہ دوسرے کے سر تھوپ دے کہ فلاں نے کیا جیسا کہ طعمہ نے کیا تھا کہ چوری خود کی اور لگا دی بے قصور یہودی کو خیال رہے کہ تہمت لگانا قولی بھی ہوتا ہے اور عملی بھی طعمہ کا آٹا یہودی کے دروازے تک گرانا عملی بہتان تھا اور زبان سے کہنا کہ یہودی نے چوری کی قولی بہتان یہ دونوں قسم کے بہتان سخت جرم ہیں۔ فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا یہ عبارت مَنْ یَّکْسِبْ کی جزاء ہے۔ احتمال کے معنی ہیں بھاری بوجھ اٹھانا چونکہ بہتان بڑا جرم ہے۔ جس کی سزا بہت سخت اس لئے اس کے اٹھانے و برداشت کرنے کو احتمال باب افتعال سے لایا گیا بہتان بنا ہے بُهْتٌ سے بمعنی حیرانی رب فرماتا ہے فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ (بقرہ:۲۵۸) وہ کافر حیران رہ گیا چونکہ بہتان لگانے میں سامنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ خدایا یہ کیا ہوا میں نے کیا کچھ نہیں اور بدنام ہو گیا۔ مصیبت میں پھنس گیا۔ اس لئے اسے بہتان کہتے ہیں۔ واؤ عطف تفسیری کا ہے اور اِثْمًا مُّبِیْنًا بہتان کی تفسیر چونکہ بہتان لگانا کسی دین میں جائز نہ ہوا نیز عقل سلیم بھی اسے برا سمجھتی ہے نیز خود بہتان لگانے والے کا نفس اسے ملامت کرتا ہے کہ تو نے یہ کیا غضب کیا اسی لئے بہتان کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے نہیں چاہتا کہ کسی طرح اس کا یہ فریب ظاہر ہو جاوے اس لئے اسے اِثْمًا مُّبِیْنًا اسے یعنی کھلا ہوا گناہ فرمایا گیا۔

خلاصہ تفسیر

ان آیتوں میں تین قسم کے مجرموں کا ذکر ہے ایک وہ جو گناہ کر کے توبہ کر لیں دوسرے وہ جو گناہ کریں مگر توبہ نہ کریں۔ تیسرے وہ چالباز جو گناہ کر کے دوسروں پر لگا دیں خود اچھے بن جاویں دوسرے کو مجرم قرار دے دیں ان تین مجرموں کے تین انجام کا ذکر ہوا کہ فرمایا گیا کہ جو کوئی بھی کسی قسم کا چھوٹا بڑا عملی اعتقادی حق العباد یا حق اللہ کا جرم کرے پھر فوراً یا عرصہ کے بعد درست توبہ کر لے جس توبہ میں تمام شرائط وارکان توبہ کی سنتیں مستحبات سب جمع ہوں تو وہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا کہ وہ اس کے گناہ بخش دے گا اور توبہ پر بہت ثواب دے گا۔ خیال رکھو کہ جو کوئی گناہ کرے تو وہ اپنے پر ہی کرتا ہے کہ اس کا وبال خود اس پر ہی پڑے گا یہ نہ ہوگا کہ یہ بچ جاوے دوسرا پھنس جاوے نہ یہ ہوگا کہ اپنا گناہ دوسرے کو بخش دے اور خود بچ جاوے۔ اللہ کی پکڑ سے چھوٹنا غیر ممکن ہے کہ وہ علیم و خبیر بھی ہے قدیر بھی ہاں چونکہ وہ حکیم ہے اس لئے جلد پکڑ نہیں کرتا اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ خیال رکھو کہ جو کوئی چھوٹا بڑا گناہ کر کے دوسرے پر اس کا بہتان لگا دے جو اس سے بالکل بری ہو۔ وہ سخت بہتان بھی اٹھاتا ہے اور سخت گناہ کا ارتکاب بھی کرتا ہے جس کا گناہ ہونا ہر دین میں مسلم ہے عقل سلیم بھی اسے گناہ مانتی ہے لہٰذا اس سے ضرور بچنا چاہئے۔ دنیا چند روزہ ہے آخر رب کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ خیال رہے کہ بے

عیب کو عیب لگانا بہتان ہے اور عیب دار کا واقعی عیب پس پشت بیان کرنا غیبت ہے۔ بہتان مطلقاً حرام ہے کسی کو لگائے کسی طرح لگائے پھر اللہ رسول کو بہتان لگانا کفر مقبول اولیاء علماء کو بہتان لگانا بڑے وبال کا باعث عام انسانوں کو بہتان لگانا بڑا جرم مگر غیبت کے حرام ہونے کی تین شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ جس کی غیبت کی جاوے وہ مومن ہو کفار کی غیبت جائز ہے اس کا عیب علانیہ نہ ہو خفیہ علانیہ عیب پس پشت بیان کرنا جائز ہے۔ تیسرا یہ کہ بلا ضرورت ہو۔ ضرورۃً غیبت جائز ہے جیسے راویان حدیث کے عیوب بیان کرنا کسی کے شر سے بچانے کے لئے اس کی خفیہ چال بازی بتا دینا یا اصلاح کیلئے شاگرد کی شکایت استاد سے کرنا۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: ہر گناہ سے توبہ ہو سکتی ہے گناہ کفر و شرک ہو یا کوئی اور صغیرہ ہو یا کبیرہ جیسا کہ سُوْءً کے عموم سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: ہر گناہ کی توبہ جداگانہ ہے۔ کفر و شرک سے توبہ ایمان لانا ہے۔ حقوق العباد سے توبہ ان کا ادا کر دینا ہے۔ حقوق شرعیہ سے توبہ رہی ہوئی عبادتوں کی قضا کر دینا ہے۔ توبہ کی حقیقت یہ نہیں کہ چوری کرو قتل کر ڈالو صرف منہ سے توبہ کرلو۔۔ ہرگز نہیں یہ فائدہ۔ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: توبہ کے لئے اصلاح اعمال کے ساتھ منہ سے توبہ کے الفاظ کہنا بھی چاہئیں۔ جیسا کہ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ سے معلوم ہو ہر گناہ میں حق اللہ بھی شامل ہوتا ہے جس کیلئے اس کریم سے معافی مانگنا ضروری ہے۔ **چوتھا فائدہ**: پرانے گناہ سے بھی توبہ ہوسکتی ہے توبہ کا وقت مرتے دم تک ہے جیسا کہ ثُمَّ فرمانے سے معلوم ہوا۔ کفر سے توبہ غرغرہ سے پہلے پہلے ہوسکتی ہے غرغرہ کے وقت جب فرشتوں اور عذاب کو آنکھوں دیکھ لیا کفر سے توبہ نہیں ہوسکتی ہے کہ ایمان بالغیب چاہئے تھا مگر وہ دیکھ کر ایمان لا رہا ہے فرعون نے ڈوبتے وقت توبہ کی قبول نہ ہوئی۔ گناہوں سے توبہ غرغرہ پر بھی ہوسکتی ہے۔ **پانچواں فائدہ**: ہر مجرم کو اپنی سزا بھگتنی پڑے گی یہ نہ ہوگا کہ کرے کوئی بھرے کوئی جیسا کہ عَلٰى نَفْسِهٖ سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: گناہ کر کے دوسرے کو تہمت لگا دینا سخت جرم ہے کہ اسے قرآن کریم نے بہتان بھی فرمایا اور اثم مُبین یعنی کھلا گناہ بھی کہ اس میں کئی جرم جمع ہو جاتے ہیں۔ **ساتواں فائدہ**: کسی کافر کو بھی بہتان لگانا جائز نہیں دیکھو طعمہ نے یہودی کو چوری کا بہتان لگایا تو اس پر اس قدر سخت عتاب فرمایا گیا اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو دن رات مسلمانوں کو بہتان لگاتے رہتے ہیں اور کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ **مسئلہ**: جیسے نماز وغیرہ عبادات کے لئے کچھ شرطیں ہیں کچھ ارکان کچھ سنتیں کچھ مستحبات اور ان کے لئے اوقات مقرر ہیں۔ ایسے ہی توبہ کے لئے شرائط ارکان، سنتیں، مستحبات وغیرہ ہیں چنانچہ ارکان توبہ تین ہیں گزشتہ جرم پر ندامت۔ آئندہ نہ کرنے کا عہد، معافی مانگنا، تین ہی شرطیں ہیں۔ حقوق کی ادائیگی اور کوتاہی جو ہو چکی اس کی تلافی کر دینا۔ کسی مقبول بندے کا توسل، آنکھ کا پانی اس کی نفیس تحقیق چوتھے پارہ میں کی جا چکی ہے مستحب ہے کہ توبہ میں جلدی کرے موت سے پہلے توبہ کرلو

فوت سے پہلے نماز پڑھ لو۔ حضرت علی مرتضٰی فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابوبکر صدیق نے حدیث بیان کی ابوبکر نے سچ فرمایا جو بندہ گناہ کرے پھر وضو کرکے دو نفل پڑھے پھر اللہ سے معافی چاہے تو اس کی بخشش کی جاوے گی۔ پھر آپ نے یہ ہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ **آٹھواں فائدہ**: نیکی کا ایصال ثواب کرنا جائز ہے مگر گناہ کرکے اس کا عذاب کسی کو بخشنا جائز نہیں۔ جیسا کہ فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ اگر نیکی کا ثواب بخشنا بھی ناجائز ہوتو اس آیت میں اِثْماً کی قید عبث تھی۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ کا وبال صرف گنہگار ہی پر پڑتا ہے دوسری جگہ قرآن مجید میں فرمایا گیا۔ وَ لَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (عنکبوت:۱۳)۔ یہ لوگ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور دوسروں کے بھی ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: یہاں گناہ کی سزا اور وبال کا ذکر ہے اس دوسری آیت کریمہ میں گناہ کے بوجھ کا ذکر ہے لہٰذا آیتوں میں تعارض نہیں گناہ کی سزا صرف مجرم کو ملے گی اور گناہ کا بوجھ گناہ کرانے والے گناہ کی رغبت دینے والے گناہ کی مدد کرنے والے پر بھی پڑے گا بلکہ یہ بوجھ بھی اس کے اپنے جرم سے ہوگا۔ گناہ کرانا رغبت دینا مدد دینا بھی تو گناہ ہے اس کی پوری تحقیق سورۂ بقر کی آخری آیات کے ماتحت کردی گئی۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (بقرہ:۲۸۶) کی تفسیر دیکھو۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ کی سزا صرف گنہگار کو ملتی ہے مگر دنیا میں بعض کے گناہ سے ایسی آفات آتی ہیں۔ جس میں بے گناہ بھی رگڑے جاتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہوا۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (انفال:۲۵)۔ زکوٰۃ نہ دینے سے بارشیں نہیں آتیں زنا سے وبائیں فتنے پھیلتے ہیں۔ ان کی تکلیف سب ہی کو ہوتی ہے۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ آخرت میں عذاب صرف مجرم کو ہوگا بے گناہ کو نہ ہوگا دنیا کی آفات بے گناہوں پر آجاتی ہیں۔ مگر وہ آفات گنہگاروں کے لئے دنیاوی سزا ہوتی ہیں اور بے گناہوں کے لئے رحمت جس کے عوض رب تعالیٰ ان لوگوں کو آخرت میں درجات دے گا لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ جیسے باغیوں کی بستی پر بم باری کرکے اسے تباہ کردیا جاوے تو اس میں بعض وفاداروں کے مکان بھی ختم ہوجاتے ہیں۔ انہیں بعد میں معاوضہ دے دیا جاتا ہے۔

تیسرا اعتراض: ارشاد ہوا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا۔ جس سے معلوم ہوا کہ خطاء ہو یا گناہ اس کا بہتان لگانا بڑا بھاری گناہ ہے حالانکہ خطاء نسیان گناہ ہی نہیں اگر گناہ ہوں بھی تو کبیرہ نہیں پھر یہ فرمان کیوں کر درست ہوا۔ **جواب**: گناہ صغیرہ و کبیرہ کا فرق یوں ہی خطاء نسیان اور عمد کا فرق اپنے عمل کے لحاظ سے ہے دوسروں کو بہتان خواہ گناہ صغیرہ کا لگانا یا کبیرہ کا بہتان لگانا بہر حال گناہ کبیرہ ہے جیسے نجاست غلیظ و خفیفہ کا فرق کپڑے یا جسم کے لئے ہے۔ پانی کو نجس کرنے کے لئے ہر نجاست غلیظ ہی ہے کنویں میں ایک قطرہ پیشاب گر جائے تو اسے ناپاک کردے

گا۔ خواہ کتے گدھے کا پیشاب ہو یا بکری و گائے کا لہٰذا ہر گناہ و خطاء کا بہتان لگانا اثم مبین ہے۔

چوتھا اعتراض: ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ سے معلوم ہوا ہوا کہ گناہ سے توبہ بہت عرصہ بعد کرنا چاہئے کیونکہ ثُمَّ تراخی اور دیر کے لئے آتا ہے حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ توبہ میں جلدی کرنا چاہئے اداء قرض، لڑکی کی شادی توبہ میں دیر نہ لگاؤ۔ آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کا جواب بھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ بہت عرصہ کے بعد بھی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ پرانا مجرم یہ نہ کہے کہ میرے جرم بڑے پرانے ہیں۔ اب بخشش کیا ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام کے مقابل جادوگر آئے جو اسی (۸۰) برس کے مجرم تھے آج ان کی زندگی کا آخری دن بلکہ آخری وقت تھا کہ دوپہر کے بعد ان کو سولی ہو جانی تھی مگر توبہ کی توفیق ملتے ہی انہوں نے توبہ کی اور بخشے گئے یہ ہے ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ کا ظہور۔

پانچواں اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ جو اللہ سے بخشش مانگ لے گا تو اللہ کو غفور رحیم پائے گا۔ مگر دوسرے مقام پر فرمایا گیا کہ جو مجرم اے محبوب تمہارے پاس آ کر بخشش مانگے گا وہ اللہ کو غفور و رحیم پائے گا ان دونوں آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** کوئی تعارض نہیں حضور کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہونا قبول توبہ کی شرط ہے۔ وہ آیت کریمہ اس آیت پاک کی تفسیر ہے۔ یہاں اس شرط کا ذکر نہیں وہاں یہ شرط بیان فرما دی گئی ہے جیسے کہا جاوے کہ نماز پڑھنا فرض ہے پھر کہا جاوے کہ وضو کر کے نماز پڑھنا فرض ہے دونوں باتیں ٹھیک ہیں۔

چھٹا اعتراض: اس آیت کریمہ میں خَطِیْٓئَۃً اَوْ اِثْمًا فرما کر توبہ کی قید لگائی جس سے معلوم ہوا کہ جو استغفار کرے گا وہ اللہ کو غفور و رحیم پائے گا تو جو توبہ نہ کرے یا توبہ کا موقع نہ پائے خدا اس کے لئے غفور و رحیم نہیں۔
جواب: توبہ کرنے والے کیلئے مغفرت کا وعدہ ہے جو توبہ نہ کرے اس کے لئے بخشش کا وعدہ نہیں وہ رب تعالیٰ کے کرم پر موقوف ہے وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء: ۱۱۶) یہاں وعدہ کا ذکر ہے۔

تفسیر صوفیانہ ہر چیز کی صفائی مختلف چیزوں سے ہے میلا کپڑا صابن سے دھل کر صاف ہوتا ہے۔ میلا برتن قلعی سے میلا گھر چونے سے مصفیٰ ہوتا ہے۔ یوں ہی میلا دل استغفار توبہ کے صابن آنکھوں کے آنسو سے صاف ہوتا ہے اور کسی نظر والے کی نظر کرم سے گویا استغفار صابن ہے آنسو پانی اللہ والے کی نگاہ دھونے والا ہاتھ پہلی آیات میں ارشاد ہوا کہ اے گندے دل والو مرنے سے پہلے دل دھو لو تاکہ رضاء رب نصیب ہو جائے۔ شعر

اے کہ بے حد گناہ کردستی ... مے نترسی ازاں فعال شنیع
توبہ کن تا رضاء حق یابی ... کہ بہ از توبہ نیست ہیچ شفیع

جو کوئی گناہ کرتا ہے وہ اپنے نفس پر کرتا ہے کہ اس سے اسکا دل زنگ خوردہ میلا ہو جاتا ہے اور آئینہ دل کو گناہ دھندلا کر دیتے ہیں جسکا نتیجہ آخر میں یہ نکلتا ہے کہ اس کی آنکھیں حق دیکھ نہیں سکتیں کان حق سننے سے بہرے ہو جاتے ہیں۔ زبان

حق بولنے سے ماؤف ہو جاتی ہے۔ دل میلا ہونے کا اثر سارے اعضاء پر پڑتا ہے۔ جو اپنا گناہ دوسروں پر ڈال دے کہ اسے بہتان لگا دے اس کا دل سراپا کھال بن جاتا ہے۔ یہ بڑی ہی بدنصیبی ہے۔ رب فرماتا کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا (النساء:۵۶)۔ جب بھی دوزخیوں کی کھال گل جاوے گی ہم دوسری کھال بدل دیں گے کیونکہ انہوں نے دنیا میں مغز کو کھال کی شکل میں تبدیل کر دیا تھا صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمارے سارے نیک و بد اعمال میں وزن ہے جو ہم کو یہاں محسوس نہیں ہوتا کل قیامت میں میزان میں پہنچ کر یا مجرم کے سر پہنچ کر یہ وزن دیں گے اسلئے رب تعالیٰ نے بہتان کے متعلق فرمایا اِحْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۔ جیسے پانی کے تالاب کی تہہ میں بیٹھنے والے کے سر پر صدہا من پانی ہوتا ہے مگر اس کا وزن محسوس نہیں ہوتا لیکن اگر گھڑے میں بھر کر دس سیر پانی سر پر رکھ دیا جاوے تو وزن دیتا ہے آج سائنس کی تحقیق کے مطابق ہوا میں بھی وزن ہے ہم لاکھوں من ہوا اپنے سر پر اٹھائے پھرتے ہیں۔ مگر محسوس نہیں کرتے یہ ہی ہوا کسی ربڑ کے تھیلے میں بند کر کے تولی جاوے تو وزن دیتی ہے۔ گناہ بھی وزن قیامت میں دیں گے۔ استغفار کی حقیقت ہے مخلوق سے خالق کی طرف بھاگو جو اس کی طرف بھاگتا ہے وہ ہی اسے پالیتا ہے لہٰذا بندے کو ہر وقت توبہ و استغفار کرنا چاہئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بادشاہ بغیر عدل و انصاف ایسا ہے جیسے نہر بغیر پانی عالم بغیر عمل گھر ہے بغیر چھت مالدار بغیر سخاوت بادل ہے بغیر بارش جوان آدمی بغیر توبہ کے درخت ہے بغیر پھل کے فقیر بغیر صبر کے قندیل ہے بغیر نور کے عورت بغیر حیا کے کھانا ہے بغیر نمک کے لہٰذا موت سے پہلے اپنی اصلاح کر لینا طریقہ صالحین ہے نیک اعمال اچھے ساتھی ہیں۔ برے اعمال برے ساتھی (از روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ بہتان تین طرح کے ہیں ایک یہ کہ خود گناہ کر کے دوسرے کے سر تھوپ دینا جیسے زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو لگایا یہ اول درجہ جرم ہے اس کی سزا سخت تر اسی لئے بعد میں زلیخا نابینا ہو کر ٹھوکریں کھاتی پھری اگرچہ بعد میں معافی ہو گئی پھر آنکھیں اور جوانی واپس ہوئی اور یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آئی دوسرے کسی کو بلا وجہ بلا علامت بہتان لگا دینا جیسے افک والوں نے حضرت عائشہ صدیقہ کو تہمت لگائی یہ دوسرے درجے کا جرم ہے جس کی سزا پہلے سے کم ہے اس لئے اہل افک کو اسی کوڑے مارے گئے اور دنیا میں ان کو تکلیف پہنچیں۔ تیسرے کسی کو بہتان لگانا کسی علامت اور شبہ کی بنا پر جیسے حضرت مریم کو قوم کا بہتان لگانا کہ وہ بغیر نکاح بچہ کی پیدائش کی بنا پر تھا۔ اس کا جرم پہلے دو سے ہلکا۔ اس لئے اس قوم پر کسی عذاب کا ذکر نہ ہوا۔ اس آیت میں پہلی قسم کے بہتان کا ذکر ہے یعنی خود جرم کر کے دوسرے پر تھوپ دینا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ
اور اگر نہ ہوتی اللہ کی مہربانی تم پر اور اس کی رحمت تو قصد کر لیتا ایک گروہ ان میں سے یہ کہ دھوکہ دیں تم کو
اور اے محبوب اگر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہوتا تو ان میں سے کچھ لوگ یہ چاہتے کہ تمہیں دھوکہ دیں

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور نہیں دھوکہ دیتے وہ مگر جانوں اپنی کو اور نہیں نقصان دیں گے وہ تم کو کچھ بھی اور اتاری اللہ نے

اور وہ اپنے آپ ہی کو بہکا رہے ہیں اور تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اللہ نے

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ

اوپر تمہارے یہ کتاب اور حکمت باتیں اور سکھا دیا تم کو تمام وہ جو نہ تھے

تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ

تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (۱۱۳)

تم جانتے اور ہے اللہ کی مہربانی تم پر بہت بڑی

جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق تھا۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں طعمہ اور اس کی قوم کے گناہوں کی بدتری بیان فرمائی گئی تھی کہ انہوں نے ایک جرم نہ کیا بلکہ بہت سے جرم کئے اب ان کے مذکورہ جرموں کی خطرناکی بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے ایسے خطرناک جرم کئے کہ اگر آپ معصوم اور رب کی طرف سے غیوب پر مطلع نہ ہوتے تو یہ آپ کو دھوکہ دے دیتے اور غلط فیصلہ کرا لیتے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ ان کے گناہوں کا وبال خود ان پر پڑے گا اب فرمایا جا رہا ہے کہ آپ پر ان کے گناہ کا کوئی اثر نہ پڑ سکے گا کیونکہ ہم نے آپ کو معصوم و محفوظ اور غیوب کا جاننے والا بنایا ہے۔ ان کے دھوکہ دینے کا ذکر فرما کر آپ کے دھوکہ نہ کھانے کا تذکرہ فرمایا گیا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں طعمہ اور قوم طعمہ کے عیوب کا ذکر فرمایا گیا تھا اب حضور عالی کے فضائل و مراتب کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ایسے استقامت کا پہاڑ ہیں کہ ایسی قوم میں گھرے ہوئے ہونے کہ باوجود آپ کے پائے استقامت میں جنبش نہیں آتی غرضیکہ ان کی زیادتی جرم سے آپ کی عصمت کا ظہور ہے کہ ایسی قوم میں رہ کر مستقل رہنا بلکہ انہیں درست کر دینا آپ کا بڑا معجزہ ہے شعر:

سب چمک والے اجلوں میں چمکا گئے ۔۔۔ اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی!

تفسیر

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ **لَوْلَا** کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ جزاء موجود نہیں کیونکہ شرط موجود ہے۔ یہاں بھی یہ ہی مقصد ہے کہ وہ آپ کو دھوکہ نہ دے سکے کیونکہ آپ پر اللہ کا فضل و رحمت موجود ہے فضل کے لغوی معنی ہیں زیادتی حدیث پاک میں ہے **والفضل ربوا** رحمت کے معنی ہیں مہربانی، اصطلاح میں فضل وہ عطیہ ہے جو استحقاق سے زیادہ

دیا جاوے رحمت وہ جو بغیر استحقاق دیا جاوے مزدور کو اجرت سے زیادہ دے دیا یہ زیادتی فضل ہے اور بغیر کام کرائے کچھ دے دیا یہ ہے رحمت۔ جس کو کسی جگہ کا حاکم بنایا جاوے اسے حکومت کے لوازمات دینا حق کا دینا ہے جیسے دفتر کلرک، کاغذات سرکاری وغیرہ اور اس سے زیادہ کی عطا فضل جیسے کوٹھی موٹر، نوکر دینا اور سلطان جو مہربانی کے طور پر دے جیسے ترقی، تمغہ، قرب خاص یہ ہے رحمت حضور کو نبوت کے لوازمات دینا جیسے وحی، معجزہ الہام یہ ان کا حق دینا ہے اس پر زیادتی فرمادینا جیسے قرآن دینا خاتم النبیین بنانا یہ ہے فضل۔ اس کے علاوہ کی عطا جیسے حضور کو علم غیب یا معراج کی عطا یا عالم کا شہنشاہ بنادینا یہ ہے اس کی رحمت حضرات انبیاء کرام کو صرف نبوت کے لوازمات ہی نہیں دیئے جاتے اور بھی بہت دیا جاتا ہے حضرت سلیمان کی عام سلطنت ہوا پر حکومت لازمہ نبوت نہ تھی بلکہ فضل خدا تھا۔ یہاں فضل سے مراد حضور کو علوم غیبیہ پر مطلع فرمادینا ہے اور رحمت سے مراد آپ کی استقامت ہے یا فضل اللہ سے مراد معصومیت مطلقہ ہے اور رحمت سے مراد حضور کی نبوت عامہ۔ خیال رہے کہ نبوت کسبی چیز نہیں عطاء ربانی ہے مگر بعض انبیاء کرام کی نبوت میں کسی کی دعا کو دخل ہے جیسے حضرت ہارون ولوط علیہم السلام اور بعض کی نبوت میں میراث کو دخل ہے جیسے حضرات یحییٰ و عیسیٰ و شیث علیہم السلام (قرآن) مگر حضور کی نبوت میں کسی کی دعا یا وراثت کی مدد نہیں صرف عطیہ پروردگار ہے رب فرماتا ہے۔ مَا كُنتَ تَرْجُوا اَنْ يُّلْقٰى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (قصص:۸۶) جناب ابراہیم نے حضور کی نبوت کی دعا نہ کی تھی بلکہ مکہ معظمہ میں ولادت کی دعا کی تھی بہر حال حضور کی نبوت کی رحمت فرمانا نہایت ہی موزوں ہے یا فضل سے مراد نبوت ہے اور رحمت سے مراد مسلسل وحی کا آتے رہنا یا فضل سے مراد حضور کی حفاظت ہے اور رحمت سے مراد حضور کی حراست یا فضل اللہ سے مراد قرآن کریم ہے اور رحمت سے مراد حدیث پاک یا فضل سے مراد الفاظ قرآن کا عطا فرمانا ہے اور رحمت سے مراد اسرار قرآن پر مطلع فرمانا ہے غرضیکہ اس چھوٹی سی عبارت میں اللہ تعالیٰ نے ان لاکھوں عطیوں کا ذکر فرمادیا جو حضور کو خصوصی طور پر عطا فرمائے گئے۔ اگلی آیت اس اجمال کی کچھ تفصیل ہے اور اس متن کی شرح لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ یہ عبارت لَوْلَا کی جزاء ہے مِنْهُمْ کی ضمیر قبیلہ بنی ظفر کی طرف ہے یعنی طعمہ کی قوم چونکہ سارا قبیلہ حضور کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوا تھا بلکہ اس قبیلہ کے بعض لوگ طعمہ کی جھوٹی حمایت کرنے آئے تھے اس لئے طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ فرمایا اَنْ يُّضِلُّوْكَ مفعول ہے لَهَمَّتْ کا یہ کلمہ اضلال سے بنا بمعنی بہکا دینا دھوکہ دے دینا یہاں دوسرے معنی مراد ہیں یعنی جھوٹی گواہی دے کر آپ سے غلط فیصلہ کرالینا طعمہ کو چھوڑا دینا جو واقعی مجرم تھا اور بے گناہ یہودی کو پھنسا دینا ہوسکتا ہے کہ لَوْلَا کی جزاء پوشیدہ ہو اور لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ اس جزاء کی علت اس صورت میں آیت کے معنی بہت واضح ہوں گے مگر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ترجمہ پہلی توجیہ پر ہے یعنی اگر آپ پر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہوتی کہ اس نے آپ کو معصوم و نبی نہ بنایا ہوتا تو یہ لوگ آپ کو دھوکہ دینے کی پوری کوشش کرتے مگر چونکہ ان کو معلوم ہے کہ آپ پر کوئی راز نہانی چھپا نہیں۔ اسی لئے انہوں نے طعمہ کی جھوٹی حمایت تو کی مگر آپ کو دھوکہ دینے کی پوری کوشش نہ

کی جھوٹی گواہی دیتے تھے۔ مگر ساتھ میں گھبراتے بھی تھے۔ فقیر کی اس تفسیر کو خوب خیال میں رکھو یا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم نہ ہوتا تو آپ ان کی گواہی پر بغیر جرح فرمائے غیر درست فیصلہ کر دیتے کیونکہ ان لوگوں نے آپ کو دھوکہ دینے کی بہت ہی کوشش کی اس صورت میں ان کی کوشش کی نفی نہیں بلکہ کوشش کے اثر کی نفی ہے۔ روح البیان وغیرہ نے اسی توجیہہ کو اختیار فرمایا۔ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ اس جملہ کی کئی توجیہیں ہیں ایک یہ کہ اگر آپ ان کی گواہی پر فیصلہ فرما بھی دیتے اور طعمہ کو بری یہودی کو ملزم قرار بھی دے دیتے تو بھی گنہگار یہ لوگ ہی ہوتے نہ کہ آپ کیونکہ حاکم کا فیصلہ گواہی پر ہوتا ہے۔ جھوٹا گواہ مجرم ہوتا ہے نہ کہ اس گواہی پر فیصلہ کرنے والا حاکم۔ دوسری یہ کہ اب یہ لوگ اس کوشش میں اپنے ہی کو بہکا رہے ہیں کہ ان حرکتوں سے آپ سے غلط فیصلہ کراتے نہیں اور یہ لوگ بدنام ہو جاتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ یہ جملہ آئندہ کی خبر ہے کہ تا قیامت آپ کو کوئی دھوکہ نہ دے سکے گا دھوکہ دینے والا خود منہ کی کھائے گا کیونکہ آپ معصوم اور علوم غیبیہ پر مطلع ہیں۔ علیم و خبیر کو دھوکہ کون دے سکتا ہے پہلی صورت میں روئے سخن ان انصار سے ہے۔ جو طعمہ کے حمایتی تھے دوسری صورت میں توجہ عتاب اس زمانہ کے منافقین سے ہے۔ جو اسلام اور بانی اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ تیسری صورت میں قیامت تک کے بدگویوں سے خطاب ہے۔ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ یہ جملہ وَ مَا يُضِلُّوْنَ الخ پر معطوف ہے اس جملہ کی بھی وہ ہی تین تفسیریں ہیں جو ابھی پہلے جملہ میں عرض کی گئیں اس جملہ کی اصل عبارت یوں تھی وَمَا يَضُرُّوْنَكَ شَيْئًا مِّنَ الضَّرِّ یعنی یہ لوگ آپ کو مطلقاً نقصان نہیں پہنچا سکتے یا پہنچاتے ہیں یا مطلقاً نقصان نہ پہنچا سکیں گے غرضیکہ یہ دونوں جملے بڑے لذیذ ہیں جن سے میرے نبی ﷺ کی شان عالی ظاہر ہوتی ہے۔ نور مصطفوی سورج کی طرح ہے کہ پھونکنے والوں کی کوشش سے بجھ نہیں سکتا یا اس لیمپ کی روشنی کی طرح ہے۔ جسے کوئی بیرونی ہوا بجھا نہیں سکتی رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ (نور: ۳۵)۔ خیال رہے کہ حضور کی تعریف و خدمت کرنے سے حضور کا بھلا نہیں ہوتا بلکہ تعریف کرنے والے خدمت گار کا بھلا ہو جاتا ہے کہ دنیا میں اس کی تعریف و خدمت ہونے لگتی ہے اور حضور کی بدگوئی و گستاخی کرنے سے حضور کا نقصان نہیں ہوتا گستاخ و بدگو خاک میں مل جاتا ہے۔ نعت گوئی کی تجلی خود نعت گو پر پڑتی ہے جیسے خدا کا نام جپنے والے پر اس نام کی تجلی جپنے والے پر پڑتی ہے یا رزاق جپو رزق ملے گا یا غنی کا ورد کرو غنی ہو جاؤ گے۔ حضور کے گیت گاؤ عزت پاؤ گے یہ معنیٰ ہے لَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ کے وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ یہ جملہ بظاہر انیا ہے۔ مگر درحقیقت پہلے مضمون کی علت ہے۔ حضور ﷺ کے علم کے لئے تو سارا قرآن کریم آپ کو ایک دم عطا ہوا کہ ہر ماہ رمضان میں جبریل امین پورے قرآن کا دور حضور کے ساتھ کر جاتے تھے۔ مگر احکام جاری کرنے کے لئے نزول تیئس سال میں ہوا پہلے نزول کا ذکر یہاں ہے اسی لئے اَنْزَلَ فرمایا گیا دوسرے نزول کے لحاظ سے نَزَّلَ فرمایا جاتا ہے چونکہ نزول الفاظ قرآن حضور کے کان شریف پر ہوا اور نزول معانی قرآن دماغ شریف پر اور نزول اسرار قرآن

دل مبارک پر اس لئے عَلَیْکَ فرمایا جس میں یہ سارے اعضاء آجاتے ہیں۔ اَلْکِتٰبَ سے مراد قرآن شریف ہے۔ ان چاروں چیزوں کا جامع اور حکمت سے مراد ہے وہ الفاظ مبارک جو آپ کے منہ سے بطور حدیث نکلتے ہیں چونکہ ان کے مضامین بھی رب کی وحی ہوتے ہیں۔ اسلئے ان کو اَنْزَلَ فرمانا بالکل درست ہے۔ حکمت کے معنی ہیں مفید بات یا مضبوط بات چونکہ حضور کا کوئی فرمان فائدہ سے خالی نہیں ہر کلمہ میں ہزارہا فائدے ہیں یا حضور کا ہر فرمان نہایت پختہ اور مضبوط ہے کہ اسے زمانہ مٹا نہیں سکتا تا قیامت ہر فرمان قائم رہے گا۔ اس لئے حضور کے فرمان کو حکمت فرمایا حضور حکیم مطلق ہیں۔ آپ کے کام و کلام حکمت۔ وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ اس جملہ میں یا تو نئے انعام و فضل کا ذکر ہے یا اَنْزَلَ اللّٰہُ کے نتیجہ کا بیان عَلَّمَ تفعیل کا ماضی مبالغہ کے لئے ہے یعنی تم کو خوب اور بہت سکھا دیا جیسے آدم علیہ السلام کے لئے فرمایا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا (بقرہ:۳۱) مَا سے مراد احکام شرع امور دین علوم غیبیہ چھپی ہوئی چیزیں دلوں کے ارادے و بھید سینوں کے اسرار اگلے پچھلوں کی خبریں سب ہی کچھ ہیں (تفسیر خازن، بیضاوی، مدارک، تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی، تفسیر البیان) غرضیکہ مَا میں کوئی قید نہیں سارے علوم غیبیہ مراد ہیں لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ اس کا بیان ہے یعنی آپ نزول وحی یا نزول قرآن یا ہمارے بتانے سے پہلے جو کچھ نہ جانتے تھے وہ سب کچھ آپ کو رب نے اچھی طرح خوب سکھا دیا خیال رہے کہ سکھانے اور بتانے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ واعظ لوگوں کو آدھ گھنٹے میں بہت سے مسائل سنا دیتا ہے بتا دیتا ہے مگر سامعین اس وعظ سے عالم نہیں بن جاتے۔ مدرس طلباء کو برسوں میں علوم سکھاتا ہے۔ جس سے وہ عالم بن جاتے ہیں۔ یہاں عَلَّمَ فرمایا اَنْبَاءَ یا اَخْبَرَ نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ ہم نے سب کچھ سکھا دیا تم نے سب کچھ سیکھ لیا۔ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا یہ جملہ تو عَلَّمَکَ الخ کا بیان ہے اور فضل اللہ سے مراد یہ علوم غیبیہ ہیں۔ جو ابھی مذکور ہوئے یا علیحدہ نعمت کا ذکر ہے اور فضل اللہ سے مراد نبوت عامہ کی عطا شفاعت کبریٰ حکومت کل ریاست تامہ کہ جس کا رب خالق ہے اس کے حضور نبی ہیں (روح البیان) عظیم فرما کر یہ بتایا کہ جو نعمتیں اور خصوصی انعام رب نے آپ کو دیئے۔ وہ کسی کے بیان میں نہیں آسکتے تصور و خیال میں نہیں سما سکتے وہم و گمان میں نہیں گھر سکتے کہ بیان خیال وہم و گمان محدود ہیں اور جو تمہیں رب نے دیا وہ غیر محدود ہے (تفسیر روح المعانی) غرضیکہ یہ آیت کریمہ ہمارے خیال و وہم سے وراء ہے۔

خلاصہ تفسیر

اے محبوب ﷺ اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم نہ ہوتا اور آپ کو اس نے نبی عام معصوم عالم غیوب نہ بنایا ہوتا تو یہ لوگ آپ کو دھوکہ دے دیتے کیونکہ ان میں سے ایک گروہ آپ کو دھوکہ دے کر غلط فیصلہ کرا لینے کا پورا ارادہ کر چکا تھا مگر اب وہ ہر داؤ فریب پر اپنے ہی کو بہکائیں گے اپنے ہی کو دھوکہ دیں گے خود دھوکہ کھائیں گے آپ کو بالکل نقصان نہ دے سکیں گے کوئی غلط فیصلہ نہ کرا سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر تو قرآن شریف اور مضامین احادیث شریف نازل فرمائے اور آپ کو تمام علوم غیبیہ دین و دنیا کے خفیہ امور لوگوں کے

دلوں کے ارادے غرضیکہ جو کچھ آپ نہ جانتے تھے وہ سب کچھ آپ کو علیٰ وجہ الکمال سکھا دیا آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل وکرم ہے۔ جو کسی کے بیان گمان خیال وہم میں نہیں آسکتا پھر کوئی کس طرح آپ کو دھوکہ دے سکتا ہے۔

نوٹ اس آیت کریمہ کی اور چند تفسیریں ہیں۔ جو ہم نے اشارۃً تفسیر میں بتا دیں۔ خلاصہ تفسیر میں صرف ایک تفسیر بیان کی گئی۔ باقی تفاسیر تفسیر سے معلوم کرلو۔ خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان آٹھ خصوصی انعامات کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کو خصوصیت سے عطا فرمائے۔ اللہ کا فضل اس کی خصوصی رحمت دنیا کا آپ کو دھوکہ نہ دے سکنا۔ جو آپ کو دھوکہ دینا چاہے اس کا خود دھوکہ کھا جانا گمراہ ہو جانا۔ تمام دنیا کا مل کر آپ کو ذرہ برابر نقصان نہ پہنچا سکنا۔ آپ پر کتاب اتارنا۔ حکمت نازل فرمانا۔ تمام علوم غیبیہ پر آپ کو مطلع فرمانا آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہونا۔ ترتیب یہ رکھی کہ اولاً فضل ورحمت کا ذکر فرمایا پھر حضور کی معصومیت کا پھر محفوظیت کا پھر نزول کتاب وحکمت کا پھر علوم غیبیہ کی عطا کا پھر بڑے فضل کا اس ترتیب میں حکمت یہ ہے کہ دنیا کو معلوم ہو کہ حضور پر فضل، رحمت، معصومیت، محفوظیت نزول قرآن پر موقوف نہیں۔ قرآن تو چالیس سال کی عمر شریف میں نازل ہوا۔ مگر حضور ﷺ اول ہی سے معصوم ومحفوظ تھے نیز اس ترتیب میں یہ بتایا کہ اے محبوب تم تا قیامت محفوظ ہو کیونکہ ہم نے تمہارے ذکر، عزت، عصمت تمہارے دین کی حفاظت کے لئے قرآن اتارا تا قیامت قرآن تمہاری ایسی حفاظت کرے گا جیسے لیمپ کی چمنی لیمپ کے نور کی۔ دیکھ لو آج ہر گستاخ وبے دین کے جواب قرآن کریم ہی دیتا ہے پھر قرآن آپ تمام پر اترا نہ کہ صرف کان یا دماغ پر۔ اگر عجمی سے عربی میں بات کرو تو اس کے کان الفاظ سن لیں گے۔ مگر دماغ اس کے معنی نہ سمجھے گا وہ کلام کان میں جاوے گا۔ دماغ میں دل میں روح میں نہ جاوے گا۔ معنی سمجھنے والے کے دماغ میں بھی پہنچے گا مگر دل وروح میں نہ پہنچے گا۔ اسرار سمجھنے والے کے کان ودماغ دل سب میں پہنچے گا مجمع میں کسی سے کہو تمہارا وہ کام ہو گیا لوگ اس کے معنی سمجھ لیں گے مگر خوش یا غمگین نہ ہوں گے جو صاحب اسرار ہے۔ اس کا دل خوشی سے اچھل پڑے گا کہ وہ معنی کے ساتھ مطلب ومقصد سے بھی واقف ہے چونکہ حضور قرآن کریم کے اسرار سے واقف ہیں لہٰذا آپ کے ان اعضاء پر قرآن کریم کے تمام اجزاء کا نزول ہوا۔ عَلَیْکَ میں علیٰ سے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ اگرچہ قرآن کی تلاوت سب کریں گے اس کے فوائد سب حاصل کریں گے مگر اس کے نزول کا مقصود صرف تم ہو بارش سے فائدہ تمام جانور بھی پاتے ہیں۔ مگر مقصود انسان ہوتے ہیں اس لئے نزول بارش میں **علیکم** فرمایا گیا نیز **علیٰ** لزوم کے لئے بھی آتا ہے مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید آپ کے ساتھ ایسا لازم ہے۔ جیسے سورج کے لئے نور جس دل میں تم نہ ہوؤ گے وہاں قرآن نہ پہنچے گا اگرچہ وہ ہندوؤں آریوں کی طرح قرآن پڑھ لیا کرے جانور پر کتابیں لاد دو وہ بوجھ سے دبے گا مگر کتاب سے فیض نہ لے گا۔ حدیث کو حکمت یا اس لئے ارشاد ہوا کہ حدیث مضبوط ہے۔ جسے زمانہ اور زمانے والے نہ مٹا سکیں گے یا کوئی حدیث لغو اور مصلحتوں سے خالی نہیں حضور کے اقوال، اعمال، افعال، احوال میں لاکھوں مصلحتیں ہوتی ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ

دینی و دنیاوی نعمتوں میں علم سب سے اعلیٰ نعمت ہے کہ رب تعالیٰ نے علم سے حضرت آدم کا استحقاق خلافت ثابت فرمایا اور بے گناہ دائمی عابدین نوری مخلوق سے آپ کو سجدہ کرایا نیز اگرچہ بعض علم بعض سے اشرف ہیں۔ جیسے معرفت خدا اور رسول دوسرے علوم سے افضل ہے مگر کوئی علم برا نہیں ورنہ رب تعالیٰ ان برے علموں سے پاک ہوتا حالانکہ وہ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ہے اور آدم علیہ السلام کو ہر بری بھلی چیز کا علم نہ دیا جاتا۔ حضرات انبیاء کرام کو بقدر درجہ علوم دیئے گئے۔ آدم علیہ السلام کو تمام ناموں کا علم۔ داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانے کا علم وَ عَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ (الانبیاء: ۸۰)۔ سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولیوں کا علم عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (نمل: ۱۶)۔ مگر ہمارے حضور کو سارے علم وَ عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (النساء: ۱۱۳) جیسے نفس ناطقہ میں تمام اعضا کے علوم جمع ہیں ایسے ہی حضور میں تمام اولین و آخرین کے علوم جمع ہیں۔ خیال رہے کہ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا میں كَانَ دوام کے لئے ہے۔ جیسے كَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا (النساء: ۱۱۱) میں یعنی آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل تھا اور ہے اور ہوگا یا رہے گا چنانچہ تمام نبیوں پر اللہ کا فضل ان کی پیدائش کے بعد ہوا خلافت حضرت آدم، کلام موسیٰ علیہ السلام۔ لحن داؤد علیہ السلام وغیرہ ان بزرگوں کی پیدائش کے بعد ہوا مگر حضور پر درود الٰہی مخلوق کی پیدائش سے پہلے سے ہے درود ملٰئکہ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے کا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ (احزاب: ۵۶)۔ حضور کی نبوت حضرت آدم کی خلقت سے پہلے ہے کہ عالم ارواح میں سارے نبی حضور کے مدرسہ سے فیض لیتے رہے۔ كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ۔ حضور کی اتباع وخدمت کا عہد عالم ارواح میں تمام نبیوں سے لیا گیا۔ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ الخ (آل عمران: ۸۱) حضور کے توسل سے پچھلی امتیں اور ان کے نبی دعائیں کرتے تھے۔ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (بقرہ: ۸۹)۔ نیز ارشاد باری ہے فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ (بقرہ: ۳۷)۔ مخلوق میں رب تعالیٰ کے سب سے پہلے عابد و ساجد حضور ہیں کروڑوں سال عالم بننے سے پہلے صرف رب معبود رہا ہے اور صرف نور محمدی عابد۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعَابِدِيْنَ (زخرف: ۸۱)۔ یعنی اے محبوب فرما دو اگر رحمٰن کے اولاد ہوتی تو اس کا پہلا عابد میں ہوتا کیونکہ رب کا پہلا عابد میں ہی ہوں اور حضور کی ظاہری حیات شریف میں بھی رب تعالیٰ کا بڑا ہی فضل حضور پر رہا کہ گزشتہ انبیاء کرام کو گنتی کے معجزے ایک ایک دو دو عطا ہوئے حضور کو ان گنت معجزے ملے بلکہ حضور خود سرتاپا معجزہ۔ شعر:

دیئے معجزے انبیاء کو خدا نے ہمارا نبی معجزہ بن کے آیا!

حضور نے بگڑی قوم کو ایسا بنایا کہ ان میں سے صدیق و فاروق ظاہر ہوئے بچھڑوں کو ایسا ملایا کہ صدیوں کی لڑائیاں ختم فرما دیں شعر:

بدخلق جو تھے وہ نیک ہوئے لڑتے تھے ہمیشہ وہ ایک ہوئے جھگڑے تونے آکے میٹ دیئے تری فہم و ذکا کا کیا کہنا

یہ سب اللہ کا فضل تھا جو آپ پر حیات شریف میں ہوا بعد حیات ظاہری بھی حضور پر اللہ کا بڑا فضل ہے کہ بعض فضل قیامت تک ظاہر ہوں گے بعض فضل قیامت کے دن اور بعض فضل قیامت کے بعد ابدالاباد تک جنت میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ انبیاء کرام کو چار نعمتیں بخشیں، وحی، معجزات، کتاب، دین جن میں سے وحی تو تمام نبیوں کو عطا ہوئی مگر باقی تین نعمتیں کسی کو ملیں کسی کو نہ ملیں۔ حضرت ہارون، حضرت لوط وغیرھم ہزارھا انبیاء کرام ایسے ہی جنہیں کوئی معجزہ عطا نہ ہوا اور سواء چار نبیوں کے کتاب و دین کسی نبی کو نہ عطا ہوئے۔ ان حضرات کے پردہ فرمانے کے بعد ان کی وحی، ان کے معجزے، ان کی کتابیں، ان کے دین سب ختم کر دیئے جاتے رہے۔ معجزے تو وفات پاتے ہی مگر دین اور کتابیں دوسرے نبی کے تشریف لانے پر۔ دیکھو وفات موسیٰ علیہ السلام کے بعد عصا تو کچھ دن رہا مگر سانپ نہ بن سکا۔ حضور کی وحی۔ حضور کے ہزاروں معجزے حضور کا دین حضور کی کتاب قیامت تک حضور کی محبوبیت۔ حضور کی عزت حضور کا ذکر کثیر حضور کے ظاہری باطنی فیوض۔ حضور کے اولیاء اللہ ان کے کرامتیں تا قیامت باقی یہ وہ فضل ہے جو قیامت تک رہے گا پھر قیامت کا پچاس ہزار برس کا دن اس میں حساب صرف چار گھنٹے میں ہوگا۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (ابراھیم:۵۱)۔ باقی دن میں حضور کی تلاش حضور کی شفاعت حضور کا مقام محمود پر انبیاء کرام، ان کی امتوں، تمام عالم بلکہ خود رب تعالیٰ کی نعت گوئی میں ہوگی شعر:

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا   کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

بعد قیامت حضور کی آمد پر دروازہ جنت کھلنا۔ جنت میں کوثر کے کوزوں پر طوبیٰ کے پتوں پر جوروں کی آنکھوں کی پتلیوں میں غلمانوں کے سینہ پر حضور کا کلمہ ہوگا۔ یہ رب تعالیٰ کا فضل ہے جو بعد قیامت ابدالاباد تک حضور پر رہے گا غرضیکہ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا بہت وسیع آیت ہے کس میں طاقت ہے کہ شمار کر سکے۔ خیال رکھو کہ غنی کے مال میں فقیروں مسکینوں کا بھی حصہ ہوتا فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ (معارج:۲۵) انشاءاللہ حضور کے افضال میں ہم امتیوں کا بھی حصہ ہے۔

ہاتھ اٹھا کر ایک ٹکڑا اے کریم   ہیں غنی کے مال حقدار ہم

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو صرف نبوت اور نبوت کے لوازمات ہی نہیں بخشے بلکہ اس کے علاوہ اور بہت سی عطاؤں سے مالا مال کیا جن میں سے بعض عطائیں لوازمات نبوت سے زائد ہیں اور بعض عطائیں ان کے علاوہ یہ فائدہ فَضْلُ اللّٰهِ اور رَحْمَتُهٗ سے حاصل۔ خاتم النبیین ہونا رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین ہونا علوم غیبیہ اور اولین و آخرین کی حکمتیں آپ کو عطا ہونا یہ وہ خصوصی عطیات ہیں جو حضور کے سوا کسی کو عطا نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو معصوم و محفوظ کیا خود رب تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہے کوئی آپ کو دھوکہ نہیں دے سکتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

جو آپ کو بے خبر جانے یا غیر معصوم وہ خود دھوکہ کھاتا ہے جیسا کہ وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ الخ سے معلوم ہوا۔
دوسرا فائدہ: آپ کی معصومیت محفوظیت کی تجلی آپ کے بعض خدام پر بھی پڑی ہے وہ بفضلہ تعالیٰ محفوظ ہیں۔
جیسے عام صحابہ کرام اور خاص اولیاء اللہ رب تعالیٰ صحابہ کرام کے متعلق صفائی بیان فرماتے ہوئے فرماتا ہے۔
وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ (بقرہ:۹) جو کلمات حضور کی عصمت کیلئے ارشاد ہوئے وہ ہی صحابہ کرام کی حفاظت کے لئے فرمائے گئے لہٰذا ان حضرات کا ایمان و حفاظت قطعی ہوئے۔ **تیسرا فائدہ**:
نزول قرآن صرف کان شریف پر نہ ہوا بلکہ الفاظ قرآن کان شریف پر مضامین قرآن دماغ پاک پر اسرار قرآن دل پر نازل ہوئے یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے جیسا کہ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْکَ فرمانے سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: قرآن مجید کی طرح حدیث پاک بھی رب کی طرف سے ہے جس کی وحی حضور کے دل پر کی گئی قرآن مجید کے الفاظ و معانی سب رب کی طرف سے ہیں اور حدیث شریف کے معانی رب کی طرف سے الفاظ حضور کے اپنے جیسا کہ وَالْحِکْمَةَ فرمانے سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: قرآن شریف کی طرح حدیث شریف بھی واجب العمل ہے بلکہ حدیث کے بغیر قرآن پاک پر عمل ناممکن ہے۔ یہ فائدہ بھی وَالْحِکْمَةَ فرمانے سے حاصل ہوا۔
چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو تمامی علوم غیبیہ پر مطلع فرمایا جیسا کہ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ سے معلوم ہوا مَا عام ہے اس میں کوئی قید نہیں۔ حضور کے علوم بے قید ہیں۔ شعر:

ابن مالک کو دی بشارت تاج   اے مرے غیب داں ترے صدقے
مجھ خطا کار پر عطا پہ عطا   اے مرے مہربان ترے صدقے

ساتواں فائدہ: علم اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں علوم نبی کو فضل اللہ فرمایا۔ **آٹھواں فائدہ**: حضور کے علوم اور آپ کے فضائل و مراتب کسی سے نہ بیان ہو سکتے ہیں نہ کسی کے خیال میں آسکتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے دنیاوی نعمتوں کو قلیل فرمایا۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ (النساء:۷۷) وہ کسی سے شمار نہیں ہو سکتی تو جسے رب تعالیٰ عظیم فرمائے وہ کون بیان کر سکتا ہے۔ شعر:

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ   وَ احْکُمْ بِمَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ وَّ مِنْ عِظَمٍ
فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَیْسَ لَهٗ   حَدٌّ فَیُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٍ!

یعنی جو عیسائیوں نے اپنے نبی کے متعلق کہا وہ تم حضور کے لئے نہ کہو اس کے سوا جو شرف عظمت چاہو حضور کی طرف منسوب کرو کیونکہ حضور کے فضائل کی حد نہیں جو کوئی بیان کرنے والا بیان کر سکے۔ **نواں فائدہ**: حضور ﷺ دلوں کے راز تا قیامت لوگوں کے ارادوں سے خبردار ہیں اس لئے کوئی آپ کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اللہ نے حضور کو پتھروں کے دلوں کے راز بتا دیئے ہیں۔ انسان کی حقیقت ہی کیا ہے فرماتے ہیں۔ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس

سے محبت کرتے ہیں۔ عیر پہاڑ ہم سے عداوت رکھتا ہے۔ ہم اس سے عداوت رکھتے ہیں غرضیکہ یہ آیت کریمہ حضور کی عصمت حفاظت کمال علم کی اعلیٰ دلیل ہے۔ **دسواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام چیزوں کو حقیر، ادنیٰ قلیل فرمایا۔ مگر حضور کے اخلاق کریمانہ کو عظیم کہا۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (قلم:۴)۔ حضور پر جو اللہ کا فضل ہے اسے عظیم فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ حضور خود اعظم الخلق ہیں جس کی صفات عظیم ہوں۔ خود وہ موصوف اعظم ہوگا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے حکام کی طرح حضور ﷺ کو بھی بہکایا جاسکتا ہے دیکھو رب نے فرمایا کہ اگر ہمارا فضل آپ پر نہ ہوتا تو آپ کو یہ لوگ بہکا دیتے دھوکہ دے دیتے جس سے آپ کے علم غیب وغیرہ تمام کی نفی ہوگئی۔ **جواب**: بے شک اللہ تعالیٰ کا فضل حضور کو مخلوق کے دھوکہ بازیوں سے بچاتا ہے۔ وہ فضل کیا ہے حضور کو علوم غیبیہ عطا فرمانا آپ کو پیدائشی معصوم بنانا یعنی چونکہ پہلے سے آپ کو یہ صفات عطا فرمادی گئی ہیں اس لئے آپ پر کسی کا فریب نہیں چلتا یہ آیت تو حضور کے علم و عصمت کی دلیل ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ کے معنی آپ نے یہ کئے کہ اگر آپ پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو یہ لوگ آپ کا دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ان لوگوں نے دھوکہ دینے کی تو کوشش کی تھی پھر یہ ترجمہ کیوں کر درست ہوا۔ **جواب**: اس کے بہت نفیس جوابات ابھی تفسیر میں دیئے جاچکے ہیں کہ اس جملہ کے تین معنی ہیں۔ جن میں سے ایک معنی وہ ہیں جو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے کئے تب مطلب یہ ہے کہ اگر آپ پر اللہ کا فضل ورحم نہ ہوتا تو یہ لوگ دھوکہ دینے کی جان توڑ کوشش کرتے ھَمّ ہر کوشش کو نہیں کہتے بہت سخت کوشش کو کہتے ہیں سعی اور ھَمّ میں بڑا فرق ہے اور دوسری مذکورہ توجیہوں کی بنا پر یہ اعتراض پڑتا ہی نہیں۔ دیکھو ہماری ابھی عرض کی ہوئی تفسیر۔

تیسرا اعتراض: قرآن کریم تو آہستہ آہستہ ۲۳ سال میں نازل ہوا پھر اَنْزَلَ عَلَیْکَ کیوں فرمایا گیا انزال تو ایک دم اتارنے کو کہتے ہیں۔ **جواب**: اس کا جواب بھی ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ احکام جاری کرنے کیلئے نزول قرآن ۲۳ سال میں ہوا حضور ﷺ کے علم کیلئے قرآن ہر ماہ رمضان میں نازل ہوتا تھا حضور کو حضرت جبرئیل دور کراتے تھے یہاں دوسرا نزول مراد ہے اس لئے اس کے بعد ہی حضور کے علم کا ذکر ہے۔ وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ۔

چوتھا اعتراض: یہاں وَالْحِکْمَةَ سے مراد قرآن کریم کے رموز واسرار ہیں نہ کہ حدیث حضور پر صرف قرآن کا نزول ہوا ہے (چکڑالوی)۔ **جواب**: رموز قرآن واسرار قرآن تو الکِتٰبَ میں آگئے تھے کہ کتاب ان تمام چیزوں کا نام ہے الفاظ، معانی، اسرار احکام وغیرہ پھر الْحِکْمَةَ سے مراد کتاب کے علاوہ کوئی اور چیز چاہئے۔ وہ اور چیز حدیث ہی تو ہے۔

پانچواں اعتراض: عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ سے مراد دینی مسائل اور دینی چیزیں ہیں نہ کہ تمام

علوم غیبیہ اس لئے تفسیر خازن نے یہاں فرمایا **من احکام الشرع وامور الدین** ۔تم لوگوں کا اس آیت سے حضور کا علم غیب ثابت کرنا غلط ہے(وہابی)۔ **جواب:** کسی مفسر نے خواہ وہ خازن ہوں یا جلالین یا کوئی اور اس آیت کی تفسیر میں یہ نہ فرمایا کہ امور دینیہ اور احکام شرعیہ کا علم دیا اور دوسرا علم نہ دیا۔ دوسرے علم کی کسی نے نفی نہیں فرمائی بلکہ اس کے برعکس یہاں تفسیر خازن نے فرمایا **وقیل علمک علم الغیب مالم تکن تعلم۔ وقیل معناہ و علمک من خفیات الامور و اطلعک علیٰ ضمائر القلوب** اور تفسیر بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا **من خفیات الامور ومن امور الدین و الاحکام** اور تفسیر روح البیان نے فرمایا **بالوحی من الغیب و خفیات الامور** تفسیر روح المعانی نے فرمایا **من خفیات الامور و ضمائر القلوب** ان تمام تفاسیر سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور کو رب تعالیٰ نے دلوں کے ارادوں خفیہ چیزوں غیبی اشیاء کا علم بخشا بدایہ والنہایہ میں ہے کہ آپ کو لوگ دھوکہ نہیں دے سکتے اس کی وجہ یہ بیان ہوئی کہ ہم نے آپ کو نہ جانی چیزیں بتا دی ہیں اگر ان نہ جانی چیزوں سے مراد نماز روزے کے مسائل ہوں تو یہ دلیل دعوے کے مطابق کیسے ہوگی لہٰذا اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ وہ لوگ آپ کو دھوکہ نہیں دے سکتے کیونکہ آپ کو رب تعالیٰ نے خفیہ باتوں مقدمات کی حقیقتوں لوگوں کے ارادوں پر مطلع فرما دیا ہے ایسے علیم و خبیر کو کوئی دھوکہ کیسے دے سکتا ہے آج بڑے بڑے مولویوں مفتیوں احکام شروع جاننے والوں کو لوگ دھوکہ دے دیتے ہیں مسائل کا جاننا دھوکے سے نہیں بچا سکتا۔

چھٹا اعتراض: اگر رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کو علوم غیبیہ پر اطلاع بخشی ہے تو بہت موقعہ پر آپ کو اصل شیٔ کا علم نہ ہوا آپ سے باتیں پوچھی گئیں نہ بتائیں۔جس کی صدہا مثالیں موجود ہیں تو معنی کیوں کر درست ہو سکتے ہیں۔

جواب: اس سوال کے بہت جوابات ہم نے اپنی کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیئے ہیں۔ یہاں صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ نہ جاننا اور چیز ہے نہ بتانا کچھ اور بتانے کی نفی سے جاننے کی نفی نہیں ہو جاتی، نیز حضور کا علم عطائی ہے۔ حادث ہے محدود ہے رب تعالیٰ کے قبضہ میں ہے جب چاہے نبی کو معلوم چیز پر متوجہ فرما دے کہ وہ سارے عالم کو کف دست کی طرح ملاحظہ فرمالیں اور جب چاہے ادھر سے غیر متوجہ کر دے کہ اپنی بھی خبر نہ رہے اسی کو حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے دو شعروں میں سمجھا دیا ہے۔شعر:

بگفت احوال مابرق جہانست — دمے پیدا و دیگر دم نہانست

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم! — گہے بر پشت پائے خود نہ بینم!

ہمارے حالات بجلی کی کوندی کی طرح ہیں کہ دم میں ظاہر دم میں پوشیدہ ہم کبھی اونچی اٹاری پر ہوتے ہیں کہ عرش و فرش کو دیکھتے ہیں اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت کو بھی ملاحظہ نہیں فرماتے بے علمی، بے توجہی ذہول نسیان میں فرق کرنا ضروری ہے۔

ساتواں اعتراض: اس آیت کریمہ میں جب حضور کو علم، حکمت، عصمت دیئے جانے کا ذکر فرما دیا تو پھر اللہ

کے فضل سے کیا مراد ہے جو آخر میں فرمایا گیا اللہ کا آپ پر کا بڑا فضل ہے۔ **جواب**: یہ تو دینے والا رب جانے یا لینے والے محبوب جانیں کہ کریم نے کیا دیا حبیب نے کیا لیا۔ وہاں ہمارے علم کی رسائی نہیں فرش وعرش پر حضور کا راج۔ شفاعت کبریٰ کا سہرا سر پاک پر ہونا۔ تمام دنیا کا آپ کے در کا بھکاری ہونا آپ کا سخی و داتا ہونا تمام عالم میں آپ کا چرچہ ہونا ہر دل میں آپ کی محبت ہونا تا قیامت آپ کی امت میں اولیاء علماء کا ہونا آپ پر ہمیشہ درودشریف پڑھا جانا آپ کی ہر زبان میں نعت خوانی ہمیشہ ہونا آپ کا دین منسوخ نہ ہونا آپ کا قرآن ہمیشہ رہنا وغیرہ لاکھوں خصوصی عطائیں ہیں۔ جو رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عطا ہوئیں۔ مجھ جیسا مجہول کیا کہہ سکتا ہے کہ حضور کو کیا کیا ملا حضور کو وہ ملا جو کسی کو نہ ملا شعر۔

فہم رازش چہ کنم من عجمی او عربی! لاف مہرش چہ زنم من حبشی او قرشی!

آٹھواں اعتراض: نبی صرف تبلیغ دین کے لئے آتے ہیں۔ انہیں صرف دین کا علم عطا ہونا کافی ہے علوم غیبیہ اور حاضر ناظر ہونا ملک الٰہی میں راج قائم ہونا ان کے عہدے کے لئے ضروری نہیں پھر یہ صفات ان میں بلا وجہ کیوں مانے جاویں۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتانا حضرت سلیمان کو تمام جن وانس کا مالک بنا دینا ہوا کو ان کے تابع فرمان کر دینا حضرت یوسف کو سات سال تک قاسم رزق اللہ بنا دینا کہ تمام دنیا ان کے لنگر سے پلے سب غلط ہونا چاہئے نبوت کو ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے وہ تو صرف مبلغ ہوتے ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ حضرات انبیاء مظہر ذات الٰہی ہیں اور ہمارے حضور تو مظہر اتم ہیں اور مظہر میں ذات کے کمالات کا ظہور چاہئے۔ اس لئے رب تعالیٰ ان حضرات کو اپنے صفات بخشتا ہے۔ علم، قدرت، ملک، رحمت خدا تعالیٰ کی صفات ہیں تو چاہئے کہ حضور میں پائی جاویں تا کہ مظہریت کا ظہور ہو رب فرماتا ہے هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ (فتح: ۲۸)۔ نیز حضور کے یہ صفات اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت ہیں اور فضل کہتے ہی اسے ہیں جو استحقاق سے زیادہ ہو اور رحمت کہتے ہی اسے ہیں جو بلا استحقاق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ہر قسم کی عطائیں بخشیں۔

تفسیر صوفیانہ

فضائل دو طرح کے ہوتے ہیں کسبی اور عطائی۔ کسبی فضائل میں انسان کے اپنے کسب و عمل کو دخل ہوتا ہے وہ دوسرے کی کوشش یا اپنی غلطی سے مٹ سکتے ہیں کہ کسبی چیز کو کسب فنا کر سکتا ہے مگر عطائی خوبیاں کسی کی کوشش سے ضائع نہیں ہو سکتیں چراغ کا نور پھونکوں سے بجھ سکتا ہے کہ یہ نور کسبی ہے مگر چاند و سورج کا نور پھونکوں سے نہیں بجھ سکتا کہ یہ نور عطائی ہے یہاں فرمایا گیا اے محبوب طعمہ اور طعمہ کی قوم نے سازشیں کر کے آپ سے غلط فیصلہ کرانا چاہا یہ تھا ان کا کسب آپ کی عصمت آپ کے علوم غیبیہ آپ کو قرآن و حدیث کے علوم کی عطا ہماری طرف سے ہے جس میں کسی کے کسب کو دخل نہیں لہٰذا ان کی کوششیں بیکار ہوئیں آپ کے آستانہ

عالیہ سے غلط فیصلہ نہ کرا سکے آئندہ بھی کوئی شخص آپ کو نقصان نہ دے سکے گا۔ آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش سے خود اپنا ہی نقصان کرے گا صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ پر اللہ کا فضل عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر آپ کا فضل عظیم ہے یعنی ذات الٰہی آپ پر فضل اور ذات رسول مخلوق پر فضل (روح البیان) شعر:

رب اعلیٰ کی نعمت پر اعلیٰ درود　　　حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

دنیا میں کوئی شخص آپ جیسا عالم نہیں ہو سکتا کہ سب مخلوق کے شاگرد ہیں حضور ﷺ خالق کے شاگرد عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمْ۔ حضرت جبریل پیغام رساں ہیں۔ علم دینے والا رب تعالیٰ ہے۔

لَاخَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّامَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْمَعْرُوْفٍ اَوْ
نہیں ہے بھلائی ان کی بہت سرگوشیوں میں مگر جو حکم کرے صدقہ کا یا بھلائی کا یا
ان کے اکثر مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں مگر جو حکم دے خیرات یا اچھی بات
اِصْلَاحٍۢ بَیْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ
اتفاق کرانے کا درمیان لوگوں کے اور جو کرے یہ چاہنے کے لئے مرضی اللہ تعالیٰ کی
یا لوگوں میں صلح کا اور جو اللہ کی رضا چاہنے کو ایسا کرے
فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ
پس عنقریب دیں گے ہم اس کو ثواب بڑا اور جو مخالفت کرے ان رسول کی پیچھے اس کے کہ
اسے عنقریب ہم بڑا ثواب دیں گے اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ
مَاتَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا
ظاہر ہو چکی اس کے لئے ہدایت اور اتباع کرے غیر راہ مسلمانوں کی تو پھیر دیں گے اسے ہم ادھر
حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے
تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۱۱۵﴾
جدھر وہ پھرا اور داخل کریں گے ہم اس کو دوزخ میں اور برا ہے وہ ٹھکانہ
حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے

ع ۱۷

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق تھا۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ان لوگوں کی یہ سازشیں اے محبوب آپ کو نقصان دہ نہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ بلکہ

خود ان کو ہی یہ سازشیں مضر ہیں یعنی ان سازشوں کی تصویر کا ایک رخ مضر نہ ہونا پہلے بیان ہوا تھا اب اس تصویر کا دوسرا رخ بیان ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ ان کی سازشیں ان ہی کے لئے وبال ہیں۔ اب اس کی تفصیل فرمائی جارہی ہے کہ طعمہ کو اس حرکت سے یہ نقصان پہنچے گا اور اس کی قوم کے لوگوں کو جو اس فریب میں اس کے مددگار بنے یہ نقصان ہوگا گویا یہ آیت پچھلی آیات کی تفصیل ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ جو آپ کے قدم سے وابستہ ہو جاوے وہ بھی اس فضل سے حصہ پا لیتا ہے اور جو آپ سے الگ رہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے جیسے طعمہ کا حال ہوا۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت اتاری اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جو ان دونوں کی اتباع کرے گا کہ بھلائیوں کا حکم برائیوں سے روکنا لوگوں میں صلح کرانے کا عمل کرے گا وہ ثواب کا مستحق ہوگا جو ان سے روگردانی کرے گا سزا پائے گا۔ گویا پچھلی آیۃ میں کتاب و سنت کا ذکر تھا اب اس پر عمل کرنے کے فوائد اور عمل نہ کرنے کے نقصانات کا ذکر ہے۔

شان نزول

جب حضور انور ﷺ نے اس مذکورہ مقدمہ کا فیصلہ سنایا جس میں یہودی کو بری کر دیا گیا اور طعمہ کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا گیا تو طعمہ حکم عالی سے سرتابی کرتے ہوئے مرتد ہو کر مکہ معظمہ بھاگ گیا کفر و شرک اختیار کر لیا اور مرتد ہو کر مرا اس کے متعلق دوسری آیت کریمہ **وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ** الخ نازل ہوئی (تفسیر خازن، روح البیان، تفسیر کبیر وغیرہ)۔

تفسیر

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ لا نفی جنس ہے جس نے خیر کی مطلقاً نفی کر دی جنس کی نفی جب ہی ہو سکتی ہے۔ جب کہ اس کی ہر نوع ہر فرد کی نفی ہو جاوے۔ خیر سے مراد ہے بہتری دنیا کی ہو یا آخرت کی یعنی ثواب اُخروی بعض مشورے ثواب ہوتے ہیں بعض گناہ بعض نہ تو ثواب نہ گناہ یہاں ثواب والے مشوروں کے مقابل گفتگو ہو رہی ہے اسی لئے **فِيْ كَثِيْرٍ** فرمایا گیا **نجوٰی** **نَجیٰ** سے بنا بمعنی علیحدگی پھر اصطلاح میں ہر مشورے کو نجویٰ کہنے لگے کہ وہ علیحدگی میں کیا جاتا ہے اسی سے ہے مناجات علیحدگی میں مانگی ہوئی دعا **نَجْوٰی** مصدر بھی آتا ہے رب فرماتا ہے۔ **مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ** (مجادلہ:۷) اور مشورے کرنے والوں کی جماعت کو بھی نجویٰ کہا جاتا ہے رب فرماتا ہے **وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى** (الاسراء:۴۷) (تفسیر کبیر و خازن وغیرہ) یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی سرگوشی و مشورہ خفیہ تدبیر سوچنا اور ہو سکتا ہے کہ نجویٰ ناجی کی جمع ہو بمعنی مشورہ کرنے والے (کبیر) جیسے قیام مصدر بھی ہے اور قائم کی جمع بھی رب فرماتا ہے۔ **فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ** (زمر:۶۸) بمعنی **قَائِمِيْنَ**۔ **اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ** ط یہ عبارت **لَا خَيْرَ** سے مستثنیٰ ہے اگر وہاں **نَجْوٰى** ناجی کی جمع تھا تو یہاں کسی لفظ کے پوشیدہ ماننے کی ضرورت نہیں اور اگر وہاں نجویٰ مصدر تھا تو یہاں **مَنْ** سے پہلے **نَجْوٰى** پوشیدہ ہوگا لہٰذا اس عبارت کے دو ترجمہ اور دو تفسیریں ہوں گی صدقہ سے

مراد یا صدقہ واجبہ ہے جیسے زکوٰۃ، فطرہ قربانی اور نذر مانی ہوئی خیرات یا ہر واجب و نفل صدقہ و خیرات دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ معروف ہر نیکی کو کہا جاتا ہے یہاں یا ہر عبادت و معاملات مراد ہیں یا اچھے معاملے مراد جیسے مظلوم کی دادرسی مقروض کی معافی راہ بھولے ہوئے کو ہدایت دینا وغیرہ مالی عبادات کا ذکر بِصَدَقَةٍ میں ہو چکا تو اس سے مراد کوئی نئی چیز ہونی چاہئے جو صدقہ کے علاوہ ہو (کبیر و روح) اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ میں اصلاح سے مراد ہے لڑے ہوؤں کو ملانا صلح کرانا النَّاس سے مراد یا عام مسلمان ہیں یا اسلامی حکومتیں یا مومنین و کفار دونوں کہ کفار کو مسلمان ہو جانے کی رغبت دینا تا کہ وہ مسلمانوں سے رل مل جائیں یا اسلامی حکومت کا کفار کی حکومت سے صلح کرانا اگر اس صلح میں مسلمانوں کا فائدہ ہو۔ حضور نے حضرت عثمان کو صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ معظمہ بھیجا تا کہ مشرکین مکہ اور حضور ﷺ کے درمیان مصالحت کی کوشش کریں یا مسلم حکومتیں اگر لڑ پڑیں تو ان میں صلح صفائی کرانا یا عام مسلمان دو بھائی باپ بیٹے محلہ والے بستی والے جب لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دینا اگرچہ معروف میں یہ بھی داخل تھا مگر چونکہ یہ اصلاح الناس بڑی ہی نیکی ہے۔ جس کے بڑے فضائل ہیں اس لئے ذکر علیحدہ فرمایا۔ دیکھو حضور ﷺ بنی سلمہ میں صلح کرانے تشریف لے گئے واپسی میں اتنی دیر ہوئی کہ آپ کے پیچھے جماعت نماز قائم ہو گئی یعنی ہاں خیر و بھلائی ان لوگوں کے مشورے میں ہے یا خیر و بھلائی ان مشورہ کرنے والوں میں ہے۔ جو اپنے مشوروں میں لوگوں کو صدقہ دینے نیکیوں کا حکم کرنے لڑے ہوؤں کو ملانے کی تدبیریں سوچیں کہ یہ مشورے و سرگوشیاں عبادت ہیں ان کے لئے جمع ہونا عبادت یہ لوگ بڑے ثواب کے مستحق وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ یہ جملہ اس جماعت کے ثواب کا ذکر فرمانے کے لئے ارشاد ہوا مَنْ سے مراد ہر مسلمان ہے ذٰلِکَ سے اشارہ ہے ان ہی مذکورہ مشوروں کی طرف جس کا ذکر ابھی ہوا۔ ابْتِغَآءَ یَفْعَلْ کا مفعول لَهٗ ہے بَغْیٌ سے بنا بمعنی تلاش کرنا چاہنا مرضات رضا کا مبالغہ ہے یعنی جو مسلمان ان نیک کاموں کے لئے مشورے کرے۔ مگر دنیاوی غرض یا سرداری حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ صرف رضاء الٰہی کی طلب کے لئے تو فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا یہ عبارت مَنْ یَّفْعَلْ کی جزا ہے سَوْفَ نے نُؤْتِيْهِ کو بمعنی مستقبل کر دیا اجر عظیم فرما کر بتایا کہ ایسے مشوروں پر اتنا بڑا ثواب ملے گا۔ جو کسی کے بیان میں نہیں آ سکتا اس نیکی کا کچھ نتیجہ دنیا میں مل جاتا ہے کچھ قبر میں کہ ایسے لوگوں کی لوگ خود بخود تعظیم و توقیر کرتے ہیں۔ مرے بعد ان کو دعاء خیر ذکر خیر سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی وفات کے دن ان کے عرس منائے جاتے ہیں اور آخرت میں جو ثواب ملے گا وہ تو ان سب سے کہیں زیادہ ہے چونکہ آخرت آ رہی ہے اور ہر آنے والی چیز قریب ہے اس لئے یہاں سَوْفَ ارشاد ہوا وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ اگرچہ اس آیت کا نزول طعمہ ابن ابیرق کے متعلق ہوا۔ جو کلمہ پڑھ کر حضور کی بارگاہ میں عرصہ تک حاضر ہوتا رہا پھر مرتد ہو گیا مگر اس سے مراد ہر انسان ہے کیونکہ الفاظ کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ صرف خصوصی شان نزول کا ممکن ہے کہ یہاں مَنْ سے مراد ہر جن وانس و فرشتہ ہو کیونکہ حضور کی مخالفت سب ہی کے لئے عذاب کا باعث ہے۔ ساری عبادات سب پر فرض

نہیں حائضہ عورت پر نماز مسافر وزیادہ بوڑھے پر روزہ غریب آدمی پر زکوٰۃ وحج فرض نہیں مگر اطاعت رسول کے حکم سے کوئی علیحدہ نہیں اس لئے مَــنْ عام فرمایا گیا نیز ساری عبادات کیلئے وقت مقرر ہیں۔ نماز دن میں پانچ بار روزہ وزکوٰۃ سال میں ایک بار حج عمر میں ایک دفعہ مگر اطاعت رسول ہر وقت واجب ضروری جیسے کھانے پینے سونے کے لئے وقت مقرر ہیں مگر سانس ہر وقت لی جاتی ہے نیز ساری عبادات مرتے ہی ختم حضور کی غلامی برزخ وجنت میں بھی رہے گی۔ دیکھو اعمال کا حساب قیامت کے دن ہوگا۔ مگر حضور کی پہچان کا حساب قبر میں ہی ہوجاتا ہے۔ اس لئے مَــنْ فرمایا گیا۔ **یُشَـاقِقْ شَقٌّ** سے بنا بمعنی کنارہ وجانب مخالفت کو شقاق اسلیئے کہتے ہیں کہ مخالف فریق دوم سے علیحدہ کنارہ ہوتا جاتا ہے اس سے ٹوٹ کر الگ ہو جاتا ہے مشورہ کے وقت حضور سے اختلاف رائے جائز ہے جیسا کہ جنگ احد میں صحابہ نے کہا اپنے کو گنہگار سمجھتے ہوئے نافرمانی کرنا گناہ ہے جس سے انسان کافر نہیں ہوتا مگر مخالفت رسول کفر ہے کہ ان کے کسی قول یا فعل کو برا سمجھنا۔ اختلاف رائے۔ نافرمانی اور مخالفت کا فرق دھیان میں رہے مشورہ کے وقت فرشتوں نے خلافت کے مسئلہ میں رب سے اختلاف رائے کا اظہار کیا گنہگار نہ ہوئے۔ مگر حکم سجدہ کے وقت شیطان نے رب کی مخالفت کی لعنتی ہوگیا۔ **اَلــرَّسُــوْلَ** سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ مخالفت اگرچہ فعلی قولی ہر مخالفت کو کہا جاتا ہے۔ مگر یہاں وہ مخالفت مراد ہے جو باعث ارتداد ہو گنہگار مسلمان اگرچہ حضور کے مخالف اعمال کر لیتا ہے مگر اپنے کو گنہگار جاننے کی وجہ سے مرتد نہیں ہوتا حضور کے قدم سے وابستہ رہتا ہے۔ **مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى** اس کا تعلق **یُشَاقِقِ** سے ہے۔ **هُــدٰى** سے مراد توحید وعقائد اسلامیہ اور حضور کے صفات عالیہ ہیں کیونکہ حضور کے صفات ہی اصل ہدایت ہیں جس نے حضور کے صفات مان لئے اس نے تمام عقائد کو مان لیا۔ **تَبَیَّــنَ** سے مراد ہے دلائل معجزات وغیرہ کے ذریعہ اسلامی عقائد کی حقانیت معلوم ہو جانا اگرچہ مطلقاً کفر وشرک جرم ہے مگر اسلام کی حقانیت سے واقف ہو چکنے دلائل اسلام معلوم کر لینے کے بعد مرتد ہونا بہت سخت جرم نیز حضور ﷺ سے ذاتی دشمنی سخت جرم ہے۔ خیال رہے کہ جیسے محبت کبھی طبعی ہوتی ہے کبھی عقلی ایسے ہی عداوت طبعی بھی ہوتی ہے عقلی بھی وعارضی عداوت والے کو ایمان مل سکتا ہے مگر طبعی عداوت والے کو ایمان ہرگز نہیں مل سکتا۔ حضرت عمر حضور کو شہید کرنے گئے تھے مگر ایمان مل گیا کہ ان کی مخالفت عارضی تھی۔ ابو جہل کو ایمان نہ ملا کی اس کی عداوت ذاتی واصلی تھی۔ یہاں اس کی قید لگائی گئی یعنی جو شخص اسلام کی حقانیت معلوم کر لینے کے بعد پھر رسول اللہ ﷺ کے مخالف ہو کر مرتد ہو جاوے۔ **وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ** یہ جملہ یا تو **یُشَاقِقِ** کا ہی بیان ہے یا ارتداد کی دوسری صورت ہے یعنی وہ مسلمانوں کی راہ کے سواء دوسرا راستہ اختیار کرے کہ مسلمان تو موحد ہیں یہ مشرک بت پرست ہو جاوے مسلمان تو مومن ہیں یہ کافر ہو جاوے یا یہ مرتد اپنے کو مسلمان ہی کہتا رہے مگر اسلام میں وہ راستہ اختیار کرے جو مسلمانوں کے راہ کے خلاف ہے مثلاً کہے حضور آخری نبی نہیں آپ کے بعد اور نبی آسکتے ہیں یا کہے کہ یہ موجدہ قرآن مکمل نہیں اس کا کچھ حصہ صحابہ نے چھپا لیا یا کہے کہ پانچ نمازیں فرض نہیں صرف دو

نمازیں ہیں یا کہے کہ نماز ظہر دو رکعت فرض ہے کہ یہ تمام باتیں عام مسلمانوں کے عقائد کے خلاف ہیں یعنی مسلمانوں کی راہ کے علاوہ اور کوئی راستہ اختیار کرے خیال رہے کہ مخالفت رسول علیحدہ مستقل کفر ہے اور اجماع مسلمین کی مخالفت علیحدہ مستقل کفر ہے چونکہ یہ دونوں چیزیں تا قیامت کفر کی جڑیں ہیں اس لئے رب تعالیٰ نے انہیں علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا اور ان دونوں حرکتوں کو یکساں کفر قرار دیا۔ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ یہ عبارت مَنْ کی جزاء ہے جس میں ارتداد کی دو سزاؤں کا ذکر ہوا ایک دنیاوی دوسری اخروی نولی بنا ہے تولیۃٌ سے بمعنی والی بنا دینا یہاں مراد ہے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دینا اس کی دستگیری نہ فرمانا خود اسے اس کے اپنے اعمال کا ذمہ دار کر دینا مَاتولّی مفعول دوم ہے نولہ کا اور مَا سے مراد وہ عقائد و اعمال ہیں۔ جو اس مرتد نے اپنے رائے سے اختیار کر لئے یہ تو اس کا دنیاوی عذاب ہوا اور اخروی عذاب یہ ہے کہ نُصْلِهٖ جہنم دوزخ میں پہچانے سے مراد ہے بعد قیامت وہاں پہنچنا کیونکہ کافر کی قبر میں دوزخ کی تپش وغیرہ آتی ہے وہ خود ابھی وہاں نہیں پہنچتا یعنی ہم اس کو دنیا میں اسکے حال پر چھوڑ دیں گے جدھر جائے گا ادھر ہی اسے جانے دیں گے اس کی دستگیری و رہبری نہ کریں گے۔ چرواہے کی حفاظت سے نکل کر ریوڑ سے الگ ہو جانے والی بکری اپنی خود ذمہ دار ہے بہت جلد شکار ہو جاوے گی پھر اسے دوزخ میں داخل کریں گے اللہ کی پناہ۔ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا یہ دوزخ کی حالت کا بیان ہے مَصِيْر کے معنی ہیں رجوع کرنے لوٹنے کی جگہ یعنی دوزخ بہت برا ٹھکانا ہے اس سے بچو دنیا میں وہ راہ اختیار نہ کرو، جو دوزخ تک پہنچا دے۔

خلاصہ تفسیر

پچھلی آیت کے آخر میں بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے آستانہ کو فضل و رحمت کا ڈپو و مرکز بنایا ہے جیسے سمندر پانی کا مرکز ہے سورج روشنی کا مرکز کھیت باغ دانہ و پھل کا مرکز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ سے دنیا کو فضل و رحمت ملتا ہے اب بتایا جا رہا ہے کہ اس مرکز سے فضل و رحمت کون لے سکتا ہے کون نہیں لے سکتا۔ اگر چہ کنویں سے پانی ملتا ہے مگر اسے جو رسی ڈول گھڑا وغیرہ رکھتا ہو ایسے ہی حضور سے فضل ملتا ہے۔ مگر اسے جو عقیدہ اتباع سنت کے برتن رکھتا ہو چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب (ﷺ) اس منافق طعمہ اور اس کے حمایتیوں کی بہت سی تدبیروں سرگوشیوں مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ان میں سخت برائی ہے کہ وہ بری باتوں کے مشورہ کرتے ہیں۔ مجرم کو چھڑانے بے قصور کو پھنسانے آپ سے غلط فیصلہ صادر کرانے کی تدبیریں سوچتے ہیں۔ لَا خَيْرَ میں جنس خیر کی نفی فرما کر دنیا برزخ آخرت کی تمام خیروں کی نفی کر دی یوں ہی بلا واسطہ اور بالواسطہ خیر کی نفی کر دی۔ مشورے ان کے فائدہ مند ہیں، جو صدقہ دینے صدقہ دلانے اچھے کام کرنے اچھے کام کرانے اور لڑے ہوئے لوگوں میں صلح کرانے کی تدبیریں سوچنے کے لئے کئے جاویں ایسے مشورہ مبارک ہیں مشورہ کرنے والے اللہ کے مقبول ان کی مجلسیں عبادت ہیں۔ جو کوئی اسی قسم کے مشورہ نام نمود دکھلاوے عزت حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ رب تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کرے ہم اس کو دنیا میں ... آخرت میں بہت ... ثواب عطا فرمائیں گے کہ دنیا والوں کے

دلوں میں اس کی عزت قائم کریں بعد موت اس کا ذکر خیر قائم رکھیں گے بعد قیامت اس کو جنت کا اعلیٰ درجہ عطا کریں گے۔خیال رہے کہ جیسے بارش سے بلاواسطہ خیر بھی ملتی ہے اور بالواسطہ خیر بھی حاصل ہوتی ہے پانی تالاب بلاواسطہ خیر ہے اور پھل پھول بواسطۂ باغ کی خیر ہے۔ دانہ غلہ بواسطہ کھیت خیر ہے کہ یہ سب کچھ بارش کا ہی فیض ہے۔ اسی طرح حدیث وقرآن حضور کا بلاواسطہ فیض ہے اور مشائخ وعلماء کے فیوض حضور کے بالواسطہ فیض ہیں۔ یہ دونوں قسم کے فیض انہی کو ملیں گے۔ جن کی خلوت وجلوت تنہائی اور جلسے حضور کے زیر فرمان ہوں اور جو شخص اس رسول اللہ ﷺ کے خلاف چلے کہ عقائد واعمال ان کے مخالف اختیار کرے کھلا کافر بن جاوے ایسے ہی جو شخص عام مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرے اسلام میں رخنہ اندازی کرے اس کو دنیا میں تو یہ سزا ملے گی کہ ہم اس کی دستگیری چھوڑ دیں گے جدھر چلے گا اسے جانے دیں گے جس کی دستگیری ہم چھوڑ دیں پھر اس کی راہ پر آنے کی کیا صورت ہے اور آخرت میں یہ سزا دیں گے کہ اسے دوزخ میں داخل کریں گے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور دوزخ تو بڑا برا ٹھکانہ ہے اس سے بچنا چاہیے چونکہ طعمہ نے اس موقعہ پر حضور ہی کے فیصلے کو غلط کہا تھا قرآن کے خلاف بتایا تھا اس لئے یہاں صرف رسول کی مخالفت کا ذکر ہوا جو قرآن کی آڑ میں حضور کی مخالفت کرے وہ ابوجہل کے برابر سزا کا مستحق ہے خیال رہے کہ ایمانی عقائد میں نبوت ایسی ہے جیسے درخت کیلئے جڑ، مکان کیلئے بنیاد اور گاڑی کیلئے دھرا کہ نبی کی مخالفت سے توحید وغیرہ سارے ایمانیات محض بیکار ہیں۔ شیطان سارے عقائد کو مانتا ہے صرف نبوت کا انکاری ہے تو کفر کا مرکز بن گیا تمام آسمانی دین یہودیت عیسائیت وغیرہ مختلف دین ہیں۔ صرف اس لئے کہ ان کے نبی مختلف ہیں ورنہ سب دین والوں کا خدا وجبریل ایک ہی ہے اسی طرح سب قیامت جنت دوزخ کو یکساں مانتے ہیں۔ معلوم ہوا نبی بدل جانے سے دین بدل جاتا ہے مدار ایمان توحید وغیرہ نہیں صرف نبوت ہے ان وجوہ سے یہاں يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ فرمایا گیا۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: مشورے تین قسم کے ہیں جائز ثواب اور حرام دنیاوی کاروبار کے لئے مشورے جائز ہیں۔ خدمت دین خدمت مسلمین کے لئے مشورے ثواب اور بہتر ہیں۔ اسلام کے خلاف یا مسلمانوں کو نقصان دینے کے لئے مشورے حرام ہیں۔ جیسا کہ **لَاخَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ** الخ سے معلوم ہوا ان مشوروں میں حکومتوں کی کانفرنسیں، اسمبلیوں کے اجلاس قومی پنچائتیں خانگی امور میں مشورے سب شامل ہیں۔ یہ سب اگر نیک کاموں کیلئے ہیں تو اچھے ہیں ورنہ برے۔ یہ آیت بہت چیزوں کو اپنے میں لئے ہوئے ہے۔ **دوسرا فائدہ**: بچھڑوں کو ملانا لڑے ہوؤں میں صلح کرانا بہترین عمل ہے جس کا بڑا ثواب ہے۔ دیکھو معروف میں ساری نیکیاں آگئی تھیں مگر پھر خصوصیت سے اِصْلَاحٌ بَيْنَ النَّاسِ کا ذکر فرمایا ترمذی وابوداؤد نے حضرت ابوالدرداء سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو روزے، نماز، صدقہ سے افضل ہے عرض کیا گیا ہاں ضرور بتایئے فرمایا وہ لڑے ہوؤں کو ملانا ہے۔ ترمذی میں یہ بھی ہے

کہ فرمایا لوگوں کو لڑانا دین کی حجامت کر دیتا ہے جس سے دین ختم ہو جاتا ہے۔ مسلم بخاری نے ام مکتوم بنت عقبہ ابن ابی معیط سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جھوٹا وہ شخص نہیں جو لڑے ہوئے میں صلح کرادے مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے تین موقعہ پر خلافت واقعہ بات کہنے کی اجازت دی جنگ و جہاد کی حالت میں، لوگوں میں صلح کرانے کے لئے اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لئے (تفسیر خازن)۔ **تیسرا فائدہ**: ہر نیکی کا ثواب اخلاص سے ملتا ہے ریاکار کی نیکی بے مغز کا بادام ہے جس کی کوئی قیمت نہیں یہ فائدہ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللہِ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: جسے اسلام کی تبلیغ نہ پہنچی ہو اس پر شرعی احکام لازم نہیں اس کے لئے عقیدہ توحید ہی نجات کا ذریعہ ہے یہ فائدہ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ الخ سے حاصل ہوا کہ نبی کی مخالفت عذاب کا باعث ہے بے خبری میں مخالفت نہیں ہوتی۔ جس بدبخت کو حضور سے ذاتی عناد ہو جاوے وہ کبھی ہدایت پر نہیں آسکتا جو غلط فہمی میں حضور کا مخالف ہوا سے ایمان نصیب ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر کو ایمان عرفان سب کچھ میسر ہو گیا مگر ابو جہل بے ایمان ہی رہا ذاتی عناد والوں کے لئے ارشاد ہے لَا يُؤْمِنُوْنَ (یٰس:۷؛ بقرہ:۶)۔ **پانچواں فائدہ**: رسول اللہ ﷺ کی عقیدہ میں مخالفت کفر ہے اعمال میں مخالفت فسق یہاں مخالفت فی العقیدہ مراد جیسا کہ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: حضور ﷺ معصوم ہیں کہ آپ سے گناہ سرزد ہو سکتا ہی نہیں کیونکہ گنہگار کی مخالفت واجب ہوتی ہے مگر یہاں حضور کی مطلقاً مخالفت کو جرم قرار دیا گیا اگر حضور سے گناہ کا صدور ہوتا تو کہا جاتا کہ اگر وہ گناہ کریں تو ان کی مخالفت کرنا غیر ممنوع باتوں میں ان کی اطاعت کرنا مگر یہاں حضور کی مخالفت کو قطعاً جرم قرار دیا (کبیر)۔ **ساتواں فائدہ**: حضور کے افعال واقوال سب میں حضور کی پیروی چاہئے جیسا کہ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ کے اطلاق سے معلوم ہوا (کبیر)۔ **آٹھواں فائدہ**: عالم کا گناہ جاہل کے گناہ سے سخت تر ہے کہ وہ جان بوجھ کر جرم کرتا ہے۔ جیسا کہ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ**: شرعی مسائل دلائل سے معلوم کرنے چاہئیں نہ کہ محض اپنی رائے سے یہ فائدہ بھی تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى سے حاصل ہوا (کبیر) اگر سب مسلمان عاشق، جانباز بن جاویں تو دین کو کون سنبھالے دین علماء سے قائم ہے۔ **دسواں فائدہ**: اجماع امت دلیل قطعی ہے اس کا انکار ویسا ہی کفر ہے جیسے حضور ﷺ کی مخالفت کفر ہے یہ فائدہ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے مخالفت رسول اور مخالفت اجماع دونوں کی سزا جہنم قرار دی لہٰذا خلافت صدیق وفاروق کا منکر قطعی کافر ہے کہ وہ اجماع صحابہ کا انکاری ہے۔ **لطیفہ**: کسی نے حضرت امام شافعی سے سوال کیا کہ حجیت اجماع پر کوئی قرآنی آیات پیش کیجئے آپ نے تین سو بار مکمل قرآن کی تلاوت فرمائی آخر میں آپ کی نظر اس آیت پر پڑی اور آپ نے یہ آیت پیش فرمائی (تفسیر کبیر، روح المعانی، خازن وغیرہ)۔ **گیارھواں فائدہ**: تقلید ائمہ ضروری ہے کیونکہ ضروری ہے کیونکہ یہ عام مسلمانوں کا راستہ ہے۔ تمام اولیاء علماء محدثین مفسرین مقلد ہوئے ان کی مخالفت کر کے غیر مقلد بننا

مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راہ اختیار کرنا ہے اور اس آیت کے تحت داخل ہے۔ **بارھواں فائدہ**: اسی طرح میلاد شریف ختم بزرگان فاتحہ تمام امور خیر عام مسلمانوں کا راستہ ہے اسے حرام کہنا اس راستہ کو چھوڑنا ہے سرکار فرماتے ہیں۔ جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ **تیرھواں فائدہ**: حضور کی مخالفت کرنے والا مسلمانوں کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ چلنے والا مشکل سے ہی ہدایت پر آتا ہے اسے ہدایت نصیب نہیں ہوتی کیونکہ رحمت خداندی اسکی دستگیری چھوڑ دیتی ہے وہ اس کی بکری کی طرح ہے جو ریوڑ سے دور مالک کی حفاظت سے علیحدہ ہو جاوے اسے خدا ہی لائے تو ریوڑ میں آئے ورنہ وہ کسی شکاری کی شکار ہو گی یہ فائدہ نُوَلِّہٖ مَاتَوَلّٰی سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی جماعت میں رکھے۔ **چودھواں فائدہ**: ہمیشہ وہ ہی عقائد رکھو جو آج تک عام مسلمانوں کے ہیں عام اہل اسلام خلاف عقیدہ اختیار نہ کرو لہٰذا نمازیں پانچ ہی فرض مانو حضور کو آخری نبی مانو موجودہ قرآن کو مکمل کتاب اللہ مانو صحابہ کرام کو برحق مانو حضور کو شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین مانو کہ یہ ہی مسلمانوں کے عقیدے ہیں۔ **پندرھواں فائدہ**: دنیا میں اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ انسان کو بے سایہ کر دیا جاوے جیسے انسان جسمانی زندگی میں ہمیشہ کسی سایہ کا حاجت مند ہے کہ پیدا ہوتے ہی ماں کی تربیت ہوش سنبھالتے ہی باپ کی تربیت کچھ آگے چل کر استاد کی تعلیم وہاں سے فارغ ہونے پر حکومت کا سایہ ضروری ہے اگر یہ سائے نہ ہوں تو اس کی زندگی برباد ہو جاوے یوں ہی روحانی زندگی میں دینی عالم شیخ اور حضور ﷺ کا سایہ لازمی ہے اگر کوئی ان کے سایہ سے نکل جاوے تو ایسے کام کرے گا جو شیطان بھی نہ کر سکے نُوَلِّہٖ مَاتَوَلّٰی کا مطلب یہ ہی ہے کہ اسے بے سایہ کر دیا جائے گا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں خصوصیت سے تین چیزوں کا ذکر کیوں فرمایا صدقہ، اچھائی کا حکم دینا لوگوں میں صلح کرانا اور نیکیوں کا ذکر کیوں نہ فرمایا۔ **جواب**: اس لئے کہ یہ تین چیزیں تمام نیکیوں کی جڑ ہیں کیونکہ نیکی و بھلائی دو قسم کی ہیں دوسروں کو نفع پہنچانا اور دوسروں کو نقصان سے بچانا نفع جسمانی بھی ہوتا ہے اور روحانی بھی صدقہ نفع جسمانی ہے بھلائی کا حکم دینا نفع روحانی اور لڑوں کو ملانا نقصان سے بچانا ہے ان تین چیزوں میں تمام بھلائیاں آ گئیں (تفسیر کبیر)۔

دوسرا اعتراض: اسکی کیا وجہ ہے کہ یہاں فرمایا گیا مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ دو قافوں میں ادغام نہ کیا گیا اور سورہ حشر میں فرمایا گیا مَنْ یُّشَآقِّ اللّٰهَ (حشر:۴) قاف کے ادغام سے۔ **جواب**: اس لئے کہ لفظ اللہ کے لئے الف لام لازم ہے اور الرسول کیلئے لازم نہیں اور لزوم لام ثقل کا سبب ہے اس لئے اللہ کے ساتھ قافوں کا ادغام رکھا گیا تاکہ اس خفت سے اس ثقل کا ہلکا کر دیا جاوے یہاں چونکہ لام لازم نہیں تو ادغام کی خفت ضروری نہیں (تفسیر روح المعانی)۔

تیسرا اعتراض: سورہ انفال میں ہے۔ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (انفال:۱۳) وہاں لفظ اللہ کے ساتھ بھی ادغام دور کر دیا گیا کیا وجہ ہے۔ **جواب**: اس لئے کہ وہاں اللہ کے نام کے ساتھ الرسول بھی ہے۔ جس کے

لئے لام لازم نہیں۔ وہاں اس خفت سے فائدہ حاصل فرمایا گیا (روح المعانی)۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص حضور کی بھی مخالفت کرے اور اجماع کی بھی وہ دوزخی ہے لہٰذا صرف اجماع کا منکر دوزخی نہ ہونا چاہئے کہ حضور کی مخالفت تو نہیں کر رہا ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر جو شخص صرف حضور کی مخالفت کرے وہ بھی گنہگار نہ ہو کیونکہ دو کی مخالفت پر دوزخ کی وعید ہے وہ صرف ایک کی مخالفت کر رہا ہے تو چاہئے کہ ابوجہل ابولہب وغیرہ مجرم نہ ہوں کہ انہوں نے صرف حضور کی مخالفت کی تھی اجماع کی مخالفت نہ کی تھی کہ حضور کے زمانہ میں اجماع مومنین منعقد نہیں ہو سکتا اجماع بعد کی چیز ہے کہ اجماع غیر منصوص پر ہوتا ہے اور اس زمانہ میں حضور حیات ہیں ہر مسئلہ سرکار سے پوچھا جا سکتا ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں واؤ افرادی جمع کے لئے ہے نہ کہ مجموعی جمع کے لئے یعنی ان دونوں چیزوں پر علیحدہ علیحدہ دوزخ کی وعید ہے نہ کہ دونوں کے مجموعہ پر لہٰذا مخالف رسول بھی دوزخی ہے اور مخالف اجماع بھی دوزخی۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس پر ہدایت ظاہر ہو جاوے اگر وہ شخص رسول کی مخالفت یا اجماع کے خلاف کرے وہ دوزخی ہے تو کیا جس پر ہدایت ظاہر نہ ہوئی ہو مخالفت رسول کرے وہ دوزخی نہیں اگر ایسا ہے تو ابوجہل ابولہب وغیرہ دوزخی نہ ہونے چاہئیں کہ ان پر ہدایت ظاہر نہ ہوئی تھی۔ انہوں نے اس بے علمی میں حضور کی مخالفت کی تھی۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب تفسیر سے معلوم ہو گئے ایک یہ کہ جس شخص تک نبوت کا نور نہ پہنچا ہو اسے کسی نبی کی تشریف آوری کی خبر ہی نہ ہوئی۔ اس کو عنداللہ معذور مانا جاوے گا ان کی نجات کے لئے صرف عقیدہ توحید کافی ہے۔ جیسے حضور کے والدین کریمین یا اس زمانہ کے اور موحدین جسے نبوت رسول کی خبر پہنچی پھر وہ مخالف رہا وہ دوزخی ہے دوسرے یہ کہ بے علم کا گناہ ہلکا ہے عالم کا گناہ بھاری یہاں سخت سزا کا ذکر ہے کہ وہ اس کو ہوگی جو علم ہدایت پہنچنے کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یا اجماع کی مخالفت کرے۔

چھٹا اعتراض: اس آیت میں حضور کو رسول کیوں فرمایا وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ نبی یا مزمل وغیرہ کیوں نہ کہا۔ **جواب:** اس لئے کہ رسول کے معنی ہیں فیضان رساں جیسے گھر میں بجلی کا فٹنگ ہوتا ہے اور پاور ہاؤس میں پاور بنتا ہے تو پاور ہاؤس سے گھر تک پاور کا پہنچانا درمیانی تار کا کام جس کا ایک کنارہ پاور ہاؤس سے وابستہ ہے دوسرا ہمارے گھر سے اگر یہ تار کٹ جاوے تو سارا فٹنگ بیکار ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام نعمتیں بنائیں۔ حضور نے پہنچائیں اگر حضور سے ہی کٹ جاوے تو اس کی ساری عبادات بیکار ہیں رسول سے مخالفت گویا اس تار سے علیحدگی ہے اس لئے کلمہ میں حضور کو رسول اللہ فرمایا ہے نبی اللہ نہیں کہا قرآن کریم میں بھی جہاں جہاں گواہی بشارت و نذارت کا ذکر ہے وہاں حضور کو نبی کہا ہے يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا (احزاب: ۴۵) اور جہاں اطاعت یا بھیجنے کا ذکر ہے وہاں رسول کہا لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ (توبہ: ۱۲۸) اور اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (النساء: ۵۹) وغیرہ کیونکہ نبی

کے معنی ہیں فرمان رساں اور رسول کے معنی ہیں فیضان رساں فرمان اور فیضان کے فرق کا خیال رکھو۔

تفسیر صوفیانہ

رب تعالیٰ نے ہم کو ظاہری و باطنی بہت سے اعضاء دیئے ہیں اور ہر عضو کے گناہ بھی بہت ہیں نیکیاں بھی بہت دماغ کا کام ہے سوچنا یہ سوچنا گناہ بھی ہے عبادت بھی تنہائی میں سوچنے کا نام فکر ہے اور جماعت میں سوچنے کا نام نجویٰ (مشورہ) قرآن کریم نے رب کی صفت حضور کی صفات سوچنے کا حکم دیا کہ فرمایا وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (آل عمران:۱۹۱) حضور کی صفات سوچنے کی تاکید فرمائی کہ فرمایا اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا مَابِصَاحِبِهِمْ مِنْ جِنَّةٍ (اعراف:۱۸۴) ایک ساعت کی فکر ہزار برس کے ذکر سے افضل ہے نجویٰ کا بھی حکم دیا یہ آیت ان آیات میں سے ایک ہے جن میں نجویٰ کی برائی بھی کی گئی اور تعریف بھی اچھی نیت کی میٹنگ اچھی ہے بری نیت کی کمیٹی بری۔ دنیا کی ہر چیز زہر ہے اللہ رسول کی اطاعت اس کا تریاق دنیا کی کمیٹیاں مشورے مجلسیں اگر اطاعت اللہ و رسول کے ماتحت نہیں وہ سب وبال ہیں جن کا انجام برا ہے اور جن مشوروں کمیٹیوں میں اطاعت اللہ و رسول ہو وہ اللہ کی رحمت ہیں اخلاص جڑ ہے اعمال شاخیں بغیر جڑ کے صرف شاخوں سے پھل نہیں ملتا ایسے ہی بغیر اخلاص عمل میں ثواب یا قبولیت کا پھل نہیں لگتا اس لئے یہاں فرمایا گیا اِبْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ کہ مومن جو کام بھی کرے رضاء الٰہی کی تلاش کے لئے کرے ریا کار پروردگار سے جزاء نہیں مانگ سکتا کہ وہ کام تو کرتا ہے دنیا والوں کے لئے جزاء خدا سے کیسے چاہے جس کا کام کرے اسی سے مزدوری لے شیخ سعدی قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا۔

گرت بیخ اخلاص در بوم نیست	ازیں در کسے چوں تو محروم نیست
زعمرو اے پسر چشم اجرت مدار	چو در خانۂ زید باشی بکار!

اللہ رسول کی مزدوری کروان سے مزدوری ملے گی اللہ تعالیٰ اخلاص نصیب کرے اخلاص بھی اسی کے کرم سے ملتا ہے مخلص کے لئے وعدہ ہے کہ ہم اسے اجر عظیم دیں گے صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس وشیطان سے مشورے نہ کروان کے مشوروں میں خیر نہیں وہ تو برائیوں کا ہی مشورہ دیں گے بلکہ اللہ رسول سے مشورے کرو کہ وہ تم کو صدقات خیرات اچھے کام اور اصلاح کا مشورہ دیں گے خواہ فرشتہ کے ذریعہ یا بلاواسطہ الہام فرما کر کبھی الہام کا شعور بندے کو نہیں ہوتا کبھی ہو جاتا ہے جب دل میں اچھا ارادہ پیدا ہو تو سمجھو کہ یہ اللہ رسول کی طرف سے ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا بھیڑیوں کا جنگل ہے ہم لوگ بھولی بھیڑیں ہیں مسلمانوں کی جماعت ہمارا گلہ ہے حضور ﷺ ہمارے محافظ شریعت اسلامیہ ہماری پناہ گاہ جب تک ہم حضور کی حفاظت میں اسلام کی پناہ میں مسلمانوں کے گلہ میں رہیں گے ان شکاری بھیڑیوں سے محفوظ رہیں گے اور جب ان سے علیحدہ ہوئے شکار بن جائیں گے اور جہنم میں جائیں گے خود ہمارا نفس ہمارے لئے اندرونی بھیڑیا ہے اور شیطان بیرونی شیر جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہماری تاک میں لگے ہیں۔ ان کے سواء برے یار بے دین عالم بے ایمان پیر فقیر

ہزاروں دشمن ہیں۔ ہم اکیلے شکاری بہت۔ اللہ اس جنگل سے بخیریت نکالے اسی لئے یہاں ارشاد ہوا کہ جو رسول کی مخالفت کرے مسلمانوں کی راہ کے سواء اور راہ اختیار کرے اسے ہم اسی راہ پر چھوڑ دیں گے پھر دوزخ میں پہنچائیں گے قرآن کریم نے یہ ایسا عمل بتایا ہے جس سے ہم ہر بے دینی سے بچ سکتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کے نام جگہ اور مقام کے لحاظ سے ہوتے ہیں ایک شخص کچہری میں حاکم ہے قاضی ہے اور مسجد میں نمازی کہلاتا ہے گھر پہنچ کر اسے بچے ابا جی کہہ کر پکارتے ہیں ایسے ہی حضور دنیا میں آئے تو نبی ہیں رسول ہیں قرآن نے انہیں ان ہی ناموں سے پکارا مگر جب معراج میں گئے تو عبدہ کے نام سے پکارے گئے سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ (الاسراء:۱) چونکہ مخالفت کا ذکر تھا اور حضور کے مخالفوں کے عذاب کا تذکرہ اسلئے انہیں رسول فرمایا مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ دنیا حضور کا دفتر ہے وہ عالم حضور کا اپنا گھر خیال رکھو کہ رسول سے جس کو ذاتی عناد ہو گا وہ کبھی ہدایت پر نہیں آسکتا عارضی عناد والے کو ہدایت مل سکتی ہے گیلی لکڑی سے تری نکل جاوے وہ آگ میں جل سکتی ہے پتھر کیا جلے عارضی عناد والوں کا عناد اچھی صحبت قرآن کی تلاوت وغیرہ سے دور ہو سکتا ہے حضرت عمر قرآن کی سورت سن کر تڑپ گئے وہ عناد کی رطوبت نکل گئی مومن ہو گئے شعر:

نمی دانی کہ سوز قرأت تو — مبدل کرد تقدیر عمر را!

اس لئے فرمایا مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی ۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ

بے شک اللہ نہیں بخشتا یہ کہ کفر کیا جاوے اس کے ساتھ اور بخش دے گا اس سے کم جسے

اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جاوے اور اس کے نیچے جسے چاہے معاف فرما

یَّشَآءُ ؕ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ

چاہے گا اور جس نے کفر کیا اللہ کا پس بے شک وہ گمراہ ہوا دور کی گمراہی۔ نہیں

دیتا ہے اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں پڑا۔ یہ شرک

یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ﴿۱۱۷﴾ لا

عبادت کرتے وہ اللہ کے سواء مگر عورتوں کی اور نہیں عبادت کرتے مگر سرکش شیطان کی

والے اللہ کے سواء نہیں پوجتے مگر عورتوں کو اور نہیں پوجتے مگر سرکش شیطان کو

لَّعَنَہُ اللّٰہُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِکَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ لا

اللہ نے اسے پھٹکار دیا اور وہ بولا کہ میں لوں گا تیرے بندوں میں سے حصہ علیحدہ کیا ہوا

جس پر اللہ نے لعنت کی اور بولا قسم ہے میں ضرور تیرے بندوں میں سے کچھ ٹھہرایا ہوا حصہ لوں گا

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں غلط مشورے کرنے کا بھی ذکر ہوا تھا اور حضور کی مخالفت کا بھی اب ارشاد ہو رہا ہے کہ غلط و ناجائز مشورے قابل معافی گناہ ہیں کہ یہ فسق ہیں مگر ہمارے رسول کی مخالفت ناقابل معافی گناہ ہے کہ یہ شرک یعنی کفر ہے گویا پہلے گناہوں کا ذکر تھا اب ان کے درجوں کا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں مخالفت رسول کی سزا کا ذکر تھا اب فرمایا جارہا ہے کہ مخالف رسول کو یہ سزا ضرور ملے گی اسے بخشا نہ جائے گا کہ یہ جرم قابل معافی نہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ رسول کی مخالفت اجماع مسلمین سے علیحدگی اختیار کرنے والا دوزخ کے قابل ہے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ ایسا آدمی شیطان کا پجاری ہے اور شیطان کا پجاری وہاں ہی جائے گا جہاں شیطان جاوے گا۔

شان نزول

سیدنا عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک بوڑھا آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا بولا یا رسول اللہ میں عمر بھر گناہوں میں گرفتار رہا مگر جب سے میں اللہ پر ایمان لایا میں نے اس کا کوئی شریک نہیں ٹھہرایا اور میں نے گناہ کیے مگر اللہ پر دلیری کر کے نہ کیے بلکہ غلطی سے کیے کبھی میرے دل میں یہ وہم بھی نہ گزرا کہ میں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بھاگ سکتا ہوں میں اب توبہ کرتا ہوں اپنے گناہوں پر نادم ہوں فرمایا جاوے میرا کیا حال ہوگا اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں اس کی مغفرت کی بشارت دی گئی (تفسیر خازن، روح البیان، روح المعانی، بیضاوی وغیرہ)۔

تفسیر

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی گویا دلیل ہے پہلے ارشاد ہوا تھا کہ جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے اور اجماع امت کے خلاف چلے وہ دوزخی ہے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ حرکت کفر ہے اور کفر ناقابل معافی گناہ چونکہ اہل عرب عموماً شرک کے عادی تھے ان سے شرک چھوڑانا بڑا اہم تھا اور مسلمان اس آیت میں دھوکہ کھا سکتے تھے اس لئے اسے اِنَّ سے شروع فرمایا گیا نیز چونکہ کوئی کہہ سکتا تھا کہ اتنے بڑے بڑے گناہ کیسے بخشے جا سکتے ہیں کہ سواء کفر کے باقی سارے گناہ عمر بھر کی بدکاریاں پل بھر میں معاف ہو جاویں لہٰذا اِنَّ فرما کر یہ وہم دور کر دیا گیا کہ یہ بخشش شک کے لائق نہیں گنہگار، گندے ہیں رب کی رحمت سمندر گندے آدمی کے غسل کرنے سے سمندر ناپاک نہیں ہوتا البتہ گندا پاک ہو جاتا ہے۔ مشرک نجس العین ہے۔ جیسے گوبر وہ اس سمندر سے بھی پاک نہیں ہو سکتا بہر حال اِنَّ فرمانے میں بہت حکمتیں ہیں۔ **لَا یَغْفِرُ** استقبال کیلئے ہے یعنی قیامت میں نہ بخشے گا دنیا میں جو مشرک توبہ کر لے اسے بخش دیتا ہے **یُّشْرَکَ بِہٖ** سے مراد ہے **یُّکْفَرَ بِہٖ** شرک بمعنی کفر ہے نوع بول کر جنس مراد لی گئی یا جز فرما کر کل کیونکہ کوئی کفر قابل بخشش نہیں خواہ شرک ہو خواہ رب کا انکار خواہ قرآن یا نبی کا انکار لہٰذا دھریے عیسائی، یہودی، آریہ وغیرہ کوئی کافر ہرگز نہ بخشا جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ فساد عقیدہ اگر کفر تک پہنچ جائے تو اس کی بخشش نہیں یہاں بھی شرک سے کفر مراد ہے اور آیت کریمہ **لَا تُنْکِحُوا**

اَلْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا (بقرہ:۲۲۱) میں بھی شرک سے مراد کفر ہے کہ مومنہ عورت کا نکاح کسی کافر مرد سے درست نہیں۔ خواہ عیسائی یہودی ہو خواہ آریہ یا ہندو ہو یونہی مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ (توبہ:۱۷) میں بھی مشرکین سے کفار مراد ہیں۔ یہ بات خوب خیال میں رکھو یہاں بہت لوگوں نے دھوکہ کھایا ہے نیز شرک ناقابل معافی جب ہے جبکہ مشرک بغیر توبہ مرجائے جیسا کہ لَا يَغْفِرُ مستقبل فرمانے سے معلوم ہوا موت سے پہلے توبہ کرے معاف ہے کہ اب وہ مشرک نہ رہا رب فرماتا ہے۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ (انفال:۳۸) وہ آیت اس آیت کو واضح فرما رہی ہے۔ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ یہاں بھی يَغْفِرُ مستقبل ہے مَا سے مراد تمام گناہ اور تمام بدعقیدگیاں ہیں جو حد کفر تک نہ پہنچی ہوں دُوْنَ بمعنی سواء بمعنی کم ہے ذٰلِكَ سے اشارہ شرک یعنی کفر کی طرف ہے اگر چہ اس کا ذکر ابھی ہوا مگر چونکہ کفر و شرک بندے کی شان سے بہت دور ہے۔ اس لئے ذٰلِكَ اشارہ بعید فرمایا گیا مَنْ سے مراد گنہگار بندہ ہے یعنی کفر سے کم جو گناہ یا بدعقیدگی ہے اللہ اسے بخش دے گا جسے چاہے گا جسے نہ چاہے گا نہ بخشے گا بلکہ عذاب دے کر پاک وصاف فرما کر جنت میں بھیجے گا کیونکہ کافر کے سواء کسی کو دوزخ میں ہمیشگی نہیں۔ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا (النساء:۱۱۶) مَنْ سے مراد ہر جن وانس ہے۔ يُشْرِكْ شِرْكٌ سے بنا بمعنی حصہ اور برابری رب فرماتا ہے اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ (فاطر:۴۰) شریعت میں شرک کے معنی ہیں کسی کو رب کے برابر اونچا سمجھنا یا رب کو کسی کے برابر نیچا سمجھنا۔ حصہ دار جاننا مشرکین عرب تین قسم کے شرک کرتے تھے (۱) فرشتوں اور بعض بتوں کو رب کی بیوی بچے مانتے تھے بیوی اولاد جنس وقوم میں باپ کے برابر ہوتے ہیں۔ (۲) بعض بتوں کو مستقل خالق و مالک مانتے تھے۔ خالق خیر خدا کو کہتے ہیں اور خالق شر اہرمن کو (۳) بعض مشرک کہتے تھے کہ رب تعالیٰ عالم بنا کر تھک گیا۔ اب عالم چلانے والے ہمارے بعض بت ہیں ان کی تردید میں رب نے فرمایا وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (اخلاص:۴) اور فرمایا خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (انعام:۱۰۲) اور فرمایا وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (قٓ:۳۸) بہر حال شرک کا دارومدار رب سے ہمسری اور برابری پر ہے رب تعالیٰ فرماتا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ (انعام:۱) اور فرماتا ہے اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (شعراء:۹۸) بغیر برابری کے عقیدے کے شرک نہیں ہوتا کرایہ دار مالک مکان کا نہ حصہ دار ہوتا ہے نہ شریک یہاں يُشْرِكْ میں یہ تینوں قسم کے شرک مراد ہیں پھر خواہ کسی انسان کو رب کے برابر مانے یا کسی اور چیز کو ایک کو شریک مانے یا بہت کو سب ہی ایک لفظ میں شامل ہیں جیسا کہ تفسیر روح المعانی نے اس کی طرف اشارہ کیا ضَلَّ ضَلٰلٌ سے بنا ضلال کی تحقیق سورہ فاتحہ میں وَلَا الضَّآلِّيْنَ کی تفسیر میں ہو چکی۔ بَعِيْد کے معنی ہیں دور۔ عقل سے دور یا ہدایت سے دور کیونکہ مشرک اپنی عقل سے اتنا نہیں سمجھتا کہ ہمیشہ کثرت کی انتہا وحدت پر ہوتی ہے۔ درخت کے پتوں و شاخوں، پھل پھولوں کی انتہاء ایک جڑ پر ہے۔ بہت تاروں کی انتہا ایک سورج

پر جسم کے بہت اعضاء کی انتہا ایک دل پر خاندان کی انتہاء ایک مورث اعلیٰ پر نمازیوں کی انتہاء ایک امام پر ملک کی رعایا کی انتہاء ایک بادشاہ یا صدر پر ہے تو چاہیئے کہ مخلوق کی انتہاء ایک خالق پر ہو اگر خالق بھی چند ہوں تو ان کے لئے اور خالق ماننا پڑے نیز مشرک یہ نہیں سمجھتا کہ ہم کو خالق کی حاجت اس لئے ہے کہ ہم غنی نہیں محتاج ہیں۔ تو جن کو وہ پوجتا ہے وہ بھی ہماری طرح ہی محتاج ہے تو وہ معبود یا خالق کیسے بن گیا جب وجہ مخلوقیت مشترک ہے تو مخلوقیت بھی مشترک چاہئے یا رب کی رحمت سے دور یا جنت کی راہ سے بہت دور یا ایمان سے دور یعنی جس شخص نے کسی قسم کا کفر یا شرک کیا وہ دور کی گمراہی میں گرفتار ہوا۔ جنت وغیرہ سے دوری کے بہت مرتبہ ہیں ان سب میں شرک سب سے بدتر ہے۔ خیال رہے گناہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو وہ بندے کو خدا تعالیٰ کی رحمت سے محجوب تو کر دیتا ہے۔ دور نہیں کرتا مگر شرک و کفر رحمت الٰہی سے بندے کو بہت دور کر دیتے ہیں۔ سورج اگر بادل کی حجاب میں آجاوے تو اگرچہ دھوپ نہ رہے گی مگر دن رہے گا مگر جب ڈوب جائے اور دور ہو جاوے تو رات ہو جاوے گی۔ بچہ پیشاب پاخانہ قے کر دے بیمار ہو جاوے مگر ماں کی گود سے دور نہ ہو جائے گا۔ صاف کرنے کے لئے عارضی طور پر دور کرے گی پھر گود میں لے لے گی۔ مگر جب مر جاوے تو گود سے دور ہو کر گور یعنی قبر میں پہنچ جاوے گا یوں ہی بندہ مومن کیسا ہی گنہگار ہو مگر رحمت الٰہی کو آغوش سے دور نہ ہوگا کفر کرے گا دور ہو جاوے گا۔ **اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا** اس میں **ضَلٰلٍۢ بَعِیْدٍ** کا بیان ہے **اِنْ** نافیہ ہے۔ **یَدْعُوْنَ** بمعنی **یَعْبُدُوْنَ** ہے کیونکہ پجاری پوجا کے وقت بتوں کو پکارتا جاتا ہے اور ضرورتوں مصیبتوں میں اس کی پکار کو ذریعہ نجات سمجھتا ہے (معانی، روح البیان، تفسیر کبیر، خازن، بیضاوی وغیرہ) **یَدْعُوْنَ** کا فاعل کفار عرب ہیں **دُوْنِهٖ** کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے **دون** بمعنی سواء ہے یا بمعنی مقابل کیونکہ خدا کے سواء جس کی عبادت کی جاوے اسے خدا تعالیٰ کا مقابل مان لیا جاتا ہے **اِنٰثًا اُنْثٰی** بمعنی عورت کی جمع ہے عرب کے ہر قبیلہ کا بت علیحدہ تھا۔ ان بتوں میں اکثر عورتوں کے نام پر تھے جیسے **لَاتُ اِلٰہ** کا مونث **عُزّٰی** عزیز کا مونث حضرت عائشہ صدیقہ کی قرأۃ میں **اِلَّا اَوْثَانًا** ہے اور حضرت ابن عباس کی روایت میں **اِلَّا اُثُنا** بمعنی جمع وثن کی جیسے اسد کی جمع **اُسُدٌ** بعض کے نزدیک وثن اصل میں **اُثُنٌ** تھا ہمزہ واؤ سے بدل گئی بعض کے نزدیک اس کے برعکس ہے۔ **اُثُنًا** اصل میں **وثنه** تھا واؤ ہمزہ سے دل گیا۔ جیسے **اُقِّتَتْ** اصل میں **وُقِّتَتْ** تھا۔ مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی لڑکیاں سمجھ کر پوجتے تھے اور جو بت مردوں کے نام پر تھے جیسے ہبل، وُدّ، صواع، ذی الخلصہ انہیں بھی عورتوں کی طرح زیوروں سے آراستہ کرتے تھے نیز وہ پتھروں، چاند سورج تاروں کو عورت سمجھ کر پوجتے تھے نیز بے جان بے عقل چیزوں کو عربی میں مثل عورت کے مانا جاتا ہے اسی لئے ان کی طرف ضمیر مونث لوٹتی ہے۔ اب بھی ہندو رام چندر کرشن کے بتوں کو زیور پہناتے ہیں۔ کالی دیوی کو عورت مانتے ہیں۔ زمین ہند کو بھارت ماتا کہتے ہیں لہٰذا یہ آیت کریمہ بالکل برحق ہے کہ یہ بے عقل مرد ہو کر عورتوں کی پوجا کرتے ہیں **وَ اِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا** یہاں یا تو

یَدۡعُوۡنَ بمعنی یُطِیۡعُوۡنَ ہے یایَدۡعُوۡنَ اپنے ہی معنی میں ہے اور یہاں حقیقت کا ذکر ہے یعنی ان بتوں کی عبادت میں وہ شیطان کی اطاعت کرتے ہیں یا درحقیقت وہ شیطان کو پوجتے ہیں کہ ہر بت کے پاس شیطان ہوتا ہے یہ بت کو سجدہ کرتے ہیں جو درحقیقت شیطان کو ہوتا ہے ظاہر یہ ہے کہ شیطان سے مراد ابلیس ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد قرین شیطان ہو یا وہ شیطان جو بتوں کے پاس رہتے ہیں مرید، مارد، متمرد سب کے معنی ہیں سرکش یہ الفاظ مردٌ سے بنے بمعنی چکنا صاف، خالی اس لئے بے داڑھی والے بچہ کو امرد کہتے ہیں۔ جس درخت کے پتے جھڑ گئے ہوں اس مردءٌ کہا جاتا ہے صاف چکنے پتھر کو مُمَرَّدٌ کہا جاتا ہے صَرۡحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِیۡرَ (نمل:۴۴) سخت سرکش کو مرید اس لئے کہتے ہیں کہ وہ چکنے پتھر کی طرح ہے۔ جہاں کوئی چیز نہ ٹھہرتی ہے نہ کوئی دانہ اس پر اگتا ہے۔ ایسے ہی اس سرکش کے دل میں نصیحت اثر نہیں کرتی (کبیر و روح المعانی وغیرہ) لَعَنَهُ اللّٰهُ ۔ یہ عبارت شیطان کی دوسری صفت ہے بعض نے فرمایا یہ دعائیہ عبارت ہے اظہار غضب کے لئے ہے یعنی خدا تعالیٰ نے اس شیطان پر لعنت فرمائی ہے یا لعنت فرماوے لعنت جب حق تعالیٰ کا فعل ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں رحمت سے دور کر دینا اور جب بندوں کی طرف منسوب ہو بندے اس کا فاعل ہوں تو معنی ہوتے ہیں دوری رحمت کی بددعا کرنا بہرحال اس کے معنی ہیں پھٹکار مطلب یہ ہے کہ شیطان ہے راندہ بارگاہ رب کا دھتکارا پھٹکارا ہوا تو جو اسکا دوست یا پجاری ہوگا وہ بھی اسکی طرح پھٹکارا ہوگا۔ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِکَ نَصِیۡبًا مَّفۡرُوۡضًا یہ جملہ پہلے جملہ لَعَنَهُ اللّٰهُ پر معطوف ہے۔ اس میں شیطان کی انسانی دشمنی کا ذکر ہے۔ اگرچہ جنات کفار بھی شیطان کے بہکانے سے ہی بہکتے ہیں مگر اس کو اصل عداوت انسانوں سے ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ سے پھٹکارا گیا اسلئے یہاں عِبَادِکَ سے مراد انسان ہیں چونکہ شیطان جانتا تھا کہ سارے انسان میرے بہکائے نہ بہکیں گے اسلئے اس نے مِنۡ تبعیضیہ کہہ کر ظاہر کر دیا کہ تیرے بعض انسانوں کو بہکا سکوں گا۔ خیال رہے کہ شیطان بہکاتا سب کو ہے مگر بہکتے ہیں بعض انسان ہی اس کے حصہ میں بعض ہی آتے ہیں۔ اس لئے نصیب یعنی حصہ کہتے ہوئے مِنۡ عِبَادِکَ کہا نصیب نَصۡبٌ سے بنا بمعنی قائم کرنا نصیب قائم کیا ہوا حصہ مفروض بنا ہے فرض سے بمعنی کاٹنا قطع کرنا اس لئے نہر کے کٹے ہوئے حصہ کو فرضہ کہتے ہیں۔ کمان کی تانت کے ٹکڑے فرضۃ القوس کہا جاتا ہے لازم کی ہوئی عبادت کو فرض کہا جاتا ہے کہ اس میں بندوں کا اختیار قطع کر دیا گیا ہے کرنا لازم کر دیا گیا لہٰذا مفروض کے معنی ہوئے کاٹا ہوا علیحدہ کیا ہوا حصہ یعنی تیرے بندوں انسانوں میں سے کچھ حصہ میں لے لوں گا۔ جو تیرے نیک بندوں سے کٹ جائیں گے الگ ہو جائیں گے فرمایا نبی ﷺ نے کہ وہ حصہ فی ہزار نو سو ننانوے ہیں یعنی ہزار انسانوں میں سے ایک مومن ہے اور نو سو ننانوے کافر ایک انسان اللہ کا ہے۔ باقی نو سو ننانوے شیطان کے (کبیر روح المعانی) خیال رہے کہ یہ نو سو ننانوے مع یاجوج و ماجوج کے ہیں بفضلہ تعالیٰ سارے مومن اس ایک میں ہی داخل ہیں۔

خلاصہ تفسیر

اللہ تعالیٰ قیامت میں شرک یعنی کفر کو ہرگز نہ بخشے گا کہ جو بندہ کافر ہو کر مرے وہ کسی طرح نہ بخشا جائے گا۔ کفر کے سواء سارے گناہ ساری بدعقیدگیاں جو کفر تک نہ پہنچی ہوں۔ وہ جسے چاہے گا بخش دے گا لہٰذا کوئی بندہ کفر نہ کرے اس سے بہت ڈرے جس نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا اس کا انکار کیا وہ ایسی گمراہی میں مبتلا ہوا۔ جو اللہ کی رحمت، جنت بخشش، بلکہ انسانیت وعقل سے بہت دور ہے عقل انسانی کا تقاضا ہے کہ جس کا کھایا جائے اس کا گایا جاوے یہ بے عقل کھاتا ہے اللہ کا گاتا ہے دوسرے کا مشرکین جو خدا کے سواء اور کی پرستش کرتے ہیں وہ عورتوں ہی کو پوجتے ہیں کہ عورتوں کے نام کے بت بناتے ہیں اور جن مردوں کے نام کے بت ہیں انہیں بھی زیور پہنا کر عورتوں کی طرح سجاتے ہیں پھر ان کی پوجا کرتے ہیں فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مان کر پوجتے ہیں۔ چاند، سورج تارے پتھروں درختوں پانیوں کو جانوروں کو پوجتے ہیں جو عورتوں کی طرح محکوم ہیں۔ اس لئے ان کی طرف عربی میں ضمیر مؤنث لوٹائی جاتی ہے یہ کفار ان کی پرستش میں درحقیقت شیطان کی پرستش کرتے ہیں کہ شیطان ہی ان سے یہ پرستش کراتا ہے اور ان کے بتوں کے پاس وہ موجود ہوتا ہے۔ یہ تو شیطان کو پوجتے ہیں اور شیطان کا حال یہ ہے کہ وہ رب کی بارگاہ کا سرکش ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے پھٹکار فرمائی ہے لہٰذا جو انسان اس کی پرستش کرے گا وہ اس کی طرح رب کی پھٹکار میں آجاوے گا اور شیطان انسان کا ایسا کھلا دشمن ہے کہ اس نے مردود ہوتے وقت ہی بارگاہ الٰہی میں عرض کردیا تھا کہ میں انسانوں میں سے اپنا حصہ علیحدہ کرلوں گا جو تجھ سے دور اور تیرے بندوں سے الگ ہو جائیں گے وہ تو ان کا ایسا پکا دشمن ہے اور یہ اس کی اطاعت میں مشغول ہیں کیسے بے وقوف ہیں۔ خیال رہے کہ شرک کا مدار صرف ایک چیز پر ہے کہ کسی کو خدا تعالیٰ کے برابر سمجھنا یعنی اسے رب سے بے نیاز جاننا یا رب تعالیٰ کو اس کا نیاز مند ماننا فرماتا ہے وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (محمد: ۳۸) اس کے سواء کوئی بدعقیدگی شرک نہیں کفر کے معنی ہیں کسی ایسے عقیدے کا انکار کرنا جس کو ماننا مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے لہٰذا رب تعالیٰ کی ہستی یا نبی کی نبوت یا قیامت یا کتاب الٰہی یا جنت دوزخ فرشتوں وغیرہ کا انکار کفر ہے شرک نہیں اسلئے رب تعالیٰ نے شیطان کو کافر تو فرمایا مشرک نہ فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ (بقرہ: ۳۴) کیونکہ وہ نبوت کا انکاری تھا۔ کسی کو خدا تعالیٰ کے برابر نہ جانتا تھا۔ یہ بھی خیال رہے کہ شرک کے لئے بے عملی عذر نہیں مگر کفریات کے لئے ان لوگوں کی بے عملی عذر ہے جنہیں نبی کی تعلیم نہ پہنچی ہو لہٰذا ظہور اسلام سے پہلے والے لوگوں پر عقیدہ توحید ضروری تھا اس کے علاوہ کسی چیز کا ماننا لازم نہ تھا کفر و شرک کا یہ فرق ضرور خیال میں رہے کفر و شرک دونوں ناقابل معافی جرم ہیں بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز رب فرماتا ہے قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (احقاف: ۳۴) اس لئے ایجاد کو بدع اور موجد کو بدیع کہا جاتا ہے بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (بقرہ: ۱۱۷) شریعت میں بدعت وہ چیز ہے جو حضور کی وفات کے بعد ایجاد ہو یہ دو قسم کی ہے بدعت اعتقادی یہ ہمیشہ کفر یا گمراہی ہوتی ہے۔ دوسری بدعت عملی یہ چھ قسم کی ہے بدعت جائزہ جیسے اعلیٰ مکان اعلیٰ لباس وغذائیں بدعت

مستحبہ جیسے شاندار مسجدیں قرآن کریم کی اعلیٰ جلدیں بدعت واجبہ جیسے صرف ونحو وغیرہ علوم میں مدد ملے بدعت فرض جیسے قرآن کا جمع کرنا اس میں اعراب لگانا بدعت مکروہ، بدعت حرام جیسے اردو زبان میں نماز، اذان تلاوت۔ بدعت عام ہے دنیاوی چیزیں یا دینی اور زمانہ صحابہ کی ایجاد ہوں یا بعد کی دیکھو ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جو بدعقیدگی کفر تک پہنچ جاوے اور بندہ اس سے توبہ کئے بغیر مر جاوے وہ ہرگز معافی کے قابل نہیں اس کی بخشش نہیں ہوسکتی جیسا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: کفار مردوں کو مرحوم یا مغفور یا غفرلہ یا رحمۃ اللہ علیہ کہنا ان کیلئے دعاء مغفرت کرنا انہیں ایصال ثواب کرنا ان کے نام کے ختم فاتحہ کرنا حرام ہے ان کی نماز جنازہ پڑھنا حرام ہے کہ ان سب میں ان کفار کیلئے دعاء مغفرت ہے اور کفار مغفرت کے لائق نہیں۔ ناممکن چیز کی دعا مانگنا حرام ہے۔ اس سے وہ مسلمان عبرت پکڑیں جو مشرکین وکفار کی خوشامد میں ہندو لیڈروں کو مرحوم یا جنتی یا بیکنٹھ باشی کہتے ہیں یا ان کے لئے ختم وغیرہ پڑھتے ہیں۔ رب تعالیٰ غیرت ایمانی نصیب کرے۔ **تیسرا فائدہ**: کفر کے سواء سارے گناہ قابل معافی ہیں خواہ گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد اگرچہ ان میں سے ہر قسم کی معافی کا طریقہ علیحدہ ہوگا مثلاً حقوق العباد کی معافی کا طریقہ یہ ہوگا کہ رب تعالیٰ صاحب حق سے معافی دلوادے گا۔ **چوتھا فائدہ**: گناہوں کی معافی کی اللہ کے کرم سے امید رکھنی چاہئے یقین نہیں کرنا چاہئے لہٰذا رب سے خوف بھی رکھو امید بھی جیسا کہ لِمَنْ یَّشَآءُ سے معلوم ہوا یہ آیت گناہوں پر دلیر نہیں کر رہی ہے بلکہ گناہوں سے روک رہی ہے۔ **پانچواں فائدہ**: خلف وعد ناممکن ہے مگر خلف وعید جائز بلکہ واقع ہے خلف وعد جھوٹ ہے خلف وعید کرم ومہربانی بلکہ معافی کو خلف وعید صرف ظاہرا کہا جاتا ہے۔ حقیقت میں یہ خلف وعید نہیں کہ تمام وعیدیں رب کی مشیت پر موقوف ہیں چاہے بخشے چاہے نہ بخشے۔ **چھٹا فائدہ**: حضور کو چھوڑ کر جو راستہ بھی اختیار کیا جاوے وہ گمراہی ہے اور اس میں شیطان کی پیروی جیسا کہ اِنْ یَّدْعُوْنَ الخ سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: عورت پرستی زن مریدی طریقہ کفار ہے کہ ان کے اکثر معبود عورتیں ہیں اور جن مردوں کی بھی وہ پوجا کرتے ہیں انہیں بھی عورتوں کی طرح ہی سجا بنا کر پوجتے ہیں۔ اپنے ملک وزمین کو عورت تصور کرتے ہیں۔ آج کل زن پرستی فیشن بن چکی ہے حتیٰ کہ دوکانوں مکانوں کو عورتوں کے فوٹوؤں سے سجاتے ہیں۔ گھروں میں مردوں پر عورتوں کا راج ہے عورتیں کار مختار ہیں۔ یہ سب زن پرستی ہے جو ہم نے عیسائیوں سے سیکھی۔ **آٹھواں فائدہ**: تقیہ ایسی بری لعنت ہے کہ رب کے سامنے شیطان نے بھی نہ کیا اس نے وہ ہی کہا جو اسے کرنا تھا جو شخص دعویٰ اسلام کر کے تقیہ کرے وہ شیطان سے بھی زیادہ بیوقوف ہے۔ **نواں فائدہ**: بری جگہ شیاطین کا مسکن ہیں اور اچھی جگہ رحمٰن کی تجلی گاہ رب سے ملنا ہے تو اس کے مقبول بندوں کے پاس جاؤ شیطان سے ملنا ہو تو عورتوں کی مریدی کرو عورتیں شیطان کا وہ

جال ہیں جس سے وہ بڑے مردوں کا شکار کرتا ہے حضرت آدم پر اس کا داؤ بذریعہ حوّا چلا پہلا قتل بذریعہ عورت ہوا یہ فائدہ اِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطَانًا سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ**: شیطان کو رب تعالیٰ نے گمراہ کرنے کیلئے بہت بڑا وسیع علم دیا وہ جانتا ہے کہ کون میرے بہکانے میں آوے گا کون نہ آوے گا جیسا کہ مِنْ عِبَادِكَ میں مِنْ فرمانے سے معلوم ہوا۔ وہ مردود بھٹکنے والوں کو جانتا ہے یہ بھی جانتا ہے کہ کون کس طریقہ سے بھٹکے گا تمام کے دلی ارادوں نیتوں تک سے واقف ہے کہ جہاں کسی نے نیکی کا ارادہ کیا اس نے آکر بہکایا۔ جب گمراہ کرنے والے ابلیس کو اتنا وسیع علم دیا گیا سوچو کہ ہدایت دینے والے انبیاء کرام کو کتنا وسیع علم دیا گیا ہوگا۔ دوا کی طاقت مرض کی طاقت سے زیادہ چاہئے۔ **گیارھواں فائدہ** : شیطان بھی حضرات انبیاء کو معصوم اور خاص اولیاء اللہ کو محفوظ مانتا ہے کہ کہہ رہا ہے مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا دوسری جگہ کہتا ہے۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (ص:۸۳) جو شخص ان بزرگوں کو گنہگار مانے وہ شیطان سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔ عصمت انبیاء حفاظت اولیاء بہت ظاہر مسئلہ ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں ملاحظہ کرو۔

اعتراضات

پہلا اعتراض : تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ شرک صرف اس کا نام ہے کہ کسی کو رب تعالیٰ کے برابر مانا بے نیاز مانا جاوے تو کیا جو شخص کسی کو خدا کا بندہ مان کر قدیم یعنی ازلی مان لے یا خالق مان لے وہ مشرک نہیں اگر ایسا ہے تو سارے مشرک موحد ہو گئے وہ اپنے معبودوں کو خدا کا بندہ مان کر ازلی، قدیم اور خالق مانتے ہیں۔ **جواب** : کسی کو خالق ماننا شرک ہے کہ خالق وہ ہی ہوسکتا جو بے نیاز ہو نیاز مند بندہ جو خدا کی چیزوں کو استعمال کر کے کچھ بنائے وہ کاسب ہے خالق نہیں جیسے آج سائنسی ایجاد والے اللہ کی چیزوں سے ہوائی جہاز وغیرہ بناتے ہیں۔ اسی لئے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا اَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ (آل عمران:۴۹)۔ یعنی میں اللہ کی مٹی سے پرندہ بناتا ہوں یعنی خالق نہیں ہوں کاسب ہوں رب کا نیاز مند ہوں لہٰذا کسی کو خالق ماننا شرک ہے۔ رہا کسی کو ازلی ماننا اگر اسے خدا سے بے نیاز ہو کر ازلی مانتا ہے تو مشرک ہے جیسے آریہ روح و مادہ کو ازلی مانتے ہیں اور اگر اس کو رب کا بندہ مان کر قدیم مانتا ہے کہ رب سے وہ صادر ہیں وہ مشرک نہیں کافر ہے جیسے فلاسفہ کہ وہ دس عقلوں کو خدا سے صادر مان کر قدیم مانتے ہیں۔ وہ کافر ہیں کیونکہ اس آیت کے منکر ہیں۔ خَالِقُ كُلِّ شَيْئٍ (رعد:۱۶)۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ کے سوا کوئی چیز ازلی یعنی قدیم نہیں مگر بہت سی مخلوق ابدی یعنی دائمی ہے کہ رب تعالیٰ ان کو ہمیشہ رکھے گا جیسے جنت و دوزخ اور وہاں کے لوگ اور وہاں کی نعمتیں کہ یہ ابدالآباد تک رہیں گی رب فرماتا ہے۔ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا۔

دوسرا اعتراض: جب اسلام میں شرک و کفر نا قابل معافی گناہ ہیں تو مسلمان کفار کو دعوت اسلام کیوں دیتے ہیں اور کفار کو مسلمان کیوں کرتے ہیں (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہوا کہ يَغْفِرُ مضارع

بمعنی مستقبل ہے جس میں قیامت کا ذکر ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو بندہ شرک وکفر کرتا ہوا بغیر توبہ مر جاوے اسے قیامت میں اللہ تعالیٰ نہ بخشے گا جو مشرک وکافر دنیا میں ہی توبہ کر کے مسلمان ہو جائے اسے دنیا میں ہی بخش دیا جائے گا اسلام سے پہلے عرب میں قریبا سارے مشرک وکفار ہی تھے وہ ہی سب مسلمان صاحب عرفان بنے اس آیت کی تفسیر خود قرآن کریم دوسری جگہ فرما رہا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ **قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّاقَدْ سَلَفَ** (انفال: ۳۸)، آپ کفار سے فرمادو کہ اگر کفر سے باز آجاویں تو ان کے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک کے سواء ہر جرم بخش دیا جاوے گا تو چاہئے کہ عیسائیت یہودیت و ہ یت بھی قابل بخشش ہو اور آریہ بھی بخشے جائیں کیونکہ ان میں سے کوئی شرعی مشرک نہیں پھر ان مذہبوں کو اسلامی تبلیغ کیوں کی جاتی ہے نیز اس سے معلوم ہوا کہ صرف اسلام میں ہی نجات نہیں دوسرے دین شرک کے سواء سب میں رہ کر نجات وبخشش ہوسکتی ہے (آریہ)۔ **جواب**: اس کا جواب بھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں اور ان جیسی آیتوں میں شرک سے مراد کفر ہے۔ حضور ﷺ کا انکار شرک ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ **وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ** (آل عمران: ۸۵)، جو کوئی اسلام کے سواء کوئی اور دین اختیار کرے گا۔ اس کا وہ دین قبول نہ کیا جاوے گا اور وہ آخرت میں نقصان والوں سے ہوگا۔ وہ آیت کریمہ اس آیت کی تفسیر ہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کے سواء کسی اور کو پکارنا یا رسول اللہ یا غوث کہنا شرک ہے اور شیطان کی پرستش ہے۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا **وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا** (عام دیوبندی وہابی)۔

جواب: اس قسم کی تمام آیات میں دعا بمعنی عبادت ہوتا ہے نہ کہ بمعنی پکارنا اسی معنی پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے۔ اگر یہاں دعا سے مراد پکارنا ہو اور غیر خدا کو پکارنا شرک ہو تو ہر نمازی مشرک ہوگا کہ وہ التحیات میں عرض کرتا ہے **السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ**۔ نیز حضرات انبیا کرام نعوذ باللہ مشرک ٹھہریں گے کہ انہوں نے مدد کیلئے لوگوں کا پکارا (قرآن کریم) بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا **ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا** (بقرہ: ۲۶۰)۔ ان مرے جانوروں کو پکارو دوڑتے آئیں گے نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا کر قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کو پکارا کہ اللہ کے بندو اللہ کے گھر کی طرف آؤ حالانکہ بہت سے انسان اس وقت پیدا نہ ہوئے تھے رب فرماتا ہے وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ (حج: ۲۷)۔ اگر کسی کو پکارنا شرک ٹھہرے تو نہ خدا تعالیٰ شرک سے بچے گا کہ اس نے قرآن مجید میں انبیاء و اولیاء مومنین بلکہ کفار بلکہ زمین و آسمان و پہاڑوں کو پکارا ہے نہ حضرت انبیا بچیں گے نہ عام مسلمان اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سچی فہم عطا فرماوے غرضیکہ یہاں دعا کے معنی پکارنا کرنا سخت غلطی ہے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین صرف عورتوں کی پوجا کرتے ہیں کیونکہ **الاحمر** کے لئے ہے حالانکہ ... تو مرد ... کی بھی پوجا کرتے تھے چنانچہ مشرکین عرب ود، یغوث، نسر کی پرستش کرتے تھے اور

مشرکین ہندرام چندر، ہنومان گنیش کی پوجا کرتے ہیں۔ تو یہ آیت کیسے درست ہوئی۔ **جواب**: اس کا جواب بھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ ان کے معبود یا حقیقۃً عورتیں ہیں یا مصنوعی عورتیں کہ وہ اپنے معبود مردوں کو عورتوں کی طرح زیور پہنا کر پوجتے ہیں لہٰذا آیت واضح ہے۔

چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہو کہ انسانوں میں فی ہزار نو سو ننانوے شیطان کے حصہ کے ہیں اور ایک اللہ تعالیٰ کا بندہ پھر ہزار میں ایک کون ہو گا جو نجات پائے سب ہی دوزخی ہو گئے۔ **جواب**: اس سوال کا جواب اسی حدیث میں دے دیا گیا ہے جس میں یہ تعداد بیان ہوئی ہے کہ اولاً تو کفار مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ دوسرے یاجوج و ماجوج جو سب ہی کافر ہیں اس قدر زیادہ ہیں کہ یہ انسان ان کے مقابل ہزار میں ایک ہیں یہ گنتی پوری کرنے کے لئے وہ یاجوج وماجوج کافی ہیں۔

ساتواں اعتراض: جب کفار مسلمانوں سے اس قدر زیادہ ہیں تو کفار کو نَصِيبًا مَّفْرُوضًا کیوں فرمایا۔ نصیب یعنی حصہ ہمیشہ تھوڑی مقدار کو کہتے ہیں۔ **جواب**: یا اس لئے انسان مسلمان۔ انسان کفار سے بہت تھوڑے ہیں لیکن جب ان کے ساتھ فرشتوں کو بھی ملا لیا جاوے کہ وہ سارے ہی مومن ہیں تو مومنوں کی تعداد بہت ہی بڑھ جاتی ہے فرشتوں کی تعداد تمام مخلوق سے زیادہ ہے یا اس لئے کہ تھوڑے مسلمان درجہ میں بہت ہیں اور بہت سے کفار درجہ میں کم لہٰذا بہت سے کفار تھوڑے مسلمانوں کا حصہ ہوئے (تفسیر کبیر)۔

تفسیر صوفیانہ

جیسے نیکیاں انسان کو جنت سے قریب کرنے والی ہیں مگر بعض نیکیاں جنت سے بہت قریب کرتی ہیں۔ بعض کم اسی طرح گناہ انسان کو جنت سے دور کرتے ہیں، بعض گناہ کم دور کرتے ہیں بعض بہت دور کرتے ہیں۔ کلمہ توحید و عقائد کی درستگی انسان کو جنت سے بہت قریب کرتی ہے دوزخ سے بہت دور اور شرک و کفر و بدعقیدگی انسان کو جنت سے بہت دور کرتی ہے دوزخ سے بہت قریب اس لئے رب تعالیٰ نے اسے ضَلٰلًا بَعِيدًا فرمایا صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان رب تعالیٰ کا تعمیر فرمودہ محل ہے محل میں عام کمرے چیزوں کے لئے بنائے جاتے ہیں مگر خاص کمرہ بادشاہ کے رہنے کے لئے چیزوں کے کمروں میں سب کچھ رہے مگر بادشاہ کے آرام کمرہ میں کسی کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں انسان کے باقی اعضاء دنیاوی کاروبار کے لئے بھی ہیں مگر دل خاص یار کی تجلی گاہ ہے تمام اعضاء سے گناہ کر لینے والا قابل بخشش ہے مگر دل سے شرک و کفر کرنے والا لائق معافی نہیں کیونکہ اس نے رب کی تجلی گاہ خاص میں دوسرے کو بسایا دل تو صرف یار کے رہنے کی منزل ہے۔ مشرک خود کم ہمت عورت ہے اپنی جنس عورتوں کی طرف مائل ہوتا ہے مومن موحد بہادر مرد ہے وہ اپنے ہم جنس بہادروں کی طرف مائل ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ مشرکین عورتوں کے پجاری ہیں۔ دنیا خود ایسی عورت ہے جو صد ہا خاوند کر کے چھوڑ چکی ہے مشرک اس دنیا کے پجاری نفس کے پجاری ہوس و خواہش کے پجاری غرضیکہ عورتیں مرد کے تابع ہوتی

ہیں۔ مگر مشرک ان عورتوں کا تابع ہے شیطان ملعون ہے جو اس کے ساتھ رہا وہ بھی ملعون مقبول بندے محبوب ہیں۔ جو ان کے ساتھ رہا وہ بھی محبوب الٰہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ دنیا میں اچھوں کے ساتھ رہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (شعراء:۶۲) میرے ساتھ میرا رب ہے یعنی رب میرے ساتھ ہے تم میرے ساتھ لگ جاؤ رب تمہارے ساتھ بھی ہوگا غرضیکہ بارگاہ سے دوروں کا سنگ دور کر دیتا ہے حضور والوں کا سنگ حضور نصیب کرتا ہے۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ
اور البتہ گمراہ کروں گا میں انہیں اور البتہ خواہش دلاؤں گا میں انہیں اور البتہ حکم دوں گا میں انہیں تو چیریں گے وہ
قسم ہے میں ضرور بہکا دونگا اور ضرور انہیں آرزوئیں دونگا اور ضرور انہیں کہونگا کہ چوپایوں
الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ یَّتَّخِذِ
کان جانوروں کے اور حکم دوں گا میں انہیں پس ضرور بدلیں گے وہ اللہ کی پیدائش کو اور جو بنائے
کے کان چیریں گے اور ضرور انہیں کہونگا کہ وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں بدل دیں گے اور جو
الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا ؕ (۱۱۹)
شیطان کو دوست اللہ کے سواء وہ بیشک کھلے نقصان میں پڑا
اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے وہ صریح ٹوٹے میں پڑا
یَعِدُهُمْ وَیُمَنِّیْهِمْ ؕ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (۱۲۰)
شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور انہیں خواہش دلاتا ہے اور نہیں وعدے کرتا ان سے شیطان مگر دھوکے
شیطان انہیں وعدے دیتا ہے اور آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان انہیں وعدے نہیں دیتا مگر فریب کے
اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا یَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِیْصًا (۱۲۱)
کے یہ وہ ہیں کہ ٹھکانہ ان کا دوزخ ہے اور نہ پائیں گے وہ اس سے چھٹکارے کی جگہ
ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اس سے بچنے کی جگہ نہ پائیں گے

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں شرک و کفر کے ناقابل معافی جرم ہونے کا ذکر تھا اب شرک کی علامات اور مشرکوں کے اعمال کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمان شرک سے بھی بچیں اور مشرکوں کے اعمال سے بھی پرہیز کریں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی

آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ مشرک پرلے درجہ کا گمراہ ہے اس کی گمراہی بے راہی عقل سے بھی دور ہے اب اس کے ثبوت میں مشرکوں کے بے ہودہ لغو حرکات کا ذکر ہے کہ مشرک ہو کر انسان بالکل خلاف عقل کام کرنے لگتا ہے جو جانور بھی نہیں کرتے۔ **تیسرا تعلق** : پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ شیطان نے انسانوں میں سے اپنا حصہ لینے کا پہلے سے ہی ارادہ کرلیا ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ جو انسان شیطان کا حصہ بن جاتے ہیں وہ حسب ذیل کام کرتے ہیں۔

تفسیر وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ ان آیات میں شیطان کی ان چالوں کا ذکر ہے جو وہ انسانوں کے لئے چلتا ہے اس کی کچھ چالوں کا تعلق انسان کے عقائد سے ہے اور کچھ کا تعلق انسان کے اعمال سے عقائد کے متعلقہ چالوں میں پہلی چال ہے حق سے بہکانا دلوں میں وسوسہ ڈال کر باطل میں پھنسا دینا جھوٹی چیزوں کو آراستہ کرکے دکھانا اچھی چیزوں کو ہیبت ناک کرنا کہ انسان کا دل جھوٹ کی طرف لگے اضلال سے یہ ہی مراد ہے بعض لوگ اپنی خوبصورت بیویوں کو منہ نہیں لگاتے بدصورت رنڈیوں سے رغبت کرتے ہیں یہ ہے شیطان کا اضلال اور بہکانا زکوٰۃ دینے سے گھبراتے ہیں حرام رسموں میں خوب اڑاتے ہیں غرضیکہ اضلال عام ہے خیال رہے کہ جیسے بعض بیماریاں آنکھوں، زبان کان کے احساس کو معاوف کردیتی ہیں کہ زبان میٹھی چیز کو کڑوی اور کڑوی چیز کو میٹھی محسوس کرنے لگتی ہے۔ ایسے ہی شیطان کا تسلط انسان کے خیال کو بگاڑ دیتا ہے اس خیال کے بگاڑنے کا نام اضلال ہے۔ اضلال کے چند معنی ہیں گمراہ و بے دین کردینا۔ یہ صرف کفار کے لئے ہے بہکا کر گناہ کرادینا یہ عام مسلمانوں کے لئے بھی ہے۔ دھوکہ دے دینا یہ داؤں حضرات اولیاء بعض انبیاء پر بھی چل جاتا ہے دیکھو شیطان نے حضرت آدم کو دھوکہ دے دیا کہ انہیں گندم کھلا دیا۔ دھوکہ دینے کی کوشش کرنا یہ سارے انسانوں کے لئے ہے حتیٰ کہ تمام انبیاء کرام کیلئے بھی۔ یہاں لَاُضِلَّنَّهُمْ کی چار صورتیں ہوئیں ہر صورت کا تعلق الگ الگ نوعیت کا ہے اسلئے هُمْ کے مرجع میں چار احتمال ہوں گے۔ لَاُمَنِّيَنَّهُمْ اُمْنِيَةٌ سے بنا بمعنی خواہش و رغبت اسی سے ہے امانی، جھوٹی خواہشات فضول تمنائیں یعنی ان کے دلوں میں برے خیالات پیدا کروں گا کہ نہ حشر ہے نہ نشر نہ حساب و کتاب جو ہوسکے دنیا میں مزے اڑالو یا تم ابھی بہت جیو گے آخر عمر میں توبہ کرلینا ابھی عیش کرلو دیکھا گیا ہے کہ بعض مسلمان قدرت و طاقت کے باوجود حج نہیں کرتے اسی خیال میں رہتے ہیں کہ بڑھاپے میں کریں گے یا بڑھاپے سے پہلے مرجاتے ہیں یا بڑھاپے میں حج کے قابل نہیں رہتے یہ ہے شیطان کا اُمْنِيَةٌ ناجائز امید بندھانی دراز عمر کی آرزو دلانی۔ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ یہ شیطان کا تیسرا فریب ہے جس کا تعلق انسان کے اعمال سے ہے امر سے مراد یا تو مشورے دینا دل میں ارادہ پیدا کرنا ہے یا اپنے کارندے شیطانی انسانوں کے ذریعہ حکم دلوانا ہے وہ انسان خواہ شیطانی عالم ہوں یا شیطانی مرشد یا شیطانی حکام یا شیطانی دوست ہوں یا یہ مطلب ہے کہ میں خود شکل انسانی میں لوگوں کے پاس جاکر ان سے یہ کہوں گا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ شیطان انسانی شکل میں آکر کوئی بات کہہ جاتا ہے اور وہ پھیل جاتی ہے

۔یُبَتِّکُنَّ بنا ہے تَبْکِیْتُ سے جس کا مادہ ہے بَکْتُ ھتک اور بتک قریب المعنی ہیں ھتک کے معنی ہیں پھاڑنا بتک کے معنی ہیں چیرنا کاٹنا اَنْعَام سے مراد اونٹ ہے اسی جملہ میں کفار عرب کے ایک خاص عمل کی طرف اشارہ ہے کہ جب کسی کی اونٹنی پانچ بار بچے دے لیتی اور پانچواں بچہ نر ہوتا تو وہ لوگ اس کا کان چیر کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔اسے بحیرہ کہتے تھے یعنی کان چیری ہوئی اونٹنی پھر نہ اس پر سواری کرتے تھے نہ اسے کسی کھیت یا کنویں سے کھانے پینے سے روکتے تھے۔جب وہ مر جاتی تو اس کا گوشت سب مرد وزن کھا لیتے تھے آیت میں بتایا جا رہا کہ ان کی حرکتیں شیطانی اغواء اور اس کے بہکانے سے ہیں وہ ان حرکتوں کا ذکر پہلے ہی کر چکا ہے۔وَلَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ یہ شیطان کا چوتھا فریب ودھوکہ ہے جس کا تعلق بھی انسان کے اعمال سے ہے یہاں بھی امر کے وہ ہی تینوں معنی ہیں جو ابھی بیان ہوئے یُغَیِّرُنَّ تغییر سے بنا بمعنی وصف وحالت کا بدلنا ذات بدلنے کو تبدیل کہتے ہیں کبھی تغییر بمعنی تبدیل بھی آتا ہے یہ بہت وسیع کلمہ ہے جس میں بہت جرم شامل ہیں اونٹ کی ایک آنکھ پھوڑ کر اسے کانا کر دینا جب کسی کے پاس ایک ہزار اونٹ ہو جاتے تھے تو ایک کانا کر دیتا تھا یہ ہے اللہ کی خلق کی صورت بگاڑنا غلاموں کو خصی کر دینا اپنے چہرہ وہاتھوں پر گود کر نیل بھروا لینا جیسا کہ اب بھی بعض ہندو کرتے ہیں دانت پتلے کرانا مشین کے ذریعہ چھوٹے بال والی عورت کا دوسری عورت کے بال جوڑ کر اپنے بال لمبے کرنا عورتوں کا عورتوں سے زنا کرنا جسے عربی میں سحق کہتے ہیں۔خود خصی ہو کر مخنث یا ہیجڑا بن جانا۔لواطت کرنا عورتوں کا سر منڈانا یا بال کٹوانا فیشن کے لئے۔مردوں کا عورتوں کے سے بال رکھنا چوڑیاں یا زیور پہننا۔بلاضرورت جانور کو خصی کرنا۔سیاہ خضاب لگانا۔داڑھی منڈانا۔مونچھیں بہت لمبی رکھنا یا منڈا دینا یہ سب عمل خلق اللہ کی تغییر وتبدیل ہے جو حرام ہے ان کے متعلق بہت احادیث وارد ہیں (از روح المعانی وبیان وخازن)۔چاند تاروں پتھروں کی پوجا کرنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا کہ یہ تغییر اعتقادی ہے کیونکہ ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے اب جوان ہو کر دوسرا دین اختیار کرنا اپنی خلقت کی تبدیلی ہے نیز چاند تاروں پتھروں کو ہماری خدمت کے لئے پیدا فرمایا گیا ہے یہ ہمارے خدام ہیں ہم ان کے مخدوم انہیں اپنا معبود بنا لینا تبدیلی خلق اللہ ہے یہ تبدیلی کفر ہے غرضیکہ یہ ایک جملہ عقائد واعمال کی بہت صورتوں کو شامل ہے۔یہ سب شیطانی دھوکہ ہے جس کا ذکر وہ پہلے ہی کر چکا ہے۔وَمَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ یہ ان تمام مذکورہ بدعملیوں کے نتیجہ کا بیان ہے جس میں بتایا گیا کہ عملوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے کام کرنے والا شیطان کا دوست ہو جاتا ہے اور شیطان اس کا محب دوست بن جاتا ہے مَنْ سے مراد سارے جن وانس ہیں کہ یہ ہی دو گروہ شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔شیطان سے مراد یا تو ابلیس ہے جو تمام شیاطین کا مورث اعلیٰ ہے یا ہر شخص کا ساتھی شیطان جسے قرین کہا جاتا ہے ولی سے مراد یہاں دوست یا مطاع یا معبود ہے دون کے لغوی معنی ہیں قطع ہو جانا کٹ جانا اصطلاح میں بمعنی مقابل اور دور آتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَیْنِ تَذُوْدَانِ (قصص:۲۳) خیال رہے کہ

اِلّا اور غَیرَ اور دُوْنَ تینوں کے معنی کئے جاتے ہیں سواء کے مگر اِلّا کے معنی ہیں ہر سواء اور علاوہ خواہ اپنا ہو یا غیر جیسے اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ (یوسف:۴۰) یا جیسے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ دیکھو اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں نہ نبی نہ ولی نہ کوئی اور مگر غَیرَ وہ سواء ہے جو اپنا نہ ہو غیر ہو رب فرماتا ہے اَفَغَیْرَ اللہِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَیُّھَا الْجَاھِلُوْنَ (زمر:۶۴) یعنی جب اللہ کے اپنے محبوب بندے معبود نہ ہوئے تو جو رب تعالیٰ کے غیر ہیں کیا انہیں میں پوج سکتا ہوں اور دُوْنَ وہ سوئی جو رب کے مقابل اور دشمن ہوں فرماتا ہے وَادْعُوْا شُھَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللہِ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ (بقرہ:۲۳)۔ اگر تم قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں شک کرتے ہو تو اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ کے مقابل تمام مددگاروں کو بلا لو یہاں دُوْنِ اللہِ سے مراد انبیاء اولیاء نہیں بلکہ کفار کے سردار مراد ہیں۔ یہاں اس جملہ نے ان تمام آیات کی تفسیر کر دی جن میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے سواء تمہارا کوئی مددگار اور دوست نہیں یعنی اللہ کے مقابل تمہارا کوئی نہ مددگار ہے نہ دوست ولی اللہ اور ہیں وَلِیٌّ مِّنْ دُوْنِ اللہِ کچھ اور۔ اور ہو سکتا ہے کہ شیطان سے مراد شیطانی لوگ ہوں یعنی گمراہ کرنے والے یعنی جو ابلیس یا قرین شیطان یا بہکانے والے انسانوں کو جو انسان نما شیطان ہیں دوست یا مددگار بنائے اللہ کو چھوڑ کر یا اللہ کے مقابل تو۔ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا یہ جملہ اس شرط کی جزاء ہے خسران پورے پورے نقصان کو کہتے ہیں، جس میں اصل پونجی بھی برباد ہو جاوے مُبِیْنًا ایسا ظاہر جس میں کسی قسم کی پوشیدگی نہ ہو یعنی وہ شخص بہت کھلے نقصان میں رہا کہ اس کی دنیا برزخ، عاقبت سب ہی برباد ہوئی اس کی بربادی ہر عقل و ہوش والے پر ظاہر ہے۔ یَعِدُھُمْ وَیُمَنِّیْھِمْ یہ نیا جملہ ہے جس میں شیطانی وعدوں اس کی دلائی ہوئی آرزوں کا ذکر ہے یَعِدُ یا تو وَعْدٌ سے بنا ہے یا وعید بمعنی ڈرانے سے ان دونوں کا تعلق آئندہ سے ہے یعنی شیطان برے کام پر صرف وعدے کرتا ہے اور اچھے کام پر صرف ڈراتا ہے کہ تم بدمعاشیوں میں خوب خرچ کرو تمہارا نام ہوگا۔ اللہ کے نام پر ایک پیسہ مت دو غریب ہو جاؤ گے اسی طرح آرزوئیں دلاتا ہے کہ ابھی تم بہت جیو گے تمہاری صحت، دولت، عزت ہمیشہ رہے گی آرام کرو یہ دولت لازوال ہے۔ وَمَا یَعِدُھُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا یہ شیطانی وعدوں کی حقیقت ہے کہ شیطان کے تمام وعدے وعیدیں آرزوئیں۔ تمنائیں۔ محض ایک دھوکہ اور فریب ہے جس کی حقیقت کچھ نہیں یہ مردود عین وقت پر دھوکہ دیتا ہے جیسا کہ دن رات تجربہ ہو رہا ہے۔ شعر:

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے

کہاں گیا قارون اور اس کا خزانہ کہاں گیا نمرود و فرعون و شداد اور ان کی عزت و دولت وہ ختم ہو گئے اور ان پر لعنت باقی رہ گئی۔

نہ ماند ستم گار بد روز گار بماند برو لعنت پائیدار!

اُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ یہ شیطان کی اطاعت کرنے والوں کا انجام ہے اُولٰٓئِکَ سے اشارہ۔ وَمَنْ یَّتَّخِذْ کے مَنْ کی طرف ہے چونکہ مَنْ لفظاً واحد تھا مگر معنی جمع اس لئے اُولٰٓئِکَ جمع ارشاد ہوا اس سے مراد تمام وہ جن و

انس ہیں جو شیطان کی پیروی کریں ماویٰ سے مراد ہے ٹھکانہ دائمی قیام کی جگہ اس کا مادہ ہے اَوٰیٗ یعنی یہ شیطان کو اپنا ولی بنانے والے لوگ وہ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا یہ ان کا دوسرا حال۔ محیص اسم ظرف ہے حیص سے بمعنی بچنا یعنی یہ شیطان کے مطیع انسان وجن دوزخ میں جا کر وہاں سے نہ نکلیں گے نہ وہاں ہی آرام پائیں دائمی عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

خلاصۂ تفسیر

اے لوگو شیطان جب مردود کر کے نکالا گیا تو اس نے ہم سے تمہارے متعلق چند باتیں کہیں ہیں جن پر وہ ہمیشہ کاربند رہے گا اس نے کہا کہ مولیٰ تو نے مجھے آدم علیہ السلام کی وجہ سے مردود کیا۔ میں ان کی اولاد سے بدلہ لوں گا جو میرے حصہ میں آئیں گے انہیں بہکا کر بدعقیدہ بناؤں گا ان کے دلوں میں لمبی امیدیں دراز تمنائیں بندھاؤں گا ان آرزوؤں کی وجہ سے وہ دنیا میں پھنسے رہیں گے کبھی آخرت کا خیال بھی نہ کریں گے انہیں مشورے وسوسہ دے کر ان سے برے کام کراؤں گا چنانچہ وہ لوگ میرے وسوسہ کی بنا پر جانوروں کے کان کاٹا کریں گے اللہ کی خلق میں تبدیلیاں کیا کریں گے جن سے رب تعالیٰ ناراض ہوگا اپنی سیرتوں، صورتوں، اخلاق، عادات عقائد کو بدل ڈالیں گے۔ خیال رکھو کہ جو بھی اللہ کے مقابل شیطان کو دوست بنائے گا۔ وہ سخت نقصان میں رہے گا کہ اپنی اصل دولت عمر برباد کرے گا۔ مگر اپنے نقصان کا پتہ اسے جب چلے گا جبکہ پتہ چلنا کام نہ آوے گا یہ بھی خیال رکھو کہ انسان جس کے لئے کام کرے گا اس کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قربانی جو جناب خلیل کا عمل ہے صفا مروہ دوڑنا جو جناب ہاجرہ کا عمل ہے۔ طواف میں رمل کرنا یعنی اکڑ کے چلنا جو پیارے محبوب کا عمل ہے اسلام میں باقی رکھیں کیوں تا کہ ان کاموں کی وجہ سے ان کام والوں کی محبت دل میں پیدا ہو تو جو کوئی شیطانی کام کرے گا اسے شیطانی لوگوں سے محبت ہوگی اور ان سے محبت رب تعالیٰ سے دوری ہے اے مسلمانوں خیال رکھو کہ شیطان صرف وعدے ہی کرتا ہے وعدے پورے نہیں کرتا تمنائیں دلوں میں ڈالتا ہے مگر اس کی ڈالی ہوئی تمنا پوری نہ ہوگی یہ سب اس کا فریب ہے جو لوگ اس مردود کی باتوں میں آجائیں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جہاں سے وہ کبھی آزاد نہ ہوں گے لہٰذا اس کی باتوں میں نہ آؤ اپنا انجام سوچو۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: دراز عمر زیادتی عمر وغیرہ کی تمنا جو رب سے غافل کردے شیطانی کام ہے اس نے دراز عمر اپنے لئے مانگی تھی لوگوں کو بہکانے کیلئے جیسا کہ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ کی تفسیر سے معلوم ہوا البتہ یہ چیزیں اللہ کی عبادت اس کی رضا کے لئے مانگنا بہتر ہے۔ **دوسرا فائدہ**: گائے کی تعظیم کرنا یا ہولی دیوالی کو جانوروں کے سینگ رنگنا یا مشرکین و کفار کی سی رسمیں کرنا شیطانی کام ہیں۔ مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے۔ جیسا کہ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ کی تفسیر سے معلوم ہوا بلکہ کفار کے بڑے دنوں کی تعظیم کرنا گنگا وغیرہ کا احترام کرنا کفر ہے مسلمانوں کو اس سے سب سے نفرت چاہئے۔ **تیسرا**

فائدہ: مردوں کو داڑھی منڈانا عورتوں کو سر منڈانا اسی طرح مردوں کو زنانہ لباس وضع قطع اور عورتوں کو مردانہ لباس وضع قطع کرنا حرام ہے کہ یہ سب تغییر خلق اللہ ہے یوں ہی لواطت کرنا حرام ہے کہ یہ سب چیزیں تغییر خلق اللہ میں داخل ہیں اس کی کچھ تفصیل ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے اور پوری تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو فقہاء تو فرماتے ہیں کہ تیمم میں چہرے یا ہاتھوں پر خاک نہ ملے بلکہ ہاتھ جھاڑ کر منہ پر پھیرے کہ منہ پر خاک ملنا تغییر خلق اللہ ہے اسی طرح پوڈر وغیرہ لگا کر چہرے کا رنگ بدلنا ممنوع ہے کہ ان سب میں خلق اللہ کی تبدیلی ہے۔ **چوتھا فائدہ**: جیسے نیک عقیدے اور نیک اعمال کا موجد اللہ تعالیٰ ہے اور بندہ اس کی توفیق سے نیک بنتا ہے ایسے ہی برے عقیدے اور برے اعمال کا موجد شیطان ہے کہ انسان اس کے بہکانے سے بد دین اور بد عمل بنتا ہے چنانچہ ظلماً قتل شیطان نے قابیل کو سکھایا۔ آتش بازی نمرود کو سکھائی۔ کھیل تماشے فرعون کو تعلیم کئے وغیرہ آج بری رسمیں برے اور گندے گیت دراصل شیطان ہی کی ایجاد سے ہیں ورنہ دیکھو لو کہ نیکیاں تو قرآن و حدیث و فقہ میں لکھی ہیں اچھی نظمیں بزرگوں کی تصانیف میں ہیں مگر گناہ بدکاریوں اور بد معاشی کی رسمیں گندے گیت کہاں لکھے ہیں یہ کہاں سے مروج ہوئے یہ سب شیطان کی ایجاد ہے یہ فائدہ **وَلَاٰمُرَنَّهُمْ** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: برے عالم برے پیر برے حکام جو گناہوں بد عقیدگیوں بدکاریوں کو رائج کریں شیطان کے ایجنٹ ہیں یہ بھی **لَاٰمُرَنَّهُمْ** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ ان کے کلام، کام، تقریریں شیطانی ہیں ان کے منہ میں شیطان بولتا ہے۔ **چھٹا فائدہ**: شیطان اور شیطانی لوگ **وَلِی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** ہیں جہاں کہیں اولیاء **مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** کی برائیاں آتی ہیں وہاں یہ ہی مراد ہیں یہ آیت ان آیات کی تفسیر ہے دیکھو یہاں فرمایا **مَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** ایک جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ** (بقرہ: ۲۵۷) رہے ولی اللہ ان سے نسبت رکھنا دونوں جہان کی عزت کا باعث ہے۔ اصحاب کہف کا کتا ان بزرگوں کی صحبت کی وجہ سے عظمت پا گیا اولیاء اللہ کے ذریعہ مشکلیں کھلتی ہیں قسمتیں جاگ جاتی ہیں۔ **ساتواں فائدہ**: بری رسموں مال دولت فضول خرچیوں ٹھیوں وزارتوں کو عزت کا ذریعہ سمجھنا شیطانی دھوکہ ہے جیسا کہ **اِلَّا غُرُوْرًا** سے معلوم ہوا۔ عزت و عظمت اللہ رسول کی فرمان برادری میں ہے آج مسلمان بہت زیادہ اس دھوکے میں ہیں ان عزتوں کی بنیاد کھوکھلی ہے جلد ختم ہو جاتی ہیں۔ **آٹھواں فائدہ**: رب تعالیٰ نے شیطان کو علوم غیبیہ دیئے کیوں بہکانے کے لئے دیکھو جو کچھ اس نے انسانوں کے متعلق بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا ہو بہو درست نکلا آج یہ سب کچھ دیکھنے میں آرہا ہے۔ جب اس فسادی کو اتنا وسیع علم دیا گیا تو مقبول بندے جو اس مردود کا فساد مٹانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ان کا علم اس ملعون سے زیادہ ہونا چاہئے کہ دوا کی طاقت بیماری سے زیادہ ہونا لازم ہے۔ **نواں فائدہ**: ہر کافر اپنی خلقت و فطرت کو بدلتا ہے کہ رب نے اسے ایمان پر پیدا فرمایا اس نے کفر کر کے اپنی پیدائشی فطرت کو بدل لیا جیسا کہ **فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ** کی تفصیل سے معلوم ہوا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: جانوروں کے کان چیرنے میں کیا حرج ہے جسے رب تعالیٰ نے اس قدر اہتمام سے یہاں ذکر فرمایا ہم جانوروں کے ناک چھید کر اس میں ناتھ ڈالتے ہیں عورتوں کے کان چیر کر اس میں زیور پہناتے ہیں کیا یہ بھی حرام اور تبدیلی خلق اللہ ہے۔ **جواب:** یہاں وہ کان چیرنا مراد ہے۔ جو بتوں کے نام پر چھوڑے جانے کی علامت ہو کفر کی علامت بھی کفر ہے۔ زنار ایک دھاگہ ہے مگر اس کا باندھنا کفر ہے کہ یہ کفر کی علامت ہے جانوروں کی ناک چیرنا ضرورت کے لئے ہے عورتوں کی ناک کان چھیدنا زینت کے لئے اسے کفر سے کوئی نسبت نہیں۔

دوسرا اعتراض: اگر خلق اللہ کی تغییر وتبدیل ممنوع ہے تو چاہئے کہ حجامت کرانا ختنہ کرانا بکرے یا بیل کو خصی کرنا مہندی وغیرہ کا خضاب کرنا سب ہی حرام ہو جاوے کہ ان سب میں تبدیلی خلق اللہ ہے جس طرح رب نے پیدا کیا اسی طرح رہنا چاہئے۔ **جواب:** ہم حکم کے بندے ہیں۔ جن تبدیلیوں کا رب نے حکم دیا وہ تبدیلیاں کرنا عبادت ہے جن تبدیلیوں سے منع فرمایا وہ تبدیلی حرام ہے داڑھی کے بال منڈانا حرام زیر ناف کے بال نہ منڈانا حرام حالانکہ بظاہر یہ دونوں بال ہی ہیں حلال جانوروں کو خصی کرنا گوشت اعلیٰ ہونے کا ذریعہ ہے یہ جائز ہے حتیٰ کہ خصی جانور کی قربانی بھی درست ہے۔ بیل بھینسے کو خصی کرنا انہیں طاقتور کرنے کا ذریعہ ہے حلال ہے۔ کتے وغیرہ حرام جانوروں کو خصی کرنا بلا وجہ ہے لہٰذا حرام ہے غرضیکہ تغییر خلق اللہ میں عقل کو دخل کم ہے۔ عبادت وعادت کفر واسلام میں فرق کرنے والی چیز زبان پاک مصطفےٰ ہے ﷺ اس زبان پاک نے جسے عبادت کہہ دیا وہ عبادت بن گیا جسے کفر فرما دیا وہ کفر ہو گیا داڑھی رکھنا عبادت اور سر پر چوٹی رکھنا کفر ہے۔ آب زمزم کی تعظیم عبادت ہے گنگا کے پانی کی تعظیم کفر ہے کیوں صرف فرمان عالی کی وجہ سے بحیرہ جانور کا کان چیرنا کفر ہے اور ہدی کے جانور کا کوہان چیرنا عبادت ہے۔ یہ فرق ضرور خیال رکھنا چاہئے۔

تیسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے ایسے بے ادب گستاخ شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا جو رب تعالیٰ کے سامنے ایسی دلیری و بے ادبی سے گفتگو کر رہا ہے اور اسے سزا کیوں نہ دی نیز اسکی ایسی گستاخیوں کو قرآن کریم میں نقل کیوں فرمایا۔ **جواب:** شیطان کی پیدائش کی حکمتیں ہم پارہ اول میں عرض کر چکے ہیں کہ اسی ایک مردود سے ہی دنیا کا نظام قائم ہے اس کی وجہ سے جہاد وغیرہ بہت سی عبادات دنیا میں موجود ہیں۔ سزا کے لئے قیامت کا دن مقرر ہے آج ہم صد گناہ بے ادبیاں کر لیتے ہیں۔ ہم کو سزا کیوں نہیں ملتی۔ بعض انسانوں نے تو دعوے خدائی کر دیا مگر جلد سزا نہ ملی ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے۔ اس کی بکواس قرآن کریم میں نقل فرما کر ہم کو آگاہ کیا گیا ہے کہ ہوشیار رہنا یہ چور ان راستوں سے تم پر حملہ کرے گا۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ گنہگار مسلمان بھی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے دیکھو رب نے فرمایا مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ اور فرمایا وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ کوئی گنہگار مسلمان دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔ **جواب:** یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو شیطان کا حصہ بن گئے، جیسا کہ پچھلی آیت میں معلوم ہوا کہ فرمایا

گیا نَصِیْباً مَّفْرُوْضاً اور ظاہر ہے کہ شیطان کا حصہ صرف کفار ہیں۔ جن کے عقائد بھی فاسد ہو جائیں جو لوگ مذکورہ گناہ انہیں اچھا سمجھ کر کریں۔ وہ کافر ہوئے اور دوزخ میں ہیشگی کے مستحق۔

پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا ہے کہ شیطان کے صرف دو ہی فریب ہیں جھوٹے وعدے وعیدیں۔ زیادہ خواہشات، مگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے فریب بہت زیادہ ہیں ہمارے جسم کے بالوں سے اس کے فریب زیادہ ہیں۔ ان میں تعارض ہے۔ **جواب**: اصلی فریب صرف یہ دو ہیں باقی فروعی فریب بہت ہیں جن سب کی بنا یہ دو ہیں۔ درخت کی جڑ ایک ہے پتے لاکھوں جو شخص ان دو فریبوں سے بچ جاوے وہ غافل نہیں ہو سکتا اور جو غفلت سے بچ گیا وہ شیطان سے امن میں آ گیا چور اس گھر میں جاتا ہے جس کا مالک غافل ہو دنیاوی مشاغل لمبی امیدیں غفلت کی جڑ ہیں لہٰذا آیت واحادیث میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے جنت بنائی اور اس کے لئے بعض انسان پیدا کئے۔ اسی طرح دوزخ پیدا فرمائی اور اس کیلئے بعض انسان بنائے جنت کے مستحقین سعید لوگ ہیں دوزخ کے مستحق شقی وبدبخت ہیں ان دونوں کیلئے دلال اور داعی پیدا فرمائے شیطان بدبختوں کا دلال ہے جو انہیں دوزخ کی طرف بلا رہا ہے خواہشات نفسانیہ دنیا کی زینتیں اس کے آلات میں جن کے ذریعہ وہ لوگوں کا پھانستا ہے جو انسان اس کی پیروی کریں وہ اس کا حصہ ہیں اور جو اس سے نفرت کریں وہ رحمانی جماعت ہے رب نے فرمایا رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (اعراف: ۱۵۶) میری رحمت ہر چیز کو وسیع ہے شیطان اور شیطانی لوگ بولے ہم بھی شی ہیں وہ مارے گئے مقبولوں نے کہا کہ ہم لاشی ہیں کچھ بھی نہیں وہ کامیاب رہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب نے انسان کو دل دیا اس کی بات ماننے کے لئے۔ نفس دیا اس کی مخالفت کرنے کو جو دل کی نہ مانے نفس کی مانے اس نے خلق اللہ کی تبدیلی کر لی وہ عذاب کا مستحق ہے۔ رب نے سانپ بچھو پیدا فرمائے بچنے کے لئے گائے بھینس بنائی نفع حاصل کرنے کو جو سانپ سے دوستی کرے وہ تبدیلی خلق کرتا ہے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ نفس شیطان اور شیطانی لوگوں کو اپنا دوست نہ سمجھو ورنہ دھوکہ کھاؤ گے۔ اپنے دل کو خوف خدا اور محبت رسول سے ایسا بھر دو کہ وہاں شیطانی وعدے وعیدوں کے سمائے جانے کی جگہ ہی نہ رہے۔ شیطانی وعدے دنیاوی خواہشات ان ہی دلوں میں پہنچتے اور رہتے ہیں جہاں ان کے رہنے کی جگہ ہو۔ شعر

بے حجابانہ درآ اندرین کاشانۂ ما | کہ بجز دردِ تو کس نیست دریں خانۂ ما

اللہ تعالیٰ اس خانۂ دل میں اپنا خوف حضور کی محبت ایسی بھر دے کہ وہاں کسی اور چیز کی گنجائش ہی نہ رہے پھر نور محمدی دل میں بے حجاب آوے گا۔ پردہ اپنوں سے نہیں ہوتا۔ غیروں سے ہوتا ہے جس دل میں اغیار ہیں وہاں یار کیسے آوے۔ خیال رکھو دوکان کے جیسے سودے ویسے ہی اس کے خریدار شراب کی دوکان پر نمازی خریداری نہیں کرتے دل میں سودے اچھے رکھو تا کہ اس کا خریدار اللہ تعالیٰ ہو۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام کئے نیک عنقریب داخل فرمائیں گے ہم انہیں باغات میں

اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کچھ دیر جاتی ہے کہ ہم انہیں باغوں میں لے

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ

کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں وعدہ اللہ کا

جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ان میں رہیں اللہ کا سچا

حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَ

سچا اور کون ہے زیادہ سچی بات والا اللہ سے نہیں ہے تمہاری خواہشوں پر اور

وعدہ اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی کام نہ کچھ تمہارے خیالوں پر ہے اور

لَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا

نہ کتابیوں کی خواہشوں پر جو کوئی عمل کرے گا بری جزاء دیا جاوے گا اس کی اور نہ

نہ کتاب والوں کی ہوس پر جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا اور اللہ

يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

پائے گا واسطے اپنے اللہ کے مقابل دوست اور نہ مددگار

کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائے گا نہ مددگار

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار اور ان کی بدکاریوں کا ذکر تھا اب اس آیت میں مسلمانوں اور ان کی نیک عملیوں کا ذکر ہے تا کہ لوگ ان بدکاریوں سے بچیں اور یہ اعمال اختیار کریں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں شیطان کے جھوٹے وعدوں کا ذکر تھا اب اللہ تعالیٰ کے سچے وعدوں کا ذکر ہے تا کہ لوگ شیطان کے جھوٹے وعدوں پر اعتبار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کے سچے وعدوں پر بھروسہ کریں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں شیطانی ٹولہ کا ذکر تھا جن کے متعلق فرمایا گیا تھا نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا اب رحمانی ٹولہ کا ذکر ہے تا کہ ہر شخص شیطانی ٹولہ سے بچے رحمانی ٹولہ میں آنے کی کوشش کرے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں شیطان کے فریبوں اور دھوکوں کا ذکر تھا اب ان دھوکوں سے بچنے کا ذریعہ بتایا جا رہا ایمان و نیک اعمال۔ بھیڑیوں کے بن میں وہ ہی بھیڑ بکریاں محفوظ رہ سکتی ہیں جو چرواہے مالک کے محفوظ طویلہ میں [illegible] کی [illegible] درندہ ہمارے پیچھے پڑا ہے ہم کو

چاہئے کہ ایمان کے قلعہ اور نبی ولی کے حفاظت میں رہیں ورنہ شکار ہو جائیں گے۔

شانِ نزول

ابن جریر و ابن ابی حاتم نے حضرت امام سدی سے روایت کی کہ ایک بار مسلمانوں اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ میں مناظرہ ہوا یہود بولے ہمارے نبی موسیٰ علیہ السلام تمہارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے اور افضل ہیں۔ ہماری کتاب توریت تمہاری کتاب قرآن مجید سے پہلے ہے ہمارا قبلہ بیت المقدس تمہارے قبلہ کعبہ سے پہلے ہے لہٰذا ہم بہرحال جنتی ہیں خواہ کچھ بھی کریں قریباً یہ ہی بات عیسائیوں نے کی مسلمانوں نے ان کی جواب میں کہا کہ ہمارے نبی خاتم النبیین ہیں ہمارا قرآن غیر منسوخ ہے۔ ہمارا قبلہ کعبہ معظمہ بیت المقدس سے افضل و اعلیٰ و مقدم ہے لہٰذا تم سے ہم افضل و بہتر و لائق بخشش ہیں۔ اس پر آیت کریمہ لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ الخ نازل ہوئی (روح المعانی و خازن وغیرہ)۔

(۲) مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ میں مناظرہ ہوا یہود بولے ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ ہم کو کوئی گناہ مضر نہیں ہم کو صرف چند دن آگ پہنچے گی پھر معافی ہو جائے گی۔ مشرکین بولے کہ نہ قیامت ہے نہ حساب و کتاب پھر سزا جزاء کیسی ان کے متعلق یہ آیت کریمہ لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ الخ نازل ہوئی (خازن و کبیر و روح المعانی وغیرہ)۔

روایت

جب یہ آیت مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ (النساء:۱۲۳) نازل ہوئی تو مسلمانوں کو بہت ہی فکر لاحق ہوئی کہ جب ہر برائی کہ بدلہ ملنا ہے تو ہم میں سے بخشا کون جاوے گا ہم سب ہی برے کام کر لیتے ہیں تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کی دنیاوی تکالیف کفارہ بن جاتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت کریمہ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ (النساء:۱۲۳) نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیق نے بارگاہ رسالت میں یہ ہی سوال فرمایا تو حضور ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر تم اور سارے مسلمان انشاء اللہ دنیاوی تکالیف فکر و غم وغیرہ برداشت کرنے کی وجہ سے پاک و صاف ہو کر دنیا سے جاؤ گے (خازن) اس کے متعلق اور روایات بھی ہیں۔

تفسیر

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یہ نیا جملہ ہے لہٰذا واؤ استینافیہ ہے اَلَّذِیْنَ سے مراد صرف انسان ہیں کیونکہ جنت اور وہاں کی نعمتیں صرف مومن انسانوں کے لئے ہیں۔ جن و فرشتوں کے لئے نہیں اٰمَنُوْا میں تمام عقائد کا اجمالی ذکر ہے اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں سارے اعمال صالحہ بدنی مالی عبادات درستی معاملات۔ اخلاقیات سیاسیات دوستوں قریبیوں سے تعلقات سب ہی داخل ہیں۔ ایمان کا ذکر پہلے فرمایا کیونکہ ایمان اعمال سے مقدم ہے۔ ایمان جڑ ہے اعمال شاخیں اعمال کا ذکر ایمان کے ساتھ فرمایا تا کہ پتہ لگے کہ صرف ایمان پر اعتماد کر کے اعمال سے بے نیاز ہو جانا سخت غلطی ہے۔ پھل وہ ہی کھائے گا جو جڑ اور شاخیں دونوں کی نگہبانی کرے گا عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کو مطلق رکھا تا کہ پتہ چلے کہ عمل بقدر طاقت لازم ہیں۔ خیال رہے کہ مدار نجات توحید نہیں بلکہ ایمان ہے نبوت کے علاوہ دیگر چیزوں ذات الٰہی فرشتوں جنت دوزخ قیامت وغیرہ کو ماننا صرف

توحید ہے اور نبوت کو ماننا ایمان ہے شیطان نبوت کے سوا تمام چیزیں مانتا ہے وہ موحد ہے مومن نہیں یا اللہ تعالیٰ کو ماننا توحید ہے اور اسے نبوت کے ذریعہ ماننا ایمان ہے یہ بھی خیال رہے کہ نیک اعمال کسبی جنت کیلئے ضروری ہیں۔ وہبی اور عطائی جنت کے لئے لازم نہیں مسلمانوں کے چھوٹے بچوں کو وہبی جنت ملے گی اور جو مخلوق جنت بھرنے کے لئے پیدا کی جاوے گی انہیں عطائی جنت ملے گی جنت کا حاصل ہونا تین طرح کا ہے کسبی، وہبی، عطائی مگر دوزخ کا حاصل ہونا صرف ایک طرح کا ہے یعنی کسبی لہٰذا مومنوں کے بچے تو جنتی ہیں مگر کفار کے بچے دوزخی نہیں۔ سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ یہ عبارت وَالَّذِیۡنَ مبتدا کی خبر ہے اگرچہ مسلمانوں کو جنت کا جسمانی داخلہ قیامت کے بعد ملے گا مگر چونکہ قیامت آ رہی ہے اور یقیناً آ رہی ہے اور ہر آنے والی چیز قریب ہے اس لئے سین داخل فرمایا گیا جو قرب کے لئے آتا ہے یا رب کے ہاں ایک دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے لہٰذا اس حساب سے جنت ملنا قریب ہے۔ عشاق کہتے ہیں کہ مومن متقی دنیا میں ہی جنت میں رہتا ہے دنیا کے رنج وخوشی کا دل میں نہ آنا وہاں یار کے جلوے رہنا۔ دنیا کی جنت ہے جس میں شریعت وطریقت حقیقت معرفت کی نہریں بہہ رہی ہیں ان جنتوں سے مسلمان کبھی نہیں نکلتا بہر حال اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں نیز ہر مسلمان کو کئی کئی جنتیں ملیں گی اس لئے جَنّٰتٍ جمع ارشاد ہوا مِنۡ تَحۡتِهَا فرما کر یہ بتایا گیا کہ نہریں دور نہ ہوں گی۔ جہاں سے پانی دودھ وغیرہ لایا جاوے بلکہ ان باغوں کے درختوں کے نیچے ہی رواں ہوں گی۔ جن سے باغ بھی سرسبز وشاداب رہیں گے اور پانی دودھ وغیرہ لینے میں آسانی ہوگی انہار اور بحار کا فرق بارہا بیان کیا جا چکا ہے کہ جنت کے درختوں کے نیچے نہریں کیوں ہیں بحریں یعنی دریا کیوں نہیں ہر جنت کے نیچے چار نہریں ہوں گی پانی کی دودھ کی شہد کی شراب طہور کی اس لئے انہار جمع ارشاد ہوا یعنی ہم ایسے باعمل مومنوں کو ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے۔ جن کے نیچے مختلف چیزوں کی نہریں ہمیشہ رواں ہیں۔ جنت میں باغات کی سبزی پانی سے نہ ہوگی وہ تو قدرتاً سبز رہیں گے۔ جیسے جنتی لوگوں کا پانی پینا زندگی کے لئے نہ ہوگا وہ تو اللہ کے ذکر سے جئیں گے یہ نہریں جنت کی زینت کیلئے ہوں گی پانی کنوئیں چشمے تالاب، نہر، دریا میں ہوتا ہے مگر چونکہ کنوئیں تالاب چشمہ کا پانی بہتا نہیں اس میں حسن نہیں اس لئے وہاں یہ چیزیں نہ ہوں گی۔ نہر و دریا کا پانی بہتا ہے مگر نہر میں حسن ہے جو بحر میں نہیں، اس لئے وہاں صرف نہریں ہوں گی۔ نُدۡخِلُ فرما کر بتایا کہ وہاں کا داخلہ ہمارے کرم سے ہوگا۔ خیال رہے کہ جنت میں داخلہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جنت ہمارے پاس آ جاوے دوسرے یہ کہ ہم جنت میں پہنچ جاویں۔ مومن کو مرتے وقت اور قبر کے امتحان میں پاس ہو کر جنت کا پہلا داخلہ مل جاتا ہے کہ جنت کی ہوائیں، خوشبوئیں، پھل قبر میں ہی پہنچتے ہیں اور موت تو بہت قریب ہے لہٰذا یہ داخلہ بھی قریب اور دوسرا داخلہ بعد قیامت ہوگا ہوسکتا ہے کہ یہاں پہلا داخلہ مراد ہو۔ اس لئے سَنُدۡخِلُ سین کے ساتھ فرمایا۔ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا یہ عبارت سَنُدۡخِلُهُمۡ کی ضمیر مفعول سے حال ہے خلود کے معنی ہیں ٹھہرنا دراز۔ اس کے ساتھ اَبَدًا آ جاوے تو اس کے

معنی ہوتے ہیں ہمیشہ ٹھہرنا کہ وہاں نہ مرنا ہو نہ زندگی میں نکلنا (خازن) یعنی جنتی اپنی جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ مریں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔ وَعْدَ اللهِ حَقًّا یہ عبارت اصل میں یوں تھی وَعَدَ اللهُ وَعْدًا وحق حقًّا اور ہوسکتا ہے کہ حَقًّا۔ وَعْدَاللهِ کا حال ہو (کبیر وخازن) یعنی شیطان کے وعدے تو سارے جھوٹے ہیں۔ اللہ کے سارے وعدے سچے ہیں جن کے خلاف ہونا ناممکن ہے کیونکہ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللهِ قِيْلًا ۔مَنْ سوال انکاری کے لئے ہے اَصْدَقُ صدق کا اسم تفضیل ہے قِيْلًا اَصْدَقُ کی ضمیر سے تمیز یعنی سوچو تو خدا تعالیٰ سے بڑھ کر سچے وعدے والا کون ہے یعنی کوئی نہیں اس کا جھوٹ ناممکن بالذات ہے کیونکہ جھوٹ ایسا عیب ہے جو الوہیت کے خلاف ہے۔ تو جب تم دنیاوی حکومتوں کے وعدوں پر پورا اعتماد کر لیتے ہو تو اللہ کے وعدوں پر ضرور بھروسہ کرو۔ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ یہ نیا جملہ ہے جس میں گزشتہ ثوابوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ بیان فرمایا گیا لَيْسَ فعل ناقصہ ہے جس کا اسم پوشیدہ ہے هُوَ اس سے مراد یا مذکورہ ثواب ہے یا مذکورہ وعدہ یا دین یا ثواب وعذاب دونوں مگر پہلی دو توجیہیں زیادہ قوی ہیں کہ ثواب اور وعدے کا ذکر ابھی ہو چکا ہے اَمَانِيُّ اُمْنِيَةٌ کی جمع ہے بر وزن افعولۃ اصل میں امنویۃ تھا۔ واؤ۔ی میں ادغام ہو گیا۔ امنیہ باطل خیال کو کہتے ہیں۔ آرزو وخواہش کو بھی کبھی کلام اور قرأت کو بھی کہا جاتا ہے۔ اسکی تحقیق اس آیت میں ہو چکی اِلَّا اِذَا تَمَنّٰى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْ اُمْنِيَّتِهٖ (حج:۵۲)۔ یہاں باطل خیال جھوٹی آرزو کے معنی میں ہے کُمْ میں خطاب یا مسلمانوں سے ہے یا مشرکین عرب سے جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا۔ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ یہ عبارت اَمَانِيِّكُمْ پر معطوف ہے لا تاکید نفی کیلئے مکرر لایا گیا یعنی جن ثواب یا وعدوں کا ذکر ہوا یہ نہ تو اے مسلمانوں یا اے مشرکین تمہارے باطل خیالات سے حاصل ہو سکتے ہیں نہ اہل کتاب کی باطل تمناؤں و آرزوؤں سے بلکہ ان کا حصول ایمان ونیک اعمال سے ہو سکتا ہے اگر ان کی خواہش ہے تو اعمال کرو۔ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ یہاں مَنْ سے مراد ہر جن وانس ہے کیونکہ گناہوں کی سزا ان دونوں جماعتوں کو ملے گی اگر سوء سے مراد کفر و شرک ہو۔ تب تو يُجْزَ بِهٖ سے مراد ہے اخروی عذاب اور اگر مراد گناہ ہوں۔ تو يُجْزَ بِهٖ سے عام سزائیں مراد ہیں۔ دنیاوی ہوں یا اخروی لہٰذا آیت کریمہ بالکل واضح ہے۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ آگے جس چیز کا ذکر آرہا ہے۔ دوست و مددگار نہ ہونا یہ کفار سے خاص ہے (تفسیر کبیر) یعنی جو جن وانس کفر و شرک کرتا مرے گا۔ اسے آخرت میں ضرور سزا ملے گی یا جو گناہ کرے گا اسے ضرور سزا ملے گی دنیا میں یا آخرت میں یا آخرت میں اس کی نیکیاں کم کر دی جائیں گی۔ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا یہ جملہ يُجْزَ بِهٖ پر معطوف ہے اور اس مجرم کی دوسری سزا لَهٗ کا مرجع مَنْ ہے دُوْن یا بمعنی سواء ہے یا بمعنی مقابل دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں کیونکہ اگر سواء کے معنی کئے جاویں تو مطلب یہ بھی ہو سکے گا کہ اس کا مددگار اللہ تعالیٰ تو ہوگا۔ دوسرا اور کوئی نہ ہوگا۔ یہ محض باطل ہے اگر بمعنی مقابل ہو تو بالکل واضح ہے۔ ولی اور نصیر کے معانی اور ان میں فرق بارہا بیان ہو چکا ہے یعنی وہ مجرم اپنے لئے

اللہ کے مقابل نہ کوئی ولی و دوست پائے گا۔ جو دوستی کے ذریعہ رب کے عذاب سے چھڑا لے نہ مددگار جو قوت و طاقت کے ذریعہ اس سے چھوڑا لے یہاں تفسیر خازن میں فرمایا گیا کہ اس جگہ روئے سخن کفار و مشرکین سے ہے کیونکہ قیامت میں گنہگار مومن کے لئے اللہ تعالیٰ بہت سے مددگار مقرر فرماوے گا بعض نے فرمایا کہ اس آیت میں مَنْ سے مراد کافر ہے اور سوء سے ہر گناہ ہے معنی یہ ہیں کہ جو کافر کوئی بھی گناہ کرے گا چھوٹا یا بڑا اس کی سزا ضرور پائے گا اس کا کوئی گناہ معاف نہ ہوگا۔ معافی مومن کے لئے ہے۔

خلاصہ تفسیر جو لوگ تمام عقائد اسلامیہ اختیار کر کے مومن ہوئے اور انہوں نے بقدر طاقت ہر قسم کے نیک اعمال کئے ہم عنقریب انہیں بعد قیامت ان دائمی باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے پانی، شہد، دودھ اور شراب طہور کی نہریں ہمیشہ بہتی ہیں۔ ان چیزوں کے کنوئیں یا تالاب یا چشمے نہیں ہیں کہ ان میں حسن و خوبصورتی نہ ہو اور اہل جنت کو پانی وغیرہ لانے کے لئے دور جانا پڑے نہ دریا ہیں جن میں سیلاب وغیرہ کا خطرہ ہو بلکہ نہریں ہیں وہ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے سچا وعدہ کیا ہوا ہے۔ اپنی کتابوں توریت و انجیل و زبور و قرآن میں یا اپنے رسولوں کی زبان پر کتابوں اور رسولوں کے وعدے خود رب تعالیٰ کے وعدے ہیں۔ خود سوچ لو کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچے کلام اور سچے وعدہ والا کون ہے کہ رب تعالیٰ کو وعدہ پورا کرنے سے نہ تو کوئی مجبوری ہے نہ وہ وعدہ خلافی کا عادی ہے وعدہ خلافی تو شان الوہیت کے خلاف ہے اے مسلمانو یا اے مشرکو یہ ثواب یہ وعدے نہ تو صرف تمہاری خواہشات و خیالات باطلہ سے مل سکتے ہیں نہ اہل کتاب کے جھوٹے خیالات سے کہ تم کہو کہ چونکہ ہم مسلمان ہو چکے جنت ہماری ہوگئی اعمال کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں یا مشرکین یہ سمجھ لیں کہ چونکہ بت ہمارے مددگار ہیں ہم کو بہر حال جنت دلوا دیں گے یا یہود و نصاریٰ یہ سمجھ لیں کہ چونکہ ہم دین موسوی و عیسوی پر ہیں ہم کو عذاب نہ ہوگا یہ سب باطل خیالات ہیں جنت لینا ہے تو ایمان و تقویٰ دونوں چیزیں اختیار کرو خیال رکھو کہ جو جن و انس کافر ہو کر کوئی گناہ کرے گا اسے سزا ضرور دی جاوے گی بعد قیامت اور اس کا کوئی چھوٹا بڑا گناہ معاف نہ ہوگا یا جو شخص شرک و کفر کرے گا قیامت میں سزا ضرور دیا جاوے گا جو مسلمان گناہ کرے گا وہ بدلہ دیا جاوے گا یا اس طرح کہ اس پر دنیا میں تکالیف آئیں گی یا اس طرح کہ آخرت میں سزا اسے دی جاوے یا اس طرح کہ اس کی نیکیاں کم کردی جاویں اور کفار مشرکین قیامت میں نہ اپنا کوئی دوست پائیں گے نہ مددگار جو رب تعالیٰ سے مقابلہ کر کے انہیں عذاب سے چھوڑا لے اگر ہمارے عذاب سے بچنا ہے تو ہماری اطاعت کرو۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اعمال پر ایمان مقدم ہے کہ بغیر ایمان کوئی نیکی قبول نہیں جیسا کہ ایمان کو اعمال پر مقدم فرمانے سے معلوم ہوا کفار کتنے ہی صدقے خیرات کریں [illegible] **دوسرا فائدہ**: ایمان کے

ساتھ نیک اعمال کی بھی ضرورت ہے جیسا کہ **وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** سے معلوم ہوا جو شخص کہے کہ مسلمان کو کسی نیک عمل کی ضرورت نہیں وہ اس آیت کے خلاف کہتا ہے۔ **تیسرا فائدہ**: اعمال نہ عین ایمان ہیں۔ نہ جز و ایمان بلکہ ایمان کے علاوہ ہیں کیونکہ یہاں اعمال کو ایمان پر معطوف کیا گیا اور معطوف ہمیشہ معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ **چوتھا فائدہ**: قیامت بہت قریب ہے۔ اگرچہ ہم کو دور معلوم ہو جیسا کہ **سَنُدْخِلُهُمْ** کے سین سے معلوم ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے **اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ** (قمر: ۱)۔ **پانچواں فائدہ**: متقی مومن کا جنتی ہونا یقینی ہے کہ رب تعالیٰ اس کا وعدہ فرما چکا ہے اب جو شخص صحابہ کرام خصوصاً حضرت صدیق اکبر کو جن کے ایمان و تقویٰ کی گواہی قرآن مجید دے رہا ہے انہیں دوزخی کہے وہ جھوٹا ہے اس آیت کا منکر ہے۔ خود دوزخی ہے۔ صحابہ کرام وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت۔ اسلام کی اشاعت قرآن کی حفاظت کے لئے چن لیا مہربان باپ اپنے بچے کو بروں کی صحبت سے بچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بروں سے الگ رکھا اچھوں کو حضور کے ساتھ رکھا۔ صحابہ کرام کے اخلاص میں شک کرنے والوں انہیں ریاکار کہنے والے منافقوں کے متعلق فرمایا **اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ** (توبہ: ۸۰) اگر آپ ستر بار بھی ان کے لئے بخشش کی دعا کریں اللہ انہیں نہ بخشے گا تو ان حضرات کو کافر یا منافق کہنے والوں کا کیا انجام ہوگا خود اپنے ایمان سے فیصلہ کرالو۔ **چھٹا فائدہ**: صرف نسب اور نسبتوں پر فخر کرنا اعمال کی کوشش نہ کرنا پھر اپنے کو جنتی سمجھنا جھوٹی ہوس اور خیال خام ہے جیسا کہ **لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ** الخ سے معلوم ہوا۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو محبت حسین ہونے کا دعویٰ کر کے اپنے کو نماز روزے سے بے نیاز سمجھتے ہیں شعر۔

گندم از گندم بروید جوز جو ‏ ‏ ‏ ‏ از مکافات عمل غافل مشو!

جو بو کر گندم کیسے کاٹ سکتے ہو۔ **ساتواں فائدہ**: کفار کا مددگار دوست قیامت میں کوئی نہ ہوگا۔ جیسا کہ **لَا يَجِدْ لَهٗ** الخ سے معلوم ہوا۔ وہاں کفار کی دوستیاں قرابتداریاں دشمنی میں تبدیل ہو جائیں گی رب تعالیٰ فرماتا ہے **اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ** (زخرف: ۶۷) مومنوں کے مددگار دوست بہت ہوں گے۔ **اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا**۔ (مائدہ: ۵۵)

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنتی ہونے کے لئے ایمان و اعمال دونوں ہی یکساں ضروری ہیں جیسا کہ **اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** سے پتہ لگا تو لازم آیا کہ جیسے کوئی شخص بغیر ایمان جنت میں نہیں جا سکتا ایسے ہی بغیر نیک اعمال جنت میں نہ جا سکے حالانکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ بے عمل مومن بھی جنتی ہے نیز جو لوگ ایمان لاتے ہی فوت ہو جاویں وہ بھی جنتی ہیں اگرچہ کسی عمل کا وقت نہ ملے یہ دونوں عقیدے اس آیت کے خلاف ہیں۔ **جواب**: ایمان سے جنت کا داخلہ ہے اور اعمال سے جنت کا اولی داخلہ گنہگار مسلمان ممکن ہے کہ اول [illegible] جنت میں نہ جا سکے [illegible] **سَنُدْخِلُهُمْ** سے مراد جنت کا

اولی داخلہ ہے جیسا کہ سین سے معلوم ہوا اگر یہ تفصیل نہ کی جاوے تو بہت سی آیات و احادیث سے تعارض ہوگا نیز اعمال بقدر طاقت ضروری ہیں جو مسلمان ہوتے ہی فوت ہو جاوے اس کو عمل کی قدرت ہی نہ ملی رب تعالیٰ فرماتا ہے

لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّاوُسْعَھَا۔ (بقرہ:۲۸۶)

دوسرا اعتراض: یہاں سَنُدْ خِلُھُمْ جمع متکلم کا صیغہ کیوں فرمایا گیا سَنُدْ خِلُھُمْ واحد غائب چاہئے تھا یعنی ان کے ایمان و اعمال انہیں جنت میں داخل کریں گے کیونکہ یہ ہی چیزیں اسے جنت میں لے گئیں۔ **جواب:** یہ بتانے کے لئے کہ کوئی شخص اپنے اعمال پر نازاں نہ ہو جنت کا داخلہ درحقیقت ہمارے کرم سے ہوگا ایمان و اعمال تو اس کا سبب ہیں۔ جیسے دنیا میں ہم روزی کے لئے کسب کرتے ہیں مگر رزاق روزی رساں رب تعالیٰ ہی ہے اس کا کرم نہ ہو تو کسب کام نہیں آتا شعر:

اگر بہ ہر سویت ہنر دو صد باشد ہنر بہ کار نہ آید چو بخت بد باشد (سعدی)

تیسرا اعتراض: یہاں جنت جمع کیوں فرمایا گیا جنت تو ایک ہی ہے جیسے دوزخ ایک ہے۔ **جواب:** جنت کے معنی ہیں چھپا ہوا باغ یہ اسم جنس ہے پورے باغ کو بھی جنت کہتے ہیں اس کے اجزاء کو بھی جنت ہی کہا جاتا ہے پوری جنت تو ایک ہے مگر اس کے مجموعی حصے آٹھ یا سات پھر افرادی حصے بے شمار ایک ایک جنتی کو بہت سی جنتیں عطا ہوں گی نماز کی جنت علیحدہ روزے کی علیحدہ زکوٰۃ کی علیحدہ انشاء اللہ تعالیٰ وہ کریم ہے اس نے دینے کے بہت سے ذریعہ بہانے بنا دیئے ہیں شعر:

رحمت حق بہا نمی طلبد رحمت حق بہانہ می طلبد

اللہ کی رحمت قیمت نہیں مانگتی وہ تو بہانہ چاہتی ہے وہ دینے کو تیار ہے ہم لینے والے بنیں لہٰذا جمع فرمانا درست ہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی گنہگار کا کوئی گناہ معاف نہ ہوگا ہر گناہ کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ دیکھو فرمایا گیا۔ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءً یُّجْزَبِہٖ جو شخص کوئی گناہ کرے سزا دیا جاوے گا مَنْ بھی عام ہے سُوْٓءً بھی مطلق لہٰذا بخشش شفاعت کوئی چیز نہیں (معتزلہ)۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب تفسیر سے معلوم ہو گئے ایک یہ کہ مَنْ اور سُوْٓءً مطلق نہیں بلکہ مجمل ہیں۔ ان کی تفصیل و تفسیر دوسری آیات و احادیث میں ہے کہ یا تو مَن سے مراد کافر ہے تو سُوْٓءً سے مراد ہر گناہ ہے صغیرہ ہو یا کبیرہ کافر کا کوئی گناہ معاف نہیں یعنی جو کافر و مشرک کوئی گناہ کرے گا سزا دیا جاوے گا یا مَنْ سے مراد مطلقاً انسان ہے تو سُوْٓءً سے مراد کفر ہے یعنی جو جن و انس کفر کرے گا ضرور سزا دیا جاوے گا کفر کی بخشش نہیں یا مَنْ سے مراد مسلمان ہے اور سُوْٓءً سے مراد ہر گناہ تو یُجْزٰی بِہٖ سے مراد مطلقاً سزا ہے دنیا میں ہو یا آخرت میں مومن کے لئے دنیا کی بیماری پریشانیاں تفکرات گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے اس کے متعلق حضرت ابوبکر صدیق [illegible] حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مومن کو اگر

کانٹا یا پھانس لگ جاوے وہ بھی اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔ (تفسیر کبیر) یا مَنْ سے مراد مومن ہے اور سوءً سے مراد ہر گناہ ہے اور جزاء سے مراد قیامت کی سزا ہے تو سزا یہ ہے کہ گنہگار مسلمان کی نیکیاں کم ہو جاویں اس کا درجہ گھٹ جاوے رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (ھود:۱۱۴)۔ کلبی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ اس آیت کے نزول پر صحابہ کرام نے یہ ہی سوال بارگاہ رسالت میں عرض کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے نیکی پر دس گناہ کا وعدہ فرمایا ہے اور بدی پر ایک عذاب کی خبر دی ہے اگر گناہ کی سزا دی گئی تو ایک گناہ ایک نیکی کم کر دے گا نو پھر بھی باقی رہیں گی۔ بدیاں اکائیاں ہیں نیکیاں دہائیاں (تفسیر کبیر) دینے والے تیرے نام پاک پر ہم گنہگاروں کی جانیں قربان ہم گنہگاروں کو نکالنے کیلئے کتنے دروازے بنا دیئے ہیں۔ مگران سب جوابوں میں جواب اول بہت قوی ہے کہ یہاں کفار کی سزا کا ذکر ہے کیونکہ اگلا مضمون کفار کے متعلق ہی ہے کہ وہ اپنے لئے مددگار دوست نہ پائے گا۔ قرآن کریم فرما رہا ہے کہ ظالم کافروں کا مددگار کوئی نہیں رب فرماتا ہے مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (بقرہ:۲۷۰)۔ خیال رہے کہ یہ اعتراض خود معتزلہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ بھی صغیرہ گناہوں کی معافی کے قائل ہیں وہ صرف گناہ کبیرہ کی بخشش نہیں مانتے۔

پانچواں اعتراض: جس قدر جوابات دیئے گئے یہ مان لئے جاویں تب بھی شفاعت تو ختم ہو گئی جب ہر گناہ کا بدلہ ضرور ملنا ہے خواہ کسی نوعیت کا ہو تو شفاعت سے بخشش تو نہ رہی۔ **جواب**: اس عتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ آیت کفار کے لئے ہے اور کافر کی شفاعت نہیں اور دوسرے یہ کہ جزا کی جو صورتیں عرض کی گئیں وہ شفاعت ہی سے نصیب ہوں گی رب تعالیٰ حضور کی شفاعت سے دنیاوی تکالیف کو کفارہ گناہ بنا دے گا وغیرہ دوسرے یہ کہ یہ ذکر قانون وعدل کا ہے شفاعت اس کریم کا فضل ہے قانون کے پابند ہم ہیں وہ نہیں فضل فرمائے تو ہم جیسے کروڑوں گنہگاروں کو آن کی آن میں بخش دے شعر:

عدل کرے تو تھر تھر کنبن اُچیاں شاناں والے فضل کرے تو بخشے جاون مجھ جیسے منہ کالے

مائیم پر گناہ تو دریائے رحمتی آنجا کہ فضل تست چہ باشد گناہ ما!

سمندر کے آگے گندے جسموں کی کوئی حقیقت نہیں اور دریائے رحمت کے سامنے گندے دلوں یعنی گنہگاروں کی کچھ حقیقت نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے ظالم بندو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخش دے گا یہ ہے اس کریم کا فضل وکرم کا سمندر بے پایاں جس میں انشاء اللہ ہم گنہگار غوطے لگا کر پاک وصاف ہوں گے۔

چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلم وکافر یکساں ہیں کسی کی کوئی رعائت نہیں مسلمان گناہ کرے سزا پائے گا۔ کافر نیکیاں کرے بخشا جائے گا۔ دیکھو فرمایا گیا لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔ **نوٹ**: یہ اعتراض مولوی محمد علی لاہوری مرزائی نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں اس جگہ لکھا اور مولوی ابوالکلام آزاد کو بھی یہ ہی

خبط ہوا تھا۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر حضور ﷺ نے کفار کو دعوت اسلام کیوں دی صرف یہ فرما دیتے کہ اپنے اپنے دین میں رہ کر صدقہ خیرات وغیرہ نیکیاں کئے جاؤ اور آج تم لوگوں کو مرزائیت قادیانیت کی دعوت کیوں دیتے ہو انسان ہر مذہب میں رہ کر جنتی بن سکتا ہے۔ جواب تحقیقی وہ ہے جو ابھی تفسیر میں گزرا کہ بِاَمَا نِیِّکُمْ میں خطاب مشرکین سے ہے یعنی اے مشرکو تم جو کہتے ہو کہ قیامت حساب کتاب کچھ بھی نہیں اور اگر ہوا تو ہمارے بت بخشوالیں گے۔ ان خواہشات پر نجات نہیں اور اگر خطاب مسلمانوں سے بھی ہو تب بھی اس سے مسلمانوں کے غلط خیالات مراد ہیں کہ کلمہ پڑھ لینے یا محرم میں سینہ کوٹ لینے یا فلاں پیر کے مرید ہو جانے کے بعد کسی عمل کی ضرورت نہیں جیسا کہ مرجیہ۔ دتہ شاہی بھنگی چرسی سمجھ بیٹھے ہیں کہ یہ عقیدے کفر ہیں اور کفر نا قابل بخشش گناہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ

مومن کا ایمان اور اس کے نیک اعمال اگر قبول ہو جائیں تو سدا بہار گلشن ہیں۔ جس میں کبھی خزاں نہیں آتی رب تعالیٰ فرماتا ہے تُؤْتِیٓ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍ (ابراھیم: ۲۵) مومن کے مرے بعد بھی لوگ اس کے گلشن سے پھل پھول حاصل کرتے ہیں۔ مومن کی اولاد اولاً نیک ہوتی ہے۔ مومن کی کتابوں سے لوگ ایمان حاصل کرتے ہیں۔ مومن کے شاگردوں مریدوں سے فیض باقی رہتا ہے لہٰذا اسے جنت دی گئی کہ وہ بھی سدا بہار گلشن ہے۔ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (رحمٰن: ۶۰) رب سچا اس کے وعدے سچے اس کے رسول سچے اس کی کتابیں سچی صوفیاء فرماتے ہیں کہ رجاء امید عبادت بلکہ ایمان ہے امنیۃ کفر ہے رجاء وہ امید ہے جس کے ساتھ عمل بھی ہوا۔ امنیۃ وہ امید جو بغیر عمل کے ہو جو بو کر گندم کی امید امنیۃ ہے گندم بو کر گندم کی امید رجاء وامید ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن وہ جس کے عقیدے درست ہوں عامل صالح وہ جس کی نیت درست ہو۔ اخلاص والا عمل صالح ہے اگرچہ کھانا پینا ہو ریا کاری کا عمل گناہ ہے اگرچہ نماز وحج ہو جس شخص میں ایمان واخلاص جمع ہوں وہ جنتی ہے نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ جسمانی زندگی کے لئے مختلف قسم کی غذائیں دوائیں ضروریات لازمی ہیں۔ ہوا، پانی، روٹی پھر پھل فروٹ لباس مکان ضروری ہے ایسے ہی روحانی زندگی کے لئے بدنی، مالی (مخلوط بدن مال سے) نیکیاں لازم ہیں۔ اسی لئے یہاں صالحات جمع ارشاد ہوا کہ ہر قسم کی نیکیاں کرو۔ پھر نیکی وہ ہے جسے حضور نیکی فرما دیں اور گناہ وہ ہے جسے حضور گناہ قرار دے دیں۔ طلوع وغروب کے وقت نماز عید کے دن روزہ رکھنا گناہ ہے کیونکہ اسے حضور نے گناہ کہہ دیا۔ مخمصہ کی حالت میں مردار کھالینا نیکی ہے کہ اسے اللہ رسول نے نیکی قرار دے دیا اس لئے یہاں صالحات کو مجمل رکھا گیا۔ اے عام لوگو جو گناہ کر کے توبہ نہیں کرو پھر بخشش کے امیدوار ہو نہ تو تمہارے ان خیالوں پر بخشش ہے اور اہل کتاب یعنی علماء سوء جو قرآن پڑھنے دھوکہ دینے کو لوگوں پر راہ طلب بند کرتے ہیں۔ نہ ان کے خیالات پر بخشش ہے جو گناہ کرے گا عوض دیا جاوے گا کہ اس کے دل پر گناہ کی وجہ سے داغ لگے گا اگر توبہ کر لے گا صیقل

ہو جاوے گی ورنہ یہ داغ بڑھتا جاوے گا۔ اسے اللہ کے مقابل نہ کوئی ولی ملے جو گناہوں کی اندھیریوں سے توبہ کی روشنی کی طرف نکال دے نہ کوئی مددگار ملے جو اسے نفس و شیطان کے مقابل فتح دے (از روح البیان مع زیادۃ) صوفیاء کا ارشاد ہے کہ نبی کی نبوت منسوخ ہو جانے سے ان کا دین گمراہی بن جاتا ہے ان کی کتاب ناقابل عمل ہو جاتی ہے ان کے اعمال ناقابل پیروی ہو جاتے ہیں۔ جیسے درخت کی جڑ سوکھ جانے سے پتے شاخیں کلیاں پھل پھول سب ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کے اولیاء کے فیوض بند ہو جاتے ہیں۔ جیسے سورج کے ڈوب جانے سے ذروں کی چمک جاتی رہتی ہے دیکھ لو اب عیسائیت یہودیت کفر ہے بنی اسرائیل کے اولیاء آصف برخیا۔ حضرت مریم کے فیوض بند ہو گئے لہٰذا یہاں سوء سے مراد یہودیت عیسائیت ہے یعنی اب جو بھی یہودیت عیسائیت پر عمل کرے گا۔ اسے سزا دی جاوے گی۔ حضور غوث پاک خواجہ اجمیری کے فیوض تا قیامت باقی ہیں کیونکہ ان ذروں کا چمکانے والا سورج ڈوبا نہیں۔ اسی لئے قرآن قابل عمل کتاب ہے اسلام میں ہدایت ہے ساری بہار نبوت سے ہے نہ کہ توحید سے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ
اور جو کوئی کام کرے اچھے خواہ مرد ہو یا عورت حالانکہ وہ مسلمان ہے
اور جو کچھ بھلے کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور ہو مسلمان
فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ
تو یہ لوگ جائیں گے جنت میں اور نہ ظلم کئے جائیں گے کھجور کے گڑھے برابر اور کون ہے
تو وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے اور انہیں تل بھر نقصان نہ دیا جائے گا اور اس سے
اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّ اتَّبَعَ
اچھا از روئے دین کے اس سے جو اطاعت کرے اللہ کی حالانکہ وہ نیکوکار ہو اور پیروی کرے
بہتر کس کا دین ہے جس نے اپنا منہ اللہ کے لئے جھکا دیا اور وہ نیکی والا ہے اور ابراہیم
مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا
دین ابراہیم کی ہر برائی سے دور اور بنا لیا اللہ نے ابراہیم کو خاص دوست اور اللہ ہی کا ہے وہ جو
کے دین پر چلا جو ہر باطل سے جدا تھا اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنایا اور اللہ کا ہے
فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۸ ۱۱ ۱۵
آسمانوں میں ہے اور وہ جو زمین میں ہے اور ہے اللہ ہر چیز کو گھیرے
جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور ہر چیز پر اللہ کا قابو ہے

تعلقات

ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ بخشش نجات کسی کے خواہشوں وخیال سے نہیں ہوگی۔ اب ارشاد ہورہا ہے کہ یہ نعمتیں ایمان اور نیک اعمال سے ملیں گی اگر نجات چاہتے ہو تو ان چیزوں کو اختیار کرو۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ جو برے کام کرے گا سزا دیا جاوے گا اب ارشاد ہے کہ جو ایمان اور نیک اعمال کرے گا ثواب دیا جاوے گا یعنی مضر اعمال کا ذکر پہلے تھا مفید اعمال کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی گزشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جو مومن نیک اعمال کرے گا جنتی ہوگا اس سے شبہ ہوتا تھا کہ جنتی ہونے کیلئے سارے نیک اعمال کرنے چاہئیں اب اس شبہ کو دور فرمانے کیلئے ارشاد ہو رہا ہے کہ بقدر طاقت بعض نیک اعمال کافی ہیں مِنَ الصَّالِحَاتِ۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ایمان واعمال نیک کو نجات کا مدار قرار دیا گیا تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ ایمان نام ہے مِلّتِ ابراہیمی کی اطباع کا گویا یہ آیات ان آیات کے اجمال کی تفصیل ہیں۔

شانِ نزول

جب پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ جو برائی کرے گا سزا دیا جاوے گا تو اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ بولے کہ اے مسلمانو ہم تم دونوں برابر ہیں تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہم تم دونوں بارگاہ الٰہی میں یکساں ہیں نیکی کریں ثواب لے لیں گناہ کریں سزا بھگت لیں تب ان کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں جن میں مسلمانوں کی افضلیت کفار پر ثابت کی گئی اور بتایا گیا کہ کفار کی نیکیاں غیر مقبول ہیں مومنوں کی نیکیاں مقبول (تفسیر کبیر) خازن وغیرہ۔

تفسیر

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى یہاں بھی مَنْ کی وہ ہی تحقیق ہے جو اس سے پہلے کی گئی کہ اس سے انسان مراد ہیں کیونکہ فرشتوں اور مومن جنات کے لئے جنت نہیں۔ **یَعْمَلْ** سے مراد جسمانی ومالی نیکیاں ہیں کیونکہ قلبی نیکیوں یعنی ایمان کا ذکر تو **وَهُوَ مُؤْمِنٌ** میں ہے، **یَعْمَلْ** مضارع فرمانے میں اس اشارہ ہے کہ نیکیاں صرف ایک بار ہی کر کے بس نہ کر دے بلکہ کرتا رہے جیسے جسمانی زندگانی کے لئے سانس تو ہر وقت لیتے ہیں پانی دن رات میں آٹھ دس بار پیتے ہیں۔ غذا دو تین بار کھاتے ہیں، مکان عمر میں ایک بار بناتے ہیں لباس چھ سات ماہ میں بناتے ہیں۔ ایسے ہی روحانی زندگی کے لئے خوف خدا عشق جناب مصطفےٰ ذکر اللہ رسول تو ہر وقت ہی چاہیے نماز دن میں پانچ بار روزہ سال میں ایک دفعہ زکوٰۃ سال میں ایک بار دینا حج عمر میں ایک بار کرنا لازم ہے **یَعْمَلْ** کے دوام میں بہت وسعت ہے۔ **مِنَ الصَّالِحَاتِ** میں مِنْ تبعیضیہ ہے اور **مِنْ ذَكَرٍ** الخ میں مِنْ بیانیہ ہے۔ **وَمَنْ يَّعْمَلْ** کا بیان لہٰذا **مِنَ الصَّالِحَاتِ** سے بقدر طاقت نیکیاں مراد ہیں خواہ بدنی نیکیاں ہوں یا مالی غریب آدمی پر زکوٰۃ حج فرض نہیں ناپاک عورت بیہوش دیوانہ پاگل پر نماز فرض نہیں اس مِنْ تبعیضیہ نے مسئلہ بالکل واضح کر دیا ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى میں قیامت تک کے مسلمان داخل ہیں یعنی جو انسان مرد ہو یا عورت جس قدر بن پڑے

اس قدر نیک اعمال کرلے۔ خیال رہے کہ رجل اور امراۃ صرف بالغ مرد و عورت کو کہتے ہیں مگر ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی ہر مذکر مونث کو خواہ بالغ ہو یا نابالغ یہاں ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی فرما کر اشارۃً بتایا کہ نابالغ مرد و عورت کی نیکیاں اگرچہ شرعاً معتبر نہیں مگر رب تعالیٰ ثواب اس پر بھی عطا فرمائے گا جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ چھوٹے بچے کے حج کا ثواب والدین کو بھی ملتا ہے اور بچوں کی تلاوت قرآن سے ماں باپ کی بخشش ہوتی ہے اگر بچوں کی نیکیوں پر ثواب نہ ہو تو یہ نتیجے کیسے نیز اگرچہ عورت نبوت، امامت، قضا، جہاد، دائمی روزہ نماز سے محروم و مجبور ہے۔ مگر رب تعالیٰ کے ہاں ثواب مرد کے برابر پائے گی نیکیاں کم ثواب برابر مقام جنت میں خاوند کے ساتھ مگر شرط یہ ہے۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ خیال رہے کہ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی يَعْمَلْ کے فاعل هُوَ سے حال بیانیہ تھا اور یہ عبارت بھی اسی کا حال شرطیہ ہے لہٰذا واؤ حالیہ ہے اور هو کا مرجع مَنْ يَعْمَلْ کا مِنْ ہے جو لفظاً واحد ہے معنیً جمع اس لئے یہاں هُوَ واحد لایا گیا مومن سے مراد ہے۔ دین اسلام کا پیروکار یعنی مسلمان یا تو نیکیاں کرتے وقت ہی مومن ہو یا مرتے وقت مومن ہو۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ کافر اگر مسلمان ہو جاوے تو زمانہ کفر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس زمانہ کی نیکیوں پر ثواب مل جاتا ہے لیکن اگر مسلمان کافر و مرتد ہو جاوے تو اس کے برعکس کہ گناہ لازم نیکیاں برباد۔ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یہ جملہ مَنْ يَعْمَلْ کی خبر بمعنی جزاء ہے اُولٰٓئِكَ سے اشارہ مَنْ يَعْمَلْ کے مَنْ کی طرف ہے جو معنیً جمع تھا اس لئے اُولٰٓئِكَ جمع لایا گیا اگرچہ ان کا ذکر ابھی گزرا مگر چونکہ یہ لوگ اونچی شان والے ہیں لہٰذا اُولٰٓئِكَ اشارہ بعید فرمایا گیا ہماری قرأت میں يَدْخُلُوْنَ معروف کے صیغہ سے ہے مگر ابن کثیر ابوبکر عن عاصم کی قرأت میں ی کے پیش خ کے فتح سے ہے۔ مجہول اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ترجمہ غالباً اسی قرأت پر ہے یعنی داخل ہوں گے یا داخل کئے جائیں گے روحانی طور پر تو بعض مومنین مرتے ہی جنت میں داخل ہو جائیں گے جیسے شہدا مگر جسمانی طور پر سب کا داخلہ بعد قیامت ہوگا۔ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا یہ جملہ يَدْخُلُوْنَ پر معطوف ہے لہٰذا اُولٰٓئِكَ کی خبر ہے یہاں ظلم سے مراد ہے ان کی نیکیاں کم کر دینا اور اونچے واعلیٰ مقام کے مستحقین مومنین کو ادنیٰ جنتی مقام دینا نَقِيْر بنا ہے نَقْرٌ سے بمعنی کھودنا گڑھا کرنا اصلاح میں نَقِيْر کھجور کی گٹھلی کے گڑھے کو کہتے ہیں جس سے درخت اُگتا ہے۔ اہل عرب اس کو بمعنی معمولی وحقیر استعمال کرتے ہیں یعنی یہ مومن معمولی سا ظلم بھی نہ کئے جائیں گے۔ اپنے اعمال کا بدلہ پورا دیئے جائیں گے۔ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا یہ جملہ نیا ہے واؤ ابتدائیہ ہے۔ مَنْ استفہام انکاری کے لئے دِيْنًا اَحْسَنَ کی تمیز دین کے چند معنی ہیں۔ بدلہ، مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (فاتحہ:۴) طریقہ كَمَا تُدِيْنُ تُدَانُ، مذہب وملت یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں۔ اس سے بہتر بدلہ کا مستحق کون ہے اس سے اچھا طریقہ والا کون ہے۔ اس سے اچھا دین وملت والا کون ہے۔ خیال رہے کہ دین اور ملت دونوں عقائد پر بولے جاتے ہیں۔ مگر عقائد باعتبار اطاعت کے دین کہلاتے ہیں اور اس اعتبار سے کہ وہ لکھے جاتے ہیں ان کی تبلیغ کی جاتی ہے ملت کہے جاتے ہیں لہٰذا دین وملت میں فرق اعتباری ہے اس کی مکمل بحث پہلے پارے میں ہو

چکی۔ مِمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ یہ عبارت اَحْسَنَ کے متعلق ہے اَسْلَمَ اسلام سے بنا بمعنی جھکا دینا یا خاص کرنا یا سپرد کرنا۔ وجہ سے مراد یا چہرہ ہے یا توجہ ہے یا ذات یا نفس یعنی اس سے بہتر کس کا دین ہو سکتا ہے جو اپنا چہرہ اللہ کیلئے جھکا دے یا جو اپنی توجہ رب کے لئے خالص کر دے یا جو اپنی ذات و نفس اللہ کے سپرد کر دے کہ سمجھے میرا کچھ نہیں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (انعام:۱۶۲)۔ یہ ہے اَسْلَمَ وَجْهَهٗ کا خلاصہ مہربان ماں بمقابلہ بالغ یا سمجھدار اولاد کے شیر خوار اور ناسمجھ بچہ کی بہت زیادہ نگہداشت رکھتی ہے اس کے پیشاب پاخانہ کھانے پینے آرام کی ہر وقت فکر رکھتی ہے کیوں۔ اس لئے کہ اس شیر خوار نے اپنے کو ماں کے سپرد کر دیا ہے سمجھدار اولاد اپنے پاؤں پر کھڑی ہو چکی ہے ایسے ہی جو اللہ والے اپنے کو رب کے حوالہ دیں رب تعالیٰ ان کے سارے کام خود بناتا ہے انہیں دوسری فکروں سے آزاد کر دیتا ہے۔ وَهُوَ مُحْسِنٌ یہ عبارت اَسْلَمَ کے فاعل سے حال ہے اگر اَسْلَمَ وَجْهَهٗ سے مراد عقائد تھے تو وَهُوَ مُحْسِنٌ سے مراد ہے ہر قسم کی نیکیاں کرنے والا اور اگر اَسْلَمَ وَجْهَهٗ سے مراد اعمال صالحہ تھے مُحْسِنٌ سے مراد ہے اخلاص سے اعمال کرنے والا حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت یوں کرے گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے اگر یہ تصور نہ کر سکے تو سمجھ کہ خدا تعالیٰ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ بہر حال مُحْسِنٌ کے چند معنی ہو سکتے اَسْلَمَ وَجْهَهٗ کے مطابق اس کے معنی کئے جاویں گے چونکہ سارے کفار کہہ سکتے تھے کہ ہم مسلم بھی ہیں محسن بھی ہمارے عقائد بھی اچھے ہیں اعمال بھی بھلے اسلئے اب ارشاد ہوا۔ وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا یہ عبارت درحقیقت اَسْلَمَ وَجْهَهٗ اور وَهُوَ مُحْسِنٌ کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ مسلم اور محسن وہ ہے جو ملت ابراہیمی کا متبع ہو چونکہ یہ اتباع گزشتہ دونوں چیزوں یعنی اَسْلَمَ وَجْهَهٗ اور وَهُوَ مُحْسِنٌ کی شرط ہے اس لئے اسے بعد میں بیان فرمایا گیا۔ جیسے کہا جاوے کہ نماز نام ہے قیام تلاوت رکوع سجود کا جبکہ وہ وضو کے ساتھ ہوں۔ جو نیکی نبوت کی روشنی میں کی جاوے وہ نیکی ہے اور جو نیکی صرف اپنی رائے سے کی جاوے وہ نیکی نہیں فعل عبث ہے جیسے کفار کے صدقے وخیرات وترک دنیا وغیرہ یہاں ملت ابراہیمی سے مراد دین محمدی ہے اسلام کہ اس میں تمام ملت ابراہیمی ایسی موجود ہے جیسے شرح میں متن یا تفصیل میں اجمال ہم دین اور ملت کا فرق ابھی عرض کر چکے ابراہیم کے معنی اور آپ کے حالات زندگی پہلے پارہ کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں کہ اس کے معنی ہیں اب، رحیم، مہربان باپ چونکہ آپ انبیاء کرام کے والد ہیں لہٰذا آپ باپ ہوئے اور چونکہ آپ جمالی رسول ہیں نہ کہ جلالی لہٰذا آپ رحیم ہیں۔ حنیف کے معنی پہلے عرض ہو چکے ہیں کہ یہ لفظ حَنْفٌ سے بنا بمعنی کسی چیز سے علیحدگی کی طرف جھکنا جَنَفٌ کسی سے دوری کی طرف جھکنا۔ خیال رہے کہ یہاں حَنِیْفًا یا ابراہیم سے حال ہے یا مِلَّتَ اِبْرَاهِیْمَ سے یا وَاتَّبَعَ کے فاعل ھو سے کہ مومن وہ ہے جو ملت ابراہیمی کی اتباع کرے اور ہر بے دین سے علیحدہ رہے یا مومن وہ جو دین ابراہیمی کی اتباع کرے جو ابراہیم یا جو ملت ابراہیم ہر برائی سے الگ تھے۔ وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا یہ نیا جملہ جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

عظمت کا ذکر ہے آپ کی عظمت سے ملت ابراہیمی کی عظمت معلوم ہوتی ہے فاعل سے فعل کی اور منسوب الیہ سے منسوب کی عزت ظاہر ہوتی ہے اِتَّخَذَ فعل ماضی ہے جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ جناب ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنا چکا کب بنایا اس کے متعلق مختلف روایتیں ہیں قوی تر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی پیدائش سے پہلے ہی آپ کو رب نے اپنا خلیل بنا لیا تھا مگر اس کا ظہور کسی واقعہ خاص پر ہوا چنانچہ تفسیر کبیر، روح المعانی، روح البیان وغیرہ نے روایت کی مصر میں آپ کا ایک دوست تھا جہاں سے آپ اپنے اور اپنے مہمانوں کے لئے گندم آٹا وغیرہ منگایا کرتے تھے آپ کا گھر مہمانوں کا مرکز تھا لب سڑک گھر تھا۔ ہر راہ گیر آپ کا مہمان ہوتا تھا۔ اکثر اوقات مہمانوں کے میلے لگے رہتے تھے۔ ایک بار ملک میں قحط پڑ گیا گندم کی بہت قلت ہوگئی آپ نے اپنے غلام اور اونٹ اس مصری بیوپاری کے ہاں گندم کیلئے بھیجے وہ بولا اگر صرف ابراہیم اپنے واسطے گندم منگاتے میں دے دیتا ان کے بے پناہ مہمانوں کے لائق میرے پاس گندم نہیں گندم کی ملک میں بہت تنگی ہے غلاموں نے سوچا کہ اگر خالی اونٹ ہم لے گئے تو مہمان دیکھ کر بہت مایوس ہوں گے لاؤ ریتے سے بوریاں بھر لو تا کہ مہمان بھرے بورے لدے اونٹ دیکھ کر کچھ تو مطمئن ہو جاویں انہوں نے ایسا ہی کیا جب جناب ابراہیم کے گھر میں اونٹ پہنچے تو مہمانوں مسافروں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ آٹا آ گیا یہ بورے گھر میں پہنچا دیئے گئے اور یہ غلام سو رہے بی بی سارہ اسے آٹا سمجھ کر انھیں بوریاں کھولیں تو سب میں نہایت نفیس گندم کا آٹا تھا چنانچہ پراٹھے شیر مال روٹیاں لنگر کیلئے پکنے لگے جناب ابراہیم بیدار ہوئے کھانے کی خوشبو پا کر بی بی سارا سے پوچھا آٹا کہاں سے آیا بولیں تمہارے مصری خلیل کے یہاں سے آپ بولے نہیں بلکہ میرے عرشی خلیل رب جلیل کے ہاں سے آیا ہے یہ لفظ رب تعالیٰ کو ایسا پیارا معلوم ہوا کہ اس دن سے آپ کو خلیل اللہ کا خطاب دیا گیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آپ کے ہاں جانور بھیڑ بکریاں گائے اونٹ اس قدر تھے کہ ان کی حفاظت کیلئے پانچ ہزار کتے پالے گئے تھے جن کے گلوں میں سونے کے پٹے تھے ایک فرشتہ بشکل انسانی ایک پہاڑ کے غار میں بیٹھ کر حمد الٰہی بہ آواز بلند کرنے لگا۔ سُبُّوحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الرُّوْحِ آپ آواز پر وہاں پہنچے اور بیٹھ کر سننے لگے آپ کو وجد آ گیا فرشتہ خاموش ہو گیا آپ بولے یار کا ذکر اور سنا وہ بولا اجرت دلوایئے آپ نے اپنی ساری بکریاں اسے دے دیں پھر اس نے کچھ ذکر الٰہی کیا۔ جب خاموش ہوا آپ نے فرمایا یار کا ذکر اور سنا وہ بولا پہلی اجرت ختم ہوگئی اور اجرت لایئے آپ نے اپنے سارے اونٹ دے دیئے غرضیکہ اسی طرح باری باری سے جائیداد مکانات جانور سب سامان دے دیا آخر کار آپ نے فرمایا اب تو مجھے اجرت میں لے لے اور ذکر یار سنا تب فرشتے نے کہا آپ اللہ کے خلیل ہیں یعنی سب سے منقطع اللہ سے واصل اس دن سے آپ کا لقب خلیل اللہ ہوا (روح البیان)۔ تیسری روایت یہ ہے کہ ایک دن کوئی بے دین شخص آپ کا مہمان ہوا۔ اسے کھانا پیش کیا اس نے بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کرنا چاہا آپ نے فرمایا اللہ کے بندے اللہ کا رزق اللہ کا نام لے کر کھا بسم اللہ پڑھ اس نے کہا میں خدا کا منکر ہوں اور آپ کے دو لقموں کی وجہ سے اپنے باپ دادا کا دین نہیں چھوڑ سکتا آپ نے اس کے آگے سے کھانا اٹھا لیا وہ

بھوکا چلا گیا۔ وحی الٰہی آئے کہ اے ابراہیم میں اس کو ستر سال سے اس کے کفر کے باوجود روزی دے رہا ہوں تم اسے ایک لقمہ نہ کھلا سکے آپ فوراً اس کے پیچھے دوڑے اسے وحی الٰہی سنائی اور اسے واپس لائے کھانا پیش کیا یہ سن کر اور یہ حالات دیکھ کر بہت رویا بولا الٰہی مجھ جیسا کوئی لئیم نہیں تجھ جیسا کوئی کریم نہیں توبہ کر کے مسلمان ہو گیا تب آپ کو خلیل اللہ کا لقب ملا (روح البیان) تفسیر کبیر نے اس کے متعلق اور روایات لکھی ہیں غرض یہ اوقات خلت کے ظہور کے ہیں ورنہ آپ خلیل پیدائش سے پہلے ہی سے تھے۔ **خَلِیْلًا** یہ لفظ بنا ہے **خُلَّۃٌ** بضم خاء سے اور خلۃ بنا ہے یا تو **خِلَال** سے بکسر خاء بمعنی درمیان لہٰذا خلیل وہ جس کی محبت دل کے درمیان ہو شاعر کہتا ہے شعر:

قد تخللت مسک الروح منّی　　و لذا اسمی الخلیل خلیلا

یا بنا ہے خلل سے بمعنی شگاف خلیل وہ جو دوست کے ہر خلل اور شگاف کو بھرے یا بنا ہے **خَلٌّ** بفتح خا بمعنی ریۃ میں راستہ خلیل وہ جو محبوب کے ساتھ ہر دشواری میں رہے یا **خَلَّۃٌ** بفتح خاء سے بنا بمعنی خصلت و خلق خلیل وہ جو اپنے محبوب کی سی عادت و خصلت اختیار کرے اس کا مظہر اتم ہو یا بنا ہے **خَلَّۃٌ** بمعنی حاجت سے خلیل وہ جو ہر وقت اپنے محبوب کا حاجت منداس کے حکم کا منتظر ہو کسی وقت اس سے غافل نہ ہوئے (تفسیر روح المعانی و تفسیر کبیر وغیرہ) اصطلاح میں فنافی المحبوب کو خلیل کہتے ہیں جس کی مرضی محبوب کی مرضی میں فنا ہو چکی ہو جس پر محبوب ایسا چھا گیا ہو جیسے جسم پر جان چھائی ہوتی ہے غرضیکہ خلت بڑا ہی عظیم الشان درجہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا اس خلت کا اثر ہے کہ آپ تمام دینوں میں محبوب ہیں۔ یہودی، عیسائی داؤدی۔ مسلمان بلکہ ہندو تک آپ کا ادب کرتے ہیں چنانچہ ہندو آپ کو کرشن کہہ کر پرستش کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی خلت کا ذکر فرما کر رب تعالیٰ اپنی وسعت سلطنت کا ذکر فرماتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ جو ہمارا خلیل ہے اس کی خلت زمین و آسمان میں ہے جہاں تک سلطان کی بادشاہی وہاں تک وزیر کی وزارت و عظمت اور وہاں تک ہی اس کے سکے کا چلن ہوتا ہے۔ اللہ کے محبوب و خلیل دونوں جہان میں راج کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوا۔ **وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ** ۔ یہاں **لِلّٰهِ** میں لام ملکیت کا ہے آسمان و زمین عالم جسمانی کے دو کنارے ہیں جو ہم کو محسوس ہوتے ہیں۔ اس سے مراد سارا عالم اجسام ہے لہٰذا اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ سارا عالم اجسام اللہ تعالیٰ کا ہی ہے کسی چیز میں کسی کی شرکت نہیں چونکہ یہ ہی عالم نظر آ رہا ہے۔ اس لئے صرف اسی کا ذکر فرمایا ورنہ اللہ تعالیٰ سارے عالموں کا مالک حقیقی ہے عالم اجسام، عالم انوار عالم امر وغیرہ **وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا** ۔ یہ رب تعالیٰ کی دوسری صفت کا بیان ہے **کَانَ** دوام و استمرار کے لئے ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا محیط بنا ہے احاطہ سے معنی گھیر لینا کسی چیز کو اپنے اندر لے لینا یہاں علم و قدرت کا گھیرنا مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا علم اس کی قدرت اس کا قبضہ ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے کہ عالم کی کوئی چیز اس کے علم و قدرت سے خارج نہیں اس شی میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات داخل نہیں بلکہ تمام ماسوی اللہ داخل ہے۔

خلاصہ تفسیر جو بھی انسان مرد ہو یا عورت بقدر طاقت عمل کرے نیک اور ہو وہ مومن صحیح العقیدہ اس کی جزاء یہ ہے کہ وہ بعد قیامت جنت میں جاوے گا مطابق اعمال اسے جنت کا درجہ ملے گا اور ان پر تل برابر بھی ظلم نہ ہوگا کہ وہ ہوں تو بڑے درجہ کے مستحق اور بلا قصور ان کا درجہ گھٹا کر انہیں ادنیٰ درجہ میں داخل کر دیا جاوے یہ ہرگز نہ ہوگا اے لوگو خود سوچو کہ اس سے زیادہ اچھے دین والا کون ہوگا۔ جس کے اعمال بھی اچھے ہوں عقیدے بھی درست ہوں۔ اعمال تو اس طرح کہ وہ اپنے کو اللہ کے سپرد کر دے عقیدے اس طرح کہ وہ محسن ہو دلی اخلاص رکھتا ہو اور دین ابراہیمی یعنی اسلام کا پیروکار ہو ہر برائی اور ہر برے سے دور رہے خیال رکھو کہ ملت ابراہیمی ہمارے ہاں بڑی مقبول ہے کیوں نہ ہو کہ یہ ملت ابراہیمی ہے ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہوا ہے۔ خلیل بھی اللہ کو پیارے اور خلیل کا دین بھی اللہ کو پیارا لہٰذا جو اس پیارے کے پیارے دین کا پیرو ہوگا وہ بھی خدا تعالیٰ کو پیارا ہوگا۔ بڑوں سے نسبت چھوٹوں کو بڑا کر دیتی ہے آب زمزم تمام پانیوں سے افضل۔ صفا مروہ پہاڑ تمام پہاڑوں سے بہتر مکہ معظمہ تمام شہروں سے بڑھ کر کیونکہ انہیں بزرگوں کے دم یا قدم سے نسبت ہے تو جو گنہگار مسلمان ہمارے مقبول بندے کا ہو جاوے وہ مقبول ہوگا۔ خیال رکھو کہ تمام آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی مملوک حقیقی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت وقبضہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے کوئی چیز اس کی ملک وقبضہ سے خارج نہیں لہٰذا کوئی مجرم اس سے بچ نہیں سکتا اس کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو اسے راضی رکھو۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** : ہر مسلمان پر بقدر طاقت نیک اعمال لازم ہیں سارے اعمال ضروری نہیں جیسا کہ مِنَ الصّٰلِحٰتِ کی مِنْ تبعیضیہ سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ** : انسان نیک اعمال صرف ایک بار ہی نہ کرے بلکہ ہمیشہ کرتا رہے جیسا کہ مَنْ یَّعْمَلْ کے مضارع فرمانے سے معلوم ہوا جب رب تعالیٰ کا رزق ہمیشہ کھاتے ہو تو اس کی اطاعت بھی ہمیشہ کرو۔ **تیسرا فائدہ** : جزاء اعمال میں مرد وعورت برابر ہیں ہر ایک کو اعمال کا بدلہ ضرور ملے گا جیسا کہ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی سے معلوم ہوا۔ جتنا ثواب مرد کو نماز روزہ حج وزکوٰۃ کا ملتا ہے اتنا ہی عورت کو اگرچہ عورتوں پر بعض اعمال میں تخفیف کی گئی ہے کہ مرد تیس دن نماز پڑھتا ہے اور عورت بیس پچیس دن یعنی ناپاکی میں نماز نہیں پڑھتی مگر ثواب برابر۔ یا عورت کے حج کا ثواب مرد کے جہاد کے ثواب کے برابر ہے۔ **چوتھا فائدہ** : نیک عمل کی قبولیت بلکہ درستی کے لئے ایمان شرط ہے۔ بے ایمان کو کسی نیکی کا ثواب نہیں۔ جیسا کہ وَهُوَ مُؤْمِنٌ سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ** : رب تعالیٰ نہ تو کسی کی نیکی ضائع کرے گا نہ ثواب کم کرے گا جیسا کہ لَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا سے معلوم ہوا۔ اگر کوئی خود ہی اپنی نیکیاں ضائع یا کم کرائے تو اس کی اپنی مرضی۔ **چھٹا فائدہ** : اسلام میں درستی عقائد اور درستی اعمال دونوں ضروری ہیں جیسا کہ مَنْ اَسْلَمَ اور وَهُوَ مُحْسِنٌ سے معلوم ہوا مَنْ اَسْلَمَ سے نیک اعمال کی طرف

اشارہ ہے اور وَھُوَ مُحۡسِنٌ سے اچھے عقائد کی شرف اشارہ۔ **ساتواں فائدہ**: دین اسلام ہی دین ابراہیمی کے مطابق ہے۔ یہودیت و نصرانیت وغیرہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبۡرٰھِیۡمَ سے معلوم ہوا۔ دیکھو لوحج۔ خانہ کعبہ کی طرف نماز ختنہ داڑھی بڑھانا مونچھ ناخن ترشوانا غرضیکہ تمام ابراہیمی سنتیں صرف اسلام میں ہیں کسی اور دین میں نہیں اب صرف مسلمان ہو کر ہی انسان دین ابراہیمی کی پیروی کر سکتا ہے۔

آٹھواں فائدہ: دین کی عظمت دین والے نبی کی عظمت سے معلوم ہوتی ہے لہٰذا دین و ملت کی عزت دکھانے کے لئے اس دین کے پیغمبر کی عزت و محبوبیت ظاہر کرنی چاہئے دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا تو ساتھ ہی ابراہیم علیہ السلام کے فضائل ارشاد فرمائے کہ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰھِیۡمَ خَلِیۡلًا آج اگر اسلام کی عزت وعظمت ظاہر کرنا ہے تو حضور محمد مصطفےٰ ﷺ کی شان وعظمت کے خطبے پڑھو مگر افسوس کہ اس زمانہ کے بعض مسلم نما مرتدین نے حضور کی شان گھٹانے کو توحید سمجھا اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔ **نواں فائدہ**: خلت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جو خصوصیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوئی اور آپ کا لقب خلیل اللہ ہوا ہم خلت کے معانی ابھی تفسیر میں عرض کر چکے اور خلیل و حبیب کا فرق ہماری کتاب سلطنت مصطفےٰ میں ملاحظہ کرو۔ خیال رہے کہ مودت، محبت، خلت، تینوں قریباً ہم معنی ہیں کبھی ان میں یہ فرق کیا جاتا ہے کہ کسی چیز کو پسند کرنا مودت ہے اور کسی کو چاہنا محبت ہے اور کسی کی محبت سے دل کا بھر جانا کہ پھر دل میں دوسری محبت کی گنجائش ہی نہ رہے یہ خلت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اس لئے کہ آپ حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور محمد مصطفےٰ کے والد ہیں۔ نبیوں کا والد خلیل ہی ہونا چاہئے نیز آپ حنیف ہیں۔ سب سے کٹ کر چھٹ کر اللہ کے ہو رہے اور جو اللہ کا ہو رہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے لہٰذا آپ خلیل اللہ ہوئے خدا کرے کہ ہم بھی ماسوی اللہ سے کٹ کر اللہ کے ہو جاویں۔ **دسواں فائدہ**: مومن کو چاہئے کہ خالص نرا۔ کھرا مومن ہو کسی بے دینی کا اس میں خلط نہ ہو یوں ہی اس زمانہ میں ضروری ہے کہ خالص کھرا سنی ہو۔ کسی بدمذہبیت کی طرف اس کا میلان نہ ہو جیسا کہ حنیف سے معلوم ہوا ہم نماز شروع کرتے وقت اقرار کرتے ہیں حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ (انعام:۷۹) اور دعا قنوت میں پڑھتے ہیں وَنَخۡلَعُ وَنَتۡرُکُ مَنۡ یَّفۡجُرُکَ اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنادے بازار دنیا میں خالص سونے خالص دودھ کی قدر و قیمت ہے اور کل بازار قیامت میں خالص مومن کی قدر و قیمت ہوگی بلکہ خلت کے ایک معنی ہیں غیر سے کٹ جانا یار کا ہی ہو جانا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان و عمل سے انسان جنت میں جاوے گا۔ تو مسلمانوں کے چھوٹے بچے جو ہوش سنبھالنے سے پہلے فوت ہو جاویں۔ جنتی نہ ہونے چاہئیں کہ انہیں نہ ایمان ملا نہ نیک اعمال کا وقت۔ **جواب**: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ قانون کسبی جنت کیلئے ہے عطائی اور وہبی جنت بغیر عمل ملے گی اسی کیلئے دوسری آیت میں رب فرماتا ہے اَلۡحَقۡنَا بِھِمۡ

ذُرِّيَّتَهُمْ (طور:۲۱) دوسرے یہ کہ ایسے بچوں کیلئے ان کے ماں باپ کے اعمال کام آویں گے کہ وہ بالواسطہ ان بچوں کے اعمال مانے جائیں گے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان اعمال صالحہ سے پہلے اور اس کے ساتھ چاہیئے ایمان سے پہلے کے نیک اعمال بیکار ہیں کیونکہ وَهُوَ مُؤْمِنٌ حال ہے يَعْمَلْ کے فاعل کا حال اور عامل ذوالحال کا زمانہ ایک چاہئے تو جب کافر مسلمان ہوتے وقت غسل کرے تبدیل لباس کرے پھر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو تو چاہیئے کہ ان اعمال کا اسے ثواب نہ ملے کہ یہ اعمال ایمان لانے سے پہلے ہو چکے حالانکہ اسے ان کا بھی ثواب ملتا ہے۔ **جواب**: کافر جب ایمان لانے کا ارادہ کرتا ہے اس وقت وہ اللہ کے نزدیک مومن ہو چکتا ہے اب جو نیک اعمال کر رہا ہے بحالت ایمان ہی کر رہا ہے بلکہ ایمان لانے کے بعد اسے زمانہ کفر کی ساری نیکیوں کا ثواب مل جاتا ہے یہاں آیت کا منشا یہ ہے کہ کافر کی نیکیاں مقبول نہیں اگر وہ کفر پر مرجاوے اگر مومن ہو کر مرا تو اس کی نیکیوں کی قبولیت بخبر حدیث ثابت ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جنتی مومنوں پر ظلم نہ کرے گا تو کیا دوزخی کافروں پر وہ ظلم کرے گا۔ **جواب**: نہیں اس ظلم کی نفی بدرجہ اولیٰ معلوم ہوگئی کہ جب رب تعالیٰ مومنوں پر یہ ظلم نہ کرے گا کہ بلاوجہ ان کا درجہ گھٹادے تو کفار پر تو یہ ظلم ناممکن ہے کہ بغیر گناہ انہیں دوزخ میں ڈال دے یا انہیں گناہ سے زیادہ سزا دے کہ یہ بہت بڑا عیب ہے اللہ تعالیٰ عیوب سے پاک ہے اللہ تعالیٰ کافروں کے ناسمجھ بچوں کو دوزخ میں نہ بھیجے گا کہ انہوں نے کفر و گناہ نہ کئے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ملت ابراہیمی کی پیروی جنت میں داخلہ کے لئے کافی ہے تو اب دین محمدی یعنی اسلام لانے کی کیا ضرورت رہی۔ **جواب**: اس کا تفصیلی جواب ہم پہلے پارے میں دے چکے ہیں اور اجمالی جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اب دین محمدی یعنی اسلام ہی ملت ابراہیمی ہے اس کی پیروی ملت ابراہیمی کی پیروی ہے اسلام میں ساری ملت ابراہیمی موجود ہے مع بہت زیادت کے ملت ابراہیمی متن ہے دین اسلام اس کی شرح ملت ابراہیمی جڑ ہے دین اسلام درخت جس میں پھل پھول شاخیں وغیرہ بہت سی زیادتیاں موجود ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران:۸۵)۔ وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے۔

پانچواں اعتراض: یہاں تین باتوں کا ذکر ہوا اَسْلَمَ وَجْهَهٗ، وَهُوَ مُحْسِنٌ اور وَاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ ان میں فرق کیا ہے اور یہ ترتیب کیسی ہے۔ **جواب**: اس کا بیان ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ میں اعمال صالحہ کا ذکر ہے اور وَهُوَ مُحْسِنٌ میں عقائد اسلامیہ کی طرف اشارہ اور وَاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ میں عقائد اسلامیہ کی تعیین ہے کہ اسلام ملت ابراہیمی کی اتباع ہے لہٰذا اس آیت میں تکرار نہیں۔

چھٹا اعتراض: جب ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کہا جا سکتا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی خدا کا بیٹا کہنے

میں کیا حرج ہے بیٹا بھی خلیل اور دوست ہوتا ہے۔(عیسائی)۔ **جواب**: اس سوال کا جواب تفسیر کبیر میں یہ دیا کہ دوستی و محبت ملکیت۔ عبدیت، جنسیت نہیں چاہتی غیر جنس سے بھی ہو جاتی ہے ہم جانوروں سے محبت کرتے ہیں ان کے مالک ہوتے ہیں۔ مگر نکاح، نسب جنسیت چاہتا ہے۔ انسان کا نکاح جانور یا جن سے نہیں ہوتا انسان کا بچہ انسان ہی ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ جنس سے پاک ہے کوئی اس کا کفو یا ہم جنس نہیں کہ خدا تعالیٰ خود جنس سے بری ہے لہٰذا بندے اس کے مملوک۔ مخلوق ہیں بعض بندے محبوب و خلیل ہیں مگر کوئی بندہ اس کا بیٹا بیٹی بیوی نہیں روح البیان میں فرمایا کہ خلت ابنیت سے اعلیٰ ہے کیونکہ کبھی بیٹے سے عداوت بھی ہو جاتی ہے مگر خلیل سے عداوت نہیں ہوسکتی۔ اگر عداوت ہو تو وہ خلیل نہیں رہتا۔

ساتواں اعتراض: لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ سے یہ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمانی زمینی تمام چیزوں کا خالق و مالک ہے مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ خود آسمان و زمین کا بھی مالک ہے یا نہیں آیت نے پوری ملکیت کا ذکر نہیں کیا۔

جواب: اس آیت سے ہی آسمان و زمین کی ملکیت بھی معلوم ہو رہی ہے کیونکہ مکان کی غیر منقول چیزوں کا جو مالک ہوگا وہ مکان کا بھی مالک ہوگا یہ نہیں سکتا کہ کڑی گارڈر چھت وغیرہ تو میری ہوں مگر مکان کسی اور کا۔ آسمانی و زمینی چیزیں آسمان سے نکل نہیں سکتیں لہٰذا غیر منقول ہیں جب رب ان کا مالک ہے تو آسمان و زمین کا بھی مالک ہے۔

ساتواں اعتراض: جب تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی مملوک و مقبوض مخلوق ہیں تو نبیوں ولیوں کو ان کا مالک ماننا شرک ہے پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ جنت حضور کی ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر تم بھی اپنے گھر بار سامان کے مالک کیسے ہو گئے جیسے تمہاری یہ ملکیت خدا تعالیٰ کی ملکیت کے خلاف نہیں ایسے ہی وہاں ہے جواب تحقیقی یہ ہے کہ غلام اور غلام کی مملوک چیزیں سب مولیٰ کی ملک ہیں یوں ہی بندوں کی مجازی ملکیت کی چیزیں رب کی ملک ہیں کہ یہ لوگ خود رب کے ہیں۔ رب فرماتا ہے مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ (آل عمران:۲۶) معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ جسے چاہے اپنا ملک دے اور حضرت سلیمان نے دعا کی تھی رب هَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنْبَغِي لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي (صٓ:۳۵) رب تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی انہیں ہوا، جن وانس کا مالک بنا دیا مگر اس مالک بنانے سے وہ چیزیں اللہ کے ملک سے نکل نہ گئیں۔

نواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور ﷺ سے اعلیٰ و افضل ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا۔ حضور کو خلیل نہ بنایا نہ آپ کا لقب خلیل اللہ ہوا۔ مگر تم کہتے ہو کہ حضور ﷺ افضل الخلق ہیں۔ **جواب**: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا مگر ہمارے حضور کو اپنا حبیب بنایا اور آپ کا لقب حبیب اللہ ہوا بلکہ ان کے غلاموں اور متبعین کو محبت کا تمغہ بخشا کہ فرمایا فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:۳۱) اللہ نے حضور پر خود درود نازل فرمایا اور تمام فرشتوں اور انسانوں سے ہمیشہ کیلئے درود پڑھوایا خلت سے محبت اعلیٰ ہے کہ خلیل وہ

جو خدا کی رضا چاہے مگر حبیب وہ کہ خدا تعالیٰ اس کی رضا چاہے وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (الضحیٰ:۵) شعر:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم　　خدا چاہتا ہے رضاء محمد!

کیا تمہیں نہیں خبر کہ ان کی رضاء کے لئے کعبہ کو قبلہ بنایا ان کی ذات سے حضرت ابراہیم کو شرف بخشا تمام انبیاء کرام کو نام لے کر پکارا مگر محبوب کو اعلیٰ خطابات سے۔ شعر:

یا آدم است با پدر انبیاء خطاب　　یا ایہا النبی خطاب محمد است!

اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ کرو۔

دسواں اعتراض: دین اسلام سے ملت ابراہیمی منسوخ ہوئی یا نہیں اگر منسوخ ہوگئی تو اب اس کی اتباع کیسی منسوخ چیز چھوڑ دی جاتی ہے اس کی اتباع نہیں کی جاتی اور اگر منسوخ نہیں ہوئی تو اسلام آخری دین اور قرآن آخری کتاب اور حضور آخری نبی نہ رہے کیونکہ آخری نبی وہ ہے جو تمام کی نبوتوں کو منسوخ کر دے کیا اسلام کے سواء اور ملت میں بھی ہدایت ہے۔ **جواب:** اسلام سے ملت ابراہیمی منسوخ ہے اب ہم اس ملت کی براہ راست اتباع نہیں کرتے بلکہ بواسطہ اسلام اتباع کرتے ہیں یعنی اس ملت کے احکام قرآنی احکام بن گئے تو ہم نے ان پر اس لئے عمل کیا کہ وہ اسلامی احکام ہیں لہٰذا یہاں نسخ و اتباع میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

صوفیاء کی اصطلاح میں اخلاص والا عمل، عمل صالح ہے جس میں خلوص ہو ملاوٹ نہ ہو۔ دل مرد ہے نفس عورت مخلص شخص مومن معنیٰ یہ ہیں دل اور نفس ان میں سے جو بھی خالص اللہ کے لئے عمل کرے کہ دل عالم سفلی سے علیحدگی اور عالم علوی کی طرف رجوع کرے ماسوی اللہ سے آنکھ بند کر لے اور نفس جب اپنی خواہشات چھوڑ دے حق عبودیت ادا کرے اور رب کی طرف رجوع کر کے بجائے امارہ کے مطمئنہ بن جاوے تو یہ دونوں قرب الٰہی کی جنت کے مستحق ہوں گے اور ان پر رائی برابر ظلم نہ ہوگا۔ جس درجہ کے ان کے اعمال ہوں گے اس درجہ کا انہیں قرب الٰہی میسر ہوگا۔ بارگاہ الٰہی میں اچھا وہ ہے جو اپنی ذات رب تعالیٰ کے حوالے کر دے کہ اس کا اپنا کچھ نہ رہے سب رب تعالیٰ کا ہو جاوے کھائے پیئے تو رب کیلئے سوئے جاگے تو اس کیلئے بلکہ جئے مرے اور اٹھے تو اسی کیلئے شعر:

تجھ میں میں ایسا سما جاؤں کہ میں ہی نہ رہوں　　مجھ میں تو ایسا سما جائے تو ہی تو ہو جائے!

غرضیکہ صوفی آں باشد کہ نہ باشد کا ظہور ہو جائے صوفی وہ ہے جو کچھ نہ رہے اور اس کے ساتھ وہ محسن بھی ہو کہ رب کی عبادت رب کو دیکھ کر کرے بصیرت کی نگاہ رب کو جب دیکھتی ہے جب اس میں کسی بزرگ کے آستانہ کی خاک کا سرمہ ہو اور ساتھ ہی حضرت ابراہیم کے نقش قدم پر چلے کہ وہ خلیل اللہ تھے یہ بھی خلت اختیار کرے تو کامیاب ہوگا کسی نے مجنوں سے پوچھا تیرا نام کیا۔ بولا لیلیٰ جسم زندہ ہو جان سے اور جان زندہ ہو جانان سے شعر:

جانکہ نہ قربانیٔ جاناں بود جیفۂ تن بہتر ازاں جاں بود

ہر کہ نہ شد کشتہ بہ شمشیر دوست لاشۂ مردار بہ از جان اوست

صوفیاء فرماتے ہیں کہ خلیل وہ جس کے ہر خلل اور ہر خلا کو عشق بھرے عقل وہوش وحواس سب کی جگہ پر عشق کا قبضہ ہو جاوے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:

عشق آمد عقل خود آوارہ شد صبح آمد شمع خود بیچارہ شد!

عشق آیا عقل رخصت ہوگئی صبح جب آئی تو مشعل سوگئی

عقل شمع ہے عشق سویرا۔ سویرا آنے پر شمع گل ہوجاتی ہے۔ جناب خلیل کا آتش نمرود میں کود پڑنا فرزند کو چھری سے ذبح کرنے لگ جانا بیوی بچوں کو بے آب ودانہ جنگل میں چھوڑ آنا اسی برس کی عمر میں جب ختنہ کا حکم ہو تو چھری لے کر اپنا ختنہ غلط طور پر کر لینا اور خونا خون ہوجانا ذکر حق سن کر منٹوں میں مال دے کر فقیر بن جانا صرف اسی بناء پر تھا کہ شعر:

عشق آمد عقل خود آوارہ شد صبح آمد شمع خود بیچارہ شد!

عقل ان باتوں کی مخالف تھی مگر مفتی عشق کا فتویٰ تھا کہ یہ سب کچھ اہم فرائض ہیں۔ اب پڑھو وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا۔ صوفیاء فرماتے ہیں حضور ﷺ خلیل اللہ ہیں ابراہیم علیہ السلام خلیل الرحمٰن دیگر انبیاء کرام خلیل الرحیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں انہی تین خلتوں کی طرف اشارہ ہے اسی لئے حضور نے فرمایا مجھے اللہ نے خلیل بنایا اگر میں کسی مخلوق کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا اور فرمایا ابوبکر تم سب سے روزہ نماز کی سبب افضل نہیں بلکہ جذبہ قلبی کی سبب افضل ہیں اللہ تعالیٰ ان محبوبوں کی سچی غلامی نصیب کرے (از روح البیان مع زیادۃ)۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى
اور فتویٰ مانگتے ہیں آپ سے یہ لوگ عورتوں کے متعلق فرماؤ اللہ تم کو فتویٰ دیتا ہے ان کے متعلق اور وہ
اور تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں ان کا فتویٰ دیتا ہے اور وہ
عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ
جو تلاوت کیا جاتا ہے تم پر اس کتاب میں یتیمہ عورتوں کے متعلق وہ کہ نہیں دیتے تم انہیں جو لکھا گیا
جو تم پر قرآن میں پڑھا جاتا ہے ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں کہ تم انہیں نہیں دیتے جو ان کا
لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ
واسطے ان کے اور بے رغبتی کرتے ہو اس سے کہ نکاح کرو ان سے اور کمزور بچوں کے متعلق
مقرر ہے اور انہیں نکاح میں بھی لانے سے منہ پھیرتے ہو اور کمزور بچوں کے بارے میں

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِہٖ عَلِیْمًا ﴿۱۲۷﴾
اور یہ کہ قائم رہو تم یتیموں کے واسطے ساتھ انصاف کے اور جو کچھ کرو گے تم بھلائی اللہ اس کا جاننے والا ہے
یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھلائی کرو تو اللہ کو اس کی خبر ہے

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ آسمان و زمین کی ساری چیزوں کا اللہ مالک ہے اس کا علم قدرت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اب اپنے خصوصی احکام بندوں کو ارشاد فرما رہا کہ ہم عالم کے بادشاہ مطلق ہیں تو ہمارے یہ حکم مانو اس پر عمل پیرا ہو کہ اپنی بیویوں کو ان کے پورے حقوق دو گویا سلطان حقیقی کی سلطنت کا ذکر پہلے تھا اور احکام شاہی کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ دین ابراہیمی کی پیروی کامیابی کا ذریعہ ہے اب بیویوں یتیموں کے حقوق کا ذکر ہے جو ملت ابراہیمی کے احکام تھے گویا اجمالی اتباع کا حکم دے کر اس کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اچھا دین اس کا ہے جو اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کر دے اب ایک معاملہ کا حکم دیا جا رہا ہے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم نے اپنے کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے تو اس کا یہ حکم مانو کہ اپنی بیویوں یتیموں کو ان کے حقوق پورے پورے دو صرف منہ سے کہہ دینے سے اَسْلَمَ وَجْھَہٗ پر عمل نہیں ہوتا۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جو مرد عورت نیک عمل کرے وہ جنتی ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ نیک عمل صرف نماز روزہ وغیرہ عبادات ہی کا نام نہیں بلکہ معاملات گھریلو اور عزیز و اقارب کے حقوق کی دائیگی بھی نیک عمل میں داخل ہے گویا پہلے نیک عمل کا حکم تھا اور اب اس کی توسیع کا ذکر ہے۔

شان نزول

اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک وہ جو ابن جریر و ابن منذر نے حضرت عبداللہ ابن جبیر سے روایت فرمائی کہ زمانہ جاہلیت میں میت کی میراث اس کے چھوٹے بچوں اور بیویوں کو نہ ملتی تھی۔ جب بیویوں کی میراث کے احکام نازل ہوئے تو مسلمانوں کو سخت تعجب ہوا وہ سمجھے کہ یہ حکم عارضی ہے کچھ دن بعد ختم ہو جاوے گا مگر جب اس کی ناسخ کوئی آیت نازل نہ ہوئی تب انہوں نے اس میراث کی تفصیل حضور ﷺ سے دریافت کی تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح المعانی) تفسیر کبیر و تفسیر خازن نے بھی اسی کے قریب قریب روایت کی کہ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضرت عینیہ ابن حصین نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ آپ تو میت کی میراث سے بیٹی و بہن کو بھی نصف دے دیتے ہیں ہم تو صرف بالغ مردوں کو ہی دیا کرتے تھے حضور نے فرمایا مجھے رب تعالیٰ کا یہی حکم ہے تب یہ آیت اتری۔

(۲) اہل عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی نابالغہ یتیمہ مالدار لڑکی کسی کی پرورش میں ہوتی اگر وہ خوبصورت ہوتی تو اس

سے وہ خود نکاح کرتا مگر نہایت معمولی مہر پر اگر بدشکل ہوتی تو اس سے نہ خود نکاح کرتا کہ وہ اسے پسند نہ ہوتی نہ کسی دوسرے سے نکاح کراتا کہ مال اور جگہ نہ پہنچ جاوے بلکہ اس کے مرجانے کا انتظار کرتا تا کہ یہ مال خود لے لے اس کے متعلق یہ آیت آئی جس میں ان لوگوں کو اس عمل بد سے بہت تاکیدی ممانعت کی گئی (تفسیر کبیر)۔

تفسیر

وَ یَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ استفتاء اور افتاء بنا ہے فَتْوٰی یا فُتُوٌّ سے بمعنی قوت وطاقت اس لئے جوان طاقتور کو فتیٰ کہتے ہیں اسی سے ہے فتویٰ یعنی مدلل طاقتور شرعی حکم افتاء کے معنی ہیں مدلل حکم شرعی بتانا استفتاء کے معنی ہیں مدلل ومضبوط شرعی حکم پوچھنا۔ خواب کی تعبیر دینے کو بھی افتاء کہا جاتا ہے کہ اس میں مشکل چیز حل کی جاتی ہے یوسف علیہ السلام سے بادشاہ مصر کے ساقی نے عرض کیا تھا اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ الخ (یوسف:۴۶) یہاں افتاء بمعنی تعبیر خواب دینا ہے (کبیر، خازن) فِیْ کے بعد حَقُّ پوشیدہ ہے اَلنِّسَاءِ سے مراد یا میت کی بیویاں ہیں جو میراث سے محروم کردی جاتی تھیں یا اس میت کی یتیمہ بچیاں جن پر وہ ظلم ہوتے تھے جو ابھی شان نزول کی دوسری روایت میں مذکور ہوئے قرآن کریم میں بچیوں کو بھی نساء فرمایا گیا ہے کہ آگے چل کر وہ نساء بننے والی ہیں رب فرماتا ہے وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَ کُمْ (بقرہ:۴۹) اے اسرائیلیو فرعونی لوگ تمہاری بچیوں کو زندہ رکھتے تھے یعنی اے محبوب ﷺ یہ مسلمان آپ سے بیوہ عورتوں یا یتیمہ بچیوں کے متعلق فتویٰ شرعی پوچھتے ہیں اور یہ شرعی مشکل حل کرانا چاہتے ہیں قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْهِنَّ۔ یہ ان کے استفتاء کا جواب ہے اس میں بتایا گیا کہ یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ رب تعالیٰ اس کا فتویٰ خود دے رہا ہے بلاواسطہ پھر مضارع فرما کر بتایا کہ یہ فتویٰ تا قیامت جاری رہے گا اگرچہ فتویٰ جاری ایک بار ہو چکا مگر اس کا بقاء تا قیامت ہے حق یہ ہے کہ کُمْ میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے اور ہوسکتا ہے کہ خطاب صرف صحابہ کرام سے ہو مگر اس کا تعلق تمام مسلمانوں سے۔ فِیْهِنَّ کا مرجع وہ اَلنِّسَاءِ ہے جو پہلے مذکور تھی اگر وہاں بیوہ عورتیں مراد تھیں تو یہاں بھی وہ مراد ہیں اور اگر وہاں یتیمہ بچیاں مراد تھیں تو یہاں بھی وہ ہی ہیں۔ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ اس مَا میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ مرفوع ہے اسلئے کہ مبتداء ہے اور فِی الْکِتٰبِ اس کی خبر اور کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے یعنی یہ فتویٰ جو تم پر تلاوت کیا جارہا ہے یہ لوح محفوظ میں موجود ہے بہت اہم ہے اس صورت میں یہ جملہ معترضہ ہے یا فِی الْکِتٰبِ سے مراد قرآن کریم ہے یعنی یہ آیت کریمہ قرآن میں رہے گی کہ اس کی تلاوت اور اس پر عمل ہوتا رہے گا یا اسلئے مرفوع ہے کہ مبتدا ہے اور اس کی خبر پوشیدہ ہے یعنی جو حکم تم پر کتاب میں تلاوت کیا جارہا ہے یہ عظیم الشان ہے دوسرے یہ کہ مَا یُتْلٰی یُفْتِیْکُمْ کے فاعل پر معطوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ بھی تم کو اس کا فتویٰ دے رہا ہے اور قرآن کریم کی وہ آیات بھی فتویٰ دے رہی ہیں جو تم پر تلاوت کی جارہی ہیں کہا جاتا ہے کہ قرآن نے نماز فرض فرمادی یا یہ مَا منصوب ہے یعنی رب تعالیٰ تم کو فتویٰ دیتا ہے اور یہ آیات قرآنیہ تم پر بیان کرتا ہے یا یہ مَا مجرور ہے واؤ قسم کا ہے یعنی قسم ہے ان تلاوت والی آیتوں کی رب تعالیٰ [illegible] یعنی فتویٰ دے [illegible] فِیْهِنَّ کی ضمیر پر معطوف ہے یعنی رب تعالیٰ تم کو ان

عورتوں کے بارے میں بھی فتویٰ دے رہا ہے اور ان آیات کے بارے میں بھی جو تم پر کتاب میں تلاوت کی جارہی ہیں (تفسیر کبیر وروح المعانی وغیرہ) غرضیکہ یہ آیت مشکل آیات سے ہے اور اسکی بہت تفسیریں ہیں۔ فِیۡ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیۡ لَا تُؤۡتُوۡنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ یہ جار مجرور یُتۡلٰی کے متعلق ہے یَتٰمَی النِّسَآءِ دراصل النِّسَآءِ الۡیَتَامٰی تھا یہاں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے جیسے کہا جاتا ہے حق الیقین بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ فی بمعنی لام ہے مَا كُتِبَ سے مراد یا تو ان کی میراث ہے یا ان عورتوں کا مہر یعنی لاوارث یتیمہ بچیاں جن کو تم ان کے باپ کی میراث نہیں دیتے خود کھا جاتے ہو یا وہ بچیاں جن سے تم نکاح تو کر لیتے ہو مگر ان کا مہر نہیں دیتے كُتِبَ سے مراد ہے یا تو فرض ہے یا اپنے ہی معنی میں ہے یعنی جو میراث یا مہر ان کا شرعاً مقرر کیا گیا ہے وہ تم ان کو نہیں دیتے عورت مہر مثل کی مستحق ہوتی ہے۔ وَتَرۡغَبُوۡنَ اَنۡ تَنۡكِحُوۡهُنَّ یہ جملہ لَا تُؤۡتُوۡنَهُنَّ پر معطوف ہے اور الّٰتِیۡ کا صلہ رغبت سے مراد یا تو بے رغبتی ہے تو اَنۡ سے پہلے عَنۡ پوشیدہ ہے یا رغبت بمعنی خواہش ہے تو اَنۡ سے پہلے فی پوشیدہ ہے یعنی تم ان سے نکاح کرنے سے کتراتے ہو ان کی بدصورتی کی وجہ سے نکاح نہیں کرنا چاہتے یا تم ان سے نکاح کی خواہش کرتے ہو۔ ان کے حسن کی وجہ سے مگر مہر پورا نہیں دیتے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ترجمہ پہلے معنی پر ہے۔ وَالۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الۡوِلۡدَانِ یہ عبارت یَتٰمَی النِّسَآءِ پر معطوف ہے مُسۡتَضۡعَفِیۡنَ کے معنی ہیں بہت کمزور یا کمزور سمجھے ہوئے مِنَ الۡوِلۡدَانِ اس کا بیان ہے اس میں بچے بچیاں سب شامل ہیں یعنی رب تعالیٰ ان کمزور یتیموں کے متعلق بھی تم کو فتویٰ دیتا ہے جن کو تم کمزور سمجھ کر میراث نہیں دیتے۔ وَاَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلۡیَتٰمٰی بِالۡقِسۡطِ اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں لہٰذا اور آسان تفسیر یہ ہے کہ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا مبتداء ہے اور خَیۡرٌ لَّكُمۡ اس کی خبر پوشیدہ اور خطاب حکام اسلام سے ہے یعنی اے حاکمو تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ یتیموں میں انصاف قائم کرو اور ہوسکتا ہے کہ یہ عبارت یُفۡتِیۡكُمۡ گزشتہ کا مفعول ہو اور خطاب میت کے متولیوں سے ہو یعنی تم کو فتویٰ دیتا ہے کہ تم یتیموں میں انصاف کرو۔ اس طرح کہ ان کی میراث وغیرہ کا پورا مال انہیں دو اور اس مال کو جلد خرچ کر دینے کی کوشش نہ کرو اپنے بچوں کے ساتھ ان سے بھی پیار و محبت کرو کہ وہ بھی کسی کے بچے اور پیارے ہیں اگر تم فوت ہو جاؤ اور تمہارے بچے یتیم ہو کر کسی کی پرورش میں جائیں تو جیسا برتاؤ اپنے بچوں سے چاہتے ہو۔ ویسا برتاوا دوسرے کے یتیم بچوں سے کرو غرضیکہ انصاف میں بڑی گنجائش ہے۔ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِیۡمًا یہ جملہ علیحدہ ہے مَا تَفۡعَلُوۡا مبتدا ہے اور فَاِنَّ اللّٰهَ الخ خبر ہے خیر سے مراد یا تو عورتوں یتیموں میں انصاف کرنا ہے اور ان کا حق پورا دینا یا حق کے علاوہ کچھ اور بھی دے دینا یا ان کی پرورش کرنا یا مطلق نیکی خواہ کوئی سی ہو غرضیکہ یہ جملہ بہت جامع ہے یعنی تم جو بھلائی بھی کرو گے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے تم کو اس کا پورا پورا اجر بلکہ اجر کے علاوہ اور بہت دے گا۔ خیال رہے کہ یتیموں بیوگان کے حقوق واجبہ کا ادا کرنا تو انصاف تھا جس کا ذکر اوپر بِالۡقِسۡطِ میں ہوا اور حق کے علاوہ ان پر اور مہربانی کرنا خیر ہے جیسے ان کا کام کاج کرنا انہیں اچھی تعلیم و تربیت دینا ان کا مال تجارت کے ذریعہ بڑھا دینا کہ اگر متروکہ

مال میراث سو روپیہ تھا تو ان کے بالغ ہونے تک ہزار روپیہ بنا کر دو اس کا بڑا ہی ثواب ہے۔

خلاصہ تفسیر

اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہے جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا ہم ان میں سے صرف ایک تفسیر عرض کرتے ہیں جو واضح بھی ہے اور آسان بھی اے محبوب ﷺ لوگ آپ سے بیوہ عورتوں یتیمہ بچیوں کے متعلق فتویٰ پوچھتے ہیں کہ ان کے حقوق کیا ہیں اور ان سے برتاوا کیسے کرنا چاہئے فرمادو کہ اس کے متعلق رب تعالیٰ براہ راست تم کو فتویٰ دے رہا ہے تا کہ تم کو اس مسئلہ کی اہمیت کا پتہ چلے اور اس کے متعلق جو آیات قرآن مجید میں تلاوت کی جارہی ہیں وہ تمام لوح محفوظ میں محفوظ ہیں نا قابل نسخ ہیں یہ فتویٰ ان یتیمہ بچیوں کے متعلق ہے جن کو تم ان کا طے شدہ شرعی حق میراث وغیرہ نہیں دیتے ان کا حق میراث خود کھا جاتے ہو اور ان کے ساتھ نکاح کرنے سے بھی منہ موڑتے ہو کیونکہ تم کو وہ پسند نہیں ہوتیں کیا ظلم ہے کہ نہ ان سے خود نکاح کرتے ہو نہ کسی سے ان کا نکاح کراتے ہو نہ ان کا حق دیتے ہو۔ تم پر لازم ہے کہ ان کے ساتھ عدل وانصاف کرو ان کے حقوق ادا کرو اور اللہ تعالیٰ تم کو ضعف وناتواں بچوں کے متعلق تاکیدی فتویٰ دیتا ہے کہ یتیموں کے حق میں انصاف کرو ان پر کسی قسم کا ظلم نہ کرو۔ خیال رکھو کہ تم جیتے جی جو کچھ بھلائی کر جاؤ گے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے وہ تمہیں اس کی جزاء ضرور بالضرور دے گا غرضیکہ ان کے حقوق پورے پورے دو اور حقوق واجبہ کے سواء اور بھی سلوک کرو تا کہ اجر و ثواب بہت پاؤ۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضور ﷺ کو رب تعالیٰ سے بہت بڑا قرب خصوصی حاصل ہے کہ سوال حضور انور سے کیا جاتا ہے اور جواب رب تعالیٰ دیتا ہے دیکھو یہاں ارشاد ہوا کہ لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں اور فرمایا کہ اللہ انہیں فتویٰ دیتا ہے گویا حضور سے پوچھنا در حقیقت رب تعالیٰ سے پوچھنا ہے حضور کو دیکھنا رب کو دیکھنا ہے حضور سے مانگنا رب سے مانگنا ہے اگر کوئی کہے حضور مجھے جنت دے دو مجھے دوزخ سے بچالو انشاء اللہ جواب رب تعالیٰ کی طرف سے ملے کہ جنت دیدی دوزخ سے بچالیا شعر:

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا　　　او نشیند در حضور اولیاء

دوسرا فائدہ: بیوہ عورتوں یتیم بچیوں یتیم بچوں کے حقوق ادا کرنا اسلام میں اشد ضروری ہیں کہ رب تعالیٰ نے براہ راست ان کے متعلق فتویٰ دیا صرف اپنے نبی سے نہ دلوایا۔ کیوں نہ ہو کہ یہ لوگ کمزور ہیں اور کمزوروں کا اللہ والی ہے قرآن کریم میں سورۂ نسا تو ہے مگر سورۂ رجال کوئی نہیں۔ **تیسرا فائدہ**: نابالغہ بچی کو نساء کہا جاسکتا ہے کہ آگے چل کر وہ نساء یعنی عورتیں بنیں گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ (بقرہ:۴۹) فرعونی لوگ تمہاری بچیوں کو زندہ باقی رکھتے تھے۔ **چوتھا فائدہ**: لڑکیوں کو میراث سے محروم کرنا مشرکین کا طریقہ ہے اور یہ ایسا بڑا ظلم ہے کہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہوسکتا کہ حق العباد ہے نیز یتیمہ بچیاں اگر خود بھی اپنا حق میراث معاف کردیں تو معاف نہیں ہوتا کہ نابالغ کی معافی معتبر نہیں۔ **پانچواں فائدہ**: میراث کے مسائل بڑے اہم ہیں کہ اللہ تعالیٰ

نے جتنی تفصیل میراث کے مسائل کی فرمائی اتنی تفصیل دوسرے احکام کی نہ کی نیز میراث کے متعلق براہ راست فتویٰ دیا صرف اپنے نبی سے فتویٰ نہ دلوایا دوسرے مسائل کا مفتی انسان ہے مگر ان کا فتویٰ دینے والا خود خالق الانس والجان ہے۔ **چھٹا فائدہ**: میراث کے اسلامی مسائل اور اس کی اسلامی تقسیم صرف مسلمانوں پر جاری ہوگی کفار کی میراث ان کے مذہب کے مطابق تقسیم کی جائیگی چنانچہ اگر حاکم اسلام کی کچہری میں کفار کی میراث کا مسئلہ پیش ہو تو وہ ان کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے یہ فائدہ یُفۡتِیۡکُمۡ میں ضمیر خطاب سے حاصل ہوا یعنی اے مسلمانو یہ فتویٰ تم کو دیا جا رہا ہے تم پر جاری ہوگا۔ خیال رہے کہ سیاسی و انتظامی احکام ساری رعایا پر جاری ہوتے ہیں خواہ کسی مذہب کے لوگ ہوں مگر مذہبی احکام صرف مسلمانوں پر جاری ہوتے ہیں کفار کو مذہبی آزادی ہے لہٰذا قاتل کو قتل کیا جاوے گا چور کے ہاتھ کٹیں گے خواہ قاتل و چور کسی مذہب و ملت کا ہو مگر شرابی کو اسی کوڑے اور زانی کو رجم جب ہوگا جب مسلمان ہو کفار کو شراب پینے سود کھانے سے اسلامی حاکم نہ روکے گا چونکہ تقسیم میراث مذہبی حکم ہے لہٰذا اسلامی تقسیم مسلمانوں پر جاری ہوگی۔ **ساتواں فائدہ**: یتیموں کے ساتھ ادائے حقوق کے علاوہ اور مہربانیاں بھی کرنی چاہئے ان کو پوری میراث دینا۔ ان کا مال محفوظ رکھنا یہ تو واجب ہے اس کے علاوہ ان کے مال کو تجارت وغیرہ کے ذریعہ بڑھانا یا ان کے لئے آمدنی والی جائیداد خرید دینا انہیں اعلیٰ تعلیم اور تربیت دینا ان کو اچھے اخلاق سکھانا ہنر و حرفت سکھانا غرضیکہ جو سلوک اپنی اولاد سے کرتے ہو وہ سلوک یتیموں سے کرنا مستحب ہے جسکا بڑا ثواب یہ فائدہ مِنۡ خَیۡرٍ کی تنکیر سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بڑی طاقت و قوت دی ہے دیکھو عرب میں یتیموں بیوگان پر یہ ظلم و ستم قریباً پونے چار ہزار برس سے جاری تھے جس کے اہل عرب عادی ہو چکے تھے۔ حضور نے چند سال میں یہ ظلم ایسے بند کر دیئے کہ عرب سے ان کا نام و نشان مٹ گیا یہ آیت کریمہ بعد ہجرت نازل ہوئی اور بعد ہجرت حضور کی زندگی پاک دس سال ہے تو قریباً چار ہزار سال کی بری خصلتوں کو چھ سات سال میں مٹا دینا غیبی طاقت ہی تو ہے حضور نے مسلمانوں کے دلوں سے مال کی عزت دنیا کی محبت نکال کر ان میں اللہ کا خوف اپنی محبت بھر دی جس سے یہ ساری بری خصلتیں مٹ گئیں۔ حضور دلوں کے راجا ہیں۔ خدا کرے ہمارے دلوں پر نظر کرم فرما دیں جس سے ہماری بری خصلتیں بھی چھوٹ جائیں اعلیٰ حضرت نے کیا خوب عرض کیا ہے شعر:

توفیق دے کہ آگے نہ پیدا ہو خوئے بد
تبدیل کر جو خصلت بد پیشتر کی ہے!

اعتراضات

پہلا اعتراض: یُفۡتِیۡکُمۡ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کو مفتی کہہ سکتے ہیں مفتی تو ہمارے علماء ہوتے ہیں۔ **جواب**: رب تعالیٰ کو مفتی نہیں کہہ سکتے جیسے کہ رب تعالیٰ نے ہر ایک کو علم دیا مگر اسے ماسٹر یا معلم یا مولوی یا مدرس نہیں کہہ سکتے رب تعالیٰ سب کو شفا دیتا ہے مگر اسے طبیب نہیں کہہ سکتے وہ ہی کھیت اگاتا درختوں میں دانا ڈالتا ہے مگر اسے حارث یا کسان یا زمیندار نہیں

کہہ سکتے کہ یہ الفاظ ہلکے ہیں۔ پیشہ وروں پر استعمال ہوتے ہیں رب تعالیٰ پر ان کا استعمال درست نہیں۔

دوسرا اعتراض: آپ نے وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ کی ایک ترکیب نحوی یہ بھی بیان کی کہ یہ لفظ اللہ پر معطوف ہے اور آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ تم کو اللہ تعالیٰ بھی فتویٰ دیتا ہے اور قرآن کریم کی یہ آیات بھی تو کیا قرآن کریم مفتی ہے قرآن کا کام فتویٰ دینا نہیں پھر یہ ترکیب کیوں کر درست ہوئی۔ **جواب**: جب فتویٰ کی نسبت قرآن کریم کی طرف ہوگی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ قرآن کریم سے فتویٰ حاصل کیا جاتا ہے قرآن کریم ہمارے لئے سبب فتویٰ ہے اور سبب کو بھی فاعل کہہ دیتے ہیں کہا جاتا ہے بارش نے سبزہ اگایا حالانکہ بارش سبزہ اگنے کا سبب ہے۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے میراث اور حقوق بیوگان وحقوق یتامیٰ کی آیات قرآن میں اتاریں۔ نبی کو الہام یا کشف یا وحی خفی سے نہ بتادیا تا کہ تم کو اس کی اہمیت کا پتہ چلے۔

تیسرا اعتراض: یہاں ان والیوں کے عیوب میں سے یہ بھی بیان فرمایا کہ تم ان سے نکاح کرنے سے منہ پھیرتے ہو۔ یہ تو کوئی جرم نہیں جس سے دل نہ لگے اس سے نکاح نہ کرے اسے جرموں کے سلسلے میں کیوں بیان فرمایا۔ **جواب**: صرف نکاح نہ کرنا جرم نہیں کہا گیا بلکہ نکاح نہ کر کے ان کے حقوق ادا نہ کرنا ان بچیوں کو یوں ہی معلقہ چھوڑے رکھنا کہ نہ ان سے خود نکاح کرنا نہ کسی سے ان کا نکاح کرانا ان کے حقوق نہ دینا ان کی موت کا منتظر رہنا کہ یہ یوں ہی بیٹھی رہیں اور جلد مر جائیں تا کہ ان کا مال ہم قبضہ میں لیں یہ جرم ہے اسلئے تَرْغَبُوْنَ سے پہلے فرمایا گیا لَاتُؤْتُوْنَهُنَّ الخ اور بعد میں ارشاد ہوا اَنْ تَقُوْمُوْ لِلْيَتَامىٰ الخ۔

چوتھا اعتراض: جب اہل عرب یتیمہ بچیوں کو میراث دیتے ہی نہ تھے تو ان کے پاس مال کہاں سے آتا تھا جس مال کی لالچ میں والی لوگ ان یتیمہ بچیوں کا نکاح اور جگہ نہ کرتے تھے جیسا کہ تم نے تفسیر میں بیان کیا۔
جواب: ان یتیمہ بچیوں کے پاس مال ہونے کی بہت صورتیں تھیں ان کا باپ اپنی زندگی میں انہیں کچھ مال دے گیا یا کچھ جائیداد ان کے نام لگا گیا۔ کسی اور عزیز نے ترس کھا کر انہیں کچھ دے دیا کسی نے ان کے نام سے کچھ روپیہ تجارت میں لگا دیا جس سے ان کے پاس کافی مال جمع ہو گیا غرضیکہ وہ صرف میراث سے محروم ہوتی تھیں اور ذریعہ بہت تھے اب بھی ایسا دیکھا جا رہا ہے غریبوں کے یتیم بچے امیر ہو جاتے ہیں آج یتیم خانہ کے ناظم سیکریٹری وغیرہ یتیموں کے مال سے خوب مالدار بن جاتے ہیں یہ مال کہاں سے آتا ہے قوم کے مخیر حضرات کی جیبوں سے جو وصول کیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

عاقل پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اپنے پر لازم جانے اور غیر کا مال ظلماً ہرگز نہ استعمال کرے کہ اس میں اللہ رسول کی نافرمانی بھی ہے اور اپنے نفس و روح کو خراب کرنا بھی حرام غذا دل روح نفس کو ایسے ہی خراب کرتی ہے جیسے خراب آب و ہوا جسم کو بیمار کر دیتی

ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مالوں کے متعلق بہت تاکیدی احکام جاری فرمائے اور یتیموں بیوگان کے مال پر تو بہت ہی سختی فرمائی۔

حکایت

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دوکان پر ایک عورت آئی اور اس نے اعلیٰ درجہ کا تھان مانگا آپ نے اسے تھان دکھایا جس کی قیمت چارسو درہم تھی وہ بولی میں بیوہ ہوں میری بچی یتیمہ ہے اس کا نکاح کرنا چاہتی ہوں اس کے لئے یہ کپڑا چاہئے کچھ رعایت فرمائیے اور جتنے میں یہ کپڑا آپ کو پڑا ہے وہ قیمت مجھ سے لے لیجئے آپ نے فرمایا اچھا صرف چار درہم دے دے وہ بولی آپ مجھ سے مذاق کیوں کرتے ہیں کہاں چارسو درہم اور کہاں صرف چار آپ نے فرمایا میں نے دو تھان خریدے تھے جن میں سے ایک تھان دونوں تھانوں کی قیمت دے گیا صرف چار درہم کم آئے ہیں لہٰذا مجھے یہ تھان چار درہم میں پڑا ہے اسی قیمت پر تو لے جاوہ ہنسی خوشی لے گئی، حاتم اصم فرماتے ہیں کہ جو شخص تین چیزوں کے بغیر تین چیزوں کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے جنت کی محبت کا دعویٰ کرے بغیر خیرات مال وہ جھوٹا ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرے بغیر تقویٰ وہ جھوٹا ہے۔ حضور ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرے بغیر فقراء یتامیٰ بیوگان کی خدمت کے وہ جھوٹا ہے شعر:

بگیر اے جواں دست درویش پیر | نہ خود را بیفگن کہ دستم بگیر!
کسے نیک بودے بہر دوسرائے | کہ نیکی رساند بہ خلق خداء

صوفیاء فرماتے ہیں کہ روح انسانی گویا خاوند ہے اور نفس انسانی گویا بیوی جیسے مرد پر عورت کے حق ہیں۔ ویسے ہی روح پر نفس کے حق ہیں کھانا، پینا، سونا، آرام کرنا نفس کے حقوق ہیں ہم پر واجب ہے کہ عبادت بھی کریں اور آرام بھی اس آیت کریمہ میں اسی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ بیویوں بیوگان یتیموں کے حقوق ادا کرنے میں سستی نہ کرو نفس قوی ہو کر روح کو ترقی میں بڑی امداد دیتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے منہ میں شریعت کی لگام ہو یہ نفس تیز گھوڑا ہے اس کے حقوق بھی ادا کرو اس کی نگرانی بھی کرو (روح البیان)۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ
اور اگر کوئی عورت خوف کرے اپنے خاوند کی سختی کا یا منہ پھیرنے کا تو نہیں ہے گناہ ان دونوں پر
اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ کرے تو ان پر گناہ نہیں
اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ
یہ کہ صلح کرلیں آپس میں اور صلح اچھی چیز ہے اور ڈال دیا گیا ہے دلوں میں
کہ آپس میں صلح کرلیں اور صلح خوب ہے اور دل لالچ کے پھندے میں ہیں

الشُّحَّ ؕ وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿۱۲۸﴾

بخل وہوس اور اگر تم نیکی کرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے

اور اگر تم نیکی اور پرہیزگاری کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں یتیم بچوں یتیمہ بچیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا تھا یتیم وہ بچہ ہے جو اپنے باپ کے فوت ہو جانے کی وجہ سے اس سے کٹ گیا اور دوسروں کے رحم و کرم کا دست نگر ہو گیا اب اپنی بیویوں سے صلح صفائی اچھے برتاؤ کا حکم ہے۔ بیوی بھی اپنے ماں باپ بلکہ سارے میکے والوں سے کٹ کر ایک خاوند کی دست نگر ہو جاتی ہے۔ شادی کے بعد خاوند تو اپنے پیدائشی گھر میں ہی رہتا ہے مگر بیوی اس خاوند کی وجہ سے دیس چھوڑ پردیسی بن جاتی ہے بیوی کو یتیم کے ساتھ مشابہت ہے اس لئے یتیم کے بعد بیویوں کا ذکر ہوا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں بیوہ عورتوں یتیمہ بچیوں سے انصاف کرنے کا حکم تھا اب اپنی بیویوں کے ساتھ انصاف و صلح صفائی کا تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنی بیویاں بھی رعایت انصاف و صلح صفائی کی مستحق ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں یتیمہ لڑکیوں بیوہ عورتوں کو ان کا حق دے دینے اور ان کے حق پر قبضہ ناجائز نہ کرنے کا حکم تھا کہ ان کے مال پر تم غاصبانہ قبضہ نہ کرو اب اپنی بیویوں کے حقوق نکاح یعنی اچھا برتاؤ ان کے ساتھ ہنسی خوشی سے رہنے کا حکم ہے گویا مالی حقوق کے بعد اخلاقی حقوق ادا کرنے کی تاکید فرمائی جا رہی ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم کو عورتوں کے متعلق فتویٰ دیتا ہے جن میں سے بعض عورتوں یعنی بیوگان اور یتیمہ کے احکام پہلے بیان ہوئے اور اپنی خود کی ہوئی بیویوں کے متعلق فتویٰ اب دیا جا رہا ہے کہ تمہاری اپنی بیویاں بھی عورتیں ہیں اللہ کی بندیاں ہیں گویا لاوارث عورتوں کا ذکر پہلے تھا اور وارث والی عورتیں جن کے لاوارث ہو جانے کا اندیشہ ہو ان کا ذکر اب ہے۔

شان نزول

اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں (۱) ایک یہ کہ عمرہ بنت محمد ابن مسلمہ جن کو خولہ بھی کہا جاتا تھا۔ سعد ابن ربیع کے نکاح میں تھیں جن کو رافع ابن خدیج بھی کہتے تھے یعنی ان کا نام سعد لقب رافع تھا ان کے باپ کا نام ربیع لقب خدیج تھا۔ سعد نے ان سے نکاح ان کی جوانی کے زمانے میں ہی کیا تھا۔ جب یہ بوڑھی ہو گئیں تو سعد نے ایک اور جوان عورت سے نکاح کر لیا اور اس کی طرف مائل ہو گئے عمرہ کی طرف سے لاپرواہ سے ہو گئے۔ حضرت عمرہ نے حضور سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے خاوند کی اس بے رخی کی شکائت کی تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن و روح البیان و روح المعانی) تب حضرت عمرہ اس پر راضی ہو گئیں کہ مجھے طلاق نہ دی جاوے میں اپنے حقوق زوجیت کم کرتی ہوں۔ اس پر صلح ہو گئی (روح المعانی)
(۲) دوسری روایت یہ ہے کہ ابن ابی السائب کی بیوی بوڑھی اور بہت اولاد والی تھیں۔ انہوں نے اس بیوی کو طلاق

دے کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہا۔ ان بی بی صاحبہ نے عرض کیا کہ مجھے طلاق نہ دو مجھے اپنے بچوں میں رہنے دو میں تم سے زیادہ خرچ یا حقوق زوجیت نہیں چاہتی۔ تم خوشی سے دوسرا نکاح کرو مجھے بقدر ضرورت مال دے دیا کرو جو مجھے اور میرے بچوں کو کافی ہو اور رہو سہو اپنی دوسری بیوی کے ساتھ ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر) غرضیکہ یہ آیت کریمہ گھریلو جھگڑوں کے متعلق ہے۔

تفسیر وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا یہ نیا جملہ ہے واو ابتدائیہ ہے اور اِنْ سے پہلے خَافَتْ فعل پوشیدہ ہے۔ جس کی تفسیر بعد والا خَافَتْ کر رہا ہے کیونکہ اِنْ اسم پر نہیں آتا امْرَاَةٌ سے مراد ہر عورت ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے خوف سے مراد ہے اندیشہ قوی جس کی علامات ظاہر ہوں بَعْل کے لغوی معنی سردار چونکہ خاوند بھی عورت کا سردار ہوتا ہے اسی لئے اسے بھی بَعْل کہتے ہیں۔ اس کی جمع بعولہ ہے نُشُوْزًا باب نَشَزَ سے بمعنی ٹیلہ و اونچی زمین چونکہ اونچی جگہ پہنچ کر آدمی دوسرے نیچے والوں سے کٹ جاتا ہے اسی لئے سرکشی نافرمانی بے توجہی اور علیحدگی کو نشوز کہتے ہیں۔ اگر یہ عورت کی صفت ہو تو مراد ہوتی ہے نافرمانی اور اگر مرد یعنی خاوند کی صفت ہو تو مراد ہوتی ہے علیحدگی بے توجہی یہاں دوسرے معنی میں ہے کیونکہ خاوند کی طرف منسوب ہے خاوند کی زیادتی یہ ہے کہ بیوی کو کھانے پینے کو نہ دے یا کم دے یا اسے بلاوجہ مار پیٹ کرے یا بدزبانی طعنہ بازی کرے اور اعراض یہ ہے کہ اس سے بول چال ترک کر دے یا کم کر دے محبت سے پیش نہ آئے غرضیکہ نُشُوْزًا اور اعراض میں بڑا فرق ہے یعنی اگر کوئی بیوی اپنے خاوند کے متعلق سخت زیادتی یا بے رخی کا اندازہ کرے اسے محسوس ہو جاوے کہ اس کا دل مجھ سے متنفر ہو چکا ہے۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا یہ جملہ اِنْ گزشتہ کی جزاء ہے لہٰذا فَ جزائیہ ہے عَلَيْهِمَا کا مرجع خاوند بیوی دونوں ہیں اَنْ يُّصْلِحَا کے معنی یا تو ہیں آپس میں خود ہی صلح کر لینا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دینا حتی کہ گھر کے لوگوں کو بھی پتہ نہ لگنے دینا جیسا کہ عام عقل مند زوجین کرتے ہیں یا کسی پنچ کو بیچ میں ڈال کر صلح کرا لینا مگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ جیسا کہ بَيْنَهُمَا سے ظاہر ہے۔ صُلْحًا مفعول مطلق یا مفعول بہ ہے يُّصْلِحَا کا جس سے مراد ہے پوری پوری صلح کر لینا اس طرح کہ یہ صلح صفائی صرف رسمی اور زبانی نہ ہو بلکہ خاوند بیوی ایک دوسرے کی شکایت دور کر کے صلح کریں زبانی صلح محض عارضی ہوتی ہے اور عملی صلح دائمی عورت کی طرف سے صلح یہ ہے کہ وہ اپنے کچھ حقوق مہر باری نفقہ میں رعایت کر دے یا تو بالکل معاف کر دے یا اس میں کمی کر دے مرد کی طرف سے صلح یہ ہے کہ بے تکلف اس سے خوش خلقی سے پیش آوے اور اسے گھر میں رہنے بسنے دے طلاق نہ دے یا عورت کی طرف سے صلح یہ ہے کہ اپنی گزشتہ کوتاہیوں کو دور کر دے اور ہر وہ جائز کام کرے جس سے مرد خوش ہو اور خاوند کی طرف سے صلح یہ ہے کہ بیوی کی گزشتہ کوتاہیوں سے درگزر کرے۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے عورت کی اس رعائت کے متعلق فرمایا فَلَا جُنَاحَ گناہ نہیں یعنی یہ لین دین رشوت نہیں۔ جس کا دینا عورت پر حرام ہو اور لینا مرد پر حرام ہو رشوت کے وہم کو دفع

فرمانے کے لئے فَلَا جُنَاحَ فرمایا گیا (روح المعانی) وَالصُّلْحُ خَيْرٌ یہاں الصُّلْحُ سے مراد یہ صلح مذکور ہے خاوند بیوی کا صلح الف لام عہدی ہے خیر سے مراد طلاق سے بہتر ہے کہ طلاق اگر چہ درست ہے مگر رب تعالیٰ کو ناپسند ہے اور اس صلح سے رب تعالیٰ راضی ہے اس پر ثواب بھی عطا فرمائے گا عورت کو اس رعایت کرنے پر ثواب دے گا اور خاوند کو آباد کر لینے پر اجر عطا کرے گا۔ یعنی یہ صلح بہتر ہے اس سے جس کا اندیشہ تھا طلاق یا علیحدگی۔ کسی بزرگ کے پاس ایک عورت آئی بولی کہ میرا خاوند مجھے منہ نہیں لگاتا رنڈیوں کے پاس جاتا ہے وہ بزرگ بولے کہ تو نالائق ہے تیرے پاس وہ کیا چیز نہیں جو رنڈی کے پاس ہے تو بھی صاف ستھری آراستہ رہ خاوند کا دل لبھا ٹھیک ہو جاوے گا عورت نے یہ عمل شروع کر دیا چند روز میں خاوند درست ہو گیا۔ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ یہ جملہ معترضہ ہے اُحْضِرَتْ اِحْضَارٌ سے بنا بمعنی حاضر و موجود کر دینا یہاں مراد ہے ہر وقت دل کے ساتھ لگا رہنا اَنْفُسُ سے مراد ہے مرد و عورت کے دل و نفس شح اس بخل و کنجوسی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ حرص بھی ہو۔ اُحْضِرَتْ میں فطرت انسانی کا ذکر ہے یعنی فطری طور پر نفس انسانی پر خواہ مرد ہو یا عورت بخل کنجوسی حرص لازم کر دیا گیا ہے۔ ہر شخص فطری طور ہر اپنے حقوق کے چھوڑنے میں بخیل ہے زیادہ حقوق لینے میں حریص اپنے حقوق چھوڑنا نہیں چاہتا زیادہ حقوق لینے پر حریص ہے مگر اس کے باوجود عورت نے اپنے حقوق میں کمی کر دی اور خاوند نے اسے پاس رہنے دیا اچھا کیا۔ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا بظاہر یہ خطاب خاوندوں سے ہے احسان سے مراد ہے عورتوں پر مہربانی کرنا ان سے رعایت نہ کرانا اور تقویٰ سے مراد ہے ان پر زیادتی کرنے سے پرہیز کرنا اور اس شرط کی جزاء پوشیدہ ہے یعنی اے خاوندو تم مرد ہو حاکم ہو تمہارا دل وسیع چاہئے اگر تم عورت سے مہر وغیرہ معاف نہ کراؤ اس سے کچھ رعایت نہ کراؤ یوں ہی بھلائی سے اسے اپنے پاس رکھو اور اسکے معاملہ میں اللہ سے خوف کرو تو تمہارے واسطے یہ بہت ہی اچھا ہے کیونکہ یہ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا یہ جملہ جزاء پوشیدہ کی علت ہے اور ف تعلیلیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال پر خبردار ہے تم کو اس عمل خیر کی بڑی اعلیٰ جزاء دے گا لہٰذا اپنے آپس کے معاملات درست رکھو رب سے اجر کے امیدوار رہو ناپسندیدہ عورت کو نباہنے کی کوشش کرو تو ہم بھی تمہارے ناپسندیدہ اعمال بخش دیں گے۔

خلاصہ تفسیر

اسلام نے ہم کو عبادات کے ساتھ درستی معاملات بھی سکھائے معاملات میں سب سے نازک معاملہ خاوند بیوی کے تعلقات ہیں کہ ان پر زندگی کا مدار ہے اس لئے قرآن کریم نے ایک جگہ تو وہ صورت بیان کی کہ عورت نافرمان ہو جاوے تو خاوند کیا کرے کہ فرمایا وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ (النساء: ۳۴) انہیں اپنے بستروں میں چھوڑ دو یعنی گھر سے نکالو مت بلکہ انہیں گھر میں رہتے ہوئے ان کا بائیکاٹ کر دو خود ٹھیک ہو جائیں گی اب یہاں وہ صورت بیان ہو رہی ہے کہ مرد کی طرف سے بے رخی ہو تو بیوی کیا کرے لہٰذا ارشاد ہوا کہ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے متعلق اس کی طرف سے زیادتی کا اندیشہ کرے یا بے توجہی اور بے رغبتی کا کہ یا تو خاوند اس کا خرچہ کم کر دے یا اسے اٹھتے بیٹھتے طعن تشنیع کرے یا اسے مارنا پیٹنا شروع کر دے یا اس سے کنارہ کشی

اور بے رغبتی اختیار کرے اور عورت اس کے گھر رہنا چاہے یہاں سے نکلنا طلاق لینا اسے منظور نہ ہو تو دونوں خاوند و بیوی پر اس میں گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کر لیں اس طرح کہ کچھ تو عورت اپنے حقوق میں خاوند کو رعائت دے دے کہ اپنا مہر معاف یا کم کر دے یا اپنا خرچ کم کر دے یا اپنی باری معاف کر دے یا کم کر دے اور خاوند باوجود اس سے دل برداشتہ ہونے کے اسے اپنے گھر میں رکھے طلاق نہ دے خیال رکھو کہ اگرچہ طلاق باوجود ناپسندیدہ چیز ہونے کے مباح رکھی گئی لوگوں کی ضرورت کی بناء پر مگر طلاق سے صلح بہتر ہے یہ بھی خیال رکھو کہ فطری طور پر ہر انسان کے دل پر بخل وحرص چھائی ہوئی ہے لالچ خمیر میں داخل ہے اس کے باوجود عورت کا اپنے حق سے دستبردار ہو جانا خاوند کا اسے اس حال میں رکھ لینا بہت اعلیٰ ہے اور اے خاوندو تم پھر مرد ہو بڑے ہو مرد کا دل وسیع ہونا چاہئے اگر تم بیوی کے ساتھ بھلائی کرو کہ اس سے رعائت نہ کراؤ ویسے اسے بساؤ اور اس سے متعلق پرہیز گاری سے کام لو تو بہت ہی اچھا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال پر خبر دار رہے تم کو بہت بڑا اجر وثواب عطا فرمائے گا۔ خیال رہے کہ تُحْسِنُوْا اور تَتَّقُوْا میں خطاب مردوں سے کیا گیا۔ بیوی سے نہ کیا گیا اس لئے ان دونوں لفظوں کے بہت معنی ہو سکتے ہیں جو خاوندوں کے لائق ہیں (۱) حقوق زوجیت کے سوا اور بھی سلوک واحسان بیوی کے ساتھ کرنا (۲) بیوی کے میکے والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا (۳) بیوی کی ہر بات پر گرفت نہ کرنا بعض قصوروں سے درگزر کرنا کہ ان برتاؤں سے بیوی لونڈی کی طرح قبضہ میں آجاتی ہے (۴) متقی پرہیز گار بن کر رہنا کہ خاوند کے تقویٰ سے بیوی کے دل میں تقویٰ اور خوف پیدا ہوتا ہے یوں ہی تقویٰ سے مراد یا تو عورت پر ظلم سے بچنا ہے یا اپنے حقوق لینے کے ساتھ اس کے حقوق ادا کرنا ہے یا دل میں خوف خدا رکھنا ہے جو ہر رحمت الٰہی کی اصل ہے۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جو عورت ناموافق خاوند سے نباہ کر لے وہ اللہ تعالیٰ کی مقبول بندی ہے کہ رب تعالیٰ نے اسے ایسی مجبوری کی حالت میں صلح کر لینے کا مشورہ دیا۔ **دوسرا فائدہ**: یوں ہی جو خاوند اپنی ناموافق بیوی کے ساتھ نباہ کرے رب تعالیٰ کا مقبول بندہ ہے۔ دیکھو اس کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا الخ۔ **تیسرا فائدہ**: طلاق اگرچہ اسلام میں جائز رکھی گئی ہے مگر ہے ناپسندیدہ چیز کہ اس سے گھر بگڑتا ہے۔ دو خاندان یعنی خاوند و بیوی کے خاندان بچھڑ جاتے ہیں بچے لاوارث ہو جاتے ہیں۔ طلاق سے صلح بہتر جیسا کہ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: عورت کو چاہیئے کہ اپنے خاوند کے حالات کا جائزہ لیتی رہے اس سے غافل نہ رہے اگر اسے خاوند کے آثار اچھے نظر نہ آویں تو اس کا انتظام کرے اسے درست کرنے کی کوشش کرے جیسا کہ وَاِنْ خَافَتْ الخ سے معلوم ہوا جو عورتیں اپنے خاوندوں سے بالکل بے نیاز رہتی ہیں وہ کبھی برباد ہو جاتی ہیں۔ خوف ہوتا ہے مصیبت سے پہلے لہٰذا عورت کو چاہئے کہ خیال رکھے کہ خاوند رات کو دیر سے کیوں آتا ہے مجھ سے بے رخی کیوں کرتا ہے کسی نا

محرم کے گھر زیادہ کیوں آتا جاتا ہے غرضیکہ اس کی ہر حالت کی نگرانی کرے۔ حضرت عائشہ صدیقہ اس رات حضور کے پیچھے پیچھے اکیلی گئیں جبکہ حضور شب برات کے آخری حصہ میں جنت البقیع تشریف لے گئے تھے کیونکہ کہ انہیں خطرہ ہو گیا تھا کہ حضور انور اپنی کسی اور بیوی کے ہاں میری باری میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ تو سوچا کہ کیوں جاتے ہیں مجھ میں کیا کوتاہی ہے میں وہ اپنی کوتاہی دور کروں تا کہ آپ مجھ سے راضی رہیں یہ ہے اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ پر عمل اور یہ ہے اس کی تفسیر۔ **پانچواں فائدہ**: مہر عورت کا اپنا حق ہے اسے کم کر دینے اور معاف کر دینے کا حق ہے جیسا کہ اِنْ یُّصْلِحَا کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: یوں ہی نفقہ اور باری مقرر ہونا عورت کا اپنا حق ہے اگر چاہے تو وہ معاف کر سکتی ہے مگر مہر کی معافی اور خرچہ اور باری کی معافی میں فرق یہ ہے کہ مہر معاف کر چکنے کے بعد پھر اس کا مطالبہ نہیں کر سکتی کہ معافی اور استبراء لازم ہوتے ہیں اٹھ نہیں سکتے مگر خرچہ اور باری معاف کر دینے کے بعد بھی دوبارہ مانگ سکتی ہے کیونکہ کہ ہر دن کا خرچہ نیا ہے اور ہر دن کی باری علیحدہ گزشتہ خرچہ و باری کا بعد معافی مطالبہ نہیں مگر آئندہ خرچہ و باری کا مطالبہ درست ہے۔ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ کو دے دی تھی چنانچہ حضور سید عالم ﷺ تمام ازواج کے پاس ایک ایک دن قیام فرماتے تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس دو دن۔ ایک دن تو ان کا اپنا دوسرا دن حضرت سودہ کا رضی اللہ عنہن اجمعین۔ **ساتواں فائدہ**: عموماً ہر انسان اور خصوصاً عورت فطری طور پر لالچی ہے۔ ہر شخص اپنے آرام و آسائش کو مقدم رکھتا ہے اپنے پر مشقت گوارا کر کے دوسرے کو آرام پہنچانا نہیں چاہتا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ لہٰذا عورتوں کی اس خصلت پر ناراض نہ ہونا چاہئے یہ فطری چیز ہے اگر عورت کی کوئی بات ناپسند ہو تو مرد اپنی خصلتوں میں غور کرے۔ بہت سی ناپسندیدہ چیزیں اپنے میں بھی نظر آئیں گی یہ فائدہ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ طلاق بہتر چیز نہیں صلح اچھی ہے تو اسلام نے طلاق کا مسئلہ رکھا ہی کیوں بری چیز نکال دینی چاہئے تھی۔ **جواب**: انسانوں کی ضرورت پوری کرنے کیلئے کبھی حالات ایسے نازک ہو جاتے ہیں کہ خاوند بیوی کا نباہ ناممکن ہو جاتا ہے اگر اس حالت میں طلاق کے ذریعہ علیحدگی نہ ہو تو آخر ان میں سے کسی کی جان جائے گی اس لئے طلاق کا مسئلہ رکھا گیا۔

دوسرا اعتراض: تو طلاق کا حق عورت کو بھی ہونا چاہئے تھا کہ وہ بھی خاوند کو طلاق دے سکے صرف مرد کو اس کا حق کیوں دیا گیا۔ **جواب**: اس سے سخت خطرناک نتائج پیدا ہوتے عورت کو طلاق کا حق دینا گویا دیوانہ کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے جن قوموں نے عورتوں کو بھی طلاق کے حق دیئے ہیں وہاں کے لوگ سخت مصیبت میں گرفتار ہیں ان کی زندگیاں تلخ ہو گئیں بات بات پر وہاں گھر بگڑ رہے ہیں چونکہ خاوند کے ذمہ عورت کا خرچہ مہر حتی کہ کفن دفن تک رکھا ہے اس لئے اسے یہ حقوق بھی دیئے ہیں۔ عورت فطری طور پر کم عقل جوشیلی واقع ہوئی ہے وہ جوش میں انجام

سوچے بغیر نقصان دہ کام کر بیٹھتی ہے پھر پچھتاتی ہے اگر اس کے ہاتھ میں طلاق ہو تو بات بات پر گھر بگاڑ لیا کرے۔

تیسرا اعتراض : پھر عورت کو مردوں کے ظلم سے کیوں کر بچایا جا سکے ظالم خاوند اسے قید کر رکھتے ہیں نہ طلاق دیتے ہیں نہ بساتے ہیں پھر وہ کیا کریں۔ **جواب**: شریعت نے اس کیلئے دوصورتیں رکھی ہیں۔ خلع اور حاکم سے فریاد، بہت صورتوں میں حاکم فسخ نکاح کر سکتا ہے جیسے نامرد کی بیوی نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور **متعنت فی النفقه** کہ مرد نفقہ پر قادر ہو مگر خرچہ نہ دے اس صورت میں امام مالک کے مذہب پر حاکم نکاح فسخ کر سکتا ہے کچھ شرائط کے ماتحت اور بہت سی صورتیں رکھی ہیں۔

چوتھا اعتراض: اس صورت میں عورت کا اپنے خاوند کو کچھ رعاتیں دینا رشوت ہے اور رشوت دینا بھی حرام لینا بھی حرام پھر اس کی اجازت کیوں دی گئی۔ **جواب**: رشوت لینا بہر حال حرام ہے مگر رشوت دینا دفع ظلم کے لئے حلال ہے اور ظلم کرانے کے لئے رشوت دینا حرام رشوت کی حقیقت یہ ہے کہ جو کام کرنا اپنے پر واجب ہو اس کام پر کچھ لینا رشوت ہے جیسے حاکم پر انصاف کرنا واجب ہے اگر وہ کچھ رقم مقدمہ والوں سے لے کر انصاف کرے تو یہ رقم رشوت ہے اور حرام کام کرنا کچھ لے کر یہ رشوت ہے تو رشوت کی دو صورتیں ہوئیں یہاں جس کا ذکر آیت میں ہے دونوں میں کچھ نہیں خاوند پر بی بی کو اپنے پاس رکھنا واجب نہیں طلاق دینے کا اسے حق ہے جب بیوی چاہے کہ میں بہر حال اس کے پاس ہی رہوں وہ مجھ سے رغبت رکھے یا نہ رکھے اس لئے اپنے حقوق سے دست بردار ہو جاوے تو یہ دست برداری کسی صورت سے رشوت نہیں بنتی اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں۔

پانچواں اعتراض : قرآن کریم نے یہاں تو فرمایا **یُّصْلِحَا بَیْنَهُمَا** خاوند بیوی آپس میں ہی صلح کر لیں دوسروں کو کانوں کان خبر نہ ہو مگر دوسری جگہ فرماتا ہے **فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا** (النساء:۳۵) ایک پنچ مرد کے گھر والوں سے ایک پنچ بیوی کے گھر والوں سے بھیجو جس سے معلوم ہوا کہ خاوند بیوی میں پنچ صلح کرائیں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس آیت کریمہ میں معمولی جھگڑے کا ذکر ہے جبکہ بیوی خاوند کے گھر میں ہو ایسے جھگڑے خفیہ طور پر چکا لینے چاہئیں اور وہاں اس آیت میں بڑے سخت جھگڑے کا ذکر ہے جبکہ عورت اپنے میکے جا کر بیٹھ رہی ہو ایسے جھگڑے پنچ سے ہی طے ہو سکتے ہیں لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

طریقت میں نفس امارہ کی مخالفت اسے دبائے رکھنا بہترین عبادت ہے اور تفریق کے مقابلہ میں جمع اعلیٰ درجہ کی اطاعت یہاں فرمایا گیا کہ جب بیوی خاوند کی طرف سے بے توجہی دیکھے تو اس کا دل بھی بدلا لینے کو چاہے گا لیکن اگر عورت ایسی حالت میں اپنے نفس پر قابو رکھے اور جس طرح بن پڑے اس خاوند کے ساتھ نباہے تو وہ طریقت کی بڑی عبادت کرتی ہے۔ اسی طرح جب خاوند کا دل عورت کو بسانے آباد کرنے پر آمادہ نہ ہو مگر پھر بھی دل کو روکے اور اس کے ساتھ نباہ کرے تو بندہ مقبول ہے خصوصاً جبکہ بیوی سے اس

کے معاوضہ میں کچھ رعایت نہ لے اسے بسائے تو بڑا بہادر ہے یہاں صرف زوجین کا ذکر ہے دنیا کی ہر غیر مرغوب چیز پر صبر کرنا ترقی درجات کا ذریعہ ہے امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب حسن المحاضرہ فی احوال مصر والقاہرہ میں فرماتے ہیں کہ اگر تو ابدال میں سے ہونا چاہتا ہے تو بچوں کی پانچ یہ خصلتیں اختیار کر رزق کی فکر نہ کرنا، بیماری و تکالیف میں خالق کی شکایت نہ کرنا، مل کر کھانا کھانا، ہر ناپسندیدہ بات پر آنسو بہا کر ماں کو بلانا، لڑ کر فوراً صلح کر لینا اگر جوانوں میں یہ خصلتیں پیدا ہو جاویں تو وہ ابدال بن جاویں (روح البیان)۔

حکایت عجیبہ

ایک شخص بہت بدصورت تھا اس کی بیوی نہایت ہی حسینہ جمیلہ مرد اس عورت کی بہت خاطر کرتا تھا عورت مرد کی بڑی مطیع تھی۔ ایک دن عورت نے مرد کو دیکھ کر کہا الحمد للہ اللہ کا شکر ہے مرد نے پوچھا کس چیز کا شکر کرتی ہے وہ بولی اس کا کہ اللہ نے تجھے بھی جنتی کیا اور مجھے بھی۔ مرد نے پوچھا وہ کیسے بولی کہ تجھے مجھ جیسی بیوی ملی اور تو نے اس کا شکریہ ادا کیا اور مجھے تجھ جیسا خاوند ملا اور میں نے اس پر صبر کیا بحکم قرآن شاکر بھی جنتی ہے صابر بھی تو شاکر ہو کر جنتی بنا اور میں صابر ہو کر (روح البیان)۔ قرآن کریم کی اس آیت نے ہم کو بہت بڑی عبادت کی تعلیم دی ہے جو عبادت بھی ہے اور تدبیر منزل بھی رب تعالیٰ نے ہم کو بتایا کہ فطری طور پر ہر ایک کو لالچ ہے جو اس لالچ کو اپنے میں سے نکال دے وہ ہی بہادر ہے۔ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (حشر:۹)۔

حکایت

ایک بار ابلیس حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا نوح علیہ السلام دو چیزوں سے پرہیز کرنا، حسد اور لالچ۔ حسد کی وجہ سے میں جنت سے نکالا گیا اور لالچ کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو زمین پر تشریف لانی پڑی اسی ابلیس نے یحییٰ علیہ السلام سے کہا کہ مجھے مومن بخیل بڑا پیارا ہے اور فاسق سخی سے بہت ڈرتا ہوں آپ نے پوچھا کیوں۔ بولا مومن بخیل اپنے بخل کی وجہ سے اپنا سب کیا کترا برباد کر لیتا ہے اور فاسق سخی اپنی سخاوت کی وجہ سے سب گناہ بخشوا لیتا ہے (روح البیان)۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا
اور ہرگز طاقت نہ رکھو گے تم یہ کہ پورا انصاف کرو درمیان بیویوں کے اگرچہ تم اس کی حرص کرو پس نہ
اور تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کو برابر رکھو اور چاہے کتنی ہی حرص کرو تو یہ
تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا
مائل ہو جاؤ پورا مائل ہونا کہ اسے چھوڑ دو لٹکی ہوئی ی[illegible]ح اور اگر اصلاح کر لو
تو نہ ہو کہ ایک طرف پورا جھک جاؤ اور دوسری کو ادھر ہی میں لٹکتی [illegible]ڑ دو اور اگر تم نیکی

وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ
اور متقی بنو تو بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان اور اگر الگ ہو جاویں وہ دونوں تو غنی کر دے گا
اور پرہیز گاری کرو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی
اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾
اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے اور ہے اللہ وسعت والا حکمت والا
کشائش سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا اور اللہ کشائش والا حکمت والا ہے

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں متنفر خاوند کو منانے اس سے تعلقات قائم رکھنے اور روٹھے خاوند کو منانے کا ذکر تھا کہ اگر گھر بگڑنے لگے تو عقل مند بیوی اپنا گھر بگڑنے سے کیسے بچائے اب نارمل حالات میں بیویوں کے درمیان عدل و انصاف رکھنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے گویا ہنگامی حالات کی اصلاح کے بعد نارمل حالات کی درستی کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں عورت کو حکم تھا کہ اپنے گھر کو نہ بگڑنے دے نازک حالات میں عقل مندی سے کام لے اب خاوند کو حکم ہے کہ اپنے گھر کا انتظام کیسے درست رکھے گا گویا زوجین میں سے ایک کو تعلیم دینے کے بعد دوسرے کو یعنی زوج کو تعلیم دی جا رہی ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں خاوند کی زیادتی، سرد مہری کا ذکر تھا۔ جس کا علاج ممکن ہے اب خاوند کے میلان قلبی غیر اختیار کا ذکر ہے جس کا علاج ناممکن ہے مگر اس زیادتی میلان کا بہترین علاج بھی ارشاد ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں اس صورت کا ذکر تھا کہ خاوند دوسری بیوی کرنا چاہے موجودہ بیوی کو علیحدہ کر کے اب اس صورت کا ذکر ہے جب چند بیویاں نکاح میں ہوں گویا چند بیویاں کرنے کا ذکر پہلے تھا اور چند بیویاں رکھنے کا ذکر اب ہے۔

شان نزول

حضور سید عالم ﷺ کی نو بیویاں تھیں جن میں سرکار بے مثال انصاف فرماتے تھے حتی کے سفر کے وقت اگر کسی بیوی صاحبہ کو ہمراہ لے جانا ہوتا تو قرعہ ڈالتے جس کا نام قرعہ میں نکلتا اسے ہمراہ لے جاتے مگر قدرتی طور پر ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی اس کے متعلق بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے تھے الٰہی جو میرے بس کی بات ہے اس میں میرا معاملہ تو اس قدر برابری کا ہے مگر جو چیز میرے بس میں نہیں تیرے قبضہ میں ہے یعنی دلی میلان اور غیر اختیاری محبت اس میں تو مجھ پر ناراض نہ ہونا حضور انور ﷺ کی تائید اور مسلمانوں کی تعلیم کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر روح المعانی)۔

تفسیر

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ اگرچہ اس آیت کریمہ کا نزول حضور ﷺ کے متعلق ہے مگر چونکہ عدل نہ کر سکنے کے ایک معنی ایسے بھی ہیں۔ جو حضور

کی شان کے لائق نہیں اس لئے اس عدل نہ کر سکنے کو حضور کی طرف نسبت نہ فرمایا بلکہ عام مسلمانوں کی طرف نسبت کیا
جیسے حضور کی بارگاہ میں راعِنا کہنے سے منع فرمایا گیا کہ اس کے ایک معنی اس بارگاہ کے لائق نہیں۔ دیکھو خضر علیہ السلام
نے اپنے تین کاموں کی وجہ بیان فرماتے ہوئے فرمایا فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا (کہف:۷۹) میں نے چاہا کہ کشتی کو
عیب دار کر دوں یعنی عیب دار کرنے کو رب کی طرف نسبت نہ کیا اور فرمایا فَاَرَدْنَآ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا (کہف:۸۱) رب
نے چاہا کہ انہیں اس بیٹے سے بہتر اولاد دے لہٰذا اس میں خطاب تمام مسلمانوں سے ہوا اور غیبی خبر دی گئی کہ کوئی شخص
اپنی بیویوں میں پورا پورا انصاف جس میں مجامعت ومیلان قلبی میں بھی برابری ہو نہیں کر سکتا۔ لَنْ تَسْتَطِیْعُوْآ فرما کر
ارشاد ہوا کہ یہ برابری وانصاف تمہاری طاقت سے باہر ہے اور طاقت سے باہر والی چیز پر رب تعالیٰ عتاب نہیں فرماتا ہم
لوگ اپنی بیویوں میں اس لئے پورا انصاف نہیں کر سکتے کہ ہمارے نفس دوسری بیوی کی طرف مائل ہوتے ہیں ہم کو ہر نئی
چیز پسند ہوتی ہے چھوٹی بیوی چھوٹی اولاد دنیا مکان نئی چیز ہم کو پیاری ہے مگر حضور انور کے دل کا جناب عائشہ صدیقہ کی
طرف زیادہ مائل ہونا رب تعالیٰ کی طرف سے ہے حضور کی محبت ونفرت نفسانی نہیں رحمانی ہے ہر جگہ یہ ہی فرق ہے ہمارا
کھانا پینا سونا جاگنا نفسانی شیطانی بھی ہو سکتا ہے مگر حضور کا رحمانی ہی ہے۔ اَنْ تَعْدِلُوْ عَدْلٌ سے بنا بمعنی برابری کرنا
کسی طرف جھک نہ جانا یہاں عدل سے کامل عدل مراد ہے۔ بیویوں میں عدل کی چند صورتیں ہیں خرچہ میں برابری۔
باری میں برابری صحبت ومجامعت میں برابری، دلی محبت میں برابری، پہلی دو چیزوں میں عدل واجب ہے مگر صحبت ومحبت
میں عدل واجب نہیں یہاں عدل سے مراد ان چاروں مذکورہ چیزوں میں برابری ہے کیونکہ انسان جن چیزوں میں برابری
کر سکتا ہے اس پر عمل اسے لازم ہے اگر ان میں فرق کرے گا تو سخت مجرم ہوگا بَیْنَ النِّسَآءِ میں النِّسَآءِ سے مراد اپنی
بیویاں ہیں وَلَوْ کا واؤ وصلیہ ہے جس کے معنی ہیں اگر چہ حَرَصْتُمْ حَرْصٌ سے بنا بمعنی زیادتی کی خواہش حرص دنیا
بری ہے حرص آخرت اچھی رب تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کا وصف بیان فرماتا ہے۔ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ (توبہ:۱۲۸)
یہاں حرص محمود کا ذکر ہے یعنی پوری کوشش کہ اے مسلمانو تم کتنی بھی کوشش کرو مگر اپنی بیویوں میں کامل پورا پورا عدل و
انصاف نہ کر سکو گے اس طرح کہ تمام بیویوں کے ساتھ صحبت بھی یکساں کرو اور دلی محبت بھی یکساں رکھو یہ تمہارے بس
کی بات نہیں کیونکہ تمہارے دل رب تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اس میلان قلبی کی زیادتی کمی میں تم پر کوئی عتاب نہیں۔ فَلَا
تَمِیْلُوْا كُلَّ الْمَیْلِ یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے اور اس کی ف جزائیہ ہے تَمِیْلُوْا میں انہی خاوندوں
سے خطاب ہے جن کی چند بیویاں ہوں اور جن سے خطاب ابھی لَنْ تَسْتَطِیْعُوْآ میں تھا۔ میل کے معنی ہیں درمیان
سے کسی طرف جھک جانا اسی لئے دشمن پر حملہ کرنے کو بھی میل کہا جاتا ہے مال علیہ ای حمل علیہ رب تعالیٰ
فرماتا ہے فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْكُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً (النساء:۱۰۲) ظلم کو بھی میل کہتے ہیں کہ ظالم انصاف سے جھک
جاتا ہے مال کو مال اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ دوسری طرف جھکا رہتا ہے دوسرے کے پاس جاتا رہتا ہے آج کسی کے

پ ہے کل کسی کے پاس (غ) یہاں کُلَّ الْمَیْلِ سے مراد ہے جسمانی، جنانی یعنی قلبی و عملی ہر طرح ایک عورت کی طرف جھک جانا کہ دل سے بھی ایک عورت کو زیادہ چاہے اور خرچہ، برتاوا باری وغیرہ میں بھی فرق رکھے کہ یہ سخت گناہ ہے جس پر سخت پکڑ ہوگی غرضیکہ دلی غیر اختیاری میلان قابل معافی ہے مگر عملی میلان پر پکڑ یعنی اگر تم دلی میلان میں برابری نہیں کر سکتے تو عملی برتاوے میں تو ایک کی طرف بالکل نہ جھک جاؤ کہ بعض بیویوں کو شاد بھی رکھو آباد بھی اور دوسری بعض کو ناشاد اور غیر آباد کردو۔ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ یہ جملہ کُلَّ الْمَیْلِ کی تفسیر و تفصیل ہے اور ف تفصیلیہ ہے تَذَرُوْا وہ فعل ہے جس کا مصدر کوئی نہیں اس کا صرف مضارع اور امر و نہی ہی آتا ہے وَذَرُوا الْبَیْعَ (جمعہ:۹) ھا کا مرجع وہ بیوی ہے۔ جس سے محبت کم ہو یا بالکل نہ ہو مُعَلَّقَةِ تعلیق کا اسم مفعول ہے جس کا مادہ علقٌ ہے بمعنی لٹک جانا یا پھنس جانا اسی سے ہے علقہ جس سے بچہ بنتا ہے معلقہ وہ عورت جس کا خاوند گم ہو گیا ہو اور اس کا معاملہ پھنس گیا ہو۔ وہ نہ خاوند والی ہی ہو نہ بیوہ بیچ میں لٹکی ہو۔ اگر خاوند والی ہوتی تو شاد و آباد ہوتی اگر بیوہ ہوتی تو اپنا نکاح کہیں کر لیتی نہ وہ بچاری زمین میں ہے نہ آسمان میں (روح البیان و روح المعانی عن ابن عباس) حضرت ابی ابن کعب کی قرأت میں ہے كَالْمَسْجُوْنَةِ اسے قیدی عورت کی طرح کر دو۔ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا اس عبارت میں گزشتہ کوتاہیوں کا علاج فرمایا گیا تُصْلِحُوْا سے مراد ہے گزشتہ کوتاہیوں کی عملی توبہ کرنا اور وَتَتَّقُوْا سے مراد ہے آئندہ ظلم و تعدی سے پرہیز کرنا اس شرط کی جزاء پوشیدہ ہے یعنی اگر تم گزشتہ کی اصلاح کر لو اس سے توبہ کر لو اور آئندہ کے لئے تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو تو تمہارے سارے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے کیونکہ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا بھی ہے۔ مہربان بھی وہ کریم توبہ کرنے والے کے سارے گناہ بخش دیتا ہے۔ وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ یہ میلان قلبی نہ ہونے کا دوسرا رخ ہے یَتَفَرَّقَا سے مراد ہے خاوند بیوی کا علیحدہ ہو جانا چونکہ اس علیحدگی کی وجہ کبھی خاوند کی طرف سے ہوتی ہے کہ عورت علیحدگی نہیں چاہتی مگر خاوند طلاق دے دیتا ہے اور کبھی عورت کی طرف سے کہ خاوند علیحدگی نہیں چاہتا مگر عورت مجبوراً بذریعہ خلع یا فسخ نکاح حاکم کی مدد سے علیحدگی اختیار کر لیتی ہے جیسے نامرد کی بیوی یا بعض اماموں کے ہاں نفقہ نہ دینے کی وجہ سے فسخ نکاح اور کبھی خاوند بیوی دونوں کی طرف سے کہ نہ خاوند بسانا چاہے نہ بیوی بسنا اس لئے یہاں طلاق نہ فرمایا بلکہ یَتَفَرَّقَا فرمایا نیز خاوند بیوی کی علیحدگی کبھی طلاق کے ذریعہ ہوتی ہے کبھی فسخ اور خلع اور کسی اور وجہ سے اس لئے بھی یَتَفَرَّقَا ارشاد ہوا غرضیکہ اس ایک کلمہ میں بہت وسعت ہے۔ یُغْنِ اِنْ کی جزاء ہے اس کے معنی ہیں بے نیاز بے پرواہ کر دینا اس میں خاوند و بیوی دونوں کو تسلی ہے یعنی اگر خاوند بیوی کی صلح صفائی نہ ہو سکے اور علیحدگی کی نوبت آ جائے تو عورت گھبرائے نہیں بلکہ اللہ پر توکل و بھروسہ رکھے اللہ تعالیٰ خاوند کو اس بیوی سے اور بیوی کو اس خاوند سے مستغنی و بے نیاز کر دے گا کہ عورت کو اچھا خاوند میسر کر دے گا اور خاوند کو اچھی بیوی دے گا وہ بڑے فضل و کرم والا ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِیْمًا یہ عبارت یُغْنِ اللّٰهُ کی علت ہے وَاسِعًا سے مراد ہے غنی خلق کو کافی۔

ہر چیز پر قادر ہر شئی کا عالم ہر ایک کو گنجائش دینے والا حکیم ہر کام میں حکمت والا یعنی اللہ تعالیٰ وسعت والا بھی ہے حکمت والا بھی اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اگر طلاق ہوگئی ہے تو رب تعالیٰ کی اس میں بھی کوئی حکمت ہے لہٰذا فریقین کو صبر چاہئے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ۔

خلاصہ تفسیر اے مسلمانو تم کتنی بھی کوشش کرو اپنی بیویوں میں پورا پورا انصاف تو نہ کرسکو گے کہ جسمانی اور میلانی دونوں قسم کی پوری برابری کرو یہ ناممکن ہے تو یہ تو نہ کرو کہ کسی ایک بیوی کی طرف بالکل ہی جھک جاؤ کہ اس کے ساتھ رہو بسو اس سے تعلقات رکھو اس کو نفقہ وغیرہ دو۔ دوسری کو یوں ہی لٹکا ہوا چھوڑ دو کہ وہ تمہارے اس برے برتاؤ سے نہ تو خاوند والی ہی ہو کہ اپنا گھر بنائے رہے بسے نہ بیوہ ہی ہو کہ دوسری جگہ اپنا نکاح کرے اگر تم نے اس قسم کا ظلم کیا تو تم کو سخت سزا دی جاوے گی زوجہ کے حقوق حق العبد ہیں جن کی معافی صرف زبانی توبہ سے بھی نہیں ہوسکتی اگر تم اپنا گزشتہ رویہ بدل دو بیویوں میں عدل وانصاف شروع کر دو اور آئندہ کے لئے تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو کہ رب تعالیٰ کی عبادت کرو گھر والوں کے حقوق ادا کرو تو رب تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے اور اگر معاملہ اس قدر نازک ہوگیا ہو کہ اس بیوی سے نباہ ناممکن ہو جاوے اور علیحدگی واقع ہو جاوے تو تم اور تمہاری مطلقہ بیوی صبر کرو اللہ تعالیٰ تم دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا اسے اچھا خاوند دے دے گا تم کو اچھی بیوی بخش دے گا اللہ تعالیٰ بڑی وسعتوں والا بھی ہے کہ اس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں اور بڑی حکمتوں والا بھی ہے کہ اس کے ہر کام میں حکمت ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ خیال رہے کہ نکاح ختم ہونے کی بہت سی صورتیں ہیں زوجین میں سے ایک کی موت خاوند کا مرتد ہو جانا بیوی کا سسر وغیرہ سے بدکاری کر لینا۔ خاوند کا طلاق دے دینا۔ کسی شرعی وجہ سے عورت کا نکاح فسخ کرا لینا جیسے بلوغ کی وجہ سے یا خاوند کی نامردی کی وجہ سے فسخ نکاح یا نفقہ وغیرہ نہ دینے کی وجہ سے امام مالک کے ہاں فسخ نکاح مگر یہاں **یَتَفَرَّقَا** میں طلاق یا فسخ نکاح مراد ہے جیسا کہ آیت کریمہ کی روش سے معلوم ہو رہا ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جس کی چند بیویاں ہوں اس پر ان میں شرعی عدل انصاف کرنا اہم فرض ہے اگر اس انصاف میں کوتاہی کرے گا تو سخت سزا کا مستحق ہوگا۔ جیسا کہ **فَلَا تَمِیْلُوْا** سے معلوم ہوا۔ احمد ابو داؤد ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس کی دو بیویاں ہوں اور ایک کی طرف بالکل جھک جاوے دوسری سے بے پرواہ ہو جاوے تو قیامت میں اسی طرح آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ مارا ہوا ہوگا (جیسا کہ فالج والے کا حال ہوتا ہے گویا اس سے تکلیف بھی ہوگی اور بدنامی بھی اور رسوائی بھی) حضرت جابر ابن عبید فرماتے ہیں کہ میری دو بیویاں ہیں تو میں ان میں یہاں تک انصاف کرتا ہوں کہ بوس و کنار میں بھی برابری کرتا ہوں حضرت مجاہد فرماتے ہیں

کہ میں نے صحابہ کرام کو دیکھا کہ وہ حضرات اپنی بیویوں میں عطر و خوشبو تک میں برابری کرتے تھے کہ ہر ایک کو برابر عطر دیتے حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ جس کی دو بیویاں ہوں وہ ایک کی باری کی شب دوسری کے گھر وضو بھی نہ کرے (روح المعانی)۔ **دوسرا فائدہ**: جس کی دو بیویاں ہوں اس پر واجب ہے کہ دونوں کے درمیان خرچہ برتاوا۔ باری یعنی شب باشی میں برابری کرے ہاں اگر ان میں سے ایک بے اولاد ہے دوسری اولاد والی تو زوجیت کا خرچ دونوں کو برابر دے دوسری کی اولاد کو خرچہ پرورش علیحدہ دے یہ فائدہ بھی **فَتَذَرُوْهَا** الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: قلبی محبت صحبت میں برابری لازم نہیں کہ صحبت و میلان قلبی غیر اختیاری چیز ہے یوں ہی مجامعت دل کے نشاط پر موقوف ہے۔ یہ انسان کے بس کی چیز نہیں جب سفر میں جاوے اور ایک بیوی کو ہمراہ لے جانا چاہے تو قرعہ ڈالے جس کا نام نکلے اسے لے جاوے اس زمانہ سفر کی ہمراہی آئندہ کٹے گی نہیں یعنی واپسی پر باری نئی شروع ہوگی لیکن اگر پردیس میں رہنا چاہے تو وہاں باری باری سے ہر ایک کو رکھے مثلاً چھ ماہ ایک کو ساتھ رکھے چھ ماہ دوسری کو (تفسیر خازن) حضور سید عالم ﷺ پر بیویوں میں عدل و انصاف واجب نہ تھا قرآن کریم فرماتا ہے **تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ** (احزاب:۵۱) مگر اس کے باوجود عدل و انصاف کا حال یہ تھا کہ مرض وفات کے زمانہ میں بھی ہر دن علیحدہ بیوی کے ہاں چارپائی پہنچائی جاتی تھی جب تمام ازواج پاک نے بخوشی عرض کیا کہ حضور جہاں چاہیں زمانہ مرض گذاریں ہم خوش ہیں تب آپ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کے ہاں قیام فرمایا جو اتنا انصاف کر سکے وہ چند بیویاں رکھنے کی نیت کرے۔ **چوتھا فائدہ**: خاوند بیوی میں صلح کرانا بڑا ہی باعث ثواب ہے جیسا کہ **وَاِنْ تُصْلِحُوْا** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: کبھی عورت کو طلاق دے دینا دونوں کے لئے کشائش رزق کا سبب بن جاتا ہے جیسے کہ کبھی نکاح کرنا وسعت رزق کا ذریعہ ہے جیسا کہ **يُغْنِ اللّٰهُ** الخ سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: نہ تو عورت مرد کی بالکل محتاج ہے نہ مرد عورت کا بالکل حاجت مند سب رب تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ ہر شخص کا دوسرے کے بغیر کام چل سکتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **يُغْنِ اللّٰهُ** الخ سے معلوم ہوا۔

حکایت

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت امیر معاویہ حاکم شام تھے آپ نے ایک عیسائی اپنا میر منشی رکھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع فرمایا کہ کلیدی آسامی کافر کو دینا خطرناک ہے جناب معاویہ نے عرض کیا کہ اس سے بہتر کوئی حساب والا نہیں ملتا مجبوراً اسے رکھا گیا ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا **وَلَئِنْ مَّاتَ النَّصْرَانِيُّ**۔ اگر عیسائی مر گیا تو کیا کرو گے۔ **ساتواں فائدہ**: اگرچہ انسان میلان قلبی میں بیویوں میں برابری نہیں کر سکتا یہ قدرتی چیز ہے لیکن اگر اس کی بھی کوشش کرے تو انشاء اللہ ثواب ضرور پائے گا۔ یہ فائدہ **وَلَوْ حَرَصْتُمْ** سے حاصل ہوا کہ اس کی کوشش کو رب تعالیٰ نے حرص محمود قرار دیا۔ **آٹھواں فائدہ**: مذکورہ چیزوں میں برابری اپنی بیویوں کے درمیان ضروری ہے۔ لونڈی اور بیوی میں مساوات لازم نہیں۔ جیسا کہ **بَيْنَ النِّسَآءِ**

سے معلوم ہوا، نساء بیوی کو کہا جاتا ہے نہ کہ لونڈی کو افسوس کہ مسلمان آج اس آیت پر نظر نہیں رکھتے اندھا دھند چند بیویاں کر لیتے ہیں ایک کو آباد دوسری کو خوار رکھتے ہیں دوسری قومیں ہمارے اس ظلم کو دیکھ کر اسلام پر اعتراض کرتی ہیں کہ شاید اسلام نے ہی اس ظلم کی اجازت دی ہے ہماری حرکتوں نے ہمارے اسلام کا نام ڈبو دیا ہم اسلام کے دامن پر بدنما داغ ہیں۔ **نواں فائدہ**: حضور علیہ السلام کی عظمت واحترام بارگاہ رب العالمین میں اس قدر ہے کہ ہمارے بیان میں نہیں آسکتا۔ دیکھو اس آیت کا نزول حضور علیہ السلام کے متعلق ہے مگر اس میں خطاب مسلمانوں سے کیا گیا نہ کہ حضور اقدس سے کیونکہ اس میں انصاف نہ کر سکنے کا ذکر ہے جس کے ایک معنی حضور کی شان کے خلاف ہیں جیسا کہ داؤد علیہ السلام کو ایک مسئلہ پر متوجہ فرمانے کیلئے دو فرشتوں کو شکل انسانی میں بھیجا جنہوں نے خود اپنی طرف نسبت کر کے مسئلہ پوچھا یہ ہے حضرات انبیاء کا احترام۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورتوں میں پورا عدل وانصاف واجب نہیں ہاں یہ برا ہے کہ ایک کو بالکل ہی معلقہ کر دے لہٰذا اگر ایک کو سو روپیہ ماہوار دے دوسری کو پچیس ماہوار اور ایک کے پاس ایک مہینہ رہے دوسری کے پاس ایک دن تو بھی جائز ہے دیکھو یہاں قرآن کریم نے خود گواہی دیدی کہ تم پورا انصاف نہ کر سکو گے۔ صرف یہ حکم دیا کہ دوسری کو معلقہ نہ چھوڑ دو (بعض بے دین)۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں عدل سے مراد دلی محبت اور صحبت میں برابری ہے یہ برابری واقعی ناممکن ہے برتاوے اور سلوک کی برابری واجب ہے کہ یہ انسان کے قبضہ میں ہے اس کی تفسیر وہ حدیث پاک ہے جو شان نزول میں عرض کی گئی۔ حضور کا عمل شریف اس آیت کی تفسیر ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک بیوی کی طرف **کل میل** نہ چاہئے۔ بعض میل جائز ہے رب نے فرمایا **فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ** ۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں **کل میل** سے مراد ہے عمل و برتاوے میں برابری نہ کرنا ہے یہ حرام ہے۔ اختیاری برتاوے میں پوری برابری فرض ہے اس میں فرق کرنا حرام **لَا تَمِيْلُوْا** نہی ہے اور نہی حرمت کے لئے آتی ہے۔

تیسرا اعتراض: پیغمبر اسلام نے چند بیویاں کیوں رکھیں نبی کو بیوی سے کیا کام اگر بیوی ضروری تھی تو ایک ہی کافی تھی آج مسلمان حضور کے اس عمل کو دلیل پکڑ کر دھڑا دھڑ چند بیویاں کر رہے ہیں اور ایسے ظلم کر رہے ہیں کہ خدا کی پناہ دیکھو عیسائیوں کے نبی نے شادی ہی نہ کی ہندوؤں کے بہت سے اوتاروں نے نکاح نہ کئے برہم چاری زندگی گزاری (بعض عیسائی وہندونواز بے دین)۔ **جواب**: تعدد ازواج کی حکمت ہم **مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ** (النساء:۳) کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ تعدد ازواج کثرت اولاد، زنا سے بچانے اور ضروریات انسانی پوری کرنے کیلئے کبھی اشد ضروری ہوتا ہے جن قوموں میں تعدد ازواج ممنوع ہے ان میں زنا کی کثرت ہے دیکھ لو امریکن اور

انگریزوں وغیرھم کو۔ ہمارے حضور ﷺ کا چند نکاح کرنا عیش کے لئے نہ تھا کہ عیش وجوانی کا زمانہ حضور نے ایک بوڑھی بیوی حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزارا کہ پچیس سال کی عمر شریف میں چالیس سالہ بیوی صاحبہ سے نکاح کیا پھر بڑھاپے یعنی پینالیس کی عمر میں دوسرے نکاح کئے اس تعدد ازواج میں صدہا حکمتیں تھیں عرب قبائل کو ایک کر دینا ہر قبیلہ سے رشتہ قائم فرما کران میں تبلیغ فرمانا وغیرہ اس تعدد نکاح کی برکت سے ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی دنیا میں آ کر نکاح بھی کریں گے صاحب اولاد بھی ہوں گے۔ ہندوؤں کے جن اوتاروں مہاتماؤں نے شادیاں نہ کیں وہ غالباً نامرد تھے جومرد تھے انہوں نے بہت شادیاں کیں راجہ حسرت کی دو بیویاں تھیں کنھیا کی ایک ہزار بیویاں تھیں۔ دیکھو حضرت داؤد علیہ السلام کی ۹۹ بیویاں تھیں حضرت سلیمان کی ایک ہزار بیویاں تعدد نکاح ہر دین کے پیشواؤں میں موجود ہے۔

چوتھا اعتراض: حضور ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہ سے محبت زیادہ کیوں تھی صرف اس لئے کہ وہ کنواری تھیں باقی بیوگان اگر یہ ہے تو اس میں عیش پرستی پائی جاتی ہے (آریہ)۔ **جواب**: یہ غلط ہے اگر آپ کو کنواری بیوی پسند تھی تو آپ بہت سی کنواری لڑکیوں سے نکاح کر سکتے تھے نیز آپ کو حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے ایسی محبت تھی کہ ان کی زندگی میں کسی دوسری بیوی سے نکاح نہ کیا حالانکہ وہ بیوہ تھیں۔ یہ محبت قدرتی تھی حضرت عائشہ صدیقہ ایسی عالمہ عاقلہ فہیمہ ذکیہ۔ قرآن وحدیث کی سمجھنے والی بی بی تھیں کہ از آدم علیہ السلام تا قیامت ایسی بی بی نہ ہوئی نہ ہوگی آپ کے تفقہ عقل وعلم سے وہ لوگ واقف ہیں جنہیں قرآن وحدیث کے مطالعہ کا شوق ہے یہ خوبیاں ہیں جنہوں نے آپ کو محبوب رب العالمین بنا دیا آپ ہی کی عصمت کی گواہی قرآن کریم نے دی آپ ہی کے پہلو میں نبی ﷺ نے وفات پائی آپ کے حجرے شریف میں حضور انور دفن ہوئے خود صدیقہ والد صدیق اکبر رضی اللہ عنہا۔

پانچواں اعتراض: احادیث صحیحہ میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہ کو جو آپ کی بیوی تھیں طلاق دینی چاہی جس پر حضرت سودہؓ نے اپنی باری جناب عائشہ صدیقہ کو بخش دی۔ تب آپ نے انہیں اپنے نکاح میں رکھا بولو یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ایک بیوی کو باری سے محروم کر دیا انہیں معلقہ بنا کر اس آیت کے خلاف کیا۔ معاذ اللہ (آریہ وعیسائی)۔ **جواب**: حضور ﷺ پر ازواج پاک کی باریاں مقرر کرنا واجب ہی نہ تھا قرآن کریم نے آپ کو اختیار دیا تھا کہ جس بیوی صاحبہ کو چاہیں اپنے پاس رکھیں جس کو چاہیں علیحدہ رکھیں تُؤْوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ (احزاب:۵۱) تو یہاں باری مارنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حضور کے سارے اعمال وافعال تا قیامت لوگوں کے لئے تعلیم ہیں اور قرآن کریم کی تفسیر یہ عمل بھی امت کی تعلیم کے لئے تھا کہ اگر کبھی کوئی خاوند اپنی کسی بیوی سے کسی وجہ سے برداشتہ خاطر ہو جائے تو اسے طلاق دے سکتا ہے اور اگر بیوی طلاق لینا نہ چاہے تو کچھ شرائط پر صلح کر کے اس کے گھر میں رہ سکتی ہے اس واقعہ کے بعد حضور ﷺ نے حضرت سودہ کو کالمعلقہ نہ بنا دیا ان کا نفقہ اور ہر طرح خبر گیری اپنے ذمہ رکھی اور حضور کے پردہ فرمانے کے بعد تمام مسلمانوں نے ان کی خدمت وحرمت وعزت اپنی ماؤں

کی طرح کی رضی اللہ عنہا لہٰذا نہ اس آیت کریمہ کے خلاف یہ عمل ہوا اور نہ اس میں کچھ اعتراض ہے ان کے حالات کو اپنے پر قیاس کرنا سخت غلطی ہے ہمارے کام نفسانی ہوتے ہیں ان کے تمام کام ایمانی و روحانی۔

تفسیر صوفیانہ

دنیا و آخرت دو سوکنیں ہیں جن کا تعلق ہر مسلمان سے ہے اور ان کا اجتماع بہت مشکل ہے یہ بہت ہی مشکل ہے کہ کوئی دنیا و آخرت دونوں کو یکساں طور پر سنبھال لے تو چاہئے یہ کہ نہ تو دنیا کی طرف اس قدر جھک جائے کہ آخرت چھوڑ بیٹھے اور نہ آخرت کی طرف اس قدر مائل ہو جائے کہ دنیا سے بے تعلق ہو جائے کہ یہ بھی کمزوری ہے اللہ تعالیٰ نے دونوں جہان ہمارے لئے ہی بنائے ہیں ان میں سے کسی کو معلقہ نہ چھوڑو اس لئے شریعت نے گیارہ مہینے کھانے کیلئے رکھے ایک ماہ رمضان روزے کیلئے اور چوبیس گھنٹے میں کچھ ساعتیں نماز کیلئے رکھیں اور باقی وقت دنیاوی کاروبار کیلئے تاکہ ان دونوں سوکنوں کے حق ادا ہوتے رہیں اور دونوں سے تعلق قائم رہے بلکہ اگر ہم اصلاح و تقویٰ اختیار کریں کہ دنیا کو دین بنالیں تو ہماری ساری مشکلات حل ہو جاویں کہ اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے رحیم بھی اگر کوئی شخص دنیا کو طلاق دے کر اس سے علیحدہ ہی ہو جاوے تو اللہ تعالیٰ نے دنیا کیلئے ہزار ہا مخلوق پیدا کی ہے جو اسے سنبھالے رہے گی اور اس کیلئے ایسا اعلیٰ انتظام فرمادے گا کہ اسے دنیا کی حاجت نہ رہے گی غرضیکہ نہ تو دنیا ہمارے بغیر فنا ہو جاوے گی نہ ہم دنیا کے بغیر ہلاک ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ بڑی وسعتیں دینے والا ہے اور بڑی حکمتوں والا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اور ہے اللہ کا وہ جو آسمانوں میں ہے اور وہ جو زمین میں ہے اور البتہ تحقیق وصیت فرمائی ہم نے ان لوگوں کو جو

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک تاکید فرمادی ہے ہم نے ان سے جو

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ

دیئے گئے کتاب تم سے پہلے اور تم کو یہ کہ ڈرو اللہ سے اور اگر انکار کرو تم تو تحقیق اللہ کا ہی ہے

تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور تم کو کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر کفر کرو تو بے شک

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾

جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور ہے اللہ بے پرواہ تعریف کیا ہوا

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾

اور ہے اللہ کا ہی وہ جو آسمانوں میں ہے اور وہ جو زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کام سپرد کیا ہوا

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور اللہ کافی ہے کارساز

تعلقات

ان آیات کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ طلاق ہو جانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ خاوند بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔ اب اس کی دلیل ارشاد ہو رہی ہے کہ ہم آسمان و زمین کے مالک ہیں لہٰذا خاوند کو اچھی بیوی دے سکتے ہیں اور اس بیوی کو اچھا خاوند بخش سکتے ہیں گویا دعویٰ پہلے تھا دلیل اب ارشاد ہو رہی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ خاوند بیوی بعد طلاق ایک دوسرے سے بے نیاز ہو سکتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہم سے کوئی بے نیاز نہیں ہو سکتا کہ ہم تمام چیزوں کے دائمی مالک ہیں لہٰذا ہمارے دوروازے پر ہمیشہ حاضر رہو گویا ٹوٹ جانے والے رشتوں کا ذکر فرما کر اب نہ ٹوٹنے والے تعلق کا ذکر ہو رہا ہے عبد و معبود کا خیال رہے کہ دنیاوی جسمانی رشتوں میں کمزور رشتہ نکاح کا ہے جو اپنے اختیار سے جوڑا جاتا ہے اور اپنے ہی اختیار سے توڑ بھی دیا جاتا۔ اسے کہتے ہیں سببی رشتہ اور مضبوط رشتے نسبی ہیں ماں باپ، بہن بھائی سے رشتے کہ وہ نہ ہمارے اختیار سے جوڑے جاتے ہیں نہ ہمارے توڑے ٹوٹتے ہیں مگر یہ نسبی رشتے بھی موت سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ روحانی رشتہ وہ ہے جو مرنے سے بھی نہیں ٹوٹتا اسی لئے انسان مر کر نہ کسی کا بیٹا رہتا ہے نہ باپ مگر حضور کا امتی شیخ کا مرید رہتا ہے فرشتے قبر میں یہ نہیں پوچھتے کہ تو کس کا بیٹا ہے ہاں یہ ضرور پوچھتے ہیں کہ کس کا بندہ کس کا امتی کس دین پر ہے رشتہ نبوت رشتہ الوہیت کا مظہر ہے مر کر بندہ نہ تو رب کی بندگی سے نکلے نہ حضور کے امتی ہونے سے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وسعت سلطنت و حکمت کا ذکر فرمایا تھا اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ تمام آسمان و زمین ہماری ملک ہمارے قبضہ میں ہے ایسی وسیع سلطنت والے احکم الحاکمین کی قدرت و سلطنت و علم بہت وسیع ہونا یقینی ہے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں ہم کو یتیموں سے سلوک بیویوں سے اچھا برتاوا کرنے کا حکم دیا گیا تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ احکام تمہارے بھلے کے لئے تم کو دیئے جا رہے ہیں ان احکام کی وجہ یہ نہیں کہ ہم براہ راست یتیموں بیوگان کو نہیں پال سکتے ہم تو زمین و آسمان کے خالق و مالک ہیں سب کو پال چکے ہیں پال رہے ہیں اور پالتے رہیں گے۔ فرشتے، روحیں وغیرہ نہ کسی کی بیوی ہیں نہ کسی کی اولاد نہ کوئی ان کی پرورش کرتا ہے انہیں براہ راست ہم ہی پال رہے ہیں تم عالم اجسام میں آ کر دوسروں کے رشتہ دار بنے ہو۔ **پانچواں تعلق**: اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیات میں ہم کو معاملات درست کرنے کا حکم دیا تھا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ احکام صرف تمہارے لئے ہی نہیں بلکہ گزشتہ کتابوں میں دوسری قوموں کو بھی دیئے گئے تھے کہ درستی معاملات تقویٰ کا رکن ہے اور تقویٰ کا حکم ہمیشہ رہا ہے۔

تفسیر

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ یہ آیت گزشتہ مضمون کی گویا علت ہے کہ وہاں فرمایا گیا تھا کہ زوجین کی تفریق و طلاق کی صورت میں اللہ تعالیٰ زوجین میں سے ہر ایک کو دوسرے سے مستغنی کر دے گا اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ تمام زمین و آسمان کی چیزیں اس کی مملوک و مقبوض ہیں

ایسے شہنشاہ مطلق کو غنی کرتے کیا دیر لگتی ہے اللہ کا لام یا ملکیت کا ہے یا قبضہ کا یعنی اللہ کی مملوک، مقبوض، مخلوق، مرزوق، مقدور، مقہور ہیں یا اللہ ہی کی عابد ہیں۔ پہلی دو چیزیں یعنی مملوک و مقبوض ہونا بندے کی طرف بھی مجازاً منسوب ہو سکتی ہیں مگر باقی چیزیں کسی بندے کی طرف کسی طرح منسوب نہیں ہو سکتیں۔ ہمارا جانور ہمارا مملوک و مقبوض تو ہے مگر ہماری مخلوق یا مرزوق یا مقدور یا مقہور نہیں نہ ہمارا عابد ہے لہٰذا لِلّٰهِ کے سات آٹھ معنی ہو سکتے ہیں مَا سے مراد تمام مخلوق ہے عقل والی ہو یا بے عقل چونکہ بے عقل مخلوق کی اقسام زیادہ ہیں اور عقل والی مخلوق کی اقسام تھوڑی نیز عاقل مخلوق بھی بذات خود غیر عاقل ہے جب رب نے عقل دی تو اسے عقل ملی۔ دیکھو کہ انسان کا بچہ جانوروں سے بھی زیادہ بے سمجھ پیدا ہوتا ہے کہ جانور کے بچے پیدا ہوتے ہی اپنی ماں اور غذا کو پہچان لیتے ہیں یہ کچھ بھی نہیں جانتا پھر عاقل ہو کر آسمان و زمین کی پیائش کر لیتا ہے پھر بوڑھا ہو کر بالکل ناسمجھ بن جاتا ہے لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا (نحل: ۷۰) اس وجہ سے لفظ مَا میں سب کو بیان فرمایا گیا السَّمٰوٰتِ کے جمع فرمانے اور اَلْاَرْضِ کے واحد فرمانے کی وجوہ بارہا بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں اس سے مراد سارے عالم اجسام کی چیزیں ہیں یعنی خود آسمان و زمین اور ان کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی مملوک و مقبوض ہیں کوئی کسی وقت اس کی ملکیت و قبضہ سے باہر نہیں ہو سکتی۔ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ چونکہ متکلم کی عظمت و ہیبت سے کلام کی عظمت ہوتی ہے ایک بات معمولی آدمی کہے تو بات بھی معمولی ہوتی ہے وہ ہی بات بڑا آدمی کہے تو بڑی ہو جاتی ہے اس لئے اولاً رب تعالیٰ نے اپنی عام سلطنت کا ذکر پہلے فرمایا اب تقویٰ و طہارت کا حکم دیا۔ یہ جملہ نہایت تاکیدوں پر مشتمل ہے لام تاکید کا قَدْ تاکید کا وَصَّيْنَا کا کلمہ تاکید کا وَصَّيْنَا بنا ہے وصیت سے جب اس کا فاعل رب تعالیٰ ہو تو اسکے معنی ہوتے ہیں تاکیدی حکم الَّذِيْنَ سے مراد تمام گزشتہ دین والے لوگ ہیں یہود و نصاریٰ ہوں یا دوسرے انبیاء کرام کی امتیں اسی طرح کتاب سے مراد ہر آسمانی کتاب ہے توریت و انجیل ہو یا اور کتب و صحیفے مِنْ قَبْلِكُمْ کا تعلق یا وَصَّيْنَا سے ہے یا اُوْتُوا الْكِتَابَ سے وَاِيَّاكُمْ میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے یعنی تم نے گزشتہ لوگوں کو جنہیں کتاب تم سے پہلے دی گئی اور تم کو تاکیدی حکم دیا یا ہم نے پہلی کتاب والوں کو تم سے پہلے تاکیدی حکم دیا تھا اب تم کو بھی تاکیدی حکم دیا۔ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ یہ وَصَّيْنَا کا دوسرا مفعول ہے اَنْ مصدر یہ ہے تقویٰ سے مراد ہے ڈرنا یعنی ہم نے ان کو اور تم کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا اللہ سے ڈر تمام نیک اعمال کی جڑ ہے اس میں سب کچھ آ گیا۔ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ یہ دوسری تاکیدی بات ہے کفر سے یا ایمان کے مقابل بدعقیدگیاں مراد ہیں یا شکر کے مقابل ناشکری مراد اس میں خطاب سارے انسانوں سے ہے اور ممکن ہے کہ تمام جن و انس سے ہو نیز معصوم اور محفوظ انسان اس خطاب سے علیحدہ ہیں کیونکہ ان سے کفر ممکن نہیں جیسے حضرات انبیاء و خاص اولیاء اللہ اس اِنْ کی جزاء پوشیدہ ہے یعنی لَا تَضُرُّ وا اللّٰهَ شَيْئًا اور فَاِنَّ اللّٰهَ کی ف تعلیلیہ ہے یہ جملہ جزاء پوشیدہ کی علت ہے۔ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تفسیر ابھی عرض ہو چکی

یہاں اس ملکیت کا ذکر اپنے غنا کے اظہار کے لئے ہے یعنی اے سارے جن وانس اگر تم سب کے سب کافر یا ناشکرے ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ وہ تو تمام عالم اجسام کا مالک و قابض ہے نہ کسی کے شکر سے اس کا نفع ہے نہ کسی کے کفر سے اس کا کچھ نقصان وہ غنی ہے۔ **وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا** یہ نیا جملہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی دو خصوصی صفات کا ذکر ہے **كَانَ** دوام و استمرار کے لئے ہے غنی غنا سے بنا بمعنی بے نیازی و بے پرواہی حمید بمعنی محمود ہے اور ہو سکتا ہے کہ بمعنی حامد ہو یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بے نیاز ہے اور ساری مخلوق کا سراہا ہوا تعریف کیا ہوا کہ محمود وہ ایک ہے حامد ساری خلقت یا وہ کریم اپنے خاص بندوں کی تعریف فرمانے والا ہے کہ کسی بندے کی محبت رائیگاں نہیں فرماتا مخلصین کی یہاں بھی تعریف فرماتا ہے قیامت میں بھی فرمائے گا اور ان کے گناہ بخشے گا دنیا میں بڑے لوگ زیادہ محتاج ہوتے ہیں۔ ان کی بدگوئیاں بھی زیادہ ہوتی ہیں یہ رب تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ تمام جہان کا پورا مالک بھی ہے پھر سب سے بے نیاز اور سب اس کی تعریف ہی کریں۔ **وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** یہ جملہ یہاں یا تو اپنی غنا اور محمودیت یا حامدیت کے بیان کیلئے ارشاد ہوا یا اگلے مضمون **وَكَفٰى بِاللّٰهِ** الخ کے بیان کیلئے اس کی تفسیر ابھی عرض ہو چکی۔ خیال رہے کہ آسمان فیض دینے والا ہے اور زمین فیض لینے والی کہ ہمیشہ زمین بارش دھوپ چاندنی تاروں کا نور آسمان سے ہی لیتی ہے نیز موسموں کی تبدیلیاں، عمروں کا ختم ہونا دن رات آسمانی فیض سے آتے ہیں اس لئے آسمانی چیزوں کا ذکر پہلے ہوا زمینی چیزوں کا ذکر بعد میں کہ دینے والا افضل ہوتا ہے یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ تمام آسمانی زمینی چیزوں کا مالک و قابض ہے لہٰذا وہ سب سے بے نیاز اور سب کا سراہا تعریف کیا ہوا ہے یا چونکہ وہ مالک عالم اجسام ہے لہٰذا **وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا**۔ **كَفٰى** کفایت سے بنا بمعنی کافی ہونا اس کے ہوتے کسی کی ضرورت نہ رہنا **بِاللّٰهِ** **كَفٰى** کا فاعل ہے۔ ب زائدہ ہے **وَكِيْلًا**۔ **كَفٰى بِاللّٰهِ** کی تمیز۔ وکیل بنا ہے **وَكْلٌ** سے بمعنی وہ جس کو اپنی چیز اپنا اختیار اپنا معاملہ سپرد کر دیا جاوے یا جس پر بھروسہ کیا جاوے اسی سے ہے توکل یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوق کے لئے کافی کارساز ہے بھروسہ کے لائق ہے اس کے ہوتے کسی کی ضرورت نہیں لہٰذا اے انسانو یا اے مسلمانو اس پر توکل کرو۔

خلاصۂ تفسیر اے مسلمانو ہم قادر ہیں کہ زوجین کو بعد طلاق ایک دوسرے سے بے نیاز کر دیں کیونکہ تمام آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی ملک اس کی مقبوض ہیں ہم نے تم سے پہلے امتوں کو بھی تاکیدی حکم دیا تھا اور تم کو دیتے ہیں کہ ہر حال میں اللہ سے ڈرو کہ یہ مومن کی بیش بہا دولت ہے یہ حکم دینا اس لئے نہیں کہ ہم کو تمہارے تقویٰ کی ضرورت ہے بلکہ خود تمہارے ہی نفع کے لئے ہے ورنہ اگر تم سب کے سب کافر یا ناشکرے ہو جاؤ تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ سب کچھ آسمانی زمینی چیزیں ہماری مملوک و مقبوض ہیں ہم سب سے بے نیاز بھی ہیں سب کے محمود بھی اگر تمام جہان تقویٰ اختیار کرے تو ہمارا کچھ نفع نہیں اگر تمام نافرمان ہو جاوے تو ہمارا کچھ نقصان نہیں خیال رکھو کہ تمام آسمانوں اور زمین کی چیزیں ہماری ہی ہیں تو اپنے بندوں کے ہم ہی کارساز ہیں

ہم پر سب کو بھروسہ کرنا چاہئیے اس میں سب کا بھلا ہے۔ خیال رہے کہ کفر کے معنیٰ ہیں چھپانا اس لئے ایک دوا کا نام ہے کافور کہ وہ اپنی تیز خوشبو سے تمام خوشبوؤں کو چھپا لیتی ہے جس غلاف میں درخت کے پھل رہتے ہیں اسے کہتے ہیں کفرا۔ شریعت میں انکار یا ناشکری کو کفر کہتے ہیں کیونکہ ان دونوں حرکتوں سے انسان رب کی نعمتوں کو چھپاتا ہے۔ کفر یعنی بے ایمانی بہت قسم کی ہے رب کا انکار اس کی صفات کا انکار نبی کا انکار وغیرہ یہ سب کفر ہیں یوں ہی ناشکری بہت سی قسم کی ہے رب کی نعمتوں کو اپنے کمال کی وجہ سے سمجھنا ناشکری ہے اس کی نعمتوں پر اس کی حمد نہ کرنا بھی ناشکری ہے ان نعمتوں کا حق ادا نہ کرنا ناشکری ہے رب کی نعمتوں کا چرچہ نہ کرنا ناشکری ہے اللہ کے بندوں کا شکریہ ادا نہ کرنا جس کے ذریعہ سے نعمت ملی یہ بھی رب کی ناشکری حضور ﷺ جو محسن اعظم ہیں۔ ان سے محبت نہ کرنا رب کی ناشکری ہے غرضیکہ اِنْ تَكْفُرُوْا میں بڑی گنجائش ہے۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: تمام چیزوں کا حقیقی مالک و قابض اللہ تعالیٰ ہی ہے کوئی شخص ایک ذرہ کا بھی مالک حقیقی نہیں۔ جیسا کہ لِلّٰهِ کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا۔ جو بندہ کسی چیز کا مالک ہے وہ رب کریم کی عطا سے اس کے کرم سے عارضی مالک ہے۔
دوسرا فائدہ: تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف رب کی بڑی نعمت ہے جسے یہ مل جاوے وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ اس تقویٰ کا علم ہر دین وملت میں رہا ہے جیسا کہ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الخ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: اللہ تعالیٰ بندوں کی عبادت وتقویٰ سے بے نیاز ہے یہ غنا ہی مدار الوہیت ہے۔ بندہ وہ جو محتاج ہو معبود وہ جو بے نیاز ہو جیسا کہ كَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: تمام تعریفیں درحقیقت رب تعالیٰ ہی کی تعریفیں ہیں اگر براہ راست اس کی ذات وصفات کی تعریفیں کرو تب تو ظاہر ہے اور اگر اس کے کسی بندے یا کسی اور مخلوق کی تعریف کرو تو بالواسطہ وہ بھی رب ہی کی تعریف ہے کہ جو کوئی اچھا ہوا اس کے بنانے سے ہوا جیسا کہ حَمِيْدًا کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ کسی بندے کے اخلاص و نیک اعمال کی ناقدری نہیں فرماتا۔ اس کی بارگاہ میں بندوں کے معمولی اعمال کی بڑی قدر ومنزلت ہے ایسے بندوں کی دنیا میں بھی تعریف فرماتا ہے آخرت میں بھی جیسا کہ حمیدًا کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا دیکھو ہمارے حضور ﷺ کی رب نے ایسی تعریف فرمائی کہ حضور کا نام ہی ہوا محمد یعنی اپنے رب کے تعریف کردہ تمام جہان ان کی تعریف کر رہا ہے یہ ہے حمد الٰہی کا ظہور۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: ان آیت کریمہ میں لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کیوں ارشاد ہوا۔ ایک عبارت کا تکرار ادبی لحاظ سے بہتر نہیں۔
جواب: کسی عبارت یا کسی مضمون کی تکرار مذموم جب ہوتی ہے۔ جب کہ وہ بے فائدہ ہو یہاں اس تکرار میں بہت فائدے ہیں چنانچہ پہلی آیت میں یہ آیت اَغْنَا یعنی زوجین کو ایک دوسرے سے غنی کر دینے کیلئے ارشاد ہوئی۔ دوسری

آیت میں یہ عبارت خود رب تعالیٰ کی بے نیازی وغنا ثابت کرنے کے لئے ارشاد ہوئی کہ اگر تمام دنیا کافر ہو جاوے تو اس کا نقصان نہیں کیونکہ تمام چیزوں کا مالک ہے تیسری آیت میں بندوں کو توکل کی تعلیم کے لئے ارشاد ہوا کہ بندے صرف رب تعالیٰ پر توکل کریں کیونکہ وہ تمام چیزوں کا مالک ہے لہٰذا ہر جگہ اس آیت کا علیحدہ و مستقل فائدہ ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ تمام چیزوں کا مالک قابض صرف رب تعالیٰ ہے مگر تم لوگ نبیوں ولیوں کو مالک عالم مانتے ہو۔ یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے اور صریح شرک ہے۔ **جواب**: یہاں حقیقی ملکیت ذاتی دائمی قبضہ کا حصر ہے واقعی حقیقی، دائمی، ذاتی ملک صرف اللہ کی ہے بندوں کی ملکیت عارضی عطائی حادث ہے رب کے مالک کر دینے سے بندے بھی مالک ہیں۔ ہم لوگ اپنے مکان دوکان زمین کے مالک ہیں کہ اسے بیچ سکتے ہیں۔ اس کا کرایہ کھا سکتے ہیں اپنے مال کی زکوٰۃ ہم پر واجب ہے اگر ہم بالکل مالک نہ ہوتے تو یہ احکام ہم پر کیوں جاری ہوتے پھر ان تمام چیزوں کا رب بھی مالک ہے وہ مالک حقیقی ہے ہم اسکے مالک کر دینے سے مجازی مالک ہم سمیع بصیر ہیں۔ عارضی حادث سمع بصر سے رب تعالیٰ سمیع بصیر ہے واجب قدیمی ذاتی سمع بصر سے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی کارساز ہے۔ اسی پر بھروسہ چاہیئے مگر تم لوگ نبیوں ولیوں پیروں مشائخ کو بھی کارساز حاجت روا وغیرہ سمجھتے ہو یہ اس آیت کے خلاف ہے اور شرک صریح وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا شیخ سعدی فرماتے ہیں شعر:

نداریم غیر از تو فریاد رس	توئی عاصیاں را خطا بخش وبس

جواب: اس اعتراض کے دو جواب میں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ آپ حضرات بھی حاکم حکیم امیروں کو فریاد رس سمجھتے ہو۔ اسی لئے ظلم بیماری چندہ کی فریادیں لے کر ان کے ہاں جاتے ہو یہ بھی اس آیت کے خلاف اور شرک ہونا چاہیئے اطباء کے ہاں ایک شربت کا نام ہے شربت فریاد رس جب جڑی بوٹیوں کا شربت فریاد رس ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے فریاد رس ہو سکتے ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ حقیقی فریاد رس مشکل کشا رب تعالیٰ ہی ہے عارضی عطائی طور پر اس نے اپنے بندوں کو بھی فریاد رس بنایا ہے اور ہم کو مصیبت کے وقت ان کے دروازوں پر جانے کا حکم دیا ہے فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ (النساء:٦٤) کل قیامت میں پہلا کام تلاش شفیع ہوگی یہ ہے بندوں کا فریاد رس ہونا شیخ سعدی گلستان میں فرماتے ہیں۔ شعر:

ہر کہ فریاد رسی روز مصیبت خواہد	گو در ایام سلامت بجواں مردی کوش

جو کوئی رب تعالیٰ کی ان عطاؤں کا منکر ہے وہ رب تعالیٰ کو کسی چیز کا پورا مالک نہیں مانتا پورا مالک وہ ہوتا ہے جو مالک کر بھی سکے اگر مالک نہیں کر سکتا تو وہ صرف قابض ہے مالک نہیں جیسے مکان کا کرایہ دار جب رب تعالیٰ ہر چیز کا پورا مالک ہے تو وہ اپنے بندوں کو مالک کر بھی سکتا ہے مگر غلام کو مالک کر دینے سے مولیٰ کے ملک سے وہ چیز نکل نہیں جاتی مولیٰ

حقیقی مالک رہتا ہے غلام عارضی مالک یوں ہی یہاں ہے فرماتا ہے قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ (آل عمران:۲۶) یہاں اَلْمُلْكَ معرفہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ جس ملک کا اللہ مالک اس کا مالک کر بھی سکتا ہے۔ رب تو اجسام ارواح عالم امر سب کا مالک ہے تو ان سب کا مالک کر بھی سکتا ہے۔ جو چاہے کہ مصیبت کے دن اس کا کوئی فریادرس ہو تو اس سے کہہ دو کہ سلامتی کے زمانہ میں بہادری میں کوشش کرے دنیا عالم اسباب ہے اس کا نظام ہی اس طرح قائم ہے کہ بعض بندوں کے کام بعض کے ذریعہ سے بنیں اسکی تحقیق کیلئے ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول ملاحظہ کرو۔

چوتھا اعتراض :اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف بے عقل و بے جان چیزیں ہی اللہ تعالیٰ کی ہوں عقل والی چیزیں کسی اور کی ہوں کیونکہ یہاں مَا فرمایا گیا ہے اور مَا آتا ہے بے عقل چیزوں کے لئے۔ **جواب**:اس کے تین جواب ہیں۔ دو عالمانہ ایک عاشقانہ، ایک یہ کہ ساری مخلوق الٰہی میں صرف تین چیزیں عقل والی ہیں۔ انسان، فرشتے، جن باقی تمام مخلوق بے عقل ہے چونکہ بے عقل مخلوق بہت زیادہ تھی اس لئے مَا ارشاد ہوا دوسرے یہ کہ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ الخ کے معنی یہ ہیں کہ تمام بے عقل چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی عابد اسی کی فرماں بردار ہیں اگر عقل والے انسان و جن شرک و کفر یا نافرمانی کریں تو ان بے جان و بے عقل سے بدتر ہیں تیسرے یہ کہ انسان و جن بھی بذات خود بے عقل ہے رب نے عقل دی تو عارضی عقل آگئی دیکھ لو انسان پیدا ہو تو بے سمجھ پھر بڈھا ہو کر بے عقل نیز دوران زندگی میں بہت دفعہ بے عقل ہو جاتا ہے لہٰذا وہ بھی بذات خود بے عقل ہے۔

پانچواں اعتراض : یہاں ارشاد ہوا کہ اگر تم سب کفر کرو تو تمام آسمان و زمین کی چیزیں اللہ کی ہیں تو کیا اگر سب کفر نہ کریں تو یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی نہیں یہ شرط و جزاء کیسی۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ فَاِنَّ اللّٰهَ الخ اِنْ تَكْفُرُوْا کی جزاء نہیں بلکہ اس کی جزا پوشیدہ ہے فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ اس پوشیدہ جزاء کی علت ہے اور یہ ف تعلیلیہ ہے آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہے اگر تم سب کفر کرو تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں کیونکہ تمام مخلوق اس کی ملک ہے لہٰذا آیت صاف ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

چھٹا اعتراض :آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ غنی اور حمید ہے یہ نہ معلوم ہوا کہ کب سے ہے اگر ہمیشہ سے ہے تو دنیا کے بننے سے پہلے اس کی حمد کون کرتا تھا اور اگر دنیا بننے کے بعد حمید ہوا جب لوگوں نے اس کی حمد کی تو اللہ تعالیٰ کی یہ صفتیں ازلی قدیم نہ رہیں۔ **جواب**: یہاں كَانَ دوام و ہمیشگی کیلئے ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور ساری صفات ازلی قدیم ہیں ہاں اس کے افعال حادث و نو پید ہیں عالم بننے سے پہلے وہ رزاق۔ سمیع، بصیر، حمید غنی تھا اور عالم فنا ہونے کے بعد بھی رہے گا ہاں کسی کو روزی دینا وغیرہ مخلوق کے پیدائش کے بعد سے شروع ہوئے ہم سوتے میں کسی کو دیکھتے سنتے نہیں مگر سمیع و بصیر ہوتے ہیں اگر سورج سے کوئی نور نہ لے تب بھی منور ہے غرضیکہ یہ فرق ہمارے فیض لینے میں ہے رب تعالیٰ کی صفات میں فرق نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

آسمانی چیزیں یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں نیکوں کے ثواب و درجات بھی اللہ تعالیٰ کے ہیں اور زمینی چیزیں یعنی دنیا اور یہاں کی زمینیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ہیں جو بندوں کیلئے پیدا کی گئی اللہ تعالیٰ ان سے بے نیاز ہے یہ سماوات وارض کی نعمتیں اے بندو تمہارے لئے پیدا فرمائیں اور تم کو اپنے لئے پیدا کیا خَلَقَ لَكُمْ مَّافِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (بقرہ:۲۹)۔ زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے ہیں اور وَ مَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّالِيَعْبُدُوْنَ (الذاریات:۵۶)، جن وانس کی پیدائش عبادت کیلئے۔ اس لئے ارشاد ہوا اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ پھر یہ بھی خیال رہے کہ درحقیقت تقویٰ و پرہیز گاری بھی ہمارے لئے ہی ہے اس کا فائدہ ہم ہی کو پہنچتا ہے وہ تو غنی ہے عالم کی ہر چیز سے ہمارے اعمال سے خود ہم سے وہ حمید ہے اپنا محمود ہے اپنے نبیوں ولیوں کا محمود و معبود ہے ساری مخلوق اس کی حامد و عابد ہے بندے کی کامل حمد یہ ہے کہ بندہ اپنے عقائد اپنے اعمال اپنے اقوال اپنے احوال اپنے اخلاق اپنی ہر ادا سے رب تعالیٰ کی حمد کرے ایسی حمد کرنے والی صرف وہ ذات کریم ہے جس کا نام پاک احمد ہے ﷺ ہے رب تعالیٰ اعلیٰ حمید و محمود اور احمد مجتبےٰ ﷺ اعلیٰ حامد واحمد پھر دوسرا رخ لو تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا حمید و حامد ہے مگر اس کی اعلیٰ حمد یہ ہے کہ بندے کی ہر ادا کی حمد کرے اس کے دل کی دماغ کی آنکھ ناک کان تمام اعضاء کی اس کی زندگی موت کی۔ اسکے شہر کی در و دیوار کی رب نے یہ اعلیٰ حمد اس ذات کریم کی فرمائی جن کا نام محمد مصطفیٰ ہے ﷺ چنانچہ قرآن کریم میں رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کے دل و دماغ سینہ، آنکھ ناک کان ہاتھ پاؤں عمر شریف سونا جاگنا غرض کہ ہر ادا کی تعریف فرمائی ہے۔ شعر:

سوگند ہے چہرے کی شمس وضحیٰ و اللیل ہیں تیری زلف دوتا
سینہ کی صفت ہے اَلَمْ نَشْرَحْ تیرے دل کی فضا کا کیا کہنا!
وَ الْعَصْرُ ہے تیرے زمان کی قسم وَ لَعَمْرُكَ تیری جان کی قسم
وَالْبَلَدُ ہے تیرے مکاں کی قسم تیرے رہنے کی جا کا کیا کہنا

ہم نے اپنی کتاب فہرست القرآن میں وہ آیات جمع کی ہیں جن میں حضور ﷺ کے ظاہری باطنی اعضاء شریف آپ کے حالات طیبہ طاہرہ آپ کے مکان شہر کی تعریفیں فرمائی ہیں یا قسم کھائی ہے۔ ان آیات کا وہاں مطالعہ کرو غرضیکہ صوفیاء کے نزدیک حمید کے دو معنی ہیں۔ حمد کرنے والا تو کس کی حمد کرنے والا اپنے محبوب ﷺ کی لہٰذا حضور محمد ہیں رب تعالیٰ حامد پھر حضور کے صدقے سے ان کے صحابہ کرام ان کے خدام اولیاء عظام علماء کرام کی بھی تعریفیں فرمائیں یہ بھی حضور ہی کی حمد ہے کہ یہ لوگ جو کچھ بنے حضور سے بنے یا حمید کے معنی ہیں حمد کیا ہوا تو کس کا حمد کیا ہوا حضرت محمد ﷺ لہٰذا حضور احمد ہیں رب تعالیٰ محمود پھر حضور کے سکھائے سمجھائے بتائے سے دوسرے بندے بھی حمد کر لیتے ہیں یہ حمدیں بھی حضور ہی کی ہیں کہ ان کے سکھائے بتائے ہو رہی ہے۔ اب پڑھو وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا شعر:

حمد بے حد مر خدائے پاک را آنکہ ایماں داد مشت خاک را!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ تمام زمین و آسمان کی چیزیں اللہ تعالیٰ کی مملوک مقبوض ہیں کہ وہ ان کا خالق مالک قابض ہے پھر بہ عطاء پروردگار یہ ہی چیزیں حضور ﷺ کی محکوم ہیں کہ حضور ﷺ ان سب کے سلطان ہیں اسی لئے رب مولیٰ رب العالمین ہے اور حضور ﷺ رحمتہ للعالمین۔

خالق کل نے آپ کو مالک کل بنا دیا
دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

اس کی نفیس ولذیذ تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفٰے میں دیکھو شعر:

جبرائیل رہے تو براق تھکے رف رف بھی آگے جا نہ سکے
رب ادن حبیبی منی کہے تیرے قرب خدا کا کیا کہنا!

اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡهِبۡكُمۡ اَیُّهَا النَّاسُ وَ یَاۡتِ بِاٰخَرِیۡنَ ؕ وَ كَانَ
اگر چاہے وہ تو لے جائے تم کو اے لوگو اور لائے دوسروں کو اور ہے
اے لوگو وہ چاہے تمہیں لے جائے اور اوروں کو لے آئے اور اللہ
اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِیۡرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنۡ كَانَ یُرِیۡدُ ثَوَابَ الدُّنۡیَا فَعِنۡدَ
اللہ اس پر قادر۔ جو ہو ارادہ کرتا دنیا کے ثواب کا تو اللہ کے پاس ہے
کو اس کی قدرت ہے۔ جو دنیا کا انعام چاہے تو اللہ ہی کے
اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَةِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ﴿۱۳۴﴾
ثواب دنیا اور آخرت کا اور ہے اللہ سننے والا دیکھنے والا
پاس دنیا و آخرت دونوں کا انعام ہے اور اللہ سنتا دیکھتا ہے

تعلقات

ان آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں بندوں کو تقویٰ و پرہیز گاری کا حکم دیا گیا تھا اب تقویٰ اختیار نہ کرنے کے وبال کا ذکر ہے کہ اگر تم متقی نہ بنے تو زمین تم سے خالی کرالی جاوے گی دوسری متقی قوم یہاں آباد کر دی جاوے گی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں اللہ کی بے نیازی و غناء کا ذکر تھا اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ ہم ایسے بے پرواہ ہیں کہ چاہیں تو تمہاری جگہ دوسری قومیں آباد کر کے اپنے دین کا کام لے لیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی محمودیت یعنی حمید ہونے کا ذکر تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہمارا محمود ہونا تمہارے حمد کرنے پر موقوف نہیں اگر تم حمد نہ کرو گے تو دوسری قومیں پیدا کر دی جائیں گی جو ہماری حمد کیا کریں گی۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان ان کی چیزوں کا مالک ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے بندو تم ایسے مالک و خالق سے صرف دنیا نہ مانگو بلکہ اس سے کونین کی نعمتیں مانگا کرو وہاں سے سب کچھ ملتا ہے۔

شان نزول

مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کے تو قائل تھے مگر قیامت حساب کتاب جنت دوزخ سزا جزاء کے قائل نہ تھے پھر بھی وہ لوگ نیک اعمال صدقہ خیرات مسافروں کی خدمت وغیرہ کرتے تھے کیوں صرف دنیا کی دولت وغیرہ کے لئے کہ اللہ تعالیٰ ان اعمال کی برکت سے ہم کو دولت عزت شہرت وغیرہ دے اعمال دنیا کے لئے تھے ان کے متعلق یہ دوسری آیت مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الخ نازل ہوئی۔

(۲) بعض منافقین مدینہ بھی حشر ونشر سزا و جزاء کے قائل نہ تھے پھر بھی حضور ﷺ کے ہمراہ جہاد میں شرکت کرتے تھے صرف غنیمت حاصل کرنے کے لئے ان کے متعلق یہ آیت دوم مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الخ نازل ہوئی (تفسیر خازن) بہر حال اس آیت دوم کا تعلق مشرکین وکفار سے ہے۔

تفسیر

اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡهِبۡكُمۡ اَیُّهَا النَّاسُ یہ نیا جملہ ہے جس میں رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اثبات ہے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں لے جانے سے مراد ہے آسمانی عذاب بھیج کر کفار کو ہلاک کر دینا جیسے صورتیں مسخ کر کے یا زمین میں دھنسا کر یا پتھر یا آگ برسا کر ہلاک کر دینا اور النَّاسُ سے مراد ہیں کفار ومشرکین اور آخرین سے مراد ہیں مومنین یعنی اے کافرو اگر رب چاہے تو تم کو گزشتہ معذب قوموں کی طرح عذاب سے ہلاک کر دے اور تمہاری بستیوں میں مسلمانوں کو آباد کر دے۔ مگر یہ تفسیر ضعیف ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ رب نے حضور سے وعدہ فرمالیا ہے کہ وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِیۡهِمۡ (انفال:۳۳) پھر یہ حضور کے آچکنے کے بعد آسمانی عذاب کیسا دوسرے یہ کہ گزشتہ امتوں میں جن پر عذاب آیا ان کی بستیاں اجڑی رہیں پھر وہاں آبادی نہ ہوئی جیسے قوم ثمود وعاد وغیرہ اسی لئے فرعون پر عذاب مصر میں نہ آیا باہر نکال کر غرق کیا گیا تاکہ مصر آباد رہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں اَیُّهَا النَّاسُ سے مراد مشرکین ومنافقین ہیں اور یُذۡهِبۡكُمۡ میں ان ہی سے خطاب ہے (تفسیر خازن) یعنی اے لوگو مشرکو یا منافقو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم کو موت دے کر دنیا سے لے جائے یا تمہاری حکومت ختم کر کے تم کو بے بس کر دے دوسروں کی رعایا بنا دے یا تم کو اپنا وطن چھوڑ دینے پر مجبور کر دے۔ ایسے حالات پیدا فرما دے کہ تم ترک وطن پر مجبور ہو جاؤ یا تم کو اپنی اپنی موت دے کر ہلاک کر دے اور تمہاری بستیاں تمہاری اولاد سے آباد کر دے۔ جیسے تم دوسروں کے مرے بعد ان پر قابض ہوئے چونکہ فرشتوں کو موت نہیں اور جنات و دیگر جانوروں کو موت تو ہے مگر ان کی باقاعدہ بستیاں نہیں جن میں ان کی اولاد بطور میراث آباد ہوتی ہو اس لئے صرف انسانوں سے خطاب فرمایا کہ بستیاں محلے مکانات انہی کے ہوتے ہیں جو ان کے بعد بطور میراث دوسروں میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں النَّاسُ سے مراد تمام مومن وکفار انسان ہیں غرضیکہ اذہاب یعنی لے جانے میں چند احتمال ہیں۔ وَیَاۡتِ بِاٰخَرِیۡنَ یہ جملہ یُذۡهِبۡكُمۡ پر معطوف ہے اِنۡ یَّشَاۡ کی جزاء یَاۡتِ کا مصدر ہے اتیان بمعنی آنا۔ ب کی وجہ سے اس کے معنی ہو گئے لانا لانے سے مراد ہے دوسری قوم کا پیدا فرما دینا ان لوگوں کی جگہ یا ان کا ملک دوسروں کے حوالہ کر دینا کہ وہ لوگ ان کے ملک

کے بادشاہ بنیں یہ ان کے محکوم رعایا یا دوسرے لوگوں کو ان کے گھروں بستیوں محلوں میں آباد کردینا کہ یہ لوگ ترک وطن کر کے اور جگہ جانے پر مجبور ہو جاویں اور دوسرے لوگ ان کے گھروں کو آباد کریں غرضیکہ جتنے احتمالات لے جانے میں تھے اتنے ہی احتمالات یہاں لانے میں ہیں۔ آخــریــن سے مراد دوسرے انسان ہیں نہ کہ انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوق جن یا فرشتے وغیرہ کیونکہ انہیں از روئے محاورہ آخــریــن نہیں کہا جاتا مطلق آخرا سے کہا جاتا جو نوعاً ایک ہو وصفاً کچھ اور جیسے فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ (بقرہ:۱۸۴) دیکھو دوسرے دن ماہ رمضان کی طرح دن ہی ہیں مگر وصفاء اور ہیں کہ وہ دن رمضان کے تھے۔ یہ دوسرے ماہ کے یا فرماتا ہے۔ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى (نجم:۲۰) (روح المعانی) اس جگہ روح المعانی نے آخر پر بہت بحث کی ہے۔ بہر حال آخــریــن سے مراد دوسرے انسان ہیں۔ مومنین مخلصین وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا كَانَ دوام واستمرار کیلئے ہے ذٰلِكَ سے اشارہ مذکورہ لے جانے لے آنے کی طرف ہے۔ قدیر قدرت کا صفت مشبہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس تبدیلی مخلوق پر قادر ہے جسے چاہے اپنا ملک دے جس سے چاہے اپنا ملک خالی کرائے تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ (آل عمران:۲۶) اس کی قدرت کے دن رات نظارے ہو رہے ہیں۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا اگرچہ مشرکین ومنافقین کے متعلق نازل ہوئی مگر اس سے ہم سب کو عبرت چاہئے کہ نزول کے خصوص کا اعتبار نہیں ہوتا عبارت کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے۔ یہاں مَنْ میں صرف انسان داخل ہیں۔ جنات اور فرشتے اس سے علیحدہ ہیں کہ فرشتے کسی دنیاوی واخروی ثواب کے مستحق نہیں اور جنات کو اگرچہ دنیاوی ثواب تو ملے گا مگر اخروی ثواب سے محروم ہیں لہٰذا مَــنْ سے مراد یا تو وہ ہی مشرکین ومنافقین ہیں۔ جن کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی یا عام انسان ثواب دنیا سے مراد ہے اپنے نیک اعمال کا دنیاوی بدلہ جیسے جہاد غنیمت کیلئے ہو یا صدقات وخیرات نام نمود شہرت کیلئے ہوں یا نماز وحج عزت کیلئے ہو۔ فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ یہ جملہ شرط مذکورہ کی جزاء نہیں اس کی جزاء تو پوشیدہ ہے فقــد خسر وخــاب یہ جملہ اس جزاء کی علت ہے اور اس کی ف تعلیلیہ ہے ثواب دنیا سے مراد وہ دنیاوی نعمتیں ہیں جو ابھی ذکر ہوئیں۔ غنیمت دولت عزت وغیرہ اور اخروی ثواب سے مراد جنت وہاں کی نعمتیں حق تعالیٰ کی رضا وغیرہ ہے جو بعد قیامت ملیں گی اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد تقویٰ طہارت ایمان پر خاتمہ وغیرہ ہوں جو دنیا پر مل جاتی ہیں مگر ان کا تعلق آخرت سے ہوتا ہے یعنی ایسا کم ہمت آدمی بہت نقصان میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا کے انعامات بھی ہیں اور آخرت کے انعامات بھی پھر وہ دونوں انعام اس سے کیوں نہیں مانگتا صرف ایک پر ہی کفایت کیوں کر لیتا ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اس سے مقصود ہے ریا کاروں بے ہمتوں دنیا سے رغبت رکھنے والوں پر عتاب کا اظہار یہاں بھی كَــانَ دوام استمرار کیلئے ہے یعنی ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ سمیع بھی ہے بصیر بھی وہ دل کے ارادوں خفیہ نیتوں پر خبردار ہے لہٰذا اے بندو اپنی نیت خالص ارادے نیک کرو۔ یہاں تفسیر روح المعانی نے ایک تفسیر یہ بھی نقل کی سمع وبصر سے مراد ... وخطرات پر اطلاع وخبر رکھنا ہے خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سمیع

بھی ہے بصیر بھی حالانکہ دیکھنے وسننے کی چیزیں ہمیشہ سے نہیں رب تعالیٰ آئندہ ہونے والی آوازوں و چیزوں کو ہمیشہ سے سنتا دیکھتا ہے اس کا سننا دیکھنا مسموع و مبصر کے موجود ہونے پر موقوف نہیں۔

خلاصہ تفسیر اے لوگو! اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم کو یہاں سے لے جائے اور دوسری قوموں کو لے آئے اس طرح کہ تم کو موت دے کر تمہاری جگہ دوسری قوم کو آباد کر دے جیسے فرعونیوں کو ہلاک فرما کر ان کہ جگہ بنی اسرائیل کو آباد فرما دیا یا اس طرح کہ تمہاری حکومت ختم فرما کر تمہارا ملک دوسروں کو دے دے اور تم کو ان کی رعایا بنا دے۔ فارس وروم وغیرہ میں کفار کی حکومت مٹا کر مسلمانوں کو ان کا بادشاہ بنا دیا ان کفار کو رعایا یا اس طرح کہ تم کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا جاوے اور تمہارے گھر دوسروں سے آباد کرا دیئے جاویں جیسا کہ بنی قریظہ و بنی نضیر یہود مدینہ کے ساتھ ہوا کہ بنی قریظہ قتل کئے گئے اور بنی نضیر جلا وطن یا اس طرح کہ تم کو موت دے کر تمہارے گھروں وسامان کا بطور میراث تمہاری اولاد وغیرہ کو مالک بنا دے جیسا کہ تم کو اگلوں کا وارث بنایا لہٰذا کوئی شخص اس دنیا کو اپنا اصلی گھر نہ سمجھے اصلی گھر تو آگے آ رہا ہے غرضیکہ وہ ہر طرح قادر ہے۔ جو چاہے کرے خیال رکھو کہ جو کوئی اپنے نیک اعمال کا عوض دنیا میں ہی چاہے کہ جہاد کرے غنیمت کے لئے صدقہ وخیرات کرے شہرت وعزت وغیرہ کے لئے تو وہ سخت نقصان وخسارہ میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا کی نعمتیں بھی ہیں اور آخرت کی نعمتیں بھی تو وہ کم ہمت صرف دنیا کی نعمتیں ہی کیوں چاہتا ہے دونوں کی نیت وارادہ کیوں نہیں کرتا۔ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ سمیع بھی ہے بصیر بھی وہ تمہارے ہر ظاہر و باطن کو دیکھتا ہے تمہاری ہر اونچی نیچی آواز سنتا ہے حدیث پاک میں ہے کہ جب آیت کریمہ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ (محمد:۳۹) نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے حضرت سلمان فارسی کی پشت پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ وہ دوسری قوم جو ان کی جگہ آسکتی ہے وہ یہ سلمان اور ان کی قوم ہے حدیث: فرمایا نبی ﷺ نے کہ جسے فکر آخرت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی طرف سے مطمئن فرما دے گا اس کے دل میں غنا ہوگی۔ دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آئے گی اور جو دنیا کی ہی فکر میں رہے گا آخرت کو بھول جاوے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کے اسباب زندگی پراگندہ فرما دے گا اور فقیری اس کی آنکھوں کے سامنے کر دے گا دنیا ملے گی اتنی ہی جتنی مقدر میں ہیں (تفسیر روح المعانی بروایت احمد عن زید ابن ثابت) لہٰذا انسان کو چاہئے کہ دنیا کو اپنی زندگانی کا مقصود نہ بنائے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کوئی شخص اور کوئی قوم دنیا کے ملک و دولت عزت صحت، شہرت کو اپنی ملکیت نہ سمجھے یہ آنی جانی ہے کبھی کسی کے پاس کبھی کسی کے پاس کہ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ الخ سے معلوم ہوا۔ جو چیز اپنی ہے وہ اپنے اعمال وایمان ہے اللہ تعالیٰ یہ نصیب کرے۔ **دوسرا فائدہ**: رب تعالیٰ کی نافرمانی زوال ملک و دولت کا سبب ہے اگر ملک کو زوال سے بچانا ہے تو اسکی اطاعت کرو یہ فائدہ بھی اِنْ یَّشَاْ الخ سے ہی حاصل ہوا کہ یہاں خطاب نافرمانوں سے ہے اور قوم آخرین

سے مراد صالحین و نیک لوگ ہیں۔ **تیسرا فائدہ**: اللہ اور اس کے رسول اور ان کا دین ہمارے محتاج نہیں بلکہ ہم ان کے محتاج ہیں دین کی خدمت اگر ہم نہ کریں تو کوئی اور قوم اس کے لئے پیدا کر دی جاوے گی۔ سرداران قریش نے خدمت دین سے انکار کیا تو مدینہ منورہ کے مساکین غرباء سے خدمت دین لے لی گئی یہ فائدہ وَيَاْتِ بِآخَرِيْنَ سے حاصل ہوا ہمیشہ اپنے کو اللہ رسول اور دین کا محتاج سمجھو۔ **چوتھا فائدہ**: مسلمان کو چاہئے کہ نہ تو دنیا کو اپنا اصل مقصود بنائے کہ آخرت کو بھول جائے نہ دنیا بالکل چھوڑ دے بلکہ ایک ہاتھ میں دنیا رکھے ایک ہاتھ میں دین یہ فائدہ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ سے صرف دنیا مانگنا منافقوں کافروں کا طریقہ ہے مسلمان رب سے دین بھی مانگے دنیا بھی یہ فائدہ بھی ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ سے حاصل ہوا رب تعالیٰ نے ہم کو دعا کی خود تعلیم دی کہ فرمایا یہ کہا کرو رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ (بقرہ:۲۰۱)۔ **چھٹا فائدہ**: اگر عبادات سے ثواب آخرت کی نیت کی جاوے اور دنیاوی فوائد کی بھی تو جائز ہے اس سے ثواب آخرت کم نہیں ہوتا دیکھو نماز خسوف گرہن دفع کرنے کی نماز استغفار بارش حاصل کرنے کے لئے نماز حاجت کوئی خاص حاجت پوری کرنے کو پڑھی جاتی ہیں۔ مگر ان کا ثواب بھی انشاء اللہ پورا پورا ملے گا وہ کریم ثواب کاٹتا نہیں بڑا دینے والا ہے۔ **ساتواں فائدہ**: عمل سے ارادہ عمل بہتر ہے کہ عمل بغیر ارادہ ثواب کا ذریعہ نہیں مگر ارادہ خیر بہر حال ثواب کا باعث ہے اگرچہ عمل کا موقعہ نہ ملے نیز عمل تو کبھی کبھی ہوتا ہے حج عمر میں ایک بار روزے زکوٰۃ سال میں ایک بار نماز دن میں پانچ بار مگر ارادہ خیر ہر وقت ہوتا ہے اور ہر وقت ثواب کا پھل دیتا ہے نیز ارادہ خیر سوتے جاگتے بلکہ مرے بعد بھی فائدہ دیتا ہے نیز اچھے ارادہ کا اثر ارادہ والے پر بھی پڑتا ہے خود عمل پر بھی بلکہ دوسری چیزوں پر بھی اچھے ارادہ والے کی مسجد بھی قبول اس میں نمازیں بھی اعلیٰ مسجد کعبہ مسجد مدینہ میں ثواب کی زیادتی کا باعث یہ بھی ہے کہ ان کے بنانے والے خلیل و حبیب کے ارادے و اخلاص بہت اعلیٰ تھے عمل کا مغز ارادہ ہے اسی لئے اس آیت میں ارادہ خیر کی تاکید فرمائی۔ **آٹھواں فائدہ**: رب تعالیٰ کے پاس سب کچھ ہے مانگنے والے میں ہمت چاہئے وہاں سے عطا سائل کی ہمت کی بقدر ہوتی ہے یہ دونوں فائدے یعنی چھٹا اور ساتواں اسی ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ**: مسلمان کو چاہئے کہ دنیاوی کاموں میں بھی ثواب آخرت کی نیت کرے کھانا پینا روزگار کرنا سونا جاگنا بلکہ جینا مرنا صرف جسمانی حاجت کے لئے نہ کرے بلکہ یہ سمجھ کر کرے کہ یہ سنت رسول اللہ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم تو انشاء اللہ ان سب پر ثواب ملے گا۔

روایت ایک نابینا بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر بولا حضور دعا فرما دیں مجھے اللہ تعالیٰ آنکھیں دے فرمایا اگر تو چاہے تو صبر کر تیرے لئے جنت کی دعا دوں یعنی چاہے تو آنکھیں لے لے چاہے جنت بولا حضور میں تو دونوں چیزیں لوں گا آنکھیں بھی جنت بھی فرمایا اچھا وضو کر دو رکعت نماز پڑھ اور یہ دعا کر چنانچہ

اس نے ایسا ہی کیا دعا پڑھ کر منہ پر ہاتھ پھیرا تو آنکھیں روشن ہو گئیں وہ دعا ابن ماجہ وغیرہ میں نماز حاجت میں مذکور ہے سبحان اللہ یہ ہے مانگنے والے کی ہمت اس کا مقصد یہ تھا اگر چاہے تو یہ لے اگر چاہے وہ لے یہ تو وہ کہے جس کے پاس کچھ کمی ہو میں تو آنکھیں اور جنت دونوں ہی لوں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو مانگنے کی توفیق دے مانگنا بھی وہ سکھاتا ہے تو ہم مانگتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:

ما زحرص و آز خود را سوختیم — ایں دعا را ہم زتو آموختیم!

حرمت آنکہ دعا آموختی — اندریں ظلمت چراغ افروختی

دستگیرم درچنیں بے چارگی — شاد گردانم دریں غم خوارگی!

اللہ تعالیٰ ان نابینا صحابی کے صدقے مجھے بھی آنکھوں کی روشنی میں زیادتی جسم میں شفاء ایمان پر خاتمہ نیک اعمال کی توفیق بخشے ہم سب مسلمانوں کو اپنے محبوب کا صدقہ عطا فرمائے دولھا کی بکھیریں لوٹنے والوں کا حصہ ہوتا ہے۔ حضور دولہا ہیں تمام دین و دنیا کی نعمتیں ان کے سر کا صدقہ ان کی نچھاوران کی بکھیر ہے ہم سب غلام ان کے در کے بھکاری انشاء اللہ دونوں جہان کی نعمتوں میں ہم سب کا حصہ ہے۔ ہماری لوٹ سے وہاں کمی نہیں آتی دریا سے چڑیا پانی پی لے تو دریا میں کمی نہیں آتی۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ گنہگاروں کو ان کی بستیوں سلطنتوں گھروں سے نکالا جاوے گا اور ان کی جگہ نیک قوم کو آباد کیا جاوے گا مگر اب تو برعکس ہو رہا ہے ہر جگہ سے مسلمان نکل رہے ہیں ان کی جگہ کفار بسائے جا رہے ہیں۔ پھر یہ آیت کریمہ درست کیسے ہوئی۔ **جواب:** اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم مسلمان نیک نہ رہے جو گناہ ہم کرتے ہیں دوسری قومیں نہیں کرتیں کوئی قوم اپنے دین وملت قوم وملک کی دشمن وغدار نہیں مسلمان ہی وہ قوم ہے جو اپنے دین کی دشمن اپنے نبی کی دشمن اپنے ملک و قوم کی غدار ہے۔ ایسی قوم سزا کی مستحق ہے ان گناہوں کے باوجود ہمارا زندہ رہنا روزی ملنا اس محبوب ﷺ کا صدقہ ہے یا اولیاء اللہ کا طفیل ورنہ ہم جیسی قوم دنیا سے ختم ہو جانا چاہیئے کوڑا نکالا دیا جاتا ہے ہندو بت پرستی چوٹی دھوتی کا مذاق نہیں اڑاتے مسلمان ہیں جو نماز قرآن۔ داڑھی کا مذاق اڑاتے ہیں ایسی بے غیرت قوم سواء ہمارے کوئی نہیں۔

دوسرا اعتراض: اگر ہم گنہگار ہیں تو کفار و مشرکین کون سے نیک کار صالحین ہیں وہ بھی تو کفر و بت پرستی کرتے ہیں پھر انہیں کیوں عروج دیا جاتا ہے اور ہم پر انہیں کیوں مسلط کیا جاتا ہے۔ **جواب:** ہم کو سزا دینے کے لئے ان کا تسلط ہماری سزا کے لئے ہے نہ کہ انہیں ثواب دینے کے لئے۔ شعر:

چو خواہد کہ ویراں کند عالمے — نہد ملک در پنجۂ ظالمے

تیسرا اعتراض: مشہور تو یہ ہے کہ اعمال کی جزاء آخرت میں ملے گی دنیا ثواب و جزاء کی جگہ نہیں دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بھی ثواب کی جگہ ہے فرمایا گیا ثَوَابُ الدُّنْیَا وَ الْآخِرَۃِ۔

لوگوں کا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہوا۔ **جواب:** یہ عقیدہ بالکل درست ہے جزاء اور حقیقی ثواب تو آخرت ہی میں ملے گا۔ دنیا میں نیک اعمال کی وجہ سے کچھ کرم فرما دینا خسروانہ انعام شاہانہ عطیہ ہے جس سے آخرت کا ثواب کم نہیں ہوتا۔ جیسے تنخواہ نوکروں کو مہینہ پر دی جاتی ہے مگر روٹی کپڑا بھتہ انعام عطیے درمیان میں دیئے جاتے رہتے ہیں اور ان سے تنخواہ کم نہیں ہوتی جب دینے والا کریم ہو تو دینے کے ہزار بہانہ ہوتے ہیں الحمدللہ رب تعالیٰ کریم اس کے محبوب رؤف رحیم پھر عطاؤں کی کیا کمی ہے ہم لینے والے بنیں۔ شعر:

یارب تو کریمی و رسول تو کریم صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم!

تفسیر صوفیانہ

دنیا دار الفرار ہے (بھاگ جانے کی جگہ) اور آخرت دار القرار (رہنے کی جگہ) دنیا منزل ہے جو دوران سفر میں قدرے آرام کے لئے بنائی گئی ہے اور آخرت اصل مقصود تھا کہ نہ دنیا دوسرے کا گھر ہے۔ آخرت اپنا گھر اگر دنیا میں خیریت سے ٹھہرنا ہے تو مالک کو راضی رکھو ورنہ جیسے دوسروں کو نکال کر ان کے گھروں میں تم کو آباد کر دیا گیا ایسے ہی تم کو نکال کر دوسروں کو وہاں آباد کیا جاوے گا۔ خیال رکھو کہ اللہ کے مقبول بندے مر کر بھی دنیا سے نہیں جاتے کہ ان کا نیک نام نیک کام ابدالاباد تک رہتا ہے مردود ین جیتے جی بھی مرجاتے ہیں کہ وہ اگرچہ دنیا میں ہوتے ہیں مگر ان کا نام نہیں ہوتا۔ شعر:

قاروں ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت نوشیرواں نہ مرد کہ نام نکو گذاشت!

مجھ فقیر کے نزدیک یہاں نوشیرواں سے مراد حضرت صدیق و فاروق جیسے عادل و صالح حضرات ہیں اس آیت میں اسی کا ذکر ہے کہ ہوسکتا کہ تم نہ رہو تمہاری جگہ دوسرے رہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عطا کے لئے اخذ ضروری ہے یعنی دینے کے لئے لینا لازم دینے والے کے لئے لینے والا ہونا ضروری اس کے بغیر عطاء نہیں پائی جاتی فعل متعدی بغیر فاعل و مفعول موجود نہیں ہوسکتا پھر عطا دینے والے کی ہمت کے ساتھ لینے والے کی ہمت پر بھی موقوف ہے بجلی کا پاور یکساں آتا ہے مگر بلب اپنی طاقت کے مطابق پاور لیتا اور روشنی دیتا ہے ہم کو یہاں ہدایت دی گئی ہے کہ مسلمانو رب سے خوب مانگو دنیا و آخرت سب کچھ مانگو وہ بہت دینے والا ہے تم سیپ بنو تا کہ دنیا کی نعمتیں تمہارے ہاتھ میں پہنچ کر موتی بنیں کہ دوسرے اس سے فائدے اٹھائیں تم شفاف آئینہ بنو تا کہ سورج کے نور سے جگمگا جاؤ اللہ تعالیٰ دینے والا حضور ﷺ برسنے والے بادل ہیں۔ مومنین لینے والی زمینیں ہر ایک بقدر طاقت حضور سے لیتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو جاؤ قائم رہنے والے انصاف پر گواہ اللہ کے لئے
اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لئے گواہی دیتے

وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ
اگر چہ اپنی ذاتوں پر یا ماں باپ پر یا قرابت داروں پر ہو اگر ہو
چاہے تمہارا اس میں اپنا نقصان ہو یا ماں باپ کا یا رشتہ داروں کا جس پر گواہی
غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ
مالدار یا غریب پس اللہ زیادہ والی ہے ان کا تو نہ پیچھے چلو خواہش کے کہ ہٹ جاؤ
دو وہ غنی ہو یا فقیر ہو بہر حال تو اللہ کو اس کا سب سے زیادہ اختیار ہے تو خواہش کے پیچھے نہ جاؤ کہ حق سے الگ پڑو
وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾
اور اگر مڑو تم یا منہ پھیرو تو اللہ ہے اس کا جو تم کرتے ہو خبر والا
اور اگر تم پھر کر دیا منہ پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** : پچھلی آیت میں حکم دیا گیا تھا کہ اللہ سے دنیا کا ثواب بھی مانگو اور آخرت کا ثواب بھی اب اس آیت میں ان دونوں ثوابوں کے لئے حاصل کرنے کا طریقہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اپنی گواہیاں فیصلے بلکہ تمام کام اللہ کیلئے کرو دنیا والوں کی رضا یا نفس کی خواہش کے لئے نہ کرو۔ **دوسرا تعلق** : پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے تمہارے کلام سنتا تمہارے کام دیکھتا ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ چونکہ رب تعالیٰ تمہارے کلام و کام سے خبردار ہے لہٰذا تم ہر جگہ ہر وقت ہر حیثیت میں اللہ سے ڈر کر کلام و کام کرو گواہی حکومت اور فیصلے اللہ سے ڈر کر کرو۔ **تیسرا تعلق** : اس سے کچھ پہلے ارشاد ہوا تھا کہ یتیموں بیوگان بلکہ اپنی بیویوں میں عدل و انصاف قائم رکھو اب ارشاد ہو رہا ہے کہ عام لوگوں میں بھی انصاف قائم کرو کہ گواہی دو تو سچی فیصلہ کرو تو سچا غرضیکہ خاص عدل کے بعد عام عدل کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق** : پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو تم کو ہٹا کر دوسری قوم کو لا آباد کرے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ تم اپنی گواہیوں فیصلوں میں حق سے کام لو ورنہ تم ہٹا دیئے جاؤ گے دوسرے لوگ یہاں قائم کر دیئے جائیں گے گویا تبدیلی قوم کے اسباب سے روکا جا رہا ہے۔

شانِ نزول

ابن جریر نے امام سدی سے روایت کی کہ ایک بار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں ایک امیر اور غریب کا مقدمہ پیش ہوا عام حضرات کو غریب پر رحم آیا اور وہ سمجھے کہ غریب سچا ہوگا مظلوم ہوگا امیر جھوٹا اور ظالم ہوگا کیونکہ غریب آدمی کسی پر خصوصاً امیر آدمی پر ظلم کر سکتا ہی نہیں۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ فیصلے اور گواہی میں امیر و غریب کا فرق نہیں ہونا چاہئے حق پر گواہی و فیصلہ ہونا ضروری ہے (تفسیر روح المعانی و تفسیر خازن)۔

تفسیر یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قرآن کریم میں عموماً اَلنَّاسُ سے خطاب کفار سے ہوتا ہے اور الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں خطاب مسلمانوں سے اور یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ میں خطاب حضور علیہ السلام سے الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب میں سرکار ابد قرار علیہ السلام داخل نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ عمومی خطاب اپنے محبوب سے نہیں کرتا بلکہ ہم کو بھی اس سے منع کرتا ہے فرماتا ہے لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا (نور: ۶۳)۔ پھر اس الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں کبھی تو فرشتے جنات انسان سب داخل ہوتے ہیں۔ جیسے اے ایمان والو اللہ رسول سے آگے نہ بڑھو یا اے ایمان والو اپنی آوازیں حضور کی آواز سے اونچی نہ کرو یا نبی کے گھر میں بے اجازت نہ جاؤ اور کہیں اس خطاب میں جن اور انسان ہی داخل ہوتے ہیں فرشتے نہیں۔ جیسے اے مومنو تم پر روزے فرض کئے گئے اور کبھی اس خطاب میں صرف انسان مسلمان داخل ہوتے ہیں۔ جنات و فرشتے علیحدہ یہاں تیسری قسم کا خطاب ہے جس میں صرف انسان داخل ہیں۔ فرشتے اور جنات کو اس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ فرشتے و جنات نہ حاکم و سلطان ہوتے ہیں نہ ہمارے عدالتی گواہ اور چونکہ اس آیت کا حکم نفس پر گراں بھی ہے اور سخت مشکل بھی جیسا کہ ان لوگوں کو تجربہ ہے جنہیں گواہی دینے یا فیصلہ کرنے کا اتفاق پڑے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو شروع فرمانے سے پہلے مسلمانوں کو پیارے خطاب سے پکارا پھر انہیں حکم سنایا تاکہ اس خطاب کی لذت سے ان کو یہ سخت اور شاق حکم آسان ہو جاوے حق یہ کہ اس میں حاکموں، گواہوں، عالموں، درویشوں بادشاہوں سب سے خطاب ہے کیونکہ اس حکم کا تعلق سب سے ہی ہے اگرچہ عدل و انصاف کفار کو بھی کرنا چاہئے۔ مگر مسلمانوں کو زیادہ مضبوطی سے کرنا چاہئے تاکہ مسلمانوں کا عدل و انصاف دوسری قوموں کے لئے نمونہ بنے اس لئے مسلمانوں سے خطاب فرمایا گیا۔ کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ۔ کُوْنُوْا بنا ہے کَوْنٌ سے اس کے معنی ہیں ہونا یا رہنا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں بلکہ دوسرے معنی زیادہ مناسب ہیں کیونکہ ایک آدھ بار انصاف کر دینا کمال نہیں بلکہ ہمیشہ انصاف کرنا انصاف پر قائم رہنا کمال ہے قَوّٰمِیْنَ مبالغہ ہے قیام کا معنی قائم رہنا قائم رکھنا یہاں قائم رہنے کے معنی میں ہے بِالْقِسْطِ کی ب بمعنی عَلٰی ہے اور ہوسکتا ہے کہ ب تعدیہ کی ہو اور قَوّٰمِیْنَ کے معنی ہوں قائم کرنے والے قیام سے مراد ہے رعایت و نگہداشت کرنا یا ارادہ و عزم کرنا یہاں [illegible]وں معنی بن سکتے ہیں خیال رہے کہ قرآن مجید نے عبادات میں تو نماز کے لئے قائم رکھنے کا حکم دیا اور معاملات میں انصاف قائم کرنے کا باقی عبادات و معاملات کا حکم تو دیا مگر قائم کرنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ نماز و عدل ہر شخص پر ہمیشہ لازم ہے نماز روزانہ پانچ دفعہ جمعہ ہفتہ میں ایک بار عید سال میں دو بار روزے زکوٰۃ حج جہاد کا یہ حال نہیں اسی طرح عدل و انصاف ہر شخص پر ہر وقت لازم ہے۔ اپنے نفس سے انصاف بیویوں اولاد ماں باپ قرابت داروں محلہ والوں ملک والوں سے انصاف ہر وقت واجب ہے انصاف بہت قسم کے ہیں کوئی انصاف بادشاہ پر واجب ہے کوئی حاکم پر کوئی گھر والے پر کوئی ہر شخص پر نیز نماز کے قائم کر لینے سے باقی عبادات درست ہو جاتی ہیں برائیوں سے روک ہو جاتی ہے عدل و

انصاف سے گھر، محلہ، ملک قائم رہتے ہیں ان وجوہ سے نماز و عدل کے قائم فرمانے کا حکم دیا۔ قسط کے لغوی معنی ہیں حصہ اب عدل و انصاف کو قسط کہتے ہیں کہ اس میں ہر ایک کو اس کا حصہ دیا جاتا ہے مگر لطف یہ ہے کہ مقسط بمعنی منصف و عادل آتا ہے اور قاسط بمعنی ظالم ہے۔ انصاف کے تین نام ہیں۔ انصاف بمعنی نصف (آدھا) کرنا عدل یعنی برابری کرنا، قسط یعنی حصہ پورا دینا قسط کا مقابل رحم تو محمود ہے اور ظلم مذموم مگر رحم محمود جب ہے جبکہ اپنے ذاتی معاملہ میں ہو۔ قومی ملکی معاملہ میں رحم درحقیقت قوم و ملک کو تباہ کرنا ہے۔ حضور نے تمام کفار مکہ کو معافی دے دی کیونکہ وہ ذاتی مجرم تھے مگر چور کو معافی نہ دی کیونکہ وہ قومی و ملکی مجرم تھا یعنی اللہ کے لئے گواہ ہو نفس یا قومیت یا دھڑے کے لئے گواہ نہ ہو۔ لِلّٰہِ گواہ وہ ہوتا ہے جو گواہی محض رضا الٰہی کے لئے دے اپنے نفس یا کسی کی خوشنودی کے لئے نہ دے ظاہر ہے کہ ایسا مخلص شخص ہمیشہ سچی گواہی دے گا۔ جھوٹی گواہی دے سکے گا نہیں یعنی اے مسلمانو ہمیشہ عدل و انصاف پر خوب قائم رہو یا عدل و انصاف قائم رکھو قائم کرو گواہی دو تو اللہ کیلئے دو نہ کہ کسی کی رو رعایت یا مروت کیلئے گواہی تین قسم ہے حقوق شرعیہ کی گواہی جیسے رمضان و عید وغیرہ یا نسب یا رضاعت وغیرہ کی گواہی حقوق العباد کی گواہی جیسے قرض میراث وغیرہ کی گواہی، حدود اسلامیہ کی گواہی جیسے زنا، شراب وغیرہ کی گواہی پہلی دو گواہیاں دینا فرض ہیں جب کہ اسکی گواہی نہ دینے سے وہ حق مارے جاویں آخری یعنی حدود سزاؤں کی گواہی دینا فرض نہیں۔ چاہے تو اس کی عیب پوشی کرے چاہے تو اسے سزا دلوا دے یہاں پہلی دو گواہیاں مراد ہیں اور امر وجوب کا ہے۔ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ واؤ وصلیہ ہے وَلَوْ کے معنی ہیں اگر چہ اسکے بعد کَانَتْ پوشیدہ ہے عَلٰی جب شہادت کے بعد آتا ہے تو نقصان و ضرر کے لئے ہوتا ہے یعنی خلاف گواہی نفس سے مراد ہے گواہ کی جان اس کی ذات یعنی اگر چہ وہ گواہی تمہارے خلاف ہی ہو اپنے خلاف گواہی سے مراد ہے مدعی کے حق کا اقرار کر لینا کیونکہ گواہی کے معنی ہیں کسی کے حق کی خبر دینا خواہ اپنے پر حق ہو یا تیسرے پر یا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ گواہی تمہارے لئے مضر نقصان دہ ہی ہو کہ گواہی سے مدعیٰ علیہ تمہارا دشمن ہو کر تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے ہو جاوے مگر تم اس کی پرواہ نہ کرو اللہ پر توکل کر کے گواہی دے دو یا اس گواہی سے حاکم پولیس تمہارے خلاف ہو جائے مگر تم سچی گواہی دو۔ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ یہ عبارت اَنْفُسِكُمْ پر معطوف ہے یعنی اگر چہ تمہاری گواہی تمہارے ماں باپ قرابت داروں کے خلاف ہی ہو مگر تم اس کی پرواہ نہ کرو سچی گواہی دے گزرو بعض مفسرین نے فرمایا کہ واؤ بمعنی اَوْ ہے مگر اس کی ضرورت نہیں واؤ اپنے ہی معنی میں ہو تب بھی درست ہے کہ کبھی گواہی ماں باپ کے بھی خلاف ہوتی ہے اور عزیزوں کے بھی اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰی بِهِمَا یہ نیا جملہ ہے یَّكُنْ کا اسم مدعیٰ علیہ ہے جس کے خلاف گواہی دینا ہے اِنْ کی جزاء پوشیدہ ہے لَا تَمْتَنِعُوْا عَنِ الشَّهَادَةِ اور فَاللّٰهُ اَوْلٰی بِهِمَا اس جزا کی علت ہے اس میں ف تعلیلیہ ہے اَوْلٰی بمعنی زیادہ حقدار ہے بِهِمَا بمعنی عَنْهُمَا ہے اور ہو سکتا کہ اپنے ہی معنی میں ہو یعنی اگر مدعیٰ علیہ جس کے خلاف تمہاری گواہی ہے غنی ہو تو اس کی رعایت نہ کرو فقیر ہو تو اس پر رحم نہ کرو بلکہ بہر حال سچی گواہی دو کیونکہ ان کے

مقابل اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی کیا جاوے یا یہ مطلب ہے کہ بمقابلہ تمہارے اللہ تعالیٰ غنی وفقیر پر زیادہ مہربان ہے جب وہ تم کو ایسے موقعہ پر سچی گواہی دینے کا حکم دے رہا تو کیا تم ان پر خدا تعالیٰ سے زیادہ مہربان ہو کہ ان کی رعایت میں جھوٹی گواہی دیتے ہو۔ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا یہ اس مذکورہ حکم کا نتیجہ ہے هَوٰى کے معنی ہیں نیچے گرنا اَوْ تَهْوِىْ بِهِ الرِّيْحُ (حج:۳۱) چونکہ نفسانی خواہش انسان کو نیچے گرادیتی ہے اسلئے اسے هَوٰى کہتے ہیں یا هَوٰى کے معنی ہیں اڑائے پھرنا رب فرماتا ہے اَوْ تَهْوِىْ بِهِ الرِّيْحُ (حج:۳۱) نفس امارہ انسان کو ایسے اڑائے پھرتا ہے۔ جیسے جنگل میں خشک پتہ کو تیز ہوائیں۔ اَنْ تَعْدِلُوْا مفعول لہٗ ہے لَا تَتَّبِعُوْا کا یہ یا تو عدل بمعنی انصاف سے بنا ہے یا عدول بمعنی ہٹ جانے سے بنا لہٰذا اس جملہ کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرو تا کہ تم انصاف کر سکو۔ خواہش کی پیروی نہ کرو تا کہ تم حق سے عدول نہ کرو۔ خواہش کی پیروی نہ کرو۔ ورنہ حق سے ہٹ جاؤ گے یا خواہش کی پیروی نہ کرو عدل وانصاف کرنے کے لئے یا خواہش کی پیروی نہ کرو حق سے ہٹ جانے کی نیت سے۔ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا یہ حق سے ہٹنے فیصلہ کر دینے جھوٹی گواہی دینے کی سزا کا ذکر ہے تَلْوٗٓا بنا ہے لَوٰى سے بمعنی جھوٹ بولنا یا مائل ہونا چونکہ یہاں خطاب حکام سے بھی ہے اور گواہوں سے بھی اس لئے ایسا کلمہ ارشاد ہوا جو دونوں کو شامل ہو یہاں لَوٰى سے مراد ہے پیچ دار بات کرنا ہیر پھیر کرنا یعنی گواہی دینا معمہ والی فیصلہ غلط کرنا مگر اس کو حق ثابت کرنا تاویل سے یا جھوٹی گواہی دینا پھر اس جرم کو درست ثابت کرنے کی کوشش کرنا اور تُعْرِضُوْا سے مراد حق گواہی نہ دینا چھپالینا یا حق فیصلہ نہ کرنا اس سے علیحدہ ہو جانا اس شرط کی جزاء پوشیدہ ہے تُعَذَّبُوْنَ یعنی اے گواہو یا اے حاکمو اگر تم ہیر پھیر کر کے جھوٹی گواہی دے دو یا اے حاکمو اگر تم کھینچ تان کر کے غلط فیصلہ کر دو اور اسے حق ثابت کرو تو تم کو سخت سزا دی جاوے گی کیونکہ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا یہ پہلے جملہ کی علت ہے اس کی تفسیر بارہا بیان ہو چکی یعنی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سارے اعمال کی خبر ہے وہ گواہوں سے بھی خبردار ہے اور ایسے حاکموں پر بھی مطلع ہے لہٰذا تم دنیا والوں سے ہیر پھیر کر سکتے ہو رب سے نہیں کر سکتے۔

خلاصہ تفسیر

تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں جن میں سے ہم صرف ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ اے مسلمانو، حاکمو، گواہو، عالمو، درویشو، بادشاہو، ہمیشہ حق انصاف پر خوب قائم رہو اللہ کی رضا کے لئے گواہیاں دو اگرچہ وہ گواہی تمہارے خلاف ہی ہو یا تمہارے ماں باپ یا قرابت داروں کے مخالف ہو مگر تم حق نہ چھوڑو اگر مدعیٰ علیہ جس کے خلاف تم گواہی یا فیصلہ دینا چاہتے ہو۔ امیر ہو تو اس کی رعایت نہ کرو غریب ہو تو اس پر ترس کھا کر ناحق فیصلہ نہ کرو بلکہ فیصلہ حق کرو کیوں کہ تم پر ان فقیر وامیر سے زیادہ اللہ کا حق ہے جب اللہ کہتا ہے کہ سچی گواہی سچا فیصلہ دو تو اس کی اطاعت کرو لہٰذا تم اپنی گواہیوں فیصلوں میں نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو تا کہ تم انصاف کر سکو نفسانی خواہش والا انصاف نہیں کرتا اور خیال رکھنا کہ اگر تم نفسانی خواہش کی پیروی یا

کسی کی مروت ورعایت یاترس کھا کر ایچ پیچ سے جھوٹی گواہی جھوٹا فیصلہ دو یا ان وجوہ سے گواہی چھپالو یا فیصلہ نہ کرو تو تم کو سخت سزا دی جاوے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کی خبر رکھتا ہے وہ تم سے غافل نہیں لہٰذا تم اس کے عذاب سے نہیں بچ سکتے اس کے عذاب سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے کہ انصاف کرو۔ خیال رہے کہ گواہی چھپانے یا غلط گواہی دینے کی عموماً تین وجہیں ہوتی ہیں (۱) مروت ورعایت (۲) ہیبت ورعب (۳) رحمت وترس کھانا۔ اس آیت کریمہ میں ان تینوں چیزوں سے روکا گیا مروت ورعایت سے بچانے کے لئے فرمایا وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ الخ رعب وہیبت کے متعلق ارشاد ہوا غَنِيًّا ترس کھانے کے متعلق فرمایا گیا اَوْ فَقِيْرًا یہ ہی حال ہے غلط فیصلوں کا کہ حکام کے غلط وناجائز فیصلوں کی وجہیں عموماً یہ ہی ہوتی ہیں رشوت ولالچ غَنِيًّا میں داخل ہیں۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: گواہی میں گواہ کو اختیار نہیں کہ جیسی چاہے ویسی گواہی دے بلکہ اس پر سچی گواہی دینا واجب ہے۔ **دوسرا فائدہ**: حاکم پر فرض ہے کہ مقدمہ کے دوران فریقین میں برابری کرے کسی کی طرف زیادہ مائل نہ ہو۔ حتیٰ کہ کسی کے ہاں دعوت نہ کھائے کسی کا ہدیہ نہ لے کسی سے زیادہ ہنس کر بات نہ کرے پہلا فائدہ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ سے حاصل ہوا دوسرا فائدہ قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ سے۔ **تیسرا فائدہ**: ہر شخص پر بقدر طاقت عدل وانصاف واجب ہے حتیٰ کہ اپنے گناہوں کا اقرار اپنی نیکیوں میں قصور کا اقرار بھی لازم ہے یہ فائدہ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: اگر اولاد اپنے ماں باپ کے خلاف سچی گواہی دے تو عاق یعنی نافرمان نہ ہوگی یہ فائدہ اَوِ الْوَالِدَيْنِ سے حاصل ہوا۔ حق بات خواہ کسی کے خلاف ہو کہی جاسکتی ہے۔ **پانچواں فائدہ**: ماں باپ قرابت داروں کے حقوق ادا کرنا ضروری ہے اپنے ذاتی معاملات میں ان کی ہر طرح رعایت کرے مگر دینی ملکی قومی قانونی، معاملات میں کسی کی رعایت نہیں وہاں قانون مقدم ہے۔ **چھٹا فائدہ**: غنی کا رعب فقیر پر رحم انصاف کیلئے آڑ ہے اس آڑ کو پھاڑ دینا لازم ہے انصاف سب سے مقدم ہے جیسا کہ فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: رحم سے عدل وانصاف افضل ہے دیکھو یہاں رحم سے منع فرمایا گیا عدل کا حکم دیا گیا یہ فائدہ بھی فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**: مجرم کے وکیل کا عدالت میں کج بحثی کر کے مجرم کو ناحق چھوڑانے کی کوشش کرنا یونہی عالم یا واعظ کا غلط مسئلہ بتانا پھر تاویل سے اسے درست ثابت کرنے کی کوشش کرنا لیڈروں کا ناحق کو حق ثابت کرنے کی کوشش کرنا سخت ظلم ہے جرم ہے یہ فائدہ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى سے ثابت ہوا۔ **مسئلہ**: گواہی چھپانا حرام ہے مگر چند موقعہ پر گواہی نہ دینا جائز ہے جب اس کی گواہی کے بغیر حقدار کو حق مل جاتا ہو۔ جب یقین سے معلوم ہو کہ قاضی میری گواہی نہ مانے گا۔ فقہا فرماتے ہیں حدود کی گواہی دینا نہ دینا دونوں درست ہے بلکہ بعض موقعوں پر حدود کی گواہی نہ دینا افضل ہے۔ جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا لو سترقۃ بک لکان خیرا لک (الاشباہ والنظائر، تفسیر روح البیان)۔ **نواں فائدہ**: جب گواہی دینے سے مدعی

علیہ یا حاکم کی طرف سے جانی یا مالی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تب گواہی دینا بہت ثواب ہے ایسا گواہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔ یہ فائدہ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ (تفسیر کبیر) مگر فی زمانہ ایسی گواہی دینا ہے بہت مشکل۔ خیال رہے کہ درستی عقائد ہر انسان پر لازم ہے عبادات صرف مسلمانوں پر ملکی وسیاسی معاملات تمام مومن وکفار رعایا پر لازم ہر چور کے ہاتھ کٹیں گے ہر قاتل پر قصاص ہوگا مومن ہو یا کافر قومی معاملات صرف مسلمانوں پر لازم ہیں کفار کو آزادی ہے جیسے سور وشراب کی تجارات وغیرہ مسلمانوں کو حرام کفار آپس میں کرسکتے ہیں۔ **دسواں فائدہ**: جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے گائے بھینس پالنے کے لئے پیدا فرمائیں اور سانپ بچھو مچھر مکھی ماردینے کے لئے ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے ہدیٰ پیدا فرمائی اتباع کے لئے اور ہویٰ پیدا فرمائی ماردینے کے لئے کہ فرمایا۔ لَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى۔ ہدیٰ کا مرکز حضور ﷺ ہیں اسلئے ارشاد ہوا فَاتَّبِعُوْنِىْ (آل عمران: ۳۱) اور ہویٰ کا مرکز ہے نفس امارہ جو ہماری پیشانی میں رہتا ہے۔ ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کی نگرانی کرنا کوچہ بندی ہے نفس امارہ کی نگرانی کرنا دریا پر بند باندھنا ہے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: عدل وانصاف سچی گواہی ہر انسان پر ضروری ہے مسلمان ہو یا کافر تو پھر اس آیت کریمہ کو یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے کیوں شروع فرمایا کہ کفار کو ظلم وستم کرنا جائز ہے۔ **جواب**: بمقابلہ دوسروں کے مسلمانوں پر عدل وانصاف زیادہ ضروری ہے کہ یہ اس محبوب رسول اللہ ﷺ کے امتی ہیں۔ جس کی عدالت میں دودھ کا دودھ تھا پانی کا پانی جہاں اپنے پرائے سب ایک نگاہ سے دیکھے جاتے تھے نیز مسلمانوں کا عدل وانصاف دیکھ کر بلکہ سن کر کافر ایمان لے آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عدل وانصاف آج تک مشہور ہیں نیز انصاف وگواہی کے معانی بہت وسیع ہیں۔ جن میں عقائد عبادات، معاملات سب داخل ہیں نماز نہ پڑھنا بے انصافی ہے نماز پڑھنا انصاف حرام خواری بے انصافی ہے حلال کھانا انصاف ہے اللہ رسول کی اطاعت نہ کرنا بے انصافی ہے ان کی اطاعت انصاف یوں ہی اللہ کی توحید حضور کی رسالت کی گواہی اپنے گناہوں کی رب کے سامنے گواہی دینا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اس لئے گناہوں کو قرآن کریم میں ظلم فرمایا گیا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان: ۱۳) یا جیسے اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (انبیاء: ۸۷) یا جیسے رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا (اعراف: ۲۳) اور اتنا وسیع انصاف اور ایسی جامع گواہی صرف مسلمانوں پر ہی لازم ہے لہٰذا مسلمانوں کو خصوصی طور پر اس کا حکم دینا بہت بہتر ہے۔ خیال رہے کہ درستی عقائد ہر انسان پر لازم ہے عبادات صرف مسلمانوں پر ملکی وسیاسی معاملات تمام مومن وکفار رعایا پر لازم ہر چور کے ہاتھ کٹیں گے ہر قاتل پر قصاص ہوگا مومن ہو یا کافر قومی معاملات صرف مسلمانوں پر لازم ہیں کفار کو آزادی ہے جیسے سور وشراب کی تجارات وغیرہ مسلمانوں کو حرام کفار آپس میں کرسکتے ہیں۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اپنے نفس کے خلاف بھی سچی گواہی دو۔ سچی گواہی میں اپنے نفس کا بھی لحاظ نہ کرو۔ اپنے نفس کے خلاف تو گواہی ہو سکتی ہی نہیں۔ وہ تو اقرار ہوگا۔ گواہی ہمیشہ دوسرے کے متعلق

ہوتی ہے۔ مدعی اور ہوتا ہے گواہ کوئی دوسرا یہ آیت درست کیسے ہوئی۔ **جواب**: یہاں گواہی سے مراد اپنے خلاف اقرار کر لینا ہے اس اقرار کو گواہی اس لئے فرمایا کہ یہ اقرار بھی گواہی کی طرح ملزم ہے اس الزام کی مناسبت سے اقرار کو گواہی فرمایا۔ خیال رہے کہ اپنا حق دوسرے پر لازم کرنے کی کوشش کرنا دعویٰ ہے دوسرے کا حق اپنے پر لازم کر لینا اقرار ہے دوسرے کا کسی اور دوسرے پر لازم کرنا گواہی۔ دعویٰ، اقرار، گواہی تینوں الزام میں مشترک ہیں۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سچی گواہی میں ماں باپ کی بھی رعایت نہ کرنا چاہئے مگر شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ ماں باپ کیلئے بیٹے کی گواہی معتبر نہیں پھر یہ آیت کیسے درست ہوئی۔ **جواب**: اولاد کی گواہی ماں باپ کے حق میں ان کے موافق کبھی قبول نہیں کہ اس میں رعایت کرنے کا احتمال قوی ہے بلکہ غلام کی گواہی مولیٰ کے حق میں جو کوئی کسی کے ہاں کھاتا پیتا پلتا بڑھتا ہو اس کی گواہی اس شخص کے حق میں قاضی کے ہاں قبول نہیں لیکن ان کے خلاف گواہی قبول ہے یہاں خلاف گواہی مراد ہے اس لئے یہاں عَلٰی ارشاد ہوا۔ شہادت کے بعد عَلٰی جب آئے تو اس سے مراد ہوتا ہے خلاف گواہی دینا لہٰذا یہ آیت بھی درست ہے اور وہ مسئلہ بھی درست ہے۔

چوتھا اعتراض: اگر علٰی خلاف گواہی کیلئے ہوتا ہے تو قرآن کریم فرماتا ہے وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (بقرہ: ۱۴۳) قیامت میں رسول اللہ ﷺ تمہارے گواہ ہوں گے تو کیا حضور کی گواہی ہمارے خلاف ہوگی وہ تو ہمارے حق میں ہوگی تو یہ قاعدہ غلط ہوگا کہ علٰی نقصان کے لئے ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب دوسرے پارے میں اسی آیت کی ماتحت دیا گیا ہے کہ وہاں شہید بمعنی رقیب ومحافظ ہے یعنی نبی ﷺ تمہارے ایمان واعمال کے نگراں ومحافظ ہیں۔ اسی حفاظت کے ماتحت گواہی ہوگی لہٰذا وہاں علٰی نے ضرر کے معنی نہ دیئے۔

تفسیر صوفیانہ

اے ایمان والو قسط یعنی اپنے حصہ پر قائم رہو اپنا درجہ مرتبہ اپنی حیثیت پہچانو اس کے آگے نہ بڑھو اللہ کو اس کی شان کے لائق مانو نبی ﷺ کو ان کی شان کے لائق پہچانو صحابہ کرام اولیاء اللہ علماء دین کو ان کے مرتبوں کے مطابق مانو اور اپنے کو آپ اپنی حیثیت کے مطابق جانو گنہگار رہو تو نیک کار بننے کا دعویٰ نہ کرو۔ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ کے معنی علما کرتے ہیں کہ اللہ کے لئے گواہ بنو صوفیاء اس کے دو معنی کرتے ہیں کہ اللہ کے گواہ رہو اس طرح کہ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے اس کی وحدانیت ذات صفات کی گواہی دیا کرو۔ دوسرے یہ کہ اللہ کے قائم کردہ گواہ رہو کہ رب تعالیٰ نے تمہیں دنیا وآخرت میں گواہ بنایا ہے۔ جس شخص جس چیز کو تم اچھا کہہ دو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے حضور غوث پاک کی ولایت میلاد پاک کا اچھا ہونا مسلمانوں کی گواہی سے ہی ہے تم فاسق وفاجر نا قابل گواہی نہ بن جانا بلکہ متقی پرہیزگار مقبول الشہادہ رہو غرضیکہ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ کے تین معنی ہیں ایک عالمانہ دو صوفیانہ ہر شخص اپنی شان کے لائق اللہ کا گواہ بنے عوام اللہ تعالیٰ کی توحید و وحدانیت کی گواہی دیں خواص اللہ تعالیٰ کے شہید یعنی اس کے پاس فردانیت سے حاضر رہیں اور خاص اللہ کے گواہ اس طرح ہوں کہ حق کے پاس

حاضر رہیں اپنے وجود اپنی ہستی سے غائب ہو جائیں کثرت کو وحدت سے فنا کر دیں یہ آخری گواہی وہ شاندار گواہی ہے جو عام فرشتوں کو بھی میسر نہیں صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ کی گواہی دینا کبھی اپنی زبان سے ہوتا ہے کبھی جان سے کبھی اپنے خون سے یہاں فرمایا گیا کہ اللہ کے گواہ بنو اگر چہ اپنے نفس ماں باپ عزیز و اقارب غنی فقیر کی قربانی دینے سے ہو اگر یہ چیزیں اس گواہی سے آڑ بنیں تو ان کے پیچھے نہ جاؤ بلکہ اس گواہی پر قائم رہو۔ خیال رہے کہ ساری مخلوق اللہ کی گواہ ہے فرشتے جنات جمادات نباتات وغیرہ اسی طرح سارے انسان حتیٰ کہ بعض کافر بھی اللہ کے گواہ ہیں مگر مسلمانوں کی گواہی ان تمام سے افضل ہے کیونکہ دوسری مخلوق نے وحدانیت کی گواہی یا علامات اور نشانیوں سے دی ہے یا سن کر مگر حضور محمد مصطفےٰ نے رب کو اور تمام عالم غیب کو دیکھ کر گواہی دی مسلمان حضور کی امت ہیں۔ حضور کا ان سب کو دیکھنا گویا ہمارا ہی دیکھنا ہے نماز میں امام کی قرأت مقتدیوں کی قرأت ہے لہٰذا مسلمانوں کی گواہی دیکھی ہوئی ہے اس لئے رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو گواہی کا حکم خصوصیت سے دیا کل قیامت میں بھی تمام نبیوں کے گواہ مسلمان ہی ہوں گے نیز پچھلے نبیوں کی امتوں نے اپنے نبیوں سے سن کر گواہی توحید دی وہ گواہی ایمان تھی مگر ان کا دین منسوخ ہو جانے کے بعد وہ گواہی ایمان نہ رہی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ
اے وہ لوگو جو ایمان لا چلے ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اتاری
اے ایمان والو ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اپنے
عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ
اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اتاری پہلے سے اور جو انکار کرے اللہ کا
رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاریں اور جو نہ مانے اللہ
وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ
اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخری دن کا پس بے شک وہ گمراہ ہو گیا
اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کو تو وہ ضرور دور کی گمراہی
بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ
گمراہی دور کی بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا پھر ایمان لائے پھر کفر کر بیٹھے پھر
میں پڑا بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر

ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾

بڑھ گئے کفر میں تو نہیں ہے اللہ کے بخشے انہیں اور نہ ہدایت دے انہیں راستہ ن

کفر میں بڑھے اللہ ہرگز انہیں نہ بخشے گا اور نہ انہیں راہ دکھائے

تعلقات

ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو لوگوں کے معاملہ میں انصاف کرنے کا حکم دیا گیا تھا اب اللہ تعالیٰ کے معاملے میں انصاف کا حکم دیا جارہا ہے کہ وہ تمہارا رازق خالق ہے انصاف یہ ہے کہ اس کا حق مانو اس پر ایمان لاؤ گویا ادنیٰ قسم کے انصاف کا حکم دے کر اعلیٰ قسم کے انصاف کرنے کا حکم ہورہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ایمان کا اجمالی ذکر تھا یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرمایا گیا تھا اب اس آیت میں اس اجمال کی تفصیل ہے کہ ایمان مقبول وہ ہے جو ان چیزوں پر ایمان لایا جاوے گویا اجمال کے بعد تفصیل کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں کچھ معاملات کا تاکیدی حکم تھا انصاف سچی گواہی وغیرہ اب اس آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ نیک اعمال تم کو جب ہی نصیب ہوں گے جبکہ تم اس طرح ایمان قبول کرو گے گویا دشوار احکام کا حکم دے کر اس دشواری کو آسان کرنے والی صفت کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ ایمان میں عشق ہے اور عشق ہی ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں سچی گواہی دینے کا سخت تاکیدی حکم دیا گیا اب ایمان بھی چند گواہیوں کا ہی نام ہے۔ توحید رسالت حشر ونشر وغیرہ کی گواہیاں ایمان ہیں ایمان میں سچی گواہی وہ ہوتی ہے جو دل سے ہو اور جو صرف زبان سے ہو دل میں کفر ہو وہ گواہی جھوٹی ہے خیال رہے کہ دنیاوی گواہیوں سے عالم کا نظام ملک کا امان قائم ہے اور ان دینی گواہیوں سے ایمان قائم ہے امان کی گواہیوں کے بعد ایمان کی گواہیوں کا ذکر فرمایا۔

شان نزول

ایک بار حضرت عبداللہ ابن سلام اور کعب کے دو بیٹے اسد و اسید اور ثعلبہ ابن قیس اور عبداللہ ابن سلام کے بھانجے سلام اور ان کے بھتیجے سلمہ اور یامین ابن یامین حضور سید عالم ﷺ کی بارگاہ عالی میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ ہم آپ کی کتاب قرآن مجید پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب توریت پر اور حضرت عزیر علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں ان کے سواء اور کتابوں رسولوں پر ایمان نہ لائیں گے حضور ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ اللہ کے سارے رسولوں اس کی ساری کتب پر ایمان لاؤ تب تم مومن ہو گے اس پر یہ آیت کریمہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا الخ نازل ہوئی جس میں حضور ﷺ کے فرمان عالی کی تائید فرمائی گئی (تفسیر خازن، کبیر، روح المعانی وغیرہ) چنانچہ یہ لوگ اس آیت کریمہ کو سن کر سب پر ایمان لے آئے

(۲) بنی اسرائیل نے بارہا ایمان اختیار کیا بارہا کفر ان کے متعلق دوسری آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو اس حرکت سے روکا گیا (تفسیر [illegible])

تفسیر یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا پہلا اٰمَنُوْا ماضی مطلق ہے دوسرا اٰمِنُوْا امر یا تو اٰمَنُوْا سے مراد عام مومنین ہیں جو پہلے ایمان لا چکے اور اٰمِنُوْا امر سے مراد ہے ایمان پر قائم رہنا یا اٰمِنُوْا سے مراد ہے اجمالی ایمان اور اٰمِنُوْا امر سے مراد ہے تفصیلی ایمان یا اٰمَنُوْا سے مراد ہے تقلیدی ایمان اور اٰمِنُوْا امر سے مراد ہے تحقیقی ایمان۔ یا اٰمَنُوْا سے مراد ہیں مشرکین و کفار جو میثاق کے دن ایمان لا چکے تھے قَالُوْا بَلٰی (اعراف:۱۷۲) کہہ کر اور اٰمِنُوْا امر سے مراد ہے یہاں دنیا میں ایمان لانا یا اٰمَنُوْا سے مراد ہیں منافقین جو زبانی ایمان لا چکے تھے اور اٰمِنُوْا امر سے مراد ہے دل سے ایمان لانا یا اٰمَنُوْا سے مراد ہے اہل کتاب جو اپنی کتب اپنے نبیوں پر ایمان لانے کے مدعی تھے اور اٰمِنُوْا امر سے مراد ہے ایمان مقبول اختیار کرنا کہ حضور ﷺ پر بھی ایمان لایا جاوے یا اٰمَنُوْا سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی حضرت عبداللہ ابن سلام وغیرہ اور اٰمِنُوْا امر سے مراد وہ ایمان ہے جس کی تلقین حضور ﷺ نے کی غرضیکہ اس جملہ کی آٹھ دس تفسیریں ہیں تفسیر کبیر، خازن، روح المعانی، روح البیان وغیرہ) مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے کیونکہ قرآن مجید میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مسلمانوں کو ہی کہا جاتا ہے۔ کفار منافقین وغیرہ کو ایسے پاکیزہ پیارے خطاب سے نہیں نوازا جاتا یہ خطاب صرف مسلمانوں کے لئے ہے (تفسیر کبیر) ہاں منافقین کے اظہار ایمان کو ظاہری کلمہ گوئی کو قرآن کریم نے ایمان کہا ہے کہ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (منافقون:۳)۔ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ یہ عبارت اٰمِنُوْا امر کے متعلق ہے چونکہ توحید باللہ نجات کے لئے کافی نہیں۔ توحید تو شیطان بھی مانتا ہے مگر ہے کافر ایمان باللہ نجات کا مدار ہے اسلئے آمِنُوْا بِاللّٰہِ فرمایا گیا نہ کہ وَحِّدُوْا اور چونکہ ایمانیات میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا مقدم ہے کہ وہ سب کا خالق و مالک ہے اس سے ابتداء ہے اس لئے بِاللّٰہِ کا ذکر پہلے ہوا۔ رَسُوْلِہٖ سے مراد حضور ﷺ ہیں جو ظہور میں پیچھے ہیں مگر وجود میں پہلے اور حضور پر ایمان لانا تمام پر ایمان لانا ہے اس لئے اللہ کے بعد حضور کا ذکر ہوا چونکہ توحید نبوت کے واسطے سے مفید ہے اور بغیر واسطہ نبوت مہلک جیسے بجلی کا پاور بلب پنکھے وغیرہ کے واسطے سے مفید ہے بغیر واسطہ پاور ہاتھ میں آجاوے تو فنا کر ڈالے یا سورج کو براہ راست دیکھو تو آنکھ پھوڑ دے کسی ڈبل اور رنگین شیشے کے ذریعہ دیکھو تو دیکھ لو گے اس لئے بِاللّٰہِ سے متصل ہی فرمایا گیا وَرَسُوْلِہٖ۔ اگرچہ حضور نبی بھی ہیں۔ رسول بھی رحمۃ عالم بھی ہیں۔ شفیع المذنبین بھی مگر یہاں بھی اور کلمہ طیبہ میں بھی رسول کی صفت کا ذکر ہوا کیونکہ رسول وہ ہے جو رب سے لے بھی سکے مخلوق کو دے بھی سکے اس لینے دینے پر فیض کا دارومدار ہے اس لئے رَسُوْلِہٖ فرمایا جو کہے کہ حضور دے نہیں سکتے وہ آپ کے رسول ہونے کا منکر ہے اور اَلْکِتٰبُ سے مراد قرآن مجید ہے کہ اس کا ایک نام کتاب بھی ہے اور اس کا نزول آہستہ آہستہ تئیس سال میں ہوا۔ اس لئے نَزَّلَ باب تفعیل سے ارشاد ہوا چونکہ قرآن مجید اتارنا در حقیقت رب تعالیٰ ہی کا کام تھا حضرت جبریل تو واسطہ تھے اس لئے نَزَّلَ کا فاعل رب تعالیٰ کو قرار دیا گیا یعنی اللہ تعالیٰ پر اور اس کے ان محبوب ﷺ پر اور جو کتاب ان پر اللہ تعالیٰ نے بہت آہستگی سے اتاری

ایمان لانا پہلے ہے قرآن پر ایمان لانا بعد میں کہ دنیا میں حضور پہلے آئے قرآن بعد میں کافر کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کرتے ہیں نہ کہ قرآن پڑھا کر حضور نے پہلے تبلیغ میں فرمایا کَیْفَ اَنَا فِیْکُمْ بتاؤ تم میں ہم کیسے ہیں یہ نہ فرمایا کہ قرآن کیسا ہے لہٰذا حضور پر ایمان کا ذکر پہلے ہوا قرآن پر ایمان لانے کا ذکر بعد میں خیال رہے کہ یہاں و القرآن نہ فرمایا بلکہ اتنی لمبی عبارت ارشاد ہوئی تا کہ معلوم ہو کہ قرآن پر ایمان لانا اس لئے ضروری ہے کہ وہ محمد مصطفےٰ ﷺ پر اترا حضور کا فرمان قرآن کی حقانیت کی دلیل ہے اسی لئے حضور کی نبوت کے لئے معجزات اتارے قرآن کی حقانیت کیلئے زبان رسول ثبوت ہے۔ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ یہ عبارت پہلی اَلْکِتٰبِ پر معطوف ہے اور اس میں الف لام جنسی ہے لہٰذا اس سے مراد ساری آسمانی کتابیں ہیں بلکہ سارے صحیفے بھی ہیں چونکہ ان تمام کا نزول ایک دم ہوا تھا اس لئے اَنْزَلَ فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ قرآن کریم تشریف آوری میں ان کتب سے پیچھے ہے مگر اب ایمان میں ان کتب سے پہلے کہ ہم قرآن مان کر دوسری کتابوں کو مانتے ہیں اسلئے ایمان میں پہلے قرآن کریم کا ذکر ہوا بعد میں دوسری کتابوں کا مگر ساتھ میں مِنْ قَبْلُ بھی فرمادیا گیا۔ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یہ اس تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ جس میں ایمان کے مقابل کفر کا ذکر ہے۔ یہ واؤ جمع کے لئے نہیں اور آیت کریمہ کا یہ مطلب نہیں کہ جو ان تمام چیزوں کا انکار کرے وہ گمراہ ہے بلکہ اللہ یا رسول یا فرشتہ یا کسی کتاب یا قیامت ان میں سے جس کا بھی انکار کرے گا وہ کافر ہوگا ایمان لانے میں سب پر ایمان لانا ضروری ہے مگر کفر میں ایک کا انکار بھی کفر ہے نماز جب ہوگی جب تمام شرائط وارکان جمع ہوں مگر نماز فاسد ہونے کے لئے ایک شرط یا رکن کا جاتا رہنا کافی ہوتا ہے وجود میں بہت پابندیاں ہیں نفی میں یہ پابندیاں نہیں کفر بمعنی انکار ہے یعنی جو کوئی اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اس کے رسولوں اور قیامت ان میں سے جس کا بھی انکار کردے فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا یہ مَنْ یَّکْفُرْ کی خبر بمعنی جزاء ہے گمراہی دو قسم کی ہے ایک وہ جو حد کفر تک نہ پہنچے۔ جیسے تفضیلی رفض وغیرہ دوسری وہ جو حد کفر تک پہنچ جاوے پہلی قسم کی گمراہی قریب کی گمراہی ہے اور دوسری قسم کی گمراہی بعید کی یعنی جو ہدایت سے بہت دور ہو جاوے یہاں دوسری قسم کی گمراہی مراد ہے اس لئے اسے ضلال بعید فرمایا گیا یعنی ایسا آدمی ایسی گمراہی میں پھنسا جو ایمان سے بہت دور ہے کفر میں داخل ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا اس آیت میں بہت گفتگو ہے کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں بعض نے فرمایا کہ اس سے وہ یہودی مراد ہیں جو پہلے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے پھر بچھڑا پوج کر کافر ہو گئے پھر توبہ کر کے مومن بن گئے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر کے کافر ہو گئے۔ پھر حضور ﷺ کا انکار کر کے کفر میں اور بڑھ گئے یہ پانچ پلٹے پانچ دفعہ میں کھائے بعض نے فرمایا کہ اس سے وہ منافقین مراد ہیں جو اولاً کلمہ ایمان ظاہر کر کے بظاہر مومن ہو گئے پھر کفار سے بولے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں یہ کہہ کر کافر ہو گئے پھر مسلمانوں سے مل کر بولے کہ ہم تو ایمان لا چکے ہیں پھر بظاہر مومن بن گئے پھر کفار کے ساتھ مل کر کافر ہو گئے پھر کفر میں مر گئے تو انہوں نے پانچ کفر میں اضافہ کرلیا بعض نے فرمایا

اضافہ کرلیا بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ مرتدین ہیں جو بارہا ایمان لاکر بار بار مرتد ہو جاتے ہیں غرضیکہ اس کی بہت تفسیریں ہیں۔ لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِ یَھُمْ سَبِیْلاً یہ عبارت اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ کی خبر ہے جیسے اس جملہ میں چند احتمال تھے ایسے ہی اس جملہ میں بھی چند احتمال ہیں اگر وہاں اَزْدَادُوْ کُفْرًا سے مراد تھا کفر پر مرجانا تب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جو کفر پر مر گیا اللہ اسے بخشے گا نہیں کہ کافر کی بخشش نہیں اور نہ انہیں جنت کی راہ دکھائے اور اگر اَزْدَادُوْ کُفْرًا سے مراد تھا یہود کا حضور پر ایمان نہ لانا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تک وہ لوگ کافر ہیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ نہ انہیں بخشے گا نہ انہیں اپنے تک آنے کی راہ دکھائے گا اور اگر مراد تھا بار بار مرتد ہونا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نہ ایمان پر مرنے کی توفیق دے گا۔ جس سے ان کی بخشش ہو جاوے نہ ان کے دل میں ایمان راسخ ہوگا غرضیکہ اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں اور کسی تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں۔

خلاصۂ تفسیر تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس پہلی آیت کی قریباً دس تفسیریں ہیں جن میں سے بعض قوی ہیں۔ بعض ضعیف ہم ان میں سے ایک تفسیر جو بہت قوی ہے اس کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ابھی اپنے پر مطمئن نہ ہو ابھی منزل دور ہے راہ مار بہت ہیں ایمان پر مرتے دم تک قائم رہو کہ اللہ پر اس کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ پر اور اس کتاب پر جو ان پر آہستگی سے اتری اور تمام ان کتابوں پر جو اگلے نبیوں پر اتریں ایمان قبول کیے رہو ان میں سے کسی چیز کا انکار اپنے دل میں نہ آنے دو خیال رکھو کہ بڑا پرانا مسلمان بھی اگر اللہ تعالیٰ یا اس کے فرشتوں یا اس کی کسی کتاب یا اس کے کسی رسول کا یا قیامت کا انکار کر بیٹھے تو وہ ایسا پرلے درجے کا گمراہ ہوگا جسے ایمان سے کوئی تعلق نہ رہے گا ایمان سے بہت دور جا پڑے گا جو لوگ ایمان لائیں پھر کافر ہو جائیں پھر ایمان لائیں پھر کافر ہو جاویں پھر کفر میں بہت ترقی کر جاویں کہ کفر پر ہی مر جائیں ایسوں کو نہ تو اللہ تعالیٰ بخشے گا نہ انہیں جوابات منکر نکیر کی نہ جنت کی راہ دکھائے گا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نجات کا مدار توحید نہیں ایمان ہے اس لئے رب نے قرآن میں حضور نے حدیث میں کہیں۔ توحید کا حکم نہیں دیا ایمان کا حکم دیا بلکہ قرآن و حدیث اقوال صحابہ میں توحید کا لفظ بھی نہیں آیا بلکہ توحید کا کوئی مشتق ماضی مضارع اسم فاعل اور اسم مفعول وغیرہ الفاظ نہیں آئے ایمان کا مصدر بلکہ اس کے تمام مشتقات قرآن کریم و احادیث میں مذکور ہیں۔ اِیْمَان، آمَنَ، یُؤْمِنُ، مُؤْمِنِیْنَ، مُؤْمِنَاتْ سب موجود ہیں لہٰذا الفاظ توحید بولنا اپنا نام موحد رکھنا بدعت ہے نری توحید لعنت، عذاب، جہنم کا راستہ ہے۔ ایمان رحمت ثواب اور جنت کا راستہ ہے۔ شیطان کو ایمان سے محرومی توحید کے نشہ نے ہی لعنتی بنا دیا رب تعالیٰ نے ہمارا نام مسلم مومن رکھا موحد نہیں رکھا ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ (حج: ۷۸) خیال رہے کہ توحید و ایمان میں چند طرح فرق ہے۔ رب کی ذات و صفات کو عقل کی ذریعہ پہچاننا توحید ہے اور پیغمبر کی معرفت سے پہچاننا ایمان ہے اور صرف رب کی ذات و صفات کو ماننا

توحید ہے اور اللہ کو نبی سے الوہیت کو نبوت سے ملانا ایمان ہے ان کو جدا کرنا کفر اسی لئے یہاں اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ فرمایا وَحْدَہٗ اللّٰہ نہ فرمایا دیکھو ہماری کتاب اسلام کی چار اصطلاحیں۔ **دوسرا فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کو دو قسم کے صفات بخشے ہیں بعض وہ جن کا مشاہدہ ہوتا ہے جو کفار بھی مانتے ہیں۔ جیسے حضور کا بشر ہونا کھانا پینا فرزند عبداللہ ہونا کی مدنی ہونا وغیرہ اور بعض وہ جو غیب ہیں۔ جیسے حضور کا رسول ہونا خاتم النبیین ہونا شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین ہونا وغیرہ پہلی قسم کے صفات کو ماننا ایمان بالرسول نہیں ورنہ ابوجہل بلکہ ابلیس بھی مومن ہوتا کہ وہ حضور کو بشر وغیرہ مانتا ہے دوسری قسم کے صفات کا ماننا ایمان ہے یہ فائدہ وَرَسُوْلِہٖ سے حاصل ہوا کہ رب نے یہاں رَسُوْلِہٖ فرمایا بشر وغیرہ نہ کہا کلمہ میں پڑھتے ہیں محمد رسول اللہ۔ **تیسرا فائدہ**: کوئی مسلمان اپنے ایمان واعمال پر ناز نہ کرے اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ حسن خاتمہ کی دعا کرے کہ خاتمہ کا اعتبار ہے اس پر نجات کا مدار ہے یہ فائدہ اٰمِنُوْا امر کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کہ یہاں مسلمانوں کو ایمان پر قائم رہنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ **چوتھا فائدہ**: ایمان بالتفصیل اختیار کرنا چاہئے یعنی مسلمان یہ جانیں پہچانیں کہ کس کس چیز پر میرا ایمان ہے توحید رسالت قرآن مجید وغیرہ بالکل اجمال نہ چاہیئے کہ ہم مسلمان ہیں یہ خبر نہ ہو کہ کس چیز کو مان کر مسلمان بنے یہ فائدہ اٰمِنُوْا کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ تفصیل وار ایمان قبول کرو۔ **پانچواں فائدہ**: اہل کتاب بلکہ منافقین و مشرکین کو بھی لغۃً مومن کہہ سکتے ہیں کہ اہل کتاب اپنی کتاب پر ایمان رکھتے اور منافق ایمان ظاہر کرتے ہیں اور میثاق کے دن سب ہی ایمان لائے تھے جیسا کہ اٰمَنُوْا ماضی کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا اس طرح لغۃً مومن کو کافر کہا گیا ہے یعنی بتوں کا انکار کرنے والا رب فرماتا ہے فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ (بقرہ:۲۵۶) مگر شرعاً یہ استعمال درست نہیں شریعت میں مومن کو کافر اور کافر کو مومن کہنا ہرگز جائز نہیں جو شخص اپنے کو کافر کہے اور ہو مسلمان اور کافر سے مراد لے کافر بِالطَّاغُوْتِ تو اگرچہ درست کہتا ہے مگر گنہگار ہے بلکہ اسکے کفر اندیشہ ہے حضرت خسرو نے جو اپنے کو کافر کہا ہے۔ کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست۔ وہاں عشق کا لفظ فرما کر بات ظاہر کر دی ہے یعنی میں عشق چھپائے ہوئے ہوں مجھے اظہار کی ضرورت نہیں۔ **چھٹا فائدہ**: ایمانیات میں رسول پر ایمان کا وہی درجہ ہے جو ایمان باللہ کا درجہ ہے کہ جیسے اللہ پر ایمان ضروری ہے ایسے ہی حضور پر ایمان اسی درجہ کا لازم ہے جیسا کہ وَرَسُوْلِہٖ فرمانے سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: کتاب پر ایمان لانا رسول پر ایمان لانے کے بعد ہے پہلے رسول اللہ کو مانو پھر کتاب کو جیسا کہ وَالْکِتٰبِ مؤخر کرنے سے معلوم ہوا اسی لئے کلمہ میں توحید و رسالت کا ذکر ہے۔ کتاب کا ذکر نہیں نیز حضور ﷺ نے پہلی تبلیغ میں اپنا ذکر فرمایا رب کا ذکر فرمایا قرآن کا ذکر نہ فرمایا بعض لوگ صرف اللہ رسول پر ایمان لاتے ہی شہید ہو گئے۔ انہیں کتاب کا پتہ بھی نہ لگا اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو قرآن قرآن کی رٹ لگاتے ہیں قرآن والے محبوب کے نام شریف سے گھبراتے ہیں۔ مسلمان ان لوگوں کی قرآن خوانی سے دھوکہ نہ کھائیں بلکہ پہلے پتہ لگائیں کہ ان کے دل میں قرآن والے محبوب ﷺ کی عظمت بھی ہے یا نہیں۔ **آٹھواں فائدہ**: مسلمانوں کو قرآن مجید پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور دوسری کتب پر بھی اجمالی ایمان کافی ہے قرآن مجید پر تفصیلی ایمان ضروری ہے نیز

قرآن مجید پر عمل لازم ہے ان کتب پر عمل لازم نہیں یہ فائدہ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ الخ کی تاخیر سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ**: ایمانیات میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے تمام ایمانیات کا ماننا ایمان ہے جیسا کہ ضَلٰلاً بَعِیْدًا سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ**: کفر پر مرجانے والے کی بخشش ناممکن ہے اور وہ سوالات قبر اور قیامت میں کامیاب نہیں ہوسکتا ہر جگہ ناکام ہی رہے گا جیسا کہ ثُمَّ ازْدَادُوْا کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ (النساء:۱۱۶)۔ **گیارھواں فائدہ**: بار بار مرتد ہونے والے کا ایمان شرعاً معتبر نہیں (ردالمحتار) جیسا کہ ثُمَّ کَفَرُوْا کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا بلکہ بعض صورتوں میں جنگ کی حالت میں ایمان لانا معتبر نہیں ہوتا جبکہ بظاہر معلوم ہو رہا ہو یہ دھوکہ دینے کیلئے ایمان لا رہا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ یَوْمَ الْفَتْحِ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِیْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ (سجدہ:۲۹)۔ **بارھواں فائدہ**: مرے ہوئے کافر کو مرحوم و مغفور کہنا حرام ہے اس کے لئے ختم پڑھنا دعاء مغفرت کرنا ایصال ثواب کرنا سب حرام ہے یہ فائدہ لِیَغْفِرَ لَهُمْ الخ سے حاصل ہوا۔ ان کی بخشش ناممکن ہے اور ناممکن کی دعا کرنا حرام ہے...... سے مرحوم مغفور کہنا جھوٹ ہے جھوٹ بولنا حرام ہے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: یہاں مومنوں سے فرمایا گیا ایمان لاؤ اس میں تحصیل حاصل ہے جو محال ہے پھر یہ حکم کیوں دیا گیا یہ تو پہلے ہی سے مومن ہیں۔ **جواب**: اس کے بہت جواب تفسیر سے معلوم ہو چکے کہ اگر یہاں مسلمانوں سے خطاب ہو تو مطلب ہوگا ایمان پر قائم رہو مسلمانوں کو اس دعا کی تعلیم دی گئی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (فاتحہ:۶) حالانکہ وہ سیدھے راستہ پر تو پہلے سے ہی ہیں مطلب وہ ہی ہے کہ ہم کو سیدھے راہ کی ہدایت پر قائم رکھ۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں قرآن کا نام کیوں نہ لیا گیا اتنی دراز عبارت وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ کیوں فرمائی۔ **جواب**: چند وجھوں سے ایک یہ کی قرآن مجید پر ایمان لانے اس پر عمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضور پر اترا اگر حضور پر نہ اترتا تو نہ اس پر ایمان لانا واجب ہوتا نہ عمل دیکھو قرآن مجید لوح محفوظ میں تھا بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (بروج:۲۲) بلکہ گزشتہ کتابوں میں بھی کچھ نہ کچھ تھا وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ (شعراء:۱۹۶) مگر اس پر عمل جب ہی واجب ہوا جب حضور پر نازل ہوا اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ پر عمل نبوت کے گیارھویں سال میں روزے زکوٰۃ پر عمل بعد ہجرت ہوا جب کہ ان آیات کا نزول ہو گیا گویا علت ایمان کی طرف اشارہ فرمانے کے لئے یہ دراز عبارت ارشاد ہوئی۔ اگر حضرت جبریل یا رب جلیل براہ راست بندوں سے کچھ فرما دیتے تو عمل واجب نہ ہوتا جب تک کہ حضور کی زبان سے ادا نہ ہوتا دیکھو۔ وہ حدیث جہاں حضرت جبریل نے حضور سے پوچھا کہ ایمان، اسلام، احسان کیا ہے، صحابہ سے خود نہ فرمایا۔ دوسرے یہ کہ قرآن کے الفاظ معانی احکام اسرار وغیرہ اس طرح مانو جس طرح حضور پر اترے جیسے صلوٰۃ کے معنی نماز نہیں بلکہ دعا ہیں یا صوم کے معنی روزہ نہیں بلکہ

کچھ اور چیز ہیں تو وہ قرآن پر ایمان لایا ہی نہیں کیونکہ یہ معنی حضور پر نہیں اترے خیال رہے کہ الفاظ قرآن کا نزول کان شریف پر معانی قرآن کا نزول دماغ شریف پر اسرار کا نزول دل شریف پر ہوا رب فرماتا ہے **نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ** (بقرہ:۹۷) یہ نزول بغیر واسطہ فرشتہ ہوا الفاظ بواسطہ فرشتہ اسلئے **نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ** ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ بعض انبیاء پر نہ کتاب اتری نہ صحیفہ جیسے حضرت لوط و ہارون بعض پر دونوں اتریں جیسے موسیٰ علیہ السلام بعض پر صرف صحیفہ اترے نہ کہ کتاب جیسے حضرت ابراہیم۔ رب فرماتا ہے **صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى** (الاعلیٰ:۱۹) بعض پر صرف کتاب اتری صحیفہ نہیں جیسے حضرت عیسےٰ اور ہمارے حضور اسلئے یہاں **الْكِتٰبِ الَّذِیْ** فرمایا۔

تیسرا اعتراض: جب مسلمانوں پر فرض ہے کہ قرآن مجید پر بھی ایمان لائیں اور دوسری کتب پر بھی حضور پر ایمان لائیں اور دوسرے رسولوں پر بھی تو ہم لوگ حضور کے امتی کیوں کہلاتے ہیں سب رسولوں کے امتی ہوئے۔ **جواب**: ان ایمانوں میں دو طرح فرق ہے ایک یہ کہ ان رسولوں اور کتابوں پر اس لئے ایمان ہے کہ ہمارے رسول ہماری کتاب نے ان پر ایمان لانے کا حکم دیا لہٰذا انہیں ماننا درحقیقت اپنی کتاب اپنے رسول ہی کو ماننا ہے دوسرے یہ کہ ان رسولوں کتابوں کو یہ ماننا ہے کہ وہ برحق ہیں مگر اب منسوخ ہو چکے اب ان پر عمل جائز نہیں۔ قرآن اور حضور پر اس طرح ایمان لانا ہے کہ وہ برحق ہیں اور ان پر عمل واجب و لازم ہے اس لئے ہم حضور کے امتی ہیں ان رسولوں کے امتی نہیں۔

چوتھا اعتراض: ایمان کے ذکر میں رسول کا ذکر کتاب سے پہلے ہے اور بیان کفر میں کتب کا ذکر پہلے رسولوں کا بعد میں اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ **جواب**: ایمان میں عروج ہے کفر میں نزول عروج میں رسول کتاب پر مقدم ہے اور نزول میں کتاب رسول سے پہلے عروج کے معنی ہیں خلق سے خالق کی طرف توجہ اور نزول کے معنی ہیں خالق کے دروازے سے ہٹ کر خلق کی طرف آنا یعنی خالق تک پہنچانے والے رسول ہیں بذریعہ کتاب کے (تفسیر کبیر) ریل کو انجن کھینچتا ہے بذریعہ زنجیر کے زنجیر ریل کو کھینچتی نہیں بلکہ انجن کا اثر اس تک پہنچاتی ہے مگر ریل کے پہنچانے کے لئے زنجیر کا جڑنا ہی کافی ہے زنجیر کا ٹوٹنا رک جانے کا ذریعہ ہے انجن روکتا نہیں زنجیر کٹ جانا روکتا ہے۔

پانچواں اعتراض: قرآن کریم میں ہر جگہ کتاب الٰہی کے لئے نزول فرمایا جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے ھبوط بھی نزول ہی کے معنی میں ہے تو کہیں ھبوط کیوں ارشاد نہیں ہوتا۔ **جواب**: نزول کے معنی ہیں اترنا ھبوط کے معنی ہیں گرنا اترنے میں سوچ سمجھ ہوتی ہے جہاں چاہیں وہاں اترتے ہیں مگر گرانے پھینکنے میں یہ نہیں ہوتا کہیں جانا ہوتا ہے کہیں پہنچنا ہوتا ہے **اَنْزَلَ** فرما کہ یہ بتایا گیا کہ کتب کا نزول ہوا ہے جہاں رب نے چاہا وہاں کتب پہنچیں اس چاہنے میں ہزار ہا حکمتیں ہیں قرآن تمام کتب سے افضل تو افضل رسول پر ہی آیا۔

چھٹا اعتراض: بیان ایمان میں تین چیزوں کا ذکر فرمایا اللہ رسول کتاب مگر بیان کفر میں پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا یعنی فرشتوں اور قیامت کا بھی اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: اس لئے کہ اللہ رسول اور کتابوں پر صحیح طور

سے ایمان لے آنے میں فرشتوں اور قیامت پر ایمان حاصل ہو جاتا ہے کفر میں ایسا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ انسان اللہ رسول کتاب پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتا رہے مگر قیامت و فرشتوں کا انکار کر جائے اور ان کی آیتوں میں تاویل کرے جیسا کہ آج علی گڑھی نیچریوں کا حال ہے اس لئے کفر میں ان کی تصریح فرمادی (تفسیر کبیر)۔

ساتواں اعتراض: اگر یہاں آمَنُوْا ماضی میں اہل کتاب سے خطاب ہے تو ان سے کیوں فرمایا گیا کہ قرآن سے پہلی والی کتابوں پر ایمان لاؤ وہ تو ان پر پہلے ہی سے ایمان لائے ہوئے ہیں۔ **جواب:** دو وجہ سے ایک یہ کہ ان سے فرمایا گیا۔ اس قرآن پر بھی ایمان لاؤ اور ان کتب پر بھی اس طرح کہ اس مجموعہ کو مانو دوسرے اس لئے کہ قرآن کا انکار کر کے ان کتابوں پر ایمان میسر ہی نہیں ہوتا قرآن کا منکر توریت و انجیل کی ان آیتوں کو نہیں مانتا جن میں قرآن کو ماننے کی تاکید کی ہے۔

آٹھواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا وَالْكِتٰبِ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ کتاب واحد فرمایا گیا حالانکہ وہ کتابیں تو بہت ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں الف لام جنسی ہے اور کتاب سے مراد جنس کتاب ہے جنس ایک سے زیادہ سب پر صادق آتی ہے چونکہ وہ تمام کتابیں ہدایت دینے قرآن پر ایمان لانے کی تاکید کرنے۔ حضور کی بشارت دینے میں متفق ہیں اسلئے واحد فرمایا گیا گویا وہ تمام کتب ان چیزوں میں ایک ہی ہیں۔

نواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو بار بار مسلمان و کافر ہوتا رہے اس کی مغفرت نہیں مگر دوسری آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مغفرت ہے اگرچہ روزانہ ستر بار کفر و ایمان میں پلٹے کھائے مگر مرتے وقت ایمان نصیب ہو جائے تو مغفور ہے پھر اس آیت کا مطلب کیا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں ارشاد ہوا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا اور زیادتی کفر سے مراد ہے کفر پر مر جانا واقعی ایسے شخص کی مغفرت ناممکن ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے کھیل کھیلنے والے کو ایمان پر خاتمہ میسر نہیں ہوتا یا اس سے مراد کوئی خاص جماعت ہے جن کے متعلق علم الٰہی میں آچکا کہ کفر پر مریں گے لہٰذا یہ قانون نہیں ایک خاص جماعت کا ذکر ہے۔

تفسیر صوفیانہ اے وہ لوگو جو ایمان کی آڑ لے چکے ہو ایمان میں آجاؤ منافق اس شخص کی طرح تھے جو کسی کے مکان کی دیوار کے سایہ میں باہر رہتے ہوئے بیٹھ جاوے کہ وہ دیوار کے سایہ میں دھوپ سے تو بچ جاوے گا مگر لو، بارش، پالا وغیرہ سے نہ بچ سکے گا مخلص مومن اس شخص کی طرح ہے جو مکان میں رہے کہ وہ دھوپ لو، بارش، پالا ہر چیز سے بچے گا اور مکان کی ہر چیز استعمال کرے گا منافقین نے اسلام کی آڑ لے کر اپنے کو صرف اسلامی تلوار سے بچا لیا مومنین اسی ایمان کے ذریعے تلوار عذاب نار وغیرہ سب سے بچ گئے کہ یہ ایمان میں داخل ہو چکے تھے صوفیاء فرماتے ہیں کہ بعض لوگ وہ ہیں جو ایمان میں آجاتے ہیں بعض وہ کہ ایمان ان میں آجاتا ہے جو ایمان میں آجاوے [illegible] مگر جب [illegible] ہو جاتا ہے روٹی آگ میں جاتی

ہے تو جل جاتی ہے کوئلہ میں آگ آجاتی ہے تو وہ آگ بن جاتا ہے ہم دھوپ میں بیٹھیں تو سورج کے نور میں آجاتے ہیں۔ شیشہ دھوپ میں جاوے تو سورج کا نور اس میں آجاتا ہے تو وہ جگمگا جاتا ہے اس لئے ارشاد ہوا کہ اے ایمان میں آنے والو ایمان لاؤ۔ پھر ایمان کے تین درجے ہیں۔ اول مرتبہ ہے اِیْمَانٌ بِالْبُرْهَانْ دوسرا درجہ ہے اِیْمَانٌ بِالْمُشَاهِدَهِ وَالْعَیَانْ تیسرا درجہ ہے اِیْمَانٌ بِالْفَنَاءِ عَنْ غَیْرِ الرَّحْمَانْ پہلا درجہ عوام کے ایمان کا ہے دوسرا خواص کا تیسرا خاص الخواص کا۔ ایمان عوام کو ایمان بالغیب کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں شعر:

بندگی در غیب آید خوب وکش — حفظ غیب آید در استبعاد خوش

طاعت وایمان کنوں محمود شد — بعد مرگ اندر عیاں مردود شد!

ابراہیم علیہ السلام کا مردہ زندہ کر کے دیکھنا حضور کا معراج میں جا کر سب کچھ دیکھ آنا اسی مراتب ایمان میں ترقی کے لئے تھا یہاں حکم ہوا کہ اے برہانی ایمان والو عیانی ایمان لاؤ کہ اللہ رسول کتب سب کو مشاہدہ کرو اور مانو جب اللہ تعالیٰ اپنے صفات کی تجلی کسی بندہ پر ڈالتا ہے تو اس بندے کے تمام اجزاء اس کے آگے سربسجود ہو جاتے ہیں۔ پہلے اس کا دل ایمان بالغیب رکھتا تھا اب اس کا ہر بال ایمان جنانی قبول کر لیتا ہے فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا (اعراف: ۱۴۳)۔ جب رب تعالیٰ نے بندے پر تجلی ڈالی تو نفس کے پہاڑ کے ٹکڑے اڑ گئے اور موسیٰ قلب عبد بیہوش ہو کر گر گیا اس کا نام ایمان حقیقی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جب تک ایمان بیانی ہوتا ہے بندے کو قرار نہیں ہوتا اس حال میں وہ کبھی مومن مطمئن کبھی کافر غیر مطمئن رہتا ہے اگر اس اضطرار و پریشانی میں زیادتی ہو جاوے تو اسکی یہ زیادتی نا قابل معافی جرم ہے پھر اسے ایمان عیانی کی راہ نہیں ملتی مثنوی میں مولانا روم نے حکایت بیان کی کہ حضرت بایزید بسطامی کے زمانے میں ایک آتش پرست تھا لوگوں نے اس سے کہا کہ مسلمان ہو جا نجات پا جائے گا۔ اس نے کہا۔

گفت ایں ایماں اگر ہست اے مرید — آنکہ دارد شیخ عالم بایزید!

من ندارم طاقتِ آن تاب آن — کاں فزوں آمد ز کوشش ہائے جاں

گرچہ در ایمان و دین ناموقنم — لیک در ایمان او بس موقنم!

مومن ایمان اویم درنہاں — گرچہ مہرم ہست محکم بر دہاں!

باز ایماں خود گر ایمان شما است — نے بداں میلستم و نے مشتہا است

یعنی اگر تم مجھ کو بایزید والے ایمان کو دعوت دیتے ہو تو اس کی مجھ میں طاقت نہیں میں اگرچہ منہ سے کچھ نہیں کہتا مگر ان کے ایمان پر ایمان لاتا ہوں کہ واقعی وہ ایمان رب تعالیٰ تک پہنچا دیتا ہے اور اگر تم مجھے اپنے ایمان کی طرف دعوت دیتے ہو تو مجھے ایسے ایمان کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ کبھی اس قال کو حال بنائے ایمان عیانی کی لذت چکھائے (از روح البیان) خیال رہے کہ قرآن کریم نے یہاں پانچ چیزوں کو کفر مانا اللہ کا انکار، رسولوں کا انکار، کتابوں کا انکار وغیرہ مگر

کفریات ہزاروں ہیں یا اس لئے کہ رب کا منشا یہ ہے کہ میرے بندے کبھی میرے محبوب سے بے نیاز نہ ہو جاویں۔ چند کفر خود بیان فرمائے باقی کفر حضور نے بیان فرمائے جیسے چند حرام جانور قرآن نے بیان کئے باقی صدہا جانوروں کی حرمت حدیث شریف نے بتائی یا ان تمام کفریات کا مرجع یہ پانچ کفر ہی ہیں۔ نماز، روزہ کا انکار، ختم نبوت کا انکار قرآن کا انکار ہے، حضور کی بے ادبی بھی ان آیات قرآنیہ کا انکار ہے جس میں حضور کے ادب کا حکم دیا گیا حضرت صدیق اکبر نے زکوٰۃ کے انکار کرنے والوں اور مسیلمہ کذاب کو نبی ماننے والوں پر جہاد کیا ان حرکتوں کو کفر قرار دیا۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ
خوشخبری دیجئے منافقوں کو اس بات کی کہ واسطے ان کے عذاب ہے دردناک جو کہ بناتے ہیں
خوشخبری دو منافقوں کو کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر
الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ
کافروں کو دلی دوست بمقابلہ مسلمانوں کے کیا تلاش کرتے ہیں ان کے پاس
کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا ان کے پاس عزت ڈھونڈتے
الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى
آبرو کو بے شک عزت ساری اللہ کی ہے اور بے شک اتارا او پر تمہارے کتاب
ہیں تو عزت تو ساری اللہ کے لئے ہے اور بے شک اللہ تم پر کتاب
الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا
میں یہ حکم کہ جب تم سنو اللہ کی آیات کو کہ کفر کیا جا رہا ہے ان کا اور مذاق اڑایا جا رہا ہے ان کا تو نہ بیٹھو
میں اتار چکا کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ انکار کیا جاتا ہے اور ان کی ہنسی بنائی جاتی ہے تو ان لوگوں کے ساتھ
مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ
ساتھ ان کے حتیٰ کہ وہ لوگ مشغول ہو جائیں اس کے سوا دوسری بات میں تب تو تم بھی ان کی طرح ہو جاؤ گے
نہ بیٹھو جب تک وہ اور بات میں مشغول نہ ہوں ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو
اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۙ﴿۱۴۰﴾
بے شک اللہ جمع فرمانے والا ہے منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں سب کو
بے شک اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا

تعلقات

ان آیٰت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیٰت میں اجمالاً فرمایا گیا تھا کو بعض لوگ وہ ہیں جو کبھی ایمان لاتے ہیں کبھی کافر ہو جاتے ہیں تو انہوں نے ایمان و کفر کو ایک شغل سمجھ رکھا ہے وہ لوگ مغفرت کے لائق نہیں اب اس آیت کریمہ میں ان بدنصیبوں کا تقرر فرمایا جارہا ہے کہ وہ منافقین ہیں گویا یہ آیٰت کریمہ پچھلی آیٰت کی تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیٰت میں بار بار مومن کافر بننے والوں کا ذکر تھا اب ان کے اس مرض کی وجہ کا بیان ہے کفار سے محبت اور کفر کی طرف میلان گویا پچھلی آیت میں بیماری کا ذکر تھا اس آیت میں اس بیماری کی وجہ کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمان اس سے بچیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیٰت کریمہ میں مومنوں کے ایمان کافروں کے کفر کا ذکر تھا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ مومن کو عزت مسلمانوں کے پاس مل سکتی ہے کفار کے پاس نہیں مل سکتی مسلمان دھوکہ نہ کھائیں بہت لوگ عزت کے لئے کافر بن جاتے ہیں۔
چوتھا تعلق: پچھلی آیٰت میں کفر کا انجام بیان ہوا تھا مغفرت نہ ہونا راہ نہ ملنا اب مسلمانوں کو کفار کی صحبت سے بچنے کا حکم دیا جارہا ہے جو کفر کی اصل وجہ ہے جان کی حفاظت کے لئے سانپ سے بچو ایمان کی حفاظت کے لئے بے ایمانوں سے بچو۔

تفسیر

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۔ بَشِّرْ بشارت سے بنا بشارت وہ خبر ہے جس کا اثر بشرہ یعنی ظاہری کھال پر نمودار ہو جاوے کہ چہرہ کھل جاوے سننے والا پھڑک اٹھے یعنی بڑی خوشخبری یہاں خوفناک خبر کو بشارت فرمایا اظہار غضب کے لئے جیسے حاکم بدمعاش ملزم کو سزا سناتے ہوئے کہے لے مبارک ہو تو خوش ہو جا کہ میں تجھے پھانسی کی سزا دیتا ہوں۔ بَشِّرْ میں خطاب حضور ﷺ کو ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہر قرآن پڑھنے والے کو ہو باب تفعیل فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ آپ انہیں ہمیشہ یہ خبر عذاب دیتے رہیں یا انہیں خوب ڈرائیں **اَلْمُنٰفِقِيْنَ** سے مراد منافق اعتقادی ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے **بِاَنَّ** الخ **بَشِّرْ** کا مفعول بہ ہے ب زائدہ ہے **لَهُمْ** کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی یہ دردناک عذاب صرف منافقوں کے لئے ہے اتنا دردناک عذاب کافروں کو بھی نہیں۔ دردناک عذاب سے مراد ہے دنیا برزخ اور آخرت ہر جگہ دردناک عذاب۔ دنیا میں اس طرح کہ انہیں دل کا اطمینان و چین نصیب نہیں ہر دم فکر ہے کہ کہیں ہمارا نفاق نہ کھل جاوے نیک اعمال قبول نہیں اسلامی تبرکات ان کے لئے مفید نہیں دیکھو عبداللہ ابن ابی کو نہ تو حضور کے لعاب شریف نے فائدہ دیا نہ چادر شریف نے یہ ہے ان پر دنیاوی عذاب مرتے وقت اور قبر میں فرشتوں کی مار یہ ہے انہیں برزخ کا عذاب پھر انہیں آخرت کا سخت عذاب اس طرح رسوائی ذلت کے ساتھ دائمی سخت عذاب یا دوزخ کے نیچے درجہ کا عذاب جہاں سارے دوزخیوں کا خون و پیپ ان کی غذا ہو جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہوا **اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ** (النساء:۱۴۵) چونکہ منافق دنیا میں ہر کافر سے نفع حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے اس لئے انہیں ہر کافر کا فضلہ دوزخ میں کھلایا

جاوے گا ان بدنصیبوں کا تمام کفار سے زیادہ سخت عذاب ہوگا یعنی اے محبوب ﷺ یا اے قرآن پڑھنے والے تو منافقوں کو خبر دے دے کہ ان کیلئے خصوصی طور پر بڑا اور دناک عذاب ہے جو بیان سے باہر ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ یہ عبارت منافقین کے عیوب بیان فرمارہی ہے۔ یَتَّخِذُوْنَ سے مراد ہے دلی وجسمانی دوست بنانا، کافرین سے مراد یا تو یہود ونصاریٰ ہیں کیونکہ مدینہ منورہ میں اس وقت یہ ہی دو قومیں تھیں۔ جن سے منافقین محبت کرتے تھے مشرکین تو مکہ معظمہ میں رہتے تھے اور ہوسکتا ہے کہ مشرکین بھی مراد ہوں کیونکہ مدینہ کے منافقوں کو ان سے بھی محبت تھی اسلام کو مٹانے کے لئے ہر کافر اور مسلمانوں کا ہر دشمن ان بدنصیبوں کا دوست ہے کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کے دلی دشمن ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام تمام کفار کا مخالف ہے سب مل کر اسے مٹالو اس لئے وہ ہر کافر سے محبت کرتے ہیں۔ اولیاء جمع ہے ولی بمعنی مددگار، دوست، قریب یہاں سب معنی بن سکتے ہیں مگر پہلے معنی یعنی دوست زیادہ ظاہر ہیں۔ دُوْنِ کے معنی ہیں دور، مقابل، علیحدہ، سوا نہیں وغیرہ یہاں بمعنی مقابل ہے یعنی یہ منافق وہ بدنصیب ہیں جو مسلمان کے مقابلہ میں یا مسلمانوں کو چھوڑ کر ہر کافر کو جو مسلمانوں کا دشمن ہو دوست بناتے انہیں اپنا مشیر کار قرار دیتے ہیں۔ خیال رہے کہ کفار سے مدد لینا شرعاً جائز ہے مگر مسلمانوں کے مقابل کفار سے مدد لینا حرام یا کفر ہے وہ ہی یہاں مراد ہے اور صداقت محبت، مودت، ولایت، خلت سب قریباً ہم معنی ہیں مگر صدیق محبوب ولی مودود خلیل ان سب کے معنی ہیں دوست مگر ولایت وخلت دلی محبت کو کہتے ہیں کفار سے صداقت اور دنیاوی محبت کبھی جائز ہے کافر ماں باپ سے یہ پدری مادری محبت ان کے حقوق کی ادا درست ہے مگر ولایت یعنی دلی وجگری دوست کفار کو بنانا حرام ہے۔ ولی اللہ رسول اور سارے مومنین ہوسکتے ہیں اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (مائدہ:۵۵) مگر خلیل صرف اللہ رسول ہیں فرماتے ہیں لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا۔ مومن کے دل میں اللہ رسول مومنین کی محبت ہی چاہیئے کفار کی محبت نہ رہے گھر میں غیر کا سامان نہ رہے اپنا اپنے بال بچوں کا سامان رہے۔ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ یہ سوال ان کے دلی خیال کو ظاہر فرمانے کے لئے ہے جس میں اس دوست بنانے کی وجہ بیان فرمائی گئی یَبْتَغُوْنَ کا فاعل وہ ہی منافقین ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے، عِنْدَهُمْ کا مرجع کفار ومشرکین عزت کے لغوی معنی ہیں سختی و شدت چنانچہ سخت زمین کا اعزاز کہتے ہیں کہا جاتا ہے اِسْتَعَزَّ مَرَضُهٗ اس کی بیماری سخت ہوگئی نایاب اور کم یاب چیز کو عزیز کہا جاتا ہے کہ اسکے حاصل کرنے میں سختی ودشواری ہوتی ہے۔ جس بکری کا تھن سخت ہو دودھ کی دھار سختی سے نکلتی ہوا سے شاۃ عزوز کہتے ہیں عزیز بمعنی قوی جس کا مقابلہ سخت دشوار ہو۔ اصطلاح میں آبرو کو عزت کہتے ہیں کہ یہ سخت مشکل سے حاصل ہوتی ہے یعنی کیا یہ منافقین ان کفار کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں خیال رہے کہ منافقین کا خیال یہ تھا کہ اسلام چلے گا نہیں اور مسلمان بہت جلد ختم ہو جائیں گے۔ یہ باتیں چند روزہ ہیں ہم ان کی محبت میں کفار سے کیوں بگاڑیں اس آیت میں انکے اس خیال باطل کا ذکر ہے۔ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا یہ منافقوں کے مذکورہ خیال کی تردید

ہے یہ جملہ یا تو پوشیدہ شرط کی جزاء ہے اور ف جزائیہ ہے یا ایک پوشیدہ عبارت کی علت ہے اور ف تعلیلیہ لِلّٰہِ کا لام یا تو ملکیت کا ہے یا صلہ کا یعنی اگر ان کا یہ خیال ہے تو غلط ہے ساری عزتیں اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں جسے چاہے عزت دے یا حقیقی عزت تو اللہ تعالیٰ کی ہے ممکن تھا کہ منافقین کہہ دیتے کہ نہ تو ہم کو کفار سے محبت ہے نہ ہم ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں کیونکہ محبت و میلان دلی چیزیں ہیں اس لئے اب اس محبت و میلان کی علامت پہچان ارشاد ہو رہی ہے یعنی کفار کی بے دینی مجلسوں میں جانا ان کی ہاں میں ہاں ملانا۔ خیال رہے کہ اطباء اپنی کتب میں بیماریوں ان کے اسباب ان کے انجام پھر ان کی علامات کا ذکر کرتے ہیں پھر علاج و پرہیز بتاتے ہیں۔ قرآن کریم بھی طب ایمانی کی جامع کتاب ہے لہٰذا محبت کفار کی علامت بیان فرمانے کے لئے ارشاد ہوا۔ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ مکہ معظمہ میں مشرکین مکہ قرآن مجید اسلام کا مذاق اڑایا کرتے تھے تو قبل ہجرت مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ (انعام:۶۸) کہ جب تم کفار کو دیکھو کہ وہ ہماری آیات کا مذاق اڑانے میں مشغول ہیں تو ان سے منہ پھیر کر الگ ہو جاؤ حتی کہ وہ دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں۔ پھر جب مسلمان مدینہ منورہ آئے تو یہود و عیسائیوں کے پوپ پادری بھی یہ حرکتیں کرتے تھے اسلام کا مذاق اڑانا منافقین ان کے پاس بیٹھتے ان کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے انہیں قبل ہجرت کا وہ حکم یاد دلایا جا رہا ہے نَزَّلَ عَلَيْكُمْ سے مراد وہ ہی مکی آیت ہے جن میں کفار کے پاس بیٹھنے سے روکا گیا تھا۔ خیال رہے کہ نزول قرآن حضور ﷺ پر ہوا حضور کی معرفت سب مسلمانوں پر نزول ہوا چونکہ منافقین اپنے کو مسلمان کہتے تھے اسلئے عَلَيْكُمْ میں ان سے خطاب ہوا یعنی اے مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے منافقو سب مسلمانوں پر یہ حکم ہجرت سے پہلے نازل ہو چکا ہے کہ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ یُکْفَرُ بِهَا وَیُسْتَهْزَاُ بِهَا یہ عبارت آخر تک نَزَّلَ کا مفعول بہ ہے اَنْ اصل میں اِنَّکُمْ تھا اِنَّ کو اَنْ کر دیا اور اس کا اسم حذف کر دیا سَمِعْتُمْ میں خطاب مسلمانوں سے ہے، جس میں یہ منافقین اپنے دعوے کے مطابق داخل ہیں کیونکہ شریعت کے ظاہری احکام منافقین پر جاری تھے۔ اٰیٰتِ اللّٰہِ سے مراد یا قرآنی آیات ہیں یا حضور ﷺ کے معجزات یا خود حضور انور کی ذات بابرکات کہ یہ تمام رب تعالیٰ کی ذات و صفات کی نشانیاں ہیں اگر آیات قرآنیہ مراد ہوں تو یُکْفَرُ سے مراد ہے آیات قرآنیہ کا انکار کرنا انہیں جھٹلانا اور اِسْتِهْزَاء سے مراد ہے قرآن پاک کا مذاق اڑانا دل لگی کرنا یا کفر سے کوئی خاص کفر مراد ہے یعنی جب تم کفار کو سنو کہ وہ قرآنی آیات کا انکار کر رہے ہیں ان کا مذاق اڑا رہے۔ اِسْتِهْزَاء کے معنی اسکے اقسام پہلے پارہ میں عرض کئے جا چکے ہیں اور اگر اٰیٰتِ اللّٰہِ سے مراد حضور کے معجزات یا حضور کی ذات ہے تو کفر و استہزاء کے معانی بالکل ظاہر ہیں۔ فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ یہ جملہ اِذَا سَمِعْتُمْ کی جزاء ہے بیٹھنے سے مراد صرف بیٹھنا نہیں بلکہ ان کے ساتھ رہنا اس مجلس میں موجود ہونا مراد ہے لہٰذا ایسی مجلس میں کھڑا ہونا بھی حرام ہے جبکہ ان کی موافقت کرے یا خاموش رہے اگر ان کی تردید کے لئے وہاں بیٹھے یا

کھڑا ہو تو اس کا حکم دوسرا ہے حَتّٰی یَخُوْضُوْا۔ انتہا ہے فَلَا تَقْعُدُوْا کی یعنی کفار کے ساتھ بیٹھنا مطلقاً حرام نہیں ابھی تم ان کے بغیر ملے جلے دنیاوی کاروبار نہیں کر سکتے بلکہ اس وقت تک بیٹھنا حرام ہے۔ جب تک کہ وہ دوسری باتوں میں مشغول نہ ہو جائیں جب وہ اور باتوں میں لگ جائیں تو تم کو ان کے پاس بیٹھنے کی اجازت ہے۔ اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ یہ اس بیٹھنے کی سزا کا ذکر ہے کُمْ میں خطاب منافقین سے جو ہے کفار کی موافقت ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے لئے ایسی مجلسوں میں بیٹھتے تھے مِّثْلُهُمْ سے مراد کفر اور مذاق اڑانے کے گناہ میں ان کفار کی طرح ہونا ہے کیونکہ گناہ کرنا، کرانا، گناہ سے راضی ہونا اس کی حمایت کرنا سب گناہ ہے ایسے ہی کفر کرنا کرانا اس سے راضی ہونا اس کی حمایت کرنا سب کفر ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعًا یہ ان منافقوں کے اخروی عذاب کا ذکر ہے یعنی جیسے دنیا میں منافق و کفار مجلسوں میں ان حرکتوں میں متفق و جمع رہتے ہیں۔ ایسے ہی یہ دونوں جماعتیں دوزخ میں بھی جمع رہیں گی۔ خیال رہے کہ یہاں نفس دوزخ میں جمع رہنے کا ذکر ہے نہ کہ دوزخ کے کسی خاص طبقے میں جمع ہونے کا منافق سب سے بدتر طبقے میں ہوں گے جہاں عذاب بہت ہی سخت ہوگا کھلے کافر دوسرے طبقوں میں مگر دوزخ میں یہ سب ہوں گے پھر نوعیت عذاب دوزخ میں رہنے کی ہمیشگی ذلت خواری میں منافق و کافر یکساں ہوں گے اس لئے یہ دونوں جماعتیں جمع ہوں گی مسلمان گنہگار اگر دوزخ میں بھیجے گئے تو وہ نوعیت عذاب مقدار عذاب مدت عذاب میں کافروں سے جداگانہ ہوں گے کہ انہیں پاک وصاف کرنے کیلئے دوزخ میں رکھا جاوے گا کچھ روز کیلئے رکھا جاوے گا۔ ذلیل و خوار نہ کیا جاوے گا۔ کفار کو سزا دینے کیلئے ہمیشہ ذلت و خواری کے ساتھ رکھا جاوے گا لہٰذا یہ گنہگار مومن اگرچہ دوزخ میں جائیں گے مگر وہاں کفار کے ساتھ جمع نہ ہوں گے دوزخ میں ہونا اور ہے وہاں دوزخیوں کے ساتھ جمع ہونا کچھ اور یعنی اللہ تعالیٰ دوزخ میں منافقین و کفار دونوں کو جمع فرمانے والا ہے اس لئے آج دنیا میں یہ دونوں جمع ہو کر یہ حرکتیں کرتے ہیں یہاں کا اجتماع وہاں کے اجتماع کی خبر دے رہا ہے۔

خلاصہ تفسیر

اے محبوب ﷺ یا اے قرآن پڑھنے والے منافقوں کو یہ خوشخبری تو سنا دو کہ ان کے لئے مرتے وقت قبر میں حشر میں بہت ہی دردناک عذاب ہے مرتے وقت جان کی سخت کفر پر جان نکلنا قبر میں حشر میں امتحان میں ناکامی فرشتوں کی مار قبر کی دہشت وحشت گرمی تنگی اور دوسرے عذاب قیامت کی گھبراہٹ وہاں کی دھوپ شدت رسوائی پھر دوزخ کے نیچے طبقہ میں نہایت ذلت و خواری کے ساتھ پھینکا جانا تمام کفار کا خون پیپ فضلہ وغیرہ کھانا پینا سب کچھ ہی ان کے لئے ہے۔ خیال رہے کہ عذاب اور چیز ہے اور عذاب کا رنج والم محسوس ہونا کچھ اور اپریشن میں تکلیف ہوتی ہے مگر ٹیکہ لگا دینے سے اس تکلیف کا احساس نہیں ہوتا مصری عورتوں نے جمال یوسفی میں محو ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے کھال گوشت ہڈی کٹنے کی تکلیف ہوئی مگر اس کا احساس نہ ہوا اس لئے انہوں نے ہائے وائے نہ کی کفار و منافقین کو دوزخ میں عذاب بھی ہوگا اور عذاب کا دلی احساس بھی بعض گنہگار مومنوں

کو اگر چہ عذاب ہوگا مگر ان کے دلوں میں کفار کی طرح احساس نہ ہوگا اس لئے عذاب الیم کو کفار و منافقین سے خاص فرمایا گیا ہے مومن گنہگار کے دل میں نور ایمانی ہے جس سے وہاں احساس تکلیف نہ ہوگا یا کم ہوگا کافر کے دل میں وہ نور نہیں جس سے اسے احساس بہت ہی ہوگا بعض مومنوں کو دنیاوی تکالیف کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ منافق ایسے بے ایمان ہیں کہ مسلمانوں کے مقابل ہر کافر کو اپنا دلی دوست، مشیر، رازدار مددگار بناتے ہیں جو مسلمانوں کا دشمن ہو وہ ان بدنصیبوں کا گہرا دوست ہے مومن کو اولاً تو کافر سے محبت ہوتی ہی نہیں اگر ہو تو دلی محبت نہیں ہوتی مومن کا دل اللہ رسول کی محبت کے لئے وقف ہے منافقین تمام کفار کو دلی دوست جگری یار بنائے ہوئے ہیں۔ کیا یہ لوگ ان کفار کے پاس عزت و عظمت تلاش کرتے ہیں کیا ان کا خیال ہے کہ کفار سے ملنے جلنے میں عزت ملتی ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ رہنے میں ذلت و خواری ہے ان کا یہ خیال بہت غلط ہے کیونکہ عزت عظمت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جسے چاہے عزت دے جس سے چاہے عزت چھین لے اے منافقو تم پر تو مکہ معظمہ میں ہی یہ حکم نازل ہو چکا تھا قرآن کریم کی آیت اس بارے میں آچکی تھی کہ جب تم کسی قوم کو دیکھو کہ وہ اللہ کی آیتوں یعنی قرآنی آیات ہمارے محبوب ﷺ کے معجزات آپ کی ذات وصفات آپ کے کمالات کا انکار کر رہی ہے ان کا مذاق اڑا رہی ہے تو ان کی حمایت کے لئے ان کے ہاں میں ہاں ملانے کیلئے ان کی بکواس سننے کیلئے ان کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھو ان سے علیحدہ ہو جاؤ اور جب تک کہ وہ کفار دوسری باتوں میں مشغول نہ ہو جائیں تب تک ان کے پاس ہرگز نہ بیٹھو اس کے بعد ضرورت کیلئے بیٹھ سکتے ہو۔ خیال رکھو کہ اگر تم نے ایسی حالت میں کفار کے ساتھ نشست و برخاست کی تو تم بھی گناہ کفر بے دینی میں ان ہی کی طرح ہو جاؤ گے کہ وہ تو کفر بک کر مجرم ہوں گے تم کفر کی حمایت کر کے یا سن کر مجرم ہو جاؤ گے۔ خیال رکھو کہ اس اجتماع کا انجام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ منافقوں اور کھلے کافروں کو دوزخ میں جمع فرمادے گا کہ منافقوں کو کھلے کافروں کی طرح ذلت و خواری کا دائمی عذاب دے گا اگر تم چاہتے ہو کہ کل قیامت میں کفار سے دور رہو تو دنیا میں بھی ان سے علیحدہ رہو۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دنیا میں منافق لوگ مسلمانوں کے ساتھ رکھے گئے کہ ان پر شرعی احکام جاری کئے گئے مگر آخرت میں یہ لوگ کفار کے ساتھ ہوں گے کہ دنیا ظاہر کی جگہ ہے آخرت باطن کی جگہ ہوگی۔ جسمانیت کا ظہور یہاں ہے روحانیت کا ظہور وہاں ہوگا۔ **دوسرا فائدہ:** منافقوں کو دوزخ میں بمقابلہ کھلے کافروں کے زیادہ سخت عذاب ہوگا کیونکہ دنیا میں ان کا کفر بھی سخت تر تھا جیسا کہ لَهُمْ عَذَاباً اَلِيْماً میں لَهُمْ کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ تقدیم حصر کے لئے ہے۔ **تیسرا فائدہ:** کفار کے ساتھ دلی الفت و محبت طریقہ منافقین ہے مومن کو کفر سے گھن اور ہر کافر سے نفرت چاہئے خصوصاً مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار سے الفت کہ مسلمانوں سے نفرت ہو کفار سے محبت۔ نفاق صریح ہے جیسا کہ اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكَافِرِيْنَ سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** دینی و قومی غدار کہیں عزت نہیں پاتا نہ

مسلمانوں میں نہ کفار میں عزت دین پر قائم رہنے سے ہے۔ عزت اللہ تعالیٰ کی ہے اس کی عطا سے رسول اللہ ﷺ کی ان کے کرم سے مسلمانوں کی اگر عزت چاہیئے تو اسلام و مسلمانوں سے وابستہ رہو۔ درخت سے شاخ یا پتہ الگ ہو ہو کر سر سبز نہیں رہ سکتا اگر چہ اسے کتنا ہی پانی دیا جاوے شعر:

ملت سے اپنے رشتہ کو تو استوار رکھ وابستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

یہ فائدہ اَیَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَهُمُ الۡعِزَّةَ سے حاصل ہوا۔ مسلمان اس سبق کو بھول گئے ہم نے دیکھا کہ صلح کلی عالم کی نہ سنیوں میں عزت ہو نہ دوسروں میں سنی سمجھتے ہیں کہ یہ وہابی ہے وہابی سمجھتے ہیں کہ یہ سنی ہے استقامت ہزار کرامت سے افضل ہے۔ **پانچواں فائدہ**: کفر کرنا کفر کرانا کفر سے راضی ہونا سب کفر ہے اور کفر کے درجہ میں برابر بلکہ کفار کی مجلسوں میں جانا بلا ضرورت ہو تو حرام ہے انہیں سچا سمجھ کر ہو تو کفر ہے بد مذہبوں کے جلسوں ماتم کی مجلسوں، نوحہ، تبرا کی محفلوں میں شریک ہونا سخت جرم اگر چہ خود یہ حرکتیں نہ کرے اور اگر ان چیزوں کو اچھا سمجھ کر وہاں جائے تو خارج از اسلام ہے یہ فائدہ اِنَّکُمۡ اِذًا مِّثۡلُهُمۡ سے حاصل ہوا حتی کہ بے دینوں کی کتابیں دیکھنا بھی جرم ہے کہ اس میں خود بے دین ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ ایمان بہت اہم اور نازک چیز ہے سستی اور مضبوط چیز کی زیادہ حفاظت نہیں ہوتی نازک و قیمتی چیز کی حفاظت زیادہ۔ اینٹ پتھر میدان میں ڈالتے جاتے ہیں۔ روپیہ پیسہ مقفل صندوق میں زبان و آنکھ کی قدرت نے بڑی حفاظت فرمائی کہ زبان تو دانتوں کے درمیان ہونٹوں کے اندر رکھی کیونکہ یہ بہت اہم ہے آنکھوں کو حلقہ کے اندر رکھا پلکوں کے ڈھکنے لگائے اندر پانی بھرا کہ تنکا پڑ جائے تو پانی بہالے جائے ایمان اہم بھی ہے کہ آخرت کی تمام نعمتیں ایمان سے ہیں اور عمر بھر کا ایمان ایک لفظ میں ختم ہو جاتا ہے اس لئے قدرت نے اس کی حفاظت کا بہت انتظام فرمایا کفار کی صحبت سے بچانا اس قیمتی اور نازک نعمت یعنی ایمان کی حفاظت کے لئے ہے۔ **چھٹا فائدہ**: کفار کی تردید یا ان میں اسلام کی تبلیغ کے لئے ان کے جلسوں میں جانا عبادت ہے۔ حضور ﷺ نے سوق عکاظ وغیرہ کفار کے میلوں میں تشریف لے جا کر تبلیغ فرمائی ہے یہ فائدہ بھی مِّثۡلُهُمۡ سے ہی اشارۃً حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: دنیا میں جس کو جس سے الفت ہوگی۔ آخرت میں اس کے ساتھ اسے جگہ ملے گی دیکھو منافقین کو کفار سے الفت تھی تو رب تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَ الۡكٰفِرِيۡنَ الخ لہٰذا اگر کسی خوش نصیب بندے کو حضور ﷺ سے والہانہ محبت و الفت ہو تو ان شاء اللہ اس کا حشر حضور کے ساتھ ہوگا فرماتے ہیں حضور ﷺ اَلۡمَرۡءُ مَعَ مَنۡ اَحَبَّ انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرے گا اللہ تعالیٰ ہم گنہگاروں کا اپنا خوف اپنے محبوب کا عشق عطا فرماوے (ﷺ) جب کفار سے محبت عذاب کا باعث ہے بلکہ کفر ہے تو حضور ﷺ سے محبت ثواب کا باعث ہوگی اور ایمان کی جان محبت اللہ و رسول تمام عبادات سے اعلیٰ عبادت ہے خیال رکھو کہ کفار سے دلی محبت اللہ کی محبت کے لئے قینچی ہے اور حضور کی محبت اللہ کی محبت کے لئے سوئی دھاگہ قینچی کا کام ہے کاٹنا سوئی کا کام ہے جوڑنا کفار کی محبت اللہ سے الگ کرنے والی ہے۔ حضور کی

محبت بندوں کو اللہ سے جوڑنے والی دیکھو یہاں محبت کفار کو طریقہ منافقین قرار دیا پھر محبت صالحین حضور کی محبت کا ذریعہ ہے اور حضور کی محبت محبت الٰہیہ کا وسیلہ بڑے ڈول کو موٹے رسے سے باندھتے ہیں باریک تار اور پتلی رسیوں کے ذریعہ۔ نبوت سے وابستہ ہو ولایت کے ذریعہ۔ **آٹھواں فائدہ**: کفار کی مجلسوں میں شرکت اتنی بری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت میں ہجرت سے پہلے بھی آیات اتاریں اور بعد ہجرت بھی گویا اس کی ممانعت مکی بھی ہے مدنی بھی جیسا کہ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ الخ سے معلوم ہوا جیسے سورۂ فاتحہ شریف مکی بھی ہے مدنی بھی ایسے ہی یہ ممانعت مکی بھی ہے مدنی بھی اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم منسوخ نہیں تا قیامت باقی ہے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف منافقوں کو ہی دردناک عذاب ہوگا تو کیا کھلے کافروں کو دردناک عذاب نہ ہوگا دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو بھی دردناک عذاب ہے آیات میں تعارض ہے۔ **جواب**: منافقت کا دردناک عذاب صرف منافقوں کو ہے جیسے دوزخ کے نیچے طبقے میں ہونا یا تمام دوزخیوں کا خون پیپ فضلہ پینا، کفار کو دردناک عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہنا، ذلت وخواری وغیرہ غرضیکہ کفار کے لئے اور قسم کا دردناک عذاب ہے منافقوں کو دوسری قسم کا دردناک عذاب ہوگا لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستی جرم ہے تو کیا کفار و مسلمان دونوں سے دوستی رکھنا درست ہے۔ **جواب**: وہ کام زیادہ جرم کفر ہے اور یہ دوسرا کام یعنی دونوں قوموں سے الفت رکھنا جرم ہے مگر پہلی سے ہلکا یہاں سخت جرم کا ذکر ہے بلکہ حق یہ ہے کہ مومن وکافر دونوں قوموں سے الفت ہو سکتی ہی نہیں۔ ایمان نور ہے کفر تاریکی ایک دل میں دونوں چیزیں کیسے جمع ہو سکتی ہیں۔

تیسرا اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ بڑے بڑے کافر حتی کہ حضور کا قرین بھی حضور کی صحبت میں رہ کر مومن بن گیا حضرت ثمامہ نے صرف دو دن تک حضور کو دیکھا مومن ہو گئے مگر منافق حضور کے پاس رہ کر مومن نہ بنے کافر ہی رہی صحبت پاک نے ان میں اثر کیوں نہ کیا۔ **جواب**: اسلئے کہ ان کے دلوں کی تختی پر محبت کفار کے نقش جمے ہوئے تھے محبت یار کے نقش کیوں کر جمتے صحبت کے فیضان میں قصور نہیں ان دلوں میں قصور ہے۔

چوتھا اعتراض: حضور کی صحبت نے وہ نقش کیوں دھو نہ دیئے جب قرین شیطان اور دوسرے کفار کے دل سے وہ دوستیاں دھل گئیں ان کی تختی دل کیوں صاف نہ ہوئی۔ **جواب**: اس لئے کہ ان کے نقوش پکی روشنائی کے تھے بلکہ کھدے ہوئے تھے انہیں کون مٹائے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین کو اتنا سخت عذاب صرف اس لئے ہے کہ وہ کفار کو اولیاء یعنی مددگار یا دوست بناتے ہیں تو چاہیئے کہ سارے مسلمانوں کو سخت عذاب ہو کہ مسلمان بھی بہت دفعہ کفار سے مدد لیتے

ہیں اور بار ہا مسلمان کفار کو دوست بناتے ہیں کافر بیٹے سے مسلمان ماں باپ محبت کرتے ہیں۔ **جواب** : اس اعتراض کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کو مددگار بنانا عذاب کا باعث ہے اور کفار کو اولیاء یعنی دلی گہرا دوست بنانا کہ ان کی محبت دل میں سرایت کر جاوے یہ حرام ہے ان سے عارضی محبتیں جنہیں صداقت یا محبت کہا جاتا ہے وہ جائز ہے وہ محبت بھی ان کے کفر کی بنا پر نہ ہو اور کسی بنا پر ہو خیال رہے کہ محبت کفار محبت کردگار کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی اللہ والوں کی محبت محبت الٰہی کا تکملہ ہے کسی کے دشمنوں سے محبت اس کی محبت کے منافی ہے مگر اس کے دوستوں سے محبت اس کی محبت کا تکملہ ہے۔

چھٹا اعتراض :اس آیت کریمہ میں تو فرمایا گیا کہ عزت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے مگر دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ عزت اللہ تعالیٰ کی اس کے رسول کی اور مومنوں کی ہے دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: کوئی تعارض نہیں یہاں عزت کی ملکیت کا ذکر ہے کہ عزت کا مالک وہ ہی رب ہے اور وہاں عزت والا ہونے کا ذکر ہے کہ عزت والے اللہ تعالیٰ رسول مومن سب ہیں یا یہ کہو کہ یہاں عزت ذاتی کا ذکر ہے وہاں ذاتی عطائی دونوں کا ذاتی کامل دائمی عزت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اس کی عطا سے رسول ﷺ کو اور حضور کے کرم سے مسلمانوں کو عزت حاصل ہے۔

ساتواں اعتراض :اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو عزت میسر نہیں مگر آج دیکھا جارہا ہے کہ کفار کی بڑی عزت ہے آج امریکہ برطانیہ روس بلکہ ہندو بڑی عزت والے ہیں۔ **جواب** : یہاں دینی عزت کا حصر ہے اور کفار کو دنیاوی عزت حاصل ہے نیز یہاں دائمی عزت کا ذکر ہے کفار کو عارضی عزت حاصل ہے مسلمان بعد وفات بھی دلوں پر راج کرتے ہیں۔ خواجہ اجمیر داتا گنج بخش حضور غوث پاک امام حسین کے آستانوں پر ہندو عیسائی سر رگڑتے ہیں ان کے نام پر وجد کرتے ہیں یہ ہے اس عزت کا مظاہرہ۔

آٹھواں اعتراض :اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے پاس صرف اس وقت نہ بیٹھو جب وہ کفر یا آیات کا مذاق اڑا رہے ہوں۔ پھر ان کے پاس بیٹھو ملو جلو یہ بھی تو بے غیرتی ہے۔ **جواب**: کبھی دنیاوی کاروبار کے لئے ان کے پاس جانا ان کے پاس بیٹھنا پڑ جاتا ہے۔ اگر ان کے پاس بیٹھنا بالکل حرام کر دیا جاتا تو مسلمانوں کے کاروبار بند ہو جاتے اس لئے اس کی اجازت دی گئی۔

نواں اعتراض : اس آیت سے معلوم ہو کہ کفار کو کفر و بے دینی آیات کا مذاق اڑانے سے روکو مت صرف اتنا کرو کہ ان پاس سے بھاگ جاؤ یہ کہ کون سی بہادری ہے بھاگنا بزدلی ہے بھگانا بہادری ہے۔ **جواب**: یہ آیات اس وقت کی ہیں جب مسلمانوں میں کفار کو ان حرکات سے روکنے کی طاقت نہ تھی ان کے منہ میں پتھر نہ رکھ سکتے تھے جب رب تعالیٰ نے یہ طاقت دیدی تو مسلمانوں پر لازم ہو گیا کہ بزور قوت کفار کو ان حرکتوں سے روکیں اس کیلئے دوسری آیات واحادیث ہیں بعض لوگوں نے جو ان آیات کو منسوخ کہا ہے ان کا مطلب یہ ہی ہے کہ یہ آیات شدت کی

آیات سے منسوخ ہیں مگر حق یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں اس کا مقصد ہی کچھ اور ہے جو نا قابل نسخ ہے یعنی کفار کے پاس ان کے کفر کی حمایت میں بیٹھنا حرام ہے وہ اب بھی حرام ہے اور قیامت تک حرام رہے گا۔

دسواں اعتراض :اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار و منافقین سب کے سب دوزخ میں یکجا ہوں گے مگر دوسری آیت میں فرمایا گیا کہ منافقین دوزخ کے نیچے طبقے میں ہوں گے یعنی کھلے کافروں اور منافقوں کے درجے الگ الگ ہوں گے آیات میں تعارض ہے۔ **جواب**:کوئی تعارض نہیں یہ دونوں قومیں دوزخ میں جمع ہوں گی اگرچہ درجوں میں الگ الگ ہوں۔ بعض قیدی اے کلاس میں ہوتے ہیں۔ بعض بی میں بعض سی میں مگر جیل میں سب ہوتے ہیں ایسے ہی یہ بھی ہوں گے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ منافق و کفار اگرچہ علیحدہ علیحدہ طبقوں میں ہوں گے مگر کبھی کبھی اکٹھے بھی ہوا کریں گے۔ جیسے ہر درجہ کے قیدی کبھی مل جل کر سزا دیئے جاتے ہیں بہرحال آیات میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ دنیا کی الفتیں محبتیں لگاؤ کھچاؤ وہاں کی روحانی تعارف و پہچان کا نتیجہ ہیں۔ یہاں منافقوں کا کفار سے محبت کرنا اس لئے ہے کہ ان کی روحیں کفار کی ارواح کی ہم جنس ہیں روح مومن روح منافق الگ الگ جنس کی فردیں ہیں۔

حکایت مکہ معظمہ میں ایک بی بی بہت خوش طبع ہر ایک کو ہنسانے والی تھی وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ پاک آئی اتفاقاً یہاں مدینہ طیبہ میں ایک بی بی اسی صفت کی تھی نہایت خوش طبع ہر بی بی کو خوش رکھنے ہنسانے والی یہ بی بی صاحبہ مہاجرہ اس بی بی انصاریہ کے ہاں ٹھہری اسی کے ساتھ رہنے بسنے لگی ایک روز حضور ﷺ نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا وہ اضحوکہ مہاجرہ کہاں اتری ام المومنین بولیں مدینہ والی اضحوکہ انصاریہ کے ہاں حضور ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا روح اپنی ہم جنس کے پاس پہنچی۔

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز　　　کبوتر با کبوتر باز با باز!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ عزت تین قسم کی ہے عزت کسبی، عزت وہبی، عزت عطائی، عزت کسبی وہ جو اپنے عمل وکسب سے حاصل کی جاوے وہبی عزت وہ جو ماں باپ وغیرہ کی نسبت سے کسی کو حاصل ہو عطائی عزت وہ جو بغیر کسی ظاہری ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے حاصل ہو۔ پہلی دو عزتیں ناقص بھی ہیں فانی بھی تیسری یعنی عطائی عزت کامل بھی ہے باقی بھی چراغ کی روشنی تیل بتی وغیرہ اسباب سے ہے وہ ایک پھونک یا تیز ہوا سے ختم ہو جاتی ہے اور چاند وسورج کی روشنی عطا الٰہی سے ہے وہ کسی کی پھونک یا ہوا سے نہیں ختم ہوتی منافقین کفار کے پاس کسبی عزت لینے جاتے تھے۔ مسلمانوں نے حضور کے وسیلہ سے عطائی عزت حاصل کی درخت کے پتے وغیرہ جڑ کے وسیلہ سے پانی کھاد دھوپ و ہوا کا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ ہرے رہتے ہیں درخت سے الگ ہو کر پانی کھاد دھوپ ہوا سب کچھ پائیں مگر سوکھ جاتے ہیں۔ حضور سے الگ ہو کر قرآن وغیرہ کے ذریعہ ہم ایمان یا عزت نہیں پا سکتے دنیا آخرت کا آئینہ ہے جو وہاں ہونے والا ہے اس کی

جھلک یہاں نظر آ رہی ہے دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں منافقوں و کفار کا گٹھ جوڑ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ وہاں دوزخ میں کفار و منافقین کو جمع فرمانے والا ہے یہاں کا اجتماع وہاں کے اجتماع کو ظاہر کر رہا ہے لہٰذا دل والوں کو چاہئے کہ نفس والوں سے الگ رہیں ورنہ وہ بھی نفس والوں کی طرح نفس والے بن جائیں گے بلکہ ان کے دل نفس ہو جائیں گے۔

نخست موعظہ پیر مجلس ایں حرفست — کہ از مصاحب ناجنس احتراز کنید

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ ہم تمہاری قوم کے ساٹھ ہزار بد اور چالیس ہزار نیکوں کو ہلاک کریں گے آپ نے عرض کیا الٰہی نیک کاروں پر ہلاکت کیوں آئے گی فرمایا اس لئے کہ یہ ان بدوں کے ہم پیالہ ہم نوالہ ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرب و بعد دلی معتبر ہے نہ کہ جسمی ابوجہل حضور سے قریب ہوتے ہوئے بھی دور رہا اور حضرت اویس قرنی دور رہتے ہوئے حضور میں رہے۔ خیال رہے کہ سچی اور نہ مٹنے والی عزت اللہ تعالیٰ کی ہے اس نے اپنے حبیب کو عزت بخشی پھر حضور کے ہاتھوں ان کے غلاموں مسلمانوں کو ملی کفار کی عزت دھوکہ ہے ذلت بدشکل عزت نمودار ہے جس کے لئے قرار نہیں گھڑے کا پانی ختم ہو جاتا ہے نلکا کا پانی کبھی ختم نہیں ہوتا کہ نلکے کا کنکشن پانی کے مرکز سے ہے۔ مسلمان کی عزت کا تعلق حضور ﷺ سے ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوتی مومن کی قبر کی مٹی بھی عزت والی ہے۔ کفر و الحاد کی مجلس گرد و غبار ہیں شیشہ دل کو ان سے دور رکھو ورنہ میلا ہو جاوے گا۔ (از روح البیان مع زیادۃ)۔

اَلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ج فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ
وہ جو انتظار کرتے ہیں تمہارے متعلق پس اگر ہو تمہاری فتح اللہ کی طرف سے تو کہتے ہیں کیا نہ تھے
وہ جو تمہاری حالت تکا کرتے ہیں تو اگر اللہ کی طرف سے تم کو فتح ملے کہیں کیا ہم تمہارے
نَكُنْ مَّعَكُمْ ز وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ لا قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ
ہم ساتھ تمہارے اور اگر ہو واسطے کافروں کے حصہ تو بولیں کیا نہ قدرت رکھتے تھے ہم
ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کا حصہ ہو تو ان سے کہیں کیا ہمیں تم پر قابو نہ تھا
عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ط فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط
تم پر اور روکا ہم نے تم کو مسلمانوں سے پس اللہ فیصلہ فرمائے گا درمیان تمہارے دن قیامت کے
اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچایا تو اللہ تم سب میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا
وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ع (۱۴۱)
اور ہرگز نہ کرے گا اللہ واسطے کافروں کے مسلمانوں پر کوئی راستہ
اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں منافقوں کی کفار دوستی کا ذکر تھا اب ان منافقوں کی مسلمان دشمنی کا تذکرہ ہے کہ وہ کافروں کے دوست ہیں تمہارے دشمن۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں منافقین کی عزت کی طلب کا ذکر فرمایا گیا کہ یہ لوگ کفار سے دوستی رکھتے ہیں جان طلبی کے لئے اب ان کی حرص مال کا ذکر ہے کہ یہ لوگ مال کے بھی حریص ہیں جدھر مال ادھر ہی ان کا خیال۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ کفار کی حمایت کرنے والا انہی کی مثل ہوگا اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ کفار کی طرح منافق بھی ایک حال پر قائم نہیں رہتے یہ کفار کی دوستی و محبت کا نتیجہ ہے قرار و ثبات اللہ تعالیٰ مومن کو ہی دیتا ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ منافقوں کو کفار سے محبت ہے نہ کہ تم مسلمانوں سے جس کا ایک ثبوت تو یہ دیا گیا کہ وہ کفار کی ناجائز مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں اور دوسرا ثبوت اب دیا جا رہا ہے کہ وہ تمہاری شکست کفار کی فتح پر بھی خوشیاں مناتے ان سے مال مانگتے ہیں یعنی ان کی محبت کفار کا ذکر پہلے تھا اس محبت کی ظاہری علامات یا محبت کی وجہ اب بیان ہو رہی ہے۔

تفسیر

اَلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۔ یہاں **اَلَّذِيْنَ** میں چند احتمال ہیں یا تو یہ گزشتہ **اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ** کا بدل ہے یا **جَامِعُ الْمُنَافِقِيْنَ** میں جو **مُنَافِقِيْنَ** تھا اس کی صفت ہے پہلی صورت میں یہ منصوب ہے دوسری صورت میں مجرور یا پوشیدہ فعل ذم کا مفعول بہ ہے لہٰذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں **يَتَرَبَّصُوْنَ** **تَرَبُّصٌ** سے بنا جس کا مادہ **رَبْصٌ** ہے **تَرَبُّصٌ** کسی چیز کے حاصل ہونے یا زائل ہونے کے انتظار کو کہتے ہیں رب فرماتا ہے **تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ** (طور:۳۱) اور فرماتا ہے **وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ** (بقرہ:۲۲۸) یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں تمہاری شکست کا انتظار کرتے ہیں تاکہ وہ خوش ہوں یا تمہاری فتح و کامرانی کے منتظر ہیں کہ وہ غنیمت میں حصہ لیں **بِكُمْ** یا تو **يَتَرَبَّصُوْنَ** کا مفعول ہے ب زائدہ، یا دراصل **وقوع امر بکم** تھا **وقوع** مفعول اور **بِكُمْ** اس پوشیدہ وقوع کا متعلق ہے (روح المعانی) یعنی اللہ تعالیٰ ان منافقوں کو کافروں کے ساتھ دوزخ میں جمع فرما دے گا جو تمہارے متعلق حادثات کا انتظار کرتے رہتے ہیں کہ مسلمان کب کسی مصیبت کا شکار ہوں اور ہم خوشیاں منائیں۔ **فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ** یہ جملہ **يَتَرَبَّصُوْنَ** کا بیان ہے فتح کے معنی ہیں کھل جانا جنگ میں کامیابی کو فتح اس لئے کہتے ہیں کہ اس کامیابی سے دشمن کا ملک فاتحین کے لئے کھل جاتا ہے جہاد میں کامیابی کو فتح اس لئے کہتے ہیں کہ اس کامیابی سے دنیاوی ترقی کے دروازے دین کی تبلیغ کے دروازے اللہ کی رحمت کے دروازے جنت کے دروازے غازیوں کے لئے کھل جاتے ہیں یہاں فتح کی تنوین تعظیم کیلئے ہے کیونکہ جہاد میں فتح رب تعالیٰ کی عظیم الشان رحمت ہے اسی لئے فرمایا گیا **مِنَ اللّٰهِ** یہ جو فتح محض تمہاری کوشش ہتھیار وغیرہ سے نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی

ہے۔ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ یہ عبارت فَاِنْ کی جزاء ہے قَالُوْآ کا فاعل وہی منافقین ہیں لَمْ نَكُنْ کہہ کر بتا رہے ہیں کہ ہم پہلے سے ہی تمہارے ساتھ ہیں معیت و ہمراہی سے مراد ہے کلمہ پڑھنے نماز پڑھنے یا مسجدوں میں آنے میں تمہارے ساتھ ہیں یا جہاد میں تمہارے ساتھ چلے آئے تھے ہم بھی تمہاری طرح مجاہد غازی ہیں لہٰذا ہم بھی غنیمت میں تمہارے برابر کے حصہ دار ہیں اور ہوسکتا ہے کہ جہاد میں چلے جانے والے منافقین تو معیت سے مراد لیتے ہوں عمل کی ہمراہی یعنی ہم جہاد کرنے میں تمہارے ساتھ تھے اور مدینہ میں رہ جانے والے منافقین معیت سے مراد لیتے ہوں تعاون یا دین کی ہمراہی کہ اگرچہ تم جہاد میں تھے مگر ہم مدینہ میں رہ کر تمہارے گھربار کی دیکھ بھال کرتے تھے لہٰذا تعاون میں مذہب و ملت میں ہم تمہارے ساتھ تھے لہٰذا ہم بھی مال غنیمت کے حقدار ہوئے خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے ان کا یہ قول تردید کے لئے نقل فرمایا نہ کہ تائید کے لئے مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں وہ جہاد میں جاکر عمل جہاد میں تمہارے ساتھ نہیں مدینہ میں رہ کر تعاون و ایمان میں تمہارے ساتھ نہیں کیونکہ ان کے دل میں ان کی خیر خواہی تمہارے ساتھ نہیں بارگاہ الٰہی میں دل و جان و ایمان کی ہمراہی کا اعتبار ہے نہ کہ صرف جسم کی ہمراہی کا۔ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ یہ ان کی تصویر کا دوسرا رخ ہے کافرین سے مراد عام کفار خصوصاً یہود و نصاریٰ ہیں۔ جس سے عام طور پر مسلمانوں کی جنگیں رہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد مشرکین مکہ ہوں کہ منافقین ہر کافر کے فضلہ خوار تھے نَصِيْبٌ فرما کر یہ بتایا کہ کامیابی تو مسلمانوں ہی کو ہوتی ہے کفار کو کبھی عارضی غلبہ میں سے کچھ حصہ مل جاتا ہے وہ بھی مسلمانوں کی کسی غلطی کی وجہ سے جس سے مسلمانوں کو تھوڑی سی تکلیف پہنچ جاتی ہے اگر مسلمان صدق نیت سے جہاد فی سبیل اللہ کریں تو انشاء اللہ فتح ان کی ہی ہے۔ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ یہ عبارت وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ کی جزاء ہے اس قَالُوْا میں روئے سخن ان منافقین کا کفار کی طرف ہے یہاں بھی الف استفہام کے لئے ہے نَسْتَحْوِذْ کا مادہ حُوْذٌ ہے اس کے معنی ہیں غلبہ قابو رب فرماتا ہے اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ (مجادلہ:۱۹) ان پر شیطان غالب آ گیا ان پر شیطان نے قابو پالیا کبھی سختی سے اونٹ چلانے کو بھی حوذ کہتے ہیں جبکہ اونٹ چلنا نہ چاہے اسے پیچھے سے مار مار کر چلایا جائے کہا جاتا ہے حَاذَ الْاِبِلَ سختی اونٹ کو ہانکا چلایا یہاں نَسْتَحْوِذْ کے دونوں معنی ہوسکتے ہیں یعنی کیا ہم کو تم پر قابو و غلبہ نہ تھا ضرور تھا کہ ہم مسلمانوں کی مدد کرتے تم کو شکست دے دیتے مگر ہم نے ایسا نہ کیا تو تمہاری فتح ہوئی یا تم تو مسلمانوں کے مقابل آنے کی ہمت ہی نہ کرتے تھے ہم تم کو تھپکیاں تسلیاں دے دے کر تمہیں رغبت دے دے کر مسلمانوں کے مقابل لائے اور تم کو فتح ہوئی یہ فتح ہمارے کارناموں میں سے ایک کارنامہ ہے تم کو جنگ میں لانے والے ہم ہیں ہماری ہمت سے تم یہاں آئے یعنی تب کفار سے کہتے ہیں کہ کیا ہم کو تم پر قابو و غلبہ نہ تھا کہ ہم مسلمانوں کی مدد کر کے تم کو شکست دے دیتے یا تم پر ہمارا زور نہ تھا کہ ہم زور دے کر تم کو مسلمانوں پر چڑھا کر لا[illegible]تم کو فتح ہوئی۔ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ عبارت نَسْتَحْوِذْ پر معطوف ہے

لَمْ کے تحت میں ہے استفہام انکاری سے اس کا تعلق بھی ہے مومنین سے مراد مجاہد مسلمان ہیں۔ نَمْنَعْ بنا ہے منع سے یہ عطا کا مقابل ہے یعنی نہ دینا روکنا رب فرماتا ہے مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ (ق:۲۵) اور فرماتا ہے وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (ماعون:۷)۔ کبھی بچانے اور حفاظت کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے یہاں اسی معنی میں ہے اسی لئے اس کے بعد مِنْ آیا اس جملہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ کیا اس جنگ میں ہم نے تم کو مسلمانوں سے نہ بچایا کہ تم تک ان کی خبریں جاسوسی کر کے بھیجتے رہے ضعفاء مومنین کے دل میں تمہارا رعب ڈالتے رہے مسلمانوں سے ہمت توڑنے والی گفتگو کرتے رہے تب تم کو یہ فتح نصیب ہوئی دوسرے یہ کہ پہلے تم تو مسلمان ہو چکے تھے ہم نے تم کو اسلام سے متنفر کیا اور مومنوں کے زمرہ میں داخل ہو جانے سے بچایا ایمان لانے سے روک لیا آج تمہاری یہ فتح ہماری اس کوشش کا نتیجہ ہے (تفسیر کبیر و روح المعانی) لہٰذا اس مال و منال میں ہم کو بھی حصہ دو جو تمہیں اس جنگ میں مسلمانوں سے ملا۔ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یہ کلام منافقین پر غضب کے اظہار کیلئے اور مسلمانوں پر کرم فرمائی بندہ نوازی کے لئے ہے حکم سے مراد عملی فیصلہ ہے کیونکہ قولی فیصلہ تو دنیا میں بھی ہو چکا ہے بَيْنَكُمْ میں خطاب منافقین اور مخلص مومنین سب سے ہی ہے یعنی اے مسلمانوں تمہارے اور منافقین کے درمیان عملی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا کہ منافقین کفار کے ساتھ ہوں گے۔ تم سے الگ دنیا میں ان کے ظاہری کلمہ گوئی نماز وغیرہ کی وجہ سے وہ تمہارے ساتھ رہتے بستے ہیں دنیا کھیتی ہے جو قیامت میں کٹے گی اور اس دن دانہ بھوسہ علیحدہ کر دیا جاوے گا۔ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا یہ جملہ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ الخ پر معطوف ہے وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ میں یا تو قیامت کی خبر ہے یا دنیا کی کافرین سے مراد تمام کفار ہیں خواہ منافق ہوں یا مجاہر پھر مجاہرین میں خواہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین یا دوسرے لوگ سبیل کے معنی ہیں راستہ یہاں مراد غلبہ کا راستہ ہے لہٰذا اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں کفار کو مومنین پر غلبہ نہ دے گا دنیا میں جنگ ڈول کی طرح ہے کبھی تم کو فتح کبھی کفار کو ظاہری غلبہ مگر قیامت میں مومن غالب ہوں گے کہ ہماری رحمت میں ہوں گے کفار مغلوب کہ ہمارے عذاب میں ہوں گے یہ ہی حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تفسیر ہے دوسری یہ کہ اگرچہ دنیا میں کبھی ظاہری فتح کفار کو بھی ہو جاتی ہے مگر حقیقی دینی غلبہ اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر نہ دے گا کہ اسلام مغلوب ہو جاوے کفر غالب آ جائے کہ اسلام کی حقانیت کے دلائل نہ رہیں کفر کی حقانیت کے دلائل قائم ہو جائیں یا اسلام دنیا سے مٹ جائے کفر ہی کفر ہو جاوے یا کفار مسلمانوں کو مذہبی حیثیت سے فنا کر دیں یہ غلبہ کفار کو مسلمانوں پر کبھی نہ ہوگا الحمد للہ کہ رب تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمایا آج تیرہ سو برس سے زیادہ گزر جانے کے باوجود اسلام زندہ ہے مسلمان موجود ہیں اور اس گئے گزرے زمانہ میں بھی مسلمانوں کی تیس سلطنتیں دنیا میں موجود ہیں لہٰذا آیت بے غبار ہے۔

خلاصہ تفسیر

ان منافقوں کی بدذاتی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ یہ لوگ تمہارے متعلق انتظار کرتے رہتے ہیں خود کچھ نہیں کرتے تمہارے حالات کا جائزہ لیتے رہتے ہیں اگر رب تعالیٰ کی طرف سے تم کو فتح وظفر و کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ تمہارے دوست بن کر آتے کہتے کہ کیا ہم کلمہ میں نماز میں مسجد کی حاضری میں تمہارے ساتھ نہ تھے یا کیا ہم تمہارے ساتھ میدان جہاد میں نہ گئے یقیناً گئے تو لاؤ غنیمت وغیرہ میں ہمارا بھی حصہ ہم کو دو اور اگر کبھی اتفاق سے کفار کو ظاہری غلبہ سے کچھ حصہ مل جاوے تو کہتے ہیں اے کافرو ہمارے احسان یاد کرو کیا یہ بات درست نہیں ہے کہ ہم کو اس وقت موقعہ تھا کہ سچے دل سے مسلمانوں کی مدد کر کے تم کو شکست فاش دے دیتے مگر ہم نے ایسا نہ کیا ہم ان مسلمانوں سے الگ تھلگ رہے کہ جہاد کے میدان میں آ کر بھی تم سے لڑے نہیں اور کیا یہ بات درست نہیں کہ ہم نے تم کو مسلمانوں کو مار سے بچایا یا ان کی خفیہ جنگی خبریں تم کو برابر پہنچاتے رہے تمہارا رعب مسلمانوں کے دلوں میں ڈالنے کی کوشش کرتے رہے ہم نے ان کے ساتھ رہ کر کام تمہارا کیا تم کو ہر طرح بچایا لہٰذا تمہاری یہ فتح ہماری مدد سے ہے لہٰذا جنگ میں حاصل شدہ مال سے ہمارا حصہ ہم کو دو ان میں اور تم میں فیصلہ اور فاصلہ قیامت ہی میں ہوگا کہ تم جنت میں بھیجے جاؤ گے اور یہ منافق دوزخ میں رہا دنیا کا معاملہ تو یہاں یہ منافقین تمہارے ساتھ رلے ملے ہی رہیں اللہ تعالیٰ قیامت میں کافروں کو مسلمان پر خلط ملط ہونے کی راہ اس کا موقعہ نہ دے یا منافقین کفار کتنا ہی زور لگا لیں اللہ تعالیٰ کفار کو مسلمانوں پر غلبہ تام دنیا میں کبھی نہ دے گا کہ کفار اسلام کو مٹا دیں مسلمانوں کو فنا کر دیں دلائل و برہان سے اسلام کی حقانیت ختم کر دیں یہ کبھی نہ ہوگا اسلام تا قیامت رہے گا مسلمان ہی رہیں گے دینی غلبہ مسلمانوں ہی کا رہے گا۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جب کسی سے دلی الفت ومحبت نہ ہو تو زبانی جسمانی ہمراہی بیکار ہے سچی ہمراہی ہی دل و جان کی ہے دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے منافقین کا یہ قول **اَلَمۡ نَکُنۡ مَّعَکُمۡ** ان کے عیوب میں ذکر فرمایا اللہ تعالیٰ ہم گنہگاروں کو اپنے اچھوں کے ساتھ دل کی ہمراہی نصیب فرماوے۔ **دوسرا فائدہ**: مومن و کافر دونوں سے تعلق رکھنا کہ جسم سے مومن کے ساتھ رہے دل سے کافر کے ساتھ یہ منافقوں کا طریقہ ہے اور نقصان کا باعث ایسے لوگ دو گھر کے مہمان ہوتے ہیں اور اکثر دو گھر کا مہمان بھوکا رہتا ہے۔ جیسا کہ **اَلَمۡ نَسۡتَحۡوِذۡ عَلَیۡکُمۡ** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: مسلمان کا کفار کی خفیہ پولیس بننا اور کفار کو مسلمانوں کے خفیہ جنگی راز بتانا منافقوں کا طریقہ ہے جس میں آج بہت مسلمان گرفتار ہیں جیسا کہ **وَنَمۡنَعۡکُمۡ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ** کی ایک تفسیر معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: انشاء اللہ تمام دنیا کے منافقین و کفار متفق ہو کر بھی اسلام اور مسلمانوں کو مٹا نہیں سکتے جیسا کہ **وَلَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ** الخ کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا تجربہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر مسلمانوں کو نقصان خود مسلمانوں سے پہنچتا ہے مسلمانوں کی غداری ان کی شامت اعمال انہیں برباد کر ڈالتی ہے۔ **پانچواں فائدہ**: مسلمان کے خلاف کافر کی گواہی قاضی کے ہاں قابل قبول نہیں جیسا کہ

وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ الخ سے معلوم ہوا کہ اس میں بھی کافر کو مسلمان پر غلبہ دینا ہے۔ **چھٹا فائدہ**: مسلمان عورت کا کسی کافر سے نکاح درست نہیں یہ فائدہ بھی وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ الخ سے حاصل ہوا کیونکہ خاوند کو بیوی پر غلبہ ہوتا ہے۔

ساتواں فائدہ: کافر مسلمان غلام کو نہیں خرید سکتا کیونکہ مولیٰ کو غلام پر غلبہ ہوتا ہے اور کافر کا غلبہ مسلمان پر شرعا درست نہیں (شوافع) کافر شخص مسلمان غلام کو خرید تو سکتا ہے مگر اس سے خدمت نہیں لے سکتا بجز اس کے کہ اسے یا تو آزاد کردے یا اسے فروخت کردے صرف خریدنے میں غلبہ نہیں بلکہ خدمت لینے کے استحاق میں غلبہ ہے (حنفی، از روح المعانی)۔ **آٹھواں فائدہ**: مسلمان زوج کے مرتد ہوجانے سے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ مومنہ عورت فوراً اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے یہ فائدہ بھی وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ الخ سے حاصل ہوا کیونکہ اگر اب بھی مومنہ عورت اس کے نکاح میں رہے تو اس مرتد کو اس مومنہ پر غلبہ حاصل ہوگا یہ درست نہیں۔ **نواں فائدہ**: کافر رشتہ دار مسلمان میت کا وارث نہیں ہوسکتا کیونکہ وارث اپنے مورث کے مال پر غلبہ پاتا ہے اور کافر کا غلبہ مومن پر درست نہیں یہ فائدہ بھی سے وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ الخ سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ**: قیامت میں بلکہ مرتے ہی کسی کافر کو جنت کی کسی نعمت سے فائدہ نہ ہوگا۔ جنت اور وہاں کی نعمتیں صرف مسلمانوں کیلئے ہیں یہ فائدہ وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ سبیل سے مراد قیامت کے دن کا غلبہ وغیرہ ہو۔ **گیارھواں فائدہ**: جہاد میں بری نیت سے شرکت کرنا وہاں مسلمانوں کی شکست کفار کی فتح کی کوشش کرنا کفر اور طریقہ منافقین ہے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: جب منافقین ایسے بدباطن غدار اور بے ایمان تھے تو ان کو جہادوں، مسجدوں، نمازوں میں آنے کی اجازت ہی کیوں دی جاتی تھی جس سے انہیں ایسے بہانہ تراشنے کا موقعہ ملتا تھا۔ **جواب**: اس میں بہت سی حکمتیں تھیں اگر اس زمانہ میں ظاہری کلمہ گوئی کا اعتبار نہ ہوتا تو لوگ ایمان لانا چھوڑ دیتے کہتے کہ ایمان لاکر بھی ہمارے جان و مال محفوظ نہ ہوں گے مسلمان ہمارے ایمان کا اعتبار نہ کریں گے نیز اس صورت میں جنگ و جدال کا دروازہ کھل جاتا کہ جسے بھی دوسروں سے دشمنی ہوتی وہ اسے منافق کہہ کر قتل کرڈالتا اور بھی اس میں بہت سی حکمتیں تھیں زمانہ ءِ فاروق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمادیا تھا کہ نفاق کو اب کفر ہے یا اسلام یعنی اگر کسی کلمہ گو کے منہ سے یا عمل سے کفر ظاہر ہوا۔ وہ قتل کیا جاوے گا۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب الکبائر والنفاق کا آخر۔ زمانہ کی تبدیلی سے بعض احکام فرعیہ بدل جاتے ہیں۔

دوسرا اعتراض: یہاں مسلمانوں کی کامیابی کو فتح فرمایا گیا اور کفار کی جنگی کامیابی کو نَصِیْبٌ فرمایا گیا۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اس فرق کے بیان میں یہ بتایا گیا کہ مسلمانوں کی جنگی کامیابی اللہ کی رحمت ہے جس کے مسلمان بفضلہ تعالیٰ مستحق ہیں مگر کفار کی کامیابی رب تعالیٰ کی رحمت نہیں بلکہ مسلمانوں پر اظہار عتاب ہے کہ تم نے غلطی کی تم کو یہ سزا دی گئی اس کامیابی کے کفار حق دار نہیں کسی عارضی وجہ سے انہیں

اس سے حصہ مل گیا ہے۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **اَلَمۡ نَسۡتَحۡوِذۡ عَلَیۡکُمۡ** مگر صرفی قاعدے سے واؤ الف بن کر گر جانا چاہئے تھا۔ اس کا ماضی اِسۡتَحَاذَ، مضارع یَسۡتَحِیۡذُ آتا اور لَمۡ کی وجہ سے **اَلَمۡ نَسۡتَحِذۡ** ہوتا جیسا کہ **یقال یستعاذ** وغیرہ میں ہوا ہے۔ **جواب**: واؤ کو الف سے بدلنے کی پانچ شرطیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس تبدیلی سے لفظ دوسرے لفظ سے مشتبہ نہ ہو التباس سے بے خوفی ہو یہاں یہ بے خوفی نہ تھی یہاں اگر یہ تبدیلی کر دی جاتی تو معلوم نہ ہوتا کہ یہ حَوۡذٌ معتل واوی سے بنا ہے یا حَیۡذٌ معتل یائی ہے بنا اس لئے واؤ سلامت رہا۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین و مخلصین میں فیصلہ قیامت کے دن ہوگا تو کیا ان کا فیصلہ دنیا میں نہ ہو چکا قرآنی آیات نے فیصلہ تو یہاں ہی فرمادیا۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ یہاں دنیا میں صرف قولی فیصلہ ہوا عملی فیصلہ جس سے ان دونوں فریق میں فاصلہ بھی ہو جاوے نہ ہوا منافقین مخلصین کے ساتھ مخلوط رہے قیامت میں فیصلہ بھی ہو جاوے گا فاصلہ بھی یہاں فاصلہ والا فیصلہ مراد ہے لہٰذا آیت کریمہ صاف ہے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کبھی مسلمانوں پر کفار کا غلبہ نہ ہوگا مگر آج تو اکثر کفار ہی کا غلبہ ہو رہا ہے مسلمان دبے ہوئے ہیں پھر یہ آیت درست کیسے ہوئی۔ **جواب**: اس کے جوابات ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکے کہ یا تو یہاں اخروی غلبہ مراد ہے کہ قیامت میں یہ نہ ہوگا کہ کفار کو بخش دیا جاوے جس سے وہ غالب آ جاویں اور مسلمانوں کو دوزخ میں ٹھونس دیا جاوے جس سے وہ مغلوب ہو جاویں تب تو آیت بالکل ظاہر ہے اور آیت کی روش سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں اخروی غلبہ ہی مراد ہے کیونکہ ابھی اس آیت سے متصل قیامت کا ذکر ہو چکا ہے یا دنیاوی غلبہ مراد ہے تو دینی غلبہ یا استیصالی غلبہ مراد ہوگا یعنی اگر چہ مسلمان کبھی مغلوب ہو جاویں۔ اپنی کمزوری کی وجہ سے مگر دین اسلام ہمیشہ غالب رہے گا۔ اسکی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے **لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ** (فتح:۲۸) یا استحصالی غلبہ مراد ہے کہ کفار مسلمانوں کو جڑ سے نہ اکھیڑ سکیں گے کہ یہ قوم بالکل ہی ختم ہو جاوے۔ اسلامی غلبہ کی مستقل تفصیل ہماری کتاب مواعظ نعیمیہ میں **اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ** (آل عمران:۱۹) اور **اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ** (مائدہ:۳) کی تقریر میں ملاحظہ فرماؤ۔

چھٹا اعتراض: احادیث سے ثابت ہے کہ قریب قیامت مسلمان بالکل مٹ جائیں گے۔ اسلام دنیا سے ختم ہو جاوے گا صرف کفار ہی رہیں گے جن پر قیامت قائم ہوگی یہ واقعہ اس آیت کے خلاف ہوگا۔ **جواب**: اس موقع پر مسلمانوں کا ختم ہو جانا کفار کے ہاتھوں نہ ہوگا بلکہ ایک طیب ہوا چلے گی جس سے ہر مومن کی جان قبض کر لی جاوے گی اگر اس وقت مومن رہتے تو اللہ کا ذکر کرتے قیامت نہ آسکتی قیامت کی آفت جب آوے گی جب دنیا میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا غرضیکہ غلبہ کفار اور ہے اور یہ واقعہ کچھ اور۔

تفسیر صوفیانہ

صرف زبانی کلمہ جو دل میں داخل نہ ہو اس دانہ کی طرح ہے جو پتھر کے غبار یا چھتوں یا دیوار پر بارش کا پانی پا کر اگ جاوے جو فی الحال تو ہرا بھرا معلوم ہوتا ہے مگر اسے قرار نہیں ہوتا بہت جلد مرجھا جاتا ہے نہ پھل دیتا ہے نہ پھول روحانی جنانی کلمہ خوانی کہ کلمہ طیبہ دل میں اتر جاوے اس دانہ کی طرح ہے جو نرم اعلیٰ زمین میں بویا گیا ہو اس کے لئے بقا بھی ہے پھل پھول بھی اسی سے ملتے ہیں منافقین کا کلمہ نمازیں جہادوں میں جانا صرف جسم و زبان سے تھا دل ان کے اغیار کے ساتھ بلکہ کفار کے ساتھ تھے وہاں یار کا جلوہ کیسے آتا اس لئے ان سے وہ حرکتیں صادر ہوتی تھیں جو یہاں مذکور ہیں ان کے کلمہ نے نجات کے پھول رحمت کے پھل نہ دیئے بلکہ مرتے ہی ان کا یہ درخت مرجھا گیا مومن کا کلمہ دل کی گہرائیوں میں اترا ہوا تھا اس لئے وہ دنیا و آخرت میں ہر بھرا رہا اور اس میں نجات مغفرت رحمت کے پھل پھول لگے اس کا فیصلہ اور دونوں درختوں میں فاصلہ قیامت میں کیا جاوے گا یہاں دونوں ہرے بھرے معلوم ہوتے ہیں اندھیرے حمام میں تندرست و بیمار یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ جب شمع نور آئے تو وہ تندرستوں بیماروں کی چھانٹ کر دیتی ہے باطل کا شور زیادہ ہوتا ہے مگر زور کم حق کا شور نہیں مگر اس میں زور بہت ہے۔ مومن کو چاہیے کہ دنیاوی ٹیپ ٹاپ اور یہاں کی زینت کے پیچھے نہ دوڑے بلکہ فتوحات الٰہیہ اور مشاہدہ حق کی کوشش کرے دیکھو منافقوں کا رخ دنیا کی طرف تھا تو انہیں میدان جہاد میں بھی حجاب ہی رہا طالبوں کے لئے دروازہ کھلا ہے وہاں کوئی دربان بھی نہیں اگر حجاب و محرومی ہے تو وہ بندہ کی طرف سے ہے شعر:

تو محرم نیستی محروم ازانی ۔۔۔ رہ نامحرماں اندر حرم نیست

یعنی تو محروم اس لئے ہے کہ محرم راز نہیں ہے بغیر احرام باندھے حرم شریف کا داخلہ ممنوع ہے تو احرام میں دنیا کا لباس اتار کر قرب الٰہی والا احرام جو کفن کی شکل کا ہے پہنا جاتا ہے تب کہیں حرم شریف میں حاضری کی اجازت ہوتی ہے۔ حرم قرب الٰہی میں داخلہ چاہتے ہو تو دل سے لباس شہوات اتار دو لباس تقویٰ پہنو تب وہاں کے قابل ہو گے نامحرم منافق وہاں کا احرام باندھے بغیر جہاد میں گئے۔ محروم ہی رہے (از تفسیر روح المعانی)۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ج وَاِذَا قَامُوْٓا
یقیناً منافقین دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور وہ انہیں اس کی سزا دے گا اور جب اٹھتے ہیں
بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں اور وہ ہی انہیں غافل کر کے مارے گا اور جب
اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى لا يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ
نماز کی طرف تو اٹھتے ہیں سستی سے دکھلاوا کرتے ہیں لوگوں کو اور نہیں ذکر کرتے
نماز کو کھڑے ہوں تو ہارے جی سے لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ

اللّٰهَ اِلَّا قَلِيۡلاً ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبۡذَبِيۡنَ بَيۡنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ
اللہ کا مگر بہت کم لٹکے ہوئے ہیں درمیان اس کے نہ اس طرف
کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا بیچ میں ڈگمگا رہے ہیں نہ ادھر کے
وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلاً ﴿۱۴۳﴾
نہ اس طرف اور وہ جس کو گمراہ کردے اللہ پس ہرگز نہ پاؤ گے تم واسطے اس کے راستہ
نہ ادھر کے اور جسے اللہ گمراہ کرے تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں منافقوں کی اس چال کا ذکر تھا جو وہ جہاد کے موقعہ پر چلتے تھے یعنی دو طرفہ نفع کمانے کی کوشش کرنا اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان کی ہر عبادت بلکہ ہر ادا میں کوئی نہ کوئی سیاسی چال ہوتی ہے۔ نماز پڑھیں تو چال کے لئے کلمہ پڑھیں تو فریب کے لئے ہر کام میں دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ گویا ان کی خاص چال کے بعد عام فریب کاریوں کا ذکر ہے تاکہ مسلمان ان کے ظاہر سے دھوکہ نہ کھائیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں منافقین کی جہاد میں سستی غنیمت حاصل کرنے میں چستی کا ذکر تھا جہاد کبھی کبھی ہوتا ہے اب ان کی نماز میں سستی ذکر اللہ میں بے رغبتی کا ذکر ہے نماز و ذکر اللہ ہر دن اور ہر حال میں ہوتی ہے یعنی ان کی وقتی علامات نفاق بیان فرمانے کے بعد دائمی علامات نفاق کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں منافقین کی دورنگی چال کا ذکر تھا کہ جہاد میں مسلمانوں سے بھی کمانا چاہتے ہیں اور کفار سے بھی اب ان کی اس روش کے نتیجہ کا ذکر ہے کہ وہ نہ کفار ہی میں رہے نہ مسلمانوں ہی میں دونوں طرف سے پھٹکارے گئے غرضیکہ بیماری کا ذکر پہلے تھا اور بیماری کے انجام یعنی ہلاکت کا ذکر اب ہو رہا ہے تاکہ مسلمان ان کا یہ حال دیکھ کر عبرت پکڑیں۔

تفسیر

اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ کسی کلام کے اول میں اِنَّ تین وجہ سے لایا جاتا ہے۔ مضمون کی اہمیت ظاہر فرمانے کے لئے۔ اس مضمون کا کوئی منکر موجود ہو اس کی تردید کے لئے۔ اس مضمون کا کوئی منکر ہو سکتا ہو اس کی فہمائش کے لئے یہاں تینوں وجہیں ہو سکتی ہیں۔ منافق و مخلص دوست و دشمن پر قوموں کی بقا موقوف ہے جو شخص یا جو قوم اپنے کھلے چھپے دشمنوں کو نہ پہنچانے وہ ہلاک ہو جاوے گی نیز اس مضمون کے منکر خود منافق مدینہ منورہ میں موجود تھے جو کہہ سکتے تھے کہ ہم میں یہ عیوب نہیں ہیں ہم پکے مخلص ہیں نیز بعض ضعفاء مومنین منافقوں کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر اس مضمون کا انکار کر سکتے تھے۔ اس لئے اسے اِنَّ سے شروع فرمایا گیا منافقین سے عقیدے کے منافق مراد ہیں جو دل میں کافر ظاہر میں مسلمان ہوں ان کے یہ اعمال بعض

نفاق اعتقادی ہیں بعض نفاق عملی جیسے نماز میں سستی ریا کے لئے اعمال کرنا نفاق عملی ہے جس سے مسلمانوں کو بچنا لازم ہے پھر منافقین عام ہیں خواہ اس زمانہ کے منافق ہوں یا آئندہ تا قیامت کے منافق **یُخَادِعُوْنَ** کی تحقیق پہلے پارے کے شروع میں ہو چکی یہاں اتنا سمجھ لو کو یہ بنا ہے **خَدْعٌ** سے بمعنی چھپنا یا غائب ہونا کہا جاتا ہے **خدعت الضب** گوہ چھپ گئی اور کہا جاتا ہے **خدع الریق فِی الْفَمِ** تھوک منہ میں خشک ہو گیا غائب ہو گیا جذب ہو گیا اس کے معنی رک جانا بھی ہیں کہا جاتا ہے **خدع المطر** بارش رک گئی اور کہتے ہیں **السنین الخوادع** قحط کے سال کہ پیداوار رک گئی اصطلاح میں جب اس کا فاعل بندہ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں چھپ کر سازش کرنا فریب دھوکہ دینا اور جب اس کا فاعل رب تعالیٰ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں مجرم کے خلاف سزا کی خفیہ تدبیر کرنا جس کا اسے پتہ نہ چلے بروقت ہی معلوم ہو **یُخَادِعُوْنَ** مضارع ارشاد ہوا دوام واستمرار بتانے کے لئے۔ امام زجاج فرماتے ہیں کہ یہاں رب تعالیٰ نے ذکر اپنا کیا مگر مراد لیا رسول اللہ ﷺ کی ذات کو (تفسیر کبیر، روح المعانی) یعنی منافقین رسول اللہ ﷺ کو ہمیشہ دھوکہ دیتے رہتے ہیں کہ حضور کے خلاف خفیہ سازشیں کرتے رہتے ہیں نیک اعمال کرتے ہیں تو دھوکہ دہی کے لئے خیال رہے کہ یہاں ان کے دھوکہ دینے کا ذکر ہے حضور ﷺ کے دھوکہ کھانے کا ذکر نہیں حضور ﷺ نے منافقوں سے کبھی دھوکہ نہ کھایا دھوکہ وہ کھائے جو اصل حقیقت سے بے خبر ہو حضور انور کا ہاتھ تو تمام کی ایمان کی نبض پر ہے پھر حضور کیا دھوکہ کھاویں چونکہ منافقین حضور کے اس علم کے منکر تھے اس لئے حضور کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے تھے حضور کے علم کا انکار منافقین ہی کیا کرتے تھے۔ **وَهُوَ خَادِعُهُمْ** یہ عبارت گزشتہ جملہ پر معطوف ہے **هُوَ** کا مرجع رب تعالیٰ ہے یہاں خداع کے معنی ہیں ان کو سزا دینے کی خفیہ تدبیر **خَادِعُهُمْ** سے مراد یا تو دنیا میں خفیہ سزا دینا ہے کہ ان پر ظاہری کلمہ گوئی کی وجہ سے مسلمانوں کے احکام جاری فرما دیئے انہیں مسجدوں میں آنے کی اجازت دے دی اور ان پر جہاد نہ کیا گیا ان کی منافقت کے باوجود ان کو دنیاوی نعمتیں عطا فرمائیں جس سے وہ سمجھتے کہ ہم خدا کے پیارے ہیں حضور کی مجلس پاک میں باریابی وغیرہ جس سے وہ دھوکہ کھا گئے آئیندہ آخرت میں بھی ہم مسلمانوں کی طرح بخشے جائیں گے مگر مرتے ہی پتہ لگا کہ ہم دھوکہ کھا گئے یا یہ سزا آخرت میں ہو گی کہ انہیں قیامت میں مسلمانوں کی طرح اولاً نور دے دیا جاوے گا جب پل صراط کے اندھیرے پر پہنچیں گے تو مسلمانوں کا نور تو باقی رہے گا ان منافقوں کا نور بجھ جاوے گا اور یہ وہاں بے نور رہ کر حیران و پریشان ہو جائیں گے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ **وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى** یہ ان کے اجمالی فریب کی کچھ تفصیل ہے یا ان منافقوں کی خاص علامت **اِذَا** دوام کیلئے ہے بمعنی جب کبھی قیام سے مراد نماز کیلئے اٹھنا ہے نہ کہ نماز میں قیام جو نماز کا فرض ہے اس لئے اس کے بعد **اِلٰى** آیا **كُسَالٰى** کسلان کی جمع ہے۔ جیسے **سُكْرَانُ** کی جمع **سُكَارٰى** اس کا مادہ **كَسَلٌ** ہے بمعنی کاہلی سستی یا بوجھل ہونا یعنی وہاں سستی کرنا جہالت سستی نہ چاہئے یعنی یہ منافقین جب بھی نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو

سستی سے اٹھتے ہیں اس سستی کی بہت صورتیں ہیں بلاوجہ مسجد میں حاضر نہ ہونا۔ بلاوجہ جماعت ترک کرنا اکیلے نماز پڑھنا جماعت میں پیچھے پہنچنا جبکہ ایک آدھ رکعت ملے بغیر ٹوپی ننگے سر یا بغیر کرتا ننگے بدن نماز پڑھنا ارکان نماز درست طریقہ سے ادا نہ کرنا یہ ایک کلمہ ان سب صورتوں کو شامل ہے اور یہ تمام منافقین کی علامت ہے۔ یُرَآءُوْنَ النَّاسَ یہ عبارت گزشتہ مضمون کی وجہ ہے یعنی اس سستی کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کیلئے نماز نہیں پڑھتے تا کہ شوق وذوق سے پڑھیں بلکہ لوگوں کو دکھلاوے کے لئے پڑھتے ہیں تا کہ انہیں لوگ کافر نہ سمجھ لیں یُرَآءُوْنَ۔ ریاءٌ سے بنا ہے بمعنی دکھلاوا مفاعلت بمعنی تفعیل ہے النَّاس سے مراد مخلص مسلمان ہیں۔ اس النَّاس میں حضور علیہ السلام داخل نہیں کہ حضور کو دکھلانے کیلئے انہیں راضی کرنے کیلئے عمل کرنا عمل کی تکمیل ہے ریا نہیں خیال رہے کہ ریاء کی دو صورتیں ہیں ریا اصل عمل میں کہ لوگ دیکھیں تو عمل کرے ورنہ بالکل نہ کرے اور ریا وصف عمل میں کہ لوگوں کے سامنے اچھی طرح عمل کرے اکیلے میں معمولی طرح پہلی ریا میں اصل عمل کا ثواب نہیں دوسری ریا میں اصل عمل کا ثواب ہے کمال عمل کا ثواب نہیں یہاں پہلی قسم کی ریا مراد ہے وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا یہ جملہ یُرَآءُوْنَ پر معطوف ہے اس میں منافقوں کے چوتھے عیب کا ذکر ہے ذکر اللہ سے مراد یا تو نماز ہے یا نماز میں تلاوت قرآن ودعائیں وغیرہ پڑھنا یا نماز کے سواء اور موقعوں پر اللہ کا ذکر کرنا یعنی وہ نماز نہیں پڑھتے مگر تھوڑی کہ جب مسلمانوں میں پھنسے نماز پڑھ لی جب ان سے علیحدہ ہوئے نہ پڑھی یا عشا فجر نہ پڑھی باقی تین پڑھ لیں یا جاڑوں میں نہ پڑھی گرمیوں میں پڑھ لی چونکہ نماز میں اول سے آخر تک لسانی، جنانی، ارکانی ذکر الٰہی ہے اس لئے نماز کو ذکر اللہ فرمایا گیا نماز کے سواء کسی عبادت میں اس طرح کا ذکر نہیں یا نماز بہت جلدی پڑھتے ہیں۔ اطمینان سے نہیں پڑھتے ہر رکن میں اللہ کا ذکر بہت تھوڑا کرتے ہیں کہ نماز ان پر بوجھ ہے جسے جلد اتارنا چاہتے ہیں یا نماز کے علاوہ کسی وقت ان کے منہ پر اللہ کا نام نہیں آتا ہمیشہ دنیاوی باتیں کرتے ہیں مگر ہاں بہت تھوڑا کہ کبھی رب کا نام نکل جاتا ہے مومن کا حال ان کے خلاف ہے وہ خلوت وجلوت میں نماز پڑھتا ہے خوب اطمینان سے پڑھتا ہے نماز کے علاوہ ہر وقت اس کے منہ پر اللہ کا نام اس کا ذکر رہتا ہے۔ مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ یہ عبارت لَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ کے فاعل سے حال ہے مذبذب بنا ہے ذَبٌّ سے بمعنی دفع کرنا روکنا دور کرنا مذبذب وہ جسے ہر طرف سے دفع کیا جاوے مکھی کو ذباب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ہر طرف سے دفع کی جاتی ہے۔ ذبذبہ ہوا میں لٹکی ہوئی چیز کی آواز کو کہتے ہیں جو اس کے ہلنے سے پیدا ہو کہ وہ چیز بھی دو طرفہ دفع کی جاتی ہے بہر حال اضطراب، پریشانی حرکت پر ذبذبہ بولا جاتا ہے اس کی دونوں ذالیں اصل ہی سے جیسے صلصل، دمدمہ، ایسے ہی ذبذب۔ ذٰلِکَ سے اشارہ ایمان وکفر کی حالت کی طرف ہے جو پچھلے مضمون سے معلوم ہوئی یعنی یہ منافقین ایمان وکفر کے درمیان لٹکے رہ گئے ہیں۔ بیچ میں ڈگمگا رہے ہیں نہ ایمان پر انہیں قرار ہے نہ کفر پر بلکہ ہر طرف سے فرار ہے اور ہر ایک کی ان پر پھٹکار لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ یہ عبارت مذبذبین سے حال ہے

اِلٰی سے پہلے منسو بین پوشیدہ ہے پہلے ھٰٓؤُلَآءِ سے مسلمانوں کی طرف اشارہ ہے دوسرے ھٰٓؤُلَآءِ سے کفار کی طرف اشارہ یعنی ان منافقوں کی حالت یہ ہے نہ تو یہ مسلمانوں میں شمار ہیں کہ ان کے دل میں کفر ہے نہ کھلے کافروں میں شمار کہ ان کے منہ پر کلمہ طیبہ ہے اب یہ عجیب مخمصہ میں پھنسے ہیں کدھر جائیں اس جملہ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ان منافقین کے دل میں تذبذب ہے کہ دین اسلام حق ہے یا کفر حق نہ وہ اپنے کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں نہ پورا کافر ہی کیونکہ انہوں نے دنیاوی فتح اور مال دولت کو حقانیت کا مدار سمجھا ہے اگر مسلمانوں کی فتح و کفار کی شکست ہوگئی تو اسلام کو حق سمجھنے لگے اگر اس کے برعکس ہو گیا تو کفر کو حق جاننے لگے نیز وہ دو طرفہ نشست و برخاست رکھتے فریقین کے دلائل سنتے ہیں مسلمانوں کے بھی کفار کے بھی اس لئے متحیر ہیں کہ کسے حق کہیں اور کسے باطل کبھی اسلام کو حق کہنے لگتے ہیں کبھی کفر کو جس چیز کی بنیاد دلائل پر ہوتی ہے اس کا انجام یہ ہی ہوتا ہے ایمان کی بنیاد عشق پر چاہئے۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا۔ یہ ان تمام چیزوں کی اصل علت ہے مَنْ سے مراد ہر شخص کے کسے باشد اضلال سے مراد ہے گمراہی پیدا فرما دینا خود اس کی اپنی حرکتوں اور ہدایت کی نا قابلیت کی وجہ سے تَجِدَ میں خطاب یا حضور ﷺ سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے سبیل سے مراد ہے حق و صواب تک پہنچانے والا راستہ یعنی اے محبوب ﷺ یا اے مسلمان تم ان منافقوں کی گمراہی پر غمگین نہ ہو۔ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے کہ اس کی حرکتوں کی وجہ سے رب تعالیٰ اس کے دل میں گمراہی جما دے تو اس کیلئے راہ ہدایت آپ نہیں پا سکتے نہ ہی وہ آپ کی تبلیغ سے ہدایت پا سکتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے چند عیوب بیان فرمائے۔ اللہ رسول کو دھوکہ دینا، نماز میں سستی کرنا، اعمال میں ریا کاری کرنا، اللہ کا ذکر کم کرنا تذبذب میں رہنا ترتیب یہ رکھی کہ دھوکے دہی کا ذکر پہلے ہے اس کی سزا کے باقی چار عیوب کا ذکر بعد میں چنانچہ ارشاد ہوا کہ منافقین اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں اسی دھوکے دہی کی ان کو سزا دینے والا ہے یا آخرت میں سزا دینے کی خفیہ تدبیر فرما رہا ہے جس کا انہیں پتہ نہیں یا اے محبوب منافقین اللہ کے رسول کو دھوکہ فریب دیتے رہتے ہیں کہ فریب کی نیت سے کلمہ نماز وغیرہ ارکان اسلام ادا کرتے ہیں۔ جہادوں میں بھی پہنچ جاتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ان کو دھوکہ دینے کی سزا ضرور دے گا ان کا حال یہ ہے کہ جب بادل ناخواستہ نماز کے لئے اٹھتے ہیں سستی اور بے دلی سے اٹھتے ہیں مسجد میں آتے نہیں آئیں تو جماعت کے بعد کبھی نماز پڑھ لیں کبھی نہیں نماز پڑھیں تو اس طریقہ سے کہ ان کی بے دلی ظاہر ہوتی ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محض مسلمانوں کے دکھلاوے کو نماز پڑھتے ہیں تا کہ وہ انہیں منافق کافر نہ سمجھنے لگیں اللہ کی رضا کے لئے نہیں پڑھتے نمازیں بہت کم پڑھتے ہیں۔ سب کے سامنے پڑھ لیتے ہیں اکیلے میں نہیں یا نماز میں اللہ کا ذکر بہت کم کرتے تھوڑی سی دیر میں بہت رکعتیں پڑھ کر چل دیتے ہیں یا نماز کے علاوہ ان کے منہ پر اللہ کا ذکر بہت کم آتا ہے ہمیشہ دنیاوی کلام یا غیبت یا جھوٹ میں مبتلا رہتے ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ کے ذکر سے

جب کہ اخلاص سے ہو اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اللہ کی محبت سے اس کی اطاعت کا جذبہ ہوتا ہے یہ اطاعت ہی ایمان کی جان ہے ذکر اللہ خواہ زبانی ہو یا عملی سب کا یہ ہی حال ہے دل سیاہی چوس کاغذ کی طرح ہے کہ جس کی یاد رکھی جاوے اس کا محب و مطیع بن جاتا ہے۔ منافقین اولاً تو خدا کا ذکر کرتے ہی نہیں اور کرتے ہیں تو بہت تھوڑا پھر ان میں محبت و اطاعت کہاں سے ہو۔ ان کا پانچواں عیب یہ ہے کہ کفر و اسلام کے بیچ ان کی کشتی ڈگمگا رہی ہے نہ تو ان کا شمار مسلمانوں میں ہی ہے کہ انکے دل میں کفر ہے اور نہ ان کا شمار کفار ہی میں ہے کہ ان کے زبان پر کلمہ ہے نہ مسلمان انہیں مسلمان سمجھیں نہ کفار انہیں کفار جانیں دوطرفہ پھٹکارے جاتے ہیں اے محبوب جسے اللہ تعالیٰ ہی گمراہ کر دے تو آپ اسے راہ ہدایت کیسے دکھا سکتے ہیں۔ آپ ان کی گمراہی پر غمگین نہ ہوں یہ رب تعالیٰ کے پھٹکارے ہوئے ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضور ﷺ کو دھوکہ دینا درحقیقت رب تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرنا ہے جیسا کہ **یُخَادِعُوْنَ اللہَ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہاں رب تعالیٰ نے اپنا نام لیا مگر مراد حضور کو لیا اسی طرح حضور ﷺ کی تعظیم رب تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ حضور کی گستاخی رب تعالیٰ کی گستاخی ہے۔ **دوسرا فائدہ**: انسان جیسا جرم کرے گا ویسے ہی سزا پائے گا۔ دھوکہ دے گا دھوکہ کھائے گا کسی سے دشمنی کرے گا اس کی دشمنی کی جائے گی۔ جیسا کہ **وَھُوَ خَادِعُھُمْ** سے معلوم ہوا اسی طرح جیسی نیکی کرے گا۔ ویسی جزاء دیا جاوے گا غرضیکہ جو بوئے وہ کاٹے گا۔ مولانا فرماتے ہیں شعر:

ناں دہی از بہر حق نانت دہند جان دہی از بہر حق جانت دہند!

تیسرا فائدہ: نماز میں سستی کرنا منافق کی علامت ہے مسلمان کو نہایت ذوق و شوق سے نماز ادا کرنی چاہئے۔ اکیلے نماز پڑھ لینا، گھر ہی پڑھ لینا مسجد میں نہ آنا، مسجد میں پیچھے پہنچے کی عادت ڈال لینا۔ سستی کے طور پر یا فیشن کے لئے ننگے سر یا بغیر کرتا نماز پڑھنا اسی طرح آستینیں چڑھا کر۔ گریبان کھلا چھوڑ کر نماز پڑھنا غرضیکہ جن کاموں سے بے پرواہی یا سستی ظاہر ہے وہ کرنا سب ممنوع ہے کہ یہ تمام سستی میں داخل ہیں اسی طرح تنگ وقت کر کے نماز پڑھنا ارکان نماز درست نہ کرنا سب ممنوع ہے کہ یہ تمام چیزیں **قَامُوْا کُسَالٰی** میں داخل ہیں منافقوں کی ہر علامت سے بچنا چاہئے۔ **چوتھا فائدہ**: ریاکاری کے لئے نماز پڑھنا طریقہ منافقین ہے نماز وغیرہ تمام عبادات محض رضا الٰہی کے لئے کرنا چاہئے جیسا کہ **یُرَآءُوْنَ النَّاسَ** سے معلوم ہوا ریاکار آدمی کبھی نماز صحیح طور سے نہیں پڑھ سکتا۔ **پانچواں فائدہ**: نماز کے علاوہ بھی انسان کو اللہ کا ذکر زیادہ کرنا چاہئے اس لئے اسلام نے سوتے جاگتے کھاتے پیتے حتی کہ استنجا کو جاتے وقت بھی اللہ کے ذکر کی تاکید دی بسم اللہ کر کے کھاؤ، پیو فارغ ہو کر الحمد للہ کہو آیۃ الکرسی پڑھ کر سو و آنکھ کھلتے ہی تیسرا چوتھا کلمہ پڑھو۔ وعدہ کرتے وقت انشاء اللہ کہو اچھی بات سن کر الحمد للہ تکلیف دہ یا غم کی بات سن کر لاحول شریف ... تمام چیزیں ... مومن کی زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے۔ یہ

فائدہ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: منافقین مذہباً کافر ہوتے ہیں۔ قوماً مسلمان یعنی مردم شماری میں مسلمانوں میں گنے جاتے ہیں۔ مگر عقائد میں پکے کافر لہٰذا وہ نہ ادھر کے ہیں نہ اُدھر کے بلکہ اُدھر یعنی بیچ کے ہیں جیسا کہ لَآ اِلٰی ہٰٓؤُلَآءِ الخ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: دین میں حیرت و بے اطمینانی طریقہ منافقین ہے اسے یقین نہیں ہوتا کہ کون سا دین سچا ہے مسلمان کو اپنے اسلام کی حقانیت پر پورا پورا یقین ہوتا ہے یہ فائدہ مُذَبْذَبِیْنَ الخ سے حاصل ہوا مومن کو چاہئے راحت و رنج خوشی و غم ہر حال میں راضی رہے اسلام کو حق جانے رب تعالیٰ سے توفیق خیر مانگے۔ کتا بھی کسی حال میں اپنے مالک کا دروازہ نہیں چھوڑتا۔

اعتراضات

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے دیتے اور خدا تعالیٰ دھوکہ کھا جاتا ہے دھوکہ وہ کھائے جو بے خبر ہو معلوم ہوا مسلمانوں کا خدا بے خبر ہے (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب**: اس کا بہت تفصیلی جواب پہلے پارے کی تفسیر یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ کی ماتحت دیا جا چکا ہے یہاں بھی اس آیت کی تفسیر میں عرض کر دیا گیا کہ اس کے معنی ہیں وہ رب کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں یا اس کے رسول کو دھوکہ دیتے ہیں جیسا کہ تفسیر کبیر وغیرہ کے حوالہ سے گزر گیا۔

دوسرا اعتراض: اگر نماز میں سستی کرنا منافقوں کی علامت ہے تو آج نوے فیصدی مسلمان منافق ہیں کیونکہ وہ نماز میں سستی کرتے ہیں بلکہ پڑھتے ہی نہیں تو اب دنیا میں مسلمان کتنے رہ گئے۔ **جواب**: نماز میں سستی کرنا منافق کی علامت ہے جس سے بچنا چاہئے مگر محض یہ کام نفاق نہیں نہ اس سے کسی کو منافق کہا جاتا ہے۔ شی کی علامت اور ہے حقیقت کچھ اور ہر کوا کالا ہے مگر ہر کالا کوا نہیں بہت سے آدمی بھینسیں گائیں کالے رنگ کے ہوتے ہیں۔ مگر کوے نہیں۔ ہاں یہ ضرور رہے کہ نماز میں سستی نفاق عملی یعنی منافقوں کا سا کام ہے مسلمان کو اس سے بچنا چاہئے فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ یہ نماز منافق کی ہے کہ سورج کے ڈوبنے کا انتظار کرتا رہے جب ڈوبنے لگے اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان آ جائے تو اٹھ کر کوے کی طرح چار ٹھونگیں زمین پر مارے یعنی جلد جلد سجدے کرے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ منافقین اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں مگر اکثر منافقین بلکہ کفار ہر وقت رام رام یا اور طرح خدا کا نام لیتے رہتے ہیں۔ یہ آیت واقعہ کے خلاف ہے۔ **جواب**: یہاں کمی مسلمانوں کے مقابلہ میں ہے کہ بمقابلہ مومن منافق ذکر اللہ کم کرتا ہے جیسا کہ ابھی فوائد میں عرض کیا گیا ہے نیز اس کا ایک اور بہترین جواب تفسیر صوفیانہ میں آ دے گا۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافق نہ مومن ہیں نہ کافر بلکہ ان دونوں کے علاوہ کچھ اور ہیں پتہ لگا کہ کفر و ایمان کے درمیان کوئی درجہ اور بھی ہے حالانکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ کفر و ایمان کے درمیان کوئی درجہ نہیں انسان یا مومن ہوگا یا کافر اہل سنت کا عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب**: منافقین پکے کافر خارج از اسلام

ہیں یہاں یہ فرمایا جارہا ہے کہ ان کا شمار نہ کافر قوم میں ہے نہ مسلم قوم میں انہیں مسلمان کہتے ہیں یہ کافر ہیں کفار کہتے ہیں یہ مسلمان دونوں طرف سے پھٹکارے ہوئے ہیں واقعہ اور چیز ہے، شمار کچھ اور چیز ورنہ خود قرآن کریم نے بارہا منافقوں کو کافر فرمایا ہے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جسے خدا گمراہ کردے وہ ہدایت نہیں پاتا پھر اس گمراہ کا کیا قصور ہے اسے عذاب کیوں ہوگا اسے تو اللہ تعالیٰ نے ہی گمراہ کردیا ہے۔ **جواب**: اس کے جوابات بارہا دیئے جاچکے ہیں کہ رب تعالیٰ نے انہیں گمراہ کیا ان کی اپنی حرکتوں کی وجہ سے کاسب گمراہی وہ منافقین ہیں خالق گمراہی رب تعالیٰ وہ لوگ کسب کے مجرم ہیں۔ قاتل مقتول کے لئے کسب موت کرتا ہے رب تعالیٰ اس پر موت وارد کردیتا ہے۔ مقتول کو موت دینے والا بھی رب تعالیٰ ہی ہے مگر پھر بھی قاتل مجرم ہے کہ اسباب موت اس نے مہیا کئے نیز اس کے جواب کے لئے ہمارے تیسرے پارے کی تفسیر دیکھو **وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ** (بقرہ:۲۵۳) کے ماتحت وہاں مسئلہ تقدیر تفصیل سے بیان کیا ہے اس جگہ یہ بحث بھی آگئی ہے۔ بہرحال آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ

منافقین تو دنیا میں آکر اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ مگر خود میثاق کے دن دھوکہ کھاچکے ہیں کہ جب روحوں پر نور کا چھینٹا مارا گیا مومنوں پر پڑا کفار پر نہ پڑا منافقوں پر بھی نہ پڑا مگر وہ نور ان کو نظر آیا اور سمجھے کہ ہم پر بھی پڑ گیا ہے کفار نے وہ نور نہ دیکھا نہ دھوکہ کھایا غرضیکہ **وَهُوَ خَادِعُهُمْ** کا ظہور پہلے ہی میثاق کے دن ہوچکا ہے اس دھوکے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کلمہ، نماز، جہاد کا ڈھانچہ تو مل گیا مگر ان کے نور نہ ملے لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز میں کھڑے ہوگئے اس کے ذریعہ رب کو راضی نہ کرسکے نیز یہ لوگ اللہ کا ذکر بہت تھوڑا کرتے ہیں کہ صرف زبان سے ذکر اللہ کرتے ہیں قلب سے نہیں کرتے زبان دنیا کی چیز ہے اور دنیا قلیل ہے **قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ** (النساء:۷۷) اور دل آخرت کی چیز ہے آخرت کثیر ہے زبان کا بہت ذکر بھی تھوڑا ہے دل کا تھوڑا ذکر بھی بہت ہے رب فرماتا ہے **اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا** (احزاب:۴۱) اللہ کا ذکر بہت کیا کرو بہت ذکر کیا ہے دل کا ذکر نیز منافقوں کا ذکر اللہ مردود ہے مسلمانوں کا ذکر اللہ مقبول اور ذکر مردود بہت بھی ہو تو تھوڑا ہے اور ذکر مقبول تھوڑا بھی ہو تو بہت ہے۔ ذکر اللہ مقبول وہ ہے جو ذکر رسول اللہ کے ساتھ ہو اور ذکر اللہ مردود وہ جو رسول اللہ کے ذکر سے الگ ہو مومن اللہ کا ذکر رسول کے ذکر کے ساتھ کرتا ہے لہٰذا مقبول ہے منافق رسول کے ذکر سے کتراتا ہے لہٰذا اس کا ذکر اللہ مردود ہے شعر:

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو   واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے

چونکہ منافقین نے میثاق کے دن نور کا چھینٹا دیکھا تھا پایا نہ تھا اس لئے ان کے دل و دماغ ذکر الٰہی سے محروم ہیں۔ صرف زبان پر ذکر ہے جو غیر مقبول ہے یہ منافقین نہ تو ان خوش نصیبوں میں سے ہوئے جن پر نور کا چھینٹا پڑا نہ ان میں سے ہی

ہوئے جو بالکل اس چھینٹے سے محروم رہے اس کا مشاہدہ بھی نہ کر سکے لہذا یہ لوگ نہ ان میں سے ہوئے نہ ان میں سے مذبذب ہی رہے جسے خدا تعالیٰ گمراہ کردے کہ اس چھینٹے سے محروم کردے تو یہاں دنیا میں اس کے لئے اس نور کے پانے کا کوئی ذریعہ نہیں رب فرماتا ہے وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ (نور:۴۰) رب تعالیٰ ہم کو اس ذکر کی توفیق دے۔ جو کثیر ہے یعنی ذکر قلبی ومقبول صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن کے تین حفاظتی قلعہ ہیں۔ مسجد، ذکر اللہ تلاوت قرآن مجید جو ان میں سے ایک قلعہ میں بھی آگیا وہ انشاء اللہ شیطان سے بچ گیا۔ مبارک ہے وہ جوان تینوں قلعوں میں رہے وہ انشاء اللہ شیطان، نفس، برے یاروں کے شر سے محفوظ رہے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ آوے گا جب کہ اسلام کا نام ہی رہ جاوے گا قرآن کریم کی صرف رسم رہے گی، مسجدیں رونق والی ہوں گی مگر ذکر اللہ سے ویران اس مسجد خشت وگل کی بھی آبادی ذکر اللہ سے ہے اور مسجد روح ودل کی آبادی بھی ذکر اللہ سے ہے (روح البیان)۔

آباد وہ ہی دل ہے کہ جس میں تمہاری یاد ہے   جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے!

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ
اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے نہ بناؤ کافروں کو دوست
اے ایمان والو کافروں کو دوست نہ بناؤ
دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ
بجز مسلمانوں کے کیا ارادہ کرتے ہو کہ بنالو اللہ کے لئے اوپر اپنے
مسلمانوں کے سوا کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کے لئے
سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ
دلیل ظاہر یقیناً منافق لوگ نیچے درجہ میں ہیں
صریح حجت کرلو بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں ہیں اور
النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا
آگ کے اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا مگر وہ جنہوں نے توبہ کی اور سنورے
ہرگز نہ پاؤ گے واسطے ان کے مددگار سوا ان کے جو توبہ کرلیں اپنی اصلاح کرلیں

وَاعۡتَصَمُوۡا بِاللّٰهِ وَاَخۡلَصُوۡا دِيۡنَهُمۡ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ

اور اللہ کی رسی مضبوط تھامی اور اپنا دین خالص کر لیا واسطے اللہ کے پس یہ لوگ ساتھ ہیں

اور پکڑ لیں اور اپنا دین خالص اللہ کے لئے کر لیا تو یہ مسلمانوں

الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ؕ وَسَوۡفَ يُؤۡتِ اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۱۴۶﴾

مومنوں کے اور قریب ہے کہ اللہ مومنوں کو دے گا ثواب بڑا

کے ساتھ ہیں اور عنقریب اللہ مسلمانوں کو بڑا ثواب دے گا

تعلقات

ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں منافقوں کی خرابی حال بیان فرمائی گئی تھی کہ وہ نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے اب مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم ان کی طرح نہ ہونا ورنہ تمہارا بھی یہ ہی حال ہو جاوے گا گویا پچھلی آیات میں خاص بیماروں کا ذکر تھا اب ہم کو ان بیماروں سے دور رہنے کا حکم ہے تا کہ یہ بیماری اڑ کر ہم کو نہ لگ جاوے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں منافقین کی زبوں حالی کا ذکر تھا اب اس کی وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے یعنی کفار سے محبت کفر سے الفت تا کہ ہم اس سے دور رہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں منافقوں کی دنیاوی خرابی کا ذکر تھا کہ وہ ہر طرف سے درکارے پھٹکارے ہوئے ہیں اب ان کے اخروی عذاب کا ذکر ہے دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہونا گویا دنیاوی عذاب کے بعد ان کے اخروی عذاب کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں منافقین پر اظہار غضب تھا کہ وہ لوگ اپنے نفاق کی وجہ سے دنیاوی اخروی مصیبتوں عذابوں میں گرفتار ہیں اب اظہار کرم ہو رہا ہے کہ اگر یہ اب بھی نفاق سے توبہ کر کے سیدھے سادھے مسلمان بن جاویں تو ہم بخش دیں گے گویا بیماری نفاق کے بعد اسکے علاج یعنی توبہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

شان نزول

مدینہ منورہ میں آفتاب اسلام چمکنے سے پہلے انصار کی دوستیاں، رضاعی رشتے محبتیں حتی کہ حلف یہود مدینہ بنی قریظہ کے ساتھ تھے جن کی وجہ سے ان کے آپس میں بہت گہرے تعلقات تھے۔ جب انصار ایمان لائے اور ان کو کفار کی دوستی سے منع فرمایا گیا تو ان میں سے بعض حضرات حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے کہ یا رسول اللہ اب ہم کس جماعت سے دوستی رکھیں ہمارے پرانے دوست تو کفار ہیں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا مہاجرین مومنین سے دوستی رکھو تب حضور کی تائید میں یہ پہلی آیت یٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا الخ نازل ہوئی (تفسیر وکبیر وخازن) غرضیکہ یہ آیت کریمہ انصار کی فہمائش کے لئے اتری۔

تفسیر

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ چونکہ انصار کا یہود سے صدیوں کی دوستیاں یک دم توڑ دینا آسان نہ تھا یہ بظاہر سخت مشکل تھا اسلئے رب تعالیٰ نے پہلے انہیں پیارے خطاب سے پکارا پھر حکم سنایا تاکہ خطاب کی لذت سے یہ مشکل کام آسان ہو جاوے ظاہر یہ ہے کہ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد سارے ہی مسلمان ہیں اور کافرین سے مراد سارے کفار ہیں۔ کھلے کافر ہوں یا منافق لوگ اولیاء ولی کی جمع ہے بمعنی قریبی دوست وَلِیٌّ بمعنی قرب یعنی اے مسلمانو کسی کافر کو اپنا قریبی دوست نہ بناؤ کہ ایمان نور ہے کفر تاریکی ان میں قرب نہیں ہوسکتا بعض نے فرمایا کہ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد منافقین ہیں جو بظاہر مسلمان تھے اور کافرین سے مراد ہیں کھلے کافر بعض نے فرمایا الَّذِیْنَ آمَنُوْا سے مراد مسلمان ہیں اور کافرین سے مراد ہیں کھلے کافر مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے آخری دو تفسیریں خلاف ظاہر ہیں (تفسیر روح المعانی) مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اس عبارت کی تفسیر ابھی کچھ پہلے ہو چکی کہ دُوْنِ کے معنی سواء بھی ہیں اور مقابل بھی یہاں دونوں معنی درست ہیں مگر سواء کے معنی زیادہ مناسب یعنی صرف مسلمانوں کو دوست بناؤ مسلمانوں کے سواء کسی قسم کے کافر کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ہمزہ استفہام کے لئے ہے اور استفہام اظہار غضب کیلئے تُرِیْدُوْنَ میں خطاب ان ہی مسلمانوں سے ہے جنہیں پہلے پکارا گیا تھا عَلٰی ضرر و نقصان کیلئے ہے یعنی اپنے خلاف اپنے مقابل سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اکثر سلطان بمعنی حجت و دلیل آتا ہے یہ مذکر بھی آتا ہے مؤنث بھی۔ سلطان بنا ہے سلط سے بمعنی غلبہ بادشاہ کو سلطان اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ رعایا پر غالب ہوتا ہے اسی سے ہے مسلط کر دینا دلیل و حجت کو سلطان اس لئے کہتے ہیں کہ اسکے ذریعہ مدعی اپنے مخالف مدعیٰ علیہ پر غلبہ حاصل کرتا ہے یہاں سلطان سے مراد ہے اپنے نفاق و کفر پر دلیل و حجت یعنی کیا تم کفار سے دوستی کر کے یہ چاہتے ہو کہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے خلاف اپنے کفر و نفاق کی دلیل قائم کر دو جس سے تم سخت سزا کے مستحق ہو جاؤ کیونکہ تمہاری کفار دوستی تمہارے منافق ہونے کی کھلی دلیل ہوگی جس کا تم سے جواب نہ بنے گا تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہاں اللہ سے مراد ہے اہل دین اللہ تب مطلب یہ ہوگا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کے رسول اور مسلمانوں کے سامنے اپنے خلاف اپنے کفر پر دلیل قائم کر دو کہ وہ حضرات تم کو منافق و کافر سمجھنے کا فیصلہ کر لیں اور تم اپنی صفائی میں بیان نہ دے سکو۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ یہ منافقوں کی اخروی سزا کا ذکر ہے تاکہ مسلمان یہ سن کر نفاق سے بچیں درک اور درجے دونوں کے ایک ہی معنی ہیں فرق یہ ہے کہ اوپر سے نیچے کی طرف ترتیب کے لحاظ سے درک کہا جاتا ہے اور نیچے سے اوپر کی طرف ترتیب کے لحاظ سے درجہ کہتے ہیں۔ جنت کے درجات ہیں اور دوزخ کے درکات کہ جنت میں اونچا درجہ زیادہ اعلیٰ و افضل ہے اور دوزخ کا نیچہ طبقہ زیادہ سخت و تکلیف دہ کثیف چیز نیچے گرتی ہے۔ لطیف چیز اوپر چڑھتی ہے۔ دیکھو مٹی لوہا وغیرہ نیچے گرتے ہیں اور آگ و ہوا اوپر چڑھتی ہیں۔ نیکیاں اور نیک لوگ جنت کے درجوں کے مستحق ہیں۔ جیسی نیکی ویسا درجہ اونچا اور گناہ و گنہگار کثیف ہیں

وہ دوزخ کے درکات کے مستحق ہیں۔ جس درجہ کا دوزخی اس درجہ کے دوزخ کا نیچا طبقہ اس لئے جنت اوپر ہے دوزخ نیچے درک کے لغوی معنی ہیں گہرائی سمندر کی گہرائی کو درک کہتے ہیں اسی سے ہے ادراک یعنی بات کی تہ اس کی گہرائی کو پالینا استدراک گہرے اعتراض کو دفع کر دینا خیال رہے کہ دوزخ کے سات طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ جہنم، دوسرا لظی، تیسرا حطمہ، چوتھا سعیر، پانچواں سقر، چھٹا جحیم، ساتواں ہاویہ مگر ساری دوزخ کو جہنم کہہ دیتے ہیں یعنی پہلے طبقہ کے نام سے کل کو یاد کرتے ہیں (تفسیر روح المعانی وخازن وکبیر وغیرہ) چونکہ منافق دراصل کافر بھی تھے دھوکہ باز بھی اسلام کا مذاق اڑانے والے بھی ہر کافر کے فضلہ خوار بھی اسی لئے انہیں دوزخ کے نچلے طبقہ میں رکھا گیا جہاں تمام دوزخیوں کا خون پیپ فضلہ گرے اور یہ اسے کھائیں نیز وہاں آگ کی تیزی بھی زیادہ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہاویہ میں آگ کے صندوق ہیں جن میں یہ منافق بند کئے جائیں گے ان کی درازوں سے تمام دوزخیوں کے پیپ وخون وہاں پہنچیں گے جو ان کی خوراک بنیں گے (روح المعانی) وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا یہ خطاب یا حضور ﷺ سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے نصیر سے مراد ہے مددگار دنیا میں یا آخرت میں دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں یعنی تم دنیا میں منافقوں کا مددگار کوئی نہ پاؤ گے جو انہیں ہدایت دے دے یا آخرت میں ان کا مددگار کوئی نہ پاؤ گے جو انہیں شفاعت کر کے اس طبقے سے یا دوزخ سے نکال دے یا ان کا عذاب ہلکا کر دے مصیبت کے وقت کسی کا سہارا نہ ہونا اور بے یار و مددگار رہ جانا مصیبت کو سخت تر کر دیتا ہے۔ خیال رہے کہ حضور کی شفاعت و مدد چار قسم کی ہوں گی رفع درجات کی جو انبیاء اولیاء بے گناہ مسلمانوں کے لئے ہے عذاب سے رہائی یا میعاد عذاب میں کمی کی شفاعت یہ ہم گنہگاروں کے لئے ہے عذاب ہلکا کرانے کی شفاعت یہ بعض کفار کے لئے ہوگی جیسے ابو طالب بلکہ ابولہب کے لئے ہوئی۔ منافقوں کے لئے ان میں سے کوئی شفاعت نہیں کہ یہ دشمن رسول ہیں یہ بھی خیال رہے کہ مدد دو قسم کی ہے طاقت وقوت سے مدد دوسری سفارش و شفاعت سے مدد قوت و مقابلہ کی مدد کوئی نہیں کر سکتا خدا پر کسی کا زور نہیں سفارش و شفاعت کی مدد اللہ کے مقبول بندے کریں گے اس لئے مدد کی نفی میں مِنْ دُوْنِ اللهِ ارشاد ہوا مَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (بقرہ:۱۰۷) اور شفاعت کی مدد میں دُوْنِ اللهِ نہیں ہے۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ (مائدہ:۵۵) منافقوں کی مدد کسی قسم کی نہ ہوگی اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا چونکہ منافقین کے جرم بہت بھی تھے اور سخت بھی اسلئے انکی تبدیلی حالت کے واسطے رب تعالیٰ نے چار شرطیں لگائیں ایک شرط توبہ یعنی گزشتہ منافقت اور چالاکیوں پر نادم ہو جانا اور آئندہ کیلئے اصلاح عمل یعنی گزشتہ گناہوں سے باز آ جانا اور آئندہ کیلئے اعمال اچھے کرنا تَابُوْا اور اَصْلَحُوْا دریاء ناپیدا کنار ہیں جن میں تقویٰ و پرہیزگاری کے سارے ارکان کا اجمالی ذکر ہو گیا۔ وَاعْتَصَمُوْا بِاللهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ تیسری شرط یہ کہ اس توبہ اور درستی اعمال سے مقصود ہو رضا الٰہی کی طلب نہ کہ دنیاوی غرض اسی طلب رضا کو بیان فرمایا وَاعْتَصَمُوْا بِاللهِ اللہ تعالیٰ یعنی اس کے رسول اس کی کتاب یا اس کے دین کو مضبوطی سے پکڑنا کہ ہر کام رضاء رب

کے لئے کرنا اس پر ہی بھروسہ کرنا خیال رہے عربی میں اخذ بھی کہتے پکڑنے کو اعتصام بھی کہتے ہیں پکڑنے کو مگر اخذ مطلقا پکڑنا اعتصام مضبوطی سے پکڑنا کہ چھوٹ نہ سکے اللہ کو پکڑنے سے مراد ہے اس کے رسول کا دامن پکڑنا اس دامن کے پکڑ لینے سے دین و قرآن و ایمان سب ہی کو پکڑ لیا جاتا ہے چوتھی شرط بیان ہوئی دین کو خالص اللہ کے لئے اختیار کرنا چونکہ ہر مجرم سے اس جرم کی توبہ کرانی ضروری ہے جس میں وہ گرفتار ہو حتی کہ اگر عیسائی کو عیسائیت سے توبہ کرانی ہو تو عیسےٰ علیہ السلام و مریم کی بندگی کا اس سے قرار کرایا جاوے اگر مرزائی کو مسلمان کرنا ہو تو حضور کے خاتم النبیین کا اس سے قرار کرایا جاوے اگر شیعہ سے توبہ کرانی ہو تو خلفاء راشدین کی حقانیت کا اس سے اقرار کرایا جاوے اسے صرف کلمہ پڑھوانا کافی نہیں کہ وہ کلمہ تو پہلے ہی پڑھتا ہے چونکہ منافقین نماز و روزہ تو پہلے ہی سے پڑھتے تھے ان میں اخلاص نہ تھا ریا تھی اس لئے انہیں اخلاص کو حکم دیا گیا ریا کار کو نیک اعمال سے نہ روکو بلکہ اس کی خرابی کو نکال دو رب نے انہیں نماز، روزے سے نہ روکا۔ اخلاص کا حکم دے کر اصلاح فرما دی یعنی نہ تو یہ ہو کہ توبہ و نیک اعمال خالص دنیا کے لئے ہوں اور نہ یہ ہو کہ اللہ کے لئے بھی ہوں اور دنیا سازی کے لئے بھی بلکہ خالص اللہ کی رضا کے لئے ہوں لہٰذا اعتصام اور اخلاص میں تکرار نہیں۔ اعتصام کچھ اور بتا رہا ہے اخلاص کچھ اور یا اعتصام سے مراد ہے دنیاوی دولت کی نیت نہ ہونا اخلاص سے مراد ہے دنیاوی شہرت و عزت کا لالچ نہ ہونا اور بھی فرق کئے گئے ہیں خیال رہے کہ **اِلَّا** گزشتہ ثبوت کو نفی اور گزشتہ نفی کو ثبوت کر دیتا ہے۔ یہاں پہلے منافقین کے عیوب و سزا میں پانچ ثبوت تھے اور دو نفی لہٰذا اس **اِلَّا** نے پانچ نفی اور دو ثبوت کر دیئے یعنی توبہ کر لینے والے منافقوں سے پانچ مذکورہ عیوب نفی ہو گئے اور دو صفات ثابت ہو گئیں۔ **اَلَّذِیْنَ** سے تا قیامت منافقین مراد ہیں خواہ ایک دن کے منافق ہوں یا ایک ماہ کے یا سال بھر کے یا عمر بھر کے توبہ سے ان کی کایہ پلٹ جاوے گی جیسے پانچ منٹ کی بارش سال بھر کی خشکی دفع کر دیتی ہے ایک منٹ کی سورج کی شعاعیں رات بھر کی شبنم کو دفع کر دیتی ہیں یوں ہی ایک ساعت کی توبہ عمر بھر کے کفر نفاق گناہوں کو مٹا دیتی ہے فرعونی جادوگر عمر بھر کے مشرک و مجرم تھے ایک آن کی توبہ سے ان کی کایا پلٹ گئی اسلئے **الَّذِیْنَ** اور **تَابُوْا** کو بغیر قید ذکر فرمایا۔ جب وہ لوگ یہ چار کام کر لیں گے تب **فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ**۔ **اُولٰٓئِکَ** سے اشارہ ان ہی لوگوں کی طرف ہے جو وہ مذکورہ چار کام کر لیں معیت سے مراد ہے دنیاوی ہمراہی یا اخروی ہمراہی جسمانی ہمراہی یا روحانی و جنانی ہمراہی بہتر یہ ہے کہ یہ ساری ہمراہیاں مراد ہوں **الْمُؤْمِنِیْن** سے مراد مخلص مسلمان ہیں یا حضرات صحابہ کرام یعنی اگر یہ منافقین یہ چار کام کر لیں تو یہ لوگ صرف مومن ہی نہیں بلکہ ان مومنوں کے ساتھ شمار بھی ہو جائیں گے جنہوں نے آج تک کبھی نفاق نہ کیا اور ان کا نفاق بالکل معاف فرما دیا جاوے گا پرانے مخلص اور یہ نئے مخلص دنیا کے درجات آخرت کے انعامات میں برابر ہوں گے اس تفسیر سے آیت کریمہ پر کوئی اعتراض نہ رہا۔ **وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا** یہ ان کے انعام کا ذکر ہے پہلے ان توبہ کرنے والوں کے انجام کا ذکر تھا یعنی ان توبہ کر لینے والے منافقوں کا انجام تو یہ ہو گا کہ وہ پرانے مخلصین کے ساتھ ہو

جائیں گے اور انعام یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ سارے مومنوں کو عنقریب بڑا ہی ثواب دے گا سَوْفَ فرمانے سے معلوم ہوا کہ ثواب دور نہیں ہے نزدیک ہے جس کا کچھ حصہ دنیا میں کچھ حصہ مرتے وقت کچھ حصہ قبر برزخ میں کچھ حصہ قیامت میں اور باقی پورا حصہ بعد قیامت جنت میں عطا ہوگا اور ثواب بھی اتنا عظیم الشان ہوگا جو مخلوق کے وہم وگمان سے وراء ہے کیونکہ وہ اجر عظیم ہے۔

خلاصہ تفسیر اے مسلمانوں خیال رکھو کہ کبھی کفار کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ مسلمانوں کے سوا تمہاری دوستی کے لائق کوئی نہیں کیا تم کفار سے دوستی ومحبت کر کے یہ چاہتے ہو کہ کل قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں تمہارے خلاف کھلی حجت ودلیل قائم ہو جاوے اس دلیل کی بناء پر تم کفار کی طرح سخت عذاب کے مستحق ہو جاؤ خیال رکھو کہ کفار سے دلی دوستی کرنا منافقت ہے اور ایسا شخص منافق ہے منافقین کی سزا یہ ہے کہ وہ دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ ہاویہ میں رہیں گے جہاں دوسرے طبقوں سے عذاب سخت تر ہوگا اور تمام طبقوں کے کفار کے پیپ وخون وفضلات ان کی غذا ہوگی کیونکہ یہ منافقین دنیا میں بھی ہر قوم کے فضلہ خوار رہے وہاں بھی اس کا اثر ظاہر ہوگا نیز منافقین کا کوئی مددگار وغمخوار نہ ہوگا جو ان کا عذاب دفع یا ہلکا کر سکے کیونکہ انہوں نے دنیا میں نفسانی دوست بہت بنائے وہاں نفس بھی فنا کر دیا جاوے گا اور نفسانی دوست بھی ختم ہو جائیں گے وہاں دوستیاں اور مدد ایمانی رشتہ سے ہوں گی سواء ان لوگوں کے جو گزشتہ منافقت پر نادم وشرمندہ ہو کر توبہ کر لیں اور آئندہ کے لئے اپنے اعمال واحوال درست کر لیں پھر یہ توبہ و درستی دنیا کے لئے نہ ہو بلکہ اللہ کے لئے ہو اللہ کی رسی یعنی اس کے رسول کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیں اور یہ دامن کا پکڑنا بھی خلوص سے ہو دنیاوی غرض کو اس میں کوئی دخل نہ ہو اگر وہ لوگ یہ چار کام کر لیں تو وہ نہ یہ کہ صرف مومن ہو جائیں گے بلکہ پرانے مومنین ومخلصین کے زمرہ میں داخل ہو جائیں گے دنیا وآخرت میں ان کے ساتھ رہیں گے پرانے اور نئے ہونے کا فرق نہ کیا جاوے گا اور اللہ تعالیٰ سارے مومنوں کو خواہ نئے ہوں یا پرانے بڑا ہی ثواب دے گا دنیا میں بھی مرتے وقت بھی قبر میں بھی قیامت میں بھی جنت میں بھی یہ اجر وثواب اتنا بڑا ہوگا جو تمہارے وہم وگمان میں بھی نہ آسکے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کافروں سے دوستی کرنا منافقوں کا کام ہے مسلمانوں کو اس سے بچنا لازم ہے کافر مسلمان کا رشتہ دار تو ہو سکتا ہے مگر دوست نہیں ہو سکتا اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح درست ہے باوجود اس کے ان سے دوستی حرام ہے۔ دوستی اور چیز ہے رشتہ کچھ اور یہ فائدہ لَاتَتَّخِذُوا الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ کافروں سے دینی محبت یعنی ان کے دین کو اچھا سمجھنا کفر ہے کہ کفر سے راضی ہونا کفر ہے اور کفار سے قومی دوستی یعنی کفار سے محبت کرنا سخت حرام اور شخصی محبت کہ کسی کافر آدمی سے کسی دنیاوی وجہ سے محبت کرنا خطرناک ہے ظاہر یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں پہلی دو دوستیاں مراد ہیں جیسا کہ اَلْكَافِرِيْنَ کو جمع فرمانے سے معلوم ہوا فقہاء فرماتے ہیں کہ کفار کے بڑے دنوں ہولی

دیوالی بڑے دن وغیرہ کا احترام کرنا ان میں خوشی کرنا کفر ہے کہ کفار سے دلی دوستی کی علامت ہے۔
دوسرا فائدہ: قیامت میں بعض مسلمان کفار کے ساتھ دوستی کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے کہ وہاں ہر شخص اپنے دوست کے ساتھ ہوگا یہ فائدہ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: منافق کھلے کافر سے بدتر ہے اس کا عذاب کھلے کافر کے عذاب سے سخت تر ہے یہ فائدہ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ الخ سے حاصل ہوا اس کی وجہ ظاہر ہے کہ منافق کافر بھی ہے دھوکہ باز بھی اس کا نقصان بمقابلہ کھلے کافر کے سخت ہے ہمیشہ مسلمانوں کو منافقین کے ہاتھوں جو دکھ پہنچے وہ کھلے کافروں کے ہاتھوں نہ پہنچے منافقین غدار قوم غدار ملک غدار دین ہیں۔

جعفر از بنگال صادق از دکن — ننگ قوم و ننگ دین ننگ وطن
کے شب ہندوستان آید بروز — مرد جعفر روح او زندہ ہنوز!

چوتھا فائدہ: دوزخ کے تمام طبقوں میں نچلا طبقہ ہاویہ زیادہ خطرناک ہے وہاں عذاب بہت سخت ہے جیسا کہ جنت کے تمام طبقوں میں اونچا جنت الفردوس یا اعلیٰ علیین بہترین ہے۔ **پانچواں فائدہ**: کل قیامت میں منافقوں کا مددگار کوئی نہیں مخلص مومنوں کے بہت سے مددگار اللہ تعالیٰ نے بنا دیئے ہیں جو ان کی شفاعت کر کے معافی یا عذاب میں تخفیف کرائیں گے جیسا کہ لَھُمْ نَصِیْرًا میں لَھُمْ کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا جو شخص کہے کہ میرا مددگار کوئی نہیں وہ اپنے منافق ہونے کا اقرار کرتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (مائدہ:۵۵)۔ خیال رہے کہ مومنین کو حضور ﷺ حضرات اولیاء عام مومنین کی طرف سے دنیا میں بھی مددیں پہنچتی رہتی ہیں۔ مرتے وقت بھی قبر میں بھی اور قیامت میں بھی اس لئے ثواب قیامت کے بعد دیا جاوے گا کیونکہ برزخ میں مومنوں کو زندوں کی طرف سے قیامت تک دعائیں صدقات خیرات پہنچتے رہیں گے جب دنیا سے مسلمان ختم ہو جاویں گے اور یہ ثواب پہنچنا بند ہو جاوے گا تب قیامت آوے گی جیسے روٹی کپڑا مکان ہم کو بہت سی امدادوں کے بعد ملتا ہے کپڑے میں کپاس والے کسان پھر بنولے نکالنے والی مشین پھر سوت کاتنے والے پھر بننے والے کی پھر سینے والے درزی کی امدادیں شامل ہوئیں تب ہم نے پہنا پھر بھی دھوبی کے محتاج رہے یوں ہی کلمہ قرآن نمازیں وغیرہ عرشی نعمتیں بہت ہاتھ لگنے بہت حضرات کی مدد کے بعد ہم کو ملے۔ **چھٹا فائدہ**: گنہگار مسلمانوں کی بھی شفاعت ہوگی کیونکہ یہاں شفاعت نہ ہونا مددگار نہ ہونا منافقوں کیلئے خاص کیا گیا (تفسیر کبیر)۔ **ساتواں فائدہ**: بدترین کافر کی بھی توبہ قبول ہے جیسا کہ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا الخ سے معلوم ہوا دیکھو منافقین بدترین کفار ہیں مگر توبہ کی دعوت ان کو بھی دی گئی۔
آٹھواں فائدہ: سخت جرم کی توبہ بھی بہت مضبوط ہونی چاہئے دیکھو ان منافقوں کو چار چیزوں کی تاکید فرمائی توبہ، اصلاح، اعتصام باللہ، اخلاص دین کیونکہ ان کا جرم بھی سخت تھا۔ **نواں فائدہ**: اچھوں کا ساتھ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے رب تعالیٰ نے یہاں ان چار چیزوں کا انعام یہ مقرر فرمایا کہ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ اللہ تعالیٰ اچھوں

کا ساتھ عطا فرماوے دین و دنیا میں ان کے ساتھ رکھے لکڑی کے سہارے لوہا تر جاتا ہے۔ **دسواں فائدہ**: نو مسلم اور پرانا مسلم انشاء اللہ بارگاہ الٰہی میں ایک درجہ رکھتا ہے۔ یہ فائدہ بھی مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ سے حاصل ہوا۔ **گیارھواں فائدہ**: رب تعالیٰ مومنوں کو ایسا عظیم الشان اجر دے گا جو ان کے خیال و گمان و وہم سے وراء ہوگا جیسا کہ اَجْرًا عَظِيْمًا سے معلوم ہوا کریم بھکاریوں کا استحقاق نہیں دیکھتے اپنی شان کرم پر نظر فرما کر بندہ نوازی کرتے ہیں یہ فائدہ اَجْرًا عَظِيْمًا سے حاصل ہوا۔ **بارھواں فائدہ**: سب سے سخت عذاب تین قسم کے لوگوں کو ہے فرعونی لوگ۔ مائدہ والے لوگ جنہوں نے غیبی دستر خوان عیسیٰ علیہ السلام سے مانگا مگر دستر خوان آنے پر بھی ایمان نہ لائے ہمارے اسلام کے منافقین دیکھو رب تعالیٰ نے فرعونیوں کے متعلق فرمایا اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (مومن:۴۶) اور مائدہ والوں کے متعلق فرمایا۔ فَاِنِّیْ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّا اُعَذِّبُهٗ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (مائدہ:۱۱۵) اور اسلامی منافقین کے متعلق فرمایا اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء:۱۴۵)۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ اگر تمام امتیں اپنے منافقین لائیں اور ہم اپنے ایک منافق حجاج ابن یوسف کو لائیں تو ہمارا یہ منافق ان سب منافقوں سے بڑھ جاوے گا (تفسیر روح المعانی)۔ **تیرھواں فائدہ**: قیامت میں اللہ تعالیٰ بغیر دلائل و حجت کسی کو عذاب نہ دے گا یہ فائدہ سُلْطَانًا مُّبِيْنًا سے حاصل ہوا اور جیسے دوستی کفار کفر کی کھلی دلیل ہے ایسے ہی مسلمانوں سے دوستی اولیاء اللہ انبیاء کرام سے عقیدت انشاء اللہ ایمان کی کھلی دلیل ہوگی بلکہ دل کا میلان و رجحان اگر کفار کی طرف ہے تو سمجھ لو کہ انجام خراب ہونے والا ہے اور اگر کسی کے دل کا میلان مومنوں مقبولوں کی طرف ہے تو سمجھ لو کہ انشاء اللہ خاتمہ بالخیر میسر ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ روحیں مختلف لشکر ہیں۔ ہر قسم کی روح کو اپنی جنس والی روحوں سے الفت ہوگی مولانا فرماتے ہیں شعر:

ناریاں مرناریاں راطالب اند   نوریاں مرنوریاں را جاذب اند!

اعتراضات

پہلا اعتراض: کفار سے دوستی کو اتنا سنگین و خطرناک جرم کیوں قرار دیا گیا کہ قتل، غارت، شراب نوشی وغیرہ جرموں سے اس کی سزاء اخروی سخت رکھی اس کی کیا وجہ ہے بظاہر یہ معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ **جواب**: اس لئے کہ ان سے محبت تمام گناہ بلکہ کفر کی جڑ ہے قوم سے غداری ہے ملک و ملت سے دشمنی ہے۔ جاسوسی مسلمانوں کو نقصان رسانی اسی محبت کی وجہ سے ہوتی ہے کافر کی محبت سانپ کی محبت سے خطرناک ہے کہ سانپ جان لے گا اور کافر ایمان نیز کھلے کافروں سے مسلمانوں کو نقصان کم پہنچتا ہے مگر ان چھپے کافروں یعنی منافقوں سے نقصان زیادہ پہنچتا ہے کھلے زہر سے انسان کو نقصان کم پہنچتا ہے مگر مٹھائی میں چھپے ہوئے زہر سے لوگ زیادہ مرتے ہیں اس لئے منافق کھلے کافروں سے بدتر ہیں چنانچہ ان کا عذاب کھلے کافروں سے زیادہ ہے۔ حق تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہم خود اپنے پر ظلم کر لیتے ہیں

دوسرا اعتراض: جب کفار سے محبت اتنی بری چیز ہے تو اہل کتاب عورتوں سے نکاح کیوں درست ہے بیوی سے محبت تو لازمی چیز ہے۔ **جواب**: اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح اس لئے درست کیا گیا تا کہ وہ ہماری صحبت سے اسلام قبول کر لیں اگر ہم کو اپنے ایمان کا خطرہ ہو یا اپنی قوم سے غداری کا اندیشہ ہو تو ہر گز ان سے نکاح درست نہیں نیز بیویوں سے محبت شہوانی ہوتی ہے جیسے ماں باپ سے محبت جسمانی۔ محبت بمعنی میلان قلبی کہ ان کی وجہ سے اسلام و مسلمانوں کی محبت کم یا مفقود ہو جائے یہ حرام ہے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آذر اور تمام رشتہ داروں سے بیزاری کا اعلان فرما دیا دیکھو ان سے رشتہ بھی ہے نفرت بھی۔

تیسرا اعتراض: منافقین کا عذاب تمام کفار سے سخت تر کیوں رکھا گیا کھلے کافر تو دل و زبان دونوں کے کافر ہیں۔ منافق کم از کم زبان کے تو مسلمان ہیں انکا عذاب ہلکا ہونا چاہئے تھا۔ **جواب**: منافقین زبان کے مومن نہ تھے بلکہ زبان کے دھوکہ باز تھے یہ کلمہ خوانی مکاری و عیاری ہے نہ کہ زبانی ایمان منافقین کافر بھی تھے دھوکہ باز بھی اسلام و مسلمانوں کے بدترین دشمن بھی لہٰذا ان کا عذاب سخت ہونا چاہئے۔

چوتھا اعتراض: اسلام میں منافق کون ہے حدیث شریف میں تو جھوٹے وعدہ خلاف، گالیاں بکنے والے کو منافق فرمایا گیا ہے کیا ان سب لوگوں کا یہی عذاب ہے۔ **جواب**: منافق وہ ہے جو کفر چھپائے ایمان ظاہر کرے اس قسم کے گنہگاروں کو منافق عملی فرمایا گیا ہے یعنی منافقوں کے سے کام کرنے والے لہٰذا حدیث پاک بالکل صحیح ہے۔

پانچواں اعتراض: دوزخ کے نچلے طبقے میں عذاب سخت کیسے ہوگا آگ ایک ہے پھر اس کے اثرات مختلف کیوں۔ **جواب**: جیسے سورج ایک ہے مگر اس کی گرمی زمین کے مختلف طبقوں میں مختلف ہے خط استوار پر سخت گرمی ہوتی ہے۔ پہاڑوں پر ٹھنڈک ایسے ہی وہاں ایک آگ کی تاثیریں مختلف طبقوں میں مختلف ہوں گی نیز دھوپ میں صفراوی مزاج والے کو گرمی زیادہ لگتی ہے بلغمی و دموی مزاج والے کو کم اسی طرح وہاں منافقوں کو گرمی زیادہ محسوس ہوگی دوسرے کفار کو کم گنہگار مسلمانوں کو جو وہاں جائیں گے بہت کم حتی کہ جو نیک مسلمان گنہگار دوزخی مسلمانوں کو نکالنے کے لئے دوزخ میں جائیں گے۔ انہیں وہاں کی آگ کی گرمی کچھ بھی محسوس نہ ہوگی بہر حال یہ اختلاف طبقات بالکل حق ہے۔

چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر و منافق کی بھی توبہ قبول ہے مگر حدیث پاک میں ہے کہ ثعلبہ نے زکوٰۃ پر ناگواری ظاہر کی پھر خود زکوٰۃ لے کر حاضر ہوتا رہا ہر بار نامنظور ہوئی حتی کہ عہد عثمانی میں اسی طرح فوت ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کی توبہ قبول نہ ہوئی۔ آیت و حدیث میں تعارض ہے اسی طرح ایک غلول کرنے والے کی بھی توبہ حضور نے قبول نہ فرمائی۔ **جواب**: ثعلبہ نے توبہ نہ کی تھی بلکہ مسلمانوں کے خوف سے نفاق سے زکوٰۃ لایا تھا لہٰذا منظور نہ ہوئی خیال رہے کہ توبہ سے عذاب اخروی ختم ہو جاتا ہے مگر شرعی قانونی سزا معاف نہیں ہوتی چور زانی توبہ

کرلیں مگر چوری اور زنا کی سزا ضرور پائیں گے غلول والے کا معاملہ یہ دوسرا تھا لہٰذا آیت وحدیث میں تعارض نہیں۔

ساتواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو منافق توبہ اصلاح اعمال اخلاص وغیرہ کرے تو وہ مومنوں کے ساتھ ہو جاوے گا تو کیا خود مومن نہ ہوگا یہاں یہ کیوں نہ فرمایا کہ وہ مومن ہو جاوے گا۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ ایسا توبہ کرنے والا شخص صرف مومن نہ ہوگا بلکہ پرانے مومنوں کے ساتھ ہو کر ان جیسا انعام پاوے گا۔ اگر یہاں صرف یہ فرمادیا جاتا کہ وہ مومن ہو جاوے گا تو شبہ ہوتا کہ مومن تو ہو جاوے گا۔ مگر بہت گھٹیا درجہ کا اور پرانے مومن بہت اونچے درجہ کے مومن ہوں گے اسی شبہ کو دور فرمانے کیلئے اس طرح ارشاد ہوا نیز یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ ہمارے ہاں وہ کامیاب ہے جو مومنوں کے ساتھ رہے اکیلا مومن جو دوسروں کے ساتھ نہ ہو کامیاب نہیں بکری وہ ہی شکار ہونے سے بچتی ہے جو ریوڑ کے ساتھ رہے۔

آٹھواں اعتراض: اعتصام باللہ اور اخلاص دین میں کیا فرق ہے دونوں ایک ہی معلوم ہوتے ہیں۔

جواب: اسکا فرق تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اعتصام باللہ سے مراد ہے طلب رضاء الٰہی اور اخلاص سے مراد ہے اس طلب کا خالص ہونا کہ سواء اسکے اور کوئی مقصود نہ ہو طلب اور اخلاص طلب میں بڑا فرق ہے اخلاص طلب درحقیقت طلب کا کمال ہے۔

تفسیر صوفیانہ

حضور ﷺ رحمت الٰہی کا بادل ہیں اور قرآن مجید، احادیث صحیحہ اس بادل کی ظاہری بارش اور اسرار قرآن ورموز دین۔ فیوض وبرکات اس بادل کی باطنی بارش ہے کافر کا دل زمین شورہ ہے جہاں اس بارش سے کچھ نہ پیدا ہوا وہ پہلے کفر پر جمارہا اور مومن کا دل وہ اعلیٰ زمین ہے جہاں ہر قسم کا تخم ودیعت تھا جس سے باغ وبہار پھول وپھل پیدا ہوئے مگر منافق کا دل وہ زمین ہے جس میں اس بارش سے درخت خار دار اگے کانٹے پھیلے زہریلی گھاس وغیرہ پیدا ہوئیں یہ زمین بمقابل کافر کی زمین کے زیادہ نقصان دہ ہے اس لئے اس کی سزا بھی سخت ہے اب اگر اس زمین پر کسی مقبول کی نگاہ کرم ہو جاوے جس سے اس کی اصلاح ہو جاوے اور توبہ کی وجہ سے اس زمین کا انقلاب ہو جاوے جس سے اس میں اعتصام باللہ کے پھول اخلاص کے پھل لگ جاویں تو یہ زمین دوسری اعلیٰ زمینوں میں شمار ہو جاوے گی۔ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ کھلے کافر نے اپنے کفر کی زنگ سے اپنے روح کی صفائی کو بگاڑ لیا مگر اس کے دل پر صرف ایک زنگ ہے کفر کی مگر منافق کے دل پر دو زنگ ہیں۔ کفر کی زنگ اور نفاق کی زنگ لہٰذا منافق بمقابلہ کھلے کافر کے زیادہ سخت ہے پھر کافر کے خانہ دل سے زبان کی طرف کھڑکی کھلی ہوئی ہے۔ جس کھڑکی کے ذریعہ اس کے کفر کے بخارات زبان کی راہ نکلتے رہتے ہیں کہ وہ کفر بکتا رہتا ہے جس سے کفر کی بھڑک کچھ ہلکے ہوتی رہتی ہے مگر منافق کے دل کی یہ کھڑکیاں روزن بند ہیں اس کے بخارات کفر گھٹ گھٹ کر دل میں ہی رہتے ہیں جس سے ان کی بھڑک دوسروں سے زیادہ ہو جاتی ہے اسی وجہ سے وہ دوزخ کے نچلے

حصہ ہاویہ میں ہوں گے کیونکہ یہ دنیا میں بھی کفر کے نچلے حصہ نفاق میں تھے ایسے ڈبل کفر والوں کا مددگار قیامت میں کوئی نہ ہوگا چونکہ منافقین کے زنگ ڈبل اور بخارات نہ نکلنے کی وجہ سے بھڑک زیادہ لہٰذا ان کی صفائی کے لئے چار صیقلوں کی ضرورت ہوئی توبہ، اصلاح، اعتصام، اخلاص یہ چار صیقل جب استعمال کئے جاویں تو ان کے دلوں میں صفائی پیدا ہوگی پھر وہ مومنوں کی صفوں میں آنے کے قابل ہوں گے اللہ تعالیٰ صرف مومنوں کو ہی اجر عظیم دے گا جب یہ مومن ہو گئے تو یہ بھی اس بڑے ثواب کے مستحق ہوں گے۔

خلاف طریقت بود کا اولیاء　　　　نخواہند غیر از خدا از خدا　　　　(روح)

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ
کیا کرے گا اللہ تمہارے عذاب سے اگر تم شکر کرو اور ایمان قبول کرو اور ہے
اور اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم حق مانو اور ایمان لاؤ اور اللہ ہے
اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿١٤٧﴾
اللہ قدر دان علم والا
صلہ دینے والا جاننے والا

تعلقات

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں منافقین کے سخت عذاب کا ذکر تھا اب وجہ عذاب کا ذکر ہے کہ عذاب کی وجہ یہ نہیں کہ ہم کو ان منافقین سے کوئی عداوت وذاتی رنجش ہے بلکہ اس کی وجہ خود ان کی اپنی بدعملیاں ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں منافقین ومفسدین کو توبہ کی دعوت دی گئی تھی کہ اب بھی توبہ واخلاص اختیار کرلو ہم تم کو بخش دیں گے اور پرانے مومنوں کی صفوں میں داخل فرمالیں گے اب اس قبول توبہ کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ ہم شاکر بھی ہیں علیم بھی اور شاکر و علیم کا کام ہے بخش دینا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ ہم مومنوں کو بڑا ثواب دیں گے اب اپنا ایک کلیہ قانون بیان ہو رہا ہے جس سے ثواب کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے وہ قانون یہ ہے کہ رب تعالیٰ بے قصور کسی کو سزا نہیں دیتا ہاں کبھی بغیر نیک اعمال عطائیں فرما دیتا ہے جیسے مسلمانوں کے چھوٹے بچے اور وہ نومسلم جو ایمان لاتے ہی فوت ہو جائیں لہٰذا اگر منافقین ایمان لے آئیں اور کوئی نیکی نہ کرسکیں کہ فوت ہو جائیں تو ان کو پرانے مسلمانوں کا سا اجر دے گا غرضیکہ ایک کرم خاص کا ذکر پچھلی آیت میں تھا قانون کلی کا ذکر اس آیت میں ہے۔

تفسیر

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ یہ جملہ نیا ہے جو پہلے گزشتہ جملہ کی شرح فرما رہا ہے مَا یا تو استفہامیہ ہے اور بِعَذَابِكُمْ ب سببیہ ہے۔ اس کا تعلق یا تو یَفْعَلُ سے ہے یا کسی پوشیدہ

لفظ سے۔ اس صورت میں لفظ مَا مفعول مقدم ہوگا یَفۡعَلُ کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا تمہیں عذاب دینے میں اس کا کوئی فائدہ نہیں اور عذاب نہ دینے میں اس کا کوئی نقصان نہیں نہ تم سے اسے عداوت ہے کہ تم کو ظلماً عذاب دے کر اپنا غصہ ٹھنڈا کرے نہ وہ ظالم ہے جو بلا وجہ تم کو عذاب دے (تفسیر روح المعانی وکبیر وغیرہ) یا یہ مَا نافیہ ہے اس صورت میں بِعَذَابِکُمۡ کی ب زائدہ ہے اور یہ بِعَذَابِکُمۡ۔ یَفۡعَلُ کا مفعول بہ ہے اب معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو عذاب نہ کرے گا لہٰذا اس جملہ کی دو تفسیریں ہوئیں مگر دونوں کا منشا ایک ہی ہوا (تفسیر صاوی وکبیر وروح المعانی) مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے دوسری تفسیر زیادہ آسان ہے کُمۡ میں خطاب یا تو منافقین سے ہے یا حضرات صحابہ کرام سے یا تا قیامت سارے مسلمانوں سے یا سارے انسانوں سے یا تمام جن وانس سے ان پانچ احتمالات میں سے پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کہ پچھلی آیت میں منافقین ہی کا ذکر ہے لہٰذا یہاں بھی خطاب ان سے ہی چاہئے۔ اِنۡ شَکَرۡتُمۡ وَاٰمَنۡتُمۡ یہ عبارت یا تو پہلے عبارت کی شرط مؤخر ہے اور وہ اس کی جزاء مقدم تھی یا یہ علیحدہ جملہ ہے اور اس کی جزاء لَایُعَذِّبُکُمۡ پوشیدہ ہے شکر ضد ہے کفر یا کفران کی کفران کے معنی ہیں چھپانا تو شکر کے معنی ہوئے ظاہر کرنا اصطلاح میں شکر کے معنی ہیں نعمتیں دینے والے کی نعمتوں کا اقرار کرنا دل سے اظہار کرنا زبان سے اطاعت کرنا ارکان یعنی اعضاء سے لہٰذا شکر کے تین درجے ہوئے شکر جنانی، لسانی، ارکانی آمَنۡتُمۡ ایمان سے بنا کفر کا مقابل بمعنی درستی عقائد یہاں بھی خطاب میں وہ ہی پانچ احتمال ہیں جو بِعَذَابِکُمۡ کے خطاب میں تھے لیکن اگر منافقین وکفار سے خطاب ہو تو شکر کے معنی ہوں گے شکر کرنا اور ایمان سے مراد ہوگی ایمان لانا اور اگر مسلمانوں سے خطاب ہو تو شکر سے مراد ہوگا شکر کئے جانا اور ایمان سے مراد ہوگا ایمان پر قائم رہنا کیونکہ مومن ایمان تو پہلے ہی لا چکا ہے اور وہ بندہ شاکر بھی ہے کیونکہ بغیر شکر ایمان نصیب نہیں ہوتا اگرچہ ایمان شکر سے پہلے ہے کیونکہ شکر ایک عمل ہے اور ایمان عقیدہ اور ظاہر ہے کہ عقیدہ اعمال پر مقدم ہوتا ہے اور بغیر درستی عقائد کوئی عمل نہ صحیح ہو نہ مقبول مگر شکر مبہم ایمان سے پہلے ہوتا ہے بلکہ وہ شکر مبہم ہی ایمان لانے کا ذریعہ ہوتا ہے یہاں وہی شکر مراد ہے اس لئے شکر کو ایمان سے پہلے بیان کیا گیا۔ خیال رہے کہ شکر کے تین درجے ہیں پہلا درجہ نعمتوں (روزی خلقت وغیرہ) میں غور کر کے منعم کی معرفت کا شوق کرنا اس شکر کا نام یقظہ بھی ہے شکر قلبی بھی اور شکر مبہم بھی۔ دوسرا درجہ منعم کو پہچان لینا کہ وہ صمد ہے ارحم الراحمین ہے عذاب اور ثواب دینے والا ہے۔ تیسرا درجہ اس معرفت کے بعد اپنے منعم کی تعظیم کرنا اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور زبان سے تعریف کرنا ہے۔ شکر کا پہلا درجہ ایمان پر مقدم اور دوسرا درجہ ایمان کے ساتھ ہے اور تیسرا درجہ ایمان کے بعد یہاں پہلا درجہ یعنی شکر مبہم یا یقظہ مراد ہے لہٰذا اس کا ایمان سے پہلے بیان فرمانا نہایت ہی درست ہے (تفسیر روح المعانی)۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اس عبارت میں قلب ہے۔ اصل میں آمَنۡتُمۡ وَ شَکَرۡتُمۡ تھا یا واؤ ترتیب کے لئے نہیں ہے۔ تفسیر خازن نے بھی اس تیسری وجہ کو اختیار فرمایا۔ مگر فقیر کی نگاہ میں تفسیر روح المعانی کی تحقیق

نہایت قوی ہے کہ قرآن کریم کی ترکیب ذکری بھی صدہا حکمتوں سے ہوتی ہے۔ علامہ نیشاپوری نے فرمایا کہ چونکہ یہاں خطاب منافقین سے ہے جو ظاہراً مومن تھے مگر دلی کافر یعنی شاکر نہ تھے اسلئے یہاں شکر کا ذکر پہلے ہوا۔ منشا یہ ہوا کہ تم وہ ایمان اختیار کرو جو شکر یعنی عقیدت قلبی پر مبنی ہو۔ وَکَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیۡمًا یہ نیا جملہ ہے جو پچھلے مضمون مَایَفۡعَلُ اللّٰہُ کو ثابت کر رہا ہے کان دوام استمرار کیلئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات دائمی ہیں شَاکِرًا کَانَ کی خبر اول ہے اور عَلِیۡمًا خبر دوم۔ شاکر و شکور اللہ تعالیٰ کے اسمائے عالیہ میں سے ہیں یہاں شاکر وہ ہے جو بندوں کی تھوڑی طاعت پر بے شمار جزاء عطا فرمادے اور بندوں کے گنے چنے محدود زمانے کے اعمال پر غیر محدود دائمی نعمتیں بخش دے یا شاکر وہ ذات کریم جو اپنے بندوں کے معمولی عمل کی بھی قدر فرمائے اور انہیں اپنی شان کے لائق جزا دے چونکہ یہ شکر یعنی اعمال کی قدر دانی نعمتوں کی فراوانی بخششوں کی جاوادنی بغیر علم ناممکن ہے کہ جو منعم اپنے بندوں کے اعمال سے ہی بے خبر ہو وہ انہیں جزاء کیسے دے گا۔ اسلئے یہاں شَاکِرًا کے ساتھ عَلِیۡمًا کا ذکر ہوا یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے صلہ دینے والا قدر فرمانے والا علیم وخبیر ہے لہٰذا کیسے ہوسکتا ہے کہ تم لوگ شکر کرو اور وہ تمہیں سزا دے۔

خلاصہ تفسیر

اے منافقو یا اے مخلص صحابیو یا اے مسلمانوں، یا اے انسانو یا اے سارے جن وانس اگر تم بندہ شاکر اور مومن رہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا نہ اسے تم سے عداوت نہ تمہارے عذاب دینے سے اس کے ملک میں کچھ زیادتی ہوتی ہے نہ تمہیں ثواب دینے سے اس کے ملک میں کچھ کمی ہوتی ہے۔ نہ وہ ظالم ہے جو بلاوجہ کسی کو سزا دے جب ان میں سے کوئی وجہ نہیں تو بغیر جرم کسی بندے کو عذاب دینا ناممکن ہے جس کو جو سزا ملے گی وہ اس کی اپنی بدعملی ناشکری نافرمانی کا نتیجہ ہوگی۔ یہ سزا عدل وحکمت پر مبنی ہوگی لہٰذا نہ تم نافرمانی کرو نہ سزا پاؤ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے اپنے بندوں کا قدر دان ان کے معمول اعمال پر اعلیٰ نعمتیں دینے والا ہے وہ ہر ایک کے عمل عقیدے مقدار عمل کیفیت عمل کو جانتا ہے لہٰذا اخلاص ونیک اعمال اختیار کرو تاکہ اس کی بارگاہ سے اعلیٰ نعمتیں پاؤ اسے راضی کرو وہ تم پر فضل فرمائے گا۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اللہ تعالیٰ کے کام حکمت سے تو ہوتے ہیں۔ مگر کسی غرض سے نہیں ہوتے وہ رب کریم غرض وغایت سے پاک ہے جیسا کہ مَایَفۡعَلُ اللّٰہُ الخ سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: شکر گزار مومن کو سزا نہ دی جاوے گی اور رب تعالیٰ کسی کی نیکیاں بلاوجہ ضائع نہ کرے گا۔ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (توبہ:۱۲۰) یہاں یہ فائدہ اِنۡ شَکَرۡتُمۡ وَاٰمَنۡتُمۡ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: دنیا کے بادشاہ تین وجہ سے لوگوں پر سختی کرتے ہیں۔ اپنے نقصان کے خوف اندیشہ سے نفسانی غصہ کی آگ بجھانے کے لئے مجرم کے جرم کی وجہ سے تیسری وجہ کی تو معافی ہو جاتی ہے مگر پہلی دو وجہوں کی معافی نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو صرف تیسری وجہ سے سزا دے گا وہ

رب کریم پہلی دو وجہوں سے پاک ہے۔ **چوتھا فائدہ** :گنہگار مومن کو دائمی عذاب نہ ہوگا اس کی خلاصی ضروری ہے کیونکہ وہ مومن تو کامل ہے شاکر ناقص ہے کچھ نہ کچھ تھوڑا بہت شکر ضرور کرتا ہے اور ایمان و شکر کا ثواب یقینی ملنا ہے اس لئے اسے بھی آخر کار ثواب کی جگہ جنت میں بھیجا جاوے گا۔ **پانچواں فائدہ** :اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے تھوڑے اعمال پر بھی راضی ہو جاتا ہے اس پر ثواب عظیم فرماتا ہے اگر اسے راضی کرنا ہے تو اعمال نیک کرو۔ جیسا کہ شَاكِرًا کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ اس لئے رب تعالیٰ کا نام شکور ہے اب بھی اگر ہم اسے راضی نہ کریں تو ہماری اپنی بد نصیبی ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں!

چھٹا فائدہ :اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہر حال ہر کیفیت پر ہمیشہ سے خبردار ہے جیسا کہ **كَانَ** استمراری سے معلوم ہوا اس زمانہ کے بعض بے دینوں کا خیال ہے کہ رب تعالیٰ بندوں کے اعمال پر جب خبردار ہوتا ہے۔ جب بندہ عمل کر چکتا ہے یہ فاسد عقیدہ اس آیت کے خلاف اور صریح کفر ہے۔

اعتراضات

پہلا اعتراض : اس آیت کا ترجمہ اور مقصد یہ ہے کہ اگر تم شکر و ایمان کرو تو ہم تم کو عذاب دے کر کیا کریں گے یعنی کچھ نہ کریں گے جس سے معلوم ہوا کہ اگر بندے شکر و ایمان اختیار نہ کریں تو رب تعالیٰ عذاب دے کر کچھ کرے گا اس عذاب میں اس کا کچھ نفع ہے یہ شرط اس کی شان کے خلاف ہے۔ **جواب**: غیر مومن غیر شاکر کو عذاب دے کر رب تعالیٰ عدل و انصاف کرے گا اس عدل و انصاف میں اس کا نفع نہیں خلق کا نفع ہے عالم کا نظام عدل و انصاف سے قائم ہے مومن شاکر کو عذاب دینے میں عدل تو ہے نہیں اگر ہے تو حاکم کی کوئی ذاتی لالچ و غرض ہے اس سے خدا تعالیٰ پاک ہے اس لئے یہ شرط و جزاء بالکل درست ہے۔

دوسرا اعتراض :اس آیت سے معلوم ہوا کہ شاکر مومن کو عذاب بالکل نہ ہو کہ فرمایا گیا اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ حالانکہ بہت سے شاکروں مومنوں کو عذاب ہوگا جو گنہگار ہوں گے یہ آیت اس قانون کے خلاف ہے۔ **جواب**: شاکر سے مراد کامل شکر گزار ہے وہ وہ ہی ہے جو گناہوں سے بچے گنہگار مومن کامل شاکر نہیں یا یہ کہو کہ گنہگار مسلمان ہے تو شاکر مگر اس کو عارضی طور پر دوزخ میں ڈالنا عذاب نہیں عتاب ہے اور وہ عتاب بھی اسے پاک و صاف کر کے جنت کے قابل بنانے کے لئے ہے جیسے گندے سونے کو آگ میں تپا کر ہتھوڑے مارنا اسے محبوب کے گلے کے لائق بنانے کے لئے ہے عذاب کے لئے نہیں۔

تیسرا اعتراض : یہاں شکر کو ایمان پر مقدم رکھا گیا ہے حالانکہ ایمان شکر پر مقدم ہے کہ ایمان عقیدہ کا نام ہے اور شکر عمل کا تو یہ ترتیب کیسے درست ہوئی۔ **جواب** :اسکے چند جوابات تفسیر میں گزر گئے جن میں سے اعلیٰ جواب یہ ہے کہ یہاں شکر اعتقادی مراد ہے جو ایمان سے پہلے ہوتا ہے جس کی وجہ سے ایمان نصیب ہوتا ہے یعنی شکر مبہم لہٰذا

یہ ترتیب نہایت ہی درست وصحیح ہے اور بھی اس کے جوابات دیئے گئے ہیں جو ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کر دیئے۔

تفسیر صوفیانہ شکر وایمان میزان سے نجات کا ذریعہ ہے جو ان نعمتوں سے الگ رہا وہ دوزخ اور فراق یار کی نار کا مستحق ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم پر نعمتوں کا پہلا کنارہ پہنچے تو خوب شکر کرو تا کہ اس کا آخری کنارہ بھی تم تک پہنچے اور تم پر نعمت مکمل ہو جاوے اگر شکر میں کمی کرو گے تو آخری کنارہ تم تک نہ پہنچے گا کسی نے کیا خوب فرمایا شعر:

چوں بیابی تو نفع در چند — خرد باشد چو نقطۂ موھوم
شکر آں یافتہ خرد مگذار — کہ ز نا یافتہ شوی محروم!

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی لاکھوں نعمتیں وہ ہیں جو ہم کو ہمارے دنیا میں آنے سے پہلے مل چکی ہیں اس نے ہم کو نیستی سے ہست کیا تمام مخلوق سے پہلے ہماری روحیں پیدا فرمائیں۔ ہمارے ظلمت کدہ جسم میں روح کے نورانی بلب لگائے ان ارواح پر نورانی چھینٹا ڈالا جو بعض پر پڑا بعض اس سے محروم رہے جن پر پڑا ان سے خطاب فرمایا۔ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ یعنی یہ وہ نعمتیں ہیں جو تجھ کو بغیر استحقاق دی گئیں۔ اگر تم نے ان نعمتوں کا شکر کیا کہ نعمتوں کو بھی پہچانا اور منعم کا احسان بھی مانا تو تم میرے فراق کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔ نعمتوں کے شکر سے منعم کا شکر زیادہ اہم ہے اس لئے ایک جگہ ارشاد ہوا وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (بقرہ:۱۵۲) میری ہستی کا شکر کرو اگر منعم نہ ہوتا تو نعمتیں کون دیتا جس نے رب کے وجود کا شکر کیا اسے رب تعالیٰ کے جود سے حصہ وافر ملا۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے کفر شاکروں کے شکر سے خبردار ہے جبکہ یہ کافرو شاکر نہ بنے تھے اس وقت سے وہ ان کی ذات واحوال کو جانتا ہے اس نے شاکروں کے شکر کی جزاء کافروں کے کفر کی سزا ان دونوں گروہوں کی پیدائش سے پہلے تجویز کر رکھی ہے (از روح البیان)۔

الحمد للہ کہ تفسیر نعیمی کا یہ پانچواں پارہ ۱۵ ماہ رمضان ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۶۳ء بروز یکشنبہ کو شروع ہوا اور آج بتاریخ ۱۶ ماہ ربیع الاول ۱۳۸۳ء مطابق ۷ اگست ۱۹۶۳ بروز چہار شنبہ بوقت ۹ بجے صبح بخیر و خوبی ختم ہوا۔ چھ ماہ ایک دن میں مکمل ہوا۔ رب تعالیٰ اسے قبول فرمائے مسلمانوں کیلئے نافع مجھ سیاہ کار کیلئے توشۂ آخرت بنائے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ
وَاَصْحٰبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِهٖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ

الحمد للہ کہ اسی سال ماہ رمضان کے روزے اور اعتکاف مسجد نبوی شریف میں نصیب ہوئے۔ یہ گنہگار يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْآ اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء:۵۹) کی تفسیر کا درس یہاں گجرات دے کر گیا تھا پھر اس آیت کریمہ کا درس اعتکاف کے زمانہ میں دس دن مسجد نبوی شریف اندرونی باب سیدنا عمر میں دیا پھر پانچ ماہ کے بعد اس مبارک سفر سے واپس گجرات آ کر آٹھ دن اسی آیت پر درس دیا ان درسوں کا خلاصہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اس سفر میں فقیر کو بیت المقدس، دمشق، بغداد، کربلا، کوفہ کی زیارات بھی نصیب ہوئیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

احمد یار خان بدایونی، مدرس مدرسہ غوثیہ نعیمیہ، چوک پاکستان، گجرات، پاکستان